نورِ مبین حبل اللہ المتین

یعنی اللہ کی پاک رسّی

خاص برائے امامی اسماعیلیان

مؤلف
علی محمد جان محمد چنارا

۷۸۶

میرے امام کی حضورِ پُرنور میں

معنون

غلام مخلص

اے۔ جے چُنارا



شجرۂ امامت جس میں امامی علامتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

اس خلقت کا خالق ایک ہے۔ چونکہ وہ قادر مطلق ہے اس لئے تمام حمد وثنا اسی کے لئے ہی زیبا ہے۔ حضرت محمد پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے خاص اپنا حبیب شمار کر کے انسانی خلقت کی بہبودی کے لئے۔ خاتم النبیین کی حیثیت سے روئے زمین پر پیدا کیا، امام مبین، حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ نے آپ کے پیغمبری مشن میں ہر طرح معاونت کی اور قیامت تک مختلف لباس میں یہ امام معصوم ایک ہی ذریعہ کے سلسلہ میں حاضر اور موجود رہیں گے۔ اس نور کو بجھانے کے لئے چاہے دشمنان جتنی کوشش کریں مگر امام کی ذات مقدس کے سراج کی تجلی ہمیشہ منور رہے گی اور اس دنیا کا نظام ان کی حرکت سے متحرک ہوتا رہے گا۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ثبوت میں فرمایا ہے کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (سورہ ۹ آیۃ ۳۲)

یعنی نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کلامِ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا نور مخلوق کی ھدایت کے لئے قائم و دائم رہے گا۔ اور مخلوق تا قیامت اس سے ھدایت و رہبری حاصل کرتی رہے گی۔

خدا تعالیٰ کا شکریہ کہ اس کے فضل کے طفیل اور ھدایت سے اس نورانی سلسلہ کی تاریخ ہدیۂ ناظرین کرنے کے لئے ہم کو یہ موقع ملا ہے۔ اور یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ آٹھ سال کے طویل و طویل تفحص و تجسس کا نتیجہ یہ تالیف ہے "اسمٰعیلی" دنیا میں ہمیشہ اقلیت میں رہے ہیں اور ان کے انتشار اور پراگندگی کی وجہ سے مسلسل تاریخ دستیاب ہونا ایک امر مشکل ہے اس مشکل کے باوجود بھی صدہا تاریخوں سے تھوڑا تھوڑا مواد جمع کر کے اس کو کتابی صورت میں شایع کرنے میں تاخیر ہو یہ ممکن ہے۔ تاہم اس حالت میں ہم سے جس قدر ہو سکا اس کتاب کو بہتر بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔

ہم نے جب یہ تاریخ لکھنی شروع کی اس وقت ایک خاص مقصد ہمارے مدنظر تھا یعنی ہر قوم کے معزز مشاہیر کا نام نہایت مہذبانہ و مودبانہ لکھا ہے حالانکہ حاسد مورخین نے اسمٰعیلیوں کے معزز مشاہیر کو ذلیل کرنے اور ان کے مریدوں کے لئے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے بلکہ بعض جگہ پر بالکل بیدردی اور بدسلوکی سے کام لیا ہے۔ ہم نے ان کی بری مثال سے احتراز کر کے نہایت سلیس طور پر مودبانہ تفصیلات لکھی ہیں تاکہ ناظرین کو کسی طرح کی دل شکنی نہ ہو اور نہایت سکون سے مطالب کے سمجھنے کی کوشش کریں کچھ مورخین۔۔۔ تو حسد اور طرفداری کے عناد سے ایسے بھرے ہوئے ہیں کہ جہاں کسی اسمٰعیلی کا نام آیا اس کے بیان کو حذف کر دینے میں بھی پس و پیش نہیں کیا اور ایک بات کے اصل پہلو کو بدل کر بیدردانہ رنگ آمیزیاں کی ہیں ان کی اس طرز روش کو منصفانہ طبیعت کے لوگ کراہت کی نظر سے دیکھیں یہ ظاہر ہے اس کتاب کی تالیف کے وقت ایسے بے منصفانہ مورخین کی تصانیف سے بھی مواد حاصل کرنے کا اتفاق

پڑا ہے اور ہر زمانہ میں ایسے اشخاص کے دل میں امام کی موجودگی کھٹکتی رہتی ہے۔ اس سلسلہ میں غیر مسلم مورخین کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تاہم موجودہ مہذب دور میں بھی بہت سے مسلم بھائیوں نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے اور ہم ان کے متعلق کچھ کہے بغیر نہیں رہ سکتے انہیں ضرور یہ سمجھنا چاہیئے کہ اسمٰعیلی بھی اسلام کے وسیع درخت کی ایک شاخ ہے جو اپنے امام کو حاضر و موجود دیکھتے ہیں اور جس کے حکم کی متابعت ہی میں دینی اور دنیوی فلاح تصور کرتے ہیں "اولی الامر منکم" سے مراد وہ امام زمان ہی سے لیتے ہیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ اس لحاظ سے فروعات میں۔۔۔ مخلصانہ اختلاف رائے بھی ہو مگر اسلام کے اصل عقائد کو کوئی نہیں ہلا سکتا۔ جس میں اللہ۔ رسول۔ امام۔ میزان (عدل) اور قیامت کے اصول سمائے ہوئے ہیں

ہم خود برسوں سے دیکھتے آئے ہیں کہ ہندوستان کے خواجوں کا بہت تھوڑا حصہ مذہبی مور میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا یا شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔ جب ان کا اکثر حصہ دوسروں سے واقفیت حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے وہ خود اپنے گھر کا معائنہ کرنے کے لئے وقت نہیں نکالتے اور جو کچھ معلومات انہیں باہر سے حاصل ہوتی ہے اسے دیکھا دیکھی سے قبول کر لیتے ہیں۔ یا اپنے ہی گمان سے گمراہ ہو کر اس سے متعلق رہتے ہیں اتنا عرض کرنے کے بعد ہمیں یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ دنیا میں حاسد اور علم کے دعویدار عالموں کی کوئی قلت نہیں ہے وہ خداوندی "اسپرٹ" (روح) پر پردہ ڈالنے کے لئے ذرا بھی نہیں جھجکتے ایسے عالموں کے دام فریب میں آنیوالے اسمٰعیلی کو وہ اسمٰعیلیت میں سے اکھیڑ کر دوسرے مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس صورت حال میں ہم ہماری آنکھوں سے اسمٰعیلیوں سے جو نا منصفانہ برتاؤ کیا جاتا ہے اس کو [illegible] دیکھتے رہتے ہیں۔ مگر ایک چھوٹی سی جماعت اپنی زبان کو کھول کر کے بھی کیا کرے اور اس سے ہو بھی کیا سکے۔ ایسی حالت میں صرف ایک ہی علاج باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ نہایت خاموشی سے اپنی تصنیفات کو دنیا کے سامنے پیش کر کے دنیا کو اسے صدق و کذب کے میزان میں حقیقت کو پرکھنے کے لئے انہیں موقع دیا جائے۔ اور ان کے غیر جانبدار دلوں سے

انصاف کے نام پر اپیل کی جائے۔ ہمارے اس مخلصانہ مقصد کی تکمیل کے لئے "نور مبین" کے نام سے حضرت علیؑ سے لیکر مولانا آغا سلطان محمد شاہؑ حاضر امام تک اڑتالیس اماموں کے مسلسل حالات لکھنے کا اہم کام کو ہم نے اٹھایا۔ اور اس کے تفحص و تجسس کے لئے انگریزی فرانسیسی، عربی، فارسی، اردو، سندھی، گجراتی خواجہ کی اور بواھر کی عربی کتابوں کے ذریعے سے مواد جمع کرنے کے بعد اس ضخیم کتاب کو مرتب کیا ہے۔ تاہم اتنا ہمیں ضرور کہنا پڑے گا کہ مؤرخین کے بحر ذخار سے چند قطرات ہم یہاں پیش کر سکے ہیں۔ موافق و مخالف کتابوں سے بنو فاطمی اور نزاریوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ تاریخی کتب پر سرسری نظر کرنے والے کو پہلی ہی نظر میں یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اصل شخص کی شخصیت کو نہایت مدنظر رکھ کر اس کے حالات کو بدل دیئے گئے ہیں۔ چونکہ ان مشاہر کی صحبت سے وہ باریاب نہیں ہوئے اور تحقیق و تدقیق کی کوشش نہیں کی اس بناء پر باوثوق حالات وہ بیان نہیں کر سکے یہی سبب ہی کہ ان کی تاریخوں میں صدہا غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ مورخین نے اس تاریخی بیان میں اعتدلالانہ روش اختیار کی ہے اور بہت سے مورخین نے اپنے حسد کے بخارات بھی نکالے ہیں اسمٰعیلیوں کو انصاف دینے والوں کی بہت ہی کم تعداد ہے اور وہ بھی اکثریت کے اثر سے دبے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یورپین مورخین نے اکثریت سے اقتباس لئے ہیں اور اسے اپنی ذاتی معیار پر پرکھا نہیں اور تغافل سے کام لیا ہے لہٰذا ان کی کوئی آزاد حیثیت نہیں ہی اور ان کا تاریخی درجہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ کچھ یورپین مورخین اور سیاح اسمٰعیلیوں سے مخالف سرپرستوں کے زیر اثر ہونے سے انہوں نے اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی تصنیفات کو سیاہ ٹیکا لگا لیا ہے یورپین سیاح مارکوپولو کی مثال اس کے لئے کافی ہے۔ مارکوپولو ذات کا وینشین تھا۔ اور وہ تاتاری سلاطین کی صحبت میں پناہ گزین ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ مارکوپولو کو تاتاری دربار سے ایک گران قدر ماہواری وظیفہ ملتا تھا

اسمٰعیلیوں کو تاتاری اپنا حریف سمجھتے تھے انھوں نے آلموت کے اسمٰعیلی قلعہ پر حملہ کرکے اسمٰعیلیوں کا قتل عام کیا تھا۔ یہ بات دنیا میں مشہور ہے۔ مارکوپولو تاتاریوں اور آلموتیوں کا ہمعصر تھا۔ آلموت کے انہدام کے بعد اس نے اس کے قریب شہر قزوین کے راستہ سے اس کا گذر ہوا تھا۔ تاہم اس نے بھی اسمٰعیلیوں کو کبھی ساسین نہیں کہا۔

اس جگہ پر آساسینز کے لفظ کی نسبت کچھ تشریح کی ضرورت ہے سچ بات تو یہ ہے کہ اس خاص واقعہ کو مدنظر رکھنے والے مذہبی مجنون مسیحی مورخوں کی تاریخوں میں یہ لفظ بعد میں استعمال کیا گیا ہے۔ مسلمان مورخوں نے اس لفظ کا استعمال کبھی نہیں کیا آساسن لفظ کے اصل کو ڈھونڈنے کے لئے تیرھویں صدی عیسوی تک ہمیں آنا پڑتا ہے۔ فی الحقیقت بات یہ ہے کہ اس صدی میں جو صلیبی جنگ ہوئی تھی اس کی تاریخ لکھنے والے عیسائی مورخین نے اس کا پہلے استعمال شروع کیا۔ اور بعد ازاں وہ یورپ میں رائج ہوا اس لفظ کے مصدر کو ڈھونڈنے والے اس کے متعلق کچھ تشریح نہیں کر سکے اسمٰعیلی مذہب اور تصنیفات کی فرانسیسی محقق سلویسٹر ڈی۔ سیسی جیسوں کو بھی اس لئے الجھن واقع ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں انسٹیٹیوٹ آف فرانس میں "میماپر آن دی ڈائنسٹی آف دی آساسینز اینڈ دی اوریجن آف دیئر نیم" یعنی دولت آساسینز کی سرگذشت اور ان کی نام دہی کے اسباب اس کی نسبت انھوں نے صاف طور سے ظاہر کر دیا ہے کہ "اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے اپنی رائے کو جو حد میں نے مقرر کی ہے وہ مختلف علماء کی تجویز کردہ تشریحوں کی نسبت مجھے بحث کرنے سے باز رکھتی ہے۔ میرے لئے صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ وہ سب غلطی کر رہے ہیں کیونکہ انھوں نے جس میں یہ الفاظ استعمال ہوا ہو ایسی عربی کتاب کا مطالعہ قطعی نہیں کیا۔

مشرقی مورخین نے آساسین لفظ کے بجائے اکثر اسمٰعیلی اور کبھی کبھی حسد و تعصب سے ملحد اور باطنی لفظ استعمال کیا ہے۔

سلویسٹر ڈی سیسی کی مندرجہ بالا رائے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال اور

اصل مسلم مورخین میں نہیں بلکہ متعصب عیسائی مورخین کی تاریخوں میں ملتا ہے انہوں نے اپنے کوئی خاص مقصد کی تکمیل کے لئے اس کی تجویز کی تھی۔

فی الحقیقت اسلام کو شکست دینے کے لئے نصاریٰ مجاہدین آئے تھے۔ یعنی ان کا ارادہ کسی طرح بھی اسلام کو بدنام کرنے کا تھا۔ آسا سنز لفظ کی بنیاد کیسے مصنوعی طریقہ سے ڈالی گئی تھی یہ اس سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے لہٰذا اس کی نسبت زیادہ کہنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔

تاریخ جہاں کشا کا مصنف عطا ملک جوینی تاتاریوں کا طرفدار اور ان کا ایک شاہی عملدار اور تاتاری سلطنت میں ایک بڑے مرتبہ کا مالک تھا۔ اس کے دل میں اسمٰعیلیوں کے متعلق اچھی اور بہتر رائے اس کی ذات سے اُمید رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے تاہم وہ اس صداقت کو خوش اسلوبی سے تو نہیں مگر بے ڈھنگے پن سے ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ آلموت کے انہدام کے بعد بھی یہ مورخ زندہ تھا۔ مگر دشمن کی زبان سے صاف طور پر الفاظ نکلیں ایسا کیونکر ممکن تھا۔

مصر میں بنی فاطمہ کے زمانہ میں بنی عباس ان کے سخت حریف تھے اور وہ چاہتے تھے کہ بنی فاطمہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو تو عباسی اکیلے اسلامی شہنشاہیت کے تخت پر حکومت کریں ایران میں آلموت میں قائم شدہ نزاری حکومت کے زمانہ میں بھی بنو عباس ان کے ہمعصر تھے بنی فاطمہ یا نزاریوں کی حکومت کا قلع قمع نہ کر سکنے سے اسلامی عالم میں ان کی بے عزتی ہو گی اس لئے مذہب کے بارہ میں حاسد اور متعصب عالموں کو آلۂ کار بنا کر ان کے خلاف فتاویٰ صادر کروائے اور ان مورخین کو اپنی طرف پورے طور سے مائل کر لیا اور جھوٹی باتوں کی اشاعت سے بنی عباس اپنی مخالفت ظاہر کرتے رہتے تھے انھوں نے رقابت سے کیا کیا کوششیں کی تھیں۔ اس کا بیان ابن خلدون بھی کئے بغیر رہا نہیں۔ اسی عناد وحسد کے درمیان بنی فاطمہ اور بنی عباس کبھی متحد نہ ہو سکے۔ آخر غیر مذہب والے ان دونوں کو مٹا دینے کے لئے درپے ہوئے اور انھوں نے پہلے آلموت کے اسمٰعیلی سلطنت کا خاتمہ کیا ــــ بعد ازاں بغداد کے بنی عباس کی سلطنت کی بیخ کنی کی۔ دونوں اسلامی سلطنتیں اس طرح منہدم ہو گئیں

اور تاتاریوں کا جھنڈا لہرانے لگا۔ ان واقعات کے بعد بنی فاطمہ یعنی نزاری سلسلہ کے ائمہ درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے اور ان کی زیر سرپرستی اسمٰعیلی دعوت آگے بڑھنے لگی۔

اس تاریخی واقعہ کے زمانہ میں شمس تبریزؒ نامی ایک اسمٰعیلی بزرگ ایک غیر معمولی شخصیت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں اسمٰعیلیوں کو غیر موافق فضا میں کام کرنا پڑتا تھا۔ اور ان کے ہمعصروں کے ملتے جلتے نام اور ایک زمانہ کے لحاظ سے تاریخوں میں صحیح واقعات کے متعلق کچھ الجھنیں پیدا ہوئی ہیں۔ حضرت شمس تبریزؒ اور حضرت شمس سبزواری (ملتانی) دونوں کو کئی مصنفوں نے ایک ہی شخص لکھا ہے۔

تاریخ گلزار شمس نامی کتاب میں بھی دونوں کو ایک ہی شخص بتایا گیا ہے۔ اس اختلافات کے باعث ہم نے اسمٰعیلی مشاہر نامی ہماری تصنیف میں آپ ایک ہی صاحب ہیں اس طور سے بیان کیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں ہم نے ان مصنفوں کی مطابقت کی تھی مگر "نور مبین" کا مواد فراہم کیا جاتا تھا اس وقت ہم کو ایسے بھی وسائل دستیاب ہوئے، جس کی رو سے یہ دونوں بزرگ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس کا ہمیں یقین ہو گیا۔

مولانا جلال الدین رومی کے مرشد حضرت شمس تبریزؒ ابن حضرت امام علاء الدین محمدؑ ہیں۔ جب حضرت شمس تبریز ملتانی پیر صلاح الدین سبزواری کے صاحبزادہ ہیں۔ یہ دونوں جلیل القدر بزرگ اسمٰعیلی درخت کے جھکتے ہوئے پھول تھے۔

ایران میں شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ میں اثنا عشری مذہب شاہی مذہب ہو گیا تھا۔ اور اسمٰعیلیوں کو اس کے لئے اپنی قلیل تعداد کے باعث بہت سے شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ آلموت کے انہدام کے بعد سیاسی امور سے فارغ ہو کر اسمٰعیلیوں نے ایران کے علاقہ آذربائیجان میں سکونت اختیار کی تھی۔ جس کا پایہ تخت تبریز تھا اس زمانہ میں حضرت امام شمس الدین محمدؑ ایک زردوز کی حیثیت سے تاجرانہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم اسمٰعیلی امامت کی بزرگی اور عظمت کچھ کم نہ تھی۔ صفوی اور قاچاری بادشاہوں کے

شاہزادیوں سے امامؑ کی شادیاں ہوئی تھیں۔ بایں ہمہ کہ یہ بادشاہ اثنا عشری مذہب کے پابندیوں میں سے تھے۔ ایران میں بھی اس زمانہ میں ملا شاہی دور کے مورخین کے کورانہ بیان اور ایرانی بادشاہوں کی شاہی نوازشات کے باعث اسمٰعیلیوں سے ان لوگوں نے درگذر نہ کیا تھا۔ بلکہ مذہبی تعصب کے باعث اپنی تصنیفات و تالیفات میں اسمٰعیلیوں کی حتی الامکان مخالفت کی۔ مگر زمانوں کے بعد اسمٰعیلی مخالفت کی کہانیاں تمام غلط ثابت ہونے سے اصلاح کر کے اسمٰعیلیوں کو انصاف دینے کے لئے کئی مورخین نے کوشش کی ہے۔ بنی فاطمہ کی سلطنت کے زمانہ میں اور نزاری سلطنت میں اسمٰعیلی تصانیف کی اشاعت پذیر ہو چکی تھیں جس کا ثبوت تاریخ سے مل جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسمٰعیلی سلطنتوں کے انہدام کے بعد حکومت پر آنے والے سلاطین نے مذہبی تعصب کے باعث اسمٰعیلی تصنیفات کو جلا کر نابود کر دیا تھا۔ جس کے سبب سے اسمٰعیلیوں کو اپنی تاریخ کی تلاش اغیار کے ذرائع سے کرنی پڑتی ہے۔

تاریخ اسلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ تاریخ کی جستجو کرتے ہوئے ہمیں ماننا پڑے گا کہ مسلم تاریخ میں فاطمی سلطنت کے سوا کوئی ایسی دوسری رعب دار جاہ و جلال والی سلطنت نہ تھی کہ دوسرے کسی خاندان نے ایسے کارنمایاں کئے ہوں۔ ایسے صداقت آمیز کلام کی مخالفت میں تمام متعصبین کی آگ مشتعل ہو اور زمانہ کی موافقت سے دستیاب شدہ موقع کا ناجائز استعمال کر کے اسمٰعیلیوں کی مخالفت میں مسخر کریں۔ تو ایسے مورخین کا کون ہاتھ پکڑ سکتا ہے اور ان جھوٹی کیفیات کے باعث زمانہ قدیم کے دوسرے انجان مورخین بھی ان کے حوالہ سے تاریخ مرتب کریں یہ بہت ممکن ہے اور اسی سبب سے ہم جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی میں صفائی کا موقع حاصل نہ ہونے سے آج بھی ان تصنیفات میں یہی مضامین باقی ہیں۔ برے کام کرنے والے قرمطی یا خون کرنے والے اسانسز کی جھوٹی تہمت اسمٰعیلیوں پر لگائی ہے۔ اور اب تک وہ دیکھنے میں آتی ہے۔ صحیح طور پر اگر

دیکھا جائے تو یہ کام کرنے والے اسمٰعیلی نہ تھے۔ قرمطیوں کا انجام اسمٰعیلیوں کے ہاتھ سے ہی ہوا تھا اور اپنی محافظت کے لئے یا سیاسی لحاظ سے بہادر دشمنوں کا مقابلہ لشکر کے چھوٹے دستوں سے نہ ہو سکنے کے باعث مشکلات کو دور کرنے کے سوا دوسرے کسی مقصد سے اسمٰعیلیوں نے کبھی بھی خنجر یا دوسرے ہتھیار کا استعمال نہیں کیا۔

حضرت علی صلواۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد کے اماموں کو ایک گروہ نے علیؑ کو اللہ کر مانا۔ بنی فاطمہ کے زمانہ میں حضرت امام حاکم ابو علیؑ نے سلطنت کے سیاسی امور کے لحاظ سے نصاریٰ کے گرجا گھروں کو منہدم کیا اور یہودیوں کے گلے میں پانچ سیر وزن کی بیاوات کا بنا ہوا گوسالہ یا نصاریٰ کے گلے میں (صلیب) پہننے کے لئے شاہی فرمان جاری کیا۔ آلموت کے اسمٰعیلی زمانہ میں حضرت امام حسن علی ذکرہ السلام نے ۱۹ رمضان کو روزہ افطار کرنے کا حکم کر کے اپنے مریدوں کی کسوٹی کی۔ ان تمام مواقع پر امامت کے ساتھ سلطنت متصل تھی ان تمام کا خیال نہ کر کے صرف تاریخ ہی تاریخ سے رنگا ہوا ایک مسلمان، یہودی، عیسائی اگر تاریخ لکھنے کی ابتدا کرے تو کیا لکھے گا۔ ناظرین کو چاہیئے کہ ان باتوں کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑیں۔

ہماری تصنیف میں بنی عباس اور بنی اُمیہ کا بیان بہایت تفصیل سے لکھا گیا ہے ایران میں اماموں کی سکونت کے بعد صفوی نادری زند اور قاچاری حکومتوں کی تفاصیل بھی نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ بنی فاطمہ کے سلطنت کے زمانہ میں عباسی اور اموی سلطنتیں بھی حکومت کرتی تھیں۔ اور وہ سیاسی امور کے لحاظ سے ہر وقت مقابلہ کرتے رہتے تھے اسی طرح اسمٰعیلی اماموں کے ساتھ اثنا عشری بادشاہوں کی بھی ان کے اکثریت کے باعث جھگڑے اور مقابلہ ہوتے رہتے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے تاریخی واقعات پر غور کرنے کے لئے ہماری تصنیف میں پورا مواد موجود ہے۔

اسمٰعیلی اماموں کے تین طبقے عرب، عجم اور ہندوستان میں ہوئے ہیں ان کی دعوتیں بھی تینوں طبقوں میں حکمتوں سے معمور رہیں۔ جن کے ذریعہ ہدایت حاصل کر کے اہالیان عرب و عجم اور

ہندوستان امام کا تعارف حاصل کر سکے جو دوسرے اسلامی رعایا کے حصہ میں ایسے واقعات پیش نہیں آئے۔ انھوں نے ایک ہی دستورِ عمل پر دعوت کا دار و مدار رکھا ہے اس لحاظ سے اسمٰعیلی دعوت کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی نکتہ چینی کرے اس کے قبل وہ الٰہی کلام کے مطابق "ایک مچھر کی مثال دینے میں میں شرماتا نہیں ہوں" سمجھوں نہ جانا چاہیئے۔

اللہ نور ہے اور وہ کامل ہے۔ اس کے کبھی حصّے نہیں ہوتے۔ یہ پاک نور جس طور پر چمکا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے آگ لینے کے لئے جاتے وقت اس نور کو درخت میں دیکھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پتلہ میں یہ نور داخل ہوتے ہی فرشتوں نے اللہ جل شانہٗ کے حکم سے سجدہ کیا۔ اسی طرح اسمٰعیلی اس مقدس نور کو امام کے سینہ مبارک میں سمایا ہوا سمجھ کر اس کی ہی طاعت کرتے رہتے ہیں۔

دنیا اور آخرت کا مقصد اللہ ہے۔ اللہ کو ماننا یہ اسلام کا مخصوص عقیدہ ہے مگر اسے کس طرح سمجھا جائے۔ یہ ایک سوال ہے۔ اہل تسنن کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ یوم قیامت کو تخت پر جلوہ افروز ہو کر انصاف کرے گا۔ اثنا عشریوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ مرئی نہیں ہے یعنی خدا تعالیٰ دنیا یا آخرت میں بالکل دکھائی نہ دے گا" اللہ کا دیدار اور محمدؐ کی شفاعت" یہ جملہ اسلامی عالم میں مروّج ہے اور اس سے مراد" کلام ربانی" لیتے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے جس طرح اہل تصوّف اپنے مرشد کا تصور کر لیتے ہیں اسی طرح اسمٰعیلی فرقہ امام کے جامہ میں اللہ کو جلوہ گر مان کر ان کے دیدار کو ہی اللہ کا دیدار کہتے ہوئے ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) وجہ اللہ (خدا کا چہرہ) لسان اللہ (خدا کی زبان) عین اللہ (خدا کی آنکھ) سے مراد بھی امام کو لیتے ہیں۔

امام دنیا میں ایک بشری جامہ میں موجود ہیں۔ انھوں نے کھایا۔ پیا۔ حرکت کی۔ چلے پھرے، سوئے، جاگے اپنی آل اولاد میں مشغول رہے۔ بادشاہی کی غربت میں بھی زندگی گزاری زندان میں بھی اوقات بسر کئے۔ آزادی میں بھی رہے۔ سوداگر بنے

تجارت کی ۔ لڑائیاں کیں جس میں کسی وقت شکست اٹھائی اور اکثر اوقات فتح حاصل کی سلطنت اور مذہب کے واسطے جنگ کی۔ کسی وقت اپنی ذات کے واسطے جنگ کی۔ اور شہید ہوئے ۔ دشمنوں کے ہاتھ سے جام زہر پیکر وفات پائی ۔ یا دغا بازوں کے زخم کے باعث شہید ہوئے ۔ اور موت آتے ہی دنیائے فانی کو ترک کر گئے ۔ ان کے لئے قدرت کی طرف سے کوئی مقرر دستور قائم نہیں ہے ۔ صرف ذریعہ یعنی سلسلہ علی کے بعد علی کے فرزند علی بن کر علی کی مسند پر متمکن ہوں وہی علی ' اور وہی زمانہ کا امام ہے امامت کو اسمٰعیلی عقاید کے سامنے رکھ کر اسمٰعیلی دعوت نے ہمیشہ حکمت کے ساتھ کام کیا ہے وہ ایک ہی اصول پر قائم رہ کر دوسرے شخص کے دماغ میں ماننے کے لئے ایک نہیں بلکہ کئی طرح فہمائش کرنے میں حتی الامکان کوشش کرتے ہیں اور اس کے مقصد کو جانے بغیر ایک ہی طور سے خیال کرنیوالے دوسرے راستہ کی نسبت چاہے کتنا ہی چون وچرا کریں مگر دونوں راستوں کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے ۔ جنگل میں رہنے والے عرب سے اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں کلمہ پڑھنے والے اس کے کروڑوں بھائی وہاں بستے ہیں تو اس بات کو وہ شاید ماننے بھی نہیں ۔ اور کہے گا کہ ہندوستان تو ہندوؤں کا ملک ہے ایسے لوگوں کو کس طرح سمجھایا جائے ۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے ۔ اسمٰعیلیوں کو بھی پہچاننے کی بھول بھلیاں کا یہ ایک سبب ہے ۔

اناج ۔ صفا اور عشر یہ تینوں چیزیں اسمٰعیلی رسوم میں مخصوص ہیں ۔ اناج کپڑے اور معدنیات میں اللہ کا حق ہے ۔ جب پکے ہوئے اناج کا الگ الگ فریق نذر نیاز کرتے ہیں ۔ اور اس پر فاتحہ خوانی جیسی مذہبی رسوم ادا کر کے فقیروں کو، بچّوں کو یا اپنے خویش اقربا کو کھلا دیتے ہیں ۔ اسی طرح اسمٰعیلی پاک شدہ اناج امام کے نذر کرتے ہیں بعد ازاں اس کے مالک امام ہو جاتے ہیں ۔ اور آپ ہی کی منصفی پر "نا ندی" ہوتی ہے آبِ صفا ۔ یہ پاک کردہ امام کا دم کیا ہوا پانی ہے ۔ جس طرح اسلام میں عام طور پر آبِ زمزم ہے ۔ جس کے پینے سے دل پاکیزہ ہوتا ہے اور میت پر چھڑکنے سے اس کے لئے امانی

شمار کی جاتی ہے۔ اسی طرح خاک شفا بھی ایک طرح کا تبرک ہے تیسری شے عشر یعنی دہم ہے۔ اس کی نسبت علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ فاطمی خلافت کا زمانہ جسوقت جاری ہوا اس زمانہ میں جزیہ لیا جاتا تھا اس رواج کو بند کرکے عشر یعنی دسواں حصہ زکواۃ نذر و نیاز کی رقوم سلطنت کو دیجاتی تھیں جس کے سبب سے سلطنت کے تمام کاروبار چلتے تھے یہ عشر وصول کرنے کا قدیم اسلامی رواج ہے۔ اور وہ اسلام کے ابتدا سے ہی تھا اور آج بھی اسمٰعیلی اسکو امام کی خدمت میں نذر کرتے ہیں سر ولیم میور کی لکھی ہوئی "خلافت اس کا عروج وزوال" نامی کتاب میں اس عشر کا بیان مختلف مقامات پر کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانہ میں بنی عبس اور دوسرے عرب قبائل نے اسلام کے مقابلہ میں جو بلوہ کیا تھا۔ اسے فرو کرنے کے بعد عشر کی رقوم مختلف ممالک اور قبائل سے حاصل ہوئی تھیں ایسا ذکر کیا گیا ہے (صفحہ ۱۶) حضرت عمرؓ کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے سر ولیم میور لکھتا ہے کہ ان کے زمانہ میں زمین اور ملکیتوں پر خراج اور جزیہ لیا جاتا تھا۔ موخرالذکر محصول صرف غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا اور مسلمان اس کو نہ دیتے تھے مگر انہیں عشر دینا لازمی تھا۔ جو ان کی زمین کے پیدائش کا دسوا حصہ ہوتا تھا (صفحہ ۱۲۴) خالد بن ولید نے بنی تغلب کے نصرانی عرب جب تابع فرمان ہو گئے۔ اس وقت وہ چاہتے تھے کہ اپنے کو محفوظ رکھکر عربستان میں بود و باش اختیار کریں۔ انھوں نے ایک وفد بھیجکر حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ جزیہ لینے کے معاوضہ میں مسلمانوں کی طرح عشر اگر ہم سے لیا جائے تو ہم اس کا دوچند دینے کو تیار ہیں۔ اور اس کے عوض میں اہل اسلام کو جو رعایات دیجاتی ہیں وہ رعایات ہمیں بھی دی جائیں، حضرت عمرؓ نے اس مطالبہ کو بخوشی تمام منظور کیا (صفحہ ۱۲۴) اس زمانہ میں بھی عشر کا رواج دکھائی دیتا ہے اسی طرح دوسری بہت سی مثالیں ملتی ہیں اسی کے مطابق اسمٰعیلی بھی یہ عشر امام کو نذر کرتے ہیں بنی فاطمہ کی سلطنت مصر میں تھی اسوقت بھی اسمٰعیلی اسی طور سے عشر نذر کیا کرتے تھے۔

اسلام کی اشاعت کرنے میں بنی فاطمہ نے عظیم الشان کارروائیاں کرکے زبردست حصہ لیا ہے۔

حضرت شمس الدینؒ حضرت پیر صدرالدینؒ حضرت پیر حسن کبیرالدینؒ اور ان کی کثیر تعداد اولاد سارے ہندوستان میں پھیل گئی تھی اتنا ہی نہیں بلکہ غزنی، افغانستان اور سمرقند وکش میں بھی انہوں نے تبلیغ کی تھی۔ جس کے ہاتھوں پر کروڑوں لوگ اسلام میں داخل ہو کر اللہ رسول اور امام کی شناخت کرنے لگے تھے۔ زمانہ گذرنے سے امویت کے کسی حاکم کی زبردستی اور اثر سے یا کسی دوسرے گروہ عظیم کے دباؤ سے الگ فرقوں میں داخل ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ آخری دور میں درویشوں، سادانوں، صوفیوں، ولیوں، اور اماموں کی پیروی کرنے والوں کے ہاتھ پر دعوت کا عظیم الشان کام انجام پذیر ہوا تھا۔

امام کو مان کر ان کے حکم سے اپنی قربانیاں کرنے والے مذہب کے پیرو وقتاً فوقتاً ہوئے ہیں۔ وہ زندہ آگ میں گرنے سے بھی مطلق نہیں رکے اور وہ راہ صداقت کی پیروی کرنے سے دیواروں میں چنے جاتے تھے تو بھی آہ نہ کی وہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے تیز ہتھیاروں سے قربان ہونے میں ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرتے تھے اسی طرح مصائب کو برداشت کر کے امام کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے اسمٰعیلی اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس کا زمانہ گذر چکا ہے اسمٰعیلیوں کی مذہبی زندگی میں آلام و مصائب کے بہت سے واقعات گذرے ہیں مگر زمانہ امام مقدس کی کامل مذہبی عمارات سے ایک کنکر بھی ہٹا نہ سکا اور نہ ہلا سکے گا۔ یہ مذہب ہمیشہ قائم دائم وآباد اور ترقی پذیر رہے گا۔ اس کے سامنے سرتابی کرنیوالوں کی سرکوبی ہو گئی ہے۔

ہماری یہ پہلی تاریخی تصنیف ہے یہ آخری ہے ایسا نہ سمجھیں ابھی اس میں بہت سی ترمیم اور اضافہ کرنے کی گنجائش ہے اور جسقدر زیادہ مواد ملتا جائے گا زیادہ تحقیق ہوتی جائیگی۔ آج تک جتنی تاریخی اسمٰعیلی کتابیں گجراتی زبان میں شائع ہوئی ہیں اس میں زیادہ پُر از معلومات اور زیادہ زمانوں کی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہے اور مخصوص واقعاتی مطابقت کی تازہ کارگذاری ہے

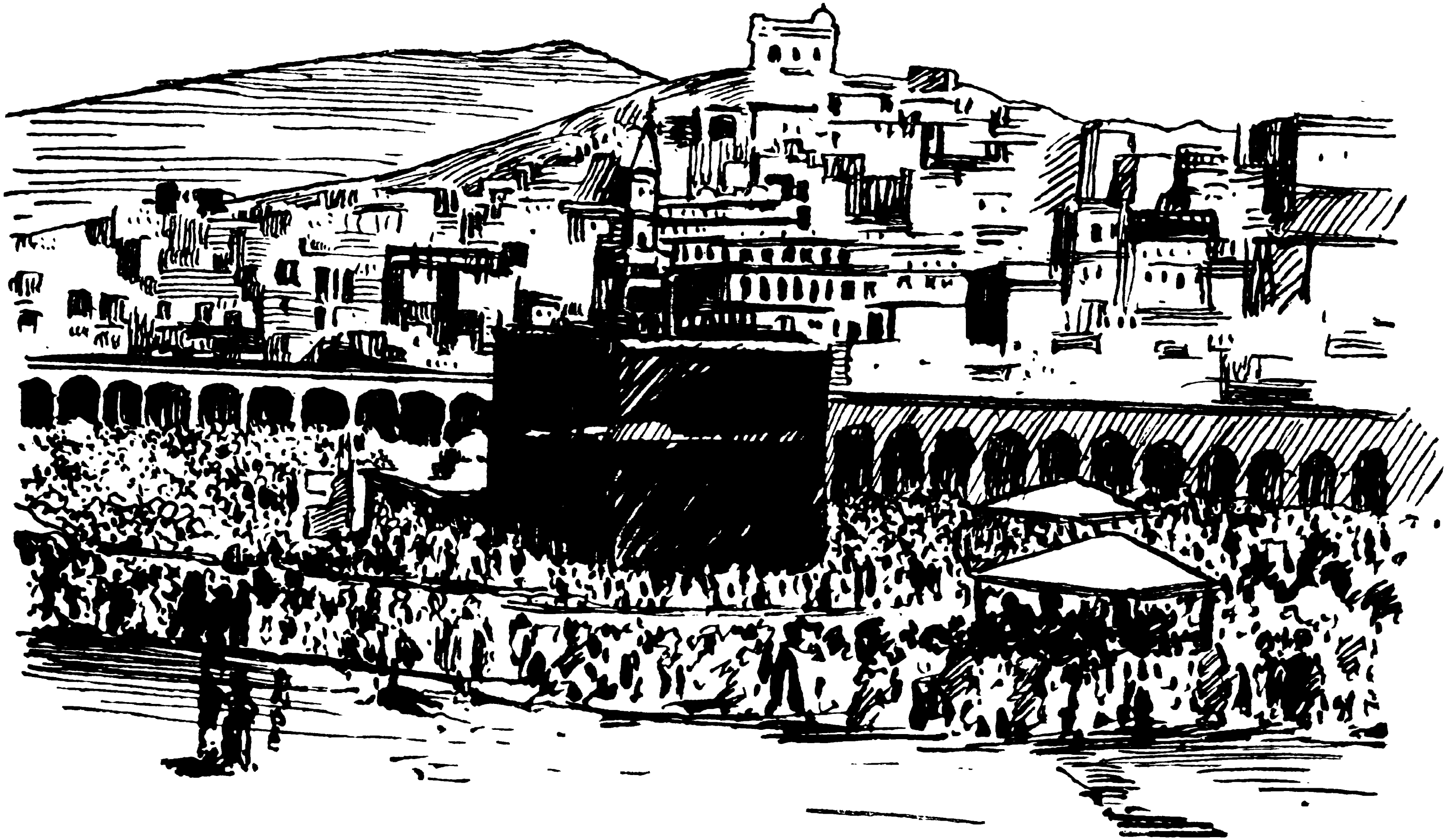
نورمبین کا اردو ترجمہ اردو لٹریچر میں بھی ایک پہلی اسمٰعیلی تاریخی تصنیف ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ سے مجموعی اسمٰعیلی تاریخ اور اسمٰعیلی عقیدوں کے متعلق اردو دان حضرات کو مطالعہ کا موقع ملے گا۔ اور وہ اس سے لطف اندوز ہوں گے

اس طرح ہمارے مطالعہ کا یہ ادنیٰ ثمر ناظرین کے سامنے پیشکش کرتے ہوئے ہمیں نہایت مسرت محسوس ہوتی ہے ناظرین ہماری کوششوں کو تقویت کی نظر سے سرفراز کریں گے ایسی ہم اُمید رکھتے ہیں۔

اس تمہید کو ختم کرتے ہوئے ہمیں عرض کرنا چاہیئے کہ انسان خطا و نسیان سے بری نہیں ہے۔ اگر ہم بھی دانستہ یا نادانستہ اس کے مرتکب ہو گئے ہوں تو یہ معمولی بات ہے۔ لہٰذا ناظرین والاتمکین اپنی دریا دلی سے اسے درگذر کریں گے۔

اس تاریخی سلسلہ میں جو ذات پاک منسلک ہیں ان کی عقیدت کی روشنی سے ہم اپنے اس عظیم الشان کوششوں میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی کا نتیجہ ہے ایسا سمجھتے ہیں اور زمانۂ مستقبل میں وہ نور لایزالی اپنی روشنی کی تابندگی سے کار خیر کرنے کے لئے ہماری تقویت و معاونت کرتا رہے گا۔

ہمارے ادارہ کے زیر اہتمام اردو زبان کی یہ پہلی تصنیف ہے اس کے شائع کرنے میں ہمارا صرف یہی مقصد ہے کہ اسمٰعیلی ائمہ کرام کی تاریخ جو ہم نے پیش کی ہے اس سے اردو دان ناظرین فائدہ اٹھائیں گے۔ اور اس کتاب کی زبان اگر فصیح و بلیغ نہ معلوم ہو تو ہمیں درگذر کریں گے۔ اس کتاب کی زبان کو نہایت سلیس اور عام فہم رکھنے کا ایک یہ بھی مقصد ہمارے پیش نظر رہا کہ ہندوستان کے ہر صوبہ کے معمولی اردو پڑھے لکھے حضرات اس کے مضامین اور مقصد کو بآسانی سمجھ سکیں۔



مکۂ معظمہ :۔ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت گاہ

٦،٦

اللہ اکبر

نورِ مبین

یعنی

حبل اللہ المتین

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار۔ لَافَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

حضرت امام مولانا شاہ علی المرتضیٰ

ایامِ امامت تیس۳۰ سال قبل از ہجری تا سنہ۴۰ ہجری

شجرۂ مبارکہ

امیرالمومنین علی المرتضیٰ مشکل کشا۔ امام مولانا حضرت **علی** علیہ السلام کا شجرۂ مبارکہ حسبِ ذیل ہے:۔

علیؑ ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مورے بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نذر۔

تاریخ خلفاء میں شجرہ کی فصل میں فقط یہی چودہ۱۴ نام درج ہیں دوسرے مورخین نے حضرت آدمؑ

تک آپ کا شجرہ بیان کیا ہے۔ اہل تسنن کے معروف و معتبر محدث حضرت بخاری نے صحیح بخاری میں "مبعوث النبی" کی فصل میں حضرت نذر سے اور بھی آگے نام ذکر کئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:-

نذر بن کنعان بن خذیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مدیر بن نزار بن معاد بن عدنان۔ اور یہاں تک تمام مورخین اور مفسرین متفق الرائے ہیں۔

یہ تو مسلم ہے کہ حضرت علیؑ کا سلسلہ برابر آدمؑ تک پہنچتا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں کہیں کہیں مورخین میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ مگر بہر طور آدمؑ جو ابوالبشر ہیں وہاں تک برابر حضرت علیؑ کا نسب نامہ تحریر کرتے ہیں اور آپ کے آباء کے تمام اسماء اسلامی تاریخی کتب میں نہایت تفصیل سے مندرج ہیں۔

ولادت اور وفات حضرت ابوطالب (علیہ السلام)

حضرت علیؑ کے والد ماجد حضرت ابوطالب تھے۔ آپ کا اصلی نام عبد مناف ہے۔ بعض مورخین نے "عمرانؑ" کے اسم گرامی سے بھی تعارف کرایا ہے۔ مگر آپ ابوطالب کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت عبدالمطلب کے وفات کے بعد حضرت ابوطالب دینی امور کے مالک ہوئے۔ اور آپ ہی کو حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اور پرورش سونپی گئی۔

حضرت عبدالمطلب کے گیارہ فرزند تھے۔ جن میں حضرت ابی طالب اور حضرت نبی صلعم کے والد ماجد حضرت عبداللہ دونوں ایک ہی والدہ کے بطن مبارکہ سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم شریف حضرت فاطمہؑ مخزومیہ بنت عمر بن عائذ تھا۔

حضرت ابوطالب کی پیدائش ۵۶۲ء عیسوی میں ہوئی۔ چھتیس سال کی عمر میں آپ پیشوا ہوئے آپ بیضۃ البلد، شیخ القریش، سید البطحیٰ، رئیس مکہ، ولد ہاشمی کے القاب گرامی سے عربوں کے درمیان

معروف تھے۔

حضرت ابوطالب کی وفات تین سال قبل از ہجرت ہوئی۔ آپ کی وفات سے حضرت رسول خدا صلعم کو نہایت صدمۂ عظیم ہوا۔ اور آپ اسی معنی سے فرماتے تھے۔ کہ آج مجھ پر سے سایہ پدری اٹھ گیا۔ اور اسی لئے آپ نے اس سال وفات کو عام الحزن سے (یعنی غم کا سال) نام رکھا۔

ولادت باسعادت حضرت علی (علیہ السلام)

حضرت علی المرتضیٰ کی ولادت باسعادت بیت اللہ یعنی خانۂ خدا میں یوم الجمعہ ۱۳ رجب المرجب عام الفیل کے اٹھائیسویں سال میں مطابق ۶۰۰ء عیسوی میں ہوئی۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔ آپ ہی پہلی خاتون ہیں جو ہاشمی حسب و نسب میں حضرت امامؑ کی والدہ ہوتی ہیں۔ اور حضرت علیؑ بھی اسی طور سے اوّل ہیں ــــــ جو ہاشمی خاندان کے والدین سے پیدا ہوئے۔

عرب کے مشہور مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جس وقت مولاتنا فاطمہ بنت اسد کی وفات ہوئی۔ حضرت محمد صلعم جنازہ کے ساتھ تھے۔ اور یہ فرماتے تھے کہ آپ ہی میری والدہ ماجدہ تھیں۔ آپ خود بھوکے رہکر مجھے کھلاتی تھیں۔ آپ پیوند والے کپڑے استعمال کر کے مجھے بہترین لباس سے آراستہ کرتی تھیں۔ آپ خود اپنے اوقات کو خدا تعالیٰ کی بندگی میں صرف کرتی تھیں اور مجھے بھی عرفان الٰہی اور آخرت کی نصیحت آمیز تقریر سے بہرہ ور فرماتی تھیں۔ جناب فاطمہ بنت اسد کی وفات جنگ اُحد کے تین سال بعد ہوئی تھی۔

حضرت علی (علیہ السلام) کے تین مشہور و معروف نام

آپ تین اسم گرامی سے مشہور و معروف ہیں۔ علی۔ حیدر۔ اسد۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے اپنے والد کا نام زندہ رکھنے کے لئے اپنے فرزند کا نام اسد رکھا تھا۔ حضرت علیؑ کی پیدائش کے بعد

جب آپ کی والدہ ماجدہ پہلے گھر میں تشریف لائے تو آپ کو علیؑ کے اسم جلیل سے یاد فرمایا اور حیدر بھی آپ کی والدہ نے آپ کے تعجب خیز اور حیرت انگیز کارنمایاں کو دیکھکر رکھا ہے۔ بہر حال ان تینوں اسماء گرامی میں سے آپ کا نہایت عظیم و جلیل نام علیؑ ہے۔

حضرت علی (علیہ السلام) کے القاب

آپ کے القاب نہایت کثرت سے ہیں۔ جن میں سے فقط چند یہاں ہم درج کرتے ہیں۔ "امیرالمؤمنین۔ اسداللہ۔ مرتضیٰ۔ یداللہ۔ مشکل کشا۔ شاہ مردان۔ شیر یزداں۔ شاہ ذوالفقار۔ دُلدُل سوار۔ ماسوا ان کے آپ کو نفس رسول صلعم سے بھی نامزد کرتے ہیں۔ یہ لقب مبارک آپ کا قرآن کریم میں آیۂ مباہلہ سے صاف ظاہر ہے۔ عربستان کے نجران نامی شہر کے چند نصاریٰ (پادری) جناب رسول خدا صلعم سے مباحثہ میں اگرچہ پورے قائل ہوئے لیکن پھر بھی اپنے جہل پر قائم رہے۔ اس لئے رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا ایسا حکم ہوا ہے کہ یا تو تم لوگ اس میری حجت میں جس طور سے قائل ہوئے ہو اس کا اعتراف کرو یا مباہلہ کرو یعنی ایک فریق دوسرے فریق پر لعنت کرے۔ جو فریق اس میں خدا کے نزدیک باطل پر قائم و مُصر رہے گا۔ اس پر ضرور عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ اس آیۂ کریمہ میں حضرت علیؑ کو خدا تعالیٰ نے "انفسنا" سے خطاب فرمایا ہے اسی بناء پر ایک روز عمر بن العاص نے حضرت رسول خدا صلعم سے حضرت علیؑ کے بارہ میں سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "کیا تو میرے نفس کے بارہ میں مجھ سے سوال کرتا ہے"؟

قرآن شریف اور احادیث نبوی میں حضرت علی (علیہ السلام) کا ذکر

حضرت علیؑ کی شان میں قرآن شریف میں تقریباً چار سو آئتیں نازل ہوئی ہیں۔ ان تمام آیات کی کیفیت وحی اور شان نزول ہے۔ مسمی بالتشریح آیات جلی فی شان مولانا علیؑ کتاب میں مفصل درج ہیں۔ مشہور و فاضل علامہ و مورخ اہل السنّت جلال الدین سیوطی نے اپنی تصنیف تاریخ الخلفاء میں

لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی شان مبارک میں تین سو آئتیں قرآن شریف میں نازل ہوئی ہیں۔ جس کی تائید و تفصیل ابن عباس نے بھی کی ہے۔ اور ماسوا ان آیات کریمہ کے بکثرت احادیث بھی آپ کی شان میں ہیں جن کے بیان میں صدہا تصنیفات فی الحال لکھی ہوئی موجود ہیں آپ کی شخصیت عظیم ہے آپ علم و شجاعت و جوانمردی و ہمدردی وغیرہ تمام اوصاف حمیدہ میں بالکل بے نظیر ہیں۔

حضرت علی (علیہ السلام) کا حلیہ شریفہ

آپ میانہ قد سے قدرے اونچے تھے۔ جانبین میں جسیم تھے۔ داڑھی چوگرد تھی۔ آنکھیں عجیب روشن اور دلآویز تھیں۔ وسیع سینہ، زانو بھرے ہوئے اور شکم چندان باہر نکلا ہوا تھا۔ تالو پر بالکم اور پیشانی وسیع مگر شکن دار تھی، اور دانت مثل دانہائے انار چھوٹے تھے۔ ہاتھ ذرا لمبے ہتھیلی سخت اور گردن قدرے دراز تھی۔ گندمی اور سرخی مائل رنگ تھا۔ آپ کا وجیہہ اور رعب دار چہرہ ہر وقت ہشاش بشاش رہنے کے سبب سے دانتوں کا جلوہ ہمیشہ ہوتا رہتا تھا۔ چال دھیمی اور سبک تھی۔ الغرض آپ کا تمام جسم خوبصورتی اور مضبوطی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔

انجیل و توراۃ میں حضرت علی (علیہ السلام) کا ذکر

اگر انجیل اور تورات میں آپ نظر کریں گے تو وہاں بھی آپ کے فضائل و اوصاف درج ہیں۔ علم کلام۔ ہندسہ۔ صرف و نحو۔ ہیئت قرأۃ وغیرہ تمام علوم کے آپ کامل ماہر تھے۔ علم تصوف میں دیکھو۔ تو آپ لاجواب ہیں۔ اسی سے آپ صوفیائے کرام کے امام تسلیم کئے گئے ہیں اور آپ ہی کے وسیلہ سے تمام اہل تصوف اپنی عبادت و ریاضت کو قائم کرتے ہیں۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول خداؐ فرماتے تھے کہ آپ حضرت علیؑ ہدایت کے عَلم ہیں۔ ایمان کی نشانی ہیں۔ تمام اولیاء کے امام ہیں۔ اور تمام مومنین کے لئے حضرت علیؑ "نور" ہیں۔

حضرت علی (علیہ السلام) کی شادی

حضرت علیؑ حضرت رسول خدا صلعم کے چچیرے بھائی اور داماد تھے۔ حضرت نبی کریم صلعم کی محبوبہ بنت نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہرا سے آپ کی شادی یوم الجمعہ پہلی ذالحجۃ الحرام سنہ ۲ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت حضرت فاطمۃ الزہرا کی عمر پندرہ سال کی اور حضرت علیؑ کی عمر اکیس ۲۱ سال کی تھی۔ اسی مطہر بی بی کے بطن مبارک سے حضرت مولانا حسینؑ کی پیدائش ہوئی۔ جن کی مطہر نسل سے اماموں کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرت علی (علیہ السلام) نبی صلعم کے بستر مبارک پر

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات میں صرف تین ہی مہینہ کا فرق ہوا۔ رسو لخدا صلعم ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کی ہمت و کوشش سے اسلام کو نہایت زور سے پھیلا رہے تھے۔ ابو طالب کے رعب کا فرد اور مشرکوں کو حضرت رسو لخدا صلعم کو ستانے کی بالکل ہمت نہ ہوتی تھی۔ مگر ان کی وفات کے بعد دشمنان دین سو لخدا صلعم کو ہر طرح سے اذیت دینے کے لئے آستین چڑھا کے ظاہر اور خفی طور پر باہر میدان میں کود پڑے۔ ایسے نازک اور امتحان کے وقت میں نبی صلعم پر حکم الٰہی صادر ہوا کہ آپ ہجرت کریں اس طرف نبی صلعم نے کوچ کا ارادہ کر لیا۔ اور دوسری طرف دشمنان دین نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ ہرگز رسو لخدا صلعم کو مکہ سے باہر جانے نہ دیں اور آپ کے تمام مکان کا ہر چہار طرف سے محاصرہ کر کے انہیں بہر طور قتل کر دیں اس کام کی انجام دہی کیلئے ہشام قبیلہ سے ابو جہل، عدی کے قبیلہ سے صلع بن عدی بنی امیہ سے حکم بن عاص (پدر مروان) قبیلہ بنی ہاشم سے ابی لہب (رسو لخدا صلعم کے چچا) قبیلہ تیم سے نضر بن حارث اور عبید ابن حلف مقرر ہوئے۔

حضرت نبی صلعم کے گھر میں جب محاصرہ کیا اسوقت حضرت علیؑ بھی وہیں گھر میں موجود تھے۔

بر سرِ شام نبی صلعم نے حضرت علیؑ کو بلوایا اور فرمایا کہ کافروں نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے اور میں اس کیلئے ہر طرح تیار ہوں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ مجھے امرِ الٰہی ہوا ہے کہ ہجرت کروں اس امر جلیل کی تعمیل کے لئے مجھے باہر نکلنا ضرور ہے۔ لہٰذا ایسا دکھلانے کے لئے کہ میں گھر ہی میں ہوں ۔ تم میرے بستر پر چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ حضرت علیؑ نے اس کو نہایت خوشی سے قبول کیا۔ اور اسی طور سے حکم کی تعمیل کی۔

حضرت رسولخدا صلعم نے رات کا بہت سا حصہ گذرنے کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور کافروں کو اس بات کا بالکل علم نہ ہوا۔ علی الصبح کفار سب گھر میں گھس آئے۔ اور جب انھوں نے بستر پر سوئے ہوئے شخص کی چادر سرکائی۔ اور رسولخدا صلعم کے بدلے وہاں حضرت علیؑ کو دیکھا۔ تو وہ نہایت متعجب و متحیر ہوئے۔ اور رسولخدا صلعم کو وہاں بہت کچھ ڈھونڈا بھالا۔ مگر کچھ پتہ نہ ملا۔ اس وقت ایک کافر نے آگے بڑھ کے جناب امیر علیؑ سے نبی صلعم کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت علیؑ ویسے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور نہایت بے باکانہ غرائے کہ کیا تم لوگ مجھے ان کا نگہبان کر گئے تھے۔ جو دریافت کرتے ہو؟

ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں اس بیان کو بالتشریح لکھا ہے۔ قرآن شریف کے دوسرے پارے میں جناب علیؑ کے اس فدائی معرکہ کو اللہ جل شانہ نے عظیم الشان طور پر بیان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (سورہ بقرہ ۔۔۔ آیۃ)
اور انسانوں میں ایک بندہ ایسا ہے جو اپنی جان کو صرف خدا کی خوشی کی طلب میں ایثار کرتا ہے اور خدا بندوں پر شفقت کرنے والا ہے

جب کفار مکہ نے دیکھا کہ ان کے تمام ارادے پسپا ہوئے۔ تو نہایت غصہ سے جناب نبی کریم کے گھر سے واپس چلدیئے۔ حضرت علیؑ نے بھی تین دن میں سب تیاریاں کر کے مدینہ منورہ کی طرف کوچ فرمایا۔ اور ایک سو پچیس میل کی مسافت کو علیؑ نے سخت گرمیوں کے ایام میں پیدل طے کیا۔

جہاد یعنی دینی حروب

اسلام میں جتنے جہاد ہوئے ہیں ان سب میں حضرت علیؑ نے مجاہد افضل و اکبر کے طور پر جان نثاری فرمائی ہے۔ اور اسی لحاظ سے بڑے بڑے جہادوں کے علم آپ ہی کو رسول خدا عنایت فرماتے تھے۔ اُحد و بدر کی لڑائی میں آپ نے وہ کارنمایاں کئے ہیں کہ تمام مؤرخین کا اس پر باتفاق کلی ہے کہ آپ کی شجاعت بے نظیر تھی۔ آپ ایک بہادر لاثانی تھے۔ جن کا سامنا کرنے کی کسی کو طاقت نہ تھی۔ خیبر کی لڑائی میں وہ الٰہی طاقت وشان دکھائی کہ اسلام کی قوت کا بالکل ڈنکا بج گیا۔

خیبر کے بارہ میں روایت ہے کہ نبی صلعم نے کافروں کے سامنے اعلان کر دیا۔ کہ قلعہ خیبر کے نے متعلق اگرچہ خیال ہے کہ اس کی فتح قطعی ناممکن ہے مگر میں انشاءاللہ اسے بھی چالیس دن میں فتح کروں گا۔ چونکہ ان ایام میں حضرت علیؑ آشوب چشم سے بیمار تھے۔ اس لئے آپ اس لڑائی میں شامل نہ ہو سکے۔ لڑائی بھی جاری ہو گئی۔ اور سخت معرکہ آرائی ہوئی لیکن اسلام کی فتح کے کوئی آثار نمایاں نہ ہوئے۔ اس حالت نے نبی صلعم کو بھی مضطرب کر دیا کفار میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ اور انہوں نے بنی طرح کی تکذیب و تمسخر پر کمر باندھی جس سے نبی صلعم کو اور بھی پریشانی ہوئی۔ اس درمیان میں حضرت علیؑ کی غیر حاضری سے بھی آپ نہایت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ نہایت پردرد لہجہ میں آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکل آئے ــــ کہ "یا علی ادرکنی" (اے علیؑ میری مدد کرو) حضرت علیؑ نے بھی فوراً لبیک (ہاں جناب حاضر ہوا) فرماتے ہوئے آپ کے خدمت اقدس میں آ کھڑے ہوئے۔ جناب نبی صلعم اس الٰہی امداد کو دیکھکر سجدۂ شکر بجا لائے۔ چونکہ حضرت علیؑ کا جسم مبارک اسلحہ حرب سے سجا ہوا تھا۔ اور آپ فقط نبی کریمؐ کے حکم کے منتظر تھے۔ فوراً حکم ملتے ہی آپ آگے بڑھے۔ اور آناً فاناً خیبر کے درعظیم کو اپنی بےنظیر طاقت سے اکھیڑ دیا

اور خندق پر بچھا دیا۔ خندق کی وسعت کے برابر دروازہ نہ ہونے کے باعث آپ نے اس کے ایک سرے کو اپنے ہاتھ سے مضبوط تھام رکھا تھا۔ تاکہ تمام اسلامی لشکر اس پر سے گذر کر قلعۂ خیبر میں داخل ہو جائے۔

آج چالیسواں دن پورا ہو رہا ہے۔ کافروں اور مومنوں میں جنگ عظیم جاری ہے جناب علیؑ اپنی ذوالفقار سے ہزارہا دشمنوں کو فنا کرتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ دشمنوں میں ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوا اور تہلکہ عظیم میں گرفتار ہو کر بھاگنے لگے اور ایسی زبردست لڑائی کے درمیان ہی دن بھی ڈھلنے لگا۔ آفتاب غروب ہوتے ہی برابر چالیسویں دن اسلامی جھنڈا بھی قلعہ خیبر پر لہرانے لگا۔ اس شاندار اسلامی فتح کے بعد تمام اہل خیبر اسلام سے مشرف ہو کر کلمہ گو ہونے لگے۔ حضرت علیؑ نے اس لڑائی میں کامل جانفشانی فرمائی۔ جس سے نبی کریم صلعم کی پیشین گوئی پایہ ثبوت کو پہونچی۔

حجۃ الوداع

نبی کریم صلعم کے آخری حج کو "حجۃ الوداع" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ۱۱ھ ہجری میں آپ اس دار فانی سے دار البقا کی طرف روانہ ہوئے۔ آخری حج سے فارغ ہو کر آپ مدینہ منورہ کی طرف جب راہی ہوئے۔ اس وقت آپ کے ہمراہ ایک لاکھ چالیس ہزار حاجی تھے۔ راستہ میں اور بھی ساتھ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور نبی کریم صلعم اس جم غفیر کے ساتھ غدیر خم کے موضع پر پہونچے۔ یہاں آپ وحی نازل ہوئی۔ اور اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہوا کہ۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۔ اے رسولؐ! تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف جو پیغام بھیجا گیا ہے۔ اس کو پہنچا دو۔ اور اگر اس کے مطابق تم عمل نہ کرو گے تو گویا خدا کی رسالت تم نے پہونچائی نہیں۔ (ایسا شمار کیا جائے گا) اور اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ بیشک خدا قوم کافرین

(رکوع ۱۰ ، آیۃ ۶۷)

کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس وحی کے نازل ہوتے ہی نبی کریم صلعم نے اپنے سفر کو اسی مقام پر روک کر اسی غدیر خم کے میدان میں خیمہ نصب کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ اور وہیں آپ مقیم ہوئے۔ پھر جیسے جیسے قافلے وہاں پہنچتے گئے۔ ویسے ہی انہیں بھی وہاں ٹھہرنے کا حکم صادر ہوا۔ موضع غدیر خم بھی میلوں کے حساب سے وسیع مگر ویران مقام ہے۔ تمام حجاج یہاں تک باہم سفر کرنے کے بعد اپنے اپنے مقام پر جانے کے لئے یہاں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ چونکہ جدا جدا شہروں کو جانے کے لئے یہ صدر مقام ہے اس لئے جو قافلہ آگے چلے گئے تھے۔ یا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان سب کو واپس بھجوا کر یہاں جمع ہونیکا حکم دیا گیا۔ اور ہزاروں کی تعداد میں یہاں حجاج جمع ہو گئے۔ اس جم غفیر کو یہ پیغام الہیٰ سنانے کیلئے اونٹوں کے کجاوہ سے ایک ممبر بنانے کا حکم ہوا۔ آپ یعنی نبی کریم صلعم نے اس ممبر پر سوار ہو کے پھر حسب ذیل خطبہ پڑھا:-

حاضرین میں پہلے خدا کا شکر ان نعمتوں کے سبب سے ادا کرتا ہوں جو میری ذات میں پائی جاتی ہیں اس امتحان و بلا کی وجہ سے جو میری عزت اور اہلبیت پر ہونے والے ہیں اور دنیا کی ناگوار مصیبتوں اور روز آخرت کی مہلک زحمتوں پر اس سے مدد مانگتا ہوں۔ پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے عالم واحد اور احد کے اور کوئی خدا نہیں ہے اور اپنے لئے اس نے کسی کو مددگار قرار نہیں دیا ہے۔ اور اس کے تمام بندوں سے میں بھی ایک بندہ ہوں لیکن اس نے مجھے پیغمبری کے لئے تمام خلق میں بھیجا ہے۔ تاکہ جو لوگ ہلاک ہونے والے ہیں وہ ایک حجت کے ساتھ ہلاک ہوں۔ اور جو نجات پانے والا ہے وہ ایک حجت کے ساتھ نجات پائیں۔ مجھے خدا نے تمام اہل عالم پر کہ جن میں اولین و آخرین بھی شامل ہیں۔ برگزیدہ فرمایا ہے۔ اور کنجیاں اپنے خزانوں کی مجھے عطا فرمائی ہیں اور جو عہد مجھ سے کئے ہیں ان کا مجھ سے استحکام فرمایا ہے۔ اور اپنا راز میرے سپرد فرمایا ہے۔ اور میری امداد کی ہے اس وجہ سے مجھے اس کی بصیرت حاصل ہوئی ہے۔ پس میں آغاز کرنے والا ہوں اور انتہا پر پہنچانے والا سوائے ذات اقدس

الٰہی کے کسی ذریعہ سے قوت حاصل ہو نہیں سکتی۔ اے لوگو! ڈرو خدا سے جو کہ حق دینے والا ہے اور نہ جنگ کرو۔ مگر دین اسلام پر۔ اور یاد رکھو کہ خدا تمام چیزوں پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قریب ہے کہ میرے بعد کچھ قومیں ہوں گی وہ مجھ پر تہمتیں باندھینگی اور لوگ انکو مجھ کو قبول کرینگے۔ مگر خدا کی پناہ اگر میں خدا کی طرف سے سوائے امر حق کے اور کچھ زبان سے نکالوں اور سوائے امر راست کے اس کے حکم کے خلاف کچھ اور بات کروں اور سوائے اسکے حکم کے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ میں تمہیں کوئی دوسرا حکم دوں۔ میں سوائے اللہ کے اور چیزوں کی طرف تم کو دعوت نہیں دیتا۔ اور جو لوگ کہ ظالم ہیں بہت جلد جان لیں گے کہ کیسی بازگشت ان کی ہونیوالی ہے۔

خطبہ کے اس مقام تک جناب رسالتمآب پہنچے تھے کہ عبادہ ابن صامت کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کب ہوگا۔ اور وہ کون لوگ ہیں ہمیں بتا دیجئے۔ اور پہچنوا دیجئے تاکہ ہم اُن سے حذر کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ کچھ لوگ ہیں جو ابتدا ہی سے ہماری دشمنی پر آمادہ ہیں۔ اور جب میری جان یہاں تک (حلق مبارک کی طرف اشارہ کرکے) پہنچے گی۔ اس وقت ظاہر ہوں گے۔ عبادہ نے کہا۔ کہ پھر جب ایسا وقت آئے تو ہم کس کی طرف رجوع کریں فرمایا کہ تم ان لوگوں کی پیروی اور اطاعت کرو جو میری عترت میں ہیں سب سے پیش قدم ہیں۔ میری پیغمبری کا حکم لینے والے ہیں وہی تم کو گمراہی سے باز رکھیں گے۔ اور نیکی کی طرف دعوت کریں گے۔ یہی اہلبیت اہل حق ہیں۔ اور صدق و راستی کے معدن ہیں کتاب و سنت کو تم لوگوں میں زندہ رکھیں گے۔ اور الحاد و بدعت سے تم کو بچائیں گے حق کے ذریعہ سے اہل باطل کو پست کریں گے۔ اور کبھی جاہل کی طرف میلان نہ کریں گے۔ اے لوگو! خدا نے مجھکو اور میرے اہلبیت کو ایک مٹی سے بنایا اور اسکے سوائے میرے اہلبیت کے اور کسی غیر کو پیدا نہیں کیا۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جن کی سب سے اوّل خلقت ہوئی۔ اور جب خدا ہم کو پیدا کر چکا تو ہمارے نور سے تاریکی کو روشن کیا اور پھر ایک طینت کو ہمارے سبب سے زندہ کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ بہترین اُمّت سے ہیں۔ حاملان علم میرے ہیں۔ خازنان اسرار میرے ہیں۔ سرداران اہل

زمین میں اور حق کی طرف دعوت کرنے والے ہیں اور راستی کے ساتھ خبر دینے والے ہیں ان کو شک کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی عیب ان کو عارض نہیں ہوتا۔ کبھی راہ خدا میں پیچھے نہیں ہٹتے۔ کبھی خدا کے عہد کو نہیں توڑتے یہ وہ ہادی ہیں کہ جو ھدایت یافتہ ہیں دائمہ راشدین ہیں جو ان کی اطاعت کو لئے ہوئے میرے پاس آئے وہی ھدایت یافتہ ہیں۔ اور جو ان کی عداوت لے کر میرے پاس آئے وہی گمراہ ہیں ان کی محبت ایمان ہے ان کا بغض نفاق ہے یہی آیہ ھدایت کرنے والے اور احکام خدا کی مضبوط رسیاں ہیں۔ انہیں کے ذریعہ سے اعمال صالح تمام ہوتے ہیں اور انہیں کی محبت کا خدا ہمیشہ اولین آخرین سے عہد لیتا ہے اور یہی وہ ارحام ہیں جن کی قسم خدا نے اپنے کلام مجید میں یاد دلائی ہے اللہ سے ڈرو۔ ان صاحبان رحم کی نسبت سوال کرے گا تحقیق کہ اللہ تم پر نگہبان ہے پھر تم کو اللہ نے اس آیہ کے ذریعہ سے ان کی محبت کی دعوت کی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ یقین کہ ای محمدؐ میں تم سے اجر رسالت سوائے اس کے کچھ اور نہیں چاہتا کہ میرے اقربا سے محبت کرو یہی وہ اہلبیت ہیں۔ جن سے خدا نے ہر عیب و نجاست کو دور کر کے طیب و طاہر کیا ہے یہی وہ لوگ ہیں کہ جب گویا ہوتے ہیں تب نہایت راستگو ہوتے ہیں اور جب ان سے کوئی بات پوچھی جاتی ہے۔ اس وقت بڑے عالم ہیں اور جو چیز ان کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور میری اہل بیت میں دس خصلتیں ایسی ہیں کہ سوائے ان کی اور کسی میں وہ جمع نہیں ہیں۔ بردباری۔ علم۔ نبوت۔ بزرگی۔ سخاوت۔ شجاعت راست گوئی۔ پاکیزگی۔ عفت۔ نفضا یہ لوگ کلمہ تقویٰ ہیں۔ یہی وسیلۂ ھدایت ہیں۔ محبت عظمیٰ ہیں اور عروۃ الوثقیٰ یہ لوگ بموجب ارشاد خدا تمھارے سردار ہیں اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ میرے خدا کا حکم ہے حاضرین آگاہ ہو۔ علی مرتضیٰؑ کا ہاتھ پکڑ کر اور اتنا بلند کر کے کہ سفیدی زیر بغل کی نمایاں ہوئی فرمایا۔ جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کا مولیٰ ہے۔ خدایا دوست رکھ

اس کو جواس کو دوست رکھے - اور مدد کر اس کی جو اس کی مدد کرتا ہے اور نہ مدد کر اس کی جو اس کی مدد نہ کرے اور ذلیل کر اس کو جو اس کو ذلیل کرے -

حاضرین! علیؑ کے بارے میں خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اس مضمون کی وحی فرمائی ہے کہ یہ سید المسلین ہے پرہیز گاروں اور نیکوکاروں کے امام ہیں اور ان لوگوں کے پہچاننے والے ہیں - جن کی پیشانیاں نورانی ہیں جو کچھ خدا نے مجھے حکم دیا وہ میں نے تمہیں پہنچایا اور میں تم لوگوں میں ان کو سپرد کرتا ہوں اور اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں لہ

حضرت پیغمبر صلعم کا یہ خطبہ جستہ جستہ محدثین نے اپنی کتوب احادث معاردفہ میں بیان کیا ہے اور اس خطبہ کو حدیث منزلت کہتے ہیں اور علمائے اسلام نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے - اہل تحقیق نے اس حدیث منزلت بیان کرنیوالے ۸۱ علماء کے نام دیئے ہیں جو یکے بعد دیگرے جدا جدا زمانہ میں گذرے ہیں ان علماء کے نام سن دفات اور جن کتابوں میں اس خطبہ کا ذکر آیا ہے - اس کا ایک شجرہ بھی مرتب کیا گیا ہے - اپنے خطبہ کے آخری حصہ میں حضرت نبی صلعم نے فرمایا کہ :-

اے حاضرین - حضرت علیؑ کے بارے میں اللہ جل شانہ نے آیہ کریمہ نازل کی ہے حضرت علیؑ سید المسلین ہیں - متقیوں اور رہبر پرہیز گاروں کے امام ہیں - اور خدا تعالیٰ نے جو رسالت مجھے بھیجی وہ آج پہنچا کر میں اپنی امانت رسالت کو انجام دیتا ہوں - آج تمہارے امام کو تمہیں سپرد کرتا ہوں اور آخر میں میرے اور تمہارے لئے برکت اور دعائے خیر کا خدا سے طالب ہوں - جب اس خطبۂ طویل کو نبی کریم صلعم نے پورا کیا - تو اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی - اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا - آج میں نے تمہارے واسطے تمہارے دین کو کامل کیا - اور میری نعمت کو تم پر تمام کیا - اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا ؎

حضرت نبی صلعم کے اس آخری خطبہ نے عالم اسلام میں ایک نیا جوش پھیلا دیا - اور "انت مولائی" کے صدا سے تمام ویران و وسیع میدان غدیر خم گونج اٹھا - اور چہار طرف عید ہی عید کی دھوم

لہ سراج المبین صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶

سے معمور ہو گیا۔ سب سے پہلے حضرت علیؑ کو امامت کی تہنیت دینے والے حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ آپ نے نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اور کہا کہ اے علیؑ ابن ابی طالب یہ روز سعید آپ کو مبارک ہو کہ آپ تمام مومنین اور مومنات کے مولی ہوئے۔ بعد ازاں ایک کے بعد ایک آتے گئے اور حضرت علیؑ کو بیعت دیتے گئے۔ مردوں کی بیعت کے بعد عورتوں کی بیعت ہوئی۔

ملک الشعراء حسان بن ثابت نے اس شان دار و سعید دن کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھ کر جناب رسول کریم صلعم اور حاضرین مجلس کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ اوس میں سے چند ابیات حسب ذیل ہیں۔

يناديهم يوم الغدير نبيهم بخم واسمع بالرسول مناديا

حضرت رسول خدا صلعم نے ان کے درمیان میں بلند منادی کی اور ان کو بمقام خم غدیر جمع کیا کہ حضرت رسول خدا صلعم کی ندا کو اے سامعین غور سے سنو۔

وقال فمن مولیٰکم و ولیکم فقالوا ولم یبدوا هناك التعامیا

نبی صلعم نے فرمایا کہ تمہارے مولی مالک اور دوست کون ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب تک آپ نہ دکھائیں گے۔ تب تک ہم اندھے ہیں۔

الٰهك مولانا وانت ولینا ولم ترمنا فی الولایة عاصیا

خدا آپ کا اور ہمارا مولیٰ اور مالک ہے۔ آپ ہمارے دوست ہیں اور آپ کی ولایت و محبت کے بارے میں آپ ہم کو کبھی عاصی نہ پائیں گے۔

فقال له قم یا علی فاننی رضیتك من بعدی اماماً وهادیا

حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے علیؑ کھڑے ہو جاؤ! کیوں کہ میرے بعد تم امام اور ... مسند کئے گئے ہو۔

هناك فمن كنت مولاه فهذا وليه فكونوا له انصار صدق مواليه

جن کا میں مولیٰ ہوں ان کا علی بھی مولیٰ ہے - بیشک تم سب لوگ ان کے سچے مددگار مثل غلاموں کے ہو -

هناك دعا اللهم وال وليه   ولكن للذى عاد عليا معاديا

اور یہاں رسول خدا صلعم نے دعا فرمائی کہ اے الٰہ العالمین جو علیؑ کو دوست رکھتے ہیں تو بھی ان کو دوست رکھ اور جس نے علیؑ سے عداوت رکھی اس کا تو بھی دشمن رہنا -

اس قصیدہ نے لوگوں میں ایسا جوش مسرت پھیلا دیا کہ لوگ بار بار حضرت علیؑ کو مبارکباد پیش کرتے - اور ان کے دیدار مبارک سے فیضیاب ہو کر یا علیؑ یا علیؑ کے صدا سے غدیرخم کے موضع کو گونجا دیتے - اکثر مورخین نے جدا جدا زبانوں میں اس خطبہ کا ذکر کیا ہے

قیس ابن سعد ابن عبادة الانصاری نے جو حضرت رسول خدا صلعم کے صحابی تھے - اس واقعہ کو نظم فرمایا ہے -

فلما بغى العدو علينا   حسبنا ربنا ونعم الوكيل

جس وقت بغاوت کرنے والے دشمنوں نے ہم پر چڑھائی کی اس وقت ہم نے کہا کہ ہمارا پروردگار ہمارے لئے کافی ہے اور وہ سب سے اچھا مدد کرنے والا ہے -

وعلى امامنا وامام   لسواه به اتى التنزيل

اور علی ہمارے امام ہیں ان کے سوائے باقی کوئی نہیں -

يوم قال النبى من كنت مولاه   فهذا مولاه خطب جليل

اس دن حضرت نبی صلعم نے فرمایا کہ میں جن کا مولیٰ ہوں یہ علیؑ ان کا مولیٰ ہے - یہ ایک امر بزرگ ہے -

انما قالت النبى على الامامة   ختم ما فيه قال وقيل

واقعی حضرت نبی صلعم نے فرمایا کہ بیشک حضرت علیؑ امام ہیں - اب اس مقام میں ذرا بھی چون وچرا کی گنجائش نہیں رہی -

وفات النبی صلعم اور خلافت

حضرت نبی صلعم کی وفات ۱۱ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ نبی صلعم کی ازواج طیبات اور اہل بیت کے سوا اس وقت گھر میں کوئی نہ تھا۔ حضرت علیؑ نبی صلعم کی تجہیز و تکفین میں بالکل مشغول تھے۔ اس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا چرچا شروع ہوا۔ انصار اور مہاجرین تمام اپنی دینی خدمات کی طرف رجوع کرنے لگے۔ فریقین میں جب ایک خلیفہ کی پسندیدگی نامنظور ہوئی۔ تو ایک فریق میں سے خلیفہ اور ایک میں سے وزیر بنانے کے لئے درخواست پیش کی گئی اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ ایک میان میں دو تلوار کا رہنا ناممکن ہے۔ اس لئے یہ ممکنات سے نہیں۔

پھر حاضرین میں خلیفہ کی پسندیدگی کے متعلق بحث و مباحثہ شروع ہوا یعنی ایک خلیفہ کے تقرر کی رائے طے پائی۔ اور حضرت ابو بکرؓ کو آخر میں خلیفہ کے طور پر انتخاب کیا گیا۔ نبی صلعم کے تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر جناب علیؑ تشریف لائے اور یہاں کا معاملہ ایسا دگرگوں دیکھا تو فرمایا کہ خاندان نبوت کے شرف و عزت کو تم اپنے گھروں میں نہیں لیجا سکتے ہو۔ ہمارے یہاں قرآن شریف کا نزول ہوا ہے۔ ہمارے ہی مکانوں میں جبرئیل علیہ السلام وحی کے ساتھ نازل ہوتے تھے۔ دین کے ارکان و مسائل میں ہم ہی واقف کل ہیں۔ خلق اللہ کی بھلائی کس میں ہے۔ اس کو ہم بہتر سمجھتے ہیں [1]

یہ سنتے ہی بشیر بن البراء نے کہا کہ یا علیؑ خدا کی قسم اس بات کو ہم اگر پہلے سے سنتے تو ہرگز یہ کام نہیں کرتے۔

حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ اس دعویٰ سے اگر میں مطلع ہوتا تو ہرگز انتخاب کی حمایت نہ کرتا۔ اب چونکہ سب متفق الرائے ہو گئے ہیں۔ اس لئے تم بھی اس کی متابعت کرو۔

انتخاب کی وجہ سے خلافت اور امامت علیحدہ حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ خلافت

---

[1] تاریخ اعثم کوفی اردو صفحہ ۳

باہر گئی اور امامت گھر میں رہی۔ آپ نے نہایت دوراندیشی سے خاموشی اختیار کر لی اور اماموں کے ساتھ اپنے حق کو دائمی طور پر اجرا کیا۔

پہلی خلافت ۱۱ سنہ ہجری میں شروع ہوئی۔ اور ۱۳ سنہ ہجری میں ختم ہوئی اس درمیان میں حضرت علیؑ اسلام کی بہبودی کے تمام کاموں میں مدد دیتے رہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں بھی حضرت علیؑ کے فیصلہ قضایا میں فصل الخطاب یعنی آخری فیصلہ شمار کئے جاتے تھے۔ نہایت مشکل قسم کام آپ کی خدمت اقدس میں اکثر اوقات لائے جاتے۔ اور ان کے شرعی و منصفانہ فیصلے سے حضرت عمرؓ کہہ دیتے

لولا علی لھلک عمر (اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا) ۔ لے

یہ دوسری خلافت ۱۳ سنہ ہجری سے شروع ہو کر ۲۳ سنہ ہجری تک رہی اس کے بعد حضرت عثمانؓ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ انہی کے زمانہ میں قرآن شریف جمع کیا گیا اور اسی لئے اس کو "بیاض عثمانی" بھی کہتے ہیں۔ ان کی خلافت کی مدت بارہ سال کی تھی یعنی ۲۳ سنہ ہجری سے ۳۵ سنہ ہجری تک رہی۔ لیکن نہایت پر آشوب رہی۔ کثرت سے اختلافات رونما ہوئے اور انجام یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔

وفات

حضرت عثمانؓ کے بعد سات روز گزر گئے۔ لیکن کوئی خلیفہ نہ مقرر ہوا۔ اہل کوفہ نے حضرت زبیر بن عوام کو پسند کیا، بصرہ کے لوگوں نے طلحہ بن عبد اللہ کی طرفداری کی۔ اور اہل مدینہ نے سعد بن وقاص کا نام پیش کیا۔ اکثر لوگ اسامہ بن زید کے حامی تھے۔ الغرض جس کا میلان جدھر زیادہ تھا۔ وہ اس کا نام انتخاب کرتا۔ اور منظوری کے لئے عوام الناس کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔

آخر کش یہ قضیہ بڑھ گیا۔ اور انجام پانا نہایت دشوار ہو گیا۔ بڑے مباحثہ کے بعد مدینہ منورہ

لے سوانح عمری حضرت علیؑ صفحہ ۱۲۵ مصنفہ حسن المہتری

کے لئے سادہ مہاجرین اور انصار اس بات متفق ہوئے کہ حضرت علیؑ کا انتخاب کریں۔ مگر حضرت علیؑ کو اس بات کا بالکل علم نہ تھا۔ اور آپ نہایت خاموشی کے ساتھ لازم البیت تھے۔ اس لئے بہت سے آدمی مبارک باد دینے کے لئے حضرت علیؑ کے گھر کی طرف دوڑے اور دست بستہ عرض کرنے لگے کہ اے علیؑ اب دنیا کو خلیفہ بغیر چارہ نہیں اور اس مسند کے لئے آپ کے سوائے اور کوئی لائق نظر نہیں آتا۔ اس لئے آپ مہربانی فرما کر قبول کر لیجئے اور اسی لئے ہم سب جمع ہو کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ "ہم کو اب خلافت سے کوئی مطلب نہیں۔ تم چاہے جسے پسند کرو۔ اور ہم اپنے قاعدہ کے مطابق اس کی امداد کریں گے۔

جب لوگوں کی خواہش آپ کی طرف بہت زیادہ ہوگئی۔ تو حضرت علیؑ نے یہ جواب دیا کہ اگر تمہیں مجھ کو اپنا امیر اور حاکم بنانا منظور ہے تو یاد رکھو کہ میں ہرگز تمہارا محکوم نہ رہوں گا۔ بلکہ جس میں تمہاری بہبودی و صلاح ہوگی۔ انہی کاموں کو میں انجام دوں گا۔ لوگوں نے اس بات کو منظور کیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔

دوسرے دن چند لوگ طلحہ بن عبداللہ کی سرداری میں حضرت علیؑ کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ اور درخواست کی کہ آپ مسجد نبوی میں تشریف لے چلیں وہاں تمام لوگ جمع ہوئے ہیں اور آپ کو بیعت دینے کے لئے نہایت مشتاق ہیں۔

طلحہ کی اس درخواست کو سن کر جناب علیؑ نے فرمایا کہ تم میرے ہمراہ زبیر بن عوام کے گھر چلو تاکہ اس بارے میں ان سے بھی صلاح و مشورہ کر لیں۔

طلحہ بن عبداللہ نے اس بات کو منظور کیا۔ اور دونوں وہاں سے زبیر بن عوام کے گھر آئے خلافت کے بارہ میں یہاں بہت دیر تک مباحثہ رہا۔ زبیر نے نہایت مسرت و خوشنودی سے حضرت علیؑ کو بیعت دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اور کہا "یا علیؑ" آپ کی مرضی اور خوشی بغیر میں ہرگز پیشقدمی نہ کروں گا۔ اور اس امر کو میں تسلیم کرتا ہوں۔

طلحہ اور زبیر دونو حضرت علیؑ کے امر کو تسلیم و قبول کر کے وہاں سے روانہ ہوئے مسجد نبوی میں حضرت علیؑ ان دونوں کے ساتھ تشریف لے آئے۔ اور حاضرین مجلس و مسجد سے فرمایا کہ میں ہر طرح سے تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں لیکن اب بھی تم کوئی لائق آدمی خلیفہ کے لئے میرے سوائے پسند کرو گے تو بہتر ہوگا۔

تمام اہل مسجد نے انکار کیا اور جواب دیا کہ آپ ہی ہمارے آقا ہیں اور آپ ہی کے مصاحب ہیں ازراہ کرم اگلے اور پچھلے واقعات کو آپ بھول جائیے اور ہم پر رحم فرمائیے۔ اگر اس خلافت کے امر کو آپ قبول فرمائینگے تو بڑی عنایت ہوگی۔

الغرض اس طرح تمام مسلمانوں کی عاجزانہ گذارش کے باعث آپ نے خلافت کو قبول فرمایا۔ اور سریر خلافت پر آپ جلوہ افروز ہوئے۔ سب سے پہلے طلحہ بن عبداللہ اور اس کے بعد زبیر بن عوام اور حکیم ابن حلا۔ مالک الاشتر غرضکہ یکے بعد دیگرے آتے گئے اور بیعت دیتے گئے۔ یہاں تک کہ سب حاضرین نے بیعت دی۔

حضرت علی (علیہ السلام) کا خطبہ

حضرت علیؑ نے اس خطبہ کے اوائل میں فرمایا کہ تم میرے ہاتھ کھولتے تھے اور میں اسے بند کرنا چاہتا تھا۔ تم اس کو دراز کرنے کی خواہش کرتے تھے اور میں اس کو پیچھے کھینچ لیتا تھا۔ اونٹ جب اپنی منزل پر پہنچتے ہیں تو پانی کے چشموں پر جمع ہوتے ہیں اسی طور سے تم بھی میرے چہار طرف ہجوم کرتے تھے۔ حاضرین میں اکثر عمر رسیدہ لوگ بھی بہت تکلیف سے یہاں تک آ پہنچے ہیں۔ بیمار اشخاص نے بھی اپنی بیماری کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور یہاں شامل بیعت ہوئے۔ مستورات بھی یہاں حاضر ہوگئی ہیں۔ جو ستارہ چمکنے والا تھا۔ وہ چمک اٹھا۔ جو طلوع ہونے والا تھا وہ طلوع ہوا۔ ظاہر ہونیوالے کا ظہور ہوا۔ تمام چیزیں اپنے اصل کی طرف رجوع ہوگئیں ایک قوم دوسری قوم سے بدل ہوئی۔ ایک دن دوسرے

دن میں تبدیل ہوا اور وہ یوم (سعید) بھی ہمیں نصیب ہوا۔ یہ دن ایسا ہے کہ جیسا کہ خشک سالی میں بارش اپنے فیض سے سب کو مالا مال کرتی ہے۔

اختتام خطبہ پر تمام لوگ خوش ہوئے۔ اور اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے حضرت علیؑ بھی اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

بنی اُمیّہ

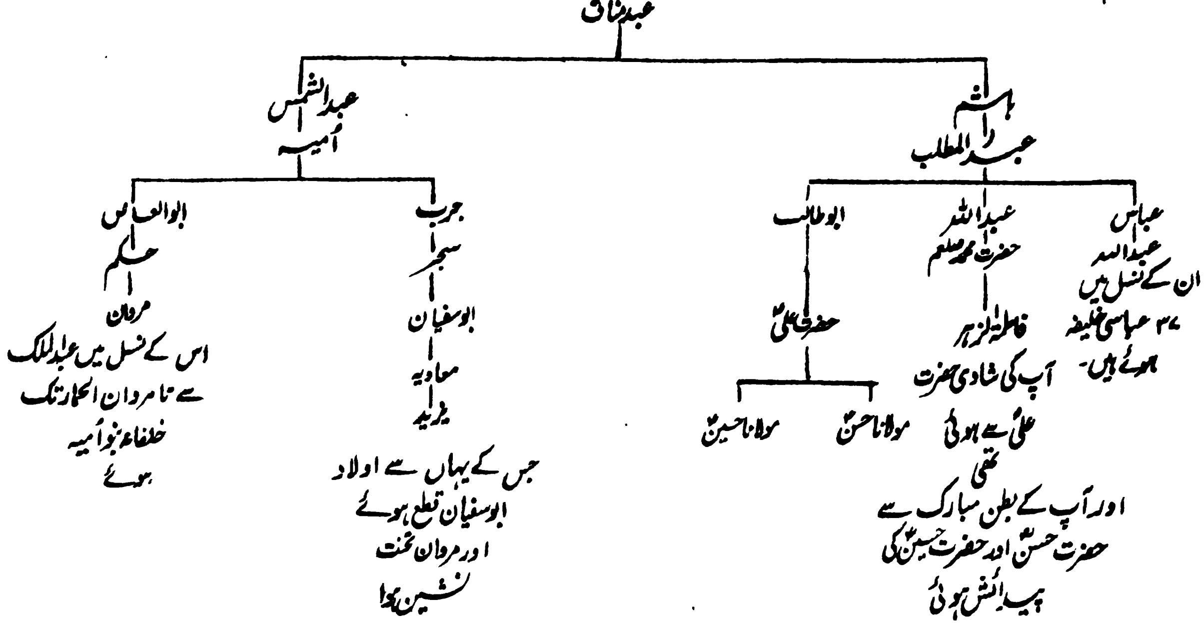
جناب رسول خدا صلعم کے وقت سے ہی بنی اُمیہ کے قبیلے کے روسا اسلام کی مخالفت کرتے تھے۔ اُحد و بدر کی خونریز لڑائیاں اس کا پورا ثبوت دے رہی ہیں۔ اس دشمنی سے اسلام کو تو کچھ نقصان نہ ہوا بلکہ اور بھی روز افزوں ترقی کرتا رہا۔ زمانہ بھی بدل رہا تھا۔ اور روز بروز بنی اُمیہ کا زور کم ہو رہا تھا۔ حضرت علیؑ کی لاثانی شجاعت اور ذوالفقار کے سامنے کسی کا حوصلہ نہ تھا کہ سامنا کرے۔ لہٰذا زمانے کے ساتھ اُنہوں نے اپنے عناد و دشمنی کے رنگ بھی بدل دیئے۔ ظاہر میں اپنی مطلب براری کے لئے اسلام کو قبول کر لیا۔ مگر باطن میں دشمنی پر تلے ہوئے تھے۔ اور صرف وقت کے منتظر تھے کہ کب موقع آئے اور یہ تختہ پلٹا جائے۔ ان دونوں سلسلوں کو برابر سمجھنے کے لئے ہم نے آئندہ صفحہ پر شجرہ دیا ہے۔

شجرہ کے لئے صفحہ ۲۱ ملاحظہ ہو۔

حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں بنی اُمیہ کو نہایت عمدہ موقع دستیاب ہوا جب کہ شام میں پورے طور سے مقابلہ کرنے کے لئے امیر معاویہ ان کی معاونت پر تیار ہو گئے۔ امیر معاویہ حضرت عثمانؓ کے وقت سے شام کے گورنر مقرر ہوئے تھے وہاں ہر جمعہ کو خطبہ میں اور دیگر طور پر ایسے اعلانات ہوتے تھے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کا خون کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا چرچا وہاں دھوم سے ہونے لگا۔ شام کے انجان

قبیلہ قریش کے تین مخصوص سلسلے (یعنی)

بنی ہاشم، بنی عباس اور بنی اُمیہ یہ تینوں قبائل عبد مناف سے کیسی قرابت رکھتے تھے اسکا بیان اس شجرہ سے آشکارا ہوگا۔



لوگ اس خبر سے نہایت مشتعل ہوتے بلکہ وحشی بن جاتے تھے

الغرض حضرت علیؓ کی دشمنی روز بروز بڑھتے ایسے کام امیر معاویہ کی طرف سے بہت زور شور سے جاری کئے گئے۔ اس کے علاوہ مدینہ میں بھی لڑائی کے بیج بوئے جا رہے تھے۔ اس عرصہ میں جناب عائشہؓ بھی حج سے فارغ ہو کر وہاں واپس آئی تھیں اور راستہ میں ہی اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر سُنی جس سے ان کے دماغ میں قدیم واقعات تازہ ہو گئے اور حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئیں۔ لہٰذا جنگ جمل میں آپ شامل ہوئیں۔ طلحہ و زُبیر نے حضرت علیؓ کو بیعت دے کر وفاداری کی قسم کھائی تھی۔ لیکن ان کی نیتوں میں بھی فرق آ گیا کیونکہ وہ خود بھی اپنے کو خلافت کے لائق سمجھتے تھے۔ اور موقع کے منتظر تھے۔ جب یہ لوگ جناب عائشہؓ کے ارادہ سے مطلع ہوئے تو مکہ جا کر حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی۔ حاکم مکہ عبداللہ بن حضرمی بھی جناب عائشہ کی مدد کے لئے بالکل تیار تھا۔ مگر ان سب تیاریوں سے حضرت علیؓ نے جو لشکر تیار کیا تھا۔ وہ امیر معاویہ کے مقابلہ کے لئے کافی تھا۔ جب آپ نے جناب عائشہ کی لڑائی کی تیاری اور طلحہ و زبیر کی بغاوت کا حال سُنا۔ تو آپ نے اہل مدینہ کو جمع کیا۔ اور ان تمام باتوں سے ان کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں ضرورت ہے کہ پہلے ان لوگوں سے مقابلہ کریں لیکن اہل مدینہ نے اس کا بالکل جواب نہیں دیا۔

آخر ش ضیا بن عبداللہ نے کھڑے ہو کر نہایت پُر جوش تقریر کی اور اپنی جانفشانی اور جاں نثاری ظاہر کی۔ اس کا اثر لوگوں پر بہت زبردست ہوا۔ سب لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہمراہ اس لڑائی میں لڑنے کے لئے خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ساتھ تیاریاں بھی شروع کر دیں۔

طلحہ اور زبیر نے مکہ میں جناب عائشہؓ سے کہا کہ لڑائی کے میدان میں تو چنداں آپ کی ضرورت نہیں مگر آپ ہمارے ساتھ چلیں اور وہاں حضرت عثمانؓ کے خون کا عوض لینے کے لئے لوگوں کو ترغیب دیں جناب عائشہ نے اس کو قبول کیا۔ اور بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں

جناب عائشہؓ وطلحہ وزبیر بصرہ میں آئے اور حضرت عثمانؓ کے خون کا عوض لینے کے لئے، لوگوں کو بہت کچھ اُبھارنے کی کوشش اور سعی کی ۔ مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس بصرہ کا حاکم عثمان بن حنیف حضرت علیؑ کی طرف داری میں لڑنے کے لئے تیار ہوا۔ اور ماسوا اس کے قبیلۂ بنی سعد میں سے ایک شخص نے طلحہ وزبیر سے از روئے طعنہ کہا کہ تم نے اخوت اسلام کا خوب حق ادا کیا۔ اپنی عورتوں کو گھر میں پردہ نشین بنا کر نبی صلعم کی زوجہ کو مجمع عام میں لے آئے ۔

اسی اثناء میں حاکم بصرہ نے حملہ شروع کر دیا۔ اور طرفین کے آدمی زمین دوز ہونے لگے۔ اس حالت کو دیکھ کر جناب عائشہؓ نے پیغام صلح بھیجا۔ حاکم بصرہ نے جواب میں کہا کہ جب تک طلحہ و زبیر جنہوں نے جناب امیر المومنین علیؑ سے بیعت کر کے خلاف ورزی کی ہے ان کو اپنے زمرے سے دور نہ کرو گے تب تک صُلح مشکل ہے ۔

جناب عائشہؓ نے کہا کہ طلحہ وزبیر کہتے ہیں کہ انہوں نے فقط مالک الاشتر کے ڈر کر جناب علیؑ سے بیعت کی تھی۔ اس بات کی تحقیق کے لئے میں مدینہ آدمی روانہ کرتی ہوں ۔ اگر طلحہ و زبیر سچے ہونگے تو تمہیں بصرہ خالی کر دینا ہو گا اور اگر واقعہ برعکس ہو گا تو تم بری الذمہ ہو۔

کعب بن سوار کو مدینہ روانہ کیا گیا۔ مگر مدینہ میں وہاں کے لوگوں نے از روئے خوف برابر پتہ چلنے نہ دیا۔ اور صرف چار شخصوں نے حق بات کہہ دی کہ طلحہ وزبیر نے اپنی پوری خوشی سے حضرت علیؑ کو بیعت دی تھی۔ کعب بن سوار نے بصرہ واپس آکر پوری کیفیت بیان کر دی۔ مگر صلح نہ ہو سکی۔ اور پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اہل بصرہ بہت سے مارے گئے۔ اور حاکم بصرہ عثمان بن حنیف بھی گرفتار ہو گیا طلحہ اور زُبیر نے اُس کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ مگر جناب عائشہؓ نے اُسے رہا کر دیا۔ وہ سیدھا وہاں سے مدینہ آیا اور بصرہ کی پوری کیفیت حضرت علیؑ سے بیان کی ۔

جنگ جمل

حضرت علیؑ نے کوفہ میں ابو موسیٰ الاشعری سے محمد بن ابو بکر کو سامان جنگ فراہم کر کے

واپس آنیکا حکم دیا۔ مگر اشعری نے اس کا جواب ٹھیک نہ دیا اس لئے حضرت حسنؑ اور عبداللہ بن عباس کو حضرت علیؑ نے اسی کام کے لئے کوفہ بھیجا مگر اس کی بھی اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اب مالک الاشتر نے کوفہ جانے کے لئے حضرت علیؑ کی خدمت میں درخواست کی آپ نے ان کو عمار بن یاسر کے ساتھ کوفہ روانہ کیا پھر بھی اشعری اپنی ضد پر قائم رہا مگر مالک الاشتر اور عمار بن یاسر کے سامنے اس کا کچھ بھی بس نہ چلا۔ حضرت حسنؑ نے کوفہ میں ایک بلیغ خطبہ پڑھا۔ جس کا اثر نہایت عمدہ ہوا۔ اور بیس ہزار کوفیوں کا لشکر حضرت علیؑ کی طرفداری میں لڑنے کے لئے تیار ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوا اور ادھر مدینہ سے بھی حضرت علیؑ اپنا لشکر لے کر بصرہ کی طرف راہی ہوئے۔ منزل بمنزل طے کرتے ہوئے بصرہ کے قریب ایک وسیع میدان میں آپ نے نزول فرمایا۔ اس لڑائی کا نام مورخوں نے "جنگ جمل" اس لئے رکھا ہے کہ جناب عائشہؓ نے جمل (یعنی اونٹ) پر سوار ہو کر لشکر کی سرداری کی تھی۔ مسلسل دو دن تک حضرت علیؑ نے صلح و آشتی کے پیغامات جاری رکھے اور بذات خود طلحہ و زبیر کو بلوا کر ان کو اپنی بیعت کی یاد دلاتے ہوئے کہا کہ میری بیعت کا قلادہ تمہارے گلے میں ہے اور سمجھایا کہ لڑائی کی ضرورت کوئی نہیں نیز رسول خدا صلعم کی پیشین گوئی یاد دلائی کہ "تم ایک وقت میں ظالم ہو گے"۔ یہ سنتے ہی زبیر نے بخوشی اور رضامندی منظور کر لیا۔ مگر جناب عائشہؓ و طلحہ اور زبیر کے فرزند عبداللہ نے لڑائی میں شامل ہونے کے لئے ان کو ورغلایا۔

حضرت علیؑ کے لشکر میں بیس ہزار بہادر سپاہی تھے اور جناب عائشہؓ کے لشکر میں بھی تقریباً اتنے ہی تھے۔ چونکہ دونوں جانب مسلمان ہی تھے۔ اس لئے حضرت علیؑ کا پیام صلح آخر تک جاری رہا۔ تاکہ مسلمانوں کا خون نہ بہے۔ مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ مالک الاشتر نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تینوں جانب سے مخالفوں کا محاصرہ کیا اور دونوں طرف سے تلواریں باہر نکل پڑیں۔ حضرت عائشہؓ بھی اونٹ پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آ گئیں۔ ہزاروں آدمی لڑائی میں کام آ گئے اور لہو کی ندیاں بہنے لگ گئیں مسلمانوں کی

یہ حالت زار دیکھ کر حضرت علیؑ نہایت مغموم ہوئے۔ اور اپنے لشکر میں یہ منادی فرمادی کہ یہ لڑائی مسلمانوں کے درمیان ہے اگر کوئی بھاگ جائے تو اسے بھاگ جانے دو۔ اور اس کے قتل کا بالکل ارادہ بھی نہ کرو۔ کسی کا مال واسباب ہرگز نہ لوٹو۔ مگر جو مقابلہ کے لئے سامنے آئے اس کے حملہ کو روک کر خود کو محفوظ رکھو۔

دوسری جانب سے جناب عائشہ نے اپنے اونٹ پر سے حکم صادر کیا کہ میرے اونٹ کی مہار کون تھام سکتا ہے؟ یہ سنتے ہی کعب بن سواد نے پیش قدمی کی۔ جناب عائشہؓ نے کعب کو قرآن شریف دکھا کر لڑائی بند کرنے کا حکم دیا۔

مالک الاشتر نے جب یہ نیا رنگ دیکھا۔ تو شیر کی طرح غراتے ہوئے آگے بڑھے اور تلوار کی ایک ہی ضرب سے کعب کا کام تمام کر دیا۔

اسی طرح کعب کے تینوں بھائی بھی لڑائی میں کام آئے۔ عبداللہ بن زبیر نے جب یہ ماجرا دیکھا تو انہوں نے خود آگے بڑھ کر مالک الاشتر پر حملہ کیا۔ مالک گھوڑے سے اتر پڑے۔ اور عبداللہ کے سر پر ایسا کاری وار تلوار سے کیا کہ عبداللہ سخت زخمی ہوگئے مگر اس حالت میں بھی وہ مالک الاشتر سے دست بدست لڑائی میں مصروف ہوگئے اور دونوں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ آخرش مالک نے عبداللہ کو زیر کر دیا۔ عبداللہ نے اپنی بے بسی میں سخت چیخ و پکار شروع کی۔ اور لوگ اس کی امداد کو پہنچ گئے۔ مالک الاشتر نے اب زیادہ ان کا تعاقب کرنا بہتر نہ سمجھا اور حضرت علیؑ کے لشکر میں پھر جا ملے۔

اب یہاں کا یہ حال تھا کہ لڑائی زوروں پر ہو رہی تھی۔ اور طلحہ و زبیر لوگوں کو ہمت دلا دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ یک بیک عین جنگ میں ایک تیر طلحہ کی پنڈلی میں لگا۔ جس سے کثرت سے خون بہہ گیا۔ اور وہیں وفات پا گئے۔ طلحہ کے فوت ہونے پر زبیر نے حضرت علیؑ کی طرف رجوع ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر اسی وقت عمر بن ہارون نے برچھی سے سر پر ایسا سخت وار کیا۔ کہ وہ فوراً ہی زمین پر گر کر وفات پا گئے۔

جناب عائشہؓ نے دیکھا کہ لشکر کے دونوں سردار مارے گئے تو انہوں نے لشکر کی ہمت بڑھانی شروع کردی۔ حضرت علیؑ نے اس حالت کو دیکھکر یہ کہا کہ جب تک جناب عائشہؓ کا اونٹ نہ مرے گا۔ تب تک اس لڑائی کا خاتمہ نہ ہوگا۔ اس لئے آپ نے اس کام کو سرانجام دینے کے لئے مالک الاشتر کو حکم دیا۔ مالک الاشتر نے آگے بڑھ کر اونٹ پر حملہ کیا اور اس کو بچانے کیلئے ستر آدمی یکے بعد دیگرے آتے گئے۔ اور وہ ان کو قتل کرتے گئے۔ بالآخر مالک الاشتر نے اونٹ پر حملہ کیا۔ اور اپنی تلوار سے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے۔ جس سے اونٹ گر کر ہلاک ہوگیا۔

اس وقت حضرت علیؑ جناب عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور ان کو سمجھا کر مدینہ بھیجدیا۔ اس لڑائی میں حضرت علیؑ کے تین ہزار اور جناب عائشہؓ کے تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے

جنگ صفین

حضرت علیؑ کی فتح کی خبر امیر معاویہ نے شام میں سُنی تو بہت پریشان ہوئے اور جب دیکھا کہ معاملہ نازک ہو رہا ہے تو اسی وقت عمر بن العاص کے غلام وردان کے ساتھ پچاس ہزار سوار کا لشکر روانہ کیا اور اس کے بعد عمر بن العاص کو روانہ کرکے خود بھی اسی طرف عازم ہوئے۔ حضرتِ علیؑ نے آٹھ ہزار پیدل کے ساتھ زیاد بن نصر اور شریف بن ہانی کو آگے بھیجدیا۔ اور ان کی معاونت کے لئے مالک الاشتر کو تین ہزار کی فوج کے ساتھ بھیجا حضرت علیؑ کا لشکر دجلہ کو عبور کرکے اور فرات کو طے کرکے سرحد شام میں داخل ہوا۔

حضرت علیؑ اور انکے لشکر کی روانگی کی خبر سُنکر امیر معاویہ نے ابوالاعور کو بہترین دستہ کے ساتھ مورچہ پر روانہ کیا۔ راستہ میں مالک الاشتر سے ابوالاعور کا سامنا ہوا۔ مالک الاشتر نے اس سے آپس ہی میں تنہا مقابلہ کرنے کا پیام دیا۔ مگر ابوالاعور نے اس کا بالکل جواب نہ دیا۔ اور خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔

ابوالاعور پیچھے ہٹ کر صفین کے میدان میں صف آرائی کی اور امیر معاویہ کو کہلا بھیجا کہ چونکہ پہلا مقام جنگ کے لئے موزوں نہ تھا اس لئے میں پیچھے ہٹ آیا ہوں اور پانی پر بھی قبضہ کر لیا ہے حضرت علیؑ نے اپنے آدمیوں کو بھیجکر امیر معاویہ کو کہلایا کہ یہ پانی کی لڑائی نہیں ہے - لہذا پانی پر دونوں کے حقوق مساوی ہونے چاہئیں -

امیر معاویہ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کرنے کے بعد پانی کے لئے رخصت دے دی اور پہرہ اوٹھا دیا -

دوسرے دن حضرت علیؑ نے چند آدمیوں کے ذریعہ امیر معاویہ کو کہلا بھیجا کہ اجتماع کلی سے جو میری بیعت ہوئی ہے اسی مطابق تم میری بیعت کرو - اور لڑائی موقوف کرو - مگر جنگ کے سوائے دوسرا جواب نہ ملا -

حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا - تاکہ ایک ہی وقت میں معاوا بول دیا جائے - اور معاویہ نے بھی اپنے لشکر کو آراستہ کر کے جنگ شروع کر دی اور ذی الحجہ کا پورا مہینہ سخت لڑائی میں گذرا - مگر انجام کچھ برآمد نہیں ہوا -

اب چونکہ محرم کا مہینہ شروع ہو گیا تھا - اور تمام عرب اس مہینہ میں لڑائی سے باز رہتے ہیں - اس لئے اس ماہ میں لڑائی ملتوی رہی - مہینہ پورا ہوتے ہی حضرت علیؑ نے دوسری بار وہی پیغام جو پہلے بھیجا تھا اس کا دوبارہ اعادہ کیا - اس کے جواب میں امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کے خون کا عذر پیش کیا - ان کے زمرہ میں سے ایک شخص نے حضرت علیؑ کے حضور میں آکر کہا - ہمیں لوگوں سے خلیفہ انتخاب کرنیکی اجازت مرحمت فرمائیے تاکہ ہم امیر معاویہ کو رائے عامہ سے خلیفہ بنانے کی تجویز کریں -

اس بات کے سنتے ہی حضرت علیؑ نہایت جوش میں آگئے - اور فرمایا کہ اسلام میں امیر معاویہ کی کوئی شان نہیں - بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کو بالکل کوئی تعلق نہیں - صرف مطلب کے لئے اسلام کو قبول کرنے والے امیر معاویہ کے باپ ابی سفیان کی حالت کیسی تھی اس سے

تمام مسلمان واقف ہیں۔ ان کی والدہ نے حضرت حمزہؓ کے کلیجہ کو چبایا تھا۔ آج میں ان کو اور تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں صلح کرنے کے لئے بہت فہمائش کی۔ مگر تم نے حق کو حق نہ سمجھا۔ اس لئے اب لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد فوراً میدان جنگ گونج اٹھا۔ جنگ زوروں میں جاری ہوئی۔ یکے بعد دیگرے بہادر میدان جنگ میں آتے گئے۔ مسلسل سات دن تک لڑائی جاری رہی۔

حضرت علیؑ نے دیکھا کہ اگر لڑائی اسی طرح جاری رہی تو مہینوں ختم ہو جائیں گے اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ لہٰذا ایک ہی وقت حملہ کر دیا جائے تاکہ لڑائی کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اسی پر عمل فرمایا۔ اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ دوسرے دن بھی لڑائی کا یہی رنگ رہا۔ اس حالت کو دیکھ کر عمر بن العاص بہت گھبرایا اور اس نے بھی اپنے لشکر کو حضرت علیؑ کے لشکر کے ایک جانب فوراً اجتماعی حملہ کرنے کے لئے کہا اس سے اس کا یہ مطلب تھا کہ حضرت علیؑ کے لشکر کا ایک جانب اگر پسپا ہو جائے گا۔ تو دوسری جانب کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ لہٰذا یمین کی طرف سے سارا لشکر ٹوٹ پڑا اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ لشکریوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور فرار ہونے لگے حضرت علیؑ نے ان کو بھاگنے سے بہت کچھ روکا۔ مگر انہوں نے کچھ نہیں سنا۔ اب حضرت علیؑ نے قلب و یسار کی جانب والوں کو یمین میں آکر لڑنے کو فرمایا۔ مگر وہ بھی ہمت ہار چکے تھے۔ اپنے لشکر کی کمزوری کو دیکھکر جناب امیر علیؑ گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور تلوار کھینچکر کہا کہ میں تنہا لڑنے کے لئے کافی ہوں۔ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر آپ دشمنوں کے درمیان گھس گئے۔ آپ کی اس حکمت عملی نے لشکر کی حالت بدل دی اور جناب حسنؑ اور حسینؑ اور ان کے بھائی محمد بن حنفیہ نے بھی اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے پہلو میں آکھڑے ہوئے۔ دوسرے سرداروں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ مالک الاشتر نے تو اس وقت غضب ہی کیا اور دشمنوں کا اس قدر کشت و خون ہوا کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں تھوڑی

دیر میں لڑائی کا رنگ بالکل بدل گیا اور مالک الاشتر امیر معاویہ کے قریب پہنچ گئے۔ اُنہوں نے یہ دیکھتے ہی راہ فرار اختیار کی۔

شامی لشکر میں عبداللہ بن عمر نے مالک الاشتر پر حملہ کیا۔ مگر حضرت علیؓ کے لشکر نے اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ عمار بن یاسر تنہا عمر بن العاص پر ٹوٹ پڑے لیکن عمر نے اپنے سرداروں کی مدد سے انہیں شہید کر دیا۔ عمار کی شہادت سے حضرت علیؓ نہایت مغموم ہوئے۔ اور امیر معاویہ سے فرمایا کہ کیوں بے فائدہ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہو۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ تم خود میرے مقابلے کے لئے تنہا آجاؤ اور ہم دونوں ہی اس جنگ کا فیصلہ کریں۔

عمر بن العاص نے بھی امیر معاویہ سے کہا کہ بہتری اسی میں ہے کہ تم اکیلے حضرت علیؓ سے مقابلہ کرو لیکن امیر معاویہ کی ہمت نہ پڑی اور جواب دیا کہ میں کبھی حضرت علیؓ سے مقابلہ نہ کروں گا ان کے مقابلے کے لئے جو بھی گیا ہے اس کو میں نے کبھی زندہ واپس ہوتے ہوئے نہیں دیکھا

جب امیر معاویہ نے تنہا مقابلہ سے انکار کیا تو آپ پھر میدان جنگ کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت زور سے لڑائی شروع کی۔ مالک الاشتر نے بھی کشتوں کے پشتے لگا دیئے اس حالت کو دیکھتے ہی امیر معاویہ نے عمر بن العاص سے کہا اگر نوبت یہی ہی اور ہم اتنی قوت ہار گئے تو پھر ہم کو فتح کی امید نہیں۔ لہٰذا تم کوئی چال اس وقت چلو تو بہتر ہو گا۔

عمر بن العاص نے جواب دیا اگھبرانے کی کوئی بات نہیں میں کوئی نہ کوئی ترکیب عمل میں لاتا ہوں۔

تھوڑی دیر سوچ کر غور کرنے کے بعد عمر بن العاص نے امیر معاویہ سے کہا کہ مجھے ایک حیلہ سمجھائی دیا ہے جس سے لڑائی بہت جلد بند ہو جائے گی اور فتح بھی ہماری ہو گی بعد ازاں عمر بن العاص نے اپنے لشکریوں سے کہا کہ ہر شخص اپنے نیزہ پر قرآن شریف کو باندھ کو بلند کرے۔ اور ایسی نمائش کرے کہ ہم اس قرآن کریم کے طفیل سے پناہ مانگتے ہیں شامی لشکر نے اس کے مطابق عمل کیا۔ اس کو دیکھ کر حضرت علیؓ بالکل شش و پنج میں پڑ گیا۔ اور

عبداللہ بن عباس نے کہا کہ اب جب کہ لڑائی کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ امیر معاویہ نے آخری گھڑی میں یہ ترکیب کی ہے

حضرت علی نے فرمایا کہ میرے لشکریو تم بالکل اس کی پروا نہ کرو۔ اب قریب میں ہماری فتح ہے اور اب ضرور لڑائی کا انجام نکل آئے گا"

حضرت علیؑ کے لشکر نے کہا کہ جب ہم کو قرآن پاک کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ تو ان سے ہم کیونکر تعرض کر سکتے ہیں اور پناہ مانگنے والوں سے کیسے لڑ سکتے ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے لشکریوں یہ صرف ایک حیلہ ہے یہ لوگ دل سے پناہ نہیں مانگتے۔ تم اس جال میں نہ پھنسو اور میری طرف بھی تو دیکھو اور مجھے بھی تو پہچانو کہ میں خود قرآن ناطق ہوں میری فضیلت بھی کم نہیں۔

مگر ان جملوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور نہ لشکر نے آپ کی بات منظور کی۔ یہ دیکھ کر آپ بہت پریشان ہوئے۔ اور تن تنہا لڑنے کا ارادہ کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کے لشکریوں نے آپ کو گھیر لیا۔ تھوڑے ہی فاصلہ پر مالک الاشتر بھی نہایت جانفشانی سے لڑ رہے تھے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ معاملہ دگرگوں ہو گیا ہے تو آپ لپک کر یہاں آئے۔ اور کہا کہ اے کوفیو! یہ تم کیا کر رہے ہو۔ کس کا سامنا کرتے ہو، کہاں جاتے ہو۔ تمہیں کچھ خیال بھی ہے؛ لڑائی کو ختم کئے بغیر اس طرح سے تم واپس نہ جا سکو گے۔ یہ سنتے ہی اہل کوفہ تمام مشتعل ہو گئے اور مالک الاشتر پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے۔ مگر حضرت علیؑ نے درمیان میں آ کر ان کو روک دیا

لشکر کی اس حالت نے جناب علیؑ کو شامیوں سے مصالحت پر مجبور کیا۔ اور شامیوں سے جب اس بارہ میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے صلح کی نسبت یہ خواہش ظاہر کی کہ دو حکم ہوں ایک تمہاری طرف سے اور ایک ہماری طرف سے۔ وہ جو فیصلہ کریں۔ وہ آخری سمجھا جائے گا۔ بس یہی شرط صلح ہے۔ ہمارا حکم عمرو بن العاص ہے اور تم اپنا حکم مقرر کر لو۔

حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباس کا نام ظاہر کیا۔ مگر ان کو شامیوں نے منظور نہ کیا۔ بعد ازاں مالک الاشتر کا نام پیش کیا گیا لیکن وہ بھی قبول نہ ہوا۔ بالآخر موسیٰ الاشعری کا نام حکم کے لئے پیش کیا گیا جس پر شامی لشکر رضامند ہو گیا۔

حضرت علیؓ موسیٰ الاشعری کو حکم مقرر کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ مگر لشکریوں کی خواہش پر ان کو خوش رکھنے کے لئے انجام کی پرواہ کئے بغیر آپ نے اس کو منظور فرمایا۔ اور اس طرح موسیٰ الاشعری حکم مقرر ہو گئے۔

اب مستقبل میں تمام دارومدار حکم پر رہا۔ اور لڑائی بند ہوئی اس لڑائی میں جانبین کے بیس ہزار آدمی کام آئے

صلح کی شرائط کے مطابق آٹھ مہینہ کے بعد دومۃ الجندل میں طرفین کے چار سو آدمی جمع ہوئے، فیصلہ سنانے کے پیشتر عمر بن العاص نے موسیٰ الاشعری سے تنہائی میں ملاقات کی، اور سمجھایا کہ حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں کو خلافت سے معزول کر کے کسی تیسرے شخص کو خلافت کے لئے انتخاب کریں۔ عمر بن العاص کی اس ترکیب کو موسیٰ الاشعری نے قبول کر لیا عمر بن العاص کی یہ رائے اگرچہ دل سے نہ تھی، بلکہ ایک سیاسی چال تھی، جس کے دھوکے میں نہایت آسانی سے موسیٰ الاشعری آ گئے۔

حکمین بھی بعد ازاں مقررہ مقام پر اپنا فیصلہ سنانے کے لئے آ گئے۔ عمر بن العاص نے موسیٰ الاشعری کی بزرگی اور بڑائی بیان کر کے فیصلہ پہلے سنانے کی درخواست کی۔ عبداللہ بن عباس نے موسیٰ الاشعری کو اس سے روکا۔ مگر موسیٰ الاشعری نے کچھ نہ سنا۔ اور ممبر پر چڑھ کر کہا کہ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں کو خلافت سے معزول کرتا ہوں اور اب جو سب لوگوں کی رائے ہو۔ اسے خلیفہ انتخاب کریں۔

ابوموسیٰ اپنا فیصلہ سنانے کے بعد ممبر سے نیچے آئے۔ اور عمر بن العاص نے ممبر پر چڑھ کر کہا کہ میں بھی حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ مگر ان کی جگہ پر امیر معاویہ کو مقرر کرتا

ہوں۔ اور وہی خلیفہ وقت ہیں۔

فیصلہ ہو گیا تو موسیٰ الاشعری کو عمرو بن العاص کی چالبازی معلوم ہوئی۔ اور انہیں سخت سست کہا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں جانب کے لوگ منتشر ہو گئے۔ مگر حکمین کے فیصلہ سے لوگوں کو چونکہ تشفی نہ ہوئی تھی، اس لئے صلح نہ ہو سکی

مصر میں بغاوت اور خارجیوں کی سازش

مصر میں محمد بن ابوبکر حضرت علیؑ کی طرف سے گورنر تھے۔ وہاں امیر معاویہ کے بھڑکانے سے لوگوں نے بغاوت کی اور ظاہری طور پر امیر معاویہ کے مددگاروں نے بلوائیوں کی اعانت کی، اس بلوہ محمد بن ابی بکر قتل کئے گئے۔ حضرت علیؑ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے مالک الاشتر کو ان کی معاونت پر روانہ کیا مگر ان کو بھی امیر معاویہ کے حامیوں نے راستہ ہی میں زہر دے کر شہید کر دیا۔

بعد ازاں امیر معاویہ نے عمر بن العاص کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ جس نے وہاں امیر معاویہ کا پورا تسلط اور اقتدار جما دیا۔ ادہر تو یہ سب واقعات پیش آ رہے تھے اور ان جانبین کے ماسوا تیسری جانب کچھ لوگ ایک نئی تجویز پر عمل جامہ پہنا رہے تھے۔ یہ لوگ خارجی تھے۔ کوفہ کی مسجد میں عبدالرحمٰن ابن ملجم مبارک بن عبداللہ اور عمر بن ابوبکر تینوں نے یہ مشورہ کیا کہ خلافت کے تمام جھگڑے تین آدمیوں کے سبب سے ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت علیؑ، امیر معاویہ اور عمر بن العاص ان تینوں کو قتل کر دینا چاہیئے۔

فیصلہ ہو جانے کے بعد ابن ملجم نے حضرت علیؑ کے قتل کی، مبارک بن عبداللہ نے امیر معاویہ کے قتل کی، اور عمر بن ابوبکر نے عمر بن العاص کے قتل کی ذمہ داری لی اور طے پایا کہ ماہ رمضان کی فلاں تاریخ میں یہ کام ہو جائے۔

امیر معاویہ کو قتل کرنے کے لئے رمضان کی سترھویں تاریخ کو مبارک دمشق روانہ ہوا۔

عمرو بن العاص کا خاتمہ کرنے کے لئے عمرو ابن ابوبکر مصر گئے اور ابن ملجم حضرت علیؑ کو شہید کرنے کے لئے وہاں مقیم رہا۔

دمشق کی مسجد میں مُبارک کو امیر معاویہ پر حملہ کرنے کا ایک موقع ملا۔ مسجد سے باہر آنے کے لئے کھڑے ہوتے ہی مُبارک نے امیر معاویہ پر تلوار سے وار کیا۔ مگر ان کے پیچھے ہٹ جانیکی وجہ سے تلوار امیر معاویہ کے کندھے پر پڑی اور کندھے کی ہڈی گوشت کے ساتھ کٹ گئی۔ جس سبب سے امیر معاویہ زمین پر گر گئے۔ لوگوں نے فوراً مُبارک کو گرفتار کر لیا۔ اور جس وقت امیر معاویہ ہوش میں آئے۔ اس وقت ان کے حکم سے مُبارک قتل کیا گیا۔

اب مصر میں نظر کرو، وہاں عمرو بن العاص بیماری کے سبب سے مسجد میں حاضر نہ ہو سکے اور اس کے عوض میں ایک دوسرے شخص کو ابوبکر نے عمرو بن العاص کے دھوکے میں قتل کر دیا حاضرین نے وہاں اس کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا۔

جنگ نہروان

یہ جنگ عظیم حضرت علیؑ اور خارجیوں کے درمیان نہروان نامی مقام پر واقع ہوئی، خارجی ایک خاص عربی لفظ ہے۔ جس کی جمع "خوارج" ہے اس کے معنی خارج شدہ کے ہیں۔ اس لئے جو لوگ حضرت علیؑ سے علیحدہ ہو کر گمراہی اور ضلالت کی راہ اختیار کی، خارجی کہلائے، ان لوگوں نے سرکشی کر کے ملکی انتظامات کو حد سے زیادہ خراب کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ اور اس لئے حضرت علیؑ کی خلافت کے آخری ۲ دو سال میں ان کے اور بنی اُمیہ کے درمیان اُنہوں نے بے انتہا فتنہ انگیزی کی، جس سے رعایا میں خونریزی جاری رہی، اور یہی ایک بہت بڑا سبب تھا جس سے امیر معاویہ کا حضرت علیؑ پر وار چل گیا۔

صفین کی لڑائی میں امیر معاویہ نے جو درخواست حضرت علیؑ کے سامنے پیش کی، اس سے اسلام میں تفرقہ کی بنیاد پڑ گئی۔ جب قرآن کریم نیزہ پر آویزاں کر کے لڑائی بند کی گئی۔ اور جانبین سے جو شرائط صلح مقرر ہوئی۔ اس میں امیر معاویہ کے حامیوں نے حکم مقرر ہونیکی شرط لگائی۔ حضرت علیؑ نے اس درخواست کو صرف اپنے لشکر کے اصرار سے منظور کی۔ کیونکہ آپ کا لشکر لڑتے لڑتے تھک گیا تھا۔ مگر آپ کے لشکر میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، خصوصاً بنی تمیم کے قبیلہ والے جو قرآن شریف کے مخالف فیصلے اور حکمین کے تقرر سے بالکل ناراض تھے اور کہتے تھے کہ کلام الٰہی میں خدا کے سوا کسی کو کوئی حق نہیں چنانچہ لاحکم الا اللہ کی صدا بلند کرتے ہوئے لشکر سے خارج ہو گئے۔ اور اسی وقت سے یہ لوگ خارجی کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ لوگ وہاں سے چل کر "حروراء" گاؤں کی طرف آئے اور ایک غیر مشہور سپاہی عبداللہ بن وہب الراسبی کو اپنا سردار مقرر کیا۔ خارجیوں کا دوسرا نام "حروریا" اسی گاؤں کی نسبت ہے۔ ان کی تعداد آہستہ آہستہ بہت بڑھتی گئی۔ اور ابن وہب نے سارے جتھے کو لیکر نہر "نہروان" پر مقام کیا۔

رسول خدا صلعم نے پیشین گوئی کی تھی کہ "یا علی آپ کی ظاہری خلافت کے درمیان ایک گروہ ایسا پیدا ہوگا۔ جو آپ سے سخت دشمنی پر کمر باندھیگا۔ اور قرآن کا لفظ بار بار ان کی زبان پر آئے گا لیکن احکام قرآنی کی بالکل پرواہ نہ کرے گا۔ عاد و ثمود کی قوموں کی طرح یہ بھی ایک گمراہ قوم ہو گی۔ جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ویسے ہی یہ قوم آپ سے الگ ہو جائیگی، خود کلمہ گو ہونے کا دعویٰ کرے گی۔ مگر ایمان کا لحاظ بھی ان کے دل میں بالکل نہ ہوگا۔" نہروان کے خارجیوں پر یہ مثال بالکل چسپاں ہوتی ہے، نہر نہروان کے کنارہ پر ان خارجیوں نے اپنی چھاؤنی ڈالی تھی۔ اور شہر مدائن پر حملہ کر کے بے انتہا مظالم ڈھائے۔ اور شہر میں ہر طرف لوٹ مار شروع کر دی۔

حضرت علیؑ کے پاس جب یہ خبر پہونچی تو آپ نے رعایا کو ان کے ظلم سے نجات دلانے کا ارادہ کرلیا۔ اور خود رعایا نے بھی حضرت کی خدمت میں اس عذاب سے رہائی کی درخواست کی۔ اس لئے آپ نے خارجیوں سے جنگ کا ارادہ کیا مگر جب امیر معاویہ نے شام میں آپ کے مقابلہ کے لئے اسّی ہزار کا لشکر جمع کرلیا۔ تو حضرت علیؑ نے بھی اس سے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔ یہ لشکر شام کی طرف کوچ کرنے والا ہی تھا۔ کہ مصلحت وقت کی بناء پر یہ رائے ہوئی کہ اس لشکر کو آپ خارجیوں سے جنگ کرنے کے لئے نہروان کی طرف روانہ کریں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس لشکر نے مارقین، نامی منزل میں چھاؤنی ڈالی۔ لشکر آراستہ ہوچکا تو میمنہ کی سرداری آپ نے حجر بن عدی کو سونپی۔ یسار شبیب بن ربعیؓ کو سپرد کیا۔ گھوڑے سوار لشکر کو ابو ایوب انصاری کے ماتحت اور سارا پیدل لشکر ابو قتادہ انصاری کے سرداری میں دیا گیا۔

خارجیوں نے اپنے لشکر کا حصہ میمن زید بن قیس کو اور حصہ شمال شریح بن اوفی کو سونپا گھوڑے سوار لشکر کی سرداری حمزہ بن سنان کو اور پیدل لشکر کی ذمہ داری قوس بن ظہیر کو دی گئی تھی اب دونو طرف کے لشکر برابر آراستہ ہوگئے تھے۔ اور لڑائی کے چھڑنے کے منتظر تھے۔ کہ حضرت علیؑ نے اس جنگ کے جھنڈے کو ایک اونچے ٹیلے پر گاڑ دیا۔ اور اعلان کیا کہ جو شخص مخالفین سے نکل کر اس نشان کے نیچے آئے گا۔ یا جنگ سے علیحدہ ہو کر سیدھے کوفہ یا مداین کی جانب واپس ہوجائے گا اس کو امان ملے گی۔

اعلان کے بعد آپ نے چھ ہزار مشہور بہادروں کو نشان کے حفاظت کے لئے چہار طرف کھڑا کردیا۔ جس سے خارجیوں کو نہایت خوف دامنگیر ہوا۔ لہٰذا بہت سے خارجی جنگ سے علیحدہ ہو کر کوفہ کی طرف چل دیئے، بہت سے نشان کے نیچے آگئے۔ اور امان طلب کی۔ لشکر کی اس حالت نے عبداللہ بن وھب خارجی کو نہایت مضطرب کردیا۔

کیونکہ لشکر کا بہت بڑا حصہ علیحدہ ہو گیا تھا اور اس کے پاس صرف چار ہزار آدمی باقی رہ گئے تھے، اس لئے ابن وہب نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اب ایسا نا ممکن تھا کیونکہ اسے لشکر سے بھاگنے پر محصور ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے اس نے اب لشکریوں کو نہایت بہادری سے لڑنے کا حکم دیا۔

لڑائی زور میں شروع ہوئی، اور میدان جنگ گرم ہوا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ابن وہب نے حضرت علیؑ سے تنہا مقابلہ کرنیکے لئے متکبرانہ انداز سے کہا، آپ نے ذوالفقار ہاتھ میں لی۔ اور سامنے آ کھڑے ہوئے، خوب داؤ پیچ کے بعد عبداللہ ابن وھب کے دو ٹکڑے کر دیئے، بعدازاں حضرت علیؑ کا لشکر مخالفوں پر ٹوٹ پڑا۔ اور قتل عام جاری ہو گیا، یہانتک کہ سارے قتل ہو گئے، اور صرف نو آدمی باقی رہگئے جو اپنی جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر ناکام چھپنے کی کوشش کر رہے تھے، حضرت علیؑ کے لشکر میں سے صرف نو آدمی مارے گئے تھے۔ الغرض لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ اور خارجیوں کا بھی نام ونشان مٹ گیا۔ میدان جنگ میں ہزاروں خارجیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، جن کو آپ نے ایک بڑا گڑھا کھود کر دفن کروا دیا۔ اور فتح وظفر کے ساتھ کوفہ تشریف لے گئے،

سلمان الفارسی

سلمان الفارسی حضرت علیؑ کے ایک سچے محب تھے، جب تک آپ کے دیدار سے فیض یاب نہ ہوتے، تب تک آپ کو تسلی نہ ہوتی، اور روز و شب حضرت علیؑ کی معیت میں رہا کرتے تھے، آج بھی سلمان الفارسی دُنیا کے اولیأ میں سے ایک جلیل القدر ولی مانے جاتے ہیں رسول خدا صلعم بھی سلمان الفارسی کے ساتھ بیحد محبت رکھتے تھے،

سلمان الفارسی ایران کے باشندہ تھے، آپ کا اصلی نام ماہ بیہ یا روزبیہ تھا اور قازرون



حضرت قنبر: حضرت امام شاہ علیؑ کے ایک وفادار خدمت گار تھے۔ آپ کا نام تاریخ اسلام میں روشن ہے۔

اور شیراز کے درمیان میں رجان نامی شہر میں یا بوشہر یا اصفہان کے کسی گاؤں میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی، آپ نے جوانی میں عیسائی مذہب اختیار کیا تھا، شام، عربستان اور بہت سے دوسرے شہروں کی آپ نے سیاحت کی تھی، آغاز اسلام میں ایمان لانیوالوں میں سے ایک آپ بھی ہیں، جنگ خندق میں لشکر کی حفاظت کے لئے خندق کھودنے کا مشورہ رسول خدا صلعم کو آپ نے ہی دیا تھا حضرت علیؑ کی غلامی کو اپنے لئے موجب سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ اور ہر وقت آپ حضرت علیؑ کے در دولت پر قیام رکھتے تھے، رسولخدا صلعم نے آپ کو سلمان منا اہل البیتؑ کے خطاب سے مشرف فرمایا۔ یعنی سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں، آپ عبادت اپنی مادری زبان فارسی میں کرتے تھے، آپ نے اپنی تمام زندگی کو رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ کی خدمت میں گذار دی مستند روایت ہے کہ جبرئیل نزول وحی کے وقت دحیۃ الکلبی یا سلمان الفارسی کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔

قنبر

حضرت علیؑ کے غلاموں میں قنبر کا نام بھی بہت مشہور ہے آپ کا اصلی نام مفتاح تھا۔ ابی سینا کے حبشی بادشاہ کے یہ شہزادے تھے، قنبر کا چچا لا مذہب تھا۔ اس نے اپنی لڑکی کی شادی قنبر کے ساتھ کر دینے کا وعدہ کیا، مگر اس شرط پر کہ اس کے عوض میں حضرت علیؑ کا سر مبارک اُتار لائے، چچا کی شرط پوری کرنے کے لئے وہ حبش سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کی سرحد میں داخل ہوا۔ اور حضرت علیؑ سے وہاں اتفاقیہ اس کی ملاقات ہو گئی۔ اس نے حضرت علیؑ سے ان کے بارے میں تمام تحقیقات کی کہ وہ کون ہیں اور کیسے ہیں؟ آیا آپ کی قوت کے سامنے کوئی فتح حاصل کر سکتا ہے؟ حضرت علیؑ نے اس کے دلی مطلب کو تاڑ لیا، اور فرمایا کہ میری طرح وہ جسیم ہیں، طاقت اور قوت میں بھی میرے

ھی برابر ہیں۔ اگر کشتی میں تو مجھے زیر کرے گا۔ تو انہیں بھی زیر کرے گا۔ اور تیرا مطلب حاصل ہو جائے گا۔

یہ سُنکر قنبر نے حضرت علیؑ کے ساتھ زور آزمائی کی، اور وہ ہار گیا۔ بعد ازاں علیؑ نے فرمایا۔ کہ "میں خود علیؑ ہوں، اگر تجھے میرے سَر کی ضرورت ہے تو یہ تلوار حاضر ہے بخوشی سَر کو قلم کر دے۔ اور اپنی مُراد حاصل کر۔"

حضرت علیؑ کی بہادری کو دیکھتے ہی قنبر کی عالت بدل گئی۔ اور ایسا زبردست اثر ہوا۔ کہ اس نے حضرت علیؑ کو آقا اور مالک تسلیم کر کے آپ کی غلامی میں داخل ہو گیا۔ اور زندگی بھر نہایت وفاداری سے آپ کی ایسی خدمت گذاری کی کہ حضرت علیؑ کے وفادار غلاموں میں اس کا ابھی تک شمار کیا جاتا ہے۔

لافتیٰ

حضرت علیؑ کی قوت "قوت پروردگار" سے مشہور ہے، اور کیوں نہ ہو، جبکہ نامور بہادروں اور مشہور پہلوانوں یہانتک کہ جنوں اور دیووں کو آپ نے پچھاڑا ہے آپکے پاس دو نایاب چیز تھی، ایک تو اسپ وفادار جس کا نام "دلدل" تھا۔ اور دوسری تلوار ذوالفقار جس کے دو منہہ تھے۔ اسی تلوار سے آپ کو دائمی فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی اسی سبب سے آپ "لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفِقَار" سے دُنیا میں مشہور ہیں۔

معراج

لغوی معنی معراج کے چڑھنا (عروج) ہے۔ رسول خدا صلعم نے بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ سے جبرئیل علیہ السلام کے ہمراہ "براق" پر سوار ہو کر آسمان کی سَیر فرمائی تھی روایت ہے کہ اثنائے راہ میں شیر ببر ملا جو رسول خدا صلعم کے درمیان حائل ہو گیا۔ آپ نے

اپنے دست مبارک سے ایک انگشتری نکال کر اس کے آگے پھینکدی، اس نے فوراً انگوٹھی لے لی اور راستہ سے علیحدہ ہوگیا، آپ آگے تشریف لے گئے۔ اور تمام پیغمبروں سے ملاقات ہوئی پھر آپ خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے، جہاں آپ کو اللہ جل جلالہٗ سے ہمکلام ہونیکا شرف عظیم حاصل ہوا۔ گفتگو اور آواز الٰہی حضرت علیؓ کے آواز سے بجید مشابہت پائی جس سے آپ کو نہایت تعجب ہوا۔ بعد ازاں خوان طعام پردۂ غیب سے سامنے آیا اور نبی کریم صلعم کو خدا کا حکم ہوا۔ کہ طعام تناول فرمائیں آپ نے فرمایا کہ " یا الٰہ العالمین میں کبھی تنہا کھانا نہیں کھاتا ہوں، اسی وقت پردہ سے ایک ہاتھ برآمد ہوا جس میں رسول کریم نے وہی انگشتری دیکھی جو آپ نے راہ میں شیر ببر کو دی تھی، اُسی وقت آپ کو شیر خدا حضرت علیؓ یاد آگئے۔ اور خدا تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف ہوگئے۔ اور اس خیال سے کہ " خدا کا بھید خدا ہی جانے" اپنے دل کو سمجھالیا

بعد ازاں معراج سے آپ واپس تشریف لائے۔ بعثت کے بارھویں سال آپ معراج سے مشرف ہوئے تھے،

علی اللّٰھیون

سارے ایران میں اس قوم کے لوگ چہار طرف پھیلے ہوئے ہیں یہ قوم اہل اللٰھی یا علی اللّٰھی کے نام سے مشہور ہے۔ مسٹر لینگس کی کتاب جالڈین وائیج (خالدیا میں سیاحت) میں لکھا ہے کہ اُنیسویں صدی کے آغاز میں یہ قوم اکثر جنوبی قندھار، کابل و کاشان میں دکھائی دیتی تھی، ایران کے کرمان شاہ میں ان کا مرکز تھا۔ ایچ۔ ٹی۔ کولبروک نے لکھا ہے کہ اس قوم کے لوگ ہندوستان میں بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

کتاب " دبستان المذاہب" میں لکھا ہے کہ اس قوم کے لوگ حضرت علیؓ کو خدا کی طرح مانتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ حضرت آدم سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی ہوئے ہیں ان سب میں اور حضرت امیرالمومنین علیؓ میں بھی " علی اللہ" جلوہ افروز تھا۔ اسی طرح

امام کے جسم میں بھی نورِ الٰہی ہوتا ہے اور اسی کے مطابق "علی اللہ" کا ظہور ہر زمانہ میں ہوا کرتا ہے۔ یہ نور حضرت علی کے بعد آپ کی نسل مبارک میں مستحق اولاد اور جانشین میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام اور رسولانِ سلف میں حضرت محمد صلعم اور حضرت علیؑ تھے

علی اللّٰھی کا مقولہ ہے کہ چونکہ ملائے اعلیٰ کی رواح کی تمیز اور پہچان انسان سے مشکل ہے، اس لئے ان کو اس طور سے اجسام میں ظہور دیا جاتا ہے، خدا خود انسانی جامہ میں اپنا ظہور کرتا ہے اور خاص کر یہ جسمانی جامہ حضرت علیؑ کا اللہ تعالیٰ نے ظہور کے لئے اختیار کیا تھا۔ علیٰ ھذا القیاس حضرت علیؑ اللہ تعالیٰ کے مظہر یا خود خدا تعالیٰ کے ذات ہیں، اس لئے انکی عبادت ان کے یہاں جائز ہے، اس قوم کے لوگ تناسخ کے عقیدہ کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق حضرت علیؑ جب سے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائے ہیں اس وقت سے سورج میں متمکن ہیں، اسی لحاظ سے سورج کو بھی "علی اللہ" سے تعبیر کرتے ہیں، اس قوم کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؑ انسانی جامہ میں دنیا کے اندر تشریف رکھتے ہیں اور بعض علی اللّٰھی ملتے ہیں کہ پنجتن پاک میں الوہیت کا جلوہ ہے، حضرت محمد صلعم، حضرت علیؑ، جناب فاطمۃ الزہرا، امام حسن اور حسین صلوات اللہ علیہم پانچوں ایک ہی نور کے بنے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک میں یہ نور مساوی طور پر موجود ہے، یہ پانچوں جناب، مرتبہ میں مساوی ہیں کوئی ایک دوسرے سے فائق و برتر نہیں اصحاب الکساء (یعنی ردا کے اصحاب) کے یہ پانچوں رکن ہیں۔

اس گروہ کے مذہبی پیشوا پیر کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کے تمام (نائبین) "دلیل" (یعنی خادم) کے نام سے کہے جاتے ہیں۔ جو دینی امور بجالاتے ہیں اور لوگوں سے اس کی تعمیل کراتے ہیں، تبرکات تقسیم کرنے والے "خلفاء" کہلاتے ہیں، ان کی مذہبی کتابیں کردی زبان میں لکھی ہوئی ہیں، جن میں سے ایک کتاب کا نام "کتاب سنجنار" یا کتاب سرملک ہے۔ ان کے علماء آگ پر بغیر کسی ایذا اور تکلیف کے بیٹھ سکتے ہیں۔

نفیسری

نفیسری قوم بھی حضرت علیؑ کو خدا کی طرح مانتی ہے، اس قوم کے لوگ زیادہ تر حدود شام میں پائے جاتے ہیں شہرستانی کا بیان ہے کہ نفیسری نے بردست غلو کرنے والے شیعہ ہیں انکا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا ظہور الگ الگ مظہر میں کرتا ہے۔ خصوصاً حضرت محمد صلعم، پھر حضرت علیؑ اور ان کے بعد ان کی مبارک نسل کے اولیٰ و افضل افراد میں خدا تعالیٰ نے اپنا ظہور کیا ہے اور انہیں کے ذریعہ خدا تعالیٰ انسانوں سے کلام کرتا ہے اسی لئے حضرت علیؑ کو نفیسریوں نے خود ذاتِ خدا قرار دیا ہے اور اس کی تائید میں کئی معجزے روایت کرتے ہیں، مثلاً ایک نفیسری نے علانیہ آپ کے سامنے حضرت علیؑ علیہ السلام کو خدا کہا۔ حضرت علیؑ نے اس کو شتر وقت مارا۔ اور شتر وقت جلایا۔ لیکن آخر وہ علی اللہ کہتے ہوئے زندہ ہو گیا۔ اس حیرت انگیز قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس کا عقیدہ ہو گیا کہ الٰہیت کے تمام اوصاف اور الٰہیت کی قدرت مطلقہ حضرت علیؑ میں موجود ہے وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے بشری پیکر میں خود خدا تعالیٰ جلوہ گر تھا۔ اور اسی میں سے اپنے خداوندی احکامات جاری کرتا تھا۔ یہ لوگ اس عقیدہ کے بھی قائل ہیں کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے قبل حضرت علیؑ موجود تھے،

سب سے بڑا عقیدہ نفیسریوں کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ میں تثلیث کو مانتے ہیں یعنی معنی (مقصد) اسم (نام) اور "باب" (دروازہ) یہ تین چیزیں خدا کی ذات میں پائی جاتی ہیں، "اسم" سے مطلب انسان کی آنکھوں کے سامنے ایک خاص مظہر میں خدا کی ذات کو رجوع کرنا ہے۔ اور اس کے کلام کا خلاصہ اور تشریح کرنے کا درجہ باب ہے۔

نفیسریوں کا مقولہ ہے کہ سات قرن (دور) میں خدا تعالیٰ نے انسانی جامہ میں اپنا مظہر لیا ہے۔ اور اس کو وہ اپنی زبان میں ان سبکو قُبہ (گنبد) کہتے ہیں، آخری دور میں

حضرت محمد صلعم کے پیغمبری کے زمانہ میں یعنی حضرت ابوطالب کے خانۂ مبارک میں حضرت علیؑ کے جامۂ اطہر میں جلوہ افروز ہوا۔ حضرت محمد صلعم اس دور کے "اسم" تھے اور باب سلمان الفارسی تھے۔ اس طرح ان لوگوں نے ان تینوں میں سے ایک ایک حرف کو جوڑ کر ایک لفظ عمس بنالیا ہے، جو درحقیقت ع۔م۔س سے بنا ہوا ہے، اس فرقہ کی بنیاد مورخوں کے مستند بیان کے مطابق ۲۷۰ھ ہجری میں پڑی ہے، اس حساب سے "دروزیوں" سے (ایکسو پچیس) سال قبل اس فرقہ کی نشوونما ہوئی تھی۔

دروزی

اس فرقہ کی بہت بڑی بستی علاقہ لبنان پہاڑ میں واقع ہے اور وہاں وہ خودمختارانہ سلطنت کرتے ہیں ملک شام پر جب اہل فرینچ کے ماتحت آیا اس وقت دروزیوں نے سخت مقابلہ کیا تھا۔ مگر پھر صلح ہوگئی۔ وہ اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں اور خالص توحید کے قائل، یعنی ایک ہی خدا کو ماننے والے اپنے آپ کو بتاتے ہیں۔

ہجری ۳۸۶ھ میں دروزیوں نے فاطمی خلیفہ حاکم بامراللہ کو خدا تعالیٰ کا مظہر تسلیم کیا۔ اس قوم کے ایک داعی نے مصر (قاہرہ) میں آکر اس فرقہ کی بنا ڈالی، اس داعی کا نام محمد بن اسمٰعیل درزی تھا وہ حاکم بامراللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہیں سے اس فرقہ کا سلسلہ آگے بڑھا محمد بن اسمٰعیل درزی نے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نور حضرت علیؑ کے جسم مطہر میں منتقل ہوا۔ اور بعدازاں حاکم بامراللہ کے آباؤ اجداد سے منتقل ہوتے ہوئے حاکم بامراللہ کے بشری ہیکل میں داخل ہو کر اس میں سرایت کرگیا۔ اور قرار پایا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن اسمٰعیل درزی، حاکم بامراللہ کے ساتھ رتھ (قدیم شاہی گاڑی) میں بیٹھا ہوا کہیں جا رہا تھا۔ کہ ایک ترکی نے حملہ کرکے دہیں سے

قتل کردیا۔ مگر دروزی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی روحانی قوت سے وہ بچ گیا ابوالحسن اور بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ حاکم بامراللہ کی دعوت پوشیدہ طور پر شام کے پہاڑوں میں بھی قوم زیادہ اشاعت کرتی تھی، بعض تاریخی کتابوں میں لکھا ہے کہ حاکم بامراللہ کی الہی شان کی تبلیغ اکرمنامی ایک شخص نے مصر میں بھی کی تھی۔ مگر وہ وہیں تک محدود رہی۔

اکثر کا یہ خیال ہے کہ اس فرقہ کے بانی مبانی حمزہ بن علی ہیں، ان کے تمام خطوط یکجائی طور پر یورپ میں چھپے ہیں، جولوگ اپنے کو حضرت علیؓ کے سچے اور خالص فادار محب شمار کرتے تھے، ان کا بھی یہی خیال ہے کہ فرقۂ دروزی کے بانی مبانی حمزہ بن علیؓ ہیں حمزہ نے عقیدۂ تناسخ کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے، مگر سچ پوچھو تو اسی اعتقاد سے ملتے جلتے عقیدہ کی اس نے تائید کی ہے، اب اس سے ظاہر ہے کہ درزیوں کا کہنا ہے کہ انسان کی روح علحدہ علحدہ جسم سے برآمد ہوا کرتی ہے اور اسی کے مطابق اس میں سے علیحدہ علیحدہ آدمی وجود میں آتے ہیں، علوی اور سفلی دنیا کے درمیان امتیاز کرنے والے اشخاص مندرجہ بالا طور پر پیدا ہوتے ہیں اور ان کی تعداد ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ایک ہی رہتی ہے، اس میں کبھی کمی و بیشی نہیں ہوتی۔

حمزہ کا یہ بھی قول ہے کہ جو ناطق اولی ہے وہی ناطق آخری ہے، فقط علیحدہ علیحدہ "قمیص" (جسمی غلاف) اس نے اختیار کیا ہے درروزی جن کو ناطق مانتے ہیں وہ صرف پانچ ہیں:-

حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت عیسٰیؑ، اور حضرت محمد صلعم ان تمام میں خداتعالی نے اپنا جلوہ جدا جدا طور سے دکھایا ہے۔

قسمت (یعنی نوشتۂ قسمت) کے معاونین انسان کی سزاؤں میں بھی مدارج کے واسطے علوی درجوں سے سفلی درجات تک اس کی روح کو طے کرنا ہوتا ہے، اور اسی سفلی مدارج میں درجہ بدرجہ ایک قمیص سے دوسرے قمیص میں اس کی روح داخل ہوتی رہتی ہے

آخرش جب سب مدارج طے کرکے الہیت کے وحدانیت کے خانہ سے وصل ہوتا ہے اس وقت وہ کمالیت کے درجہ کا حادی ہوتا ہے، اس درجہ کے بعد اس کی پیدائش دوبارہ بالکل موقوف ہوجاتی ہے، اور وہ اصل میں مدغم ہوجاتا ہے۔

مولائی

یہ فرقہ بھی حضرت علیؑ کو خدا تعالیٰ کی طرح مانتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ آپ ازلی اور ابدی ہیں، یعنی آپ لم یزل ولا یزال ہیں۔ امام کے بشری جامہ میں آپ کا ظہور ہوا ہے، اور ابداً دنیا میں موجود ہیں، مولائی کہتے ہیں کہ کالی اور بودار مٹی سے بنے ہوئے حضرت آدمؑ کے پتلے میں خدا تعالیٰ نے اپنا ظہور کیا۔ اس وقت فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے نورِ خدا کو شجرہ میں دیکھا تو شجرہ کی تعظیم ان پر واجب ہوئی۔ اسی کے مطابق خدا تعالیٰ بھی ہمیشہ امام کے بشری جامہ میں اپنا ظہور کرتا رہتا ہے۔ دُنیا میں امام ہی عقل کل ہیں۔ اس عقل کو کوئی دوسری عقل ادراک نہیں کرسکتی، باوجودیکہ انسان اشرف المخلوقات ہے مگر خالص ذات انسان سے ذات امام اشرف و افضل ہے، چونکہ ان کے جسم میں نورِ خدا منتشر ہے خدا کی ذات مجسّم نور ہے اور وہی نور امام میں سمایا ہوا ہوتا ہے اس نور کی تقویم اور مشابہت محال ہے اور لم یلد و لم یولد اسکی شان ہے

مولائیوں کا مقولہ ہے کہ جو حق ہے وہی نور ہے اور وہی قائم و دائم ہے، مطلب یہ ہے کہ مولائی خود کو نور پرست کہتے ہیں، دورِ آخر میں یہ نور حضرت علیؑ میں قرار پایا۔ اور وہی نور آپ کی اولاد اطہر میں منتقل ہوتا رہا۔ ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ حضرت علیؑ زبان خدا سے تکلم کرتے تھے، اللہ کے کان سے سماعت کرتے تھے۔ اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اور ید اللہ سے کام کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ علیؑ کل اللہ ھی اللہ تھے۔ جو امام کے بشری جامہ میں رہتے تھے مولائیوں کا تکیہ کلام ہے کہ "ہیں بھی علیؑ اور ہوں گے بھی علیؑ"

یہ فرقہ ایشیائے وسط میں لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں، اس کے داعی الحجت ناصر خسرو تھے،

باوجودیکہ آج نو نشو سال گذر گئے ہیں، لیکن اماں شراب وحدت کے خمار سے ابھی تک مست و سرشار ہیں۔ الحاصل اسی طرح اکثر فرقے ایسے ہیں جو حضرت علیؑ کو اللہ کی طرح مانتے ہیں۔ مثلاً "شیخ" "غالیہ" "خضروی" "سویدانی" "شمسی" "اسماعیلی" "باطنی وغیرہ وغیرہ تمام فرقے اس عقیدہ میں شامل ہیں"۔

شہادت حضرت علی (علیہ السلام)

رمضان کی اٹھارہویں کی صبح کو عبدالرحمن ابن ملجم اپنے دونوں ہمراہیوں کے ساتھ کوفہ کی مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت علیؑ وہاں تنہا رونق افروز تھے، یہ لوگ حضرت علیؑ کے قتل کے ارادہ سے وہاں آئے تھے ان دونوں سے ایک نے تلوار کا ایک وار کیا، مگر وہ خالی گیا بعد ازاں ابن ملجم نے دوسری جانب سے تلوار چلائی۔ جو حضرت علیؑ کے فرق مبارک پر لگی۔ اور سخت چوٹ آئی۔ اس کے بعد قاتل اور اس کے دونوں ساتھی وہاں سے فرار ہو گئے ۔ دونوں کا پتہ نہیں چلا۔ مگر ابن ملجم پکڑا گیا۔

حضرت علیؑ کو اسی حالت میں لوگ آپ کے گھر لے گئے۔ اور باوجودیکہ زخم کا بہت کچھ علاج کیا گیا۔ مگر وہ مہلک ثابت ہوا۔ اور اسی ماہ رمضان کی اکیسویں تاریخ سنہ ۴۰ ہجری میں آپکا وصال ہوا

حضرت علیؑ تخت خلافت پر صرف پانچ سال رہے اور سلسلۂ امامت پر تیتالیس سال تک قائم رہے۔ آپ نے حضرت امام حسینؑ پر امامت کی نص فرمائی۔

حضرت علی (علیہ السلام) کی تصنیفات

حضرت علیؑ نے اکثر کتابیں تصنیف کی ہیں اس میں سے ایک کتاب میں ایک سو اقوال تحریر فرمائے ہیں، جس کا ترجمہ رشید الدین وطواط نے کیا ہے۔ حضرت علیؑ کے مواعظ حسنہ کا انگریزی ترجمہ شہر اڈنبرگ میں ولیم یول نے کیا ہے اور وہیں سے اس نے

طبع کرا کے شائع کیا ہے۔ "مولیٰ کے کلام" سے مشہور شدہ مواعظ حسنہ تمام زبانوں میں مترجم ہو کر چھپے ہیں، اور جابجا وہ پڑھے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ زبردست شاعر اور ناظم تھے، آپ نے ایک دیوان تصنیف فرمایا ہے، جو عربی زبان کے علم ادب میں رائج ہے، اور مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔

حضرت علیؑ نے اپنی دورِ حیات میں جو خطبے دیئے ہیں ان کا ایک مجموعہ "نہج البلاغۃ" کے نام سے چھپ کر دنیا میں مشہور و معروف ہوا ہے (فی الحال یورپ میں وہ کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپا ہے) نہج البلاغۃ کی شرح علامہ ابن الحدید نے لکھی ہے، عربی خطبوں کا ترجمہ اردو زبان میں بھی چھپ گیا ہے۔

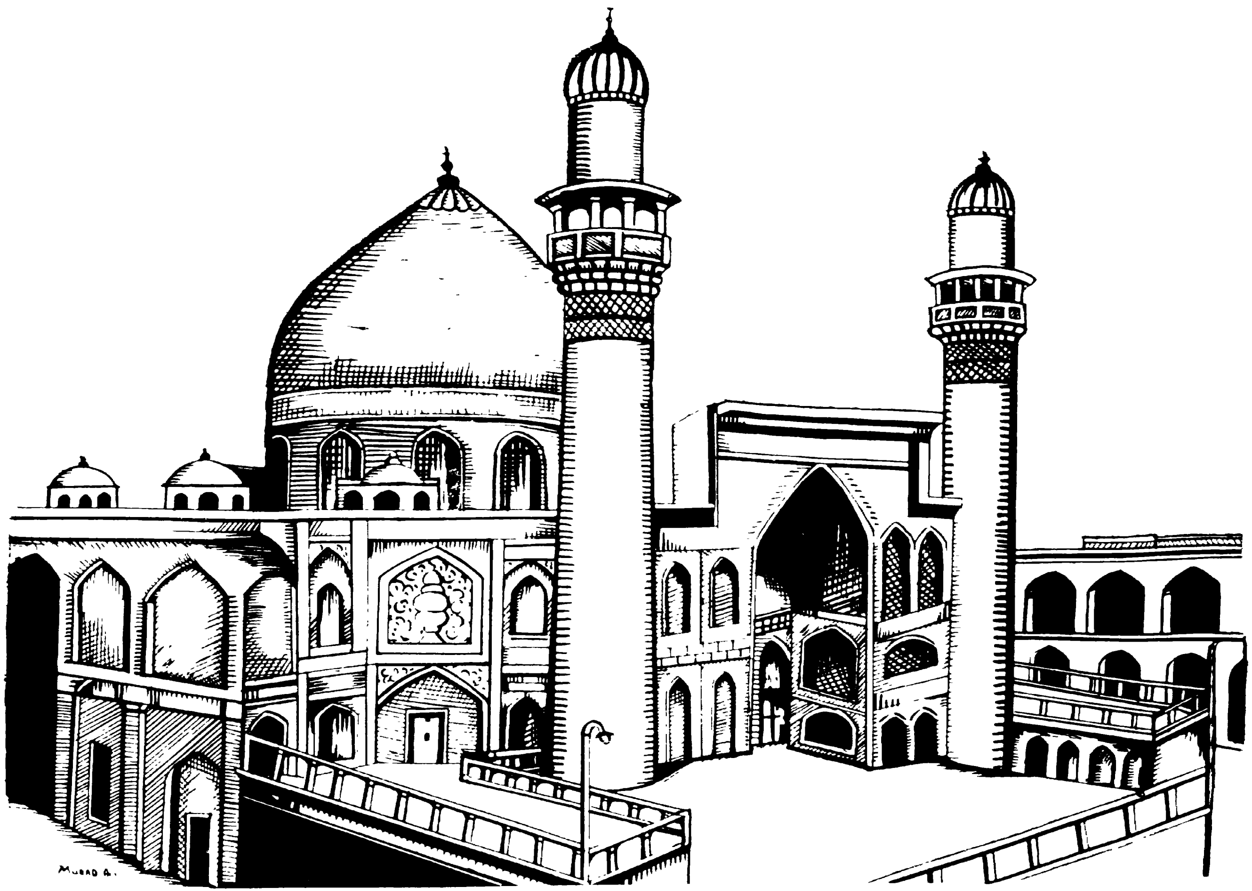
ازواج حضرت علی (علیہ السّلام)

آپ کی ازواج حسب ذیل تھیں:-

(۱) جناب فاطمۃ الزہرا، ان کی زندگی میں آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ (۲) اُم البنین بنت حرم بن خالد (۳) اسماء بنت عمیس القسیمہ (۴) عمامہ بنت ابی العاص (۵) مخبتہ بنت امراء القیس (۶) ام سعید بنت اروداہ بن سعود الثقفیہ (۷) لیلۃ بنت مسعود بن خالد التیمی (۸) خولہ (حنفیہ) بنت جعفر القیس الحنفیہ (۹) ام حبیب بنت ربیعہ۔

اولاد حضرت علی (علیہ السّلام)

(۱) امام حسنؑ (۲) امام حسینؑ (۳) محسنؑ جنھوں نے زمانۂ طفولیت میں شہادت پائی۔ (۴) زینب (۵) ام کلثوم یہ پانچوں فرزند جناب فاطمۃ الزہرا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے خولہ کے بطن سے (۶) محمد اکبر عرف محمد حنیف عمامہ کے بطن سے (۷) محمد ثانی لیلا کے بطن سے (۸) محمد اصغر (۹) عبداللہ۔ ام حبیبہ کے بطن سے (۱۰) عمر ام البنین کے بطن سے



شاہ نجف

(۱۱) عمر (۱۲) عثمان (۱۳) جعفر (۱۴) عباس ، اسماء کے بطن سے (۱۵) یحییٰ (۱۶) عون ، پیدا ہوئے۔

ان کے ماسوا ام الحسن ، زینب ، صغرا ، رقیہ ، میمونہ ، عمامہ ، فاطمہ ، ام ھانی اور ام سلمہ حضرت علیؑ کی صاحبزادیاں تھیں۔

حضرت علیؑ کی وفات کے بعد کوفہ میں فرات ندی کے بند پر شہر کی حفاظت کے لئے جو پشتہ باندھا گیا تھا۔ اس کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔ جو بعد میں نجف اشرف کے نام سے مشہور رہا۔

حضرت علیؑ کی وفات کے وقت حضرت حسنؑ کے قول کے مطابق آپ کی عمر ۵۸ سال کی تھی ، مگر آپ کے فرزند محمد بن حنفیہ کے قول کے مطابق آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔

حضرت امام حسینؑ (علیہ السلام)

سنِ امامت از ۴۰ سنہ ہجری تا ۶۱ سنہ ہجری

حضرت امام حسینؑ ۳ شعبان المکرم ۴ سنہ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے - تھے۔ آپ شکم مادر مکرمہ میں فقط چھ مہینہ ہی رہے ، مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم اور یحییٰ ابن زکریا کے سوا شکم مادر میں اتنی کم مدت رہ کر اگر کوئی زندہ پیدا ہوا - تو وہ صرف حضرت امام حسینؑ ہیں -

آپ کے والد ماجد حضرت علیؑ اور آپ کی والدہ مکرمہ جناب فاطمۃ الزہرا بنت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کا اسم گرامی حسینؑ ، اور کنیت ابو عبداللہ ہے ، آپ کے القاب کثرت سے ہیں - کربلائے معلیٰ کے دلگداز معرکہ کے سبب سے آپ شہید کربلا کے نام سے بہت زیادہ مشہور ہیں -

حضرت امام حسینؑ کے صغر سنی کے حالات اور آپ کے نانا نبی اکرم صلعم کی نظر التفات کے محبت آمیز واقعات تاریخوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ، آپ کے فضائل کے متعلق حضرت نبی صلعم کے بہت سے اقوال موجود ہیں - اور قرآن کریم میں بھی آپ کے جلیل المرتبت ہونے پر متعدد آیات پائی جاتی ہیں ، اگر ان سب کو یہاں قلمبند کیا جائے تو کتاب بہت طول ہو جائیگی - اس لئے ہم یہاں حضرت امام حسینؑ کے سوانحعمری میں سے چند اہم تاریخی واقعات ذیل میں پیش کرتے ہیں ،

کوفہ کی مسجد میں جب حضرت علیؑ کو عبدالرحمن ابن ملجم نے شہید کیا - تو مسند امامت پر



مدینہ منوّرہ حصرت امام حسین علیہ السلام کا مولد

حضرت امام حسینؓ جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے مسند نشین ہونے کے بعد لوگوں نے حضرت امام حسنؓ سے جو حضرت امام حسینؓ کے برادر بزرگ تھے، درخواست کی کہ چونکہ امیر معاویہ نے امامت میں بادشاہت کی بدعت سیہ جاری کی ہے، اس لئے اسکی بیخکنی کے لئے جنگ کرنی چاہیئے، حضرت امام حسنؓ جو دُنیا سے کنارہ کش ہوکر ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جنگ کیلئے رضامند نہ ہوئے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا خون مفت ضائع ہو۔ مگر اہلِ کوفہ کے اصرار سے انہوں نے جنگ شروع کردی۔ اس جنگ میں بھی کوفیوں نے آخر میں بیوفائی کی حضرت امام حسنؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو امیر معاویہ سے ذیل کی تین شرائط کے ساتھ صُلح کا پیام بھیجا۔

۱۔ حضرت علیؑ کے شان میں ظاہر میں یا مخفی میں تبرا ہرگز نہ کہا جائے۔

۲۔ حضرت حسنؓ کے اہلِ بیت کی پرورش کے لئے کافی سالانہ وظیفہ ملنا چاہیئے۔

۳۔ امیر معاویہ اپنے بعد کسی کو بھی مسند نشین نہ بنائیں۔

چنانچہ صُلح ہوگئی۔ اور اس کے بعد بظاہر سب معاملہ درست ہوگیا۔ مگر تیسری شرط امیر معاویہ کو بہت کھٹکتی تھی، کیونکہ امیر معاویہ کا مصمم ارادہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بہانہ سے جو ریاست حاصل کی گئی ہے۔ اس کا وارث اپنے خاندان میں ہی کسی کو بنایا جائے۔

امیر معاویہ کا لڑکا یزید نہایت ضدی اور عیش پرست تھا۔ اسی لئے اس کے والد کے رفقاء کے خیالات بھی یزید کے بارے میں کچھ اچھے نہ تھے، اور طرفہ یہ تھا کہ یزید کو خود ریاست کی خواہش بہت زیادہ تھی، اس لئے وہ حالات و واقعات کو نہایت غور سے دیکھتا رہتا تھا۔ اس لئے امیر معاویہ کے دل میں اپنے دوستوں کے برعکس خیالات پیدا ہوئے تھے، ان کا خیال تھا کہ تیسری شرط آئندہ اس مقصد کی تکمیل میں بہت کچھ حارج ہوگی۔ اور اس خیال نے بہت پریشان کر رکھا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک امام حسنؓ زندہ ہیں۔ تب تک یزید سلطنت پہ چین سے حکمرانی نہیں کر سکے گا۔ اور اب حضرت حسنؓ سے علانیہ جنگ کرنا بھی ناممکن ہے، لہٰذا اس شرط کے ایفاء سے گریز کرنے کے لئے ایک ترکیب نکالی گئی اور ایک شخص کو حضرت حسنؓ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ اگر تو حسنؓ کو زہر دیگی

تو تجھے ایک لاکھ درہم انعام کے علاوہ یزید کے ساتھ تیری شادی کردی جائے گی، لالچ بری بلا ہوتی ہے، جعدہ اس دام میں پھنس گئی، اور اپنے شوہر نامدار کو زہر دے دیا۔ جس کے مہلک اثر سے حضرت حسنؓ شہید ہو گئے۔ امیر معاویہ نے موعودہ رقم تو جعدہ کو بھیجدی مگر یزید کیساتھ شادی سے بالکل انکار کردیا۔ اور کہلا بھیجا کہ جس عورت نے لالچ میں اپنے شوہر کو قتل کردیا، اب اس کی وفاداری کا کیا بھروسہ ہے اور کس طرح اس کا اعتبار کیا جائے، لہٰذا یزید سے شادی بالکل ناممکن ہے، یہ سنکر جعدہ کف افسوس مل کر رہ گئی۔ امیر معاویہ نے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ان امور کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو اس راہ میں حائل ہونے والے تھے۔

یزید کی بیعت

امیر معاویہ نے کوفہ کے حاکم مغیرہ بن شعبہ کو ایک خط لکھا، اور اطلاع دی کہ اس خط کے ملتے ہی تم اپنے عہدۂ گورنری کوفہ سے معزول سمجھو، مگر مغیرہ نے اس خط کی بالکل پرواہ نہ کی۔ کیونکہ اسے ریاست کا بہت شوق تھا، دوسری بار امیر معاویہ نے اس بے پرواہی کا سبب دریافت کیا۔ اس کے جواب میں خود امیر معاویہ کے پاس چلا گیا، اور کہا کہ میں ایک بہت خاص کام میں مشغول تھا۔ اس لئے مجھے یہاں حاضر ہونے میں دیر ہوئی، بات یہ ہے کہ اہل کوفہ سے میں یزید کی بیعت لے رہا تھا۔ اور یہی تاخیر کا باعث ہے۔

مغیرہ کی زبانی جب امیر معاویہ نے یہ الفاظ سنے۔ تو ویسے ہی مغیرہ کو کوفہ واپس کردیا گیا۔ مغیرہ کی واپسی کے بعد اس کے دوستوں نے امیر معاویہ کے بلانے کا سبب دریافت کیا، اور ساری کیفیت بیان کرنے کے لئے کہا، مغیرہ نے جواب دیا۔ کہ میں نے امیر معاویہ کو ایسے جال میں پھنسایا ہے کہ اب اس میں سے نکلنا محال ہے، جس طرح سے صفین میں آخری وقت میں امیر معاویہ کی شکست عمر بن العاص کے حیلہ سے فتح میں مبتدل ہوئی تھی، ویسے میرے الفاظ کے اثر سے امیر معاویہ کا ارادہ یزید کو خلیفہ بنانے کا مصمم ہو گیا ہے، اور وہ اب اس کو عملی جامہ پہنانیکی تیاری کرینگے۔

سنہ ۵۱ ہجری میں امیر معاویہ حج کے بہانہ سے مکہ مکرمہ جاکر اپنی موجودگی میں یزید کی بیعت لینی شروع کردی، انہوں نے سوچا کہ آگے جاکر یزید کے بیعت میں خارج ہونے والے (۱) امام حسینؑ (۲) عبداللہ بن زبیر (۳) عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور (۴) عبداللہ بن عمر صرف چار شخص ہیں اور ان چار اشخاص کے خیالات سے جب تک واقفیت نہ ہو، تب تک اس کام کا سرانجام پانا بعید مشکل ہے، اس لئے اپنے خیال کے مطابق اُن کے خیالات معلوم کرنے کے لئے پہلے عبداللہ بن عمر کو اپنے پاس بلایا، اور یزید کی بیعت کے لئے سمجھایا۔ مگر انہوں نے بالکل انکار کیا۔ مایوس ہوکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو اپنے پاس بُلا کر اپنے خیال کا اظہار کیا مگر دال گلتی نظر نہ آئی اور جب امیر معاویہ نے اُسے دھمکی آمیز لہجہ میں کہا کہ میں صرف اتنا ہی دیکھنا چاہتا ہوں کہ یزید کی بیعت کا کون کون مخالف ہے؟ تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیکر وہاں سے چل دیئے۔

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر کی نوبت آئی۔ اور وہ بلائے گئے، امیر معاویہ نے کہا کہ تم ایک روباہ صفت انسان ہو۔ اور تم نے ان دونوں کو یزید کی بیعت سے منع کردیا ہے، ابن زبیرؓ نے کہا کہ تم اگر خلافت سے بیزار ہوگئے ہو تو خلافت سے الگ ہوجاؤ، اور سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کرلو، ایک ہی وقت میں دو خلیفوں کی بیعت کیسی؟ یہ جواب دے کر ابن زبیر وہاں سے چلدیئے۔ بعد ازاں امیر معاویہ نے ممبر پر چڑھ کے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ پڑھا اور کہا کہ ہم نے مخالفوں کی باتیں سُنی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، اور عبداللہ بن زبیر ہرگز کسی حالت میں یزید کی بیعت نہ کریں گے، حالانکہ انھوں نے بیعت کرلی ہے، لوگوں نے کہا کہ جب تک وہ سب کے سامنے بیعت نہ کریں گے، تب تک ہم نہیں مانیں گے، ورنہ ہم ان تینوں کی گردن اُڑادیں گے۔

امیر معاویہ نے جب دیکھا کہ معاملہ خراب ہورہا ہے، تو مصلحتاً فوراً یہ کہدیا کہ ایسے کریہ الفاظ کا استعمال اہل قریش کی شان میں نہایت بے ادبی بلکہ ان کی ہتک ہے، ہم ایسی بات

ہرگز نہیں پسند کرتے، اور دوبارہ تمہارے منہ سے سننا بھی نہیں چاہتے، یہ کہتے ہی منبر سے اتر کر امیر معاویہ فوراً شام روانہ ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد شہر میں ایک طرف یہ افواہ پھیلی کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت کر لی ہے، حالانکہ واقعی بات قصہ یہ تھی کہ یہ تینوں اشخاص اس کی سخت مخالفت کرتے تھے، اور دوسری طرف مروان بن الحکم مدینہ میں یزید کی بیعت لینے لگے۔ ابھی یہ کارروائیاں جاری تھیں کہ جب ۶۰ھ ہجری میں امیر معاویہ کی وفات ہو گئی۔

یزید تخت سلطنت پر

امیر معاویہ کی وفات کے بعد یزید خود میدان میں آیا۔ اور اہل شام نے اس کی بیعت کر لی، اس کے بعد اس نے اہل مدینہ سے اپنی بیعت کے لئے پیغام بھیجا۔ حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر نے بیعت دینے سے انکار کر دیا اور اسی رات کو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف تشریف لے گئے۔

اس وقت حضرت امام حسینؓ نے سلطنت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، صرف اس لئے کہ یزید کی بیعت نہ کی جائے لیکن اسی درمیان میں اہل کوفہ کے خطوط امام حسینؓ کے پاس آنے لگے جس میں یزید کے سبب سے اسلام میں جو بدعتیں شائع ہو رہی تھیں، ان کے رد کرنے کے لئے آپ سے التماس کی گئی تھی، اور تکالیف و مصائب کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ جو اس کی طرف سے لوگوں کو پہنچ رہی تھیں، اس قسم کے خطوط آنے پر بھی حضرت امام حسینؓ خاموشی اختیار کر کے گوشہ عافیت میں بیٹھے رہے۔

اہل کوفہ کا اصرار

آخر اہل کوفہ انتظار کرتے کرتے عاجز آ گئے، اور حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں ایک وفد

بُلانیکے لئے بھیجا۔ مورخین کا قول ہے کہ حضرت امام حسینؑ گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ کوفہ کے ایک سوار نے
آکر دروازہ کھٹکھٹایا، امام حسینؑ باہر تشریف لائے۔ اور آنے والے سے سوال کیا کہ تم کون ہو، اس نے
جوابدیا کہ میں کوفیوں کا ایلچی ہوں، اور یہ کہکر اس نے امام حسینؑ کے دست مبارک میں ایک خط رکھدیا
اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ ہم اہل کوفہ آپ سے نہایت التجا کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ امیر
معاویہ کے لڑکے یزید نے یہاں ظلم وستم ڈھا رکھا ہے، بیگناہ آدمیوں کو قتل کرتا ہے اور
مال ومتاع لوٹ لیتا ہے، جس سے ہر طرف شور وغوغا مچا ہوا ہے، اس سے پہلے بھی
آپکی خدمت میں ہم نے ہزارہا عریضے پیش کئے ہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ ازراہ کرم آپ ایک بار کوفہ تشریف لائیے، ہم آپکی
سرداری میں یزید سے جہاد کرنے کو تیار ہیں۔ اگر اس میں ہماری موت بھی آجائیگی، تو ہم
نہایت خوشی سے موت کو بھی قبول کریں گے۔ برائے خدا ہمیں اس کی بدعت اور ناجائز
حرکات سے بچائیے، اور دوسری بار ہمیں احق کی ہدایت کرائیے، تاکہ حق قائم ہو۔ ہم ہر طرح
آپ کی خدمت کے لئے تیار اور مستعد ہیں،

حضرت مُسلم کا واقعہ

یزید کے ظلم وستم کی کہانیاں سُنکر حضرت امام حسینؑ نہایت مغموم ہوئے، اور اس
کی تحقیق کے لئے مکہ معظمہ سے آپ نے چچیرے بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ کی طرف بھیجا
اور آپ نے فرمایا کہ کوفہ سے آئے ہوئے ایلچی نے جو خبر دی ہے اور ان خطوط میں جو خبریں
پہونچی ہیں، اگر سچ ہوں تو ہمیں اس کی اطلاع کردینا، تاکہ ہم بھی کوفہ آنے کا ارادہ کریں۔
اس وقت نعمان بن بشیر انصاری کوفہ کا حاکم تھا۔

حضرت مسلم بن عقیل دو ساتھیوں اور اپنے دو فرزندوں کو لئے ہوئے مکہ مکرمہ سے
کوفہ روانہ ہوئے، اثنائے راہ میں جب آپ مدینہ منورہ سے گذر رہے تھے۔ ولید بن عتبہ
بن ابی سفیان جو یہاں کا حاکم تھا۔ اس نے حضرت مسلم بن عقیل کو بلا کر فہمائش کی، کہ حضرت حسینؑ کو

سمجھاؤ کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں، مگر آپ نے فرمایا کہ یہ بات میرے امکان سے باہر ہے۔ اور یہ کہہ کر آپ مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف راہی ہوئے، دشوار گذار راستہ اور پانی کی قلت کے باعث زیادہ تکلیف ہونے سے آپ کے ایک ہمراہی راستہ ہی میں وفات پا گئے، آپ اپنے ایک ساتھی اور دونوں فرزندوں کے ہمراہ سختیاں اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے کوفہ میں داخل ہوئے، اور پہلے مختار بن ابو عبیدہ کے گھر مہمان ہوئے۔

حضرت مسلم کوفہ میں

جونہی حضرت مسلم کے آمد کی خبر اہل کوفہ کو ہوئی، لوگ کثرت سے آپ کی ملاقات کو آئے اور اپنے جوش و خروش کا اظہار کرتے ہوئے، ہزاروں کوفیوں نے حضرت امام حسینؑ کے نام پر بیعت کی۔ اہل کوفہ کے اس جوش محبت کو دیکھ کر حضرت مسلم نے پہلے ہی دن حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں ایک خط بھیج دیا۔ جس میں لکھا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی ہے اور آپ پر جان و مال، آل و اولاد قربان کرنے کے لئے وفاداری کی قسم کھاتے ہیں، بیعت بڑے زور سے یہاں ہو رہی ہے، اور ایک لاکھ آدمی دوسرے بیعت کے لئے تیار ہیں جو آپ کی تشریف آوری پر ضرور بیعت کریں گے، لہٰذا آپ حتی الامکان جلد تشریف لانے کی کوشش کیجئے۔

حضرت مسلم کا یہ خط لے کر دو سوار مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، اور حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کر کے التجا کی، کہ مولیٰ آپ جلد کوفہ تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائیں، سارے کوفی آپ کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ اب واپس ہو جاؤ۔ ہم عنقریب آئینگے اور یہ پیغام مسلم کو پہنچا دو۔

ان دونوں سواروں کے کوفہ پہنچنے کے بعد ہی پچاس کوفیوں کا ایک گروہ حضرت امام حسینؑ

کو بلانے کے لئے آیا۔ اور کوفہ تشریف لانے کے لئے پُرزور درخواست کی، آپ نے اور ایک تیسرا تسلی آمیز خط لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔ اور اُنہیں روانہ کر دیا۔

وفد حضرت امام حسینؓ کے پاس کوفہ سے آپہنچا اور نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کی کہ مولیٰ آپ ہمارے ساتھ ہی کوفہ تشریف لے چلئے۔ جب حضرت امام حسینؓ نے اس اشتیاق کو دیکھا تو آپ نے کوفہ روانہ ہونے کی تیاری نہایت سرعت کے ساتھ شروع کر دی۔

اس زمانہ میں کوفہ کا حاکم نعمان بن بشیر انصاری تھا، یزید کے چند طرفدار اُس کے پاس جاکر کہنے لگے کہ تم کیسی غفلت میں ہو۔ شہر میں کیا دھوم مچ رہی ہے اس کی تمہیں بالکل خبر نہیں ایک طرف حضرت امام حسینؓ کوفہ تشریف لانے کی تیاری کر رہے ہیں اور دوسری طرف حضرت مسلم کے ہاتھ پر حضرتِ امام حسینؓ کے لئے کوفی بیعت کر رہے ہیں، اگر تم فوراً مسلم کو قتل نہ کرو گے، تو یزید کی بیعت مشکل ہو جائیگی اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

نعمان بن بشیر نے جواب دیا کہ تم لوگوں نے جو جو باتیں میرے سامنے بیان کی ہیں اس میں کتنی صداقت ہے۔ اور کیا ثبوت ہے؟ میں ثبوت کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ نہ تو میں مسلم کو قید کر سکتا ہوں نہ ان کو قتل کر سکتا ہوں، کیونکہ ثبوت کے بغیر کچھ بھی کرنا غیر ممکن ہے

ابن زیاد کی حیلہ بازی

نعمان بن بشیر انصاری باوجودیکہ امویوں کی ملازمت میں تھے، مگر رسول خدا صلعم کے صحابی تھے اور بنی فاطمہؓ کے صدق دل سے محب تھے، اسی لئے یزید کے طرفداروں کو ایسا مہمل جواب دیا بنی امیہ اس جواب سے نہایت برافروختہ ہوئے۔ اور تمام باتیں نہایت مبالغہ کے ساتھ لکھ کر یزید کے پاس بھیجدیں۔ اس خبر کے سُنتے ہی یزید کو بہت غصہ آیا۔ اور فوراً اپنے غلام سرجون کو بُلایا۔ سلطنت کے سیاسی امور میں جب یزید پریشان ہو جاتا۔ تو سرجون ہی سے مشورہ کرتا۔ اس کے جواب میں سرجون نے کہا کہ "نعمان بن بشیر انصاری کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر کے ابن زیاد

کو وہاں کا حاکم مقرر کرنا چاہئے، اور ساتھ ہی شاہی فرمان میں یہ بھی لکھ دینا چاہئے، کہ مسلم کو کوفہ سے زندہ نہ جانے دیا جائے،

اس زمانہ میں ابن زیاد بصرہ کا حاکم تھا۔ یزید کا خط پاتے ہی وہ کوفہ روانہ ہوا۔ اور اپنا بھیس بدل کر کوفہ میں داخل ہوا قصر العمارت میں داخل ہو کر اپنے غلام کو تین ہزار درہم دے کر فہمائش کی، کہ حضرت مسلم کو تلاش کر کے ان کی خدمت میں یہ درہم پیش کر کے عرض کرنا کہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں وہ روانہ کر دیئے جائیں، اور تو اپنے کو شامی مسافر ظاہر کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔ حضرت مسلم کو ڈھونڈھنے کے لئے ابن زیاد کا فقط یہ ایک حیلہ تھا۔

ابن زیاد کا غلام درہم لیکر حضرت مسلمؑ کی تلاش میں آگے بڑھا۔ راستہ میں اس کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی، جو اس کو ایک ضعیف العمر شخص کے یہاں لے گیا، غلام نے ابن زیاد کی ھدایت کے مطابق وہی الفاظ دھرائے، ضعیف العمر اس کی باتوں میں آ گئے۔ اور حضرت مسلمؑ کی خدمت میں لے گئے پہلے غلام نے بیعت کی، اور وہی تین ہزار درہم حضرت مسلم کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیا۔ اور اس کام کو سرانجام دیکر وہ ابن زیاد کے پاس فوراً پہنچا۔ اور تمام حقیقت سے اُسے واقف کیا۔ جب حضرت مسلم کو ابن زیاد کی اس چال سے آگاھی ہوئی۔ تو آپ نے مکان تبدیل کیا۔ اور ھانی ابن عروہ کے مکان پر مقیم ہو گئے۔ مگر ابن زیاد نے اس نئے مکان کا بھی پتہ چلا لیا۔ محمد بن اشعث اور کوفہ کے چند امرا کو ھانی بن عروہ کے پاس بھیجا۔ ھانی اپنے مکان کے برآمدہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھکر کھڑے ہو گئے۔ اور محمد بن اشعث اور ان کے یہاں آنیکی وجہ دریافت کی۔

محمد بن اشعث نے کہا کہ:۔ امیر بن زیاد نے تم کو بلایا ہے۔ ھانی فی الفور گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے ہمراہ چلے گئے۔

ابن زیاد کے پاس پہنچتے ھی ہانی بن عروہ سے مسلم کے بارے سوال کیا۔ مگر ھانی بالکل انجان بن گئے اور لاعلمی ظاہر کی۔ ابن زیاد نے اسی وقت اپنے غلام کو بلایا، اور درہم و بیعت کا واقعہ

پیش کیا۔ غلام کو دیکھکر ہانی گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ میں نے مسلم کو نہیں بلایا ہے وہ خود آکر میرے یہاں مقیم ہو گئے ہیں۔

ابن زیاد نے ہانی بن عروہ سے حضرت مسلم کو لے آنے کے لئے کہا۔ مگر انہوں نے بالکل اسباب سے انکار کیا۔ ابن زیاد نے غصہ میں آکر ہانی کو قید کر لیا اور بید سے مارنے کے لئے اپنے غلام کو حکم دیا۔

کوفہ والوں کو جب اس کی خبر ملی، تو لوگ جوق جوق اکٹھا ہو کر قصر العمارت میں جانے لگے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زیاد نے دیکھا کہ معاملہ خراب ہو رہا ہے، تو گھبرا گیا۔ اور لوگوں کے جوش کو فرو کرنے کے لئے قاضی شہر کو بلا کے کہا کہ ان لوگوں سے کہدو کہ فقط مسلم کی خبر پوچھنے کے لئے ہانی روکے گئے ہیں، انہیں کسی طرح کی اذیت نہیں پہنچائی جائیگی، قاضی نے اسی کے مطابق لوگوں سے کہہ دیا۔ اور سنتے ہی مجمع منتشر ہو گیا۔

حضرت مسلم کی شہادت

حضرت مسلم کے پاس بھی اس وقت چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے تھے۔ جن کو ہانی بن عروہ کے مقید ہونے کی خبر معلوم ہوئی تھی، اس کے علاوہ شہر کے بڑے بڑے رؤسا بھی ابن زیاد کے پاس قصر العمارت میں جمع ہو کر اس بارے میں گفتگو کر رہے تھے، اور آخر نتیجہ یہ نکلا کہ ہانی بن عروہ رہا کر دیئے گئے، ابن زیاد نے لوگوں سے کہا کہ حضرت مسلم کو چھوڑ کر سب اپنے اپنے گھر اور قبیلوں میں واپس چلے جائیں۔ حضرت مسلم کے قریب جو جو لوگ جمع تھے، وہ آہستہ آہستہ منتشر ہو گئے۔ اور حضرت کے پاس ان کے خادم اور ان کے دو نو فرزندوں کے سوا کوئی نہ رہا۔ حضرت مسلم بھی مغرب کے وقت ہانی کے مکان سے رخصت ہو کر ایک ضعیفہ کے مکان پر آئے، اور تمام شب وہاں بسر کی، ضعیفہ کا لڑکا آدھی رات کے وقت گھر میں داخل ہوا اور حضرت مسلم کو دیکھتے ہی محمد بن اشعث کو اس کی اطلاع دیدی۔ کیونکہ وہ محمد بن اشعث کا غلام تھا

تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ ضعیفہ کے مکان کا ابن زیاد کے لشکر نے محاصرہ کر لیا۔ حضرت مسلم فوراً تاڑ گئے کہ بات کیا ہے، اسی وقت مکان سے باہر تشریف لائے، اور تلوار میان سے کھینچکر یزیدی لشکر سے کہا کہ کیا تمکو حضرت علیؑ کے ذوالفقار کی ضرب یاد نہیں، ہم نے ان کے ہی ظلِ عاطفت میں پرورشس پائی ہے، ہم راہِ حق کے فدائی ہیں اور باطل کو ملیامیٹ کرتے ہیں میری تلوار آج ضرور تمھاری خبر لے گی، اور یہ فرماتے ہی آپ یزیدی لشکر پر تنہا ٹوٹ پڑے انکی مدد کے لئے ھانی بن عروہ بھی آ پہونچے، اور تلوار چلانے لگے، مگر ھزاروں کا سامنا صرف دو نفر کب تک کر سکتے تھے، زخموں سے چور چور ہو گئے۔ اور اسی سبب سے تھکن بھی محسوس ہوئی۔ اس سے یزیدی فوج بیحد خوش ہوئی۔ اور ایک دم حملہ کرکے دونوں کو زندہ گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس لے گئے، اس نے حکم دیا کہ دونوں کو کوٹھے پر لیجا کے نہایت بے رحمی سے قتل کر دیں، اس حکم کو حضرت مسلم اور ھانی نے حضرت امام حسینؑ کی خدمت سے افضل اور غنیمت سمجھکر تسلیم و رضا کے ساتھ موت کو اختیار کیا۔

حضرت مسلم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کوفی بیوفا ہیں اور ان کے ساتھ وہ کسی طرح سے پیش آئیں گے، مگر آپ چاہتے تھے، کہ آپ کے دونوں فرزندوں کو جو شریک سفر تھے، انہیں کسی طرح مدینہ منورہ بھیجدیں تو بہت بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے قید ہونے سے پیشتر ہی دونوں فرزندوں کو اپنے ارادہ کے مطابق نوکروں کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا، صاحبزادوں کی قسمت میں بھی شہادت کا مرتبہ عظمیٰ لکھا ہوا تھا۔ دونوں صاحبزادے راستہ بھول گئے اور یزید کے ایک فوجی عملدار حارث کے ہاتھ میں پھنس گئے۔ اس نے ان دونوں صغیر السن بچوں کو بھی قتل کر دیا۔ اور انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی روانگی

حضرت امام حسینؑ، حضرت مسلم کا خط پاتے ہی مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے تھے، یزیدی جاسوسوں نے بھی اس روانگی کی خبر اسے پہنچا دی تھی، اس لئے یزید نے پہلے ہی اس کی تیاری کر رکھی تھی۔ حضرت امام حسینؑ کا لشکر قادسیہ پہونچتے ہی یزیدی فوج کا سپہ سالار حر بن الریاحی ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ وہاں پہونچا۔ اور سدِ راہ ہو کر آگے بڑھنے سے روک دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس کو سمجھایا کہ "میں صرف کوفیوں کی دعوت پر ان کا مہمان بن کر آیا ہوں اور اس طرح دعوت دے کر مہمان بلانا، اور دغا دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ اے حر! تم میرے جد امجد محمد صلعم کے کلمہ گو ہو۔ اور میں انہی کا نواسہ ہوں، میرا مقابلہ کرنے سے تمہاری تمام عبادت ضائع اور کارِ ثواب باطل ہوں گے۔ اس چند روزہ دُنیا کی خاطر اپنی عاقبت کیوں برباد کرتے ہو؟ یاد رکھو کہ تمہارے ان کاموں سے دنیا بھی تمہارے ساتھ وفا نہ کرے گی۔

حضرت امام حسینؑ کے ان نصیحت آمیز باتوں کا حر بن الریاحی پر بہت اثر ہوا اور اس نے مودبانہ عرض کیا کہ اگر آپ کوفہ جانا چھوڑ دیں اور کسی دوسری طرف چلے جائیں تو مجھے بھی آپ کی خدمت کا موقع ملے۔

چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے راہ کوفہ کو راہ کربلا سے تبدیل کر دیا اور وہاں آپ کے خیمے نصب کئے گئے۔ حضرت امام حسینؑ کے کربلا تشریف لیجانے کا حال معلوم ہوتے ہی ابن زیاد نے عمر بن سعد کے ماتحت ایک لشکر روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی عمر بن سعد سے کہا کہ اگر اس لڑائی کا انجام خاطر خواہ نکلا تو رَی کی جاگیر اسے بخشدی جائے گی، عمر بن سعد حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ کے لئے یہاں آ پہونچا، حضرت امام حسینؑ کے ساتھ بہتّر اصحاب اپنے خاندان کے اور دوسرے ہمراہی ملا کر ایک سَو چالیس آدمی تھے۔ جو ہتھیار سے آراستہ ہو کر یزیدیوں سے مقابلہ کرنے لئے اور حضرت امام حسینؑ پر فدا ہونیکے لئے آمادہ ہو گئے۔

میدانِ کربلائے معلّیٰ

حضرت امام حسینؓ کی بالکل یہ خواہش نہ تھی کہ بے کار مسلمانوں کا خون بہایا جائے اس لئے آپ نے عمر بن سعد سے صلح و آشتی کی گفتگو شروع کی جو پورے ایک ہفتہ تک جاری رہی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر حضرت امام حسینؓ نے یہ پیغام کہلا بھیجا کہ اگر یزید کو یہ ڈر ہو کہ مبادا ہم اس سے خلافت چھین لیں گے تو ہم مکہ مکرمہ یا دوسری جگہ چلے جائیں مگر کسی حالت میں ہم یزید کی بیعت نہ کریں گے، عمر بن سعد نے کہا کہ "میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اگر وہ ان شرائط کو منظور کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں"

عمر بن سعد نے یہ تمام باتیں ابن زیاد کو لکھ بھیجیں، اور اس کے جواب کا منتظر رہا۔ ابن زیاد نے جواب میں لکھا کہ "امام حسینؓ کو میرے پاس یزید کی بیعت کے لئے آنا ضروری ہے" اس کے بعد ان کو یزید کے پاس بھجوادیں گے۔ حضرت امام حسینؓ نے اس سے قطعاً انکار کردیا اور صلح کی تمام امیدیں ابن زیاد کے سخت و شدید جواب سے منقطع ہوگئیں۔

پیغاموں کے باعث التوائے جنگ

حضرت امام حسینؓ کربلا کے میدان میں محرم کی پہلی تاریخ کو تشریف لاچکے تھے، اس کے بعد پیغام صلح و آشتی میں سات دن ختم ہوگئے۔ آٹھویں تاریخ بھی آئی، مگر عمر بن سعد کی طرف سے کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی، اس لئے ابن زیاد نہایت برہم ہوا اور قاصد کے ہمراہ عمر بن سعد کو پیام بھیجا کہ "اب وقت آگیا ہے تم فوراً حضرت امام حسینؓ سے مقابلہ کرو۔ اور ان کو قتل کرکے ان کے سر کو میرے پاس بھیجدو۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ فرمان بھیجا کہ اگر عمر بن سعد اس امر میں کچھ قیل و قال کرے تو فوراً اُسے گرفتار کرکے میرے پاس بھیجدو تاکہ میں یہاں سے کسی دوسرے کو سپہ سالار بناکر بھیجدوں۔

قاصد کو روانہ کر کے ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو بلایا اور کہا کہ حضرت امام حسینؓ سے جنگ کے بارے میں عمر بن سعد قیل و قال کر رہا ہے۔ اس لئے میں تم کو وہاں بھیجتا ہوں، اگر عمر ابن سعد جنگ کے لئے آمادہ ہو۔ تو میں تم کو اس کے ماتحت کرتا ہوں اور اگر ذرا بھی اس نے پس وپیش کیا تو میں تم کو لشکر کا امیر بناتا ہوں تم خود حضرت امام حسینؓ سے جنگ کرو۔ اور قتل کر کے ان کے سر کو میرے پاس حاضر کرو۔ اس کے صلہ میں عمر بن سعد کو رے کی مملکت دینے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ میں تجھے دلا دوں گا۔

محرم کی آٹھویں تاریخ کو صبح کے وقت ابن زیاد نے قاصد کو ابن سعد کے پاس بھیجا۔ اور اسی دن شام کو شمر بن ذی الجوشن کو اس کے بعد روانہ کیا۔ قاصد محرم کی نویں تاریخ کی شام کو تقریباً ۴ بجے کربلا پہنچا اور ابن زیاد کا حکم سنا دیا۔ اس حکم کے مطابق عمر ابن سعد جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا۔ اور فرات کا کنارہ روکنے کے لئے اور پانچسو سپاہیوں کا لشکر عمر بن حجاج کی معیت میں بھیج دیا۔

میدان جنگ میں آخری پیغام

محرم کی دسویں تاریخ آگئی۔ اور حضرت امام حسینؓ نے دیکھا کہ یزید کے طرفدار کسی طرح بھی میری بات نہ سنیں گے۔ لہٰذا جنگ اور مقابلہ ہی آخری علاج ہے اور انجام کا خیال کئے بغیر جنگ شروع کر دینی چاہئے۔

جنگ کا ارادہ پختہ ہوگیا تو حضرت امام حسینؓ نے اپنے ہمراہیوں سے خطاب کیا۔ اور فرمایا۔ تم لوگوں سے یزیدیوں کو کوئی تعلق نہیں، ان کو صرف میرے ہی ساتھ عداوت ہے۔ اس لئے تم لوگوں کو جہاں جانا ہو، وہاں بخوشی تمام تم جا سکتے ہو۔

حضرت امام حسینؓ کے رفقاء نے عرض کیا۔ مولیٰ! جو آپ کا دشمن ہے وہ ہمارا پہلے دشمن ہے۔ لہٰذا پہلے ہم اپنا خون آپ پر نثار کر کے انہیں دکھا دیں گے

کہ بیوفائی اور وفاداری میں کتنا فرق ہے اور وفاداری بھی کیا کچھ کر سکتی ہے۔ تاہم وہ گمراہوں کی آنکھیں کھلیں اور ہم کو آپ کے اصحاب وفادار اور ابرار کی صف میں جگہ ملے۔ ہماری تمنا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ آخر وقت تک رہیں۔ چاہے اس میں ہماری جان ہی چلی جائے "مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ" ہماری دلی خواہش اور آرزو ہے۔

اپنے رفقاء سے یہ وفادارانہ جواب سنکر آپ یزیدی لشکر کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا "تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا ان سب سے میں خطاب کر کے کہتا ہوں کہ میں نبی کریم صلعم کا نواسہ ہوں۔ اور جناب علیؑ اور حضرت فاطمۃ الزہرا کا فرزند دلبند ہوں، آج اگر حضرت عیسیٰؑ کا گدھا، یا موسیٰؑ کا عصا موجود ہوتا تو ان کی امتیں اپنے نبی کی یادگار شمار کر کے اپنے آنکھوں کو لگاتیں اور تعظیم و تکریم کرتیں پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میرے جدامجد محمد مصطفیٰ صلعم کی امت ہو کر، ان کا کلمہ پڑھ کر، مجھ سے جنگ کے لئے آمادہ ہوا اور میرے خون کے پیاسے بنے ہوئے ہو۔ ہم تو دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے دوستوں کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے تھے، ہمارے دشمن اگر ہم سے خائف تھے۔ تو ہم نے مدینہ منورہ کو ترک کر دیا۔ اور مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی، وہاں بھی تم لوگوں نے ہمکو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اور ہزارہا خطوط لکھ کر قاصدوں کو ہمارے پاس بھیجا۔ اور ہمیں بلایا لیکن جب ہم تمہارے پاس آ گئے۔ تو بدعہدی کر کے بے وفائی سے تلوار کھینچکر ہمارا مقابلہ کر رہے ہو۔ بس یہی میری حجت ہے، اور یہی کافی ہے اسی پر میں اس کا خاتمہ کرتا ہوں۔

کربلائے معلی کی تاریخی جنگ

مخالفوں سے مخاطب ہو کر حضرت امام حسینؑ اتماماً للحجۃ کا جس وقت خطبہ پڑھا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے۔ خطبہ ختم کرتے ہی آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت

امام حسینؓ کے مقابلہ میں عبداللہ بن جوزی آیا۔ مگر گھوڑا بھڑک گئے سے آگ سے جلتی ہوئی خندق میں گر کر جل گیا۔ یہ خندق آپ نے اپنے خیموں کے آس پاس کھدوائی تھی، اس کے بعد حر الریاحی آگے بڑھا۔ یہ وہی حر ہے جس نے قادسیہ میں حضرت امام حسینؓ کو آگے بڑھنے سے منع کیا تھا۔ حر آتے ہی حضرت امام حسینؓ کی لشکر میں داخل ہو گئے۔ اور آپ کی متابعت اختیار کی۔ یہ دیکھتے ہی شمر نے ابن سعد سے کہا۔ کہ اب بالکل وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔ ورنہ تمام لوگ اس طرح حضرت امام حسینؓ کے لشکر میں مل جائیں گے۔

عمر بن سعد نے امامؓ کے لشکر کی طرف ایک تیر پھینک کر جنگ کا اعلان کر دیا اس کے بعد ابن زیاد اور عمر ابن سعد دونوں کے غلام میدان جنگ میں اُتر آئے۔ وہب بن عبداللہ کلبی نے ان کا مقابلہ کیا۔ اور دونوں کو قتل کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی یزیدی لشکر سے سالم نامی ایک شخص آگے بڑھا۔ اور وہب کو تلوار کی کاری ضرب سے شہید کر دیا۔ وہب کی شہادت کے بعد امام حسینؓ کی فوج میں سے یزید بن الحسن اور عمر بن قطع میدان جنگ میں آئے اور بہتوں کو قتل کرنے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا۔ اب حر بن الریاحی نے حضرت امام حسینؓ کی طرف سے میدان جنگ میں اتر کر قادسیہ کے یزیدی جانب کے امیر حسین بن نمیر کا سر قلم کر دیا۔ اور یزیدی لشکر پر ایسا زبردست یلغار کیا کہ سیکڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور لشکر کو تتر بتر کر دیا یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندے جانے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر عمر بن سعد کے حواس مختل ہو گئے۔ اور یزیدی لشکر کو حکم دیا کہ حر کو ہر طرف سے گھیر لیں۔ چنانچہ محاصرہ کر لیا گیا۔ مگر اس حالت میں بھی نہایت جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ اور آخر شہادت عظمیٰ حاصل کیا۔ اس کے بعد دشمنوں نے اجتماعی حملہ کر دیا جان توڑ کر برسر پیکار ہو گئے۔ لیکن بہادران امامؓ ہمت نہ ہارے اور آپ کے متعدد بہادر

سپاہی بہادری کے ساتھ مقابلہ پر جمے رہے، آتش جنگ مشتعل تھی، ایک طرف بھالے اور برچھیاں چل رہی تھیں، خنجر اور تلواروں کا بھی استعمال زوروں سے ہو رہا تھا
حضرت امام حسینؓ کے بہادر دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے صبر و رضا کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہو رہے تھے، مخالفوں کے بڑے بڑے بہادر میدان میں اُترتے۔ مگر حسرت و یاس اور چشم پرنم جان دیتے تھے، اسی طرح معرکۂ کارزار گرم تھا۔ کہ شمر بن ذی الجوشن حضرت امام حسینؓ کے خیمہ کی طرف لپکا۔ لیکن اس کو امامی جانب سے ایک شخص نے تیر مارا۔ تیر لگتے ہی وہ زمین پر اوندھے مُنہ گر پڑا۔ اور دوسرا تیر لگتے ہی اس کا گھوڑا بھی ہلاک ہوا شمر اُٹھ کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا۔

اہل بیت کے نام آخری پیغام

جب حضرت امام حسینؓ کے سب رفقا شہید ہو گئے، تو آپ اپنے اہل بیت سے رخصت ہونے کے لئے اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے، پیاس کی شدت سے کہرام مچا ہوا تھا۔ شانِ امامت جوش میں آگئی اور تلوار سے گڑھا کھود کر پانی کا چشمہ برآمد کیا۔ اور سب کو سیراب کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اب مجھے نوشتۂ قسمت کے تابع ہونا چاہیئے۔ دُنیا میں یہ آخری ملاقات ہے اس کے بعد انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہو گی"

اس وقت حضرت امام زین العابدین چمڑے کے بستر پر بیماری کے سبب سے آرام کر رہے تھے اور آپ کی پھوپھی زینب سیہا سلام پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ والد ماجد حضرت امام حسینؓ کو آتے دیکھ کر آپ نے اُٹھنا چاہا مگر ضعف سے نہ اُٹھ سکے۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے لڑائی کی کیفیت دریافت کی۔ تو فرمایا کہ حضرت عباس۔ حضرت علی اکبر اور حضرت قاسم نہایت بہادری سے میدان جنگ میں لڑ رہے ہیں اور دوسرے تمام رفقا جام شہادت نوش کر کے جنت کو سدھار گئے۔

یہ سنکر امام زین العابدین بھی جوش میں آ کر فرمانے لگے "میری تلوار لاؤ اور میرا عصا حاضر کرو۔ کہ میں اُٹھ کھڑا ہوں۔ میں اسی کو ٹیک ٹیک کر میدان جنگ میں دشمنوں کو قتل کروں گا۔ اور

اپنے اہل بیت اور فدائیوں کا انتقام لوں گا۔

حضرت امام حسینؑ نے آپ کو گلے سے لگایا اور فرمایا کہ میرے عزیز فرزند! تم تو میرے بعد اُمت کے امام اور اہل بیت کے محافظ ہو۔

"اللہ تعالیٰ کو اس وقت تمہاری شہادت منظور نہیں ہے، تمہاری نسل تا قیامت جاری رہے گی، اس لئے تم میرے پیچھے پیچھے نہ آؤ" حضرت امام زین العابدین نے اپنے والد ماجد کے حکم کی تابعت کی، آپ نے حضرت امام زین العابدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اہل بیت سے فرمایا کہ اب ہمارا آخری وقت آپہونچا ہے اور ہم نہایت خوشی سے اس کے لئے جا رہے ہیں۔ تم بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی پر رضامند رہنا۔ تم کو جزع وفزع کرنا، اور سر پیٹنا، اور بال کو نوچنا مناسب نہیں۔ تم کو بھی چند دن میں ہمارے پاس آنا ہے۔ ہمارے بعد ہمارے قائم مقام امام علی زین العابدینؑ ہیں۔ ان کے فرمان پر ہمیشہ صبر کے ساتھ عمل کرنا۔ اور ہر بات میں ان کی پیروی کرنا۔ یہ کہکر آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے۔

حضرت علی اصغر (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت امام حسینؑ کے خیمہ مبارک پر حملہ کرنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا تھا کیونکہ اہل بیت کے خیموں کی دو قطاریں برابر کھڑی کر دی گئیں تھیں اور خیموں کے پچھلے حصہ میں خندق کھود کر لکڑے بھر دیئے گئے تھے، جس سے یہ مطلب تھا کہ اگر دشمنوں نے پیچھے سے حملہ کیا تو لکڑیوں کو سلگا دیا جائے گا۔ اس انتظام سے دشمنوں کے لئے حملہ کرنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا، اور اسی لئے آپ نے صرف اہل بیت کی محافظت نہایت عمدگی سے فرمائی، شمر بن ذی الجوشن اور اس کے ہمراہیوں نے خیمہ توڑنے کی بار بار کوشش کی، مگر زبردست محافظت کے سامنے ان کا کچھ بھی بس نہ چلا۔ اور انہیں ذلت سے پسپا ہونا پڑا، ظہر کی نماز کے وقت لڑائی بند رہی۔ نماز ختم ہوتے ہی دشمنوں نے پھر اجتماعی دھاوا بول دیا۔ اور دور سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ حضرت امام حسینؑ، حضرت علی اصغر کو ایک ٹیلہ پر لئے ہوئے کھڑے تھے اور لڑائی دیکھ رہے تھے کہ یکایک ایک تیر دور سے آیا۔ اور اس معصوم کے گلے کو چھیدتے ہوئے پار ہو گیا۔ آپ نے اس معصوم بچے کا خون دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا "میرے عزیز، لخت جگر! سنہ ابھی

جزائے خیر دے گا۔ اور تو انشاء اللہ جنت میں اپنے دادا سے جلد ملے گا۔ میں بھی عنقریب تیرے پیچھے ہی آرہا ہوں۔" آپ نے حضرت علی اصغرؑ کی لاش اپنی بہن زینب کو سونپ دی اور خود یزیدی لشکر کے سامنے آکر اپنی تلوار خار اشگاف میان سے باہر نکالی، سیکڑوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ آپ کی ضرب ایسی کاری ہوتی تھی، کہ ایک ہی وار میں دشمن کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے، دشمن اگر زمین پر گر جاتا تو اُسے پھر اُٹھنے کی طاقت نہ ہوتی تھی، اس جنگ میں حضرت امام حسینؑ بھی زخموں سے چور چور ہو گئے تھے، مگر آپ کی تلوار نہ رُکتی تھی،

حضرت عباس (علیہ السلام) کی جوانمردی

دوسری طرف حضرت عباسؑ نے اپنی بہادری سے یزیدیوں کو ایسا ہراسان پریشان کر دیا تھا کہ ہر طرف سے الامان الامان کی صدا بلند ہو رہی تھی، اور یزیدی فوج کے سپاہیوں کو قتل کرتے ہوئے برابر آگے آگے بڑھے جاتے تھے۔ حضرت عباسؑ کی بہادرانہ جنگ دیکھکر شمر بن ذی الجوشن کے مُنہ سے بے تحاشا نعرہ تحسین و آفرین بلند ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ ہمارے ہزاروں سپاہیوں کے سامنے تم اپنی فتح و ظفر کی اُمید نہ رکھو، آخر قتل کئے جاؤ گے، اور تمہاری بھی یہی حالت ہو گی اس لئے اگر تم ہماری طرف چلے آؤ۔ تو میں تمہارے لئے یزید سے سفارش کر کے تمہیں سپاہ سالاری کا بڑا درجہ دلا دوں گا۔

شمر کی زبان سے ان الفاظ کے سُنتے ہی حضرت عباسؑ نے اپنی تلوار کھینچی اور کہا کہ اے مردود بدکار! کیا تو مجھے دنیوی لالچ سے فریب دے رہا ہے؟ اور مجھے میرے آقا کی غلامی سے دور کرانا چاہتا ہے۔ جب تک میرے جسم میں خون دوڑتا ہے تب تک میں ہرگز یزید کی تابعداری نہ کروں گا۔ اے شمر! کیا تو مجھے بھی کوفیوں کی طرح دغاباز سمجھتا ہے؟ میں اپنے آقا حضرت امام حسینؑ پر جان و مال اور اولاد تک قربان کرنے کو تیار ہوں، میں، اور یزید کی حمایت کروں؟

این خیال است و محال است و جنوں

پھر آپ یزیدی لشکر سے مخاطب ہوئے اور کہا، کہ اے یزیدیو! تم کس کا مقابلہ کر رہے ہو۔ اس کا

کتنیں کچھ خیال بھی ہے؟ یہ حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلعم کے قرۃ العین حضرت علیؑ اور فاطمۃ البتولؑ کے جگر گوشہ اور خلق کے امام ہمام حضرت امام حسینؑ ہیں۔ اس پر غور و فکر کرو۔ اس مضمون کو ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

سوچو تمہی دلوں میں کہ حق دار کون ہے عالم میں برگزیدہ با اختیار کون ہے
بادی ہے کون سید ابرار کون ہے ہے بے قصور کون گنہگار کون ہے

جب ان باتوں کا اثر ان کے بہرے کانوں پر کچھ نہ ہوا۔ تو پھر آپ نے فرمایا۔

یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمہیں صدقہ ہے کس امام کا عزت ملی تمہیں

لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ یزیدی فوج ایک دم ٹوٹ پڑی، حضرت عباسؑ کو گھیر لیا شمر ذی الجوشن اور حضرت عباسؑ کی جنگ دیکھ کر حضرت امام حسینؑ بیتاب ہو کر دوڑتے ہوئے تشریف لائے اور شمر کو مخاطب کر کے حضرت عباس علمدار نے فرمایا۔

ہے گرچہ ان کی بے ادبی قابل سزا بہر رب رحیم کے ہو بخشدہ خطا

پھر یزیدیوں سے بہ آواز بلند فرمایا۔

توڑا ہے ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در تھرائے جس کی تیغ سے روح الامیں کے پر
ہم ہیں امام ہم کو بھی جانو اسی طرح تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح

لیکن یزیدیوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ یہ نصیحت آمیز کلمات لوگوں پر کیا اثر کرتے جن کے دلوں اور آنکھوں پر گمراہی اور ضلالت کے پردے پڑے ہوں۔ انہوں نے جنگ شروع کر دی، ایک طرف حضرت عباسؑ حیدری جوہر سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے اور دوسری طرف حضرت امام حسینؑ نے ہزاروں یزیدیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ مگر چونکہ ایک انبوہ کثیر نے گھیر لیا تھا۔ اس لئے ہر چہار طرف سے حملہ ہو رہا تھا۔ اور آپ بہت زیادہ زخمی بھی ہو گئے تھے۔ حالت یہ تھی کہ تمام جسم سے لہو کے فوارے جاری تھے اسی اثناء میں نفیل بن ارزق نامی شخص نے موقع دیکھ کر ایک ایسی کاری ضرب تلوار سے حضرت عباسؑ پر کی کہ آپ کا ایک ہاتھ قطع ہو گیا۔ مگر اس ہاشمی بہادر نے ایک ہاتھ کٹ جانے پر بھی لڑائی موقوف نہ کی اور دوسرے ہاتھ لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ حد سے زیادہ تھک کر گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور فرمایا یا مولیٰ ادرکنی اے میرے مولیٰ میری مدد کے لئے تشریف لائیے امام نے اپنی جان آپ پر

قربان کردی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ناگاہ صدا آئی کہ آؤ میرے آقا   گھوڑے سے گرا بندہ اٹھاؤ میرے آقا
جاں آنکھ میں ہے آنکھ میں پیکان ہو آقا   اور آپ کے دیدار کا ارمان ہے آقا

حضرت امام حسینؑ آواز کے سنتے ہی حضرت عباسؑ کے پاس تشریف لائے۔ اور آپ کے پانوں کے قریب بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؑ کہنے لگے ؎

واجب پسر مصحف ناطق کا ادب ہے   قرآں کی طرف پانوں! قیامت ہی غضب ہے

حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ اور فرط محبت سے ان کے طرف دیکھ کر فرمایا۔

شہ بولے کہ کچھ حد بھی غلامی کی ہے بھائی   بچپن سے تو اب تک میری نعلین اٹھائی
پھر از رہ دل کہوا ے حق کے فدائی

آخر وقت میں جب حضرت عباسؑ اس دنیائے فانی کو خیرباد کہتے تھے۔ اس حالت کو مشاہدہ کیا تو کہنے لگے۔

اور دیکھا سر کو شاہ کے زانو پہ ہے دھرا   چاہا کہ سر کو زانوئے شہ سے کرے جدا
شہ نے کہا کہ بھائی تمھارا یہ حال ہے   اس وقت بھی ہمارے ادب کا خیال ہے

بس یہ آخری گفتگو ہو رہی تھی، کہ حضرت عباسؑ کی روح پاک اس دنیائے فانی سے دار البقا کی طرف پرواز کر گئی۔ حضرت عباسؑ کی جاں نثاری آخری دم تک یکساں ہی، اور زندگی بھر حضرت امام حسینؑ کو آقا کے سوا کسی دوسرے لفظ سے خطاب نہ کیا۔ کسی وقت آپ نے "بھائی" کہہ کر حضرت امام حسینؑ سے بات نہیں کی، موت کے وقت اور حالت نزع میں بھی آپ نے اپنی عادت کو ترک نہ کیا۔

حضرت عباس (علیہ السلام) کا حلیہ

حضرت عباسؑ ماشاء اللہ جوان تھے۔ چہرہ آپ کا نہایت سفید آفتاب کی مانند روشن تھا۔ آپ کا قد

درازاور جسم سُبک تھا۔ آپ جب گھوڑے پر سوار ہوتے، تو بہادران وقت کی طرح آپ کے پاؤں زمین سے جا لگتے، جنگ کی تعلیم آپ کو نہایت عمدگی سے دی گئی تھی۔ اور آپ مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ سے آپ کو نہایت محبت و الفت تھی اسی لئے آپ ان کے فدائی کہلاتے تھے، کربلائے معلیٰ کی جنگ میں آپ نے اپنی محبت و الفت کا پورا مظاہرہ کر دیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ بچپن سے آپ کی یہی حالت تھی، حضرت عباسؑ کی مختصر سوانح عمری اس کتاب کے لئے کافی ہے۔

حضرت علی اکبر (علیہ السلام) اور حضرت قاسمؑ کی شہادت

حضرت علی اکبر نے بھی میدان کربلا میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اور بے شمار یزیدیوں کو قتل کیا۔ ہاشمی اولاد میں جو قوت و شجاعت پائی جاتی تھی، اس سے بہت زیادہ حضرت علی اکبرؑ میں خدا تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، آپ نے چونکہ جنگ میں بڑی بہادری اور جوانمردی دکھائی تھی، اس لئے آپ بھی بُری طرح زخمی ہوئے تھے، ہر چہار طرف سے یزیدی حملہ کر رہے تھے، اور آپ مردانہ وار ان کا جواب دے رہے تھے، آخر منقذ بن مرہ عبدی نے آپ کے سینۂ مبارک میں موقع پاکر برچھی بھونک دی، جس سے آپ کو کاری زخم لگا۔ اور آپ شدت درد سے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی، حضرت علی اکبرؑ اٹھارہ برس کے جوان تھے۔ حسن و جمال میں یکتا تھے، نبی کریم صلعم کے چہرہ کی طرح خدا نے آپ کو بھی ویسا ہی مشابہ چہرہ عطا کیا تھا۔ اور دراز زلفوں نے اس کی رونق کو دو بالا کر دی تھی

حضرت قاسم بن حسنؑ بن علیؑ بھی میدان کربلا میں نبرد آزمائی کرتے ہوئے راہ حق میں ارزق شامی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ آپ نے میدان جنگ میں ایسی بہادری دکھائی کہ مخالف انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور آخر لڑتے لڑتے حضرت امام حسینؑ نے اپنی جان قربان کر دی۔ آپ بھی جوان تھے۔ اور عنفوان شباب ہی میں خدا نے آپ کو اس قدر بہادر بنایا تھا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ کربلا کے میدان میں آپ کی شادی ہوئی۔ اور مہندی لگائی گئی۔ اور بعض مورخین اس کے خلاف ہیں۔ اس لئے یہ روایت معتبر نہیں معلوم ہوتی۔ دہلی کے مشہور صوفی حضرت خواجہ حسن نظامی اپنے کتاب "محرم نامہ" میں لکھتے ہیں کہ مہندی اور سہرہ کا رواج ہندوستان میں۔ بغداد

نبوت میں یہ باتیں نہیں پائی جاتی تھیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اثنائے جنگ میں شادی کی تیاری محال معلوم ہوتی ہے۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت قاسم کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ صرف تن تنہا باقی رہ گئے۔ آپ کے تمام رفقاء اور اہل بیت نے ایک ایک کر کے شربت شہادت نوش کر کے اس دارفانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ خاندان نبوت میں سے فقط حضرت امام زین العابدینؑ کی دنیا زندہ رہنے میں اور تمام اولاد نبوی کے رتبۂ شہادت حاصل کرنے میں بھی کچھ سر الٰہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام حسینؑ کو اس کا قطعی افسوس نہ تھا۔ بلکہ خوشی تھی، اور اسی حالت میں آپ میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ نہایت بہادری سے نبرد آزمائی کی، اور دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ مخالفوں کا حملہ بھی برابر جاری رہا۔ اور حضرت امامؑ کا جسم چھلنی ہو گیا تھا لیکن آپ اسی طاقت سے برابر تلوار چاروں طرف گھما رہے تھے۔ اور میدان جنگ میں چاروں طرف گھما رہے تھے۔ اور میدان میں چاروں طرف لاشوں کے انبار گرے ہوئے نظر آتے تھے، جنگ زور و شور سے جاری تھی، کہ اسی اثناء میں ایک تیر آپکی پشت مبارک کو لگا آپ نے اس تیر کو اپنے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ مگر زرعہ بن شریک نے اسی اثناء میں تلوار کا ایک وار آپ پر کیا۔ آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے روکنا چاہا۔ مگر نہ رکا۔ اور آپ شدید مجروح ہوئے پھر سنان ابن انس نخعی اچھل کر آپ کے سامنے آیا۔ اور آتے ہی آپ کو بھالا مارا۔ اس بھالے کے زخم نے مجبوراً آپ کو زمین پر گرا دیا۔ خولی بن یزید اصبحی نے سر اقدس کو جدا کرنے کے لئے آپ کے جسم مطہر پر پاؤں رکھا۔ اور چڑھ گیا۔ مگر اس کا ہاتھ چونکہ کانپنے لگا۔ اس لئے اس کا بھائی شبل نے سر اقدس کو جسم مطہر سے جدا کیا۔ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ جب زمین پر گر پڑے تو سر اقدس شمر بن ذی الجوشن نے جدا کیا۔ اور مشہور و معروف روایت بھی یہی ہے حضرت امام حسینؑ کے جسم مطہر پر ۳۰ زخم اور ۳۴ نشان تلواروں کے پڑے تھے۔

شمر ذی الجوشن نے حضرت امام حسینؑ کا سر اقدس عبداللہ بن زیاد کے پاس بھیجتے وقت نیزہ پر قافلہ سے آگے رکھا تھا۔ کربلائے معلیٰ کی یہ ہولناک جنگ محرم کی دسویں تاریخ کو صرف چند گھنٹے رہی اور

تمام ہوگئی۔ حضرت امام حسینؓ کی عمر شہادت کے وقت صرف ۵۸ سال کی تھی۔
حضرت امام حسینؓ کے ساتھ نبی کریم صلعم کو محبت تھی، اور آپ کے محبت آمیز واقعات کثرت سے کتابوں میں درج ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت محمد صلعم نماز پڑھتے وقت جب سجدہ میں جاتے، اور حضرت امام حسینؓ آپ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے۔ تو جب تک آپ بیٹھے رہتے تب تک نبی صلعم سجدہ میں رہتے تھے۔

اولاد حضرت امام حسین (علیہ السلام)

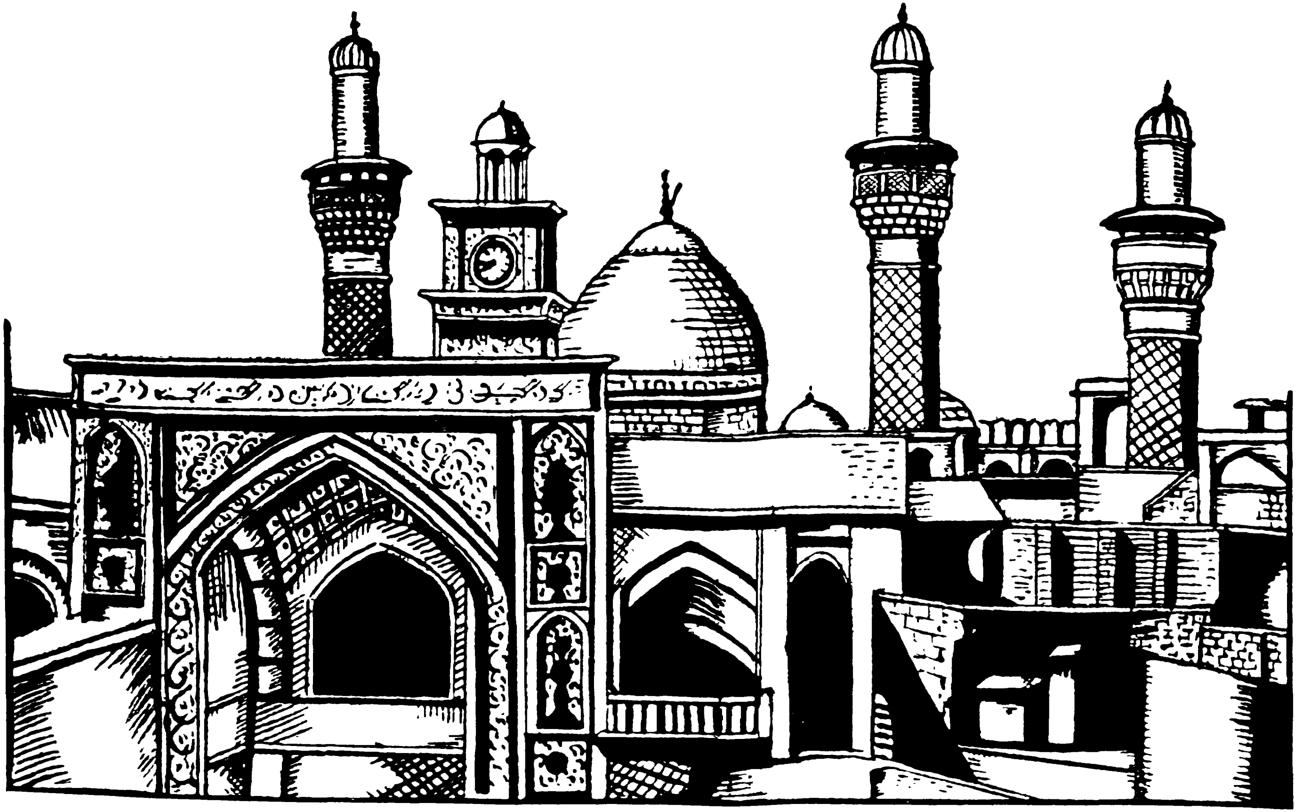
حضرت امام حسینؓ کی پانچ بیبیاں تھیں جن سے آپ کے گیارہ لڑکے اور ۴ لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں سب بیبیوں میں جناب شہر بانو محترمہ بہت زیادہ مشہور رہیں آپ کی بہت سی اولاد میں حضرت امام زین العابدینؑ کا اسم گرامی علی اکبر تھا۔ مشہور مؤرخ ذاکر حسین، نے اپنی تاریخ الاسلام میں لکھا ہے کہ کربلائے معلی میں اٹھارہ برس کے دوسرے نوجوان فرزند حضرت امام حسینؓ کے جو شہید کئے گئے۔ ان کا نام بھی علی اکبر تھا لیکن صحیح روایت یہ ہے آپ کا اسم گرامی علی اصغر تھا۔ اور تیسرے ایک طفل شیر خوار جن کو لوگ علی اصغر کہتے ہیں ان کا نام عبداللہ صغیر تھا ان کے علاوہ حضرت عبداللہ، محمد، اور جعفر علیہم السلام تھے، مشہور صاحبزادیوں میں سکینہ اور فاطمہ تھیں اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ صغرا اور زینب نامی دو صاحبزادیاں تھیں۔

شہدائے کربلا کی تجہیز و تکفین

کربلائے معلی کی لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت امام حسینؓ کے مبارک سر کو اور اہل بیت کو کوفہ میں ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس نے ان کو شام میں یزید کے پاس بھجوا دیا۔ یزید نے چند دنوں کے بعد اہل بیت کو وہاں سے مدینہ منورہ بھیجدیا۔ میدان کربلا سے حضرت امام حسینؓ کے سر مقدس کو نیزہ پر آویزاں کر کے لیجانے والا قتلی بن یزید الاصبحی تھا۔ آپ کے قاتلوں کے نام بھی تاریخ میں مختلف لکھے ہوئے ہیں مگر نہایت مشہور نام قاتل حسینؑ میں شمر ذی الجوشن کو کہا جاتا ہے اور عوام الناس میں یہی روایت بہت مشہور ہے۔
دشمنوں نے کربلائے معلی سے جب امام زین العابدینؑ اور اہل بیت کو کوفہ لے گئے۔ اسوقت

شہدائے کربلا کی لاشیں اسی طرح ریت میں دفن کئے بغیر پڑی ہوئی تھیں، بنی اسعد نامی عرب کے ایک قبیلے کے کچھ لوگ جب وہاں سے گذرے اور انہوں نے شہدائے کربلا کی لاشیں دیکھیں تو انہوں نے ان کو دفن کیا۔ یزید کے دربار سے جب اہل بیت واپس ہوتے ہوئے کربلائے معلیٰ تشریف لائے، اس وقت انہوں نے شہدائے کرام کی آخری رسم ادا کی، اور وہاں سے پھر مدینہ منورہ چلے گئے۔ کربلائے معلیٰ کے واقعہ ہائلہ کی وجہ سے امیر معاویہ اور یزید کے نام دنیا بھر میں مشہور رہیں۔ ان کے بعد جو خلفائے بنی اُمیہ ہوئے ہیں۔ وہ ایسے مشہور نہیں ہیں۔ اب ماموں کے ساتھ سیاسی امور میں ان خلفاء کا کیا سلوک تھا۔ اس کے معلوم ہونے کے لئے خلفائے بنی امیہ کے سلسلہ کا ایک شجرہ بر صفحہ ۷۳ دیا جا رہا ہے،

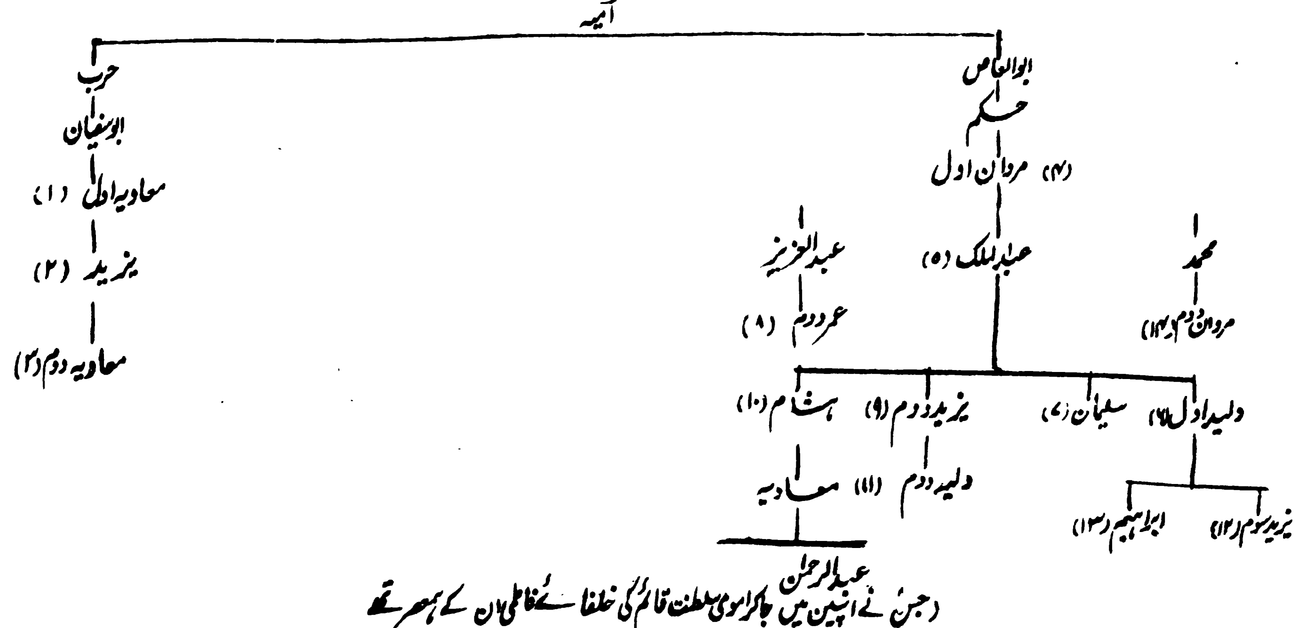
بعد میں حضرت امام علی زین العابدینؑ کی سوانح عمری بیان کی جائے گی۔



کربلائے معلّیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت گاہ

شجرہ خلفائے بنی امیہ

کل چودہ خلفائے بنو امیہ کے ہوئے ہیں۔ جن کا نمبر وار شمار ان کے نام کے ساتھ قوسین میں دیئے گئے ہیں۔



حضرت امام علی زین العابدین (علیہ السلام)

سن امامت از ۶۱ھ ہجری تا ۹۴ھ ہجری

حضرت امام زین العابدین کی پیدائش ۵ شعبان المکرم ۳۸ھ ہجری بروز جمعرات مدینہ منورہ میں حضرت علیؑ کی شہادت سے دو سال پہلے ہوئی۔

حضرت امام زین العابدین کا اصلی نام علی تھا۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور ابوالحسن تھی۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے وقت آپکی عمر صرف بائیس ۲۲ سال کی تھی۔ اسی سال آپ مسند امامت پر رونق افروز ہوئے

حضرت امام (علیہ السلام) کی والدہ محترمہ

حضرت امام زین العابدین کی والدہ صاحبہ ایران کے آخری زرتشتی بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن نوشیرواں کی دختر نیک اختر تھیں جو ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ آپ کی والدہ نے آپ کا نام شاہ زنان رکھا تھا لیکن حضرت علیؑ نے آپ کا نام شہر بانو رکھا تھا۔ اور آج تک اسی نام سے مشہور و معروف ہیں حضرت امام زین العابدین کے پیدا ہوتے ہی حالت زچگی میں آپ وفات پا گئیں، کربلائے معلیٰ کے میدان میں جنگ کے وقت آپ حاضر تھیں اور بعد ازاں ذوالجناح پر سوار ہو کر کہیں غائب ہو گئیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ روایت معتبر نہیں، اثنا عشری مورخین بھی اس روایت کو نہیں مانتے۔

امام (علیہ السلام) کا حسن اور اوصاف حمیدہ

حضرت امام زین العابدینؑ کے کثرت سے القاب ہیں مگر زین العابدین کے لقب گرامی سے آپ دنیا میں مشہور ہیں۔

امام زین العابدینؑ کا رنگ گندمی، جسم نبک، قد میانہ، چہرہ روشن اور گردن صراحی دار تھی سینہ کشادہ اور چوڑا تھا۔ جو آپ کی شجاعت و بہادری کا ثبوت تھا۔ آپ کا جسم۔ آپ کے دادا حضرت علیؑ سے بہت مشابہ تھا۔ آپ وقت کے علاّمہ اور بے نظیر فاضل تھے، اور صبر و تحمل میں بڑی شان رکھتے تھے، آواز نہایت دل کش تھی، اور سادہ خوراک کے عادی تھے، غلاموں پر نہایت شفقت و کرم فرماتے تھے، محتاجوں اور غریبوں کے خبر گیری اور پرورش کا بحد خیال رکھتے تھے، سخاوت میں آپ یکتا تھے اور لباس بالکل سادہ استعمال کرتے کبھی کبھی گرم اونی پوشاک اور فاخرہ لباس بھی زیب تن فرماتے۔ گرمی اور سردی کے لئے علٰحدہ علٰحدہ پوشاک آپ نے تیار کر رکھی تھی،

کوفیوں سے خطاب

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ اور تمام اہل بیت کو اونٹوں پر سوار کر کے عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن اور عمر حجاج اپنے ہمراہ لیکر کوفہ آئے، یہ قافلہ جب کوفہ پہنچا۔ اور کوفیوں نے اہل بیت علیہم السلام کی ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو گریہ و زاری شروع کر دی آہ و زاری کی آواز حضرت امام زین العابدین کے کانوں تک پہنچی، تو آپ نے انہیں خاموش رہنے کی ہدایت فرمائی اور ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے لوگو میں حسین بن علی ابن ابیطالب کا فرزند ہوں۔ جن کو دشمنوں نے کربلا کے میدان میں شہید کیا۔ اور ان کے جسم مطہر سے جدا کیا۔ اور ان کے اہل بیت کو یزیدی فوج کی نگرانی میں یہاں لائے یہ سب تمہاری بیوفائی کا نتیجہ ہے، اس لئے اب رونے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں، تم کو اس وحدہٗ لاشریک کی قسم دیتا ہوں کہ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے کہ کیا تم نے میرے والد ماجد کو متعدد خطوط لکھ کر قاصدوں کے ذریعہ نہیں بلایا تھا۔ اور کیا تم نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی؟ کیا تم نے ان کی بیعت نہ توڑ کر؟ اور خلاف ورزی کر کے ان کے ساتھ جنگ کر کے دشمنوں کی معاونت نہیں کی؟ اور کیا تم نے اون کے ہاتھوں کو مستحکم نہیں کیا؟ بتاؤ تم نے آخرت کے لئے کیسا خراب توشہ جمع کیا۔ اور کیسی گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ تم کس منہ سے دربار الٰہی میں جاؤ گے۔ اور کن آنکھوں سے نبی کریم صلعم کو دیکھو گے؟ جب تم سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی پاداش میں

تم نے میری عترت طاہرہ کو قتل کیا۔ اور ان کی بے حرمتی کی، کیا تم میری اُمت میں سے نہ تھے؟ اس وقت تم کیا جواب دو گے؟ خدا ان پر رحمت نازل کرے جو خدا اور رسول اور اہل بیت کے حق میں ہماری نصیحت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

یہ سُنکر کوفیوں نے جواب دیا۔ کہ" ہم آپ کے حقوق سے واقف ہیں اور آپ کی طاعت ہم پر فرض ہے۔ آپ جیسا حکم کریں گے۔ اس کے مطابق عمل کر کے ہم شہدائے کربلا کے خون کا انتقام لیں گے، اور دشمنوں کے دانت کھٹے کردیں گے۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے یہ سُنکر فرمایا کہ" میں تمھاری قسم کا بالکل اعتبار نہیں کرتا۔ میں تمھاری طبیعت سے خوب واقف ہوں، میرے والد کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا۔ اس سے باخبر ہوں، میری خوشی یہ ہے کہ نہ تم ہمارا ساتھ دو اور نہ دشمنوں کی ہاں میں ہاں ملاؤ۔ تم دونوں سے الگ رہو۔ اور یہی تمھارے لئے مُفید ہے، اتنا کہہ کر آپ نے خاموشی اختیار کی۔

ابن زیاد نے میدان جنگ میں حکم دیدیا تھا۔ کہ اہل بیت کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔ اس لئے عمر بن سعد اہل بیت کا قافلہ یہاں لے آیا۔ دوسرے تمام کاموں کی تعمیل کے لئے عمر بن العاص کو ھدایت کی گئی تھی۔ اہل بیت کی کوفہ میں تشریف آوری کے بعد ابن زیاد نے دوسرے دن قصر العمارت میں دربار منعقد کیا۔ اور بہت سے کوفیوں کی موجودگی میں اہل بیت سے چند سوالات کرکے وہاں سے انہیں رخصت کردیا۔

یزید کے دارالسلطنت میں

ابن زیاد نے یزید کے فتح کی خبر تمام دور دراز ملکوں میں بھیجدی۔ شام میں بھی اس نے یزید بن معاویہ کو مفصل خط لکھ کر مطلع کیا۔ اس کا جواب آتے ہی چند روز ابن زیاد نے بعد اہل بیت کے قافلہ کو شمر ذی الجوشن چند آدمیوں کے ساتھ یزید کے پاس بھیجدیا۔ جب یہ قافلہ شام میں وارد ہوا۔ اور یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس وقت یزید نے امام زین العابدین سے مخاطب ہو کر کہا، کہ تمھارے والد نے میری سلطنت پر قابض ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ میرے حق سے وہ واقف نہ ہوئے

اور یہ نہ سوچا۔ کہ انجام کار جنگ ہوگی ۔ اس وقت دربار کے باہر نوبت شادیانہ بج رہی تھی اور یزید نے حضرت امام زین العابدینؑ سے کہا۔ "دیکھو، سنو! کہ یہ میری اور میرے آبا واجداد کے سلطنت کی نشانی ہے، اور تمھارے والد کا سر یہاں سامنے موجود ہے "۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی، تھوڑی دیر کے بعد مؤذن نے اذان دی، اس وقت آپ نے یزید سے کہا۔ کہ "سن لے سن ہمارے آباؤ اجداد کی سلطنت کی یہ نشانی ہے۔ جس کے طرف تجھے اور تیرے آباء واجداد کو سرنگوں ہونا لازمی ہے"۔

دربار برخواست ہوا ۔ اہل بیت کو قید کی مصیبت سے آزادی دی گئی ۔ اور حرم کو محل میں بھیج دیا گیا۔

ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ جس وقت شام میں تشریف رکھتے تھے ۔ یزید نے ایک فصیح و بلیغ خطیب سے کہا کہ حضرت امام زین العابدینؑ کے آباؤ اجداد نے بنی امیہ کے سامنے سلطنت کا دعویٰ کر کے کس طرح مصائب آلام میں مبتلا ہوئے ۔ نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرو ۔ چنانچہ خطیب نے ممبر پر چڑھکر واقعی اس خطبہ کو اسی طرح پڑھا ۔ اور ممبر سے اترا ۔ حضرت امام علی زین العابدینؑ اس کے بعد ممبر پر چڑھے ۔ ذیل کا معرکۃ الآرا خطبہ ارشاد فرمایا۔

" حاضرین مجلس! جو ہمیں پہچانتے ہیں، ان کو تعارف کرانے کی ضرورت نہیں، مگر وہ لوگ جو ہمارے سلسلہ اور شجرہ سے واقف نہیں ان کو بتاتا ہوں کہ میں دین اسلام کے بانی رسول کریم صلعم کا نواسہ، علی المرتضیٰ اور جناب فاطمۃ الزہرا کا پوتا اور شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کا فرزند ہوں تمام فضائل و کمالات کے ہم جامع ہیں، ہمارا درجہ سب سے اعلیٰ اور افضل ہے ۔ جبرئیلؑ ہمارے گھر پر نازل ہوتے تھے، آسمانی کتاب ہمارے ہی گھر میں نازل ہوئی ہے ۔

ابھی حضرت امام زین العابدینؑ اسی جملہ تک پہونچے تھے ، کہ تمام سامعین متاثر ہوئے اور یزید سے مخالف ہوتے دکھائی دینے لگے ۔ یزید نے دیکھا کہ مبادا ہنگامہ برپا ہو جائے اس نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا ۔ اور حضرت امام زین العابدینؑ کا خطبہ بند کروا دیا۔

مدینہ منورہ میں بلوہ

شام میں تھوڑی مدت رہ کر حضرت امام زین العابدینؑ کربلا ہوتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لائے، اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ کربلا کے جنگ کے بعد آپ نے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، سیاسی امور سے آپ الگ تھلگ رہتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کوفیوں کی بدعہدی کا خیال آپ کو شب و روز رہتا تھا، ان لوگوں نے امامت کی قدر و منزلت بالکل نہ پہچانی، صرف آل نبی کے طور پر ان کو شمار کرتے تھے، مگر اتفاق سے جب کبھی مخالفوں سے جنگ کی نوبت آپہنچتی، تو اس وقت یہ کوفی دشمنوں سے مل کر دین کو خیرباد کہدیتے، اور جنگ کی نوبت آتی تو فرار بھی ہو جاتے ان تمام باتوں نے آپ کے دل پر بہت کچھ اثر کیا تھا۔ اور اس لئے آپ نے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی،

کربلائے معلیٰ کے واقعہ نے لوگوں کے دلوں میں ایک طلاطم مچا دیا تھا اور لوگوں میں ایک زبردست ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اور اکثر رؤساء کا یہ خیال ہو گیا کہ اب یزیدی سلطنت کو بالکل نیست و نابود کر دیں، یزیدی گورنروں کی خود مختارانہ حکومت اور ان کے ظلم و ستم نے لوگوں کو اور بھی زیادہ ابھار دیا۔ اور اس خیال کو ایک طرح تقویت پہونچی اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم عثمان بن محمد تھا۔ جو یزید کا چچیرہ بھائی تھا وہ نہایت بدکردار اور بداطوار تھا اپنی اقتدار اور دبدبہ کا وہ بڑا شائق تھا۔ شب و روز فسق و فجور میں مبتلا رہتا تھا، اور یزیدی سلطنت کے رعب و داب کا سکہ جمانے کے دھن میں ہر وقت لگا رہتا تھا۔ اس لئے اکثر لوگوں کے دل دکھے ہوئے تھے اور بالآخر بیزار ہو کر عبداللہ بن حنظلہ نامی ایک رئیس نے یزیدی سلطنت سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور لوگوں میں اپنا اقتدار جمانے کی کوشش کی۔ منذر بن زبیر نامی ایک دوسرے شخص نے عبداللہ حنظلہ کے ارادہ سے مطلع ہو کر اس سے ملاقات کی اور اسے صلاح دی کہ حضرت امام حسینؑ کے فرزند حضرت امام زین العابدینؑ اپنے وقت کے امام ہیں، اور ہم ان کے ادنیٰ غلام ہیں، ان سے مرتبہ میں بڑھ کر دنیا میں کوئی انسان نہیں اور نہ کوئی ان کے بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے اس بارہ میں امامؑ کی رائے دریافت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

منظر بن زُبیر کی صلاح تو عبداللہ بن خظلہ نے نہایت پسند کیا اور دونو ملکر حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کی، کہ مولیٰ! ہم یزید سے جنگ کر کے آپ کے والد ماجد کا انتقام لینے کے لئے آمادہ ہیں۔ آپ مہربانی فرماکر ہماری سرداری قبول فرمائیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا" اے عبداللہ اور منظر، تمھاری نیک نیتی اور سچی ہمدردی دیکھ کر میں نہایت خوش ہوا۔ مگر کیا تم لوگوں نے میرے جدِ امجد اور والد ماجد کے ساتھ جو سلوک اور برتاؤ کیا۔ اس سے بے خبر ہو؟ کیا وہ واقعات تمہیں یاد نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ وہی نہیں ہیں جنہوں نے پہلے سائفہ دے کر بلکہ بیعت بھی کر کے بد عہدی بھی کی؟ کیا خارجیوں کے ظلم و ستم نے لوگوں میں بے چینی نہیں پیدا کی؟ ان سب کاموں کو دیکھتے ہوئے ان کی صورت سے ہم کو نفرت ہے۔ اگر ان کے ساتھ تمھارا بھی بلوہ کرنے کا ارادہ ہو، تو ہم یہاں سے کہیں اور چلے جائیں، اور جہاں امن نصیب ہو، وہاں بودوباش اختیار کریں"

یہ جواب سنتے ہی عبداللہ بن خظلہ اور منظر بن زبیر دونوں یہاں سے چلدیئے، مگر ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی، انھوں نے یزید کے خلاف بلوہ کرنے کی زبردست کوشش کی، لوگوں کو جنگ کے لئے برانگیختہ کیا۔ اور شہر میں کشت و خون شروع ہو گیا۔ عبداللہ بن خظلہ آگے بڑھتا گیا۔ یزید نے اس کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ کو روانہ کیا، ایک وسیع میدان میں دونوں لشکر کا مقابلہ ہوا، اور دونوں نے پوری ہمت سے جنگ آزمائی کی، یزیدی لشکر کی کثرت کے باعث عبداللہ بن خظلہ کا لشکر پسپا ہو گیا، اور اس کے ہمراہیوں میں سے اکثر ہلاک ہوئے، مسلم بن عقبہ کا لشکر فتح کا ڈنکا بجاتا مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور شہر کو خوب لوٹا۔ تین دن تک مدینہ میں قتل عام جاری رہا۔ دس ہزار آدمی اس جنگ میں کام آئے، جسمیں تمام علماء، مہاجرین، انصار، تابعین، مرد و عورت بچے، سب شامل تھے، اس جنگ میں یزیدی سردار شرف نامی نے نمایاں حصہ لیا تھا، اس واقعہ کے بعد مدینہ والوں سے دوسری بار بیعت لی گئی، یہ جنگ مدینہ منورہ کے قریب حرۃ نامی مقام میں ہوئی، اور اسی اثناء میں یزید بھی ہلاک ہوا۔

مکہ معظمہ میں عبداللہ بن زبیر کی کارستانی

اس واقعہ کے بعد عبداللہ بن زبیر کو نہایت عمدہ موقع دستیاب ہوا، اور اس نے دیکھا کہ اب سکی

دیرینہ آرزو ضرور پوری ہو گی، اس لئے اس نے مکہ معظمہ میں اپنا اقتدار جمانا شروع کیا، عبداللہ بن زبیر کا خطبہ مکہ معظمہ میں اور شام و مصر میں پڑھا جانے لگا، عراق میں اس کا بھائی مصعب بن زبیر اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔

ہجری ۶۶ھ میں محمد بن حنفیہ اور کوفہ سے ستر رئیسوں کو عبداللہ بن زبیر نے اپنے پاس بلایا اور اپنی بیعت پر انہیں مجبور کیا۔ محمد بن حنفیہ حضرت علیؑ کے فرزند تھے، اور حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کے سوتیلے بھائی ہوتے تھے، انہوں نے صاف کہدیا۔ کہ جب تک عوام الناس تمہاری بیعت نہ کریں گے تب تک ہم بھی نہیں کر سکتے، اس بات پر محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان طویل گفت و شنید شروع ہوئی اور اسی اثنا میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مختار بن ابو عبیدہ ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کر لیا ہے اور وہاں محمد بن حنفیہ کے نام سے بیعت لے رہا ہے، زبیر نے یہ خبر سنتے ہی سختی برتنی شروع کی، اور چاہ زمزم کے پاس لکڑیاں جمع کر کے محمد بن حنفیہ اور ان کے تمام ہمراہیوں کو قید کر دیا۔ اور انہیں آگ میں جلانے کا حکم بھی دیدیا۔

محمد بن حنفیہ نے خفیہ طور سے اپنا ایک آدمی کوفہ میں مختار کے پاس بھیجا، اور تمام کیفیت سے اسے واقف کیا، مختار نے ابو عبداللہ جدلی کو گھوڑے سوار لشکر دے کر مکہ مکرمہ روانہ کیا، اور پھر ایک دوسرا لشکر اسکی معاونت کے لئے بھیجا، ابو عبداللہ جدلی ڈیڑھ سو گھوڑے سوار لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا محمد حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو زندہ جلا دینے میں بہت تھوڑا وقت باقی رہ گیا تھا۔ کہ اتنے میں ابو عبداللہ جدلی یکایک وہاں آ پہنچا، ان کے آتے ہی ابن زبیر کا لشکر فرار ہو گیا، محمد بن حنفیہ کو رہائی دلا کر وہاں سے لے گئے، اور لڑائی کرنے کے لئے ان سے مؤدبانہ التماس کی، پھر معاونت کے لئے دوسرے چار ہزار کا لشکر بھی آ گیا۔۔ اور ابن زبیر خائف اور پریشان ہو گیا۔ محمد بن حنفیہ سے لشکر نے دوسری بار لڑائی کرنے کے لئے بیحد اصرار کیا، مگر آپ نے پھر بھی انکار کیا، اور شعب علی نامی مقام پر چلے گئے۔

ایک طرف یہ واقعہ ہو رہا تھا، اور دوسری طرف عبداللہ بن زبیر کا بھائی مصعب بن زبیر مختار سے جنگ کر رہا تھا، کہ مختار کے قتل ہونے اور مصعب بن زبیر کے کوفہ پر قابض ہونے کی خبر آئی اس وقت عبداللہ بن زبیر نے یہ خبر سنتے ہی محمد بن حنفیہ سے مکہ سے چلے جانے کے لئے کہا آپ نے

مکہ مکرمہ کو خیرباد کہا، اور عبداللہ بن زبیر کے وفات تک مکہ مکرمہ میں واپس نہ آئے،
یزید کے عہد حکومت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اکثر بلوہ ہوتا رہا، مدینہ کے بلوے کا سبب تو ہم نے پہلے درج کر دیا ہے مسلم بن عقبہ وہاں کا حاکم تھا، جو بیماری کی حالتیں سپہ سالار بنکر مدینہ آیا تھا، اور بلوہ کو فرو کرنے کے بعد وہ مرگیا، بعد میں اس کی جگہ پر حسین بن نمیر کا تقرر ہوا

حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) کی دریادلی

مدینہ منورہ میں جب بلوہ فرو ہوگیا اور شہر میں امن وامان پھیل گیا، تو مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر سے مقابلہ کرنے کیلئے حسین بن نمیر نکلا اور مکہ مکرمہ پر حملہ شروع کر دیا، عبداللہ بن زبیر کا لشکر اپنی خود حفاظت کر رہا تھا، اور لڑائی جاری تھی، کہ اسی اثنا میں حسین بن نمیر نے صلح کی گفتگو شروع کی، مگر کامیابی نہ ہوئی، پایۂ تخت دمشق سے صاف جواب نہ ملنے کے باعث وہ یہاں سے چلے جانیکی خواہش کر رہا تھا، مگر گھانس اور چارہ کی قلت کے سبب سے ڈھونڈنے نکلا۔ اتفاقاً حسین بن نمیر نے راستہ میں ایک جوان عرب کو اونٹ پر سوار ہوئے جاتے دیکھا اس کے ساتھ گھانس چارہ سے لدے ہوئے اونٹ بھی تھے، حسین آگے بڑھ کر اس عرب سے گھانس اور چارہ خریدنے کی خواہش ظاہر کی، مگر اس جوان عرب نے بغیر قیمت حاصل کئے گھانس اور چارہ کو حسین کو بخش دیا۔
ایک اجنبی اور نامعلوم شخص کی اس طرح کی دریادلی اور فیاضی دیکھ کر وہ بہت متعجب ہوا۔ اور عرب سے سوال کیا، کہ آپ کون ہیں؟ اس عرب نے جواب دیا کہ میں امام زین العابدین ہوں اور حسین بن نمیر سے پوچھا۔ کہ وہ کون ہے؟ حسین بن نمیر نے اپنا تعارف کرایا۔ امام زین العابدینؑ نے اسے پہچانا۔ کہ عمر بن سعد کی سواری میں میدان کربلا میں لڑنے آیا تھا۔ حسین بن نمیر نے حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں عرض کی، کہ اے علی اور ابن علی!! یزید تو مرگیا ہے اور اس کی اطلاع آپ کو ہوئی ہوگی، تخت خلافت خلیفہ بغیر خالی پڑا ہے، آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلئے، میں آپ کو تمام اسلامی دنیا کا خلیفہ بناؤں گا۔ وہاں میں اور میرے پانچ ہزار ہمراہی آپ کی بیعت کریں گے، ہم عراقی اور کوفیوں کی طرح دغاباز نہیں ہیں، ہم بہادران عرب ہیں۔

حصین بن نمیر سے یہ الفاظ سنتے ہی گھاس کے گٹھڑ کو اس کے سامنے پھینکا اور یہ فرماتے ہوئے کہ میں کسی کی بیعت قبول نہیں کرتا ہوں آپ نے خلافت کو ٹھکراتے ہوئے تشریف لے گئے حصین بن نمیر بعب بنی ہاشم کی سخاوت و فیاضی کو دیکھا تو بہت متعجب ہوا۔

معاویہ ثانی بن یزید کا خلوص

۶۳ھ ہجری میں جب یزید وفات پا گیا تو اس کے بعد خلافت پر اس کا فرزند معاویہ بن یزید متمکن ہوا۔ مگر لوگوں کے سامنے وہ علانیہ کہتا تھا کہ اس تخت و تاج کا میں کسی طرح مستحق نہیں ہوں۔ اس کے مالک اور حقدار فی الحقیقت حضرت امام زین العابدین ہیں۔ الہٰذا میں اس سلطنت کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا ہوں اور اس سے مجھے قطعی انکار ہے۔ اس کے ان جملوں سے تمام لوگوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ اور خصوصاً بنو امیہ تو نہایت برہم ہوئے لوگوں نے معاویہ بن یزید سے کہا۔ کہ تم جب خود خلافت اور سلطنت کو قبول نہیں کرتے تو تم اپنی جگہ پر کسی دوسرے کو مقرر کر دو۔

اہل مروان کی سلطنت

جب معاویہ بن یزید نے تقرر سے بھی انکار کیا۔ تو پھر وہ اپنے گھر سے کبھی باہر نہ آیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُسے زہر دے دیا گیا۔ اور اس واقعہ کے بعد وہ فقط چالیس ہی دن زندہ رہا۔

معاویہ ثانی کی وفات کے بعد امیر معاویہ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد چچیرے بھائی کے اولاد میں اہل مروان سلطنت کے مالک ہوئے۔ اور پہلا بادشاہ مروان بن حکم ہوا۔ اس نے سات سال سات مہینہ حکمرانی کی، مروان حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ان کا مشیر تھا۔ اور عرصہ دراز سے اس کو سلطنت کی خواہش تھی، اور آخر وہ اپنے مطلب میں اس وقت کامیاب ہوا۔ امیر معاویہ نے جس سلطنت کی بنا بنائے محنت و مشقت سے ڈالی تھی۔ اس کا پھل مروانیوں کو ملا۔ مروان بن حکم کی وفات کے بعد اس کا فرزند عبدالملک بن مروان سلطنت کا مالک ہوا۔ اس نے حضرت امام زین العابدینؓ کو قید کرنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے حضرت امام زین العابدینؓ کو گرفتار کر کے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا۔ روایت ہے کہ زہری نام کے ایک ضعیف العمر صحابی نے اس وقت حضرت امام زین العابدینؓ سے ملاقات کی، اور آپ کو اس حالت

میں دیکھ کر نہایت مغموم اور آبدیدہ ہوئے، زہری کا پورا نام ابوبکر محمد بن مسلم، جو ابن شاعب زہری سے مشہور ہیں وہ تابعین میں سے ایک مشہور فقیہ ہیں امامؑ نے اپنی ظاہری حالت سے جب زہری کو اس طرح مغموم دیکھا، تو فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم قیدی ہیں؟ اگر ایسا تمہارا خیال ہے تو یہ تمہاری سراسر غلطی ہے یہ تمام مصائب و آلام ہم دنیا والوں کو صبر و تحمل کا سبق دینے کے لئے اُٹھاتے ہیں، تاکہ وہ ہماری تکلیفوں کو یاد کر کے دنیوی مصیبت اور تکلیف کے وقت صبر و ضبط سے کام لیں، یہ کہتے ہی حضرت امام زین العابدینؑ نے جیسے ہی اپنے قدم کو زمین سے اُٹھایا۔ ویسے ہی بیڑیاں زمین پر گر گئیں یہ دیکھتے ہی زہری سخت متعجب ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد چوتھے دن عبدالملک کے سپاہی مدینہ کی بازار اور گلیوں اور مکانوں میں حضرت امامؑ کو ڈھونڈھ رہے تھے، مگر وہ ناکام رہے، اور حضرت امامؑ کا بالکل پتہ نہ چلا زہری نے ان سپاہیوں سے پوچھا، کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم حضرت امام زین العابدینؑ کو قید کر کے جا رہے تھے، ایک منزل تک ہم نے سفر کیا۔ اور شب کو ایک جگہ ڈیرا ڈالا۔ حضرت امامؑ کو مقفل کئے، اور تمام رات ہم پاسبانی کرتے رہے، مگر جب سویرے ہم خیمہ میں گئے، تو آہنی بیڑیوں کے سوا ہمیں وہاں کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔

اس واقعہ کے سننے کے بعد زہری نے عبدالملک بن مروان سے ملاقات کی، ابن مروان نے بیان کیا، کہ حضرت امام زین العابدینؑ میرے سپاہیوں کے ساتھ سے نکل کر میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے فرما رہے تھے، کہ میرے اور تیرے درمیان کونسی دشمنی ہے کہ جس کی وجہ سے تو ہم کو تکلیف پہنچاتا ہے میں نے حضرت امامؑ سے اپنے پاس رہنے کی درخواست کی، مگر انہوں نے اس کو قبول نہ فرمایا اور تشریف لے گئے اس وقت میں امام زین العابدینؑ کے رعب دار چہرہ کو دیکھ کر بہت خائف ہو گیا۔ یہ سُنکر زہری کے دل میں حضرت امامؑ کی نہایت محبت پیدا ہو گئی، اور اس نے آپ سے زیادہ ربط و ضبط رکھنا شروع کیا اس واقعہ کے بعد عبدالملک بن مروان امامؑ کے ساتھ نہایت عزت و ادب سے پیش آتا رہا۔ سلطنت کے سیاسی امور نے عبدالملک کو حضرت امامؑ کے ساتھ محبت آمیز سلوک کرنے کیلئے مجبور کیا۔ اور اسی خیال سے اس نے حجاج بن یوسف کو عراق کی سلطنت پر تعینات کیا، کوفہ کا حاکم بنایا، عبدالملک کی ساری زندگی سیاسی پیچیدگیوں میں تمام ہوئی، اکیس سال اور ڈیڑھ مہینہ تک حکمرانی کے بعد ۸۶ھ ہجری میں فوت ہوا اس وقت اسکی

ہر ساٹھ سال کی تھی،

عبدالملک کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ولید اڑتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اسی اثناء میں حجاج بن یوسف فوت ہوگیا۔ اس نے سولہ سال تک عراق کی حکومت کی تھی، اور ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کا خون اس نے بہایا تھا۔ ولید نے ۹ سال اور آٹھ مہینہ تک سلطنت کی اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے فرزند عبدالعزیز کو تخت سلطنت پر بٹھانے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ عبدالملک نے مرتے وقت عبدالعزیز کو اس کے بعد اس کے چھوٹے بھائی سلیمان کو وارث تخت بنانے کے لئے سفارش کی تھی مگر وہ اپنے بھائی کے حق کو خود دو بُرد کرنے کی تجویز سوچ رہا تھا کہ اسی اثناء میں ولید فوت ہوگیا اور اس کے بعد اسکا چھوٹا بھائی سلیمان تخت و تاج کا مالک ہوا۔

فرزدق شاعر اور ہشام

حضرت امام زین العابدینؑ کی شان میں فرزدق شاعر نے جو قصیدہ لکھا ہے اس کو اگر حضرت امامؑ کی سوانحعمری کا ایک نادر و نایاب تحفہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ یہ قصیدہ امامؑ کے امامی عظمت و جلالت کا غیر فانی نقش ہے۔ فرزدق شاعر کا نام ابوالفراس بن غالب تھا۔ تمیمی قبیلہ سے اس کا تعلق تھا۔ فرزدق اس کا تخلص تھا۔ ہشام بن عبدالملک اموی اپنے عہد خلافت سے پہلے جب حج کے لئے آیا تھا۔ تو لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے اسے جگہ ملنی مشکل تھی۔ اس لئے تمام باتوں کا معائنہ کرنے کے لئے ایک نشست بنادی گئی تھی۔ اتفاقاً حضرت امام زین العابدینؑ بھی اسی زمانہ میں حج کے لئے تشریف لائے تھے، اور اس قدر ہجوم ہونے کے باوجود جہاں تشریف لیجاتے، وہاں ان کے لئے لوگ اسی وقت نہایت ادب سے ہٹ جاتے، تاکہ آپ بآسانی راستہ سے گزر کرسکیں، حضرت امامؑ کو یہ اجنبی شامی نے ہشام سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جس کی اتنی عزت و حرمت کی جاتی ہے؟ ہشام شش و پنج میں پڑگیا۔ اگر وہ سچ سچ کہہ دیتا۔ تو اہل شام اس کے قبیلہ کی عزت کو امامؑ کی نسبت نہایت کمتر شمار کرتے، اور اسکی سلطنت کی وقعت بالکل نہ رہتی، اس لئے اس نے انجان بنکر کہا کہ یہ شاید کوئی مکہ، مدینہ یا مصر، یمن کا باشندہ ہے۔

فرزدق شاعر بھی اس وقت اسی مجمع عظیم میں تھا۔ ہشام کے الفاظ کو سنکر اس کی طبیعت جوش میں آگئی

اس نے شامی سے کہا کہ یہ سوال ہشام سے کیوں کرتے ہو، مجھ سے پوچھو۔ میں ان کو بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں، اتنا کہتے ہی اس نے اپنا شاندار تاریخی قصیدہ پڑھا۔ جو فی زمانہ زبان زد عوام و خواص ہے۔

قصیدہ سُنکر ہشام کو نہایت غصہ آیا اور فرزدق سے کہا کہ آج جیسی تعریف و توصیف تو نے امامؑ کی کی ہے ویسی کبھی بھی تو نے ہماری تعریف نہیں کی"

فرزدق شاعر بھی اموی دربار میں آمدورفت رکھتا تھا۔ اور اسی لئے ہشام نے فرزدق سے اس طرح خطاب کیا تھا۔

فرزدق شاعر نے جواب میں کہا۔ اے امیر اگر تیرا نانا بھی ان کے نانا کی طرح محترم ہوتا اور حضرت علیؑ اور جناب فاطمۃ الزہراؑ کا جو مرتبہ تھا۔ وہ تیرے والدین کا اگر مرتبہ ہوتا تو میں ضرور تیری بھی تعریف میں ایسا قصیدہ لکھتا"

یہ سُن کر ہشام خاموش ہوگیا۔ مگر اموی دربار سے فرزدق کو جو سالانہ وظیفہ ملتا تھا اس کو بند کروا دیا۔ اور مکہ و مدینہ کے درمیان میں عسفان نامی ایک موضع میں اسے قید کردیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ کو جب اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے اُسی وقت فرزدق کو بارہ ہزار درہم بھیجے مگر فرزدق نے احسان و شکریہ کے ساتھ واپس کردیا۔ اور کہا کہ میں نے یہ قصیدہ خالص اللہ بوجہ وللرسول لکھا ہے، درہم و دینار کی خواہش سے میں نے نہیں لکھا اس لئے اس قسم کو واپس کرتا ہوں۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے اس رقم کو دوسری بار فرزدق کے پاس بھیجی، اور کہلا بھیجا کہ اہل بیت جو رقم ایک وقت بخشش کرتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے، اس لئے رقم کو ضرور قبول کرلو، فرزدق نے مجبوراً اس رقم کو قبول کیا۔ فرزدق کو سالانہ ایک ہزار درہم اموی خلیفہ ہشام کے والد عبدالملک کے طرف سے ملا کرتا تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد جب وہ قید کیا گیا۔ تو اس نے خلیفہ کی ہجو لکھنی شروع کردی۔ اور آخر شہر سے شہر بدر کرکے بصرہ بھجوا دیا گیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ کے طرف سے اس کو چالیس سال تک یعنی اس کے حیات کے زمانہ تک خلیفہ سے دو چند وظیفہ سالانہ بھجوایا جاتا تھا۔ فیاضی، دریا دلی اور سخاوت بنی فاطمہ کی یہ شان تھی، اور آج بھی آل رسول کی سخاوت اسی طرح جاری ہے۔ محبان اہلبیت اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور حاسدین آگ میں جلکر خاک ہوتے ہیں۔ فارسی زبان کے نامور شاعر عبدالرحمٰن جامی نے بھی مندرجہ بالا قصیدہ کو واقعات کے ساتھ فارسی میں منظوم کیا ہے۔ عربی قصیدہ تو بہت طویل ہے۔ یہاں

اس قصیدہ کے کچھ اشعار ذیل میں معہ ترجمہ درج کرتے ہیں۔ پڑھیئے اور لطف اُٹھایئے۔

قصیدہ در منقبت حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام)

۱ ھذا الذی تعرف البطحاء وطأتہ	والبیت یعرفہ والحل والحرم
۲ ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم	ھذا التقی النقی الطاھر العلم
۳ ھذا الذی احمد المختار والدہ	صلی علیہ الٰھی ما جری القلم
۴ ھذا ابن سیدۃ النسوان فاطمۃ	وابن الوصی الذی فی سیفہ نقم
۵ من جدہ دان فضل الانبیاء لہ	وفضل امتہ دانت لہ الامم
۶ ینمی الی ذروۃ العز الذی قصرت	عن نیلہ عرب الاسلام والعجم
۷ ینشق نور الھدیٰ من نور غرتہ	کالشمس ینجاب عن اشراقھا الظلم
۸ عم البریۃ بالاحسان فانقشعت	عنھا العمایۃ والاملاق والعدم
۹ ھذا ابن فاطمۃ ان کنت جاھلہ	بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا
۱۰ منشقۃ من رسول اللہ نبعتہ	طابت عناصرہ والخیم والشیم
۱۱ فلیس قولک من ھذا بضائرہ	العرب تعرف من انکرت والعجم
۱۲ من معشر حبھم دین وبغضھم	کفر وقربھم منجی ومعتصم
۱۳ مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم	فی کل بدء ومختوم بہ الکلم
۱۴ اللہ شرفہ قدما وعظمہ	جری بذالک لہ فی لوحہ القلم
۱۵ من یعرف اللہ یعرف اولیتہ ذا	والدین من بیت ھذا نالہ الامم
۱۶ ای الخلائق لیست فی رقابھم	لاولیۃ ھذا او لہ نعم

۱۔ یہ وہ ہیں جن کے قدموں کو مکہ کی پتھریلی زمین پہچانتی ہے اور خانۂ کعبہ اور حل و حرم بھی انکو جانتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے تمام بندوں میں جو افضل ترین ہیں یہ ان کے فرزند ہیں یہ پرہیزگار اور پاکیزہ اور مطہر اور مشہور ہیں

۳۔ نبی کریم صلعم انکے جد امجد ہیں۔ خدا کی رحمتیں ان پر ہمیشہ نازل ہوں۔ جب تک قلم کی روانی رہے

۴۔ دُنیا کی تمام بیبیوں کی سردار خاتون فاطمۃ الزہرا اور رسول کے فرزند ہیں جنکی تلوار دشمنوں کے لئے آفت ہے۔

۵۔ ان کے جدِّ امجد کے فضل و اکرام کو تمام انبیاء تسلیم کرتے ہیں اور ان کی امت کے بزرگی کے سامنے تمام امتیں سرنگوں ہوتی ہیں۔

۶۔ ان کی عزت و احترام کی وقعت ایک ایسی بلند چوٹی پر ہے کہ جہاں عرب و عجم کے مسلمان پہنچنے سے قاصر ہو گئے ہیں

۷۔ ان کی پیشانی کے نور سے ہدایت کا نور چمکتا ہے۔ آفتاب کی طرح ان کے نور سے تاریکی دور ہو جاتی ہے۔

۸۔ ان کے احسان عمیم نے خلقت کو گرویدہ بنا لیا۔ اور خلقت سے رنج و مصیبت اور فقر و افلاس دور ہو گیا۔

۹۔ یہ جناب فاطمۃ الزہرا کے صاحبزادے ہیں (ہشام کی طرف اشارہ کر کے) اگر تو ان سے ناواقف ہے تو معلوم کرلے کہ ان کے جدِّ امجد حضرت محمد مصطفیٰ صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔

۱۰۔ ان کے وجود کی کونپل رسولخدا صلعم کے شجرۂ وجود سے پھوٹی ہے ان کے عناصر جسمیہ اور عادات و خصائل تمام حمیدہ اور منزہ ہیں۔

۱۱۔ تیرا یہ کہنا کہ "یہ کون ہے؟" یہ اس کو ضرر رساں نہیں تو اگر ان کو نہیں پہچانتا (تو کچھ مضائقہ نہیں) تمام عرب و عجم ان کو پہچانتا ہے۔

۱۲۔ یہ امام ان ابرار میں سے ہیں جنکی محبت دین ہے۔ اور ان کا بغض کفر ہے ان کا قرب نجات دینے والا ہے۔ اور دینداروں کے لئے دستاویز ہے۔

۱۳۔ خدا کے ذکر کے بعد ہر کلام کے آغاز اور اختتام پر ان کا ذکر مقدم ہے۔

۱۴۔ خدا نے روز ازل سے ان کو شرف و بزرگی عطا کی ہے اور ان کی شرف و بزرگی قلم سے لوح محفوظ پر لکھی جا چکی ہے،

۱۵۔ جو شخص خدا کو مانتا ہے ان کو (بھی) پیشوا اور مقتدیٰ جانتا ہے۔ اور دین کو انہیں کے گھر سے امتوں نے حاصل کیا ہے

۱۶۔ وہ کون لوگ ہیں جو ان کی غلامی میں نہیں ان کے پیشوا اور مقتدیٰ ہونیکی وجہ سے۔

محمد بن حنفیہ

ضروریات کے مطابق محمد بن حنفیہ کے حالات بالاختصار پہلے بیان کر چکے۔ اب یہاں محمد بن حنفیہ کون تھے، اور حضرت امام زین العابدینؑ کے ساتھ آپکا کیا تعلق تھا؟ بیان کیا جاتا ہے۔

آپ کا نام محمد اور لقب ابوالقاسم تھا۔ آپ حضرت علیؓ کے فرزند تھے، حضرت امام زین العابدینؓ کے زمانہ میں حضرت علیؓ کی نسل مبارک سے آپ ہی ایک کبیر السن اور سعادتمند فرزند باقی تھے، آپ صاحب اخلاق، اور بے نظیر بہادر تھے، آپ خولہ بنت جعفر حنفیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور باوجود آپ حضرت علیؓ کے فرزند ارجمند تھے، مگر اپنے قبیلے کے نام سے تاریخ میں مشہور و معروف ہیں۔ جناب عائشہؓ کی قیادت میں جو جنگ جمل واقع ہوئی تھی، اس میں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ کی حمایت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور آپ ہی خود اس جنگ کے علمبردار بھی تھے۔ حضرت علیؓ کے نکاح کے بارے میں جو محمد بن حنفیہ کے والدہ کے ساتھ ہوا تھا مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں سپاہ سالار خالد بن ولید نے حنفیہ کے قبائل کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو مدینہ منورہ بھجوا دیا۔ انہی میں خولہ بھی تھیں اور وہ اس وقت عنفوان شباب میں تھیں اسواقعہ کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ "خولہ" نہایت بہادر و شجیع خاتون تھیں، اور حضرت علیؓ نے ان کو کشتی میں زیر کر کے بعد اپنے نکاح میں لائے۔

محمد بن حنفیہ کو جنگ کے وقت ہمیشہ حضرت علیؓ سرداری عنایت کرتے۔ اس لئے ایک بار لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ تمہارے والد ماجد ہر جنگ میں تمہیں ہی آگے کر دیتے ہیں اور اپنے دوسرے فرزند حسنؓ و حسینؓ کے ساتھ ایسا نہیں کرتے، اور انہیں اپنی حفاظت میں رکھتے ہیں؟ آخر اس کا کیا سبب ہے۔

محمد بن حنفیہ نے جواب دیا۔ کہ میں اپنے والد ماجد کے لئے "ہاتھ" کے مثل ہوں اور حضرت حسنؓ و حسینؓ حضرت نبی کریم صلعم کی دو نوں آنکھوں کے مثال ہیں اور آنکھوں کی حفاظت ہاتھوں سے ہی ہوا کرتی ہے (ابن خلکان اس کا راوی ہے)

اس روایت سے محمد بن حنفیہ کی محبت جو حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے ساتھ کس قدر تھی صاف ظاہر ہے۔ اکثر روایتوں میں ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ نے کوفیوں سے حضرت امام حسینؓ کے خون کا معاوضہ نہایت کافی طور سے لیا ہے۔

محمد بن حنفیہ اٹھتر سال کی عمر میں سنہ ۸۱ ہجری میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے اور مکہ معظمہ میں آپ دفن کئے گئے تھے۔ اس حساب سے آپ کی ولادت سنہ ۳ ہجری میں ہوئی۔



جنتہ البقیع ایک تاریخی قبرستان (مدینہ)

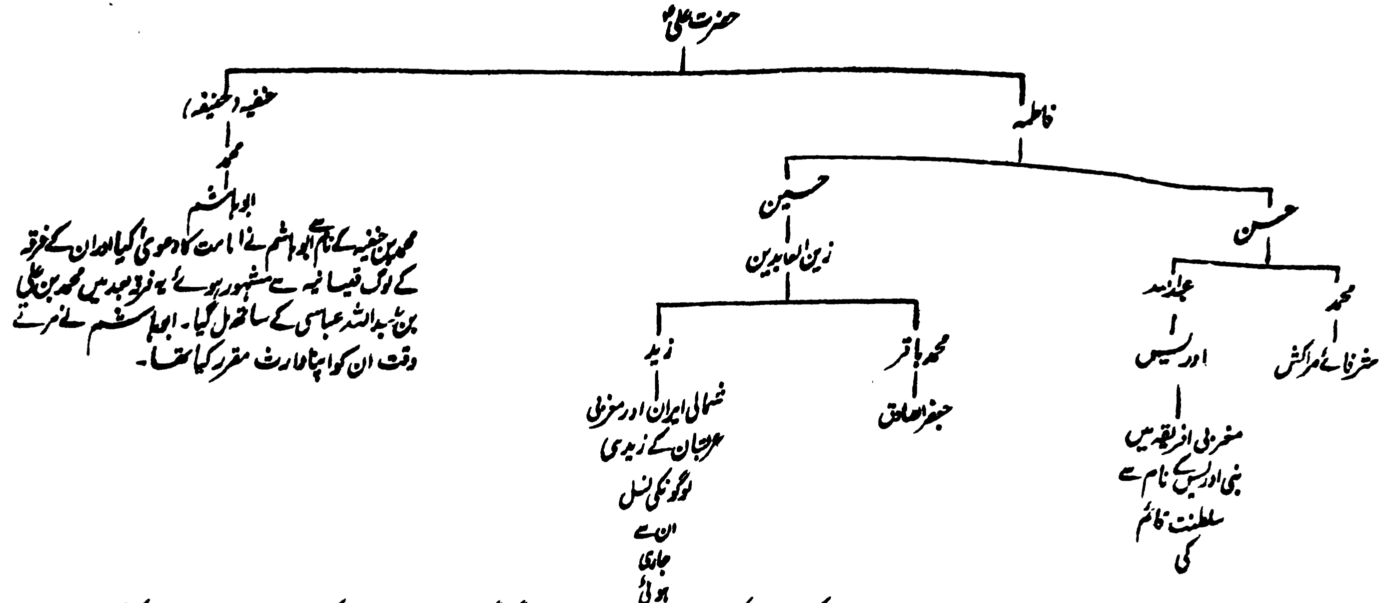
حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) کی اولاد

حضرت امام زین العابدینؑ کی شادی حضرت امام حسنؑ کی دختر نیک اختر جناب فاطمہؑ کے ساتھ ہوئی تھی، آپ کے سات لڑکیاں اور نو لڑکے یعنی سولہ اولادیں خدا تعالیٰ نے عنایت کیا تھا۔ جن میں سب سے بڑے فرزند امام محمد باقرؑ تھے، جن کو حضرت امامؑ نے اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر بار امامت سونپ دیا تھا۔ اور ان کے امام ہونے کا اعلان بھی لوگوں میں کر دیا تھا۔ آپ کے دوسرے فرزند زید عبدالبحر، عبداللہ، حسن اور حسن الاصغر، علی اکبر، علی اصغر، اور عمر تھے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

ولید حضرت امام زین العابدینؑ سے نہایت دشمنی رکھتا تھا۔ اور اس نے حضرت امامؑ کو زہر دیا۔ جس کے اثر سے آپ شہید ہوئے، حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنی وفات کے قبل رات کے آخری حصہ میں امام حضرت محمد باقرؑ کو وصیت کر کے ہجری سنہ ۹۴ میں اٹھاون ۵۸ سال کی عمر میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے، آپ کو آپ کے چچا حضرت حسنؑ کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر کا اگر حصہ کریں، تو تین ۲ سال آپ نے اپنے جد امجد حضرت علیؑ کے ساتھ دس ۱۰ سال حضرت حسنؑ کے ساتھ اور دس ۱۰ سال حضرت امام حسینؑ کے ساتھ گزارا۔ باقی عمر کے چونتیس ۳۴ سال آپ نے تخت امامت پر رونق افروز ہو کر گزارے۔

خاندان حضرت علی (علیہ السلام)



حضرت امام علی زین العابدینؑ اور ان کی اولاد کے سلسلۂ امامت کے بارہ میں اکثر اختلافات واقع ہوئے ہیں الگ الگ فرقہ اولاد علیؑ میں کس طرح وجود میں آئے اس کی تشریح وتفصیل کے لئے ہم نے خاندان علیؑ کا شجرہ ناظرین کے اطلاع کے لئے لکھ دیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام)

سن امامت از ۹۴ ہجری تا ۱۱۴ ہجری

حضرت امام محمد باقرؑ کی پیدائش ۳ صفر المظفر ۵۷ھ ہجری میں بروز منگل مدینہ منورہ میں ہوئی آپکی جد حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چار ۴ سال کی تھی۔ واقعۂ کربلا کے بعد چونتیس ۳۴ سال تک آپ اپنے والد ماجد حضرت زین العابدینؑ کی تربیت اور کفالت میں رہے۔ بر سر امامت جب آپ جلوہ افروز ہوئے۔ تو اس وقت آپ کی عمر سینتیس ۳۷ سال کی تھی،

آپ کی والدہ صاحبہ جناب فاطمہؑ حضرت امام حسنؑ بن علی بن ابی طالب کی دختر نیک اختر تھیں، آپکی کنیت امّ عبداللہ تھی، امام محمد باقرؑ والدین کی طرف سے علوی اور ہاشمی تھے، آپ کا اسم مبارک محمد کنیت ابو جعفر ہے۔ اور لقب آپ کا باقر ہے۔ شاکر اور ہادی کے ناموں سے بھی آپ کو یاد کیا جاتا ہے بنو امیہ کے خلیفہ ولید کے عہد ریاست کے آخر سال میں آپ بر سر امامت متمکن ہوئے۔

لفظ "باقر" کے معنی

"باقر" عربی لفظ ہے۔ جو لفظ "باقر الارض" کا مخفف ہے۔ اس کے معنی زمین اور پہاڑ کا بنانے والا یا "اسرار باطنی کا ظاہر کرنے والا" بھی ہے۔ لفظ باقر سے شہرت کا سبب یہ ہے کہ آپ علوم ربانی، علوم تصوف، نیز مذہبی امور کے عالم بے بدل اور فاضل اجل تھے، صوفیان کو آپ سے خاص نسبت اور محبت تھی علم تصوف میں آپ کے اکثر اقوال مشہور ہیں، "ام الکتاب" نامی کتاب آپ ہی نے تصنیف فرمائی ہے اس کے جو اہل ہیں وہی اس کتاب کو پڑھ سکتے ہیں۔ اور نا اہل اگر اسے مطالعہ کریں تو گمراہ ہو جاتے ہیں

آپ ایسے جلیل القدر عالم تھے، کہ "باقر العلوم" کے اسم گرامی سے طبقہ علما دین مشہور ہوئے۔ باقر العلوم کی حقیقت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ فقہا، محدثین، تابعین (جنہوں نے حضرت محمد صلعم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا) اور دیگر علماء کرام تمام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے تھے، مذہب کے مشکل مسائل تمام آپ کی خدمت میں لوگ پیش کرتے، اور آپ اس کو حل فرماتے، علم فقہ کے مشہور علماء عطا بن جراح۔ ابو حنیفہ۔ زہری۔ وغیرہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہو کر جاتے۔ آپکی ساری عمر بچپن سے لیکر ضعیفی تک خلفائے بنو امیہ کے زمانہ عروج میں گذری تھی۔ آپ کے والد ماجد امام زین العابدینؑ کی طرح آپ بھی دنیوی امور سے کنارہ کش ہو کر علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں اپنا سارا وقت صرف کرتے تھے۔

نبی کریم صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق جابر بن عبداللہ الانصاری اپنی ضعیفی میں آنکھ کی بصارت زائل ہو جانے کے بعد حضرت امام محمد باقر کی ملاقات سے مشرف ہو کر اپنی بیماریوں سے نجات حاصل کی۔ اور اپنی تمام زندگی کو حضرت امامؑ کی خدمت میں بسر کی۔

حضرت امام محمد باقرؑ سلطنتی، سیاسی امور میں بالکل کوئی حصہ نہ لیتے تھے، اور اس لئے آپ کی عمر میں ایسے واقعات بھی کبھی وقوع میں آئے۔ مگر باوجود اس کے بعض ملکی امور میں صلاح و مشورہ کیلئے آپ کو اموی خلیفہ کی طرف سے دعوت دی گئی ہے اور آپ بلائے گئے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانۂ خلافت میں ایک واقعہ پیش آگیا تھا۔ اور آپ بلائے گئے تھے، جسکو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

اسلام کی حکومت کی بنا جب سے ہوئی۔ اس وقت سے لیکر عبدالملک بن مروان کے سلطنت کے زمانہ تک، کسی طرح کا اسلامی سکہ رائج نہ تھا۔ شہر میں آپ کے لین دین میں رومی سکہ رائج تھا قیصر روم نے ایک وقت اس بارہ میں بنی امیہ کے خلیفہ عبدالملک کو لکھ بھیجا کہ اب سے جو سکے ڈھالے جائیں گے۔ اس میں ایسی تصاویر ہوں گی، جو بالکل اسلام کے آئین کے خلاف ہوں گی۔ قیصر روم نے یہ ارادہ محض اپنی حکومت کے اقتدار ظاہر کرنے کے لئے کیا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اسلامی ممالک میں بھی رومی سکے رائج ہیں۔ اور ان کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ عبدالملک نے اس بات پر غور کرنے

کے لئے مشہور رئیسوں کا ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور حضرت امام محمد باقرؑ کو بھی اس میں تشریف لانے کی خاص دعوت دی گئی۔ جلسہ میں بالاتفاق یہ طے پایا کہ رومی سکوں کو بالکل بند کر دینا چاہیئے۔ اور اسلامی سکہ رائج کرنا چاہیئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اسلامی سکہ کیسا ہونا چاہیئے۔ جس سے اسلامی عظمت کا اظہار ہو؟ اس سوال پر ہر شخص نے غور کیا۔ مگر کوئی حل نہیں نکلا۔ حضرت امامؑ نے جب دیکھا کہ سب لوگ عاجز آ گئے ہیں۔ اور جواب کوئی نہیں دیتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ سکہ کے ایک جانب لاالٰہ الا اللہ اور دوسری جانب محمد رسول اللہ کندہ ہونا چاہیئے۔ آپ کی اس رائے کو حاضرین نے نہایت پسند کیا۔ اور ہر شخص نے اس کی تائید کی۔ اسلامی سکہ پر یہی الفاظ کندہ کئے گئے۔ اور عالم اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے اسلامی سکہ کا رواج اس طرح شروع ہوا۔ عبدالملک کے عہد سلطنت کی خصوصیات میں سے ایک بات اسلامی سکوں کا رواج ہے جیسا ہی تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے۔

ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنی اُمیہ کے عہد سلطنت میں بھی ایک ایسا واقعہ ہوا۔ اور اس میں حضرت امام محمد باقرؑ کو سلطنت کی طرف سے دعوت دی گئی تھی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ شام اور عراق سے جو لوگ حجاز جاتے تھے۔ ان مسافروں کو راستہ میں پانی کی تکلیف بہت ہوتی تھی۔ اور اس کے سبب سے بہت سے مسافر راستہ میں ہلاک ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات لوگ ایسا بھی کرتے تھے، کہ جس منزل پر پانی ملتا۔ وہاں سے پانی کافی مقدار میں بھر لیتے۔ تاکہ اگلی منزل میں تکلیف نہ ہو لیکن مسافت طویل ہونے کے باعث پانی کی قلت ہو جاتی۔ اور لوگ راستے میں اکثر مر جاتے تھے۔ اس کی شکایت لوگوں میں اکثر رہا کرتی تھی، اور زمین سخت ہونے کے باعث کنوئیں کھودے جا سکتے تھے، آخر اس شکایت پر حکومت کی توجہ مبذول ہوئی۔ اور خلیفہ ہشام نے ایک بہت بڑا کنواں سلطنت کے خرچ پر کھودنے کا حکم دیا۔ کنواں کھودنے کا کام شروع ہوا۔ مزدور کام پر لگ گئے۔ اور پانی کی تہ تک کنواں کھودا بھی گیا مگر ایک دوسری آفت سامنے نمودار ہوئی۔ ایک دن کنوئیں کے تہ حصہ میں جو مزدور کام کر رہے تھے، وہ تمام کے تمام اوپر نہ آئے۔ ان کے دیکھنے کے لئے اوپر کے مزدور تہ حصہ میں گئے۔ اور وہ بھی نہ آئے۔ اس کے بعد مزدوروں کا تیسرا گروہ اندر داخل ہوا۔ مگر وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اس بات کی اطلاع دیکھنے والے مزدوروں نے خلیفۂ وقت کو دی۔ اس کی تحقیق کے لئے خلیفہ خود دمشق سے مکہ مکرمہ آیا

اور اس واقعہ پر غور کرنے کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جلسہ میں ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے، اور حضرت امام محمد باقرؑ بھی تشریف لے گئے تھے، بہت کچھ غور کیا گیا۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ حضرت امامؑ نے غور و فکر کے بعد فرمایا کہ اہل احقاف جن پر خدا کا قہر نازل ہوا تھا۔ ان کا یہ مسکن ہے۔ لہٰذا اس جگہ کنواں کھودنا موقوف کیا جائے۔ اور دوسرے مسرے پر جو جگہ ہے وہاں کنواں کھودا جائے۔ انشاء اللہ یہ تمام مشکلات دور ہو جائینگی، چنانچہ خلیفہ ہشام نے اس پر عمل کیا اور کنواں کھودا گیا۔ یہ کنواں عربستان میں حضرموت کے قریب واقع ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) دربار دمشق میں

ایک بار جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک مکہ مکرمہ میں آیا ہوا تھا۔ حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر الصادقؑ بھی مکہ مکرمہ میں موجود تھے، انہی ایام میں امام جعفر الصادقؑ نے ایک مجمع میں خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا کہ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے حضرت پیغمبر صلعم کو رسالت بخشی اور ان کی اولاد کو امت کا مقتدی بنایا۔ ہم روئے زمین پر اللہ کے خلیفہ اور امام ہیں جو لوگ ہماری پیروی کرتے ہیں سعید ہیں اور جو ہمارے مخالف ہیں شقی ہیں۔ اس وقت حضرت امام جعفر الصادقؑ کا زمانہ عنفوان شباب کا تھا۔ آپ کے اس خطبے کے سنتے ہی لوگوں کے دلوں پر نہایت اثر ہوا۔ خلیفہ ہشام کا بھائی بھی اس مجمع میں شریک تھا۔ اور اس نے بھی اس خطبہ کو سنا تھا۔ اس نے اپنے بھائی ہشام سے یہ ماجرا بیان کیا۔ ہشام نے اس وقت مصلحت اسی میں سمجھی کہ خاموش رہا۔ اسی لئے اس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ مگر اسکو اپنے دل میں رکھ لیا اس واقعہ کے بعد خلیفہ ہشام مکہ مکرمہ سے اپنے پایۂ تخت دمشق کو واپس گیا اور وہاں سے مدینہ منورہ کے حاکم کو لکھا کہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر الصادقؑ دونوں کو دمشق بھجوا دو، اس حکم کے مطابق دونوں حضرات خلیفہ کے پاس دمشق تشریف لے گئے۔ خلیفہ نے تین دن تک ان سے ملاقات نہ کی اور چوتھے دن حکم دیا کہ دربار میں آئیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی تیراندازی

آج کچھ دربار کا رنگ ڈھنگ ہی نرالا تھا۔ ہشام کے ارد گرد لشکریوں کی ایک بڑی تعداد وردی سمیت سامان جنگ سے مسلح ہو کر کھڑی تھی، درمیان میں خلیفہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور تیراندازی کے بھی ساز و سامان وسط میں رکھے ہوئے تھے۔ درباری امراء اور رؤساء شرط لگا لگا کر تیراندازی کر رہے تھے، ہشام نے حضرت امام محمد باقرؑ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ بھی ان کی طرح تیراندازی کیجئے۔ امامؑ نے جواب دیا کہ میں ضعیف العمر ہوں اور تیراندازی کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے اگر آپ مجھے معاف فرمائیں تو نہایت بہتر ہوگا۔

ہشام نے ترش روئی سے کہا کہ قسم بخدا میں آپ کو اس وقت بالکل معاف نہیں کر سکتا اور ایک اموی سردار کو تیز لہجہ میں کہا۔ کہ ایک تیر کمان حضرت امامؑ کو دو۔ حضرت امامؑ نے فوراً تیر کو لیکر کمان میں چڑھایا۔ اور نشان تختہ رکھا تھا اسکے بالکل وسط میں نشانہ لگا کر مارا۔ پھر دوسرا تیر پہلے تیر کے نشانہ پر یہاں تک کہ اسی طرح ایک کے بعد ایک تیر مارتے ہوئے اس کے پرزے پرزے کر دیئے۔ حضرت امام محمد باقرؑ میں اس طرح تیراندازی کی مہارت دیکھکر ہشام اپنے دل میں بیحد پشیمان ہوا۔ کیونکہ اسکا ارادہ تھا۔ کہ حضرت امامؑ کو اس بارہ میں حتی التقدور ملامت کرے۔ مگر وہ خود اب ملامت کے لائق ہو گیا تھا۔ اپنی جھینپ مٹانے کے لئے کہا کہ اے ابو جعفرؑ آپ نے نہایت عمدہ تیراندازی کی، اور فی زمانا عرب و عجم میں کوئی شخص تیراندازی میں ایسا کمال نہیں رکھتا آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ ضعیفی کے باعث مجھ میں تیراندازی کی طاقت نہیں اور بہت دیر تک اپنا سر جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حضرت امام محمد باقرؑ کو اپنے دست راست پر بٹھایا اور حضرت امام جعفر الصادقؑ کو دست چپ پر جگہ دی اور کہنے لگا کہ عرب اور عجم کے لئے موجب فخر ہے کہ قریش میں ایسے محترم بزرگ موجود ہیں۔ پھر حضرت امامؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ کہ آپ کو تیراندازی کا ہنر کس نے سکھایا ہے؟ مہربانی فرما کر اس سے مجھے مطلع کریں۔

حضرت امام باقرؑ نے فرمایا کہ "اہل مدینہ کے لئے یہ ہنر نہایت سہل ہے میں نے بچپن میں عرصہ تک

تیراندازی کرتا رہا ہوں، لیکن موقع آج جیسا نہیں ملا۔ یہ بالکل پہلا موقع ہے۔
ہشام نے کہا "میں نے آپ جیسا کامل تیرانداز کسی کو نہیں دیکھا۔ کیا آپ کے شاہزادے بھی اسی طرح تیراندازی میں کمال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "ہاں"

بار دیگر دمشق میں آمد

حضرت امام محمد باقرؑ کو دوبارہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے پایۂ تخت دمشق میں طلب کیا۔ حضرت امام باقرؑ اپنے شاہزادہ حضرت جعفر الصادقؑ کو اپنے ہمراہ لیتے گئے۔ حضرت امامؑ کی آمد کی خبر پاکر خلیفہ دروازہ تک استقبال کے لئے آیا۔ آپ کو ایک ممتاز اور اعلیٰ نشست پر بٹھاکر آپ کے قریب بیٹھ گیا اور امامت کے متعلق گفتگو چھیڑ دی۔ حضرت باقرؑ نے قرآن شریف سے "الیوم اکملت لکم دینکم" کی آیت پیش کرکے فرمایا۔ کہ "ظاہری محبت" اس طرح سے نبی صلعم نے حجۃ الوداع کے موقع پر تمام کردی۔ اور مذہبی موز سے آپ نے حضرت علیؑ کو واقف کیا۔ جو بعد میں اہل بیت کو وراثت میں ملتے رہے، اور حضرت علیؑ کو غدیر خم کے میدان میں امام کے طور پر ظاہر کیا گیا۔ ہشام نے کئی احادیث کے متعلق اپنے شکوک ظاہر کئے۔ جن کو حضرت امامؑ نے دور کردیا۔ ان احادیث کی صداقت سُنکر ہشام ہکا بکا ہو گیا۔ اور حضرت امامؑ کو امامت کے دعویٰ کرنے سے بالکل نہ روک سکا۔ بلکہ اس بارہ میں خاموشی اختیار کی، حضرت امامؑ وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لیگئے۔

ایک پادری کے ساتھ گفتگو

راستہ سے گذرنے کے لئے شاہی محل کے نیچے ایک ہجوم نظر آیا۔ آپ نے ان میں سے ایک شخص سے سوال کیا کہ یہ اجتماع کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں بہت سے راہب جمع ہیں انکا ایک بڑا پادری سال میں ایک وقت جب یہاں آتا ہے تو یہ لوگ اس سے مذہبی سوالات کرتے ہیں اور پادری ان کا جواب دیتا ہے۔ آج وہی سالانہ یوم ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ دونوں اس مجمع میں داخل ہوئے۔ اور دیکھا کہ ایک بڑے تخت پر ایک ضعیف مرد بزرگ

عمامہ باندھے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ جونہی پادری کی نظر آپ پر پڑی اور آپ کے نورانی چہرے کو دیکھا اس نے فوراً سوال کیا کہ کیا تم ہماری جماعت میں سے ہو؟

حضرت امامؑ نے فرمایا۔ میں اُمت محمدی میں سے ہوں۔ اور بھی بہت سے سوال وجواب باہم ہوئے۔ بعد ازاں حضرت امامؑ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ مسیح کا دین حق ہے مگر وہ دین قدیم ہے۔ تازہ دنیا، دین نہیں۔ اور حضرت نبی محمد مصطفیٰ صلعم جو دین برحق لائے ہیں وہ بالکل تازہ ہے جس طرح تازہ خوراک انسان کی صحت و تندرستی کی محافظ ہے اسی طرح تازہ دین بھی روح کو طاقت بخشتا ہے الغرض اس کے متعلق اور بھی گفتگو ہوئی۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت امامؑ کے دست مبارک پر بیعت کر لی

حضرت امام محمد باقرؑ کے مذہبی علوم کے تبحر کی اسلامی دُنیا میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ غیر مذہب کے علما بھی کثرت سے آپ کے ساتھ مباحثہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اور اسلام کی صداقت کے قائل ہو کر اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔

اس طرح آپ کے علم و فضل کا ڈنکا دور دراز ملکوں میں بجنے لگا۔ اور آپ کی شہرت دن دوگنی رات چوگنی بڑھنے لگی۔ ہشام بن عبدالملک کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر اس طرح امامؑ کی شوکت و عظمت بڑھتی گئی۔ تو میری سلطنت پر کسی دن یہ ضرور قابض ہو جائیں گے۔ اس نے حضرت محمد باقرؑ کو پیغام بھیجا کہ آپ کے علم و فضل کے پیش نظر میرا فرض ہے کہ میں آپ کی قدر شناسی کروں اور ایک خلعت بے بہا آپ کی خدمت اقدس میں پیش کروں۔ اس لئے آپ دارالسلطنت کی طرف بعجلت تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اور خلعت پیش کی۔ اور انتہائی حرمت و عزت کے ساتھ آپ کو وہاں سے واپس کیا۔ مگر دل بغض و عناد سے بھرا ہوا تھا۔

اہل مداین کی بدسلوکی اور اس کا انجام

ہشام کے دربار سے رخصت ہو کر حضرت امام باقرؑ اور حضرت امام جعفر الصادقؑ جب مدینہ منورہ واپس جا رہے تھے اس وقت ہشام نے باطنی بغض و عناد کی وجہ سے یہ حکم جاری کر دیا کہ راستہ میں ان کی کوئی ضیافت نہ کرے اور نہ کوئی ان کے ہاتھ مال فروخت کرے کیونکہ یہ دونوں ابوتراب کے نسل کے جادوگر ہیں"

ہشام کے حکم کے مطابق حضرت امام باقرؑ اور حضرت امام جعفر الصادقؑ کے ساتھ اہل مدین نے انتہائی بدسلوکی کی، اور کسی طرح کا تعلق انہوں نے ان کے ساتھ نہ رکھا۔ یہ دیکھ کر حضرت امام محمد باقرؑ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور حضرت شعیبؑ سے بدسلوکی کے وقت جو مندرجہ ذیل آیہ کریمہ نازل ہوئی تھی۔ وہ باآواز بلند پڑھنی شروع کی۔ "بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین" "خدا جو بقیہ چھوڑتا ہے۔ وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اگر تم ایمان والے ہو۔"

آپ کی اس آواز نے اہل شہر کے دلوں میں ہیبت طاری کر دی اور تمام لوگ اپنی کھڑکیوں اور چھت پر چڑھ کر حضرت امام محمد باقرؑ کو دیکھنے لگے۔ ایک نہایت ضعیف العمر شخص نے سب لوگوں سے چلا کر کہا۔ دیکھو وہ فلاں شخص پہاڑ پر اس جگہ کھڑا ہے جہاں پہلے حضرت شعیبؑ کھڑے تھے، اور انہوں نے بھی اہل شہر کو ایسی ہی اطلاع دی تھی۔ جس کے بعد اہل مدین پر قہر خدا نازل ہوا تھا۔ اس لئے اگر ہم ان کی مہمان نوازی نہ کریں گے تو مبادی ہماری بھی وہی حالت ہو جو پہلے ہمارے آباؤ اجداد کی ہوئی۔ ضعیف العمر کی یہ بات سنکر تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ اور سبھوں نے اپنے دروازے کھول دیئے۔ اس کے بعد دونوں امام پہاڑ سے اتر کر نیچے آئے۔ اور وہاں سے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے حضرت شعیبؑ کا یہ قصہ قرآن شریف سورۂ ھود میں بیان کیا گیا ہے۔

زید بن علی کے بارہ میں پیشنگوئی

زمانہ گزشتہ کی طرح حضرت امام محمد باقرؑ کے زمانہ میں بھی خلفشار واقع ہوا۔ حضرت امام محمد باقرؑ کے بھائی زید نے امامت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنی تائید میں یہ دلیل پیش کی کہ ہمارا وہی شخص امام ہو سکتا ہے جو اپنی تلوار کا استعمال جاری رکھے اور اپنے اُمت کے حقوق کی حفاظت کر کے ان کی شکایتوں کو دور کرے۔ امام کبھی قاعد نہیں ہو سکتا۔ یعنی گھر میں بیٹھنے والا شخص امام ہو نہیں سکتا۔ اور نہ ظالم اسے ڈرا سکتے زید کی اس زوردار دلیل سے بہت سے لوگ جال میں پھنس گئے۔ اور کوفہ آکر اموی سلطنت کو جلد از جلد ختم کر دینے کے لئے اسے خطوط لکھے۔ کوفیوں کے دعوت پر اس نے جنگ کی پوری تیاری شروع کر دی۔ حضرت امام باقرؑ جب زید کے ارادہ سے مطلع ہوئے۔ تو آپ نے زید کو اخیال

سے باز رہنے کے لئے بہت سمجھایا۔ اور فرمایا کہ اے زید اللہ سے ڈرو۔ اپنے آپ کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچاؤ۔ ورنہ تم کو سولی دی جائے گی۔ تمہاری جان مفت ضائع ہو گی، مگر زید نے اس نصیحت کی بالکل پرواہ نہ کی۔ اور سامان جنگ فراہم کرنے کے لئے کوفہ چلا گیا۔ جہاں ہشام بن عبدالملک کی طرف سے امیر یوسف بن عمر ثقفی نے اس کے ساتھ جنگ کی۔ اس جنگ میں زید کے تمام ساتھی بھاگ گئے اور وہ اکیلا چند آدمیوں کے ساتھ رہ گیا۔ اسی اثنا میں شام ہو گئی۔ زید چونکہ زخموں سے چور چور ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے خیمہ کی طرف جا رہا تھا۔ مگر کسی نے ایک تیر اس کی پیشانی پر مارا۔ اور وہ تیر نکالنے میں فوت ہو گیا۔

یوسف بن عمر ثقفی نے زید کا سر کاٹ کر ہشام بن عبدالملک کی خدمت میں لایا۔ اور مخالفین نے حضرت امام باقرؑ کی پیشینگوئی کے مطابق اس کی لاش جلا کر راکھ اڑا دی۔ اس واقعہ کے بعد بہت سے زیدی حضرت امام محمد باقرؑ کی بیعت میں داخل ہو گئے۔

ابو ہاشم کا غلط دعوے

حضرت امام باقرؑ کے زمانہ میں ایک مرتبہ محمد بن حنفیہ کا فرزند ابو ہاشم حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے والد حضرت امام زین العابدینؑ کی شان میں مکروہ الفاظ استعمال کئے۔ اور کہا کہ مسئلہ امامت کے مستحق ہم ہیں۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے جواب دیا کہ تم کچھ بھی کہو۔ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں، مگر اتنی بات ضرور کہیں گے کہ ہم جناب فاطمۃ الزہرا کی اولاد ہیں۔ حضرت علیؑ ہمارے جد امجد ہیں نبی اکرم صلعم ہمارے نانا ہیں۔ اور جناب فاطمہؑ کے وسیلہ سے اہلبیت کو وہ شرف حاصل ہے جو دوسرے کو نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت امامؑ کے اطراف جو لوگ بیٹھے تھے۔ وہ سب ابو ہاشم پر لوٹ پڑے مگر حضرت امام محمد باقرؑ نے اس کو بچا لیا۔ اور اس کے بعد اس نے حضرت امامؑ کے خلاف ایک لفظ نہ کہا ابو ہاشم کی یہ چالبازی ممکن ہے اپنے امامت کے جھوٹے دعوے کے سبب سے بھی ہو۔ لیکن آخر کار اس کا انجام کیا ہوا۔ اس کے مختصر حالات ذیل میں درج ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن حنفیہ کے فرزند ابو ہاشم نے امامت کا دعویٰ کیا۔ اور لوگوں سے کہا

کہ میرے والد محمد بن حنفیہ امام تھے، اور ان کے بعد میں امام ہوں۔ اس ترکیب سے بہت سے لوگ اسے امام ماننے لگے۔ اس کا فرقہ قیسانیہ کے نام سے مشہور ہے اور ایک شیعی فرقہ کہا جاتا ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ اور ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں ابو ہاشم نے اپنے فرقہ کے استحکام کی کوشش شروع کی اس کی خبر جب ہشام کو شام میں پہنچی تو اس نے ابو ہاشم کو شام میں بلا بھیجا اور یہ حکم صادر کیا کہ راستہ میں سے دودھ میں زہر ملا کر پلا دیا جائے۔ ابھی اس نے آدھا ہی راستہ طے کیا تھا کہ خلیفہ ہشام کے حکم کے مطابق زہر دیا گیا۔ ابو ہاشم تاڑ گیا۔ اور دمشق کا راستہ چھوڑ کر عباسیوں کے بڑے شہر حمیمہ کے طرف چل دیا۔ عباسی بھی اپنی خلافت قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے ان کا سردار محمد بن علی تھا۔ ابو ہاشم کو جب اُس نے آئے ہوئے دیکھا۔ تو انتہائی تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ ابو ہاشم کے یہاں آنے کا یہ سبب تھا کہ وہ سمجھ رہا تھا۔ کہ اپنا دعویٰ عباسیوں کو سونپ دوں، چنانچہ اس نے اپنے ارادہ کے مطابق اپنا دعویٰ محمد بن علی عباسی کو سونپ دیا۔ اور انتقال کر گیا لیکن محمد بن علی بھی موسیٰ خلافت حاصل کرنے سے پیشتر فوت ہو گیا۔ اور اس کا فرزند ابراہیم بن محمد بن علی اس کا جانشین ہوا۔ وہ بھی ناکام ہو گیا۔ تو عباسیوں کی سرداری ابو صفا کے ہاتھ میں آئی۔ اور یہ عباسیوں کا پہلا خلیفہ ہوا۔

امامت کے متعلق محمد بن حنفیہ کی رائے

کہا جاتا ہے کہ محمد بن حنفیہ نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدینؑ کے وقت میں حضرت علیؑ کی اولاد میں وہ سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ اور سب لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کی ایسی عظمت کا عقیدہ رکھنے والے قیسانیہ کہلائے۔ اور یہاں سے اس فرقہ کی ابتداء ہوئی۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے کبھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس صاف صاف کہتے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کے بعد حضرت زین العابدینؑ کو میں امام مانتا ہوں۔ اور اسی لئے بہت سے قیسانیوں نے بھی اپنا اعتقاد بدل کر حضرت امام زین العابدینؑ کی امامت قبول کر لی تھی۔ لیکن باوجود اس کے ان کے فرزند ابو ہاشم نے امامت کا دعویٰ کر کے قیسانیہ فرقہ کی تبلیغ پر کمر باندھی۔ اور جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ خلیفہ ہشام کے حکم سے ابو ہاشم کو زہر دیا گیا۔ مرتے

وقت اُس نے اپنے فرقہ کو عباسیوں کے ساتھ منضم کر دیا۔ اور اسطرح فرقہ قیسانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

امامت کا دوسرا دعویدار

حضرت امام باقرؑ کے زمانہ میں امامت کے متعدد دعویدار پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک دعویدار عبداللہ بن علی بن عبداللہ ابن الحسین بھی تھا۔ اس کے دعوی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حق کے امام کو ان کا حق سونپنے کے لئے خراسان سے بہتر مومنوں کا ایک وفد لیکر مدینہ حاضر ہوا تھا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کثرت سے جواہرات اور بیت المال کی رقم لے کر آئے تھے۔ اور ارادہ تھا کہ حق کے امام کو تلاش کر کے یہ سب مال ان کو تفویض کیا جائے۔ چنانچہ اسی ارادہ سے وہ عبداللہ بن علی سے ملنے کے لئے گئے۔ اس نے اپنی امامت کے ثبوت میں حضرت نبی صلعم کا بکتر، انگشتری، عصا اور عمامہ وفد نے دکھایا۔ اس کا کچھ جواب نہ دیا اور کل کا وعدہ کر کے وہاں سے رخصت ہو رہا تھا۔ کہ امام محمد باقرؑ کا ایک غلام وہاں سے جا رہا تھا اس نے وفد کے ہر ایک رکن کو نام بنام حضرت امامؑ کے مکان پر حاضر ہونیکی دعوت دی، اور وہ لوگ حضرت امام باقرؑ کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ آپ نے امام جعفر الصادقؑ سے انگوٹھی لانے کے لئے کہا اور اس کی برکت سے عبداللہ نے جو تمام اشیاء دکھائی تھیں وہ سب یہاں حاضر ہو گئیں دیکھکر وفد کی تشفی ہو گئی۔ اور وہ سب مال تفویض کر کے چلدیئے۔

زید بن حسن کا عناد

یہاں ایک دوسرے زید کا حال بیان کیا جاتا ہے جو حضرت امامؑ کی وفات کا باعث ہوا۔ اور دشمنوں کا آلہ کار بنا ہوا تھا۔ پہلا زید حضرت امام زین العابدینؑ کا فرزند اور امام باقرؑ کا بھائی تھا۔ مگر یہ دوسرا زید حضرت حسن بن حضرت علی بن ابی طالب کا فرزند تھا۔ اور حضرت امامؑ کا چچا ہوتا تھا۔ بنی اُمیہ کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اپنے عہد خلافت میں زید بن حسن سے جو عمر کے لحاظ سے بزرگ تھا۔ اور بنو فاطمہ میں سب سے معتمر شمار کیا جاتا تھا۔ فاطمی مملکت کی فہرست طلب کی، جس کے جواب میں اس نے کہلایا کہ حضرت علیؑ سے یہ مملکتیں نسل بہ نسل امامت کے ساتھ ہی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اس لئے اسکی فہرست

حضرت امام باقرؑ دے سکیں گے۔ اور بعد میں حضرت امامؑ کی طرف سے بھجوا دی گئی۔ اس واقعہ کے بعد سے زید بن حسن بن علی امام باقرؑ کا دشمن بن گیا۔ اور خلیفہ ہشام کے وقت میں یہ دشمنی خوب زور پکڑ گئی اسی عداوت کا نتیجہ تھا کہ اس نے حضرت امام باقرؑ کے خلاف خلیفہ سے ساز باز شروع کر دیا۔ ہشام تو یہی چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ امامؑ کے اقتدار کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور امام کا وجود اس کے لئے باعث تکلیف تھا۔ اس لئے اس نے زید بن حسن کو اپنا آلۂ کار بنا لیا۔ اور باوجودیکہ زید بن حسن امامت اور اس کے حقوق سے اچھی طرح واقف تھا۔ مگر دنیوی لالچ نے اس کو اس جال میں پھنسا دیا۔

آخری ترکیب

آخر ہشام نے زید کے ساتھ ایک خط اور ایک زہر آلود گھوڑے کی زین حضرت امامؑ کی خدمت میں روانہ کی، خط میں لکھا تھا کہ "زید کو مذہبی تعلیم دیجئے، اور اپنے ہی پاس رکھئے گھوڑے کی زین میں آپکو ہدیتاً بھیجتا ہوں اسے قبول فرمائیے۔

زید بن حسن اس خط اور زین کو لیکر حضرت امام باقرؑ کے پاس مدینہ منورہ آیا۔ حضرت امامؑ نے خط پڑھا اور زین کا ہدیہ قبول فرماتے ہوئے کہا کہ تم جس کام کے لئے آئے ہو وہ کتنا خراب اور نفرت انگیز ہے تم خوب سمجھتے ہو۔ تم یہ بھی خیال کرتے ہو کہ جس کام کے لئے تم آئے ہو، اس کی مجھے خبر نہیں، اور جس درخت کی یہ زین بنا کر میرے لئے بھیجی گئی ہے اور اس میں کیا ہے۔ وہ سب میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) کی وفات

بعد ازاں گھوڑے پر زین کسنے کے لئے حضرت امامؑ نے حکم فرمایا۔ اور اس پر آپ سوار ہوئے گھوڑے سے اُترتے ہی آپ کی طبیعت میں یک دم ضعف آگیا۔ تین دن تک بیمار رہے چوتھے دن آپ نے اپنے فرزند امام جعفر صادقؑ پر امامت کی نص فرمائی اور ہجری ۱۱۴ھ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو آپ نے اس دنیا سے رحلت فرمایا۔ اور جنت البقیع نامی قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی اولاد

حضرت امام محمد باقرؑ کی اولاد میں سب سے بڑے امام جعفر صادقؑ اور دوسرے علی تیسرے عبداللہ اور چوتھے ابراہیم تھے۔ عبداللہ اصغر بھی آپ کے ایک فرزند تھے۔ ام سلمہ اور زینب آپکی دو صاحبزادیاں تھیں حضرت امام محمد باقرؑ کی وفات کے بعد حضرت امام جعفر صادقؑ مسند امامت پر بلند تقا فروز ہوئے۔

خلفائے بنو امیہ جو حضرت امام (علیہ السلام) کے معصر تھے

حضرت امام باقرؑ کے زمانہ میں مروانی سلطنت پر حسب ذیل خلفا نے سلطنت کی ہے۔

ولید بن عبدالملک، جو دمشق میں ۹۶ھ ہجری میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی سلیمان تخت نشین ہوا۔ اور دسویں صفر المظفر ۹۷ھ ہجری میں وفات پا گیا اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوا۔ جو نہایت رحمدل اور عادل تھا۔ امیر معاویہ کے زمانہ سے حضرت علیؑ پر جو تبرا کی رسم جاری تھی اس کو اس نے بالکل بند کر دیا اور حضرت امام باقرؑ کو باغ فدک واپس لوا دیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں جناب فاطمۃ الزہراؑ کے وہ اکیلے وارث تھے ۲۵ رجب ۱۰۱ھ ہجری میں عمر بن عبدالعزیز گذر گیا۔ اس کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اور اس نے آتے ہی اپنے اموی آباؤ اجداد کی طرح ظلم و ستم شروع کر دیا۔ اس کی زندگی نہایت خراب تھی، مرتے دم تک ظلم و ستم کرتا رہا

۲۴ شعبان المکرم ۱۰۵ھ ہجری میں بلقعہ نامی موضع میں وہ انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ جس کا ذکر جا بجا اوپر آچکا ہے۔

حضرت امام جعفر الصادق (علیہ السلام)

سن امامت ۱۱۴ھ ہجری تا ۱۴۸ھ ہجری

حضرت امام جعفر الصادقؑ کی پیدائش سترہویں ربیع الاول ۸۳ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں عبدالملک بن مروان خلیفہ بنو امیہ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ آپ کا اسم مبارک جعفر آپکی کنیت ابو عبداللہ اور ابو اسمٰعیل اور لقب مبارک 'صادق' ہے عربی زبان میں صادق کے معنی سچا۔ راستگو اور حق کے ہوتے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام 'ام فروہ' تھا۔ اور فاطمہ کے اسم مبارک سے بھی آپ پکاری جاتی تھیں آپ حضرت ابوبکر کے پوتے قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقرؑ کے وفات کا وقت جب نزدیک پہونچا۔ تو آپ نے لوگوں کے سامنے تاج امامت حضرت جعفر صادقؑ کے فرق اقدس پر رکھا اور ان کی امامت پر نص فرمادی۔

حلیہ مبارک

حضرت امام جعفر صادقؑ کے حلیہ کی تفصیل تاریخوں میں بہت ہی کم ملتی ہے۔ بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا چہرہ نہایت خوبصورت اور رنگ نہایت گورا تھا۔ ناک قدرے کج اور بال بالکل سیاہ تھے، آپ کا لباس نہایت سادہ تھا۔ اور سادگی آپ کو بیحد پسند تھی، مذہبی اور اسلامی علوم و فنون میں آپ علامۂ زمان اور یکتائے روزگار تھے۔ فلسفہ کے آپ زبردست ماہر تھے۔ زہد و پرہیزگاری میں لاثانی تھے، عرصۂ دراز تک مدینہ منورہ میں آپ کا قیام رہا۔ اور مسلمانوں کے مختلف اور متعدد قبیلے آپ سے فیضیاب ہوئے۔ نیز علم باطنی اور ظاہری کی دولت سے آپ کے پیرو مالا مال ہو گئے۔

مذہبی تعلیم کی اشاعت

حضرت امام جعفر صادق ؑ نے مدینہ منورہ میں ایک درس گاہ ایک خوبصورت باغ میں جاری کی تھی اور مختلف مذاہب کے پیرووں کو تعلیم دیتے تھے، اس دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلبا اکثر فقیہ زمان اور علام دوران ہوئے تھے، اسلامی دنیا کے مشہور متبحر علماء سفیان ثوری، ابن عیینہ، شعبہ، یحییٰ القطان، ابوایوب السجستانی اور دوسرے بہت سے علماء زمانہ اسی درس گاہ کے تعلیم یافتہ تھے، اہل سنت کے دو مذہبی پیشوا حضرت مالک بن انس اور حضرت نعمان بن ثابت ابوحنیفہ بھی اسی گاہ سے فیض یاب ہوئے تھے،

حضرت امام باقر ؑ اور حضرت جعفر صادق ؑ کے ساتھ حضرت ابوحنیفہ کا بہت گہرا تعلق تھا۔ سیرۃ النعمان میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ شیعہ اور سنی دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مالکی اور حنفی نام کے دو مشہور اسلامی سنی فرقہ کے پیشوا اور مقتدی حضرت امام محمد باقر ؑ اور حضرت امام جعفر صادق ؑ سے تحصیل علم کی تھی۔ علامہ تیمیہ نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابوحنیفہ حنفی مذہب کے پیشوا امام جعفر صادق ؑ کے معاصر تھے، اس لئے امام جعفر صادق ؑ سے تحصیل علم کی روایت قرین قیاس نہیں، مگر یہ صرف تجاہل عارفانہ ہے، حضرت ابوحنیفہ بلا شبہ فرید دہر اور وحید عصر تھے۔ مگر بہر دلیت انہوں نے خاندان نبوت کے چراغ حضرت امام جعفر صادق ؑ کی شاگردی میں وہ کرہی حاصل کی تھی۔ اور یہ بعید از صداقت نہیں ہے۔ (سیرۃ النعمان مصنفہ شبلی)

حضرت امام (علیہ السلام) کے مورث اعلیٰ

ملک عرب کے تین مشہور قبائل بنی ہاشم، بنی عباس، اور بنی اُمیہ کے مورث اعلیٰ حضرت عبدمناف ہیں، عبدمناف کے ایک فرزند عبدالشمس سے بنی اُمیہ کا خاندان اور دوسرے فرزند عبدالمطلب سے بنی ہاشم اور بنی عباس کے قبائل جاری ہوئے اس سبب سے بنی امیہ کی بہ نسبت بنی ہاشم اور بنی عباس میں زیادہ قربت تھی، عباس کے فرزند عبداللہ تھے، جو روئے زمین پر ابن عباس کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرت علی ؑ کے زبردست

محسب اور شیدائی تھے۔ مگر نیرنگئی زمانہ سے ان کی اولاد ان کے برعکس صرف سلطنت کے طمع سے ہاشمی قبیلہ کے بنو فاطمہ اماموں سے مخالف ہوکر ہزاروں طرح کی تکالیف و مصائب پہنچائیں اور کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اس بیان کی ضرورت یہاں اس لئے لاحق ہوئی۔ کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ سے اسلامی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ یہیں سے خلفائے بنو امیہ کی سلطنت کا چراغ گل ہوتا ہے اور خلفائے بنو عباس کی سلطنت کی داغ بیل ڈالی جاتی ہے۔ حالانکہ بنو عباس نے بنو فاطمہ کے اماموں کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھاکر سلطنت قائم کی تھی۔

خلفائے بنو امیہ کی سلطنت

حضرت امام جعفر صادقؑ اموی بادشاہ عبدالملک کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور اس کے آخر وقت تک بلوغت کی حد تک پہونچ چکے تھے، ولید کے عہد سلطنت میں آپ پورے جوان تھے، سلیمان اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد سلطنت میں آپ کا عنفوان شباب تھا۔ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اپنے آباؤ اجداد کے برعکس نہایت عادل اور رحمدل تھا۔ اس نے باغ فدک جو حضرت رسول اکرم صلعم نے فاطمۃ الزہرا کو بخشا تھا۔ حضرت جعفر صادق کو واپس کردیا جس سے سارے بنی امیہ خلیفہ سے برہم ہوگئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کو زہر دیدیا۔ عمر بن عبدالعزیز کی سلطنت صرف دو سال پانچ مہینہ رہی، اس کے بعد یزید بن ولید تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس نے عمر بن عبدالعزیز کی پالیسی چھوڑکر گزشتہ خلفائے جیسا طرز عمل اختیار کیا۔ اس کے بعد اس کا فرزند ہشام چالیس سال کی عمر میں ۱۰۵ھ ہجری میں سلطنت کا مالک ہوا۔ ہشام نے حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کو شام میں بلایا تھا۔ اسوقت حضرت امام صادقؑ ولیعہد تھے۔

خلیفہ ہشام کے بعد ولید بن یزید ۱۲۵ھ ہجری میں خلافت کا مالک ہوا۔ اس نے صرف ایک سال تین مہینہ حکمرانی کی، اور ۱۲۶ھ ہجری میں وفات پاگیا۔ اس کے بعد یزید بن ولید تخت نشین ہوا۔ مروان الحمار خلفائے بنو امیہ کا آخری بادشاہ تھا۔ جو ۱۲۷ھ ہجری میں تخت نشین ہوا،

اور پانچ سال تک سلطنت کی مگر پانچ سال میں ایک دن بھی اس کو راحت وچین میسر نہ ہوا۔ ہر طرف بغاوت ہوا کرتی تھی بنی عباس بھی اپنی خلافت قائم کرنے کی جد و جہد کر رہے تھے۔ آخر بنی عباس کے ہاتھوں بنو امیہ کا خاتمہ ہوا۔ اور عباسی سلطنت قائم ہو گئی

عباسیوں کی سلطنت کی ابتداء

بنی امیہ کی طرح بنو عباس کے ساتھ فاطمیوں کا تعلق معلوم کرنے کا اور اسلامی سلطنت کے سیاسی امور کو سمجھنے کے لئے بنو عباس کی ابتداء بیان کی جاتی ہے۔

حضرت علیؑ کی وفات کے بعد بنو عباس قبیلہ کے مورث اعلیٰ عباس کے فرزند عبداللہ بن عباس (ابن عباس) مدینہ منورہ ترک کر کے طائف میں آباد ہو گئے تھے، اور وہاں کھیتی باڑی سے اپنی معاش حاصل کرتے تھے ان کے فرزند علی بن عبداللہ عباس کی زندگی بھی بنو ہاشم یعنی فاطمیوں کی طرح نہایت امن وامان اور چین سے گذر رہی تھی۔

سلطنت حاصل کرنے کیلئے سازش

عباسی خلفاء میں پہلا شخص علی کا فرزند محمد تھا جس کے دل میں سلطنت حاصل کرنے کا خیال ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور اس نے مدینہ منورہ کے قریب ابوا مقام میں بنو عباس اور بنو ہاشم کے رئیسوں کی ایک بڑی مجلس منعقد کی۔ جس میں عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب، ان کے دو فرزند ابراہیم و محمد اور محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ان کے بھائی ابو جعفر منصور دوانقی اور ان کے چچا صالح بن علی وغیرہ شریک ہوئے۔ یہ زمانہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا تھا۔ صالح بن علی نے اس مجلس میں تقریر کی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم میں سے ایک ایسا شخص منتخب ہونا چاہیے جس کی سب بیعت کریں۔ اور پوری طرح اس کی پیروی کریں۔ جس کو حاضرین مجلس نے بالاتفاق پسند کیا۔ اور عبداللہ بن الحسن نے ایک پُر جوش تقریر کر کے اپنے فرزند محمد کا نام انتخاب کے لئے پیش کیا۔ اور کہا کہ میرا فرزند محمد نفس زکیہ ہے اور اپنی امت کا مہدی ہے

اور وہ امامت کے لائق ہے بعد ازاں اس نے اٹھکر اپنے فرزند محمد کے ہاتھ پر بیعت لی اس کے بعد پھر ابو جعفر منصور (بنو عباس کا دوسرا بادشاہ جس نے بعد میں محمد نفس زکیہ کو قتل کر دیا) اٹھا نہایت موثر تقریر کی جس میں اس نے کہا کہ "اسلامی دنیا ضرور اس جوان کو پسند کرے گی۔ اور مجھے پورا اطمینان ہے"۔ ابو جعفر کی تقریر سنکر لوگوں میں ایسا اثر پیدا ہوا کہ حاضرین مجلس نے محمد کو بیعت کے لئے ہاتھ دیکر یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔

محمد بن عبد اللہ مہدی

محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ نے مدینہ منورہ۔ مکہ معظمہ اور بصرہ میں کئی سال تک مہدی کے طور پر سلطنت کی۔ بہت سے اور لوگ اس فرقہ میں شامل ہو گئے۔

محمد بن عبد اللہ کی تائید ابوا کی مجلس میں عباسیوں نے ظاہر طور سے کی تھی، مگر باطن میں اس کے برخلاف تھے اور چاہتے تھے کہ سلطنت ان کے خاندان میں رہے۔ کئی سال تک محمد بن عبد اللہ نے مہدی کے طور پر رہ کر سلطنت کی، مگر بعد ازاں بنی عباس نے اندر ہی اندر ایسی سازش کی کہ ان کا اقتدار اور زور بڑھتا گیا۔ اور خلیفہ المنصور کے زمانہ میں چار ہزار گھوڑے سوار اور چار ہزار پیدل کا ایک لشکر عیسیٰ بن موسیٰ کے ماتحتی میں محمد بن عبد اللہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ دونوں لشکروں میں خوب جنگ ہوئی اور آخر محمد بن عبد اللہ کو اس کے ساتھیوں نے میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ محمد لڑائی میں قتل ہوا۔ اور اس کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ کو بصرہ میں عیسیٰ بن موسیٰ نے قتل کیا۔ اور اس کے سر کو کاٹ کر المنصور کے پاس کوفہ بھجوا دیا۔

امامت کے دعویدار

عہد گذشتہ میں حسب طرح ائمہ کرام کے وقت امامت کے جھوٹے دعویٰ کرنیوالے پیدا ہوتے تھے۔ اسیطرح حضرت امام جعفر صادق کے زمانہ میں بھی پیدا ہوئے اسی زمانہ میں امام زین العابدین کے پوتہ زید کے بیٹے یحییٰ نے امامت کا دعویٰ کیا

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اسے اس غلط ادعا سے بہت منع کیا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اور اپنے پیروؤں کو لیکر وہ خراساں چلا گیا۔ وہاں کے حاکم نے یحییٰ کو سولی دیدی اور قتل کر دیا۔ خود یحییٰ کے والد زید کا بھی یہی انجام ہوا۔ اور اس سے پہلے ناظرین کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے۔ اس واقعہ کے بعد عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر الطیلہ نے ہجری ۱۲۷ھ میں امامت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ محمد بن حنفیہ کے فرزند ابو ہاشم نے اس پر امامت کی نص فرمائی ہے۔ اس نے ابو ہاشم کے اقوال کے مطابق اپنی دعوت کا مقام کوفہ بنایا۔ بہت سے کوفیوں نے اس کی امامت قبول کر لی۔ جس سے وہ پھولا نہ سمایا۔ اور اپنی امامت کی تبلیغ کے لئے وہ اصفہان چلا گیا۔ وہاں بھی اکثر لوگوں نے اس کے امامت کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد جب عبداللہ بن معاویہ کے پیرو بڑھنے لگے۔ تو پھر قصبہ اور چھوٹے چھوٹے گاؤں کی طرف اس نے رُخ کیا۔ مفتوحہ علاقوں میں سے اپنے بھائی حسن کو اصطخر، دوسرے بھائی یزید کو شیراز، علی بن معاویہ کو کرمان، اور سالح کو کوم کا گورنر بنا دیا۔ الغرض اس طرح اس نے اپنے اقربا پر نوازش کی، اور بڑے بڑے شہروں کا والی اور حاکم بنا دیا۔

عباسی سلطنت کی تاسیس

عباسی قبیلہ کا بانی ابوالعباس سفاح اور اس کا بھائی ابو جعفر منصور بنو ہاشم کے گروہ سے مل گئے اور عبداللہ بن معاویہ نے ان کو بھی گورنری کا منصب عطا کیا۔ اسی اثنا میں اموی خلفاء کے آخری خلیفہ مروان الحمار کی طرف سے معین بن زائدہ نے ایک لشکر لے کر عبداللہ بن معاویہ پر حملہ کر دیا۔ اور مروان کے لشکر نے عبداللہ کو ہرات کی طرف بھگا دیا۔ ہرات میں عبداللہ بن معاویہ اور اس کے بھائیوں کو مالک بن ہشیم نے قید کر دیا۔ یہ خبر خراساں کے مشہور سیاست داں سردار ابو مسلم کو پہنچائی گئی جنہوں نے بعد میں عباسی خلافت کو مضبوط اور مستحکم کیا۔

ابو مسلم نے عبداللہ بن معاویہ کے قتل کا حکم صادر کیا۔ اور اس کے حکم کے مطابق وہ قتل کر دیا گیا۔ جس سے اموی سلطنت درہم برہم ہوگئی۔ مگر اس کے پیروؤں نے یہ عقیدہ بیان کیا کہ عبداللہ دوبارہ لوٹ کر آئے گا اور اس فرقہ کے بعض لوگوں نے اسحٰق بن زید بن حارث

الانصاری کو اپنا امام بھی تسلیم کر لیا۔ جو حارثیہ کے نام سے تاریخ میں مشہور رہے۔

اس طرح اسلامی دُنیا میں مذہب اور امام کی بجید مخالفت ہونے لگی اور سلطنت میں بھی بہت سے انقلابات واقع ہو گئے۔ تاہم بنو امیہ کی سلطنت ابھی جاری رہی۔ اور امیر معاویہ نے جو اموی سلطنت قائم کی تھی، اس کا خاتمہ اگرچہ معاویہ ثانی یعنی یزید کے فرزند ہی پر ہو گیا تھا۔ مگر مروانیوں نے اس کو اپنے قبضہ میں لیکر اس کو جاری رکھا۔ اور سچ پوچھو تو وہ بھی اموی قبیلہ ہی میں سے تھے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں آپ کی ہر دلعزیزی کی وجہ سے اموی خلافت کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ اور سلطنت میں بجید ضعف آگیا تھا۔ لیکن اس کو فروغ دینے کی کوشش جاری تھی، اسی زمانہ میں بنو عباس کی طرف سے ابو مسلم کی تمام کوششیں نہایت کارآمد ثابت ہوئیں اور اس نے خراسان میں عباسیوں کا جھنڈا لہرا دیا۔ عراق اور خراسان میں اس نے خود مختار سلطنت قائم کی، اموی سلطنت کا نام و نشان وہاں سے مٹ گیا۔ ابو مسلم بنو امیہ کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک شاطرانہ چال چلی اور حضرت امام حسینؑ کے دردناک واقعہ کی آڑ بنا کر ان کے خون کا انتقام لینے کے لئے وہ لوگوں کو تیار کرتا تھا۔ سلیمان بن صرد خزاعی اور مختار بن ابو عبیدہ کی جنگ کی سی چال کا نتیجہ ہے ابو مسلم انہی کے نقش قدم پر چلا۔ اور کامیاب ہوا۔ بہت سے جنگی بہادر اس کی دعوت میں شامل ہو گئے۔ ابو مسلم نے آخری خلیفہ بنی امیہ مروان الحمار کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، الحمار کے مقابلہ میں ابو مسلم نے موصل کے قریب بہت بڑی خونریز جنگ کی۔ اور اس کے لشکر نے حمار کے لشکر کو شکست فاش دی، مروان وہاں سے شام کی طرف بھاگا۔ عباسی لشکر کے رئیس عبد اللہ بن علی نے اس کا تعاقب کیا۔ مروان شام سے بھاگ کر مصر پہنچا وہاں عبد اللہ صالح نے "قصب قوس" کے نزدیک اس کا سخت مقابلہ کیا۔ اور اسی جنگ میں مروان الحمار ۱۳۲ سنہ ہجری ماہ ذی الحجہ میں قتل کیا گیا اس لڑائی میں اموی قبیلہ کے ستر رؤسا کام میں آئے۔ جن کی لاشوں پر دستر خوان بچھا کر عباسیوں نے کھانا کھایا۔ بنو امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہیں سے عباسیوں کی سلطنت کی بنیاد پڑی۔

ابوسلمہ کے سیاسی ہتھکنڈے

عراق میں اموی سلطنت کو تباہ کرنے والا ابوسلمہ تھا۔ وہ ابومسلم کا ایک معاون تھا۔ کوفہ کی فتح کے بعد ابومسلم نے تمام اختیارات اسی کو سونپ دیئے تھے، ابوسلمہ نے سوچا کہ بنوفاطمہ کے کسی مرد بزرگ کو خلافت سونپ دی جائے اور اس کے نام کی دعوت دیکر اموی دارالسلطنت دمشق پر حملہ کیا جائے فتح یقینی ہوگی۔ اس نے تین خطوط علیحدہ علیحدہ بنی فاطمہ کے تین بزرگوں کو لکھے، جن میں اس نے منصب خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔ ان تینوں خطوط میں سے ایک خط حضرت امام جعفر صادقؑ کو دوسرا خط عبداللہ محمد نفس زکیہ کے والد کو جو حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب کے اولاد میں تھے۔ اور تیسرا خط عمر بن علی بن الحسین کو بھیجا یہ عمر بن علی بن الحسن عمرالاشرف کے لقب سے مشہور تھے، آپ حضرت امام زین العابدینؑ کے فرزندوں میں سے تھے۔

ابوسلمہ نے ایک قاصد کو یہ تینوں خطوط دیئے، اور سب سے پہلے حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس جانیکی ہدایت کی اور کہا کہ اگر وہ اس کو قبول کریں تو باقی دو خطوط پھاڑ ڈالے اگر حضرت امام جعفر صادق اس بات سے انکار کریں تو عبداللہ کے پاس یہ دوسرا خط پہنچائے، اگر وہ اس کو قبول کریں تو عمرالاشرف کے خط کو پھاڑ دیا جائے، ورنہ عمرالاشرف کو یہ تیسرا خط دیدیا جائے اور جو جواب ملے اسے لیکر جلد واپس آئے۔

ابوسلمہ کا قاصد کوفہ سے نکل کر مدینہ منورہ آیا۔ رات تھی قاصد ابوسلمہ کی ہدایت کے مطابق پہلے حضرت امام جعفر صادقؑ کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت امامؑ نہایت اطمینان سے خاموش بیٹھے تھے اور آپ کے سامنے چراغ جل رہا تھا۔ قاصد نے ابوسلمہ کا خط آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس خط کو بغیر کھولے اور بغیر پڑھے ہوئے شمع کی لَو سے جلادیا۔ اور قاصد سے کہا کہ "یہ خط کا جواب ہے"۔

قاصد یہاں سے روانہ ہوکر عبداللہ کے پاس آیا اور خط دیا۔ عبداللہ اس خط کو لے کر حضرت امامؑ کی خدمت میں مشورہ کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "خراسان والے

اپنے پیرو نہیں ہیں، اور ان میں سے ہم کسی کو پہچانتے بھی نہیں اس لئے ابوسلمہ کی بات کا بالکل اعتبار بھی نہیں کر سکتے، یہی قاصد میرے نام کا بھی ایک خط لایا تھا۔ تم ان لوگوں کے پھندے میں نہ پھنسو تو بہتر ہوگا۔

عبداللہ نے بھی حسب الحکم اس سے انکار کر دیا۔ اور قاصد عمر الاشرف کے پاس حاضر ہو کر تیسرا خط پیش کیا۔ انہوں نے بھی اس خط کو پڑھتے ہی کہا کہ میں اس خط کے لکھنے والے کو نہیں پہچانتا۔ اس لئے کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ الغرض قاصد اس طرح ناکام رہا اور تینوں میں سے کسی نے بھی دعوت خلافت قبول نہ کی۔ کیونکہ وہ عباسیوں کے مکر و فریب سے خوب واقف تھے۔ (روضۃ الصفا جلد دوم)

عباسی قبیلہ کی طرف سے تخت خلافت حاصل کرنے کے لئے جو داؤ پیچ کھیلا جا رہا تھا اور ان کی طرف سے جو سردار اس کام کو انجام دیتے تھے، اس کے مختصر حالات ہم بیان کر چکے ہیں اب ان کی تمام ریشہ دوانیاں مفصل اور مسلسل لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ عباسی خلفاء کے مسلسل تاریخی حالات سے واقفیت حاصل ہو۔

عباسی دور سے پہلے کے حالات

ابواء مقام پر بنو عباس اور بنو فاطمہ کی مجلس میں جو لوگ جمع ہوئے تھے، اس میں محمد نفس الزکیہ کو عباسیوں کی تائید سے خلیفہ منتخب کیا گیا تھا۔ مگر عباسی خاص اپنی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے، جس کا مختصر بیان اوپر آ چکا ہے۔ عباسی خاندان کے بزرگ عبداللہ ابن عباس (ابن عباس) اور فرزند علی کے دل میں بنی فاطمہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، مگر علی کے فرزند محمد کو یہ خواہش تھی کہ محبت کے رشتہ کو بالائے طاق رکھ کر سلطنت پر اس کی نسل کا قبضہ ہو جائے، اور دن رات اسی کا خواب دیکھتا رہتا تھا شام کے بلقہ نامی ایک علاقہ میں محمد بن علی رہتا تھا۔ اس کی دعوت کا آغاز ۱۰۰ھ ہجری میں ہوا۔ محمد ۱۲۴ھ ہجری میں وفات پا گیا یعنی چوبیس ۲۴ سال پورے، وہ سلطنت کے حاصل کرنے میں

ہمہ تن مشغول رہا - مرتے وقت اس نے اپنے فرزندوں کو یعنی ابراہیم، ابوالعباس، عبداللہ السفاح، اور ابوجعفر المنصور کو جانشین قرار دیا - اس کی وفات کے بعد ابراہیم قبیلہ کا رئیس ہوا - اور اس ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے کاموں کو انجام دیا کہ اس کا حریف ابوہاشم جب فوت ہوا - تو اس کے تمام قیسانیہ مرید اس کے ساتھ مل گئے - اور اس کی طاقت دو چند ہو گئی -

یزید بن عبد الملک کے عہد سلطنت میں خراسان میں عباسیوں کو تخت خلافت پر بٹھانے کی کوشش شروع ہوئی - ابومسلم ان کا مخصوص داعی تھا - آخری اموی خلیفہ مروان الحمار کے زمانہ میں ابومسلم کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا - ۱۲۹ھ ہجری میں اس نے ہنگامہ برپا کر دیا - اور ڈھائی سال کے درمیان خراسان اور کوفہ فتح کر کے ابوالعباس السفاح کو مسند خلافت پر بٹھا دیا - کیونکہ بڑا بھائی ابراہیم اسی اثنا میں فوت ہو گیا تھا - ابوالعباس کے عہد خلافت میں اموی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا - مگر اموی قبیلہ کا ایک شخص عبدالرحمن نامی وہاں سے بچ کر چلا گیا - اور اسپین میں اموی سلطنت قائم کی، عرصہ دراز تک یہ سلطنت وہاں قائم رہی - ابوالعباس کی وفات کے بعد اس کے باپ کی وصیت کے مطابق ابوجعفر المنصور ۱۳۶ھ ہجری میں سریر آرائے خلافت ہوا حضرت امام جعفر صادق ؑ کی زندگی کا بڑا حصہ ابوجعفر المنصور کے زمانہ میں گذرا اور یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے حضرت امام ؑ کے خلاف حملہ کرنا شروع کر دیا یہاں سے بنو فاطمہ اور بنو عباس کے درمیان ایسا تنازع واقع ہوا کہ جو کبھی دور نہ ہو سکا -

ابومسلم کی طرح اور دوسرے لوگ اپنی مطلب براری کے لئے کس طرح جھوٹے دعوے کرتے تھے، اس کے لئے ابن مقنع کا معاہدہ پڑھنا چاہئے - بیان کیا جاتا ہے کہ ہاشم بن حکیم خراسان میں ابومسلم کا سکریٹری تھا - اس نے بعد میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا - وہ اپنے چہرے پر برقع یا نقاب ڈالا کرتا تھا - اس لئے اسکو مقنع کہتے تھے - اس کے مرید کثرت سے تھے اور وہ سب سفید پوش یعنی سفید کپڑے پہنتے تھے - اور اسی سبب لوگ ان کو مبیضہ کہتے تھے - منصور کے فرزند مہدی نے ایک بار اس کا محاصرہ کر لیا - مگر اس نے قلعہ میں ایک کنوئیں میں سے چاند کی روشنی اپنے اعجاز سے ظاہر کی، جسکی روشنی شام کے وقت چھ میل تک دکھائی دیتی تھی، محاصرہ مدت دراز تک رہنے کے باعث مقنع نے اپنے بال بچوں کو جلا دیا - اور خود بھی دشمنوں کے

ہاتھ میں پکڑے جانے کے خوف سے اپنے آپ کو نذر آتش کر دیا۔ اس قسم کے واقعات حضرت امام جعفر صادقؑ اور منصور کے زمانے میں اکثر ہوئے ہیں۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہوا ان دنوں کیسی چل رہی تھی، اور کس قدر لوگ حق و صداقت سے دور ہو گئے تھے، مندرجہ بالا تاریخی واقعہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اگلے اور پچھلے تمام واقعات کس طرح ہو رہے آئے۔ اچھی طرح سمجھ میں آ جائیں گے۔

مزید تفصیل کے لئے خلفائے بنو عباس کا مفصل شجرہ اس کے ساتھ دیا گیا ہے۔ جس سے اہم تاریخی واقعات اور اس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے لئے بہت آسانی ہوگی۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی گوشہ نشینی

حضرت امام جعفر صادقؑ نے دنیا کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے تھے، اور ہزاروں انسان بلا گناہ قتل کئے گئے تھے مذہب کی آڑ میں سلطنت کا شکار کرنے والے بہت سے موجود تھے۔ اور جنگ و جدل کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ اس لئے آپ نے مذہبی تعلیم کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی آپ نے بہت سے حریصوں اور سلطنت کے خواہش مندوں کو ہدایت اور نصیحت فرما کر راہ ہدایت دکھائی۔ سلطنت کے سیاسی امور میں بالکل حصہ نہ لیتے تھے، اور کبھی ایسا موقع بھی آ جاتا تو آپ نہایت دور اندیشی سے علیحدگی اختیار کر لیتے تھے۔

حضرت نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد اشاعت مذہب کا کام حضرت علیؑ کو تفویض ہوا تھا اور اس کے معاون عبداللہ بن عباسؓ تھے، حضرت امام جعفر صادقؑ نے بھی یہی راہ اختیار کی اور آپ کی ذات مقدس سے مذہبی علوم کے بڑے بڑے چشمے جاری ہوئے۔ اور بڑے بڑے عالم تحصیل علم کر کے دولت علم سے مالا مال ہوئے۔ جو سینہ بسینہ علمائے کرام سے منتقل ہوتا رہا اور آج تک جاری ہے۔

تبلیغ اور دعوت حضرت امام (علیہ السلام)

جب سلطنت کی پیچیدگیوں سے ذرا فرصت ملی اور کچھ امن و امان پھیلا۔ اس وقت حضرت امام جعفر صادقؑ نے مختلف شہروں میں دعوت و تبلیغ کا ارادہ فرمایا اور مدینہ منورہ کی مغرب جانب میں صوفیانی اور حلوانی نامی دو داعیوں کو اس کام کے لئے بھیجا، سوفیانی نے 'مرجانہ' مقام میں پہنچکر اطراف و جوانب میں تبلیغ شروع کی، اور حلوانی نے منجار، نامی موضع میں جا کر 'ناظور' گاؤں میں قیام کیا۔ ان دونوں داعیوں کی تبلیغ سے علم ظاہری بہت پھیل گیا۔ اور لوگ کثرت سے نور امامت کو پہچانتے اور رغبت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان دونوں داعیوں نے ان شہروں میں امامی علم کو لہرایا۔

المنصور کی تخت نشینی

حضرت امام جعفر صادقؑ کی کارہائے نمایاں روز بروز ترقی پذیر ہوتی گئی۔ عباسیوں کی آنکھوں میں خار بنکر کھٹکنے لگا۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ سیاسی امور کے لئے حضرت امامؑ کی موجودہ ترقیاں سد راہ ہوں گی۔ اس لئے انہوں نے حضرت امامؑ کو ستانا اور اذیت پہنچانا بنی اُمیہ کے سلطنت کے خاتمہ کے بعد بھی جاری رکھا۔ حالانکہ بنو عباس بنی اُمیہ کی بہ نسبت بنو فاطمہ سے رشتہ میں قریب تھے۔ کیونکہ حضرت علیؑ کے عبد اللہ ابن عباس حقیقی چچیرے بھائی تھے۔ ہاں اتنا ضرور رہا۔ کہ اب جسمانی اذیت موقوف ہوئی۔ اور باطنی معرفت رسانیاں جاری ہوگئیں، بنو عباس حضرت علیؑ سے مذہبی اور باطنی طور سے بھی مخصوص نسبت کا دعوی کر کے حضرت علیؑ کے اولاد کے نام سے انہوں نے دعوت کر کے لوگوں کو اپنی طرف راغب کر کے سلطنت کی، لیکن بعد میں عباسی خلیفہ ابو العباس الصفا نے حضرت امام صادقؑ کو اذیت پہونچانے کے ارادہ سے عراق طلب کیا۔ تشریف لیجاتی وقت راستہ میں آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی جس کو دیکھ کر وہ اپنے ارادہ سے باز آیا اور آپ کی خدمت بہت بڑا نذرانہ اور ہدیہ پیش کر کے حضرت امامؑ کو مدینہ منورہ واپس کیا۔ اس کے بعد خلیفہ الصفا ۱۳۶ھ ہجری میں چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوگیا۔ اور اس کا بھائی ابو جعفر المنصور مسند

خلافت پر متمکن ہوا۔ یہ زبردست حریص اور طمّاع تھا۔ اس کا ظلم و ستم اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ رعیت اس کے نام سے کانپتی تھی، اس کا لقب دوانیق تھا جب سے اس کی کنیت ابوالدوانیق ہوئی تھی اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ تھی۔ کہ وہ بہت حریص تھا۔ عربی زبان میں دوانیق کے معنیٰ 'دمڑی' ہے خلیفہ منصور حضرت امام جعفر صادقؑ سے بہت خائف تھا۔ اس واسطے وہ کسی طرح حضرت امامؑ کو قتل کر دینا چاہتا تھا۔ مگر کامیاب نہ ہوتا تھا۔ اور اس کی تمام تدبیریں ضائع ہو جاتی تھیں اس لئے وہ زیادہ خائف ہو گیا۔ اپنے ارادہ کو پورا کرنے کے لئے اس کی خواہشیں بہت بڑھ گئیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے گھر میں آتش زنی

ایک بار خلیفہ منصور نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو جان سے ہلاک کرنے کے لئے مدینہ منورہ کے گورنر حسن بن زید ہاشمی کو لکھا کہ " امامؑ کے گھر میں آگ لگا دو۔ تاکہ وہ آگ میں جل جائیں، خلیفہ منصور کے حکم کے مطابق اس نے آپ کے گھر میں آگ لگا دی۔ آگ اتنی بڑھ گئی کہ آپ کے مکان کے دروازے اور صحن تک آگ کے شعلے پھیل گئے۔ اور باہر نکلنے یا اندر جانے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ مگر حضرت امام جعفر صادق ان شعلوں کے درمیان سے بلا خوف و خطر تھوڑی تھوڑی دیر سے برابر آتے جاتے رہے۔ اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے کہ اے " زمین جس کے باعث تیرا قیام ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ بھی تو ہمارے آباو اجداد سے ایک تھے، اور ان پر نمرود کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی،،، اس مبارک کلام سے آگ بالکل بجھ کر سرد ہو گئی اور حضرت امامؑ کے جسم مبارک کو کسی طرح کی اذیت نہ پہونچی، جس سے لوگ حیرت میں پڑ گئے حضرت امام جعفر صادقؑ کا مکان، مدینہ منورہ میں بالکل بستی کے درمیان تھا۔ یہ واقعہ دیکھ کر حضرت امامؑ کے ساتھ لوگوں کی محبت زیادہ ہو گئی۔ اور خلیفہ منصور کی ہیبت اور خوف بھی دو چند ہو گئی،

حضرت امام (علیہ السلام) کی نصیحت

ایک مرتبہ اتفاقاً خلیفہ منصور ابوالدوانیق کے جسم پر مکھی بیٹھی باوجودیکہ اس نے اس کو

اڑانے کی بہت کوشش کی مگر وہ بار بار آ آکر بیٹھتی اور خلیفہ کو ستاتی جس سے خلیفہ نہایت برہم تھا کہ اسی اثنا میں حضرت امام جعفر صادق وہاں اتفاقاً تشریف لائے، ان کو دیکھ کر منصور کی طبیعت کو کچھ اطمینان ہوا۔ اور سمجھا کہ حضرت امام اس کا کچھ علاج بتائیں گے۔ لہٰذا اس نے حضرت امام سے سوال کیا "کہ خدا نے مکھیوں کو کس لئے پیدا کیا ہے؟

حضرت امام نے جواب میں فرمایا۔ تاکہ رئیسوں اور حاکموں کو اپنی طاقت اور قوت کا خیال رہے"۔ یہ جواب حضرت امام کا قرآن شریف کی آیۃ کریمہ کے مشابہ ہے۔ جس میں مکہ معظمہ کے کفار اپنے بتوں کو خالق کے پرورش کرنیوالا تصور کرتے تھے، حالانکہ ان بتوں میں یک مکھی اڑانے کی بھی طاقت نہ تھی۔ اسی طرح منصور کو بھی اس کے اقتدار اور حکومت کے ادعاء کے باوجود ایک چھوٹی سی مکھی نے اس کو عاجز کر دیا۔ غرور اور تکبر سے باز رہنے کے لئے یہ ایک زبردست نصیحت آمیز بات تھی مگر اس کو یہ کہاں سے سوجھے؟

حضرت امام جعفر صادق تمام علوم و فنون میں یکتائے زمانہ تھے۔ حدیث میں بھی آپ کو تبحر حاصل تھا۔ حضرت امام محمد باقر بھی ان علوم میں بے انتہا درجہ کو پہنچے ہوئے تھے آپ نے اپنے والد ماجد سے ان علوم کی تحصیل کی تھی، اسی لئے حضرت امام جعفر صادق سے جو جو حدیثیں مروی ہیں ان میں بالکل کسی کو کلام نہیں اور بالکل صحیح مانی جاتی ہیں۔ آپ نے اکثر کتابیں تصنیف کی ہیں جسمیں "رسالہ" نہایت مشہور و معروف کتاب ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

سلطنت عباسیہ کے بہت سے حکام حضرت امام جعفر الصادق کے جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے تھے، اور امامت کے اس چراغ کو گل کرنے کی فکر میں مصروف تھے، آپ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے "اسمعیل" کو امامت کا وارث اور اپنا ولی عہد گردانا اور نص جلی لکھنے کے بعد مخفی طور پر بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ خلیفہ ابوالدوانیق نے اموقت اپنا آخری حربہ اختیار کیا۔ اور ۱۴۸ھ ہجری میں حضرت امام جعفر صادق کو قتل کرنیکے

لئے اپنے پاس طلب کیا۔ مگر حضرت امامؑ جب روبرو تشریف لائے تو اس کی ہمت نہ پڑی الد
آپ کو مخفی طور پر زہر کھلادیا۔ جس کے اثر سے آپ اسی سال اس دارفانی سے ملک بقا کی طرف
راہی ہوئے، دوسری روایت یہ بھی ہے کہ ملاؤں نے شرعی حد جاری کرنے کے بہانے سے
حضرت امامؑ کے کان میں خلیفہ منصور کے حکم سے سیسا پگھلا کر ڈال دیا۔ جس سے آپ کی وفات ہوگئی
بہرحال پندرہ شوال المکرم ۱۴۸ھ ہجری میں یہ واقعہ پیش آیا۔ اور آپ مدینہ منورہ جنت البقیع
کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

جہاں حضرت امام جعفر صادقؑ کو دفن کیا گیا ہے وہیں آپ کے والد اور جد امجد بھی دفن کئے گئے
ہیں۔ حضرت امام حسن بن علی ابن ابی طالب اور حضرت علیؑ کی دوسری اولاد کو بھی وہیں دفن کیا گیا ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی بیبیاں اور اولاد

حضرت امام جعفر صادقؑ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں، پہلے اسمعیل دوسرے
عبداللہ تیسری ام فروہ۔ یہ تینوں بھائی بہن جناب فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے چوتھے موسیٰ کاظم
پانچویں اسحٰق چھٹے محمد یہ سب بڑا نامی بی بی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جن کا نام سیدہ خاتون بھی
تاریخ میں ہے۔ ساتویں عباس، آٹھویں علی نویں اسما دسویں فاطمہ صغرا۔ یہ بھائی بہن الگ الگ
ماؤں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ مگر اسمعیلؑ کی والدہ سب سے زیادہ محبوبہ اور محترمہ تھیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ تک جتنے امام ہوئے ہیں سب کا مقام عربستان رہا۔ اور ان میں سے
اکثر نے خاص مدینہ منورہ آباد کیا۔ اس کے بعد آپ کے فرزند ارجمند اسمعیلؑ سے جتنے
امام ہوئے، انھوں نے اپنی بود و باش کے مقام کو تبدیل کرکے شام کے ایک ضلع سلیمہ نامی
میں زندگی بسر کرنے لگے، ائمہ کرام (علیہم السلام) میں سلیمہ مقام میں کون کون امام تھے اور امام
جعفر الصادقؑ کے دوسری اولاد کا مفصل شجرہ دوسرے صفحہ پر دیا گیا ہے

شجرہ کے لئے صفحہ ۱۱۹ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام)

- علی
- محمد — ان کے ماننے والے نمطیہ کہلائے
- عباس
- اسحاق
- عبداللہ الفتح — ان کے ماننے والے فتحیہ کہلائے
- موسیٰ کاظم
  - علی رضا
  - محمد تقی
  - علی نقی
  - حسن عسکری
  - محمد مہدی
  - یہ صاحب سامرہ کی غار میں پوشیدہ ہوئے ہیں۔
  - ان کے ماننے والے اثنا عشری کہلاتے ہیں
- اسمٰعیلؑ
  - محمد بن اسمٰعیلؑ
  - وفی احمدؑ
  - تقی محمدؑ
  - رضی عبداللہؑ

حضرت امام اسمٰعیل علیہ السلام سے امامت کی سریر سلطنت شام میں سلمیہ شہر میں شروع ہوئی۔ اور حضرت امام عبداللہ عرف محمد مہدیؑ تک اسمٰعیلی ائمہ کا پایہ تخت وہیں رہا۔

حضرت امام رضی عبداللہؑ کے بعد جب مغربی افریقہ میں تہران ضلع کی فتح ہوئی اسوقت امام مہدیؑ نے تہران کو پایہ تخت بنایا۔ جہاں آپ نے قلعہ مہدیہ پہلے تعمیر کیا اور بعد ازاں مہدیہ شہر آباد کیا۔

حصّہ دوئم

شام میں امامت

۶۔ حضرت امام اسمٰعیل علیہ السلام

۷۔ حضرت امام محمد 〃

۸۔ حضرت وفی احمد 〃

۹۔ حضرت تقی محمد 〃

۱۰۔ حضرت رضی عبداللہ 〃



حضرت امام شاہ اسمٰعیلؑ بن حضرت امام شاہ جعفر الصادقؑ کے مزار کا ایک بیرونی منظر سلمیہ (شام)

حضرت امام اسمٰعیل (علیہ السلام)

سن امامت از ۱۴۸ سنہ ہجری تا ۱۵۸ سنہ ہجری

حضرت امام اسمٰعیل ۱۴۸ سنہ ہجری میں مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کا پورا نام اسمٰعیل محمد تھا اور الختوم سے آپ مشہور تھے۔

حضرت امام اسمٰعیل کی والدہ حضرت امام حسنؑ کے فرزند حضرت حسنؑ کی صاحبزادی فاطمہ تھیں حضرت امام جعفر صادقؑ نے آپ کی حیات میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آپ کا دوسرا نام حسینی بھی تھا۔

حضرت امام اسمٰعیلؑ سے آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادقؑ کو بیحد محبت تھی آپ نہایت حسین و جمیل تھے، آپ کے والد ماجد کے زمانہ میں ہی آپ ولیعہدی سے ممتاز ہوئے تھے، اور تمام مذہبی کاموں کو آپ ہی انجام دیتے تھے۔

مذہبی علوم میں تبحر اور بے نظیر اجتہاد، طبیعت کی سادگی، اور خوش خلقی، آپ کی ملنساری اور دلجوئی نے لوگوں کو گرویدہ بنا لیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ لوگ جوق جوق آپ کے در دولت پر حاضر ہوتے اور آپ سے مذہبی علوم و فنون حاصل کر کے فیضیاب ہوتے۔

حضرت اسماعیل (علیہ السلام) سلیمیہ میں

حضرت امام اسمٰعیلؑ کی ہر دلعزیزی نے عباسی خلیفہ منصور کو بیتاب کر دیا۔ اور حضرت امامؑ کے ساتھ لوگوں کی محبت خلیفہ کی آنکھوں میں خار بنکر کھٹکنے لگی، جب اس نے یہ سنا کہ آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادقؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ پر امامت کی نص بھی فرما دی، تو وہ نہایت برافروختہ ہوا۔ اور دونوں کو قتل کرنے کے لئے بہت سے آدمیوں کو تعینات کر دیا۔ جنہوں نے حضرت امامؑ کو ستانا



سلمیہ (شام) کا جماعت خانہ:۔ اس تصویر میں عرب اسماعیلی عمائد نظر آتے ہیں۔

شروع کردیا۔ اور تاک میں رہے کہ کسی نہ کسی طرح حضرت امامؑ کو ہلاک کردیں۔ حضرت امامؑ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت اسمعیلؑ کو مصر کی طرف روانہ کردیا۔ اور حضرت اسمعیلؑ نے شام کے علاقہ سلیمیہ میں آکر بودوباش اختیار کرلی۔

آپ کے مخفی طور سے چلے جانے پر بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ بیماری کے وجہ سے باہر تشریف نہیں لاتے اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ خلیفہ کے خوف سے گھر میں چھپ گئے ہیں۔ الغرض ہزاروں قسم کی افواہیں اڑ رہی تھیں، اس بات سے خلیفہ منصور نہایت افروختہ تھا۔ اور اس نے انتہائی تفتیش کی، مگر کچھ پتہ نہ چلا۔

امامت کے متعدد دعویدار

حضرت امام اسماعیلؑ سلیمیہ میں نہایت امن وامان سے زندگی بسر کررہے تھے، مگر اسی اثناء میں مدینہ منورہ میں امامت کے متعدد دعویدار پیدا ہوگئے۔ جنمیں حضرت مولانا امام اسمعیلؑ کے چھوٹے بھائی موسیٰ کاظم کے علاوہ اور دوسرے بہت سے تھے،

حضرت امام جعفر صادقؑ کے دوسرے فرزند موسیٰ کاظم نے امامت کا دعویٰ کیا۔ پھر عباسی خلیفہ نے اس کو اپنے پاس بلاکر قید کردیا۔ اور ان کی عمر کا اکثر حصہ قیدخانہ ہی میں گزرا یہانتک کہ ۱۸۳ھ ہجری میں رجب کی پچیسویں تاریخ کو جمعہ کے دن قیدخانہ میں خلیفہ کے بھیجے ہوئے زہردار انگور کے اثر سے وہ وفات پاگئے۔ فرقہ اسمٰعیلیہ سے علیحدہ شدہ، یہ فرقہ 'موسویہ' کے نام سے نامزد ہوا۔ یہ سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم کی نسل میں ان کی اولاد حضرت علی رضا۔ حضرت محمد تقی جعفرؑ علی نقی۔ حضرت حسن عسکری اور حضرت مہدی تک آکر ختم ہوگیا۔ چونکہ اماموں کی تعداد بارہ تھی، اس لئے یہ گروہ اثناعشری کے نام سے مشہور ہوا۔ عربی میں اثناعشر بارہ کو کہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کاظم کے بعد مختلف فرقے

حضرت موسیٰ کاظم کی وفات کے بعد ان کے مریدوں میں دو فرقے ہوگئے۔ جن میں سے ایک کا نام

متوریہ ، اور دوسرے کا نام واقفیہ تھا ۔ حضرت موسیٰ کاظم کی وفات کو متوریہ مانتے ہی نہ تھے ، واقفیہ کہتے تھے کہ وہ زندہ ہیں اور دُنیا جب ایک دم گناہوں سے بھر جائیگی ۔ تب دوسری بار پھر ظہور کریں گے ۔ موسویہ فرقہ کے ان دو فرقوں کے سوائے ایک تیسرا فرقہ تھا ۔ جسے لوگ "اکتائیہ" کہتے تھے ، ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت موسیٰ کاظم وفات پا گئے ۔ اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت علی موسیٰ رضا امام ہیں ۔ اس فرقہ کا امامی سلسلہ حضرت مہدی تک آکر بند ہو گیا فرقۂ واقفیہ کے اعتقاد کے مطابق ان لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت مہدی "سامرہ" نامی غار میں زندہ غائب ہو گئے ہیں ۔ اس فرقہ کے بارہ امام ہوئے ہیں ۔ جس سے ان کا نام اثنا عشری ہو گیا

حضرت حسن عسکری کے بعد گیارہ فرقے

"موسم بہار" میں لکھا ہے کہ اثنا عشری فرقہ کے اندر دوسرے اور بھی فرقے پیدا ہوئے اور "اکتائیہ" فرقہ اثنا عشری کے گیارھویں امام حضرت حسن عسکری کے زمانہ میں گیارہ فرقوں میں تقسیم ہو گیا ۔ یعنی اکتائیہ فرقہ کے گیارہ فرقہ ہوئے ۔ یہ سب فرقہ امام کے بارہ میں مختلف العقیدہ تھے ورنہ دوسرے عقائدوں میں کم اختلاف نہیں پایا جاتا ۔ اس میں سے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ حسن عسکری وفات نہیں ہوئے ۔ اور نہ ہوں گے ۔ بلکہ وہ زمانۂ آخر کے مہدی اور قائم ہیں اور حدیث میں لکھے ہوئے مذکورہ بالا القاب سے ملقب ہونے والے آپ ہی ہیں ۔

دوسرے فرقہ کا یہ قول ہے کہ آپ وفات پا گئے ۔ مگر دوسری بار آپ زندہ ہو کر فتنہ وفساد کو دور کرینگے ۔ ان کے بعد کسی دوسرے کا امام ہونا محال ہے ۔

تیسرے فرقہ کا یہ خیال ہے کہ حضرت حسن عسکری یقیناً وفات پا گئے ۔ اور ان کے بعد ان کے بھائی جعفر امام اور وارث تخت ہیں ، لیکن تاریخ میں ان کو "جعفر کذاب" یعنی جھوٹا جعفر ، لکھا گیا ہے ۔

چوتھا فرقہ کہتا ہے کہ حضرت حسن عسکری ضرور وفات پا گئے ۔ اور وہ سچے امام نہ تھے ، بلکہ ان کے بھائی جعفر امام حق تھے ، اور حسن عسکری کا لقب فقط امام تھا اور ان کی امامت ان کی نسل ہونے سے نہیں ثابت ہو سکتی ۔ اور ان کا نام بلاوجہ امام کے نام سے شامل کیا جاتا ہے ۔

پانچویں فرقہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت حسن عسکری کی وفات ہوگئی ہے اوران کی امامت کو محض اس لیئے بُرا بھلا کہا جاتا ہے کہ وہ منصوص امام نہ تھے، منصوص امام ان کے بھائی محمد تھے۔

چھٹا فرقہ کہتا ہے کہ حضرت حسن عسکری کے بعد ان کے ایک فرزند جوان کی وفات کے دو سال قبل پیدا ہوا تھا۔ مگر وہ ان کے بھائی جعفر اوران کے مریدوں کے ڈر سے غائب ہے اور وہی آخر زمانہ کا مہدی ہے۔

ساتویں فرقہ کا عقیدہ ہے کہ ان کی وفات سے آٹھ مہینہ بعد ان کا ایک فرزند تولد ہوا تھا یہ خیال کہ ان کی زندگی میں فرزند ہوا۔ بالکل غلط ہے۔

آٹھویں فرقہ سب سے علیحدہ ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت حسن عسکری وفات پا گئے۔ اوراس میں ذرا بھی شک نہیں انہیں کوئی اولاد نہیں ہوئی اس لحاظ سے انکے بعد کوئی امام نہیں اب دنیا میں خدا کے سوائے کوئی ہادی و راہبر نہیں۔

نویں فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت حسن عسکری ضرور وفات پا گئے۔ اور عقل گواہی دیتی ہے کہ ان کو ضرور بالضرور اولاد ہوئی ہوگی۔ کیونکہ خلق اللہ کے درمیان امام کا وجود لازمی ہے۔

دسواں فرقہ کہتا ہے کہ امام حسن عسکری وفات پا گئے۔ اوران کے بعد ان کے فرزند یا کسی دوسرے کو لازمی طور سے امام ہونا چاہیئے کیونکہ ان کے بغیر نظام عالم درست نہیں رہ سکتا۔

گیارہویں فرقہ کا قول ہے کہ حضرت حسن عسکری فوت ہو گئے انکے بعد ان کے فرزند امام ہیں جو دشمنوں کے خوف سے غائب ہو گئے ہیں اور جب دنیا تاریکی و ظلمت سے بھر جائیگی اُس وقت آپ ظہور فرما کر جہاد کرینگے اور مذہب کو صحیح طور سے پھیلائیں گے۔ یہی گیارہواں فرقہ اثنا عشری کے نام سے مشہور ہے۔

حسن عسکری کی وفات ۲۶۱ھ ہجری میں ۲۸ برس کی عمر میں واقع ہوئی اوران کے فرزند ۲۶۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ایسا کہا جاتا ہے۔

ان فرقوں کے علاوہ ایک فرقے نے حضرت امام اسمٰعیلؑ کے بھائی عبداللہ الفتح کو امام تسلیم کرلیا۔ مگر وہ اپنے والد ماجد حضرت امام جعفر صادقؑ کے بعد فقط ستر دن اس دنیا میں زندہ رہے۔ ان کو امام ماننے والے 'فتحیہ' کہلاتے ہیں حضرت امام جعفر صادقؑ کے ایک فرزند محمد کو بھی ایک جماعت امام مانتی ہے۔ اور ثمینہ کے نام سے معروف ہے۔

حضرت امام اسمٰعیلؑ جب مدینہ منورہ سے مخفی طور پر چلے گئے۔ تو ایک فرقہ کا ان کی زندگی کے متعلق یہ اعتقاد ہوگیا۔ کہ آپ پر امامت ختم ہوگئی۔ اور آپ کو "مہدی" موعود مان کر ان کی امامت قبول کرلی۔ اور اپنے فرقہ کو "اسماعیلی" سے نامزد کیا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب قیامت آئیگی تو اُس وقت پھر امامؑ دنیا میں ظہور فرمائیں گے۔ اسی سبب سے اس فرقہ والے اپنے کو "قائم القیامت" کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ کے بعد چند علما بھی ایسے پیدا ہوئے جنکو امام کہا جاتا ہے ان میں چار ائمہ بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت جن کو عام طور سے امام ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔ احمد بن حنبل، جو امام حنبل کے نام سے مشہور ہیں۔ مالک بن انس جنکو امام مالک کہتے ہیں، اور انہوں نے "موتا" نام کی ایک کتاب حدیث شریف میں تصنیف کی ہے۔ چوتھے ابو عبداللہ محمد ابن ادریس الشافعی جو امام شافعی سے معروف ہیں۔ الغرض اس طرح چار اور بڑے فرقے پیدا ہوئے، خلیفہ ہارون الرشید نے دنیا کے اختلافات اتحاد سے بدل جائے۔ اس لئے ان چاروں کو قبول کرلیا۔ اہل تسنن کے یہ چار زبردست فرقے ہیں جو حنفی، حنبلی، مالکی اور شافعی کے نام سے مشہور ہیں۔

باوجودیکہ دُنیا میں اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہورہے تھے مگر اسماعیلی فرقہ کی دعوت یمن، یمامہ، بحرین، سندھ، ہند، مصر اور جنوبی افریقہ میں برابر پھیلتی رہی، ان کے مشہور داعی، سوفیانی اور حلوانی دونو ایک ہی سال میں وفات پاگئے۔ ان کے بعد ابو عبداللہ صوفی اور ابن ہوشب تبلیغ کے کام کو انجام دینے لگے۔

حضرت امام (علیہ السلام) پر نص

حضرت امامؑ کے متعلق خواجہ عطاء اللہ ملک جوینی کی تاریخ جہاں کشائی اور محمد قاسم فرشتہ کی تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "نص" کا ثبوت موجود ہے۔ 'عمدۃ الطالب' میں حضرت امام اسمٰعیلؑ کی وفات حضرت امام جعفر صادقؑ سے بیس سال بعد بتائی گئی ہے، تاریخ 'مرأۃ جہاں نما' میں لکھا ہے کہ پانچ سال قبل وفات ہوئی ہے۔ ان دونوں تاریخی کتابوں کے بیان میں بہت

بڑا اختلاف ہے اور اس سے انسان ضرور شکوک ہو جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ تواریخ میں اسمٰعیلیوں کے خلاف بہت سی چیزیں لکھی جاتی رہی ہیں اور یہ اسی قبیل سے ہے۔

جب حضرت امام جعفر صادقؑ نے امام اسمٰعیلؑ پر نص فرما دی تو یہ خبر بنی فاطمہ کے دشمنوں کے ذریعے خلیفہ منصور کو پہنچی، اس نے اسی وقت یہ حکم صادر کیا کہ امام اسمٰعیلؑ کو پایہ تخت خلفاء عباسیہ یعنی بغداد میں بھیجدیا جائے۔ لیکن تعمیل سے پہلے حضرت امام جعفر صادقؑ نے امام اسمٰعیلؑ کو بصرہ کیطرف بھیجا؛ اور یہاں مدینہ منورہ میں لوگوں کے سامنے جنازہ کا معجزہ حضرت امام اسمٰعیلؑ کے متعلق دکھایا تاکہ مخالفین اپنے عناد سے باز آئیں۔ اور حضرت امام چین سے اپنی زندگی بسر کریں۔

حضرت امام اسمٰعیل (علیہ السلام) بصرہ میں

حضرت امام اسمٰعیلؑ مدینہ منورہ سے چلے جانے کے بعد بصرہ میں ظاہر ہوئے۔ اور آپ نے اپنی امامی طاقت سے مریضوں کو تندرست کرنا شروع کردیا۔ جب ان واقعات کا چرچا دور دور پہنچ گیا۔ تو آپ بصرہ سے روانہ ہو کر سلمیہ میں جا کر مقیم ہوگئے۔

حضرت امام اسمٰعیلؑ باوجودیکہ ہاشمی خاندان میں سے ہیں لیکن مخالفین ان پر تبرا بھیجتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ان کے فرزند محمد بن حضرت اسمٰعیل کی کوئی اولاد نہیں، آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں، مگر قندھار اور خراسان میں اسمٰعیلی مذہب کی ایسی اشاعت ہوئی کہ یہ سب باتیں بالکل غلط ثابت ہوگئیں۔

سلمیہ میں سکونت

سلمیہ میں جب آپ کا رہنے کا ارادہ ہوا۔ تو آپ نے ایک مکان بنوایا۔ اور اس میں رہنے لگے۔ وہاں آپ نے اسمٰعیلی مذہب کے تمام علوم فلسفہ و منطق وغیرہ کی ماہر دعات کی وساطت سے اشاعت شروع کردی، تاکہ لوگوں کی عاقبت درست، اور انجام بخیر ہو۔ زمانہ گزشتہ کے آئمہ کرام بھی یہ علوم صرف صوفیوں کو سکھلاتے تھے، اس لئے حضرت امام اسمٰعیلؑ بھی

ان علوم کی عام اشاعت سے اپنے کو نہایت سنبھالتے تھے۔ چونکہ یہ اسمعیلی فرقہ بالکل نیا تھا اور حضرت امامؑ کے ساتھ بلا واسطہ اور باضابطہ معاملہ رکھتا تھا۔ اس لئے حضرت امامؑ بہت سے کام اپنے ہاتھوں انجام دیتے تھے، اس جدوجہد کا یہ نتیجہ تھا کہ دمشق، شام و مصر اور اس کے اطراف کے اسمعیلی فرقہ کے مریدوں کی تعداد کثرت کے ساتھ دن بدن بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اسی طرح ترقی کے یہ پانچ سال گذر گئے اور ۱۵۴ سنہ ہجری میں بنی فاطمہ کے اس روز افزوں ترقی کی خبر ایک خارجی نے بغداد میں عباسی خلیفہ کو پہنچائی۔ شہر بغداد میں پہلے نوشیروان عادل نے حکومت کی تھی۔ اور اسی کے عہد سلطنت میں اس شہر کا نام "باغ داد" یعنی فریاد رسی کا باغ تھا۔ جو مخفف ہو کر بغداد ہو گیا۔

اسمعیلی دعوت کی اشاعت

حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ ہی سے سوفیانی اور حلوانی داعیوں کی دعوت و تبلیغ سے اسمعیلی فرقہ کی اشاعت شروع ہو گئی تھی۔ مگر حضرت امام اسمٰعیلؑ نے اس کو اعلیٰ پیمانہ پر پہنچانے کی کوشش فرمائی۔ حضرت امامؑ اس زمانہ میں سلیمیہ میں تاجرانہ حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے، اور آپ نے تبلیغ دعوت کے لئے متعدد تجاویز کو عملی جامہ پہنایا۔ سب سے پہلے آپ نے نائبین اور دعات کا تقرر کیا۔ جو دعوت اور اشاعت مذہب کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اور شب و روز دعوت و تبلیغ میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت امامؑ کی ملاقات صرف داعیوں اور نائبین کی وساطت سے ہو سکتی تھی۔ مذہبی تعلیم کے لئے بھی پورے انتظامات کئے گئے تھے۔ اور داعی عبداللہ بن میمون کو منتظم بنایا گیا تھا۔ یہ تعلیم درجہ بدرجہ اور اسی تعداد کے مطابق مریدوں کو دی جاتی تھی۔ جس سے وہ اپنے علم میں ترقی کرنے کے علاوہ نفس کا تزکیہ کرتے اور تھوڑے عرصہ میں باقاعدہ تعلیم کی وجہ سے وہ ایک کامل مبلغ بنجاتا تا۔ اس طرح کے باطنی علوم ہر کس و ناکس نہیں حاصل کر سکتا تھا۔ کیونکہ ان کو حاصل کرنے کے لئے ایک

شخص کو کامل توجہ، اور میلان کی ضرورت تھی۔ جو ہر شخص کو نصیب نہیں۔ اس وجہ کے فارغ التحصیل طلباء جید عالم شمار کئے جاتے تھے۔

عبداللہ بن میموں کی امام سے محبت

اس طرح کی تعلیم دینے والے عبداللہ بن میموں ایک جلیل القدر داعی تھے آپ سلمان الفارسی کی نسل سے تھے، اور جید عالم تھے، عبداللہ بن میموں اور خود ان کے والد ابو میموں حضرت امام جعفر صادقؑ کے عاشق تھے، اور ساری زندگی ان کی غلامی میں بسر کی تھی، اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ داعئ اکبر کے درجہ کو پہونچے۔ اور اسمٰعیلی مذہب کے درجۂ "باب" سے بھی مشرف ہوئے۔ ابو میموں حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے تحصیل علم کی تھی۔ اس لحاظ سے وہ ان کے داعی مانے جاتے ہیں حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کے زمانہ میں عبداللہ بن میموں نے اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت میں بہت بڑا عظیم الشان حصہ لیا اور آپ کی جدو جہد سے اسماعیلی مذہب کو روز افزوں ترقی ہوگئی۔ اس وقت عسکر مکرم (نام مقام) دعوت و تبلیغ کا مرکز تھا۔ اور بڑی شان رکھتا تھا۔ یہاں یہ بھی ظاہر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے عبداللہ بن میموں کے سلسلہ کے ساتھ فاطمی سلسلہ کو ملا دینے کی کوشش کی تھی۔ یہ بات بالکل صداقت سے دور ہے۔ عبداللہ بن میموں حضرت امام اسمٰعیل اور محمد بن اسمٰعیلؑ کے وقت میں ایک جلیل القدر داعی کی حیثیت رکھتے تھے اور کچھ بھی نہیں۔

حضرت امام اسمٰعیلؑ دس سال تک مسند امامت پر متمکن رہے۔ آپ کے بعد حضرت محمد بن اسمٰعیل سریر امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت امامؑ کی مخصوص جائے سکونت موضع سلیمیہ تھی شام کے علاقہ سلیمیہ میں جب حضرت اسمٰعیلؑ کو نمایاں ترقی ہوئی۔ اور اس کی خبر خلیفہ منصور کو پہنچی تو وہ آگ بگولہ ہوگیا۔ اور پیچ و تاب کھاکر اس نے دمشق کے والی کو حکم بھیجا کہ حضرت امامؑ کو قید کرکے میرے پاس بھیجدو۔ ساتھ ہی والی دمشق کو اس

اس بارہ میں ملامت بھی کی کہ اس نے ابھی تک ان حالات سے اس کو مطلع کیوں نہیں کیا؟

حضرت امام اسمٰعیل (علیہ السلام) کی وفات

دمشق کے حاکم کو خلیفہ منصور کا خط ملا۔ مگر وہ اسماعیلی مذہب کو قبول کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے حضرت امامؑ کو اس خبر وحشت اثر سے مطلع کر دیا۔ حضرت امامؑ چند روز کے لئے سلمیہ سے دوسری جگہ چلے گئے۔

حاکم دمشق نے چند دن تک تلاش و تجسس کی ظاہری کوشش کی، اور بغداد میں خلیفہ منصور کو اطلاع دی کہ حضرت امامؑ کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ آپ کو کسی نے جھوٹی خبر دی ہے جب یہ معاملہ سرد ہو گیا تو حضرت امامؑ دوبارہ سلمیہ واپس تشریف لائے۔ اور اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ آپ دس سال تک برابر امامت کے حامل رہے۔ ۱۵۸ھ ہجری میں سلمیہ میں دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ اور اسی موضع میں آپ دفن کئے گئے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے فرزند

حضرت امام اسمٰعیلؑ کے دو فرزند تھے: حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ اور علی بن اسماعیل۔ حضرت امام محمد بن اسمٰعیل اپنے چچا حضرت موسیٰ کاظم اور حضرت اسحٰق سے عمر میں بڑے تھے، اور اپنے بھائی علی بن اسمٰعیل سے بھی آٹھ سال عمر میں بڑے تھے۔ حضرت امام اسمٰعیلؑ کی وفات کے بعد امام محمد بن اسمٰعیل مسند امامت پر متمکن ہوئے۔

حضرت امام محمد بن حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام)

سنِ امامت ۱۵۸ھ ہجری سے ۱۹۷ھ ہجری تک

حضرت امام محمد بن اسمٰعیل ۱۵۸ھ ہجری میں تخت امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت صرف چھبیس ۲۶ برس کی تھی، اور ان کے بھائی شاہ زادہ علی انیس ۱۹ سال کے تھے۔ حضرت امام کا لقب وصی محمد بھی تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنے دادا حضرت امام جعفر صادق ؑ کے ہمراہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے جب خلیفہ المنصور عباسی نے آپ کے فرزند حضرت امام اسمٰعیل ؑ کے ساتھ دشمنی پر کمر باندھی تھی تو ان دونوں فرزندوں کے جان کے اندیشہ سے انہیں نہایت مخفی طور پر حفاظت میں رکھے گئے، حضرت امام جعفر صادق ؑ اور خلیفہ المنصور کی وفات تک یہ دونوں بھائی اسی طرح رہے، حضرت امام ؑ کی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی، اسی سال میں خلیفہ منصور بھی فوت ہوگیا۔ اور اسی سال سے حضرت امام محمد بن اسمٰعیل کی امامی کارروائیاں ظہور میں آئیں۔

خلیفہ منصور کے بعد اس کا لڑکا مہدی بن منصور خلافت کا مالک ہوا۔ اور ۱۶۹ھ ہجری میں فوت ہوگیا۔ یہ عباسی خلفاء میں تیسرا خلیفہ تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا موسیٰ ہادی بن مہدی عباسی خلافت پر متمکن ہوا۔ اور ۱۷۰ھ ہجری میں فوت ہوگیا۔ صرف ایک ہی سال خلافت کی، اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی ہارون الرشید تخت خلافت پر بیٹھا اور ۱۹۳ھ ہجری میں یہ بھی حضرت امام ؑ سے چار سال پیشتر فوت ہوگیا۔ ہارون الرشید حضرت امام محمد بن اسمٰعیل ؑ کا ہمعصر تھا۔ اور اس نے بھی اپنے دادا منصور کے مانند بنو فاطمہ کے ساتھ ویسا ہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ جیسا المنصور کا تھا۔ اور ہمیشہ درپے آزار رہا۔

اسلامی دعوت کی اشاعت

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد عباسی خلفاء کی عداوت اور دشمنی کے باعث دعوت و تبلیغ کا کام خفیہ طور سے جاری رکھا۔ اور اسی طرح ترقی دیتے رہے آپ کے بیشمار مبلغ دور دراز شہروں میں اشاعت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ جو وہاں کے لوگوں میں بنی فاطمہ کی طرف سے دعوت کے فرائض نہایت مستعدی سے بجالاتے تھے ان کوششوں کا آخر کار انجام یہ ہوا کہ ہزارہا لوگ اسمٰعیلی مذہب کے حلقہ میں آکر اسمٰعیلی دعات کے ہاتھ پر حضرت امامؑ کی بیعت بھی بخوشی و رضامندی کی، اور ساری دنیا میں امامت کا آفتاب ہر طرف چمکنے لگا۔

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ بھی بذات خود ایک شہر سے دوسرے شہر خفیہ طور سے دورہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے دادا کے شہر مدینہ منورہ بھی تشریف لیجاتے۔ جہاں داعیوں اور دوسرے بزرگوں کی خفیہ مجلسیں ہوتی رہتی تھیں، اور چند معتبر آدمیوں کے علاوہ عوام کو بالکل حضرت امامؑ کی خبر نہ ہوتی تھی۔ وقتاً فوقتاً داعی امامؑ کی جناب میں حاضر ہوتے تھے اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے، ان داعیوں اور رئیسوں کی وفاداری میں بالکل کلام نہیں تھا۔ اس لئے کہ حضرت امامؑ کے علوم ظاہری و باطنی اور اخلاق حمیدہ کے سب قائل تھے، اور تمام مذہبی کاموں میں آپ کی منظوری لیا کرتے تھے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے ساتھ خلیفہ ہارون الرشید کا سلوک

عباسی خلیفہ ہارون الرشید ۱۷۰ھ ہجری میں تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت امامؑ کی جستجو کے لئے ہر طرف مختلف ممالک میں جاسوسوں کو بھیجا۔ ان جاسوسوں نے خلیفہ کو خبر دی کہ حضرت امام اسمٰعیلؑ سلیمیہ میں وفات پا گئے۔ ہیں نیز ان کے فرزند حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ ان کے جانشین ہوئے ہیں۔ جو فی الحال مدینہ منورہ کی طرف گئے ہیں اس خبر کے ملتے ہی خلیفہ نے اپنے آدمیوں کو حضرت امامؑ کی گرفتاری اور قید کا پروانہ دے کر

مدینہ منورہ روانہ کیا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے واقعہ اپنی بی بی زبیدہ بیگم سے بیان کر دیا۔ زبیدہ بیگم نہایت زیرک اور محب بنو فاطمہ تھیں اور اپنے شوہر خلیفہ ہارون الرشید کی آل رسول صلعم کی عداوت سے خوب آگاہ تھی۔ مگر یہ بات خلیفہ کو بالکل نہ معلوم تھی کہ زبیدہ بیگم اہلبیت سے محبت رکھتی ہے۔ زبیدہ بیگم کو یہ معلوم ہو گیا کہ داعیوں کی خفیہ مجلس مدینہ منورہ میں حضرت امام جعفر صادق ع کے مکان میں جمع ہونیوالی تھی، جہاں حضرت امام محمد بن اسمٰعیل ع شریک ہونے والے ہیں۔ اور خلیفہ ہارون کے آدمی بھی حضرت امام ع کو قید کرنے کے لئے ضرور جائیں گے۔ اس بات سے آگاہ کرنے کے لئے اس نے اپنے ایک معتمد نوکر کو نہایت خفیہ طور سے حضرت امام ع کی خدمت میں فوراً روانہ کر دیا۔ جب حضرت امام محمد بن اسمٰعیل ع کو خلیفہ کے ارادہ سے واقفیت ہوئی تو آپ اسی وقت اپنے بھائی شاہزادہ علی کو ہمراہ لیکر کوفہ کی طرف راہی ہو گئے۔ عرصہ تک حضرت امام ع نے کوفہ میں نہایت مخفی طور پر زندگی بسر کی، مگر وہاں بھی راحت نہ نصیب ہوئی۔ لہٰذا آپ کسی نامعلوم جگہ تشریف لے گئے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی شادی

خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے اسحٰق بن عباس الفارسی موضع رَی، کا گورنر تھا۔ "رَی" کا دوسرا نام طہران تھا۔ اس کی بہن سارہ نظربند قیدی کی طرح خلیفہ ہارون الرشید کے محل میں رہتی تھی۔ اسحاق بن الفارسی باطن میں شیعان علیؑ میں سے تھے۔ اور ان کی بہن سارہ بھی بنو فاطمہ کے ساتھ نہایت محبت رکھتی تھی۔ سارہ کی ایک لڑکی فاطمہ نامی تھی۔ جو اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے ماموں اسحاق بن عباس الفارسی کے یہاں پرورش پاتی رہی۔ زبیدہ خاتون حضرت امام اسمٰعیل ع اور حضرت امام محمد بن اسمٰعیل کے متعلق تمام خبریں سارہ ہی کے معرفت حاصل کرتی تھی۔ اور سارہ اس بارہ میں نہایت معتمد اور موثق خبر اس کو پہنچاتی تھی۔ ایک وقت سارہ نے زبیدہ خاتون

سے اپنی لڑکی فاطمہ کو حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کے ساتھ بیاہ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ زبیدہ خاتون نے سارہ کی اس خواہش کو منظور کی، اور سب کام مخفی طور پر انجام پذیر ہوئے۔

اس واقعہ کے بعد زبیدہ خاتون نے سارہ کو نظربندی سے آزاد کرانے کی بہت سی تدبیریں کیں اور آخر اپنی کوششوں سے سارہ کو قید سے آزاد کرا کر اس کو اس کے وطن رے جانے کی اجازت دلائی۔ جب سارہ رے واپس آگئی۔ تو اس نے اپنے بھائی اسحٰق بن عباس الفارسی کو زبیدہ خاتون سے جو گفتگو ہوئی تھی بیان کی۔ امیر اسحاق نے بھی اس کو پسند کر لیا۔ اور سارہ نے اپنی لڑکی فاطمہ کو نہایت شہزادیوں کے ساتھ حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کے پاس بھجوا دیا۔ جہاں ان کی شادی ہو گئی۔ سارہ نے اپنی لڑکی کو شادی میں بہت جہیز دیا۔ حضرت فاطمہ کے بطن سے امام شاہ وفی احمد پیدا ہوئے۔ اور ابھی دو سال کے ہوئے تھے کہ ان کی والدہ فاطمہ وفات پا گئیں۔ ان دنوں حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ رے میں تشریف رکھتے تھے۔ زبیدہ کی وفات سے حضرت امامؑ بہت مغموم اور آزردہ خاطر ہوئے۔ شاہزادہ کا پیدائشی نام عبداللہ تھا۔ مگر بعد میں آپ وفی احمد کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت امامؑ کی بیوی کی تمام ملکیت حضرت امام وفی احمد عبداللہؑ کو دی گئی۔

حضرت امام (علیہ السلام) کا رے میں قیام

خلیفہ ہارون الرشید کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ حضرت امام بن محمد اسمٰعیلؑ رے میں امیر اسحاق بن الفارسی کے یہاں مقیم ہیں۔ اس لئے اس نے رے کے گورنر اسحٰق کو لکھا کہ حضرت امامؑ کو جلد مقید کر کے خلیفہ کی خدمت میں بھیج دو۔ اس کام کے عوض میں بہت بڑا دوسرا عہدہ اور دوسری جاگیر بھی دی جائیگی۔

امیر اسحٰق نے اس خط کو پڑھنے کے بعد حضرت امامؑ کو دکھایا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کو جواب میں لکھا کہ حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کا پتہ ابھی تک نہیں چلا، تاہم تلاش جاری ہے ملتے ہی انہیں گرفتار کر کے بغداد روانہ کیا جائے گا۔

اس واقعہ کے تھوڑے دن بعد پھر خلیفہ ہارون الرشید کو اس کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ امیر اسحٰق کے پاس "رے" میں تشریف رکھتے ہیں اور وہاں سے وہ اپنے داعیوں کو دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجتے ہیں۔

اس خبر کے پہنچتے ہی خلیفہ نے پھر ایک خط نہایت خفگی آمیز امیر اسحاق کو لکھا کہ اگر وہ حضرت امامؑ کو عنقریب روانہ نہ بھیجے گا۔ تو میں خود بذاتہ لشکر کے ساتھ "رے" آؤں گا۔

امیر اسحاق کی شاندار قربانی

یہ خط بھی امیر اسحٰق نے حضرت امامؑ کو دکھایا۔ جس کے دیکھتے ہی حضرت امامؑ اپنے صغیرہ فرزند کے ہمراہ ایران کے شہر نہاوند کے نہایت محفوظ و مضبوط قلعہ میں چلے گئے۔ یہ شہر اور قلعہ امیر اسحاق کے نہایت عزیز دوست منصور بن جوشن کے تابع تھا۔ امیر اسحاق نے تمام واقعہ بلاکم و کاست اسے لکھ بھیجا اور امیر منصور بن جوشنؒ امیر اسحاق نے "سرتنہا" نامی ایک چھوٹی زمین کا قطعہ جو "کازرون" کے قریب ہے خرید لیا۔

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ اور وہیں مقیم ہو کر پھر سے نئے انتظامات کے ساتھ اپنے داعیوں کو متعدد شہروں میں دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا۔

خلیفہ ہارون الرشید کو امیر اسحاق نے پہلے ہی خط کے مطابق جواب دیا۔ جس سے خلیفہ نہایت برہم ہوا۔ اور ایک لشکر کے ساتھ "رے" آیا۔ امیر اسحٰق سے حضرت امامؑ کے مکان کا پتہ پوچھا۔ اور انتہائی زجر اور توبیخ سے کام لیا۔ امیر اسحٰق نے کوئی بات نہ بتائی امیر اسحٰق کے اس طرز عمل سے خلیفہ نہایت غضبناک ہوا۔ اور امیر کو چابک سے مارنے کا حکم صادر کیا۔ آپ کو چابک سے اس قدر مارا گیا کہ تمام پیٹھ شق ہو گئی۔ نوبت یہانتک پہنچی، کہ اس سخت زدوکوب سے امیر وفات پا گئے۔ اس طرح امیر اسحٰق نے اپنی جان حضرت امامؑ پر نثار کر دی۔ مگر حضرت امامؑ کا بالکل پتہ نہ دیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کی

تمام تدبیریں بے کار ہو گئیں۔

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کی دوسری شادی

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ نہاوند کے علاقہ میں قازروں کے قریب "سرہتا" میں چھوٹی سی زمین پر مکان بنا کر ایام زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ۱۴۷ھ میں حضرت امامؑ نے امیر ابو منصور بن جوشن کی دختر کے ساتھ دوسری شادی کی۔ ان بی بی کے بطن سے چار فرزند تولد ہوئے، خلیفہ اگرچہ حضرت امامؑ پر اپنا تسلط جمانے، اور دعوت تبلیغ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔ لیکن امامت کا نور ہر طرف آفتاب درخشاں کی مانند چمکنے لگا اور اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت چار دانگ عالم میں روز بروز ترقی پذیر ہوتی گئی۔ دعات اپنی جان ہتھیلی پر لیکر ہر چہار طرف دعوت کر رہے تھے، اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگ جوق جوق حضرت امامؑ کے دیدار کے لئے نہاوند آتے رہتے تھے،

حضرت امام (علیہ السلام) کے مکان کا محاصرہ

اسمٰعیلی مذہب کی روز افزوں اشاعت کی خبر بغداد پہونچی۔ تو خلیفہ نے محمد بن علی خراسانی کو ۲۵۰ گھوڑے سوار لشکر کے ساتھ نہاوند کے طرف روانہ کیا۔ اور ھدایت کی کہ "سرہتا" جاکر حضرت امامؑ کو قید کر کے میرے پاس لے آؤ۔ بہرحال حضرت امامؑ سے جنگ کر کے انہیں ضرور قید کرو۔ اور کسی طرح انہیں فرار ہونے کا موقع نہ دو۔

محمد بن علی خراسانی اپنے گھوڑے سوار لشکر کے ہمراہ شہر نہاوند میں آپہنچا اور وہاں سے موضع سرہتا میں دوپہر کے وقت آکے حضرت امامؑ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اس اچانک حملہ اور محاصرہ سے سارے مریدونکو پریشانی ہوئی۔ محمد بن علی خراسانی گھوڑے سے اُتر کر آگے بڑھا۔ اور حضرت امامؑ جہاں رونق افروز تھے وہاں آکر کھڑا ہو گیا۔ مگر حضرت امامؑ کے رعب وداب اور شان وشوکت کو دیکھ کر ایسا مرعوب ہوا کہ بات کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔ حضرت امامؑ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور اس کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ اس نے اپنے ارادے سے بالکل ہاتھ اٹھا لیا۔ اور حضرت امامؑ کے قدموں پر اپنے سر کو جھکا دیا۔ حضرت امامؑ نے اپنے

دست مُبارک سے اس کے سر کو اپنے قدموں سے اٹھایا۔ اور نہایت محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ افسوس کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا۔

صابور میں اقامت

اس واقعہ کے بعد محمد بن علی خراسانی نے خلیفہ بغداد کی تمام کیفیت اور حضرت امامؑ کے خلاف جو جو احکامات اس نے صادر کئے تھے۔ سب بیان کئے اور نہایت ہوشیاری سے رہنے کے لئے مؤدبانہ عرض کی۔ اس اطلاع کے بعد فوراً ہی حضرت امامؑ شہر نہاوند سے کوچ فرما گئے اور محمد بن علی خراسانی کے ساتھ صابور شہر میں تشریف لائے۔ وہاں کے مشہور رئیس قماص بن جوہ کے مکان پر قیام فرمایا۔ صابور میں قیام کے درمیان حضرت امامؑ نے قماص کی دختر دریت کے ساتھ نکاح کیا۔ جس کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا۔ لیکن فرزند کے پیدا ہونے کے دو مہینہ بعد ہی بی بی دریت کا بھی انتقال ہو گیا۔

صابور میں جب امن و امان قائم ہو گیا۔ تو حضرت امامؑ نے اطراف و جوانب کے شہروں میں سیاحت شروع کی۔ اور دعوت و تبلیغ کے کام کو زوروں میں جاری کر دیا۔ جس سے بہت سے لوگ مذہب اسمٰعیلی میں داخل ہو کر حضرت امامؑ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

تاریخ فرشتہ کے مورخ محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ اپنے والد اور جد امجد کی وفات کے بعد مدینہ سے "رَی" کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور سالہا سال تک یہاں زندگی بسر کی، یہاں آپ نے اپنے نام پر ایک شہر "محمود آباد" نامی آباد کیا۔ جو آج تک موجود ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کو صابور میں بھی مخالفوں نے چین سے نہ رہنے دیا۔ یہاں بھی خلیفہ ہارون الرشید کے آدمیوں نے آپ کا تعقب کیا اور آپ یہاں سے بھی مخفی طور پر فرغنہ کی طرف چلے گئے۔ اور وہاں آپ نے بود و باش اختیار فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے داعیوں سے خط و کتابت

بالکل بند کردی۔ جس سے آپ کو چندان راحت ملی۔ اور فرغانہ سے کوچ کرکے آپ اپنے والد ماجد کے شہر سلیمیہ میں تشریف لاکر اپنے مکان خاص میں سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں بھی حضرت امامؑ کو ستانے اور اذیت دینے میں دشمنوں نے کچھ کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر حضرت امامؑ نے اپنا کام بدستور جاری رکھا۔

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کے زمانہ میں اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت درجہ کمال کو پہنچ گئی۔ جو حضرت امامؑ کی جدوجہد اور داعیوں کی جانفشانیوں کا ثمرہ تھا۔ عین اس وقت جبکہ مذہب کی اشاعت کا کام اس دھوم سے جاری تھا۔ حضرت امامؑ ۱۹۱ھ ہجری میں وفات پا گئے۔ اور آپ کی لاش مبارک "محمود آباد" میں دفن کی گئی۔

حضرت امام (علیہ السلام) کا قبیلہ

حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کے تین فرزند تھے۔ آپ کی پہلی بیوی فاطمہ کے بطن سے بڑے شاہزادے عبداللہ جو آپ کے بعد مسند امامت پر وفی احمد کے لقب سے رونق افروز ہوئے اور دوسری زوجہ امیر منصور بن جوشن کی دختر نیک اختر کے بطن سے شاہزادہ حسینؑ اور شاہزادہ علی بھی آپ ہی کے ہمراہ رہتے تھے۔

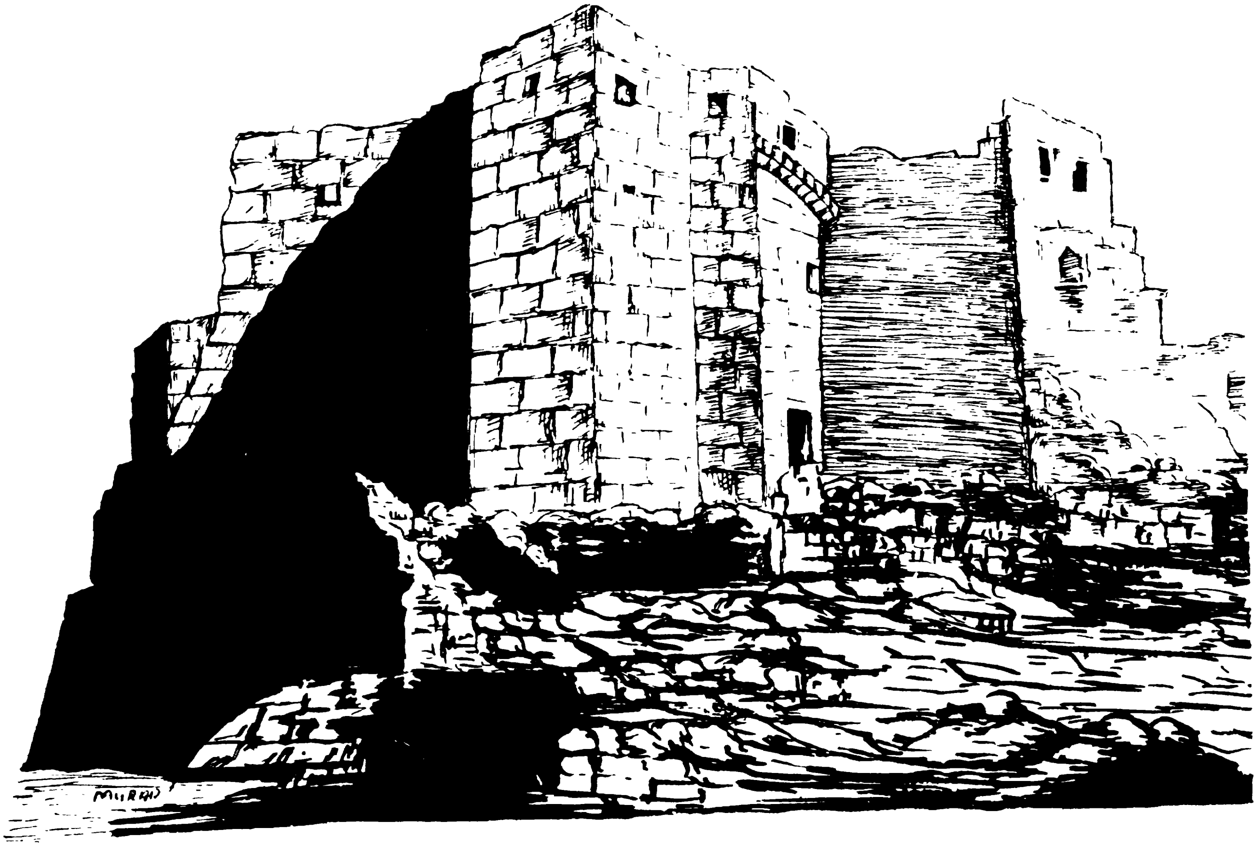
خلیفہ ہارون الرشید ۱۹۳ھ ہجری میں فوت ہوا۔ اور اس کے بعد اس کا فرزند امین بن ہارون الرشید مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ جس نے ۴ سال تک سلطنت کی۔ اور فوت ہوگیا۔ یہ دونوں واقعات حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ کی حیات میں ہوئے۔ جب حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؑ فوت ہوئے۔ تو اس وقت عباسی خلیفہ امین تخت خلافت پر متمکن تھا۔

حضرت امام عبداللہ وفی احمد (علیہ السلام)

سن امامت از ۱۹۷ھ ہجری تا ۲۱۲ھ ہجری

حضرت امام وفی احمد (علیہ السلام) کا اصل نام عبداللہ بن محمد بن اسمعیلؑ ہے اور جعفر المصدق کے نام سے بھی وہ معروف ہیں آپ کی والدہ کا اسم مبارک فاطمہ تھا۔ آپ رئیس الدین امیر سحق بن عباس الفارسی کی بہن سارہ کی دختر تھیں۔

حضرت امام وفی احمدؑ مسند امامت پر ۱۹۷ھ ہجری میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کی طبیعت نہایت سادہ تھی۔ اور آپ کا چہرہ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتا تھا گفتگو میں نرمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ رہتی تھی، آپ جس وقت مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت خلیفہ عباسی امین بن ہارون الرشید تخت خلافت پر قابض تھا جو ۱۹۸ھ ہجری میں فوت ہوگیا اور خلافت اپنے بھائی مامون الرشید عباسی کو سونپ دی۔ خلیفہ مامون بھی بنی فاطمہ کے ساتھ بغض و عنا د رکھتا تھا اور ان کی عظمت و جلالت اس سے بالکل دیکھی نہ جاتی تھی اس لئے اس نے اپنے پیشرو خلفاء کے مطابق اہل بیت کرام سے دشمنی جاری رکھی اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی۔ جس کی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں متعدد بلوے ہوئے۔ حضرت امامؑ کی تلاش کے لئے اس نے اپنے ممالک کے مختلف حصوں میں جاسوسوں کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے حضرت امامؑ کے عوض میں بغیر پہچانے دوسرے بہت سے بیگناہوں کا خون بھی کیا اور اسمٰعیلی داعیوں کو بھی ستانے اور اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہ کی۔ اکثر اوقات حضرت امامؑ کی تلاش میں پتہ دریافت کرنے کے لئے داعیوں پر سختیاں کرتے اور انہیں سخت سزائیں بھی



قلعہ مسیاۃ :- حضرت مولانا شاہ امام وفی احمد (امامی اسمٰعیلیوں کے آٹھویں امام) مدت تک اس قلعہ میں مقیم تھے۔

بیٹے تھے مگر یہ وفادار دعات اپنے عقیدہ میں ایسے مضبوط تھے، کہ جان سے بے پرواہ ہوکر پتہ بتانے سے قطعی انکار کردیتے اور اس وفاداری کو دیکھ کر دشمن بھی محو حیرت تھے۔

علیؓ بن لیث ایک اسمٰعیلی سردار

حضرت امام وفی احمدؑ نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد "نہاوند" ضلع میں امیر منصور بن جوشن کے چھوٹے فرزند امیر صمدان کے یہاں قیام فرمایا اور وہاں اس نے اپنی دختر آمنہ کی شادی حضرت امام وفی احمدؑ کے ساتھ کردی۔ امیر صمدان مذہب کا نہایت پابند و محب اہل بیت تھا۔ حضرت امامؑ کی انتہائی عزت وعظمت کرتا تھا اور اپنا سارا وقت حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں گزارتا تھا۔

امیر ہمدان کی دختر آمنہ کے بطن سے شاہزادہ علی اور شاہزادی فاطمہ دو بچے پیدا ہوئے، شاہزادہ کو اس کے نانا امیر صمدان نے شاہزادہ علی اللیث کا خطاب دیا۔ دنیا سے امامت کو نابود کرنے کے لئے عباسیوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا اور حضرت امامؑ اس سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے چند مدت کے لئے آپ نے ظاہری طور سے دعوت کا کام اپنے شاہزادہ علی اللیث کو سونپ کر گوشہ نشین ہوگئے تاکہ عباسیوں کی دشمنی کچھ کم ہوجائے اور اس لئے آپ "مسی آۃ" میں ایک گھر تعمیر کرکے تاجرانہ حیثیت سے پوشیدہ رہنے لگے، یہ جگہ "مسی آۃ" کے قلعہ کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے اور نصاریٰ کے ساتھ تیسری صلیبی جنگ میں شام کے اسمعیلی سردار سنان کی نمایاں کارگزاری کے سبب یہ تاریخ میں بہت مشہور ہوگیا "مسی آۃ" میں جب حضرت امامؑ نے مخفی طور سے زندگی بسر کرنی شروع کی اس وقت تمام مذہبی امور جو مبلغین اور فدائیوں کی معرفت انجام پاتے تھے اب شاہزادہ علی اللیث کی ماتحتی میں جاری ہوئے تھے۔

احمد بن الکیال نامی ایک شخص اسمعیلی نے اس زمانہ میں مذہب کا مقابلہ کرتے ہوئے رفتہ رفتہ اس نے امامت کا بھی دعویٰ کیا۔ اور کہنے لگا کہ جو شخص مجھ پر ایمان لائے گا۔

اس کو قیامت کے دن درجۂ عظیم حاصل ہوگا۔ الغرض اس نے اس طرح لوگوں کو بہکایا اور ایک جم غفیر اس کی پیروی کرنے لگا۔ لیکن تھوڑی ہی مدت میں اس کی قلعی کھل گئی۔ اور اس کے مُریدوں نے اسے قتل کرکے اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے

تبلیغ و دعوت کی روز افزوں ترقی

مذکورہ بالا فتنہ کے دور ہوتے ہی حضرت امام وفی احمدؑ "نہاوند" سے اپنے تبلیغی مبلغین کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے "دیلم" موضع کے "اسناس" گاؤں میں تشریف لاکر قیام فرمایا۔ اور یہاں آپ نے ایک علوی خاندان کی خاتون سے نکاح کیا۔ جن کے بطن سے احمد بن عبداللہ پیدا ہوئے۔ آپ تقی احمد کے مبارک لقب سے ملقب ہو کر اپنے حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد تخت امامت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے ہمراہ جو تبلیغی مبلغ آئے تھے۔ ان سب کو دیلم کے تمام شہروں میں بھیج دیئے اور ان کی کوشش سے اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت پھر دن بہ دن بڑھنے لگی۔ اور جگہ جگہ امامت کا جھنڈا لہرانے لگا۔ حضرت امام وفی احمدؑ جب "نہاوند" سے دیلم کے لئے رخصت ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کے برادر مکرم حضرت حسین بن محمد بن اسمٰعیل کو مذہبی اشاعت کی سرداری سونپی تھی اور تمام مومنوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کام میں ان کی مدد کریں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے بھائی کی نیک نیتی

حضرت حسین بن محمد بن اسمٰعیل "نہاوند" سے مخفی طور پر تاجرانہ پوشاک میں حاجیوں کے ہمراہ مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے، جب سامرہ تشریف لائے اور اہل اہواز سے ملاقات ہوئی تو آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت امامؑ کے مخفی ہونے کے سبب سے "اہواز" کے تمام مبلغین حسین بن محمد کے نام سے دعوت کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت امام وفی احمدؑ کے بعد ان کے بھائی حسین بن محمد امام ہیں۔ یہ سُن کر آپ نہایت مغموم ہوئے

اور فوراً اھواز روانہ ہوئے۔ آپ نے تمام مبلغین کو اپنے سامنے بلایا اور انہیں مطلع کیا کہ حضرت امامؑ نے دیلم میں بودوباش اختیار کر لی ہے اور نہایت مخفی طور سے رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم لوگ اس بات کی ہرگز کسی کو اطلاع نہ دینا۔ میں یہ خبر محض تمہیدی دیتا ہوں اور صاف صاف کہتا ہوں کہ میں امام نہیں بلکہ حضرت امامؑ کا ادنیٰ غلام ہوں۔

اھواز میں اسمٰعیلی جلسہ

داعیوں کی اس ملاقات کے بعد اھواز میں ایک عام جلسہ کیا گیا اور اس میں حضرت حسین بن محمد نے سب کے لئے دعائے برکت کرنے کے بعد باآواز بلند فرمایا کہ سطح دنیا پر حضرت امام حسینؑ زندہ موجود ہیں اور اس الٰہی کارخانہ میں ہم سب امامؑ کے ادنیٰ غلام ہیں اس لئے سن لو کہ میں امام نہیں ہوں بلکہ ان کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ تم اپنے دو [illegible] کسی شیطانی جال میں نہ پھنسو۔ قاعدہ ہے کہ شیطان انسانی لباس میں ظاہر ہوتا ہے اور دوسروں کے دلوں میں وسواس پیدا کرتا ہے اس لئے نہایت ہوشیاری سے رہو۔ اور حضرت امامؑ کا دامن پکڑے رہو۔

شاہزادہ علی کے کارہائے نمایاں

حضرت امام وفی احمدؑ کے فرزند حضرت علی اللیث کو آپ کے والد ماجد نے منصب امامت کی حیثیت سے جو کام تفویض کیا تھا۔ اس کے مطابق وہ نہاوند میں انجام دے رہے تھے اور تقریباً دو ہزار مریدوں سے آپ نے حضرت امامؑ کے نام پر بیعت لی تھی۔

شاہزادہ علی اللیث نہایت بہادر تھے۔ شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ آپ چند ساتھیوں کے ہمراہ جنگل میں شکار کے لئے تشریف لیگئے۔ اتفاقاً یہاں عباسیوں کے لشکر کے ساتھ مقابلہ ہو گیا یہ لوگ حضرت امامؑ کی تلاش ہی میں تھے۔ نہاوند آئے ہوئے تھے، شاہزادہ علی اللیث کے ساتھ تھوڑے آدمیوں کو دیکھ کر دشمنوں نے آپ کو گھیر لیا

شاہزادہ علی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نہایت بہادری سے لڑے مگر شہید ہو گئے اور دشمنوں نے ان کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بغداد بھیجدیا۔

حسین بن محمد کی شہادت

اسی اثنا میں حضرت حسین بن محمد بن اسماعیل ہوز میں اپنے کام کو انجام دینے کے بعد "سلیمنہ" موضع تشریف لے گئے۔ اور وہاں آتے ہی مذہبی کارگزاریوں میں مشغول ہو گئے۔ یہاں آپ کو اپنے بھتیجے کی شہادت کی اطلاع ملی۔ یہ سنتے ہی آپ وہاں سے نہایت مخفی طور پر کوچ کر کے خوارزم کے راستہ سے حضرت امامؑ کے حضور میں حاضر ہونیکا ارادہ کیا۔ مگر دوسری جانب دشمنوں کے گروہ در گروہ حضرت امامؑ کی تلاش میں ادھر اُدھر پھر رہے تھے، اور راستے میں مسافروں سے بھی حضرت امامؑ کی تفتیش کرنے کے لئے ستاتے رہتے تھے۔ اتفاقاً حضرت حسین بن محمد بھی اسی راستہ سے گزرتے ہوئے دشمنوں کے درمیان گھر گئے۔ دونوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں حسین بن محمد نے اپنے ہمراہیوں سمیت شہادت کا درجہ عظمیٰ حاصل کیا۔ اور ان تمام لاشوں کو دشمنوں نے ایک گڑھا کھود کر دفن کر کے حضرت حسین بن محمد کا سر کاٹ کر مامون رشید کے دربار میں ایک پاسبان کے ہاتھ بھجوا دیا۔ ان کا تمام مال و متاع لوٹ لیا اور حضرت امامؑ کی سراغ رسانی کے لئے دشمن آگے بڑھے۔

شاہزادہ احمد بن لیث کی جنگ

اس وقت "نہاوند" کے پہاڑوں میں شاہزادہ علی اللیث کے فرزند شاہزادہ احمد اللیث کے سوائے کوئی فاطمی نہ تھا۔ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ اس لئے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ کی عقلمند دایہ نہاوند سے لیکر انہیں چلی گئی اور "تہدی کنگاہ" نامی چھوٹے گانوں میں ان کے ساتھ رہنے لگی۔ اسی گانوں میں طفولیت کا بہت بڑا حصہ گذرا

ایماندار اور تجربہ کار ہونے کے باعث دایہ نے آپ کو نہایت عمدہ مذہبی تعلیم دی اور اچھی طرح پرورش کیا۔ یہاں تک کہ جہدی کنگاہ میں ہی آپ جوان ہوئے۔ قدرت کی طرف سے آپ کو حیرت انگیز فراست اور غیر معمولی ذہانت عطا کی گئی تھی۔ آپ نے بھی اسمعیلی مذہب کا تبلیغی کام اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی عقل و فراست سے نہایت ترقی دی آپ کے دلپذیر مواعظ سننے کے لئے جم غفیر حاضر ہوتا تھا اور اسی کے باعث جہدی کنگاہ کے ہزاروں باشندوں نے اسمعیلی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ نیز اطراف و جوانب کے باشندے بھی اسمعیلی حلقہ میں داخل ہونے لگے تھے اور شاہزادہ احمد نے چار ہزار آدمیوں کا ایک لشکر جرار تیار کر کے اپنے والد اور چچا کا انتقام لینے کے لئے سلیمہ کیطرف کوچ کیا اور دشمنوں سے نہایت بہادرانہ مقابلہ کیا آخر چھ ہزار دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد نہاوند میں داخل ہوئے اور دشمنوں کی خوب گوشمالی کی گئی پھر اسمعیلی مشن کی اشاعت اور ترقی کا بندوبست کر کے آپ وہیں مقیم ہو گئے۔

بار دیگر سلیمیہ میں تشریف آوری

حضرت امامؑ اپنے بھائی اور فرزند کی شہادت سے نہایت محزون دل و رملول تھے اس لئے وہ وارث تخت امامت تقی محمد کو لئے ہوئے "سامرہ" روانہ ہوئے وہاں عرصہ تک قیام فرما کر شام کی ریاست میں داخل ہوئے، اور یہاں اپنے بزرگوار جدامجد حضرت اسمعیلؑ کے قدیم مکان میں تشریف لا کر ایک تاجر کی حیثیت سے رہنے لگے۔ آپ کے ہمراہ آئے ہوئے مبلغین بیپاریوں کے ایجنٹ کی طرح قرب و جوار کے شہروں میں گشت کرتے تھے اور دعوت کے کام کو نہایت خوبی سے انجام دیتے تھے

حضرت امام (علیہ السلام) کے دیدار کیلئے داعیوں کی آمد

اسی حالت میں عرصہ تک رہنے کے بعد حضرت امام وفی احمدؑ نے اپنے اہل و عیال

کے ساتھ سلیمیہ میں مستقل قیام کیا۔ اور سلیمیہ دوسری مرتبہ اسمٰعیلی دعوت و تبلیغ کا مرکز بن گیا حضرت امامؑ کی تائید الٰہی اور قوت کے باعث ہزاروں آدمی آپ کی طرف کھینچے ہوئے چلے آتے تھے، سلیمیہ کے باشندے تو حضرت امامؑ کو ایک اعلیٰ درجہ کے امیر یا متمول نامور تاجر سمجھتے تھے۔ حضرت امامؑ بھی قرب و جوار کے دشمنوں کے سبب سے عوام الناس میں ایک آدمی کے مطابق رہتے تھے۔ چند مخصوص لوگوں کو حضرت امامؑ سے تعارف حاصل تھا۔ اور آپ کے خاص مبلغین کے سوا دوسرے کسی کو آپ کے مقام کی خبر نہ تھی۔ حضرت امامؑ اس کثرت سے اپنی جائے رہائش تبدیل کرتے تھے اور دور دراز شہروں کی اس قدر سیاحت کرتے تھے کہ حضرت امامؑ کی قیام گاہ کا تصور بھی امر محال ہو گیا تھا یہ حالت دیکھ کر چند محبان امام نے عزم بالجزم کیا کہ بہر صورت حضرت امامؑ کو ڈھونڈھ کر ان کے دیدار سے ضرور مشرف ہوں گے۔ چنانچہ داعی مہر زوران کے فرزند داعی مہربان بن رستم اور ان کے فرزند عمران ان چار شخصوں نے دور دراز سفر کے لئے کمر باندھی، زاد راہ کے لئے اسمٰعیلی مریدوں نے چندہ جمع کیا اور چار ہزار درہم ان کو ہدیہ دیا گیا۔ اس رقم سے انہوں نے عطریات اور بچوں کے کھلونے خرید کر سوداگری کے بہانے میں شہر بشہر گشت کرنے لگے اور حضرت امامؑ کی جستجو کرتے رہے جہاں کہیں قیام ہوتا۔ چاروں اشخاص علیحدہ علیحدہ شہروں میں بچوں اور عورتوں کو ایک مقررہ جگہ پر سب جمع ہو جاتے۔ لوگ ان کو آ کر گھیر لیتے۔ اور بچے اپنے والدین کو لے آتے کہ ان سے مال خریدیں

سلیمیہ میں حضرت امام (علیہ السلام) سے ملاقات

یہ لوگ صرف حضرت امامؑ کی تلاش میں آپ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے سفر کر رہے تھے، اور موقع ملنے پر تبلیغ کا کام بھی کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے کسی ہم مذہب سے اگر ملاقات ہو جاتی تو حضرت امامؑ کے بارہ میں تفتیش کرتے اور بعض وقت گاؤں کے لوگوں سے حضرت امامؑ کا حلیہ بیان کر کے سوال کرتے کہ آیا ایسے آدمی کو انہوں نے کہیں

دیکھا ہے۔ اور جب پتہ نہ ملتا تو دوسرے شہر میں چلے جاتے، اسی طرح سُراغ لگاتے لگاتے داعی ہرمزا کے فرزند مہدی سلیمیہ میں پہنچ گئے۔ اور وہاں حضرت امامؑ کے قیام مبارک کا پتہ چلالیا۔ اس لئے وہاں جاکر ان کے پاس جو کچھ مال و منال تھا۔ حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں سب نذر کرنے کے بعد حضرت امامؑ سے دست بوسی کی۔ حضرت امام وفی احمدؑ اپنے مرید مہدی کی وفاداری سے نہایت خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعائے برکت فرمائی۔ اس کے بعد مہدی اپنے ہمراہیوں کو بھی لے آئے۔ اور چاروں اشخاص حضرت امامؑ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ آپ کے دیدار سے فیضیاب ہو کر اور دعائے برکت حاصل کر کے اپنے وطن کی طرف مراجعت کی اور اپنی تمام زندگی حضرت امامؑ کی خدمتگزاری میں صرف کر دی۔

مامون کا عہدِ سلطنت

مامون الرشید عباسی خلیفہ کے متعلق ضروری باتیں ہیں جن کی تشریح یہاں نہایت ضروری ہے ان میں سے پہلی یہ ہے کہ حضرت پیغمبر صلعم کے تمام خونی قرابتی فاطمی علوی اور زیدیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے خلیفہ مامون نے وہی سخت طرز عمل اختیار کیا تھا جو خلیفہ ابوالدوانیق نے اپنے زمانہ سلطنت میں کام لیا تھا۔ جس کے سبب سے تمام لوگوں کے دل اس سے کشیدہ تھے اور اکثر بلوے ہوتے رہتے تھے۔ الغرض حضرت امام جعفر صادقؑ کے وقت میں خونریزی کا جس طرح بازار گرم تھا۔ اسی طرح مامون کے عہد خلافت میں بھی خونریزی ہوتی تھی۔ دوسری بات ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں یونانی سنسکرت اور دوسری اکثر زبانوں میں مختلف علوم و فنون اور کتب فلسفہ کا ترجمہ زبان عربی میں کرنے کے لئے سلطنت کی طرف سے امداد دی جاتی تھی اور اسلامی علوم و فنون اور فلسفہ میں ترقی ہو رہی تھی۔ اکثر علما علم فلسفہ کی درس و تدریس کی طرف متوجہ تھے، مگر ابتدائی دور ہونے کے باعث ابھی اس کے اصول کی تشکیل پوری نہ ہوئی

تھی اس لئے ہر شخص اپنی فطرت کے مطابق اس کے مفہوم کو مراد لیا۔ جس سے علماء میں یہ اختلاف پیدا ہوگیا۔ اسلام اور سائنس یہ دونوں علیحدہ ہیں یا نہیں؟ اس موقع پر اور خاص اسی زمانہ میں خلیفہ مامون کے مذہبی خیالات میں بھی بہت کچھ تغیر و تبدل ہوگیا تھا کیونکہ یہ خود معتزلی فرقہ کے تمام عقیدے رکھتا تھا اور اسی فرقہ کے تمام عقائد اور خیالات کی نشر و اشاعت جبراً علما اور رؤسا کرنا چاہتا تھا۔ اسی زمانہ میں معتزلہ نے خلق القرآن (یعنی قرآن کریم اس دنیا میں تصنیف ہوا ہے) کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اس عقیدہ کے خلاف اہل السنت کے چار مخصوص فرقوں میں سے ایک فرقہ کے مقتدی احمد بن حنبل نے علم مخالفت بلند کیا۔ جس کے سبب اس کو قید کر دیا گیا علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس درد انگیز واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

"اخوان الصفا" کی تصنیف

خلیفہ مامون نے مذہب میں جن اصلاحی امور کا ارادہ کیا تھا ان سے درحقیقت اسلام کے اصول میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس وقت اسلامی دنیا میں مذہب کی طرف سے بے رُخی پیدا ہوگئی تھی اور اس کے تدارک کے لئے معقول تدابیر کی اشد ضرورت تھی۔ مذہب اور فلسفہ میں کیا فرق ہے اس بات کی تمیز کرنے کے لئے عوام الناس نہایت بیتاب تھے۔ جس وقت اسلامی دنیا میں یہ تلاطم برپا تھا۔ اس وقت حضرت امام وفی احمدؑ کے دعات اسلامی دنیا میں دعوت کر رہے تھے انہوں نے اس بات کو سُنا۔ اور حضرت امامؑ سے جو "باب علوم" تھے درخواست کی کہ ان مسائل کی وجہ سے اسلامی دنیا میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ اور لوگ حقیقت سے واقف ہونا چاہتے ہیں اس لئے آپ ان مسائل متنازعہ فیہ کو حل کر دیں۔"

حضرت امامؑ نے اس کو بخوشی تمام منظور کیا۔ اور آپ خود اس کو انجام دینے کے لئے مستعد ہوئے۔ اور اسلام و فلسفہ پر ایک عظیم الشان کتاب تصنیف فرمائی جو باون سالوں

پر مشتمل ہے اور ہر ایک رسالہ میں مختلف علم سے بحث کی گئی ہے۔ اور مختلف علوم کے اکیاون
مختلف رسالے ہیں اور آخری باونویں رسالہ میں ان تمام علوم کا لب لباب ہے۔ اس
آخری رسالہ کا نام "الجامعہ" ہے یہ تمام کتاب کلیتہً اخوان الصفا کے نام سے
مشہور ہے اور اپنی خوبی کے باعث اسلامی دُنیا کے علاوہ دوسرے تمام مہذب مشرقی
اور مغربی ممالک میں بھی مشہور ہے سلطنت کے سیاسی امور کے سبب سے آپ نے
اپنا نام مخفی کر دیا اور ہمایوں کے نام سے اس کتاب کو شائع کیا۔ اس نام میں ایک خوبی اور
باریکی یہ ہے کہ ابجد کے حساب سے "ہمایوں" کے اعداد اور حضرت امامؑ کے نام
کے اعداد برابر ہیں۔ علم الٰہیات۔ علم حکمت۔ ہیئت۔ ہندسہ وغیرہ تمام علوم سے
"اخوان الصفا" میں بالتفصیل بحث کی گئی ہے الغرض دُنیا کا کوئی علم نہیں ہے جس کا اس
میں ذکر نہ ہو۔ اس کتاب کے تیار ہوتے ہی ایک ایک نسخہ الگ الگ خلیفہ کے پایہ تخت بغداد
کی ہر مسجد کے محراب میں ایک ہی دن میں رات کے وقت رکھدیا گیا علی الصباح جب پیش
اماموں کی اور نمازیوں کی نظر اس رسالہ پر پڑی تو باہم چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور
آخر یہ تمام رسالے خلیفہ مامون کے پاس پہنچائے گئے ان کو دیکھتے ہی خلیفہ
کے ہوش وحواس گم ہو گئے اور کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس لئے اس نے علماء کو طلب
کیا۔ مگر ان کی بھی عقل گم ہو گئی۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ کتاب کسی معمولی عالم کی تصنیف
نہیں ہے۔ میرے خیال میں حضرت امامؑ کے سوائے دوسرے کی ہو ہی نہیں سکتی۔
اب اس کو یقین کامل ہو گیا کہ بنو فاطمہ کے نور چشم اور وارث پاک حضرت
امامؑ کی ذات اس دُنیا میں موجود ہے اور سلطنت کے تمام اصول کی اصلاح کے لئے
ان کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے۔ "اخوان الصفا" میں لکھا ہے کہ فلسفہ اور مذہب آپس
میں مختلف نہیں ہیں بلکہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے نسبت رکھتے ہیں اسی مسئلہ
کے متعلق اس زمانہ میں اختلاف تھا۔ اس کو دور کرنے کے لئے اس کتاب نے زبردست
اثر دکھایا جس سے خلیفہ کو اپنی مطلب براری کا موقع مل گیا۔ اور حضرت امامؑ کو ڈھونڈنے

کے لئے خلیفہ کے خیال کو مزید تقویت پہنچی ۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

ایک بار اتفاقاً حضرت امام وفی احمدؑ کا ایک داعی ابو ترمذی نامی بغداد میں آیا خلیفہ سے ملاقات کی اور اثنائے گفتگو میں پتے کو حضرت امامؑ کا سچا معتقد اور وفادار خادم ظاہر کر کے حضرت امامؑ کا پتہ دریافت کرنیکی بیحد کوشش کی، مگر یہ تمام کوششیں ضائع ہوگئیں اور جب بالکل پتہ نہ چلا تو اُس کو آخر قتل کر دیا ۔ جب حضرت وفی احمدؑ کو اس کی خبر پہنچائی گئی ۔ تو آپ سلیمیہ سے چلے گئے ۔ اور بہت بڑی سیاحت شروع کی ۔ سلیمیہ سے کوفہ، کوفہ سے دیلم، وہاں سے عسکر مکرم ہوتے ہوئے سلیمیہ واپس تشریف لائے ایک مدت تک وہاں قیام کرنے کے بعد محمود آباد تشریف لے گئے ۔ جہاں آپ سنہ ۲۱۲ ھجری میں سرائے فانی سے انتقال فرما گئے ۔ اور وہیں آپ دفن کئے گئے ۔

آپ کے بعد آپ نے اپنے فرزند حضرت امام تقی محمدؑ پر امامت کی نص فرمائی اور آپکے ایک پوتے شاہزادہ احمد بن علی اللیث نے حضرت امام تقی محمدؑ سریر امامت پر آنے کے بعد انہوں نے اپنے والد علی اللیث کی پیروی کرتے ہوئے تبلیغ اور اشاعت کا کام کرنے لگے ۔ اور انکی تائید کی ۔

حضرت امام تقی محمد (علیہ السلام)

سنِ امامت از سنہ ۲۱۲ ھجری تا سنہ ۲۲۵ ھجری

حضرت امام تقی محمدؑ کا اصلی نام احمد بن عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیل ہے لفظ تقی حضرت امامؑ کا لقب ہے۔ جس کے سبب سے آپ اسلامی دُنیا میں تقی محمد کے اسم گرامی سے مشہور و معروف ہیں چونکہ آپ لوگوں میں نہایت ہر دلعزیز تھے اس لئے محمد الحبیب' یعنی 'پیارے محمد' کے عزیز نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ سنہ ۲۱۲ ھجری میں آپ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ جب کہ مامون الرشید عباسی خلیفہ کی مسند خلافت پر آئے ہوئے ۱۴ سال گزر چکے تھے اور وہ اپنے معمول کے مطابق حضرت امامؑ کو قید کرنے کی فکر میں شب و روز غلطاں و پیچاں رہتا تھا مگر اسکو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب جب اسے یہ خبر ملی کہ حضرت امام تقی محمدؑ امامت کی مسند پر متمکن ہوئے ہیں تو آتش عناد اور بھی مشتعل ہو گئی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل مبارک میں تو اب کوئی باقی نہیں رہا۔ اس لئے اس نے حضرت امامؑ کو گرفتار کرنے کے لئے پوری کوشش پھر سے شروع کر دی۔

گورنر "رے" کا حضرت امام (علیہ السلام) سے خوف

حضرت امام تقی محمدؑ اس زمانہ میں عام لوگوں کی نگاہ میں رئیس التجّار کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ لیکن اسمٰعیلی ان کے سچے معتقد تھے اور اپنا مرشد سمجھتے تھے۔ حضرت امامؑ بھی اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کے لئے داعیوں کو ہدایت دے کر ہر چہار طرف روانہ کرتے تھے۔ اور وہ اپنا اپنا کام

نہایت مستعدی سے انجام دیتے تھے۔ سمعیلی قوم تاجرانہ لباس میں سلمیہ میں داخل ہو کر حضرت امامؑ کی ملاقات کا شرف حاصل کرتی اور دیدارِ مبارک سے فیضیاب ہوتی تھی۔ حضرت امامؑ کا دربار ہر وقت لوگوں کے ہجوم سے بھرا رہتا تھا۔ عوام الناس بھی حضرت امامؑ کو اعلیٰ درجہ کا امیر سمجھ کر ملاقات کو آتے تھے۔ رعیت کی یہ حالت دیکھ کر "ری" کے حاکم کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اور اس حقیقت سے خلیفہ کو بالتفصیل اطلاع دی، مخصوص طور پر یہ بھی لکھا کہ امیر التقی کی شوکت اگر اسی طرح چند مدت تک جاری رہیگی تو ان کا اثر واقتدار سارے ایران میں پھیل جائے گا۔ لوگ ان کی تابعداری قبول کر کے شورش عام خلیفہ کے خلاف مچادیں گے اور عباسی سلطنت میں زوال واقع ہوگا۔

حاکم "ری" کا خط پاتے ہی خلیفہ مامون عباسی نے ایک بڑی فوج کی تیاری شروع کی، تاکہ حضرت امامؑ کو زیر کرے اور ساتھ ہی ساتھ گورنر "ری" کو بھی لکھا کہ نہایت ہوشیاری سے وہ بھی لشکر تیار کرے۔ امداد کے لئے بغداد سے بھی ایک لشکر بھیجا گیا ہے۔ تم حضرت امامؑ کے ساتھ جنگ کر کے انہیں زیر کر لو اور ان کے رشتہ داروں کو بھی قید کر کے بغداد بھیج دو۔

عباسی سلطنت کے خلاف شورش

اس وقت عباسی سلطنت نہایت نازک حالت میں تھی ایک کے بعد ایک خوفناک ہنگامے پیش آتے تھے، اور اس کے دبانے کے لئے فوج ہر وقت مشغول رہتی تھی۔ ۲۰۵ سنہ ہجری میں "طاہریہ" قبیلہ کے لوگوں نے خراسان، اور ماوراء النہر فتح کر کے قبضہ کر لیا۔ اور ۲۰۶ سنہ ہجری میں "زیادیا" فرقہ نے یمن فتح کر لیا۔ ۲۱۰ سنہ ہجری میں "زغیہ" قوم نے کردستان، اور ہمدان میں اپنی سلطنت قائم کی۔ "الجزیرہ" میں نفر بن شث عقیلی نے سخت شورش مچائی۔ اور پانچ سال تک برابر ستاتا رہا۔ حضرت جعفر طیار اور دوسرے بعض علوی خاندان کے فرزندوں نے

اس موقع کو غنیمت سمجھکر خلافت کا مقابلہ کیا زیدی قوم کے محمد بن ابراہیم طباطبائی نے کوفہ میں بلوہ کیا اور ساتھ ہی آل رسول کے نام سے دعوت بھی شروع کردی قبیلہ شیبان کے ایک بڑے سردار ابوسرایا سری بن منصور شیبانی نے ان کی امداد کی، جو عباسیوں کے وزیراعظم فضل کے ایک سردار اور سپہ سالار "ہرسما" کے فوجی سرداروں میں سے تھا اور دونوں نے متحد ہو کر ایک ہی ہیجانی حملہ میں کوفہ کے عباسی گورنر حسن بن سہیل کے لشکر کو شکست فاش دے کر پورے جنوبی عراق پر قابض ہوگیا۔ فتح کے دوسرے دن محمد بن ابراہیم طباطبائی فوت ہوگیا اور ابوسرایا نے اسکی جگہ محمد بن محمد بن زید کو امیر بنایا۔

عباسی سپہ سالار حسن بن سہیل نے دوسری بار ابوسرایا کا مقابلہ کیا مگر اس وقت بھی اسکو شکست ہوئی۔ اس اثناء میں زیدیوں کے حمایتی ابوسرایا کی طرفداری میں علوی بھی آگئے اور اطراف جوانب میں پھیل گئے۔

عباسیوں کا قتل عام

اس کے بعد ابوسرایا کوفہ میں ٹھہر کر بصرہ، واسط اور مدائن کی طرف زیدی لشکر بھیج دیا اور عراق کے بہت سے ضلعوں اور شہروں کو فتح کر لیا جس سے علویوں کی ہمت دوگنی ہوگئی اور دونوں نے ملکر عباسیوں کے گھروں میں آگ لگا کر ان کا قتل عام کیا اس کام میں بصرہ" اور "اھواز" کے زیدیوں کے طرف سے مقرر شدہ گورنر زید بن موسیٰ کاظم نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ اس لئے وہ "زید النار" یعنی آتشین زید" سے تاریخ میں مشہور رہے۔

مکہ معظمہ میں حج کے موسم پر ابوسرایا نے حسین بن حسن بن امام زین العابدین کو وہاں کا گورنر مقرر کیا اور ابراہیم بن موسیٰ کاظم کو یمن کا صوبیدار بنادیا۔ فارس کی گورنری اسمٰعیل بن موسیٰ کاظم کو دی اور مدائن کی طرف حضرت حسن بن علیؑ کی اولاد میں محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ کو روانہ کر کے حکم دیا کہ بغداد پر مشرقی جانب سے دھاوا

بول دے۔ الغرض اس طرح سے ابو سرایا نے سلطنت کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر اس کو بہت زیادہ وسیع کر دیا۔

"ہرسما" سپہ سالار کا قتل

عباسی خلیفہ کے وزیر اعظم فضل بن سہیل نے ابو سرایا کو شکست دینے کے لئے "ھرسما" نامی سپہ سالار کو روانہ کیا۔ مشہور موضع ہنروان پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں ابوسرایا قتل ہوا۔ اور محمد بن محمد بن زید کو گرفتار کر کے خلیفہ مامون کے پاس بھجوا دیا گیا۔ بہر حال ابو سرایا کا دور صرف دس مہینہ تک رہا۔

بعد ازاں حجاز کی رعیت نے محمد بن جعفر صادق کو اپنا امیر بنایا۔ ان کی مخالفت میں یمن کے اندر ابراہیم بن موسیٰ کاظم نے سرکشی کی۔ انجام یہ ہوا کہ دونوں کے درمیان ایران کی سرحد سے یمن کی سرحد تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اسی درمیان میں عباسی وزیر اعظم فضل نے عباسی سپہ سالار "ھرسما" کو آپس کی اندرونی دشمنی کے سبب سے قتل کر دیا۔ اور اس کے قتل کے باعث اس کے حمایتی لشکر نے بغداد میں بلوہ کیا۔

مامون الرشید کی پالیسی میں تبدیلی

خلیفہ مامون نے جب دیکھا کہ طاقت و قوت اور جبر و اکراہ سے مطلب برآری نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس سلطنت میں ضعف آ گیا۔ تو اس نے طاقت کے عوض نرمی اور سیاست سے کام لینے کو موزوں سمجھا۔

بہادر اور مضبوط علوی قوم کو امن و امان کے بہانہ سے اپنے قابو اور زیر اثر کرنے کے لئے حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم کو اپنا جانشین اور وارث مقرر کیا۔ اور اپنی لڑکی ام حبیبہ سے ان کی شادی کر کے ان کے نام سے سکہ بھی جاری کر دیا۔ خلیفہ کے اس داؤ پیچ کو عباسیوں نے بالکل نہیں سمجھا۔ اور خیال کیا کہ عباسی خلافت کا مامون ہی

کے ہاتھ پر خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لئے وہ لوگ برافروختہ ہو کر ابراہیم بن مہدی عباسی کو تخت نشین کیا۔ اور خلیفہ مامون کو معزول کر دیا۔

بعد ازاں خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں، آپس ہی میں تنازع واقع ہوا۔ اور دارالسلطنت میں مطلق العنانی پھیل گئی۔ عباسی وزیر فضل نے خلیفہ ابراہیم بن مہدی سے تمام سلطنت کے امور مخفی رکھتا تھا۔ جب خلیفہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو وزیر اور خلیفہ کے درمیان بھی تنازع پڑ گیا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے معزول خلیفہ مامون نے وزیر فضل کو قتل کروا دیا۔ حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم کو بھی انگور میں زہر ملا کر کھلا دیا گیا۔ اور وہ کھاتے کے ساتھ ہی فوراً اس کے اثر سے وفات پا گئے۔

اس واقعہ کو چھپانے کی غرض سے اس کی قبر پر ایک گنبد بنا کر لوگوں کے دلوں کو اس نے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور پھر دوسری بار مسند خلافت پر قابض ہو گیا انہی جھگڑوں کے درمیان خلیفہ مامون عباسی کو قضا نے گھیر لیا اور ۲۱۸ ہجری میں وہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد تخت خلافت پر اس کا بھائی معتصم بیٹھا۔ اور مامون کے لڑکے عباس کو جو اس خلافت کا حقدار تھا، عملداروں نے تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ معتصم جب خلیفہ مقرر ہوا۔ تو اپنے بھائی مامون کی پالیسی اختیار کی اور سلطنت کے کاموں کو انجام دینے لگا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عربی فوج عباس کے ساتھ بیحد پیار اور محبت سے پیش آتی تھی۔ اس لئے معتصم نے خوف کو دور کرنے کے لئے ترکوں کا ایک نیا لشکر تیار کیا جس کی مدد سے اپنے سلطنت کی بد انتظامیوں کو اس نے درست کیا اور ان پر قابو حاصل کر کے اس ترکی لشکر کو عربی لشکر کی جگہ دے دی۔

عربی لشکر اس سلوک سے بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ عباس ابن مامون نے سلطنت کے خلاف بغاوت کی۔ اور عربی لشکر نے اس عباس کی امداد کی۔ مگر آخر عباس بھی قتل کیا گیا

اور اس کے مرتے ہی عربی لشکر کی جگہ ہمیشہ کے لئے ترک لشکر کو مل گئی۔

حضرت محمد تقی بن علی رضا اپنی بیوی الفضل کے ہمراہ خلیفہ معتصم کی ملاقات کیلئے بغداد گئے۔ جہاں وہ قتل کر دئے گئے۔ خلیفہ معتصم مہلک بیماری کی وجہ سے ۲۲۸ھ ہجری میں وفات پاگیا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

حضرت امام تقی محمدؑ کے زمانۂ سلطنت میں دنیا میں اگرچہ تاریکی و ظلمت ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مگر حضرت امامؑ نے شام حمص کے قریب سلیمیہ میں (جہاں آپ کے جد امجد کا مسکن تھا) اپنا مقام بنا کر وہیں سے دور دراز ملکوں میں داعیوں کو روانہ کرتے تھے۔ جو اسمعیلی مذہب کی تبلیغ کرنے کے لئے یمن، بحرین، یمامہ، مصر بر سوالی وغیرہ جاکر مذہب کی اشاعت کرتے تھے۔ پنجاب اور ہندوستان میں بھی داعی موجود تھے، حضرت امامؑ خود بہ نفس نفیس تاجرانہ لباس میں وقتاً فوقتاً دور اور نزدیک کی سیاحت کرتے رہتے تھے۔ مگر حضرت امامؑ کا خاص مرکز سلیمیہ تھا۔ بعض وقت مخفی طور پر آپؑ "رئی" کے قریب محمود آباد میں بھی تشریف رکھتے تھے۔ خلیفہ معتصم نے بھی حضرت امامؑ کی تلاش و تفتیش کا کام جاری رکھا تھا۔ چنانچہ "رئی" کے عباسی گورنر کو جب حضرت امامؑ کی خبر "رئی" میں مل گئی۔ تو اس نے اس کی اطلاع خلیفہ کو دی اور اس کے حکم سے حضرت امامؑ کو ۲۲۵ھ ہجری میں "رئی" کے گورنر نے شہید کیا آپ محمود آباد ہی میں دفن کئے گئے ہیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی اولاد

حضرت امام تقی محمدؑ کے دو فرزند تھے ایک ابراہیم اور دوسرے حسین۔ مگر ابراہیم تو آپکی زندگی میں وفات پا گئے اس لئے آپ نے اپنے فرزند حسین کو اپنا ولیعہد مقرر فرمایا۔ آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد مسند امامت پر "عبداللہ الرضی" کے لقب مبارک سے رونق افروز ہوئے۔ اپنے چچا کی صاحبزادی سے شادی کی۔

حضرت امام رضی عبداللہ (علیہ السلام)

سن امامت از ۲۲۵ سنہ ہجری تا ۲۶۲ سنہ ہجری

حضرت امام رضیؑ کا اصل نام حسین بن احمد بن عبداللہ ہے۔ آپ کا لقب مبارک "عبداللہ الرضی" یا رضی عبداللہ ہے۔ حضرت امام رضی عبداللہؑ نے ۲۲۵ سنہ ہجری میں تاج امامت فرق اقدس پر رکھا۔ مامون عباسی خلیفہ کا بھائی خلیفہ معتصم آپ کا ہمعصر تھا حضرت امامؑ تخت امامت پر آنے کے بعد ۲۲۷ سنہ ہجری میں یعنی تین۳ سال کے بعد خلیفہ معتصم فوت ہوگیا۔ حضرت امامؑ کے سینتیس۳۷ سال کی سلطنت کے درمیان جو دوسرے عباسی خلیفا تخت نشین ہوئے۔ حسب ذیل ہیں:-

خلیفہ معتصم کے بعد	الواثق	۲۲۷ سنہ ہجری سے تا	۲۳۲ سنہ ہجری
اس کا بھائی	المتوکل	۲۳۲ سنہ 〃 〃 〃	۲۴۷ سنہ 〃
اس کا بیٹا	ابوجعفر مستنصر	۲۴۷ سنہ 〃 〃 〃	۲۴۸ سنہ 〃
معتصم کا بیٹا	مستعین	۲۴۸ سنہ 〃 〃 〃	۲۵۲ سنہ 〃
متوکل 〃	معتذر	۲۵۲ سنہ 〃 〃 〃	۲۵۵ سنہ 〃
الواثق 〃	مھتدی	۲۵۵ سنہ 〃 〃 〃	۲۵۶ سنہ 〃
متوکل 〃	معتمد	۲۵۶ سنہ 〃 〃 〃	۲۷۹ سنہ 〃

یہ آخری خلیفہ متوکل بھی حضرت امامؑ کا ہمعصر تھا۔ اور اس کے خلافت نشین ہونے کے بعد حضرت امامؑ چھ۶ سال کے بعد راہ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔

یمن میں مذہب اسمعیلی کی دعوت

حضرت امام رضی عبداللہؑ امامت کے مسند پر متمکن ہونے کے بعد سلیمیہ سے "ری" تشریف لائے۔ اور محمد ابوالقاسم بن فرح بن حوشب کوفی کو کوفہ سے دعوت کرنے کے لئے یمن روانہ کیا۔ حضرت امامؑ کے حکم کے مطابق دعوت و تبلیغ کے لیے وہ روانہ ہوگیا اور وہاں پہنچ کر مذہب اسمٰعیلی کی اشاعت کا مرکز قائم کیا۔ آپ کی مذہبی انقفیت اور آپ کی عقل و فراست، آپ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کی بدولت آپ نے صرف دو سال کی تھوڑی مدت میں ہزاروں آدمیوں کو مذہب اسمٰعیلی میں داخل کر کے حضرت امامؑ کی بیعت بھی اپنے ہاتھ پر لیلی۔

یمن میں جب ان کو ایسی شان دار کامیابی نصیب ہوگئی تو داعی محمد ابوالقاسم حوشب کوفی نے قرب دجوار کے علاقہ میں مبلغین اور دعات بھیجنے شروع کئے یہاں بھی مذہب اسمٰعیلی کی خوب اشاعت ہوئی۔ اور موضع صغا میں اسمٰعیلی جھنڈا لہرانے لگا۔

اس خدمت کے صلہ میں حضرت امامؑ نے داعی ابن حوشب کو "داعی الکبار" کے درجہ عالیہ سے نوازا۔ اور ان کے ماتحت مذہب اسمٰعیلی کی اشاعت کیلئے ایک بڑی جماعت مبلغین اور دعات کی تفویض کی گئی۔ جس سے مذہب کی اشاعت برابر بڑھتی رہی۔

داعی ابن حوشب کے حالات

"داعی الکبار" محمد ابوالقاسم حوشب کوفی کا مختصر نام ابن حوشب کوفی ہے ان کا پورا نام مذکورہ بالا طور پر محمد ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب ہے کوفہ میں رہنے کی وجہ سے کوفی مشہور ہوگئے۔ پہلے اثنا عشری مذہب کے ایک علامہ تھے اور حضرت امامؑ کے ظہور کی تلاش و جستجو میں ڈوبے رہتے تھے۔ اسی اثنا میں یکایک حضرت امامؑ

سے ملاقات نصیب ہوگئی۔ حضرت امامؑ کی ملاقات کے طفیل سے آپ نے مذہب اسمٰعیلی قبول کیا۔ جس کے بعد اس مذہب کے داعی ہوئے۔ اور یمن کی دعوت عظیم آپ کے سپرد کیگئی۔ آپ علی بن فضل نامی ایک اسمٰعیلی کے ساتھ گئے۔ مخفی طور پر دعوت کا کام جاری کیا۔ امام مہدی کے زمانہ یعنی ۲۰۰ ہجری میں جب اسمٰعیلی مذہب کی کافی اشاعت ہوگئی۔ تو آپ نے علانیہ دعوت شروع کردی۔

یمن کی دعوت کا کام جب ختم ہوا تو حضرت امام رضی عبداللہؑ رَی سے روانہ ہوکر ہمدان تشریف لائے اور وہاں سے ایران کے علاقہ آذربائیجان ہوتے ہوئے استنبول آکر مقام فرمایا۔ یہاں بھی آپ نے مذہبی اشاعت کے کام کے لئے مبلغین اور دعات قرب وجوار کے شہروں میں روانہ کئے۔

داعی کبیر ابو عبداللہ

اسی اثنا میں بصرہ کے کوتوال ابو عبداللہ بن محمد بن زکریا نے مذہب اسمٰعیلی قبول کرلیا۔ وہ بڑے عالم تھے اور انہیں سلطنت کے کاروبار میں پورا تجربہ حاصل تھا۔ مذہب اسمٰعیلی کو قبول کرنے کے بعد آپ نے عہدۂ کوتوالی سے استعفاء دیدیا۔ حضرت امامؑ کی خدمت میں اپنے اوقات کو صرف کرنے کے لئے درخواست کی جو منظور کی گئی۔ اور آپ مذہبی کاموں میں مشغول ہوگئے۔ حضرت امام رضی عبداللہؑ نے ابن حوشب کوفی داعی کے ماتحت ابو عبداللہ (محتسب) کو بھیجا تھا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت میں رہکر ابو عبداللہ مذہب اسمٰعیلی کے رموز میں ماہر ہوئے۔ بعد میں حضرت امامؑ نے ابی عبداللہ کو داعی بناکر مغربی افریقہ کی طرف بنی کتامہ کے عرب قبائل میں دعوت کے لئے بھیجا۔ مکہ معظمہ سے واپس ہوتے ہوئے حاجیوں کے قافلے کے ساتھ بنی کتامہ کے باشندے وفتنے ہمراہ "انکجان" موضع میں ۱۵ ربیع الاوّل کو داخل ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد اشاعت کے کام کو جاری کیا۔

تاریخ میں ابو عبداللہ کا نام 'صوفی' 'یا شیعی' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے آپ کا پورا نام ابو عبداللہ الحسین ابن احمد ابن محمد ابن زکریا تھا۔ آپ یمن کے دار السلطنت صنعاء کے باشندہ تھے۔ اسمٰعیلی مذہب قبول کرنے کے بعد ان کو یہ سب القاب عنایت کئے گئے تھے۔ صوفی کے لغوی معنی 'علم روحانی کا عالم' ہوتے ہیں۔ 'شیعی' لفظ شیعہ کا ایک مروج لفظ ہے۔

مغربی افریقہ میں اسمٰعیلی مذہب

داعی ابو عبداللہ کے پاس نہ تو کچھ مال و متاع تھا نہ نوکروں کی جماعت تھی آپ تنہا مغربی افریقہ میں آئے تھے۔ تاہم آپ کو مقصد میں بہت کامیابی ہوئی۔ آپ اپنے ارادہ میں نہایت مضبوط تھے اور اسی کا سبب تھا کہ کاروبار کو نہایت خوش اسلوبی سے ترقی دیتے ہوئے ایک روز مغربی افریقہ کی سلطنت پر قابض ہو گئے۔ اور افریقہ میں بنو فاطمہ کے سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ آپ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے بربری قبیلہ کے ساتھ ایسا زبردست تعلق پیدا ہو گیا کہ انہوں نے مذہب اسمٰعیلی کو قبول کیا۔ بربری اور کتامہ کے قبائل کے عرب تمام افریقہ میں پھیلے ہوئے تھے جن کی خمیر میں لڑائی اور جنگ کا مادہ خدا نے کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ لڑائی میں مارنا یا مرنا یہ تو اُن کے نزدیک بازیچۂ اطفال تھا۔ یہاں ہم افریقہ کے بربری قوم کے مختصر حالات قارئین کی واقفیت کے لئے بیان کرتے ہیں۔

مغربی افریقہ کے تین حصے

مصر کے مغربی جانب سے تا بحر ظلمات (ریڈ سی) اور بحر روم (میڈیٹر نین سی) سے تا صحرائے اعظم (افریقی صحاری) کے عظیم اور لق و دق میدان کے احاطہ میں جتنے ممالک ہیں یہ سب بربر کے نام سے تاریخ میں مشہور رہیں۔ یہ چار حصوں میں منقسم



بازار قیروان: مغرب افریقہ میں فاطمی سلطنت قائم ہونیکے بعد بازار قیروان میں بڑی چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔

ہیں۔ مصر کے مغرب میں طرابلس اور اس کے مغربی جانب میں ٹیونس اس کے مغرب میں الجزیرہ اور الجزیرہ کے مغرب میں مراکش واقع ہے۔ اسلامی تاریخ میں یہ تمام حصہ "مغرب" کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس کا دارالسلطنت دور و دراز مسافت ہونیکی وجہ سے عربوں نے اس کو تین حصوں پر تقسیم کیا تھا۔ (۱) مغرب الادنیٰ جس میں طرابلس اور ٹیونس شامل ہیں۔ اور جس کا دارالسلطنت قیروان کے نام سے معروف تھا۔ طرابلس کا مشرقی حصہ برقہ سے مصر تک بالکل ملا ہوا تھا (۲) مغرب الاوسط اس میں الجزیزہ اور مرغنہ شامل تھے۔ ان کا دارالسلطنت تلمسان تھا۔ (۳) مغرب الاقصیٰ میں "مراکش" شامل تھا۔ اس کا پایہ تخت سجلماسہ تھا۔

عیسوی سنہ ۱۶ قبل حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں شیبن قوم نے اس شہر کا سراغ لگایا تھا۔ اور عیسوی ۸۶۹ سنہ کے قبل کارتھیج نامی شہر یہاں آباد کیا گیا تھا۔

قیروان پر اسمٰعیلی جھنڈا

ان شہروں کے رہنے والے عربوں کے بزرگ قبیلہ بنی کتامہ اور بربر نے اسمٰعیلی مذہب کو قبول کر لیا۔ اس زمانہ میں ٹیونس کے تخت پر عبداللہ بن ابراہیم اغلبی سلطنت کرتا تھا۔ ٹیونس کا احاطہ پندرہ ہزار مربع میل تھا۔ اور آبادی ۲۰ لاکھ آدمیوں سے معمور تھی۔

اغلبی بادشاہ کی دائمی عشرت پسندی کی وجہ سے سلطنت کے تمام امور درہم برہم ہو رہے تھے۔ اور تمام رعیت بھی اس کے ظلم وستم سے عاجز ہو گئی تھی اس کے علاوہ اس نے اپنے قبیلہ کے بھی کئی امیروں کو قتل کر دیا تھا۔ جس سے طبقۂ امراء کے لوگ بھی اس سے برگشتہ اور برہم ۔۔۔ لیکن باوجود اس کے اغلبی بادشاہ سے داعی ابی عبداللہ کی بنی کتامہ اور بربری قبائل میں ہر دلعزیزی اور ان کی روز افزوں ترقی نہ دیکھی گئی۔ اور ابتدا ہی سے انہیں کچل دینے کے ارادہ سے امیر ابراہیم کی سرداری میں چالیس ہزار کی ایک فوج داعی عبداللہ سے جنگ کرنے کے لئے ۔۔۔ داعی ابوعبداللہ اغلبی بادشاہ کے اس ارادہ سے پہلے ہی مطلع ہو چکے تھے ۔۔۔ شروع کر دی

اور آناً فاناً اسمٰعیلی عربوں کے لشکر کو آراستہ کر کے جنگ کے لئے تیار کر لیا۔

اغلبی کی شکست فاش

اغلبی بادشاہ کا ارادہ تھا کہ کسی طرح اپنی سلطنت سے اسمٰعیلیوں کو ہٹا دے اور ان کا قلع قمع کر کے اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت کو بھی بالکل بند کر دے۔ اس لئے اس نے اپنی رعایا میں ایسی منادی کرا دی کہ "اسمٰعیلیوں کو کسی طرح کی کوئی مدد نہ کرے" اور جہاں وہ ملیں وہیں انہیں قتل کر دیں، اس حکم کے مطابق اغلبی فوج برابر عمل کرتی تھی اور اسمٰعیلیوں پر یہاں جو ظلم و ستم ہوتا تھا۔ اس کی اطلاع داعی ابی عبداللہ کو پہنچی۔ اور آپ نہایت غضبناک ہوئے۔ مگر چونکہ تیاری پوری نہ تھی۔ اس لئے ایک دم حملہ کرنے کے ارادہ سے باز رہے کیونکہ زیادہ لشکریوں اور لشکری ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ ابھی اس کی تیاری ہو رہی تھی۔ کہ یکا یک اغلبی فوج نے "ملوشا" نامی موضع میں آکر خیمہ نصب کیا۔ اور لڑائی کا ڈنکا بجا دیا باین ہمہ کہ داعی ابی عبداللہ ابھی جنگ کے لئے بالکل تیار نہ تھے مگر مجتبی تجربہ، اور بنی کتامہ اور بربری قوم کی قوت خداداد پر پورا اعتماد کر کے مقابلہ کے لئے نکل آئے جنگ شروع ہوتے ہی اغلبی و اسمٰعیلی دونوں فرقوں کے بہت سے آدمی کام آئے۔ اور آخر داعی ابی عبداللہ کو شکست بھی ہو گئی۔ مگر آپ نے اس کی ذرہ برابر بھی پروا نہ کی اور نہایت ہمت سے میسلا کے میدان جنگ میں لڑائی کا مورچہ باندھ کر اپنی فوج نہایت جلدی سے آراستہ و پیراستہ کر کے اغلبی لشکر پر حملہ کیا۔ یہ جنگ درحقیقت دو غیر مساوی فریق میں تھی کیونکہ اہل ٹیونس تو فوجی قواعد سے باخبر اور تعلیمیافتہ بہادر تھے۔ لیکن دوسری جانب صرف مذہبی جوشیلے اور فوجی قواعد سے ناواقف بہادر تھے تاہم داعی ابوعبداللہ کی فوج نے نہایت بے جگری سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ اغلبیوں کو شکست ہوئی۔ باین ہمہ کہ نہایت نازک مواقع پر اغلبیوں کو امداد بھی مل گئی۔ تو بھی داعی ابی عبداللہ کا لشکر بالکل ہمت نہ ہارا۔ اور نہ اپنی جگہ سے ہٹا۔ بلکہ اور بھی دل کھول کر مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی بہت عجلت سے ہوئی۔ کیونکہ موت یا زندگی

یہی وہ خیال تھے جسکی بنا پر لوگ جنگ پر آمادہ تھے، مذہبی جوش و خروش اتنا زبردست تھا کہ ان کی قوت دو چند ہو گئی اور اسی سبب سے اسمٰعیلی لشکر بہادری دکھا رہا تھا۔ اور اغلبی فوج کو اپنے بادشاہ کی وفاداری اور اپنے وطن کی عزت کا زیادہ خیال تھا۔ اس لئے چار مہینہ تک یہ جنگ جاری رہی، ہزاروں انسان ہلاک ہوئے اور آخر شکست کھا کر اغلبی سردار اپنے شہر ٹیونس کی طرف بھاگا۔ اغلبی بادشاہ نے جب اپنے لشکر کی ابتر حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب کسی طرح بھی داعی عبداللہ کا سامنا کرنا محال ہے۔ لہٰذا وہ بیت المقدس کی طرف فرار ہو گیا مگر راستہ میں بیمار ہو جانے کے سبب مقام "رملہ" میں فوت ہو گیا۔ اور اس کی سلطنت کا قلع قمع ہو گیا۔

مہدی (علیہ السلام) کا ظہور

اس شکست کے بعد داعی ابو عبداللہ فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ ٹیونس کے سلطنت میں داخل ہو کر اپنا جھنڈا بھی وہاں لہرا دیا۔ شہر میں آپ نے نگہبانی کے لئے چہار طرف فوج تعینات کر دی اور بعد ازاں مفتوحہ علاقے کے انتظام میں مشغول ہوئے۔

قیروان سے تین میل کے فاصلہ پر رقادہ شہر واقع ہے اور چونکہ اس شہر کی آب و ہوا نہایت عمدہ اور صحت افزا ہے۔ اور اس شہر میں بڑے بڑے حمام، خوبصورت باغات اور بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں تھیں۔ اس لئے اس شہر پر بھی قابض ہو کر اس میں بھی بہت سی ضروری اصلاحات نافذ کیں۔

مفتوحہ شہروں کی درستگی اور انتظام کرنے کے بعد آپ نے مغربی افریقہ کے عوام الناس کے نام منادی کرا دی کہ جس "مہدی" کا تم انتظار کرتے ہو اسی مہدی موعود کے لئے یہ مقام آراستہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے اعمال میں صفائی پیدا کرو اور اپنی ظاہری آنکھوں سے مہدیؑ کے دیدار کے لئے پیش قدمی کرو۔ اس علان کی تائید میں حضرت نبی کریم صلعم کی یہ حدیث شریف پیش کی گئی۔ فی راس ثلث ماۃ تطلع الشمس من مغربہا یعنی (میرے بعد) تین سو سال کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔) اور اس حدیث

کی بنا پر جس نے مغربی افریقہ کو فتح کیا ہے اور مہدیؑ اس کے مالک ہیں۔ یہ مہدی کون ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ یہ مہدی میرا ہمنام ہوگا۔ اور میرے والد ماجد کا نام اس مہدی کے والد کا نام ہوگا۔ اس حدیث کے مطابق ہی "مہدی" کے طور پر جو تشریف لائے ہیں اور اسمٰعیلیوں کے مالک ہیں ان کا بھی اسم مبارک یہی یعنی محمد ہے۔ جن کی بیعت کے لئے میں رعیت کو دعوت دیتا ہوں ان کا دامن پکڑنے کے لئے یہ اعلان میں برملا کر رہا ہوں اگر اس موقع کو غفلت سے ضائع کرو گے تو امام وقت کا سایہ پھر کبھی نہ حاصل کر سکو گے۔

فتح کے بعد اس پیغام سے اسمٰعیلیوں کا بول بالا ہوا۔ لوگ جوق جوق مذہب اسمٰعیلی میں داخل ہونے لگے۔ بنی کتامہ کے ایک سردار حسن بن ہارون نے اس تبلیغ میں زبردست جدوجہد کی اور بربری کے چند قبائل نے مقابلہ بھی کیا مگر آخرش اس کو حق سمجھکر انہوں نے بھی اجتماعی طور سے اسمٰعیلی مذہب اختیار کر لیا۔ بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے داعی ابو عبداللہ نے قیروان کا قبضہ حاصل کیا۔ اور شاہی محل پر "مہدی" کا نشان لہرانے لگا۔ اس کے ماتحت کے تمام شہروں اور قصبوں پر اسمٰعیلی گورنروں کا تقرر ہوا۔ اور ہر طرف امن و امان پھیل گیا۔

حضرت امام رضی عبداللہ کی پیشین گوئی

اسی زمانہ میں حضرت امام رضی عبداللہؑ بیمار ہو کر بستر پر لیٹے ہوئے تھے آپ نے اپنے فرزند امام محمد مہدیؑ کو اپنے قریب بلا کر فرمایا۔ کہ اے میرے نور چشم اب تم کو بہت دور دراز شہروں میں جانا پڑے گا۔ حضرت نبی کریم صلعم کی جو پیشین گوئی تھی وہ تم پر پوری ہوگی۔ اور تم مہدی کے طور پر دنیا میں آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہو گے۔"

داعی ابو عبداللہ نے اس وصیت کو سنا تھا۔ اور اسی کے مطابق حضرت امام مہدیؑ

کے لئے پوری کارروائی کی۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات مغربی افریقیہ میں

حضرت امام رضی عبداللہؑ کی وفات ۲۶۶ سنہ ہجری میں واقع ہوئی آپ قسطنطنیہ میں دفن کئے گئے ہیں۔ آپ کے مزار مقدس پر ایک عالیشان قبہ تعمیر کیا گیا ہے حضرت امامؑ کی وفات کے بعد حضرت امام مہدیؑ تخت امامت پر نہایت شان و شوکت سے جلوہ افروز ہوئے۔

قیروان میں فاطمی خلفاء

حضرت امام مہدی محمد (علیہ السلام)

قائم

منصور

آپ نے منصوریہ نامی شہر آباد کیا

معز

آپ نے قیروان میں معزیہ شہر کی بنیاد ڈالی۔ مصر کی فتح آپ کے وقت میں جوہر سپہ سالار کے ہاتھ پر ہوئی۔ مصر کا پایہ تخت بھی آپ کے زمانہ میں تعمیر کیا گیا۔ اور فاطمی خلفاء کا یہی پایہ تخت تھا خلفائے بنوفاطمہ کے آپ خلیفہ اول ہیں آپ کے بعد صدیوں تک بنوفاطمہ کی خلافت جاری رہی ہے

حصّہ سوئم

تیرھواں دورِ امامت

۱۱۔ حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام
۱۲۔ حضرت امام قائمؑ
۱۳۔ حضرت امام منصورؑ



مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کے عہد سلطنت میں رائج شدہ اشرفیاں

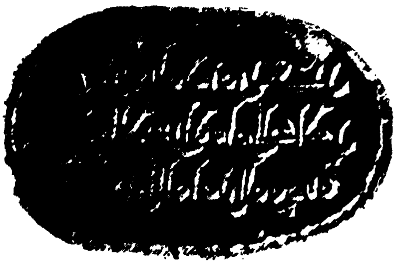
حضرت امام محمد مہدی (علیہ السلام)

سن امامت از ۲۶۲ سنہ ھجری تا ۳۲۲ سنہ ھجری

حضرت امام محمد مہدیؑ کا پورا نام ابوالقاسم محمد عبداللہ بن حسین بن احمد بن عبداللہ ہے۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم اسم گرامی محمد اور لقب مہدی ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام رضی عبداللہؑ کی وفات کے بعد ۲۶۲ سنہ ھجری میں آپ امامت کے تخت ھمایوں پر مثل آفتاب تاباں جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت امام محمد مہدیؑ کی شادی آپ کے چچا ابوعلی الحاکم کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔ اسی سال میں حضرت امامؑ کے والد ماجد کی وفات ہوگئی۔ اس لئے آپ اپنے چچا سعید الخیر کے ساتھ اپنے والد ماجد کی طرح بزرگانہ احترام سے پیش آتے تھے۔

اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ داعی ابوعبداللہ نے مغربی افریقہ کے تہروان شہر میں دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اسمٰعیلی مذہب خوب پھیلا رہا تھا۔ اور اغلبی بادشاہ کے فرار کے بعد بنی فاطمہ کی سلطنت بھی قائم کرلی تھی۔ اسی وقت سے امامت کے ساتھ ہی ساتھ اب سلطنت کی ابتدا بھی حضرت امام محمد مہدیؑ کے زمان سعادت نشان سے جاری ہوئی۔ تہروان اور اطراف و جوانب کے شہروں میں ہر وقت اسمٰعیلیوں کی تعداد چار لاکھ سے بھی زاید ہوگئی تھی۔ اور اس تحریک کے درمیان حضرت امام محمد مہدیؑ اپنے جد امجد کے مسکن مبارک "سلمیہ" میں تشریف رکھتے تھے۔



مصر کے بنی فاطمی خلیفہ حضرت مولینا شاہ ظاہرؒ اماًمی اسمٰعیلیوں کے سترہویں امام کی شاہی مہر



مصر کے بنی فاطمی خلیفہ حضرت مولانا شاہ ظاہرؒ کی اصلی مہر کا موم پر نقش

قہروان سے وفد کی آمد

داعی عبداللہ کی فتح وکامرانی کے بعد ان کے بھائی داعی ابوالعباس کے ماتحت ایک شاندار وفد حضرت امام محمد مہدیؑ کی خدمت میں قہروان تشریف لانے کی درخواست لے کر سلیمیہ میں حاضر ہوا۔ عباس نے اسمٰعیلی مذہب کے پیروؤں کی تعداد اور فتوحات کا مفصل حال حضرت امامؑ سے بیان کرکے التجا کی کہ آپ وہاں قدم رنجہ فرماکر سب کو مشرف فرمائیں۔ حضرت امامؑ اس کامیابی کی خبر سے بیحد مسرور ہوئے۔ اور داعی ابوالعباسؓ کے ساتھ اپنے بڑے شاہزادہ حضرت امام قائمؑ کو چند رفقاء کے ساتھ وفد کے ہمراہ "قہروان" روانہ کردیا۔ اور وفد کو یہ کہہ کر کہ "ہم جلد آئیں گے"۔ واپس کردیا۔

ہمعصر عباسی خلفاء

اس زمانہ میں بغداد میں خلیفہ معتضد سلطنت کرتا تھا۔ اور بعد ازاں یکے بعد دیگرے ذیل کے عباسی خلفاء سریر آرائے سلطنت ہوتے رہے۔ چنانچہ خلیفہ معتضد نے ٢٧٩ سنہ ہجری سے ٢٨٩ سنہ ہجری تک۔ خلیفہ مکتفی نے ٢٨٩ سنہ ہجری سے ٢٩٥ سنہ ہجری تک۔ خلیفہ مقتدر نے ٢٩٥ سنہ ہجری سے ٣٢٠ سنہ تک اور خلیفہ قاہر نے ٣٢٠ سنہ ہجری سے ٣٢٢ سنہ ہجری تک حکمرانی کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قہروان اور مغربی فتوحات کے درمیان خلیفہ مقتدر عباسی خلافت پر متمکن تھا۔ اس کے عہد کے حکام کے ظلم وستم سے تمام رعیت الاماں الاماں پکار رہی تھی۔ حضرت امامؑ کی دشمنی تو اسے وراثت میں ملی ہوئی تھی اس لئے اس نے حضرت امامؑ کی تمام کارروائیوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے جاسوسوں کو تعینات کردیا تھا۔ اتفاقاً اسی اثناء میں ایک بالکل نئے فرقہ کے پیرو "کرمیتون" نے بلوہ کردیا۔ جن کے حالات ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد تاریخی حالات بیان کئے جائیں گے۔

"کرمتی" فرقہ کے حالات

"کرمتی" فرقہ درحقیقت اپنے عقیدہ کے لحاظ سے نصف مذہبی و نصف سیاسی تھا اور ان کا مقصد سلطنت پر قبضہ کرنا تھا۔ تیسری ہجری صدی کے نصف میں یہ فرقہ وجود میں آیا اور آہستہ آہستہ اس کا اقتدار اتنا بڑھ گیا کہ عباسی سلطنت کی بنیادوں کو اس نے متزلزل کر دیا۔ اسی فرقہ کے ابتدائی حالات کا تاریخ میں پتہ نہیں چلتا حالانکہ وہ اپنے کو حضرت علیؑ کے ماننے والے اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے فرزند حضرت امام اسمٰعیلؑ کے مرید۔ اپنے آپ کو بتاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں اسمٰعیلیوں سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اسلامی عقائد میں نمایاں ردوبدل کر دیا تھا۔ اس فرقہ نے ۲۷۰ھ ہجری میں شورش مچائی۔ اور عباسی خلیفہ معتمد کے آخری عہد سلطنت میں ایک طوفان عظیم برپا کر دیا۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا پہلا داعی خوزستان کا باشندہ ایک مرد اجنبی ہمدان میں اشعث الکرمتی تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کے پیرو کرمتی کے نام سے نامزد ہوئے۔ کوفہ کے قریب ایک گاؤں میں اس نے پہلے کسانوں میں نئی دعوت شروع کی اور اس کو چند اکامیابی بھی ہوئی۔ اس لئے اس نے اپنے بارہ نائب مقرر کئے۔ اور پرہیزگاری کے بہانہ سے اس نے کسانوں کو دن میں پچاس وقت نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کھیتیاں سوکھنے لگیں جس سے کوفہ کے گورنر نے ہمدان کو قید کیا اور دوسرے دن اس کے قتل کا حکم نافذ کر دیا۔ مگر گورنر کی ایک لونڈی نے اسکو قید خانہ سے فرار ہونیکا موقع دیدیا۔ مریدوں نے قید سے رہائی کے اسواقعہ کو اپنے پیر کی کرامت شمار کیا۔ اور اس نے دوسرے علاقوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی مگر آخر مایوس ہو گیا اور ہمت ہار کر شام کے ایک سنسان گانوں میں اپنا مسکن بنایا۔ تاہم اس کا فرقہ جاری رہا۔ اور تعداد بھی اس کی ترقی کرتی رہی۔

۲۷۸ سنہ ہجری سے اس فرقہ نے علیحدہ علیحدہ سرداروں کے ماتحت سلطنت عباسی کو کئی سال تک ستایا۔ اور ان کو اذیت دیا ہے۔ قتل و غارت تو ان کے روزمرہ کی بات تھی

ان لوگوں نے عربستان، شام اور مسوپوٹیمیا تک مظالم ڈھانے شروع کر دیئے اور ایک چھوٹی سلطنت بھی قائم کر لی۔ ابوطاہر نے اس چھوٹی سی سلطنت کو ایسے عروج پر پہنچایا بعد میں یہ بھی ایک شاندار سلطنت ہوگئی۔ اور مکہ معظمہ پر حملہ کرکے قتل و غارت کے بعد کعبہ مکرمہ سے حجر اسود کو اپنے ساتھ اٹھا لائے۔ اور کئی سال کے بعد بہت بڑی رقم معاوضہ میں لے کر اسے واپس کر دیا۔ ان بلوائیوں نے بنو فاطمہ کے آغاز خلافت میں بھی فتنہ و فساد جاری رکھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کا دیدار

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام اسمٰعیلؑ اور ان کے بعد کے ائمہ کرام خصوصاً حضرت امام عبداللہؑ الملقب بہ وفی احمد اور امام مہدیؑ تک عباسی خلفاء سے مصلحتاً اپنے مسکن اور مقام کو نہایت پوشیدہ رکھتے تھے۔ اس لئے بہت سے مریدین آپ کے دیدار کے نہایت مشتاق اور بےچین رہا کرتے تھے۔ بلکہ تلاش میں زحمت سفر بھی گوارا کرتے تھے۔ حضرت امام رضی عبداللہؑ کے دیدار کے لئے داعی ہرمزادوان کے ہمراہی جس طرح تلاش میں نکلے تھے۔ اس کا بیان اس سے پہلے آچکا ہے اسی طرح حضرت امام محمد مہدیؑ کی دست بوسی اور دیدار کے لئے "عسکر مکرم" اور مختلف شہروں میں داعیوں کی ایک جماعت جمع ہوئی۔ ابو غفیر، ابوسلمہ۔ ابوالحسن ابن الترمزی۔ زیاد ابن الخشنی۔ احمد ابن الموصلی اور ابو محمد کوفی سات داعی تھے۔ داعی ابو غفیر کو مختلف شہروں میں گشت کرنے کے بعد آخر حضرت امامؑ کا پتہ معلوم ہوگیا۔ اور انھوں نے اپنے ہمراہی داعیوں کو اس سے مطلع کرکے حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں سب کو حاضر کیا۔ اور وہ حضرت امامؑ کے دیدار مبارک اور دست بوسی سے فیضیاب ہوئے۔

داعی الکبار ابوالحسن

حضرت امام محمد مہدیؑ نے تخت امامت پر رونق افروز ہونے کے بعد مذکورہ بالا داعیوں میں سے داعی ابوالحسن کو داعی الکبار کا درجہ عنایت کر کے مصر میں دعوت کیلئے

روانہ کیا۔ تمام خط و کتابت اور "مال واجبات" ان کے نام پر ہوتی تھی۔ جو یہاں سے بارگاہ امامی میں بھیجدی جاتی تھی۔ داعی ابوالحسن کا کام معمولی طور سے جاری تھا۔ اسی اثنا میں داعی ابو محمد الکوفی کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کے فرزند محمد۔ ابوالقاسم اور ابو جہندل تینوں نے متفق ہو کر اپنے بہنوئی ابوالعباس کو قتل کردیا۔ یہ خبر جب داعی ابوالحسن کو مصر میں پہنچی تو آپ نے ابوالقاسم کو کوفہ کی دعوت کے عہدہ سے معزول کردیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ابوالقاسم اور اس کے دونو بھائی محمد اور ابو جہندل کے دلوں میں داعی ابوالحسن کی طرف سے عناد پیدا ہوگیا۔ اور وہ اس خیال میں ہے کہ اگر موقع ملے تو داعی ابوالحسن بلکہ حضرت امامؑ کو بھی قتل کردیں۔ آخر حضرت امامؑ سلیمیہ سے رخصت ہوگئے۔ اور ۲۸۶ھ میں دمشق تشریف لائے۔ مگر جب آپ کو یہ اطلاع ہوئی کہ دمشق کے گورنر کو عباسی خلیفہ معتضد نے آپکو گرفتار کرنے کے لئے پروانہ بھیجدیا ہے تو آپ ویسے ہی طبریا (تائی بیریا) سے ہوتے ہوئے رملہ تشریف لائے اور وہاں سے آپ روانہ ہو کر اپنے قافلہ کو کچھ آرام دینے کی غرض سے مصر میں قیام فرمایا۔ حضرت امام محمد مہدیؑ اس وقت عنفوان شباب میں تھے اور آپ کے شاہزادہ حضرت القائمؑ طفولیت میں تھے۔ اس سفر میں و مصاحب جعفر حاجب اور معتمد داعی ابوعلی بھی آپ کی خدمت میں تھے۔ یہاں اس زمانے میں ابن طولون کی وفات کے بعد ابو موسیٰ بن عیسیٰ نصیری مصر کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ جبکو خلیج نامی ایک سردار نے ۲۹۳ھ ہجری میں بلوہ کرکے معزول کردیا تھا۔ مگر عباسی خلیفہ مقتدر نے ۲۹۰ھ ہجری میں دوسری مرتبہ اسکو مصر کا گورنر بنادیا تھا۔ یہ شخص حضرت امامؑ کے بعید خلاف تھا۔ اور اسی لئے حضرت امامؑ مصر کی حد سے جلد باہر ہوگئے۔ حالانکہ اس نے بہت سے سواروں کو ہمراہ لیکر بہت دور تک آپ کا تعاقب کیا۔

عباسی جاسوسوں کی سرگرمیاں

حضرت امام محمد مہدیؑ مصر سے طرابلس روانہ ہوئے اور وہیں قیام فرمایا۔ وفد کے سردار داعی ابوالعباس (داعی ابو عبداللہ کے بھائی) اور حضرت امامؑ کے شاہزادہ قائمؑ دونو حضرت امامؑ سے یہاں آملے۔ عباسی خلیفہ کے جاسوس حضرت امامؑ کو گرفتار کرنے کے لئے ہر طرف پھر رہے تھے

اور عباسی سرحد پر جتنے مسافر آتے اُن سے نہایت احتیاط سے تفتیش کی جاتی یہ خبر جب حضرت امامؑ کو ملی تو آپ نے مشورہ کر کے داعی ابوالعباس کو اس کی تحقیقات کے لئے قہروان روانہ کیا۔ اس زمانہ میں علبی بادشاہ ابراہیم کے گذر جانے سے اس کا لڑکا زیادت اللہ مصر میں حکمرانی کر رہا تھا۔ جو حضرت امامؑ کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ اور اسی لئے شبہ پر اس کے آدمیوں نے ابوالعباس کو قید کر لیا۔ حضرت امامؑ نے طرابلس ہو کر یمن کی طرف جا کر داعی ابوالقاسم سے ملنے کا ارادہ کیا۔ مگر دشمنوں کی اذیت رسانی کے خیال سے آپ نے راستہ بدل دیا۔ اور مغربی افریقہ کی طرف آپ نے توجہ کی۔ قتیلا ہو کر "تزر" مقام میں وارد ہوئے اور پھر سجلماسہ تشریف لائے۔ جہاں آپ نے تین ماہ قیام کیا اور وہیں آپ کی بی بی آپ کے دو معتبر مصاحب طیب الحازن اور جعفر حاجب کے ساتھ تشریف لائیں۔ یہاں داعی ابوعبداللہ کے خطوط ایک کے بعد ایک آنے لگے۔ اور ہر خط میں یہ درخواست ہوتی تھی کہ اے آقائے نامدار آپ جلد تشریف لائیں لشکر بالکل تیار ہے۔

دلکش اور دلآویز شہر سجلماسہ

شہر سجلماسہ نہایت دلکش اور خوبصورت شہر تھا۔ اس علاقہ میں بربری قوم کا شاہزادہ یوشع بن مدرار سلطنت کرتا تھا اس نے حضرت امامؑ کی نہایت خاطر تواضع کی اور تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اس خبر کی اطلاع یونہی خلیفہ مقتدر کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ بغداد میں ہوئی ویسے ہی ایک خط اس نے یوشع کو لکھا کہ اگر تم کو امن و امان کی ضرورت ہو۔ اور اپنی خیر چاہتے ہو تو حضرت امامؑ اور اُن کے ہمراہیوں کو گرفتار کر لو۔ اگر اس میں غفلت کرو گے تو اس کا خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔ خلیفہ کے اس دھمکی آمیز خط سے یوشع مرعوب ہو گیا۔ اور حضرت امامؑ اور انکے صاحبزادہ قائمؑ کو گرفتار کر لیا

قہروان میں حضرت امام مہدی (علیہ السلام)

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ داعی ابوعبداللہ نے بنی کتامہ اور بربری قبائل میں اپنی خوش خلقی

اور ملنساری سے متاثر کر کے انہیں کے ذریعہ اغلبی بادشاہ ابراہیم کو جنگ میں شکست فاش دیکر عَلم امامت لہرانے کی تیاری کر چکا تھا۔ اور مغربی افریقہ کو زیر نگین کر کے تین مہینہ تک سلطنت کے امور میں مشغول رہکر تمام ریاست میں امن و امان قائم کیا۔ اسی اثنا میں حضرت امامؑ کے پاس قیروان تشریف لانے کے لئے بار بار درخواستیں آنے لگیں۔ اور جب حضرت امامؑ کے تشریف لانے میں تاخیر ہونے لگی تو داعی ابو عبد اللہ نے سجلماسہ حضرت امامؑ کے پاس جانیکی تیاری شروع کردی، اپنی غیر حاضری میں داعی ابو العباس اور دوسرے سلطنت کے معتمد عمال کو مختار بنادیا۔ اور روانہ ہو گئے۔ ابھی آپ راہ میں ہوں گے کہ داعی ابو عبد اللہ کو یہ وحشتناک خبر ملی کہ حضرت امامؑ قیروان تشریف لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں آپ قید کر لئے گئے۔ اس لئے "دمزان" شہر سے اسمٰعیلیوں کا ایک بہت بڑا لشکر لے کر حضرت امامؑ اور ان کے شاہزادہ کو قید سے رہائی دلانے کے لئے سجلماسہ کی طرف کوچ کیا۔ یوشع بن مدرار پہلے سے واقف تھا۔ اور جنگ کے لئے سرحد پر تیار بیٹھا تھا۔ دونوں لشکر کا سخت مقابلہ سجلماسہ کے میدان میں ہوا۔ اور ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ لڑائی جاری تھی کہ مغرب کا وقت آگیا۔ اور یوشع کو بالکل شکست ہوگئی تھی۔ اس لئے یوشع نے شب کی تاریکی میں پوشیدہ ہوکر فرار ہونے ہی کو مناسب سمجھا۔ داعی عبد اللہ آرام کئے بغیر لڑائی کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ تاکہ علی الصباح جنگ شروع کردی جائے۔ آفتاب غروب ہونیکے بعد تو میدان جنگ میں یوشع بن مدرار کے کشتوں کے انبار کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ کیونکہ یوشع کے فرار ہونے سے اس کی فوج بھی فرار ہوگئی تھی۔ اسمٰعیلی فوج اپنے سردار داعی عبد اللہ کے ماتحت فتح و نصرت کا عَلم لہراتی ہوئی شہر میں داخل ہوئی۔ اور حضرت امام محمد مہدیؑ اور ان کے فرزند جہاں قید تھے۔ داعی ابو عبد اللہ برہنہ پا گئے۔ پاسبانوں کو قتل کر کے حضرت امامؑ اور ان کے شاہزادۂ عالی تبار کو اپنے ساتھ لائے ہوئے دو تیز رفتار اسپ تازی پر سوار کرائے داعی ابی عبد اللہ لگام تھامے ہوئے حضرت مہدیؑ کے ظہور کی خوشخبری دیتے ہوئے سر بازار پا برہنہ لوگوں کے ہجوم میں گشت لگایا۔ فرط مسرت سے داعی ابی عبد اللہ

کے آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور اس شوکت و حشمت سے حضرت امامؑ کا نورانی چہرہ دیکھ کر لوگوں کی خوشی و مسرت کی انتہا نہ تھی۔ اور ہزاروں آدمی جوق در جوق حضرت امامؑ کے دیدار سے مشرف ہوکر اسمٰعیلی مذہب کو قبول کیا۔ حضرت امامؑ اپنے فرزند اور داعی عبداللہ کے ساتھ چھاؤنی میں داخل ہوئے جہاں اسمٰعیلی لشکر نے خوشی کے نعروں اور تکبیر سے حضرت امامؑ کا خیر مقدم کیا۔ حاضرین حضرت کے دست بوسی اور دیدار سے مشرف ہوکر اپنے اپنے مقامات پر روانہ ہو گئے۔

بعد میں بہادر اسمٰعیلی فوج نے یوشع بن مدرار کو قید کر کے حضرت امامؑ کے حضور میں پیش کیا۔ اور آپ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ مگر شاہزادہ امام قائمؑ کی سفارش سے اس کو امان ملی۔ بعد ازاں اس نے سجلماسہ میں اپنی زندگی کے باقی ایام بسر کئے مگر لوگوں کی نفرت و حقارت سے حسرت و افسوس کے ساتھ مرگیا۔

یہ قافلہ فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتا ہوا منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا زقادہ پہنچا۔ قہروان چونکہ یہاں سے قریب ہے اور وہاں کے لوگوں کو حضرت امامؑ کے آمد کی خبر ہوگئی تھی اس لئے شہر کو خوب آراستہ کیا۔ اور تمام رعیت نے دور تک آگے آکر حضرت امامؑ کا استقبال کیا۔ رعیت کے بادشاہ اور مومنین کے مہدی امامؑ نے تعظیم و تکریم سے خوش ہوکر ہر طرف نظر دوڑائی۔ اور لوگوں کے دلوں کو جوش مسرت سے بھر دیا۔ ماہ ربیع الآخر ۲۹۷ھ ہجری میں حضرت امامؑ نے قہروان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا۔

حضرت امام محمد مہدی (علیہ السلام) کی تخت نشینی

دوسرے دن قہروان کے میدان میں ایک عالی شان شامیانہ نصب کیا گیا۔ اس کے بالکل وسط میں ایک مرصع تخت بچھایا گیا۔ اور اردگرد نقرئی اور طلائی کرسیاں صف بہ صف رکھی گئیں۔ حضرت امامؑ نہایت حشمت و شوکت سے تشریف لائے۔ اور اسی مرصع تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے شاہزادہ قائمؑ ایک مرصع تلوار آویزاں کئے ہوئے

حضرت امامؑ کے دائیں جانب اور وفادار خادم طیب آپ سے چند فاصلہ پر کھڑا تھا۔ آپ کا غلام "مسلم" نامی بائیں جانب اور دوسرے تمام غلام قطار در قطار پیچھے مؤدبانہ کھڑے تھے۔ باوفا جعفر صاحب شامیانہ کے دروازہ پر ننگی تلوار لئے ہوئے پہرہ دے رہا تھا اور داعی ابی عبداللہ دروازے کے باہر کچھ فاصلہ پر کھڑے تھے یہاں آپ کی ماتحتی میں یکہزار محافظ سوار دو رویہ صف بستہ کھڑے تھے۔ دربار شروع ہوتے ہی داعی ابی عبداللہ کی سرکردگی میں دس دس کی تعداد میں داعی اور سردار حضرت امامؑ کے حضور میں پیش کئے جاتے اور وہ مراسم دست بوسی ادا کرنے کے بعد الٹے پاؤں واپس جاتے اسی طرح یہ سلسلہ تین دن تک متواتر جاری رہا۔ اور رعیت کے اعلیٰ وادنیٰ غریب و تونگر سب مساوی طور پر حضرت امامؑ کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔ ان مراسم کے ادا ہو جانے کے بعد حضرت امامؑ شہری اور ملکی انتظامات میں مشغول ہوئے۔

حضرت امامؑ نے تخت نشین ہونے کے بعد خاص طور سے بنی کتامہ اور قبائل بربر کے اسمٰعیلیوں کو اعلیٰ درجے کے عہدے اور جاگیریں مرحمت فرمائیں طرابلس اور ثقلیہ پر اسمٰعیلی گورنر مقرر ہوئے۔ اسی اثنا میں ۳۱۳ھ تک ثقلیہ کی فوج نے کلوریا کے کئی شہر تورنٹو اور آئرنٹو وغیرہ کو فتح کر کے لومبارڈی پر حملہ کیا اور غیرآن وابراز وغیرہ شہروں کو فتح کر کے فاطمی سلطنت کے زیر اقتدار کر لیا۔ اسیطرح حضرت امام مہدیؑ کے سلطنت کے اطراف و جوانب میں روز بروز وسیع ہوتی گئی۔ اور اسمٰعیلی مذہب کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے خلاف خفیہ سازش

داعی ابو عبداللہ کے بھائی ابوالعباس سے حضرت امامؑ کی عظمت و شوکت نہ دیکھی گئی اور سلطنت کی روز افزوں ترقیوں سے اور بھی جلنے لگا۔ یہانتک کہ دنیا کی حرص و طمع نے اس کے دل میں پورا گھر کر لیا۔ اس نے بنی کتامہ کے کئی سرداروں سے مل کر سازباز

شروع کر دیا۔ جھوٹی جھوٹی دلیلیں بیان کر کے داعی ابو عبداللہ کو بھی اس سازش میں یہ وعدہ کر کے کہ ان کو سلطنت کا مالک بنایا جائے گا۔ اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور یہ بات قرار پائی کہ حضرت امام کو تخت سے معزول کر کے داعی ابو عبداللہ کو ان کی جگہ مقرر کیا جائے اس سازش کی اطلاع حضرت امام کو ہوئی۔ تو آپ نہایت مغموم ہوئے۔ اور آپ نے ارادہ کیا کہ کسی طرح ان دونوں بھائیوں کو سمجھا لیا جائے۔ مگر حضرت امام کی فہمائش سے انہوں نے یہ خیال کیا۔ کہ حضرت امام کی نرمی اور دلجوئی اس لئے ہے کہ وہ ہم سے خائف و ترساں ہیں۔ اور آخر کار حضرت امام کو قتل کرنے کے لئے ابو العباس نے کئی بیوفا اور حریص غلاموں کو آمادہ کر لیا۔ جب اس کارروائی سے اسمٰعیلی واقف ہوئے تو فوراً ایک مسلح فوج داعی ابو عبداللہ کے گھر میں گھس گئی جہاں باہم جنگ ہوئی اور زبیر بن طاسب کے بھالے سے ابو عبداللہ اور عزرویہ کے ہاتھ سے ابو العباس مارے گئے ۲۹۸ھ ہجری میں یہ واقعہ ہوا جس کے بعد سلطنت میں امن و امان دوبارہ قائم ہوا۔ اور از سرِ نو سیاسی امور کے انتظامات کئے گئے۔

قلعہ مہدیہ کی تعمیر

فتوحات کی روز افزوں ترقی نے حضرت امام مہدیؑ کے عہد سلطنت میں کچھ اور ہی رنگ پیدا کر دیا۔ مشرق میں "برقہ" اور مغرب میں "طاہرہ" دونوں امامی سلطنت میں داخل ہو گئے۔ ۳۰۱ھ سے ۳۰۲ھ تک شاہزادہ امام قائمؑ نے مصر پر حملہ کر کے سکندریہ اور کئی دوسرے شہروں کو بھی فتح کر لیا۔ مگر مقتدر عباسی خلیفہ نے اپنے غلام مونس کے ساتھ ایک جرار لشکر بھیجا جس سے جانبین میں سخت جنگ ہوئی اور فاطمی لشکر مصلحت وقت سے واپس چلا آیا۔

۳۰۳ھ سے ۳۰۶ھ تک حضرت امام محمد مہدیؑ نے رعیت کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک عظیم الشان قلعہ مہدیہ نامی تعمیر کر کے اسی کو دار السلطنت

قرار دیا۔ ۳۰۸ھ میں فاس کے ادریسی بادشاہ کو تابع کر لیا گیا۔ اور ۳۰۹ھ میں اس کی مملکت کو تہروان کے فاطمی سلطنت کے ساتھ منضم کر دیا۔ سجلماسہ میں جو بلوہ ہوا تھا۔ وہ بھی اس وقت فرو کیا گیا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے نام کا خطبہ

تمام مغربی افریقہ کے شہروں میں حضرت امامؑ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور تمام رعایا نے ان کو بنی فاطمہ کا خلیفہ تسلیم کیا۔

۳۱۵ھ ہجری میں مغربی علاقوں میں بنو فاطمہ کی سلطنت میں قدرے ضعف آجانے سے ابوالقاسم محمد نے چڑھائی کر کے سرکش قبائل کو فتح کیا۔ اور 'ریف' پر حملہ کر کے 'لیکور' پر قابض ہو گیا۔ اور 'جراوہ' کے حاکم حسن بن ابیل عیشؒ ادریس کو بھی اپنے ماتحت کر لیا

حضرت امام (علیہ السلام) کے خلاف شورش

حضرت امام مہدیؑ کے عہد سلطنت میں مغرب کی جانب کئی چھوٹے چھوٹے شہروں کے رؤسا خود مختار حاکم بننے کے ارادہ سے حضرت امامؑ کے خلاف سرکشی پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اور شورش مچاتے رہتے تھے مگر حضرت امامؑ کے حکام فرو کر دیتے تھے ایک مرتبہ آپ نے اپنے شاہزادہ قائمؑ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر مغرب کے ایک شہر کے بلوائیوں کو دبانے کے لئے روانہ کیا۔ شہر کا محاصرہ کیا گیا۔ اور عرصہ دراز تک جاری رہنے کے باعث شہر میں غلہ کی کمی پڑ گئی جس سے تمام اہل شہر کفن باندھے اور ہاتھوں میں تلوار لئے ہوئے شاہزادہ قائمؑ کی متابعت قبول کر کے جاں بخشی طلب کی، آپ نے اُن سے خراج وصول کر کے ان کو امان دیا۔ اسی اثناء میں حضرت امامؑ کے سلطنت کا دائرہ طرابلس، مسیلہ اور میلان تک وسیع ہو گیا تھا۔

اب بنو فاطمہ کی سلطنت مصر سے تا بحر ظلمات خلافت کے جزائر اور دوسری

جانب بحرِ روم سے صحرائے اعظم (یعنی صحاری کے لق و دق میدان تک) وسیع ہو گئی تھی
آثار محمدی میں لکھا ہے کہ خلفائے بنو فاطمہ کی روز افزوں ترقیوں نے بنو عباس کے خلیفہ
مقتدر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس نے علماء اور خطباء کو انعام و اکرام کی لالچ دے کر ایسا
فتویٰ حاصل کیا کہ حضرت امامؑ کا قتل جائز ہے اور جب دیکھا کہ یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی
تو اس نے یہ افواہ پھیلایا کہ حضرت امامؑ کا نسب نامہ جھوٹا ہے اور یہ فاطمی نسل حضرت
امام اسمٰعیلؑ بن حضرت امام جعفر صادقؑ کی اولاد سے نہیں ہیں - بلکہ یہ عبداللہ المیمون
القداح یا عبداللہ بن سام نصیری کی اولاد میں سے ہیں - الغرض انعام و اکرام کے
لالچ سے اس قسم کی ہزار در افترا پردازیاں حضرت امامؑ کے خلاف کی گئیں اور دشمنوں
کو مطلب براری کا موقع مل گیا - عباسیوں کے اس خلاف واقعہ باتوں کو جاہل عوام
اور تاریخ سے ناواقف لوگوں نے سچ سمجھ لیا - اور بہت سے مورخین بھی اس سیاسی
جال میں پھنس گئے - لیکن دوسرے مورخین جو عباسی سلطنت کے ملازم تھے - یا دوسرے
کسی قسم سے ان کے زیر بار احسان تھے - انہوں نے تو افترا پردازی پر اور رنگ
چڑھایا - اور اس جھوٹی بات اور افواہ کو صداقت کا جامہ پہنا کر تاریخ میں ذکر کیا -
مگر آخر حق و باطل میں تمیز ہو گئی - اور متعدد مورخین نے اس راز کو فاش کر کے کھلے
الفاظ میں اس حقیقت سے لوگوں کو واقف کر دیا - مشہور و معروف مورخ مقریزی لکھتا ہے
کہ بنو فاطمی کو سیاسی اور سلطنتی امور سے ہر طرح محروم کرنے کے لئے بنو عباس نے علما کو
دنیوی لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ایسی باطل احادیث و غلط فتاوے دیں
جن سے عوام الناس بنو فاطمہ کے لئے مشکوک ہو جائیں - لہٰذا بنو فاطمہ کا جعلی شجرہ بنوا کر دستخط کرائے
گئے - اور لوگوں میں اس کو شائع کیا گیا -

حضرت امام (علیہ السلام) کا نسب نامہ

مشہور مورخ ابو طالب بغدادی نے عیون التواریخ میں حضرت امام محمد مہدیؑ کا

کا نسب نامہ حسب ذیل بتایا ہے۔

ابوالقاسم محمد المہدی ابن عبداللہ الرضی ابن قاسم التقی ابن احمد الوفی ابن محمد الوصی ابن اسمٰعیل ابن جعفر الصادق علیہم السلام دوسرے معتبر مورخین نے بھی اس نسب نامہ کا ذکر اسی طرح کیا ہے جس سے آپ کا شجرہ حضرت امام جعفر الصادقؑ سے بالکل ملجاتا ہے

حضرت امام مہدیؑ کے عہد سلطنت کے آخری دور میں فاش اور مغربی گورنر نے بلوہ کیا اور اسپین کے بنی اُمیہ کے ساتھ مل کر بنو فاطمہ کے نام کے عوض خطبوں میں بنوامیہ کا نام جاری کیا۔ حضرت امام مہدیؑ نے اپنے جنرل احمد بن بلکین کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جنہوں نے اس شورش پسند گورنر کو شکست فاش دے کر وہاں سے بھگا دیا۔ اور مغرب الاقصیٰ کے تمام شہروں کو فتح کر کے ان کو مملکت فاطمہ کے ساتھ ملحق کر دیا۔ جسے ان دنوں مراکش کہتے ہیں اس زمانہ میں اس کا نام مغرب الاقصیٰ مشہور تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

اسپین کے بنو اُمیہ نے بھی حضرت امامؑ کے ساتھ انتہائی دشمنی رکھتے تھے یہاں تک کہ سلطنت پر حملہ کرنے کی تیاری بھی شروع کر دی اسی اثنا میں ۳۲۲ھ ہجری ۱۵ ربیع الاول کو حضرت امام مہدیؑ نے اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ آپ نے تقریباً ۲۴ سال سے زائد حکمرانی کی۔ آپ کو "مہدیہ" میں دفن کیا گیا۔ آپ کے بعد تخت امامت پر حضرت امام شاہ قائمؑ جلوہ افروز ہوئے۔ تخت نشینی کے مراسم بھی ساتھ ہی ساتھ ادا کئے گئے

اہل تسنن کے زبردست مورخ سیوطی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمد مہدیؑ کی عدل گستری اور انصاف پسندی اور خصائل حمیدہ اور اوصاف ستودہ سے ساری رعیت ایسی گرویدہ ہوگئی تھی کہ دل و جاں قربان کرنے کو تیار رہتی تھی۔

حضرت امام قائمؑ (علیہ السلام)

سنِ امامت از ۳۲۲ سنہ ھجری تا ۳۳۴ سنہ ھجری

حضرت شاہ قائمؑ کا پورا نام ابوالقاسم محمد نزار قائمؑ بامراللہ تھا۔ ماہ محرم الحرام ۲۸۰ سنہ ھجری میں سلیمیہ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اور ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ سنہ ھجری کو آپ سریر امامت و خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کا پیدائشی نام محمد نزار تھا۔ اور قائمؑ بامراللہ کے لقب مبارک سے آپ معروف تھے۔ خلفائے بنوعباس راضی بن مقتدر اور متقی بن مقتدر اور مستکفی بن مکتفی حضرت امام قائمؑ بامراللہ کے ہمعصروں میں سے تھے۔ اور خلیفہ معطی کے طول وطویل عہد سلطنت میں حضرت امام منصور اور حضرت امام معز علیہم السلام نے بھی مصر میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت فرمائی۔

حضرت امام محمد مہدیؑ کے عہد سلطنت میں آپ کی زندگی ہی میں حضرت امام قائمؑ کو آپ نے اپنا ولی عہد مقرر فرمایا اور ان کے نام کی بیعت لینے کے لئے حکم صادر فرمایا۔

بنو فاطمہ کا اولین بحری بیڑہ

حضرت امام قائمؑ جنگی فنون اور حربی قوانین کے پورے ماہر تھے اور اپنے والد ماجد کی زندگی میں اکثر اوقات سپہ سالار بنکر جنگ میں تشریف لیجاتے تھے پھر طرفہ یہ تھا کہ لڑائی میں ہمیشہ مورچہ پر لے ہوتے تھے۔ مورخ جسٹس سید امیر علی نے لکھا ہے کہ ایک بہت بڑا بحری جنگی بیڑہ تیار کرنے میں آپ ہی سب سے پہلے فاطمی خلیفہ ہیں۔ یہ بحری بیڑہ



حضرت مولانا امام شاہ قائمؑ نے اپنے غنیم کے سامنے لڑنے کے لئے جو بحری بیڑا بھیجا تھا اس کا ایک منظر۔

تیار کرنے کی ضرورت اس لئے لاحق ہوئی تھی کہ اطالوی بحری بیڑے ہمیشہ بنی فاطمہ کے ساحلی شہروں پر حملہ کرتے اور شہر میں لوٹ و غارت کر کے واپس چلے جاتے جس سے باشندگان شہر اور رعایا کو عموماً نہایت نقصان ہوتا تھا۔

جعلی مہدی

سنہ ۳۲۲ ہجری میں ابن طالوت نامی ایک شخص نے اپنے آپ کو مہدی کا فرزند ظاہر کر کے طرابلس کا محاصرہ کیا مگر اس کا جعل لوگوں پر بہت جلد آشکارا ہو گیا۔ جس سے اس کے پیروؤں ہی نے اس سے علیحدگی اختیار کی اور اس کو قتل کر کے اس کے سر کو حضرت شاہ امام قائم کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیا۔

مغرب میں بلوہ

مغرب الاقصیٰ میں دوسری بار پھر بلوہ شروع ہوا اور سنہ ۳۲۳-۳۲۴ھ میں اطراف و جوانب میں حد سے زیادہ ہوا۔ مگر بنی فاطمہ کے لشکر جرار نے اپنی طاقت سے اسے فی الفور رفع کر دیا۔ اور ہر طرف امن و امان پھیلا کر ریف کے ادریسیوں کو اپنے زیر اثر کر لیا۔

اٹلی کی فتح

[illegible] کے کنارہ سے [illegible] اور اس کے اطراف میں بسنے ہوئے تمام اطالوی بحری بیڑوں نے بنی فاطمہ کے مقبوضہ ساحلوں پر حملہ کر دیا اس لئے حضرت امام نے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے امیر البحر [illegible] کو روانہ کیا۔ جنہوں نے جنوبی اٹلی کے گیتا نامی مقام سے لے کر جنیوا تک سارے ساحلی علاقہ پر حملہ کر کے وہاں کے تمام شہروں کو بالکل تباہ کر دیا۔ اور ان [illegible] انہوں نے اپنا تسلط جمانے کے بعد کثیر اطالویوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔

جنیوا شہر عرصہ دراز تک بنی فاطمہ کی سلطنت میں شامل رہا۔ اور لومبارڈی کا ایک [illegible]

اپنے قبضہ میں لے آئے تھے "تاریخ الاسلام" کے مصنف سید ذاکر حسین رقمطراز ہیں کہ اگر ابویزید خارجی نے بلوہ نہ کیا ہوتا تو بنو فاطمہ تمام اٹلی کو اپنے تحت تصرف میں لے آتے مگر ابویزید کے بلوہ کو فرو کرنے کے رقم خطیر صرف ہونے کے علاوہ بہت سے آدمی کام آئے۔ اور اسی لئے ان فتوحات کا سلسلہ رُک گیا۔

ابویزید عوام الناس میں دجال کے نام سے مشہور تھا۔ اور اس کے متعلق ایک حدیث بھی لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ مہدیہ میں مہدی کی مخالفت ایک دجال کریگا اسی سبب ابویزید دجال کے نام سے پکارا گیا۔ ابویزید ہمیشہ ایک سفید گدھے پر سواری کرتا تھا۔ اس لئے وہ "صاحب الحمار" کے نام سے بھی لوگوں میں مشہور تھا۔ اور درحقیقت حضرت امام قائمؑ کے عہد سلطنت کا بہت بڑا حصہ ابویزید کے بلوے فرو کرنے میں ضائع ہوا۔

اطالوی لیٹروں نے لشکر کے مقابلہ کے لئے جو بحری بیڑہ روانہ کیا تھا۔ وہ ابویزید کے ہنگاموں کی وجہ سے بہت جلد واپس آگیا۔ تاہم تھوڑی مدت میں اس نے کارہائے نمایاں انجام دئے راستہ میں سارڈینیا پر حملہ کرکے فرنگیوں کو شکست فاش دی اور وہاں سے ثقلیہ کے کنارے کنارے اٹلی کی طرف کوچ کرکے بنوعباس کے تمام جہازات نذر آتش کر دیئے اور غنیمت میں بہت سامان و دولت حاصل کرتا ہوا یہ بحری بیڑہ مہدیہ واپس آیا۔

ثقلیہ کے باشندوں کی امداد

روضۃ الصفا میں مرقوم ہے کہ حضرت امام شاہ قائم بامراللہ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ۳۲۵ھ ہجری میں ثقلیہ کے باشندوں نے دوسری مرتبہ سرکشی پر کمر باندھی اس لئے کہ فاطمی گورنر سالم ابن رشید نے رعایا پر اپنا تسلط جمانے کے لئے بے انتہا مظالم ڈھائے تھے۔ لیکن جب اس نے اس کی خبر حضرت امامؑ کو پہنچائی۔ تو آپ نے اسی وقت اس کی معاونت کے لئے خلیل ابن اسحاق نامی ایک جنرل کو تندرستہ قبائل کا ایک

لشکر عظیم دے کر روانہ کیا۔ ثقلیہ پہنچتے ہی خلیل کو معلوم ہوا۔ کہ اس میں تمام قصور گورنر کا ہے جس کے ظلم و تشدد کے باعث رعایا کے دلوں میں بےچینی پیدا ہو گئی اس لئے اس نے رعایا کی اس بےچینی کا حال حضرت امامؑ کو لکھ بھیجا اور آپ نے سالم کو معزول کر کے اپنے ایک گورنر کا تقرر کر دیا۔

۳۲۲ سنہ ہجری میں حضرت امام قائمؑ کے جنرل زیدان نے اسکندریہ پر قبضہ کیا مگر بعد میں بنی اخشید کی لشکری قوت کے پیش نظر فاطمی فوج نے وہاں سے واپس آنے میں مصلحت دیکھی

دوسری بار پھر شورش

ثقلیہ کے رعایا کی دادرسی کرنے پر بھی انہوں نے دوسری بار حضرت امامؑ کے خلاف شورش مچائی اور باوجودیکہ وقتاً فوقتاً ان کو شکست فاش ہوئی تاہم ۳۲۴ سنہ ہجری میں قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کے بحری بیڑہ کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا مگر ثقلیہ کے فاطمی گورنر نے ۳۲۶ ہجری میں بوصورا اور بلوط کے قلعوں کو فتح کر کے جرجنتی کا محاصرہ کیا اور بنو فاطمہ کا بحری جنگی بیڑہ تیونس پر پہنچ کر رومی نصاریٰ کے بحری بیڑہ کا کامل طور پر ۳۲۹ سنہ ہجری میں قلع قمع کر دیا۔ جب نصاریٰ نے اپنی ایسی ابتر حالت دیکھی تو انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور جرجنتی اور بعد ازاں تمام ثقلیہ کے باشندہ مطیع ہو گئے۔ اور رعایا میں امن و امان پھیل گیا۔

بنو امیہ اور عباسیوں کی مخالفانہ رفتار

سلطنت پر بنو فاطمہ کا اقتدار جمتے ہی ان کی سلطنت میں وسعت بھی شروع ہو گئی مگر بنو امیہ اور بنو عباس مخالفت اور عناد پر کمربستہ تھے اور صرف موقع کے منتظر تھے جہاں موقع دستیاب ہوتا وہ بنو فاطمہ کو ستانے اور ان کی راہ میں کانٹے بچھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ بانوے ۹۲ سال کے درمیان چودہ ۱۴ اموی خلفا ہوئے جنہیں

آخری خلیفہ مروان الحمار تک اور بعدازاں عباسی خلفاء اپنے آخری دور تک بنو فاطمہ کو اذیت دینے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ لیکن وہ اسلامی دنیا اور رعایا میں بنو فاطمہ کی ہر دلعزیزی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اموی اور عباسی اپنے طرز عمل کو سیاسی مصلحت سے بسا اوقات ظاہر بھی نہ ہونے دیتے تھے۔ اور اسی لئے عباسیوں نے ایک نئی سیاسی چال یسی چلی۔ جس سے بنو فاطمہ کی ہر دلعزیزی کو نقصان پہونچے۔ اور ان کی قوت وطاقت بالکل رُک جائے اس لئے ان لوگوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے بہت سے علماء اور ادباء کو اپنی ملازمت میں رقم خطیر دے کر رکھا تھا۔ اور ان کو اپنا آلہ کار بنا کر ایسے فتاوے اور اعلانات شائع کراتے تھے کہ حضرت امام محمد مہدیؑ فاطمی نسل سے نہیں ہیں۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں بنو فاطمہ کی وقعت باقی نہ رہے اور کوئی احترام سے پیش نہ آئے۔

بنو فاطمہ کے ذکر میں جسٹس سید امیر علی رقمطراز ہیں کہ خلیفہ قاہر باللہ کے عہد سلطنت میں بغداد کے علماء نے ایسا فتویٰ شائع کیا تھا کہ شاہ امام محمد مہدیؑ حضرت علی ابن ابیطالب اور جناب فاطمۃ الزہرا کی نسل سے نہیں ہیں مگر یہ فتویٰ بغض و عناد کا سراسر مرقع ہے۔ مقریزی ابن اثیر، ابوالفدا اور ابن خلکان جیسے تمام مورخوں نے عبداللہ المہدی کو اصل سادات سے اور بنو فاطمہ کی اولاد بتایا ہے۔ جس کی تردید نہیں کی جا سکتی۔

اسمٰعیلی مذہب کے مشہور بہادر

سامانی قبیلہ کا سلطان نصر بن احمد بخاری حضرت امام شاہ قائم بامر اللہؑ کا ہمعصر تھا۔ پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب "لیٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں لکھا ہے کہ نصر بن احمد اسمٰعیلی مذہب کے پیروؤں میں سے تھا۔ سیاست نامہ کی فارسی کتاب کے فرانسیسی مترجم شیفر نے اپنے ترجمہ میں تشریح کی ہے کہ مذہبی عقیدہ علیحدہ ہونے کے باعث اس کتاب کے مصنف نظام الملک نے بہادر نصر بن احمد سامانی کی اس کے اسماعیلی مذہب ہونے کے سبب سے مذہبی تعصب کی بنا پر بدگوئی کی ہے۔

سن ہجری کی چوتھی صدی کے ابتدائی زمانہ میں بنی فاطمہ کے خلیفہ امام قائمؑ کے حکم سے فاطمی دعات خراسان کے اطراف وجوانب کے شہروں میں پھیل گئے تھے۔ ان میں سے ایک داعی نے اسمٰعیلی مذہب کے مطابق حسین بن علی مروزی بیعت کر لی ان کے جانشین محمد بن نقشابی تھے جس نے مذہب اسمٰعیلی کی تبلیغ واشاعت فرانس آکسینیا میں جاری کی۔ بعدازاں نفس کے امراو روسا کو بھی اسمٰعیلی مذہب کی خوبیاں ورعنائیاں بتاکر اپنا اہم عقیدہ بنالیا۔ ان لوگوں کے زمرے میں حاجب ایتاس، ابوبکر بن ابو اشعث۔ ابومنصور، چگانی وغیرہ جیسے مقتدر اشخاص شامل تھے۔

اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت کے لئے بہادر نصر بن احمد نے داعی ابوالحسن کو بخارا میں طلب کرکے اپنا مہمان بنایا اور کئی دن تک ان کی مہمان نوازی کرکے خلعت فاخرہ انعام میں عطا کرکے ان کے لئے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ خراسان کے ضلع میں شاہی سلطنت کے خزانے سے سالانہ وظیفہ وصول کرنے والوں میں یہ بالکل پہلے علوی تھے شاہ نصر بن احمد کی مخالفت میں جو سازش ہوئی تھی اس میں شمولیت کے باعث داعی حسین قید کئے گئے۔ اور بخارا کے قیدخانہ میں ان کی وفات ہوئی۔ اس واقعہ کی خبر ہوتے ہی حضرت امام شاہ قائمؑ نے بخارا کے بادشاہ سے ایک لاکھ اکیس ہزار دینار بطور جرمانہ وصول کرکے بیت المال میں داخل کیا۔

ابوعبداللہ جعفر بن محمد بخارا کے سلطان نصر بن احمد کا نہایت جلیل القدر شاعر تھا اور رودکی کے تخلص سے دنیا میں معروف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فارسی شاعری انہیں کے ذریعہ وجود میں آئی ہے اور اس وقت کے تمام شعرا سے فن شاعری میں سبقت لے گیا تھا۔ یہ رودکی بھی محب اہل بیت تھا۔ اور ہمیشہ حضرت امامؑ کی محبت میں قصیدے لکھتا اور حضرت امامؑ کے فضائل حمیدہ کا ثنا خواں رہتا تھا۔ سیاست نامہ میں منقول ہے کہ رودکی شاعر بھی اسمٰعیلی تھا۔

حضرت امام قائمؑ کے عہد سلطنت میں بہت سے نامور سلاطین اور معزز روسا نے مذہب

اسمٰعیلی کو اختیار کیا۔ حالانکہ بنو فاطمہ کے اعدا نے ہمیشہ اسمٰعیلیوں پر اور اسمٰعیلوں کے سلاطین پر حملہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، لیکن بنو فاطمہ بھی ایسے اکثر مواقع پر جواب تُرکی بہ تُرکی دے کر انہیں سرنگوں کرتے رہتے تھے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات حسرت آیات

ابو یزید کے بلوہ کا بیان لکھا جا چُکا ہے۔ حضرت امام شاہ قائمؑ کے زمانہ میں باوجودیکہ اسے وقتاً فوقتاً شکست و ہزیمت ہوئی۔ مگر وہ بار بار لشکر جمع کر کے مقابلہ میں آیا کرتا تھا۔ اور اسی طرح اس کے حملے جاری تھے۔ کہ اسی اثنا میں حضرت امام شاہ قائمؑ حسرت ناک وفات ۱۳ شوال المکرم ۳۳۴ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ آپ کی عمر اس وقت پچپن ۵۵ سال کی تھی۔ بارہ سال اور سات مہینے آپ نے ... کی۔ اور مہدیہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت امام ابو طاہر منصوؒر وارث تخت و خلافت ہوئے۔ اور اسی سال میں آپ اسماعیلوں کے امام حق کے طور پر تخت سلطنت اور امامت کے مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت امام منصور۔ حضرت حمزہ اور حضرت عدنان نامی تین شاہزادے حضرت امام قائمؑ کے تھے۔

حضرت امام منصور (علیہ السلام)

سن امامت از ۳۳۴ سنہ ہجری تا ۳۴۱ سنہ ہجری

۳۳۴ سنہ ھ میں حضرت امام منصورؑ مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کا پورا نام ابوطاھر اسمٰعیل منصور باللہ ہے آپ کی پیدائش ۳۰۲ سنہ ھ میں قیروان میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام قائمؑ جب فوت ہوئے۔ اس وقت ابویزید خارجی قناعت اور سوسہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ اس لئے جب تک ابویزید کی شرارتوں سے فاطمی سلطنت کو نجات حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت تک حضرت امامؑ نے اپنے والد ماجد کی وفات کی خبر شائع نہیں کی۔ نہ اپنے تخت نشینی کی اطلاع دی نہ خطبہ میں اپنا نام جاری کیا۔ نہ اپنے نام کے سکے رائج کئے۔ الغرض جو شاھی فرمان جاری ہوتا اس پر حضرت امیر اسمٰعیل ولیعہد کے نام سے آپ امضاء فرماتے تھے۔ حضرت امام منصورؑ کی پیدائش آپ کے جد امجد حضرت امام محمد مہدیؑ کے عہد سلطنت میں ہوئی تھی اور بچپن ھی سے آپ میں بزرگی اور عظمت کے آثار ہویدا تھے۔ آپ کے جد امجد نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ کہ یہ فرزند ارجمند جناب نبی کریم صلعم اور حضرت علیؑ کی نشانی ہے۔ فاطمی نسل کا یہ روشن چراغ ہے اور عناد کی آگ کو یہ بجھائے گا۔ یہ امام الانس والجان ہے۔ اور خلق اللہ کو یہ دجال کے عذاب سے نجات دے گا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت منصورؑ نہایت شجیع، زیرک اور عقلمند تھے آپ کی طبیعت نہایت سادہ اور ہشاش بشاش تھی آپ بنیظیر شاعر تھے

فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ گفتگو آپ فصیح و بلیغ تقریر فرماتے اور اس کے لئے نہ کوئی مسودہ طیار کرتے، اور نہ پہلے سے تیاری فرماتے۔

ایسے انقلاب انگیز دور میں بنو فاطمہ نے اپنی سلطنت مستحکم کرنے کے ساتھ ہی اپنے نام کے سکے بھی جاری کئے۔ جس میں کثر سکے مغربی ممالک کے عجائب خانوں میں بطور آثار قدیمہ رکھے ہوئے ہیں اور اکثر لوگوں کے خزانوں میں بھی موجود ہیں۔ حضرت امام محمد مہدیؑ اور حضرت امام قائمؑ کے طلائی دینار سجلماسہ کے ٹکسال میں بنائے گئے تھے۔ حضرت امام منصورؑ کے ربع (پاؤ) دینار کے سکے کا جو فوٹو دیا گیا ہے اس کے ایک جانب کلمۂ پاک لاالٰہ الا اللہ اور دوسری جانب والمنصور باللہ الامام، امیر المومنین کندہ ہے۔ یہ دینار آپ کے پایہ تخت منصوریہ کے دارالضرب میں ڈھالا گیا تھا جو اسی سکہ سے ظاہر ہے

بنو فاطمہ کی سلطنت اس وقت نہایت خطرناک دور سے گذر رہی تھی اور نہایت مصلحت اندیشی کی ضرورت تھی۔ ابو یزید خارجی کی سرکوبی کی ذمہ داری حضرت امامؑ نے خود اپنے ذمہ لی تھی۔ ابو یزید کے محاصرہ سوسا سے بنو فاطمہ کو بہت زیادہ نقصانات پہونچے اور اموی خلیفہ ناصر نے مغرب الاقصیٰ پر یہ موقع دیکھ کر اپنا قبضہ کر لیا۔

سوسا پر کا جو محاصرہ جاری تھا اس سے رعیت بالکل تنگ آگئی تھی۔ اور اس کو جلد دور کرنیکی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔

حضرت امام منصورؑ اپنے والد کی وفات کے ساتھ ہی سلطنت کے تمام کاروبار اپنے قبضہ میں لائے۔ اور منتخب بہادروں کا ایک لشکر جرار تیار کر کے ابو یزید خارجی پر چڑھائی کی سوسا کے باشندہ بھی پہلے سے اس محاصرہ کو دور کرنیکی کوششیں کر رہے تھے۔ اس لئے بنو فاطمہ کے لشکر کی آمد سے ان کی قوت دوچند ہو گئی۔ اس خطرہ اور پریشانی کے وقت میں مہدیہ اور دریا کے کنارہ کے چند قلعہ اور محفوظ مقامات کے سوا دوسرا کوئی شہر بنو فاطمہ کے سلطنت میں نہ تھا۔ لیکن پھر بھی ہمت مردانہ سے اپنی رعیت کی حفاظت کے لئے سلطنت کے سیاسی مصالح کے پیش نظر حضرت امامؑ بہ نفس نفیس خود میدان جنگ میں تشریف لائے

ابو یزید خارجی کون تھا؟

ابو یزید مخلد بن قیداد خارجی کی پیدائش "کستیلیاں" میں ہوئی۔ اور وہیں اس کی پرورش بھی ہوئی۔ چونکہ بچپن سے اس کا عبادی خارجیوں سے ربط ضبط تھا اس لئے اس نے اسی مذہب کو اختیار کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد اس نے طاہرۃ نامی شہر کو اپنا مسکن بنایا۔ اور وہیں عہد شباب میں درس و تدریس شروع کی۔ اپنے مذہب کے مخالف مذہب کے مریدوں کو یہ کافر سمجھتا تھا۔ اور سلطنت کے خلاف جنگ کرنے کو جہاد سے تعبیر کرتا تھا۔ اپنی مطلب براری کے لئے اس نے لوگوں کو اپنی حمایت میں لانیکی کوشش کے ساتھ اسی غرض سے ۳۱۶؁ھ ہجری میں اسنے تقریر کرنی شروع کی۔ اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت امام محمد مہدیؑ کے عہد سلطنت میں اس نے تمام تیاریاں کریں اور آپ کی وفات کے بعد جبل اور رآس نامی مقامات میں فتنہ جگایا۔ عوام الناس کو مرعوب کرنے کے لئے "شیخ المومن" کے خطاب سے اپنے آپ کو مشہور کیا۔ پرہیزگاری کی نمائش بھی اچھی طرح کرتا تھا۔ گدھے کے سوائے کسی دوسرے جانور پر وہ سواری نہ کرتا تھا۔ لوگوں پر اپنا تسلط و رعب جمانیکے لئے اُون کے کپڑوں کے سوا دوسرا کوئی کپڑا وہ نہ پہنتا تھا۔ چونکہ بنو فاطمہ کی سلطنت پر اس کا قبضہ کرنے کا ارادہ تھا۔ اس لئے بنو فاطمہ کے مخالف اسپین کے اموی خلیفہ ناصر سے اس نے دوستی پیدا کی اور ان شہروں میں اس کے نام کا خطبہ بھی جاری کیا۔ بربری قوم کے اکثر لوگ اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور ۳۳۲؁ھ ہجری میں اس نے تبتا۔ مراجنا۔ اربس اور سبیبا فتح کر لیا۔ یہ حضرت شاہ قائمؑ کے سلطنت کا زمانہ تھا۔ آپ نے اپنے مختلف اور متعدد جرنلوں کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اور باوجودیکہ یہ وقتاً فوقتاً بنو فاطمیوں سے شکست اٹھاتا رہتا تھا۔ مگر ہر وقت یہ نیا لشکر تیار کر کے بار بار مقابلہ کے لئے آکھڑا ہوتا تھا۔ حضرت امام قائمؑ کی وفات کے بعد اس کام کی تکمیل حضرت

امامؑ شاہ منصور کے ذمہ سپرد کی۔ اور آپ نے اس کام کو نہایت جرأت و استقلال سے شروع کیا۔

بہادر فاطمیوں کے جنگی کارنامے

حضرت امام منصورؑ کا لشکر جب سوسا کے قریب آگیا تو اس شہر کے باشندوں کے ساتھ ملکر ابو یزید مقابلہ کے لئے نکلا۔ بنو فاطمہ کی فوج نہایت بہادری سے لڑی۔ اور ابو یزید کی فوج کا بڑا حصہ تہ تیغ ہوگیا۔ جب ابو یزید نے دیکھا کہ اب فتح کی کوئی اُمید نہیں بلکہ مقابلہ کی بھی طاقت نہیں رہی۔ تو مال متاع اور ساز و سامان وہیں چھوڑ کر وہاں سے فرار ہوگیا۔ فاطمی لشکر نے سارے مال و متاع کو جلا دیا۔ مفرور ابو یزید پھر قیروان آیا۔ مگر لوگوں نے اُسے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اور اس کے گورنر کو لوگوں نے وہاں سے بھگا دیا آخر اس نے ۳۳۴ھ ہجری میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قیروان سے دو دن کی راہ کے فاصلہ پر سبیبا شہر میں پناہ لی۔ اور دوبارہ حملہ کرنیکی تیاری شروع کی۔ ۲۴ شعبان المعظم کو حضرت امام منصورؑ قیروان تشریف لائے۔ اسی دن ابو یزید نے پھر حملہ کیا۔ پہلے روز تو فاطمی لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ مگر دوسرے دن پیچھے ہٹنا پڑا۔ مگر پھر بھی اس لشکر نے سوسا اور مہدیہ میں پناہ لیکر دشمن کا مقابلہ جاری رکھا۔ اس حالت کو دیکھ کر حضرت امامؑ فاطمی فوج کو ساتھ لیکر خود تشریف لائے اور میدان جنگ میں ایسی سخت اور خونریز لڑائی ہوئی۔ کہ ابو یزید مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور ہمت ہار کر پھر اپنے لشکر کو واپس چلے جانے کا حکم دیا بعد ازاں ۱۵ محرم کو لشکر تیار کر کے مقام قیروان میں پھر آپہنچا۔ باہم سخت لڑائی ہوئی۔ اور آخر کار ابو یزید شکست کھا کر بھاگ گیا۔ حضرت امامؑ نے بنی فاطمیوں کی اس جگہ پر جہاں فتح ہوئی تھی۔ یادگار قائم رکھنے کے لئے ایک شہر آباد کیا۔ جس کا نام آپ نے منصوریہ رکھا۔

ابویزید کا انجام

۳۳۵ھ سنہ ھجری میں تبلیغی جماعت کا انتظام کر کے داعیوں کو علیحدہ علیحدہ اطراف کے شہروں میں حضرت امام منصورؑ نے روانہ کیا۔ جابجا اشاعت و تبلیغ کے مرکز قائم کئے گئے اور دن بدن اسمٰعیلیوں کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔

مگر اب بھی ابویزید کی مصیبت پوری طرح دور نہ ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت امامؑ نے اس کانٹے کو ہمیشہ کے لئے دفع کرنے کے لئے ۲۰ ربیع الاول کو ایک شجیع و بہادر سپاہیوں کی فوج ہمراہ لے کر اس کا تعاقب کیا۔ جنگل۔ پہاڑ، کوہستان اور ریگستان کی پرواہ کئے بغیر اسے پکڑنے کے لئے آگے چلے جا رہے تھے۔ کہ اب سوڈان کے ایک ایسے ویران جنگل میں پہونچے کہ جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی میسر ہونا مشکل تھا۔ ایک مشک پانی کی قیمت یہاں ایک دینار تھی۔ ایسے سخت اور دشوار گزار سفر میں اتفاقاً آپ بیمار ہو گئے۔ لہٰذا آپ نے عمرت شہر میں مقام فرمایا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ابویزید نے مسیلا کا محاصرہ کیا۔ مگر حضرت امامؑ تندرست ہوتے ہی مقام مسیلا کے قریب آ پہونچے۔ ابویزید نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور وہاں سے فرار ہو کر بنی کتامہ کے ایک قلعہ میں چھپ کر پناہ لی۔ مگر اب حضرت امامؑ کو چین نہ تھا۔ بنی فاطمہ کی فوج وہاں بھی پہنچی اور قلعہ پر حملہ کر کے ابویزید کو قلعہ سے باہر نکال کر اسے قید کر لیا۔ اور حضرت امامؑ کے سامنے ایک قیدی کی طرح حاضر کیا۔

روضۃ الصفا میں مرقوم ہے کہ خلافت کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ ابویزید اور اس کے ہمراہیوں کو ایک آہنی پنجرے میں قید کر کے سارے شہر میں گشت کرایا جائے اور حسب الحکم اس کی تعمیل کرائی گئی۔ بعد ازاں اس کو سولی دی گئی۔

حقائق الاخبار کا مصنف رقمطراز ہے کہ ابویزید خارجی زبردست منکر و ملحد تھا اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایسی سازشیں کرتا تھا کہ جس کے سننے سے انسان

کے بدن میں سنسنی پھیل جائے۔

ایک دلچسپ علمی اور تاریخی واقعہ

ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ابوجعفر مروردی سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ابو یزید خارجی کو حضرت امام منصورؑ نے جس دن شکست فاش دی اس دن آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ جیسے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ ویسے ہی اپنے ہاتھوں کے دونوں نیزوں کو یکے بعد دیگرے زمین پر پھینکتے جاتے تھے۔ اور میں ان بھالوں کو زمین سے اٹھا کر صاف کر کر کے آپ کے ہاتھ میں واپس دیتا تھا۔ میں نے اس کو ایک نیک شگون سمجھ کر چند شعر لکھے۔ جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ وہ ہاتھ کی لکڑیوں کو ادھر اُدھر پھینکتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ دور و دراز کے شہر اس کے مسکن بن گئے۔ اور باوجودیکہ پردیس میں یہ مسکن تھا۔ تاہم جس طور سے وطن میں ایک مسافر کو واپس ہوتے ہوئے خوشی پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس کی یہاں یہی حالت تھی"

نظم مذکور سنتے ہی حضرت امامؑ نے فرمایا۔ کہ اے ابوجعفر آج کے واقعہ کی اہمیت کو اور زیادہ شاندار الفاظ میں کیوں منظوم نہیں کرتے؟ میں تمہیں یاد دلاتا ہوں "اور ہم نے موسیٰؑ کے طرف وحی بھیجی کہ تو اپنی لکڑی کو نیچے ڈال دے پھر جتنی باطل اشیاء ان (جادوگروں) نے بنائی تھی۔ ان تمام کو یہ لکڑی نگل گئی پھر حق ثابت ہوا۔ اور باطل نابود ہوا۔

یہ سنتے ہی ابوجعفر نے کہا۔ یا مولا! یہ تو آپ ہی کا حق ہے۔ آپ حضرت رسول کریم صلعم کے وصی ہیں۔ آپ ہی واقف ہیں اور اسی لئے آپ کا کلام حق ہے۔

منصوریہ میں حضرت امام (علیہ السلام) کا استقبال

ابویزید خارجی کا فساد دور ہونے کے بعد ۲۳ محرم الحرام ۳۳۶ھ ہجری کو انتہائی شان و شوکت کے ساتھ حضرت امام منصورؑ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور ہر جگہ آپ کے خلافت کی تشہیر کی گئی۔ بعد ازاں امرا و روسا کو ہمراہ لیکر صفر المظفر کی دوسری تاریخ کو منصوریہ روانہ ہوئے اور جو جو قبیلے آپ سے منحرف ہو گئے تھے۔ آپ سے راہ میں ملتے گئے۔ اور تائب ہو کر آپ کی خدمت میں نذرانے پیش کر کے دعائے برکت کے طالب ہوئے۔ حضرت امامؑ نے نہایت فراخ دلی سے انہیں معافی بخشی اور منصوریہ میں وارد ہوئے۔ جہاں آپ کے فرزند ارجمند حضرت امام معزؑ پہلے ہی سے اپنے والد ماجد کے استقبال کے لئے حاضر ہو گئے تھے حضرت امام منصورؑ کے تشریف لاتے ہی معزؑ نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ آپکا استقبال کیا۔

فضل بن ابویزید کا انجام

اسی اثناء میں فضل بن ابویزید خارجی نے اوراس کے پہاڑوں میں بلوہ کر دیا ہے جسکی خبر حضرت امام منصورؑ کو منصوریہ میں ملی۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خبر پہنچائی گئی۔ کہ دشمن نے قسطیلیا اور قفسا اور اس کے اطراف و نواحی کے شہروں پر بھی قبضہ کر لیا ہے نیز بربری اور کئی دوسرے قبائل اس کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ حضرت امام منصورؑ اپنے شاہزادہ معزؑ کے ساتھ ایک بڑی فوج لئے ہوئے اکثر کتیفا کی طرف روانہ ہوئے اور ۲۵ صفر کو بوقت شام حسن آدواس نامی مقام میں چھاؤنی ڈالی۔ علی الصباح دونوں لشکروں کا مقابلہ شروع ہوا۔ حضرت امام معزؑ کو فوج کا سردار بنایا گیا۔ اس وقت آپکی عمر صرف سترہ سال کی تھی اور میدان جنگ میں پہلی مرتبہ سرداری ملی تھی۔ مگر دشمنوں کے مقابلہ میں معزؑ نے فن سپہ گری کے خوب کمالات دکھلائے۔ اور جس طرف تلوار چلتی تھی۔ اس طرف لاشوں کے انبار لگ جاتے تھے۔

دوپہر تک اسی طرح جنگ کا بازار گرم رہا اور آخر جنگ حسن ما دہن کی فتح آپ کے دست مبارک پر ہوئی۔

ایسی شاندار فتح کے ساتھ جب معزؑ نے چھاؤنی میں مراجعت کی تو حضرت امام منصورؑ نے فرط مسرت سے اپنے فرزند ارجمند معزؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور حضرت امام منصورؑ بذات میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ فریقین میں ایسی شدید جنگ ہوئی کہ فضل کے لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور بھاگنے لگا۔ بھاگتے ہی میں فضل گرفتار کرلیا گیا اور اسے قتل کیا گیا۔ اس طرح ابویزید خارجی کا دور ختم ہوگیا۔

حسن بن علی کلبی

ابویزید کے بلوہ کے درمیان اندلس (مغربی اسپین) کے اموی خلیفہ ناصر کے نام کا خطبہ مغرب الاقصیٰ کے گورنر نے پڑھنا شروع کردیا۔ اس لئے اس کو تابع کرنے کے لئے حضرت امامؑ نے فوج روانہ کی۔ مگر وہ سنتے ہی بھاگ نکلا۔ صقلیہ کے رعیت کی شورش کو بھی فرو کیا گیا۔ اور اس نے خراج کی شرط پر صلح کی۔ حسن بن علی بن ابی الحسین کلبی کو وہاں کا گورنر بنا کر روانہ کیا گیا۔ انہوں نے بلوائیوں سے پورا پورا انتقام لیا۔ روم کے بڑے عیسائی سردار "پوپ" نے بھی تین سال کا خراج جو واجب الادا تھا۔ حضرت امامؑ کو ادا کردیا۔ مگر قسطنطنیہ کے نصرانی بادشاہ نے دریائی راستہ سے صقلیہ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ جس نے "اوٹرنیٹ" میں اپنی چھاؤنی ڈالی۔ یہ سن کر حضرت امام منصورؑ کے ایک غلام فرخ کو جب یہ خبر ملی تو زبردست بحری بیڑہ لیکر گورنر حسن بن علی الکلبی کی امداد کے لئے آیا۔ حسن نے اپنے لشکر کو حضرت امامؑ کے بحری بیڑہ کے ساتھ شامل کردیا۔ اور کلوریا پر گورنر حسن نے ایک دم دھاوا کیا۔ اور رومیوں کے لشکر سے جنگ کرنے کے لئے امامی لشکر نے ایک دم پیشقدمی کی۔ بنو فاطمہ کی فوج کا جاہ و جلال دیکھتے ہی جنگ کے بغیر دشمن بارہ کی طرف بھاگ گئے۔ اور حسن کلبی نے کلوریا میں اپنی فوج کو

فتح کلوریا

موسم سرما کے آتے ہی حسن الکلبی مسینا کے طرف واپس آئے اور موسم گرما شروع ہوتے ہی پھر بار دیگر کلوریا پر حملہ کیا سنہ ۳۴۰ ہجری میں عرفہ کے روز ۹ ذی الحجۃ الحرام کو جراجا کے نزدیک رومیوں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ اور رومی بادشاہ قسطنطین ان سے صلح کرنے کے لئے مجبوراً آمادہ ہوگیا۔ حسن الکلبی وہاں سے روانہ ہوکر "ریو" فتح کیا اور اس شہر کے وسط میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔

کلوریا کی فتح کی خوشی میں ابو جعفر مرورودی نے حضرت امام منصورؑ کی جناب میں ایک تہنیت نامہ منظوم پیش کیا۔ جس کا ذکر روضۃ الصفا کے مصنف میرخوند نے اپنی کتاب میں اس طرح کیا ہے۔

"اُمید رکھتا ہوں کہ آپ کے نورچشم ولیعہد حضرت امام معزالدین اللہ کا اسم مُبارک مکہ اور مدینہ کے منبر پر منقش ہوگا۔ اور اسلامی سلطنت کے خلیفہ کی حیثیت سے درھم و دینار پر آپ کے شاہزادہ کا نام مبارک کندہ کیا جائے گا۔ اور امامت کے بُرج میں آپ عزالائمۃ ہوکر برج مشرف و فضل میں مثل آفتاب تاباں و درخشاں رہیں گے"۔

ثقلیہ میں بنی فاطمہ کا احترام

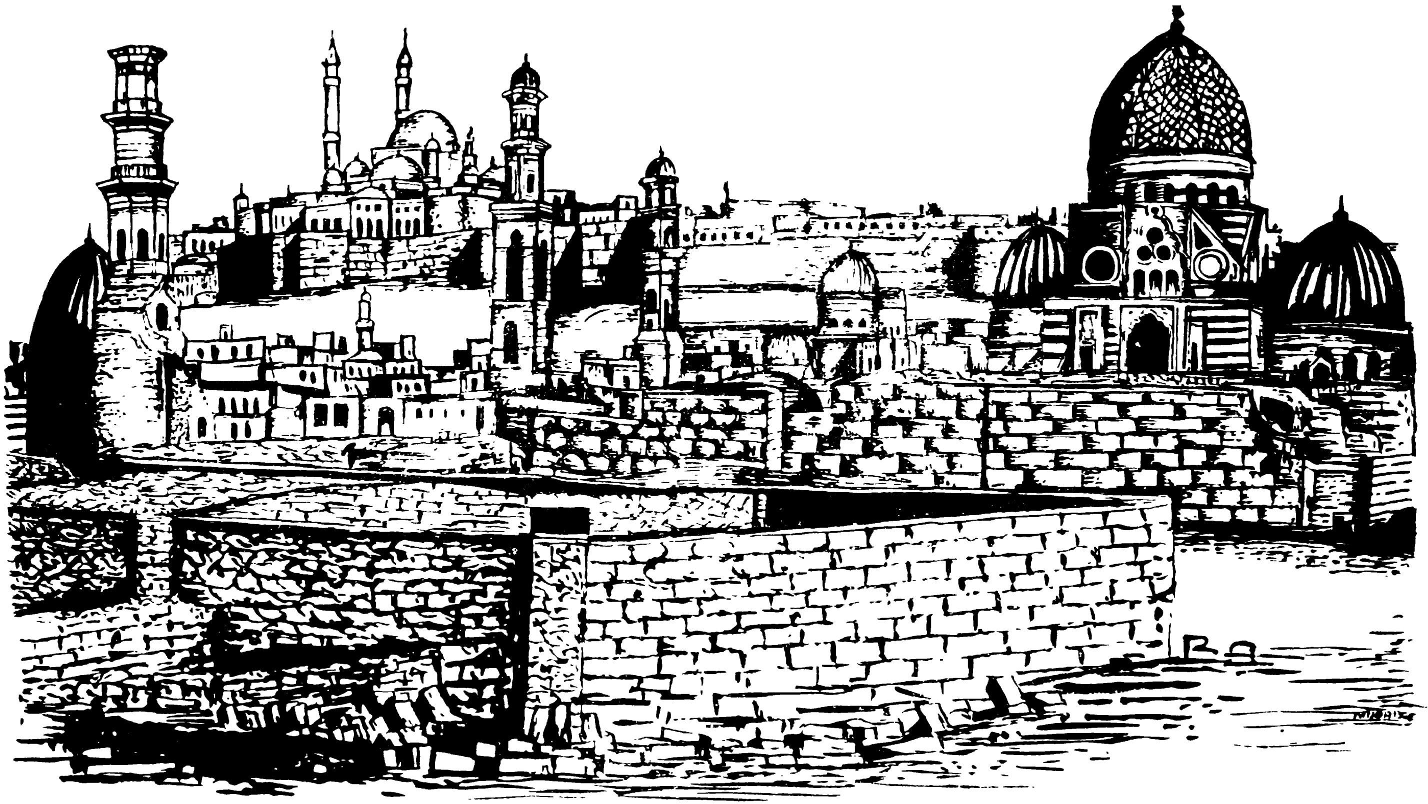
حسن بن علی الکلبی کی یادگار فتوحات کے باعث بنو فاطمہ کی طرف سے ثقلیہ اور اس کے اطراف کے شہر ان کے حوالہ کئے گئے۔ اور ایک معقول سالانہ خراج کے معاوضہ میں ان شہروں کا عامل اس کو مقرر کر دیا گیا۔ حسن کے خاندان نے اس ممتاز عہدہ کو ایک مدت مدید تک نہایت عمدگی سے سنبھالا۔ اس خاندان کے آخری میر حسن کے عہد سنہ ۱۱۵۲ ہجری میں کاؤنٹ روجر نے ثقلیہ کو بار دیگر فتح کرلیا۔ ثقلیہ میں بنی فاطمہ کا زبردست تسلط جما ہوا تھا۔ مگر وقتاً فوقتاً بلوے ہوتے رہتے تھے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر

اسپین کے بنی امیہ خلیفہ ناصر نے مراکو اور مغرب کے شہر جو بنی ادریس کے زیر حکومت تھے۔ فتح کرلیا۔ لیکن "آلجیریا" جو وسط مغرب میں واقع ہے بنی سنہاج کے سلطنت میں شامل تھا۔ یہ بنی سنہاج بنو فاطمہ کے سچے محب تھے۔ وفادار مریدوں میں سے تھے اس ضلع کی حکومت اس زمانہ میں زیری بن مناد کے ہاتھ میں تھی۔ جس نے آلجیریا کی سلطنت کو آباد کیا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

مندرجہ بالا واقعات کے پیش آنے سے لازمی مرتھا کہ فاطمی سلطنت کے سیاسی امور کا بہترین انتظام کیا جائے۔ مگر اسی درمیان میں حضرت امام منصورؑ منصوریہ شہر میں انتقال فرماگئے۔ جہاں سے آپ نے ابویزید خارجی کو تہر وان سے دور کرنے کے لئے اس کے قرب میں واقع شدہ میدان میں جنگ میں فتح حاصل کی تھی اور اسکی یادگار قائم کرنے کے لئے اس کی تعمیر کی گئی تھی۔

۳۴۱ سنہ ہجری میں آپ دار البقاء کی طرف کوچ کرگئے اور یہیں آپ کی لاش مبارک دفن کیگئی۔



اُمّ الدُنیا قاہرہ :- قلعہ کی جانب سے قاہرہ شہر کا عام منظر۔

حصہ چہارم

مصر میں امامت

حضرت امام معز علیہ السلام
" " عزیز "
" " حاکم "
" " ظاہر "
" " مستنصر "
" " نزار "

حضرت امام معز (علیہ السلام)

سن امامت از ۳۴۱ سنہ ہجری تا ۳۶۵ سنہ ہجری

حضرت معزؑ کا پورا نام ابوتمیم معاد ہے۔ تخت امامت پر رونق افروز ہونے کے وقت حضرت امامؑ نے امام معزالدین اللہ کا لقب اختیار فرمایا۔ آپ کی پیدائش مغربی افریقہ میں قیروان کے "مہدیہ" نامی شہر میں ۳۱۹ سنہ ھ گیارہویں رمضان کو ہوئی تھی اور غرۂ شوال المکرم ۳۴۱ سنہ ھجری میں آپ مسند خلافت و تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کی حکومت تیئس ۲۳ سال اور چھ ۶ مہینہ رہی۔ عباسی خلفا مطیع بن مقتدر اور طائع بن مطیع آپ کے ہمعصر تھے۔

بنی فاطمہ کے دارالخلافت کو مصر میں قائم کرنے والے حضرت امام معزؑ کے مختلف سکے جو آج تک محفوظ ہیں۔ انمیں ۳۴۷ سنہ ھجری کے بعض سکوں میں ایک طرف کلمۂ طیبہ کے علاوہ بالکل وسط میں "علیؑ افضل وصی و وزیر خیر المرسلین" کا جملہ دکھائی دیتا ہے اور دوسری جانب "المعزالدین اللہ امیر المومنین" اور بالکل اندرونی حصہ میں درمیچ کے دائرہ میں "دعاء الامام معاد لتوحید اللہ الصمد" اور حاشیہ میں "بسم اللہ" کے لفظ کے بعد دارالضرب کا نام "منصوریہ اور سال ضرب ۳۴۷ سنہ ھجری کندہ ہے اس سکہ کا وزن ۶۲ یا ۶۳ گرین گیہوں بھر ہے۔

مصر کے دارالضرب میں ۳۶۳ سنہ ہجری میں جو دینار ڈھالے گئے ہیں وہ بھی منصوریہ کی مانند ہیں۔ صرف دارالضرب اور سال میں فرق ہے۔ دارالخلافۃ مصر کے

ڈھالے ہوئے دینار سب سے پہلے کے ہیں ورانہیں سے مصر پر چڑھائی، جوہر کی فتح اور اور شہر قاہرہ" کی تعمیر کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غازی قائد جوہر جبو تت مصر کی فتح کے لئے مہدیہ سے روانہ ہوئے اس زمانہ کی ۳۵۸ھ ہجری کی یادگار میں ضرب کئے ہوئے دیناروں میں سے ایک دینار بھی موجود ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے رائج سکہ

ان سکوں میں جو سال درج ہے اس سے ایک سال قبل یعنی ۳۶۲ھ ہجری میں جدید دارالخلافہ قاہرہ کی تعمیر کا کام تکمیل کو پہنچا تھا۔ دوسرے اور دو دینار بالکل ان کی مانند ہیں صرف انہیں ایک پر ۳۶۴ھ ہجری اور دوسرے پر ۳۶۰ھ ہجری اور دارالضرب کا نام منصوریہ کے عوض مصریہ (پڑھا جاتا) ہے

حضرت امام معزؑ کے مصر اور منصوریہ کے علاوہ رملہ۔ طایہ اور طریپولی کے دارالضرب میں ڈھلے ہوئے طلائی دیناروں میں سے طریپولی کے دینار میں ۳۶۴ھ ہجری کندہ ہے۔

حضرت امام معزؑ کے زمانہ کا جو پاؤ (ربع) دینار محفوظ ہے اس کے ایک حصہ پر کلمہ طیبہ اور دوسری جانب میں لا امام المعز ابو تمیم امیر المومنین پڑھا جاتا ہے۔ اس (ربع) دینار کا وزن ۴ اگرین (یعنی ۴ اگیہوں) کے برابر ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے علمی سیاسی فضائل

وسط اصدی کی مصر کی تاریخ کے مصنف مسٹر لین پول نے لکھا ہے کہ مصر کے فاتح حضرت امام المعزؑ نے بنو فاطمہ کی تاریخ میں ایک بالکل نیا ورق شامل کیا ہے۔ پیدائش سے ہی آپ کی طبیعت میں خداداد سیاسی اور ملکی انتظامات کا مادہ عطا ہوا تھا اور انہوں نے کسی عمدہ موقع کو بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔ آپ کا علم بعید وسیع تھا۔ اور عربی

زبان میں قصیدہ گوئی اور نظم نویسی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے یونانی زبان کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ بربری اور سوڈانی زبانوں سے آپ بخوبی واقف تھے اور مشرقی یورپ کے غلاموں کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے آپ نے سلاؤنک زبان بھی سیکھ لی تھی تقریر کی بلاغت و فصاحت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے فصحا بھی دنگ رہ جاتے تھے۔ خردمندانہ سیاسی اور ملکی انتظامات کی اعلیٰ قابلیت کے علاوہ آپ بے مثال عادل اور انصاف پسند حکمران تھے۔ اور رعایا میں حد درجہ ہر دلعزیز تھے۔

ایک انگریز مورخ اولیری لکھتا ہے کہ حضرت امام معزؑ کے اوصاف حمیدہ تھے۔ آپ کے اسلاف سے زیادہ تھے۔ تمام رعیت کے آپ ہادی و مرید تھے اور سیاسی و ملکی امور میں آپ سے بڑھکر کوئی زیرک نہ تھا۔ جو آپ کی پالیسی سے بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی پر انحصار نہیں۔ آپ کی ہمت، شجاعت، صبر، استقلال تہذیب، علم دوستی، ملنساری اور قیافہ شناسی نے آپکے عہد حکومت کو روئے زمین میں آفتاب کی طرح مشہور کر رکھا تھا۔

فوجی انتظام

آپ کے زمانے میں مغربی افریقہ میں نہایت ترقی و اصلاح ہوگئی تھی۔ رعایا کی بہبودی کے لئے ساری ضروریات کا بندوبست کیا گیا تھا۔ جس سے رعایا تمام آباد اور شاد تھی۔ فتنہ و فساد کی ہوانیت نابود ہوگئی تھی۔ اور ہر کام میں باضابطہ کارروائی کی جاتی تھی۔ اضلاع کی ذاتی نگرانی کے لئے حضرت امامؑ خود تشریف لے جاتے۔ اور ان کو الگ الگ حصوں میں منقسم کر کے تجربہ کار اور ہوشیار افسروں کو تعینات کرتے تھے۔ "نظامیہ" اور "ملیشیا" دو قسم کی فوج آپ کے زمانہ میں تھی۔ نظامیہ فوج دائمی تھی۔ اور "ملیشیا" جنگ کے وقت بھرتی کیجاتی تھی۔ جس میں صرف جنگی اور بہادر قوم کے لوگوں کو ہی داخل کیا جاتا تھا۔ سلطنت کو مستحکم بنانے میں ان دونوں لشکروں

نے نمایاں حصہ لیا ہے بحری فوج کی تیاری کے علاوہ تجارت اور صنعت وحرفت کو بھی آپ کے عہد میں قابل تعریف ترقی ہوئی۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی فراخدلی

ابویزید کے فتنہ میں شامل شدہ بربری قبائل کے مجرموں میں سے اکثروں کو جب حضرت امام معزؑ تخت نشین ہوئے اُسی وقت جان بخشی عطا فرمادی اور باقی ماندہ سردار پکڑ کر جب حضرت امامؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو اس وقت معافی بخشدی۔ حضرت امامؑ کی ایسی دریا دلی دیکھکر محمد بن خضر اور دوسرے سردار سرنگوں ہوگئے۔ اور دعوت اسمعیلیہ قبول کرنے کے بعد وفاداری کی قسم کھاکر حضرت امامؑ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اسمعیلی زمرہ میں داخل ہوگئے۔

حضرت امام معزؑ کے عہد سلطنت میں فتح مصر کے بعد بہت سے عظیم الشان واقعات ہوئے ہیں۔ ان میں سے یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ہی کے زمانہ میں قاہرہ کو غازی جوہر نے آباد کیا۔ اور بعد ازاں اسی شہر کو فاطمی سلطنت کے دارالخلافہ کے لئے حضرت امام معزؑ نے انتخاب کیا۔

مسٹر آلیری نے اپنی تصنیف " اے شارٹ ہسٹری آف دی فاطمائٹ خلافت " میں لکھا ہے کہ مصر میں ہجری ۳۳۵ سنہ میں اخشید محمد بن طغز کی وفات کے بعد اس کا فرزند ابوالقاسم الجور تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۱۵ سال کی تھی جس کے باعث وہ اپنے والد مرحوم کے حبشی غلام ابوالمشک کافور کے ماتحت بالکل محکوم تھا۔ کافور کا چہرہ وحشت ناک، جسم فربہ پاؤں بے ڈھنگے اور ہونٹ اسکے موٹے موٹے تھے۔ ایک مصری میر نے دس سال کی عمر میں اس کو خرید اتھا ایک دفعہ امیر مذکور نے بادشاہ کی خدمت میں کافور غلام کی معرفت نذرانہ پیش کیا بادشاہ نے اسی وقت اس کو رکھ لیا اور بعد ازاں وہ رفتہ رفتہ درجے حاصل کرتا گیا

محمد بن طغز کے دونوں شاہزادوں کا استاد دیا والی بن کر اور باقی حصہ خود مختار امیر مصر بنکر اس نے صرف کیا تھا۔ اپنے آخری زمانہ کے عہد سلطنت میں وہ رعایا کی نظروں سے گر گیا تھا۔ عیش و عشرت کی زندگی نے اس کی سیاسی اور ملکی خرد مندی کو سست و مضمحل کر دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے۔ ہمدانیوں کو جو شکست فاش دے کر اس نے اپنا جوہر دکھایا تھا۔ اور فاطمی سلطنت کو مصر پر حملہ کرنے سے روکنے میں جو اس نے عقلمندی دکھائی تھی۔ یہ سب اوصاف اس کے آخری زمان سلطنت میں باقی نہ تھے بلکہ اس کی ہر دلعزیزی اور رعب و داب دن بدن گھٹتا ہی جاتا تھا۔ شام میں کرمتی فرقہ اب دن بدن قوی تر ہوتا جاتا تھا اور مکہ معظمہ جاتے ہوئے حجاج کے قافلوں کو راستہ میں لوٹتے تھے۔ مگر کافور نے ان کی کسی قسم کی گوشمالی نہیں کی۔ اس کے علاوہ (اہل نوبہ) نے بھی مصر کے جنوبی شہروں میں لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ اور ان کا بھی کوئی تدارک اس نے نہیں کیا تھا۔

مصر میں ابتری

قاعدہ ہے کہ آفتیں جب آتی ہیں تو ہر طرف سے ایک ہی دم آتی ہیں۔ اسی طرح مصر بھی اسی نوبت کو پہنچا تھا۔ دریائے نیل میں عدم طغیانی کے باعث مصر میں سخت قحط سالی ہوئی۔ اور رعایا بے انتہا مصیبتوں میں مبتلا ہوئی۔ شام میں فرقہ کرمتیہ نے اور بھی آفت مچا رکھی تھی۔ کرمتیوں کے فتح کے لئے جو ترکی اور یونانی فوج گئی تھی۔ انہیں وقت پر تنخواہ نہ ملنے سے مزید بدامنی اور بےچینی پھیلی۔ طرفہ ماجرا یہ کہ کافور ۳۵۶ھ ہجری ماہ جمادی الاول میں فوت ہو گیا۔

کافور کی وفات سے مصر بدانتظامیوں کا گہوارہ بن گیا۔ نئے امیر کے انتخاب کے لئے دربار بھر اگیا۔ مگر کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر اخشید محمد بن طغز کا ایک پوتا ابو الفوارس احمد کا انتخاب ہوا۔ مگر سلطنت کی تمام کارروائیاں کافور کے عہد سلطنت کا



غازی جوہر:- سلطنت بنی فاطمہ کے کمانڈران چیف (قائد القواد)
آپ نے مصر فتح کیا۔

وزیر اعظم ابن الفراط انجام دیتا تھا۔ اسی اثناء میں کرمتیوں سے نجات پایا ہوا حسن بن عبداللہ بن ظفر مصر آیا۔ ترکی لشکر نے نہایت شان و احترام سے اس کا استقبال کیا اور اسے اپنا افسر بنا لیا۔ اس نے یہ عہدہ حاصل کرتے ہی وزیر ابن الفراط کو قید کیا اور اس کو انتہائی اذیت دیکر اس کے پاس سے ایک رقم کثیر حاصل کی اور شام واپس چلا گیا۔

مصری باشندوں کی حضرت امام (علیہ السلام) سے فریاد

فوجی سپاہیوں نے تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے اب علانیہ بلوہ کرنے پر کمر باندھی۔ ایسا کوئی مصر میں باقی نہ تھا۔ جو اس کو اپنے قبضہ میں رکھے۔ اس بدامنی کو مصر کی قحط سالی اور طاعون کی بیماری نے جو اطراف میں پھیلی تھی۔ اور بڑھا دیا۔ ان مصیبتوں سے تنگ ہو کر رعایا نے حضرت امامؑ کو پیام بھیجا اور دعوت دی کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور مصر کی حالت کی اصلاح فرمائیں۔ ہماری مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کریں مگر مصر میں بھی اکثر اپنے اقتدار کے طلبگار موجود تھے۔ اور کمسن بادشاہ ابوالفوارس کے نام سے مطلب براری کی خواہش رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت امامؑ نے خیال کیا۔ کہ سب سے پہلے ان کا مقابلہ لازمی ہے اور فتح مصر کے لئے حملہ کی زبردست تیاری شروع کر دی اس خیال سے کہ لشکر آسانی سے کوچ کر سکے۔ آپ نے مہدیہ سے مصر تک تمام راستہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کنوئیں کھدوائے۔ فوج کے قیام کے لئے چھاؤنی ڈالی۔ سامان جنگ فراہم کرنے کے لئے حکم نافذ کیا اور ملوک ابوالحسن جوہر کو لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔

غازی جوہر کے حالات

مصر کے خاص فاتح قائد غازی جوہر کی پیدائش اطالین سلطنت کے شہر تقلیہ میں ہوئی تھی۔ آپ کا پورا نام ابوالحسن جوہر بن عبداللہ ہے۔ آپ کے والد ماکرنسائی

سلطنت کے یونانی قوم کے ایک معزز رئیس تھے۔ اور عموماً آپ یونانی کاتب کے نام سے مشہور تھے۔ الولد سرلابیہ کے مطابق آپ بھی اپنے والد کے کمالات و صفات کے حامل تھے غازی جوہر جب گردشِ ایام سے قہر دان آئے تو حضرت امام منصورؑ نے ان کو خرید لیا اپنی ذاتی خوبیوں اور حضرت امامؑ کی مخلصانہ وفاداری کی بدولت غازی جوہر آگے چلکر بنو فاطمہ کے سپہ سالار ہو گئے۔

روضۃ الصفا نامی تاریخی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امامؑ نے "مملوک" (غلام) جوہر کو عہدۂ اعلیٰ عنایت کر کے ایک بڑی فوج کے ہمراہ مغرب الاقصیٰ کی طرف روانہ کیا۔ اور وہ ان شہروں کو فتح کرتے ہوئے یہاں تک آگے بڑھے کہ بحر اوقیانوس کے بندرگاہ اور خالدات کے جزائر تک حضرت امامؑ کے سلطنت کی شان و شوکت بڑھائی قائد مذکور نے بحر اوقیانوس کی مچھلیوں کا شکار کر کے ان کے شکم کو شق کر کے غنیمت کے مال و متاع کے ساتھ حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس سے غازی جوہر کا باطن میں یہ اشارہ تھا کہ شکم ماہی کی طرح ان شہروں کو چیر کر اس میں گھس کر ان شہروں کو فتح کیا گیا ہے حضرت امام معزؑ نے ان فتوحات کی خوشی میں غازی جوہر کو دعائے برکت سے مالامال کر دیا۔

حضرت امام حسن (علیہ السلام) کی اولاد کو نصیحت

غازی جوہر اسی طرح فتح حاصل کرتے ہوئے حضرت امام حسنؑ کی اولاد بنی ادریس کے قبیلہ کے پایۂ تخت فاس پہنچ گئے۔ جہاں بن بقرا اور ابن واصل نامی دو شخصوں نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ ان دونوں کو اور سجلماسہ کے سرکش شاہزادوں سمیت آہنی پنجروں میں مقید کر کے حضرت امامؑ کے پاس بھجوا دیا۔ حضرت امامؑ نے ان قیدیوں کو نہایت محبت و احترام کے ساتھ دربار میں نشست عنایت کی۔ اور فرمایا کہ "اے ادریس بن حسن بن علی ابن ابی طالبؑ کی اولاد! تمھارا اور میرا خاندان عزت و احترام بزرگی

کے لحاظ سے ایک ہی ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ جسمانی نسل کی متابعت مذہبی پیروؤں کے لئے بے فائدہ ہے۔ اس کی تمثیل حضرت نوحؑ کے خاندان میں موجود ہے۔ اگر اولی الامر کی متابعت اور فرمانبرداری کا حکم اسلام میں نافذ نہ کیا گیا ہوتا۔ اور نص بہ نص نسل بہ نسل ذریتہ سے اگر امامتہ جاری نہ رہتی تو تم کو نمائش کی فی الحقیقت ضرورت تھی۔ امامت کی مسند پر ہمارا ہی حق مسلّم ہے۔ اور ہماری امامت قبول کرنے سے اللہ اور ذوی القربےٰ کی اطاعت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اب تم اپنے دعویٰ باطل سے باز آجاؤ۔ اور خلق اللہ کو گمراہی سے بچاؤ۔ تم کو اب حق و باطل میں تمیز کرنے اور غور و فکر کرنے کے لئے قید سے آزاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت امامؑ نے ان کی جان بخشی کی۔ اور وہ رہا کر دیئے گئے۔

بربری قوم کے ایک امیر نے اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ حضرت امامؑ کی بیعت کی۔ اور اس کے اسمٰعیلی مذہب قبول کرنے کے بعد "قواد اور سرخیل" کے اکثر قبیلہ والے اور ان کے افسروں نے بھی حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی متابعت قبول کی۔ اور مذہب اسماعیلی سے مشرف ہوئے۔

فاطمی بحری بیڑہ کے کارہائے نمایاں

۳۴۴ھ ہجری میں اسپین کے اموی خلیفہ ناصر نے ایک نہایت بڑا تجارتی جہاز تیار کروایا۔ کہ اس سے پہلے ایسا زبردست جنگی جہاز کسی سلطنت نے اس زمانہ میں نہ بنایا تھا۔ یہ جہاز تجارت کے لئے بحر روم کے کنارہ کے شہروں میں بھیجا گیا۔ راستہ میں ایک جہاز اس جہاز کو ملا۔ جس میں ثقلیہ کے گورنر کا قاصد سلطنت کے نہایت ضروری اور اہم مراسلات لئے ہوئے حضرت امامؑ کی خدمت میں جا رہا تھا۔ اموی جنگی جہاز نے تمام شاہی کاغذات اور دستاویزات کے علاوہ جہاز پر جتنا مال و اسباب عربوں کا تھا۔ وہ بھی سب لوٹ کر چلا گیا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ زمانہ خلافت سے

بنی امیہ اور بنی فاطمہ کے درمیان آتش حسد کے باعث اموی خلفاء ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ مگر انہوں نے اب یہ نیا ذریعہ چھیڑ خوانی کا ایجاد کیا۔ اس خبر کے ملتے ہی حضرت امامؑ نہایت مغموم ہوئے۔ اور اموی خلیفہ ناصر کو زیر کرنے کے لئے آپ نے ایک زبردست جنگی بحری بیڑہ تیار کیا۔ اور اسے نقیلہ کے گورنر حسن بن علی الکلبی کے ماتحت میں اسپین پر حملہ کرنے کے لئے حکم صادر کیا۔ فاطمی بیڑہ نے مائرا کے جزائر میں گھس کر تمام اموی جہاز میں آگ لگا دی، فاطمی کاغذات و مراسلات اور دستاویزات کو لوٹ لیجانے والا جہاز جو سکندریہ سے مال و اسباب لئے ہوئے واپس آیا ہوا تھا اُسے بھی گرفتار کر لیا۔ اور اس طرح دشمنوں سے ایسا سخت انتقام لیا۔ کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور ان کا سب مال و اسباب لوٹ کر تمام غنیمت کا مال لئے ہوئے فاطمی بحری بیڑہ فتح و نصرت کے ساتھ واپس آیا۔

حضرت امام معزؑ کے بحری بیڑہ نے جب اسپین کے اموی خلیفہ ناصر کے جہاز کو تباہ کر دیا۔ تو وہ بہت غضبناک ہوا۔ اور بنو فاطمہ سے اس کا انتقام لینے کے لئے ۳۴۴ھ ہجری میں اس نے ۷۰ جہازوں کا ایک جنگی بحری بیڑہ تیار کر کے اپنے امیرالبحر غالب کے ہمراہ روانہ کیا۔ جو بنو فاطمہ کی بندرگاہوں پر غارت گری کر کے واپس لوٹا۔

فاطمیوں کا فتح کردہ مراکش

آخر مغربی شہروں میں امویوں کے ظلم و تشدد کے باعث حضرت امام معزؑ کے حکم سے فاطمی سپہ سالار غازی جوہر نے ان کا قلع و قمع کرنے کے لئے کوچ کیا اور سنہاج کے ایک سردار بلقین (یوسف) ابن زیری کو ساتھ لے کر لڑائی کی تیاری کی۔ سردار ابن زیری بنو فاطمہ کا ایک فادار محب تھا۔ جن کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ بنو فاطمہ کے اس اتحادی لشکر نے اموی سلطنت کے ماتحت ممالک فاس اور سجلماسہ کو حملہ کر کے فتح کر لیا۔ اس سے کہ شاید موقع پاتے ہی اسپین کے اموی بلوہ کریں۔ جنوب کی

طرف کوچ کرکے دریا کے کنارے کے تمام مغرب یعنی مُراکو کے شہروں کو بھی فتح کرلیا اور اسپین کے امویوں کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔ جس کے سبب سے اس سلطنت کا افسوسناک انجام بفاری کے کاسٹل قبیلہ والے کے ہاتھ سے ہوا یعنی سلطنت نابود ہوئی۔ اور اسلامی طاقت کو زبردست نقصان پہنچا۔

بحر اٹلانٹک پر بنو فاطمہ کا قبضہ

مغربی افریقہ کے تمام شہروں کو امویوں کے قبضہ و اقتدار سے غازی جوہر نے آزاد کردیا۔ اور وہاں امن و امان قائم کیا۔ اسی اثنا میں بنی فاطمہ کی مخالفت میں یعلی بن محمد یفرنی نے امویوں کی صرف طرفداری کی اور گورنر کی حیثیت سے اپنے ماتحت ممالک میں ان کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ غازی جوہر اس خبر کو سنتے ہی مغرب الاوسط میں پہنچکر اموی گورنر یعلی کو مغلوب کیا اور ہجری ۳۴۸ سنہ میں بحر اٹلانٹک کے کنارہ کے تمام شہروں کو فتح کرکے وہاں سے تمام اموی گورنروں کو معزول کرکے بحر اٹلانٹک کے تمام کناروں پر بنو فاطمہ کا جھنڈا لہرایا۔

روم پر مسلمانوں کا غلبہ

اسپین کے اموی خلیفہ حکم بن ہشام نے اپنی رعایا کے اکثر لوگوں کو سکندریہ میں جلاوطن کردیا تھا۔ جلاوطن شدہ اشخاص نے ۲۱۲ھ میں اپنے سردار ابو حفص بن عمر شعیب بلوطینی کی قیادت میں کریتس کا جزیرہ رومیوں سے چھین لیا۔ اور سنہ ۳۵۰ ہجری تک ابو حفص کی اولاد "کریتس" پر سلطنت کرتی رہی۔ سنہ ۳۵۱ ہجری میں رومیوں کے ایک جرار لشکر نے اس جزیرہ پر دھاوا کیا۔ اور چونکہ اہل "کریتس" میں رومیوں کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی اس لئے وہ اطراف جوانب سے امداد کے امیدوار ہوئے۔ خلفاء بنو امیہ کو اسپین سے تو نہیں ذرہ برابر امید نہ تھی اس لئے انہوں نے حضرت امام معزؑ سے معاونت چاہی

حضرت امامؑ نے فوراً اپنا لشکر ان کی امداد کیلئے روانہ کیا۔ "کریتیس" فوج کے ہمراہ ان دونو لشکروں نے رومیوں کا سخت مقابلہ کیا۔ آخر کار اسلام کی فتح ہوئی۔ اور عیسائی رومیوں کے اکثر لوگ قید کئے گئے۔

بنو فاطمہ کے ذریعہ ثقلیہ کی ترقی

چند عرصہ بعد جب بنو فاطمہ کا لشکر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ تو رومیوں کے لشکر نے بار دیگر ان پر حملہ کیا۔ اور "کریتیس" کو انہوں نے فتح کرلیا۔ مگر اس وقت اہل "کریتس" نے اس کا معاوضہ دوسری طرح ان سے حاصل کیا۔ ثقلیہ کے تمام قلعہ جات جو رومیوں کے قبضہ میں ابتک تھے۔ ۳۵۱ سنہ ہجری سے ۳۵۴ سنہ ہجری تک رومیوں کی سلطنت کو اس جزیرہ سے بالکل نابود کر دیا۔ اور بنو فاطمہ کے زیر حکومت حسن بن علی الکلبی کے عہد حکومت میں ثقلیہ نے بڑا عروج حاصل کیا بغداد اور قرطبہ کے دارالعلوم اور ہر جگہ علم و ہنر کا چرچا ہوا۔ یہاں کے مقابلہ میں کلبی کا قائم کردہ طیبہ کالج "بلرم" میں کچھ کم نہ تھی جنوبی اٹلی میں "سیلرنو" کا کالج بھی نہایت مشہور اور اعلیٰ درجہ کا تھا۔ یہاں سلطنت کے حسن انتظام سے علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں بیحد ترقی ہوئی۔ اور صرف بنو فاطمہ کی سرپرستی سے ثقلیہ کو یہ حرمت و عزت نصیب ہوئی۔

اٹلی سے مسلمانوں اور ان کی سلطنت کو بالکل تباہ کرنے کے ارادہ سے نصرانی پوپ یوحنا دھم نے نصرانیوں کے بادشاہ کانسٹنٹائن سے امداد حاصل کی اور ایک لشکر جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مگر اس کی کوشش ضائع ہوگئی۔ اور فاطمی بہادروں کی جرأت و ہمت سے اس کو شکست فاش ہوئی۔

حضرت امام معز (علیہ السلام) کا کرفیو آرڈر

مورخ اسٹانلی لین پول لکھتا ہے کہ غازی جوہر کو مغرب میں جو فتوحات نصیب

ہوئیں وہ فی الحقیقت حضرت امام معزؑ کی سیاسی تلطف کے باعث تھیں۔ اس زمانہ میں بنی فاطمہ کے زبردست مخالفین، متعصب ملّاؤں اور شیوخ کی ایک بڑی جماعت قاہرہ میں موجود تھی۔ اور سلطنت کے خلاف بلوہ کرنے کے لئے موقع کی منتظر تھی۔ مگر حضرت امامؑ بھی ان لوگوں کے ارادہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لئے آپ نے پہلے ہی سے ایسی تدبیر کی تھی۔ جس سے انہیں کوئی موقع فتنہ وفساد کا نہیں ملتا تھا۔ زمانہ کے مقتضی سے آپ نے ایسا کرفیو آرڈر نافذ کیا تھا۔ کہ شام کے وقت ہر ایک گلی کوچہ میں بگل بجایا جائے اور اس کے بعد ہر شخص اپنے اپنے گھر میں داخل ہو جائے۔ ورنہ اس حکم کی مخالفت پر اسے موت کی سزا دی جائیگی۔ اس ترکیب سے بلوائیوں میں امن پھیل گیا۔ اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا۔ کہ حضرت امامؑ کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی بارگاہ میں شیخوں کا وفد

مشہور مورخ مقریزی لکھتا ہے کہ ایسے پُرآشوب اور بدامنی کے زمانہ میں شیخوں کا ایک وفد ملاقات کے لئے حضرت امام معزؑ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت امامؑ اسوقت اپنا سادہ لباس پہنے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور جس کمرہ میں آپ نے ان لوگوں سے ملاقات کی۔ بالکل سادہ اور آرائش وزیبائش سے خالی تھا۔ اور سوائے کتابوں کے کچھ بھی نہ تھا۔ اور ان لوگوں کا خیال تھا۔ کہ حضرت امامؑ بالکل عیش وعشرت میں اپنی زندگی بسر کرتے ہوں گے۔ مگر یہ حالت دیکھکر ان کے خیالات میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ گفتگو کے درمیان حضرت امامؑ نے فرمایا۔ کہ تم اب اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔ کہ میں جس وقت تنہا رہتا ہوں اس وقت کس قسم کی زندگی بسر کرتا ہوں۔ مشرق ومغرب سے جتنے مراسلات آتے ہیں ان سب کو میں خود بہ نفس نفیس پڑھتا ہوں اور ان کا جواب بھی میں اپنے ہاتھ ہی سے لکھتا ہوں۔ میں دُنیا کے تمام عیش ونشاط سے الگ ہوں۔ میں فقط تمہاری اور تمہارے آل واولاد کی زندگی وآبادی چاہتا ہوں۔ تمہارے دشمنوں پر

اور اس غرض سے کہ تم کو ہمیشہ فتح ہو۔ ایسی ترکیبوں میں مشغول رہتا ہوں میں تمہیں واقف کرتا ہوں کہ ایک شخص کو ایک بی بی کافی ہے۔ اور اس کے معاش کا ذریعہ اگر تم برابر پہنچاؤ گے۔ تو جس طرح ہمیں خدا نے مغرب میں فتح و نصرت نصیب کی ہے اسی طرح مشرق پر بھی ضرور ہماری تلوار چمکے گی۔ اور وہ بھی ہمارے قبضہ میں ہوگا یہ سنکر وفد کے خیالات بالکل تبدیل ہو گئے۔ اور خوش اعتقادی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا۔

غازی جوہر کا مصر کی طرف کوچ

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مصر میں کافور نے بنو فاطمہ کی سیادت تسلیم کر لی تھی اور اس کی وفات کے بعد ہی مصر میں ایسی بدانتظامی اور بدامنی پھیل گئی کہ مصر کی رعایا نے حضرت امامؑ سے درخواست کی کہ آپ مصر تشریف لائیے۔

اسی زمانہ میں غازی جوہر اپنے تلوار سے سارے مشرق کو زیرنگیں کرتے ہوئے جابجا فاطمی علم کو نصب کر کے مہدیہ آ گئے۔ تو حکم عالی صادر ہوا کہ مصر کی طرف کوچ کریں اور ان کے ہمراہ یعقوب بن کلیس کو بھی بھیجا گیا۔ جنہوں نے مصر میں عرصہ دراز تک مصر کے سیاسی امور میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور ان کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

۳۵۸ھ ہجری ۱۴ ربیع الاول کو غازی جوہر نے مصر کی طرف کوچ کیا ایک لاکھ بہادر سواروں کا لشکر آپ کے ماتحتی میں دیا گیا۔ اور بارہ سو صندوق زر نقد کے بھی ان کے ہمراہ کر دیئے گئے۔ جو نامی حضرت امامؑ کے ایک عاشق صادق نے ایک لاکھ اشرفی اور بائیس ہزار درہم پیش کئے۔ کہ اسے بھی غازی جوہر کے صندوق زر نقد میں شامل کر لیا جائے۔ جس کو حضرت امامؑ نے بخوشی تمام منظور فرمایا اور اسکو دعائے برکت سے مالا مال کر دیا۔

بنو فاطمہ کے خاص مؤرخ مقریزی کی روایت سے ایک انگریز مؤرخ مسٹر لین



حضرت مولانا شاہ امام المعزؑ کے عہد حکومت میں فتح مصر کے لئے قیروان سے قائد القواعد غازی جوہر کا کوچ۔

یوں لکھتا ہے کہ ڈ ذکر ڈیڑھ اور چالیس لاکھ طلائی دینار مصر کے حملہ کے وقت نہایت فراخدلی اور فیاضی سے لوگوں میں تقسیم کئے گئے تھے ایک لاکھ مسلح گھوڑے سوار اور کئی بیشمار پیادہ لشکر کے ساتھ حضرت امام نے جنرل غازی جوہر کو مصر کی طرف روانہ فرمایا۔ زر نقد لیجانے کیلئے ایک ہزار اونٹ اور دیگر سرو سامان جنگ اٹھانے کے لئے بے حساب گھوڑے بھی ان کے ہمراہ کئے گئے تھے۔

غازی جوہر کو رخصت کرنے کے لئے خود حضرت امام معزؑ تمام اہل دربار کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ غازی جوہر حضرت امامؑ کے سامنے سرنگوں ہوکر مودبانہ دعا اور حکم کے منتظر ایستادہ تھے۔ حضرت امامؑ اپنے اسپ خاص پر سوار تھے۔ آپ نے سر مبارک کو گھوڑے کے گردن پر رکھے ہوئے بہت سی ہدائتیں غازی جوہر کو دیں۔ بعد ازاں آپ نے اپنے چاروں شاہزادے عبداللہ۔ نزار۔ تمیم اور عقیل کو فرمایا۔ کہ گھوڑے سے اتر کر غازی جوہر کو وداع کرنیکی رسم ادا کرو۔ یہ سنکر فوراً تمام بڑے بڑے سردار اور امراء اپنے اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور شاہزادگان عالی تبار کے ساتھ ان سبھوں نے غازی جوہر کو الوداع کیا۔ غازی جوہر نے حضرت امام معزؑ کے دست مبارک کو بوسہ دیتے ہوئے اپنے سر کو گھوڑے کے کھر پر رکھدیا حضرت امامؑ نے نہایت مسرت سے کوچ کا حکم صادر فرمایا۔ اور ہر طرف وداع کے باجے بجنے شروع ہوئے۔ غازی جوہر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور جوش مسرت سے شادان و فرحان آگے بڑھنے لگے۔

غازی جوہر کے پاس مصری وفد

شاہی محل میں پہنچکر حضرت امامؑ نے وداع کے وقت اپنا جنگی ہتھیار خلعت جو اس وقت آپ پہنے ہوئے تھے۔ غازی جوہر کو اس مبارک موقع کی یادگار میں بطور انعام بھیجدیا۔ اور غازی جوہر کے استقبال کے لئے اور ان کے تابع

فرمان رد کر بیعت دینے کے لئے راستہ کے تمام گورنروں کو ایک قاصد کے ذریعہ حکم دیا۔ مگر برقہ کے گورنر افلاس کو اپنی بے عزتی سمجھ کر حضرت امامؑ کے پیغام کی بالکل پرواہ نہ کی۔ اور ایک لاکھ دینار کے عوض غازی جوہر کو پھسلا کر بیعت سے کنارہ کش ہونا چاہا مگر غازی جوہر کے پاک خیالات اور افلاس گورنر کے گندے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ غازی جوہر اس کے پھندے میں نہ پھنسے اور افلاس کو بیعت اور اطاعت پر مجبور کیا۔

غازی جوہر وہاں سے لشکر کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے اسکندریہ پر حملہ آور ہوئے اور چند ساعت کی لڑائی کے بعد اس کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اسی مطابق حضرت امامؑ کا لشکر فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ جب یہ خبر فسطاط میں پہنچی تو رعایا میں آپس میں ہلچل مچ گئی۔ وہاں کے گورنر اور رعایا نے یہ ارادہ کیا کہ رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے شہر کو حوالے کرنے کے لئے وزیر ابن الفرات ایک عریضہ غازی جوہر کی خدمت میں لکھا اور قاضی شہر کے امیر ابو جعفر مسلم کے ہمراہ ایک وفد معہ عریضہ کے غازی جوہر کے سامنے پیش کرنے اور اس کا جواب حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ اس بات کو وزیر ابن الفرات نے منظور کر لیا۔ اور ایک عریضہ لکھنے کا بندوبست کیا گیا۔

سنہ ۳۵۸ ہجری میں بتاریخ ماہ رجب کو امیر ابو جعفر مسلم بن عبید اللہ کی سرداری میں یہ وفد مصر سے روانہ ہو کر "تاتی" شہر میں غازی جوہر سے ملاقات کی اور قاعدہ کے مطابق مؤدبانہ اپنا عریضہ پیش کیا۔ غازی جوہر نے شرائط مقرر فرما کر اقرارنامہ تحریر کر دیا۔ اور اقرارنامہ لیکر یہ وفد "فسطاط" واپس ہوا۔

اقرارنامہ کی مخالفت اور اخشیدیوں کا بلوہ

مصر کا وزیر ابن الفرات رعایا کے ساتھ وفد کے استقبال کے لئے شہر کے باہر

تک آیا اور وہاں اقرارنامہ پڑھ کر سنایا گیا۔ لوگوں کی جان و مال کی سلامتی کے بارے میں غازی جوہر کا تحریری دستاویز اس کو سونپا گیا۔ اس کے بعد اقرارنامہ میں جو شرائط تھے۔ اس پر بحث و مباحثہ ہوا۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ چند شرائط کے بارہ میں مصری رؤسا میں باہم اختلاف واقع ہوا۔ اور نیز اخشیدی علمدار غازی جوہر کے شرائط کے مخالف تھے۔ اور جنگ کے لئے بھی وہ آمادہ تھے۔ یہاں تک کہ تحریر پیش کرنے کی بجائے انہوں نے اپنا سپاہ سالار بنا کر جنگی ہتھیار سے آراستہ ہو کر غیزا کی طرف کوچ کر دیا۔

غازی جوہر کو جب یہ خبر ملی کہ مختلف سمت سے مصری باشندے اخشیدی لشکر کے ہمراہ حملہ کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ تو اس نے اپنا لشکر وہاں سے اٹھالیا اور گیارہویں شعبان کو فاطمی لشکر غیزہ آپہونچا۔ دشمنوں کے مقام پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے فاطمی فوج نے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں ہزاروں آدمی قید کر لئے۔ اور ان کو بہ حفاظت تمام فوجی محافظوں کے ہمراہ تہروان بھجوا کر غازی جوہر نے آگے بڑھنا شروع کیا۔

مصریوں کی چالبازی اور دوسرے فوج کی آمد

آگے جا کر منیاۃ الصیاد بن نامی ماہی گیروں کا ایک گاؤں تھا۔ جس کا گھاٹ دشمنوں کے تابع تھا۔ فاطمی فوج نے منیاۃ مسلکاۃ نامی گھاٹ کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور یہ دیکھ کر دشمن کی فوج کا کچھ حصہ گھاٹ عبور کر کے دشمن کے لشکر کے گھاٹ کا ایک حصہ غازی جوہر کے تابع ہو گیا۔ اور اس طرح باوجودیکہ دشمنوں کی قوت ضعیف ہو گئی لیکن انہوں نے گھاٹ پر جابجا لشکر تعینات کر دیئے۔ تاکہ فاطمی فوج دوسرا حملہ نہ کر سکے۔ غازی جوہر نے اپنے افسر اعلیٰ جعفر ابن فلاح کو گھاٹ پر قبضہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اور کہا کہ یاد رہے کہ حضرت امام معزؑ کو جس دن تمہاری

خدمت کی ضرورت تھی - وہ آج ہی کا دن ہے - جعفر ابھی گھاٹ پر جانیکی تیاری ہی میں مشغول تھا - کہ غازی جوہر نے اپنی تمام پوشاک اُتار کر گھاٹ کے دوسری طرف کوچ کر دیا - ان کے پیچھے فوج بھی آناً فاناً آ پہنچی - اور آتے ہی اخشیدیوں اور ان کے ہمراہیوں پر زبردست حملہ کر کے ہزاروں کو ہلاک کر دیا - بہت سے لوگ قید کئے گئے - چونکہ رات کا وقت تھا - اس لئے بہت سے لوگ اپنی جان بچا کر فرار ہو گئے - اور شہر میں جا کر اپنے گھروں میں داخل ہو گئے - لشکر کی ایسی ابتر حالت دیکھ کر اہل شہر بیحد خائف ہوئے اور انہوں نے ابو جعفر سے عرض کی کہ ایک دوسرا وفد غازی جوہر کے خدمت میں جا کر ان سے دعائے برکت و سلامتی جان و مال طلب کرے اور شہر کی مستورات کی طرف سے بھی ایک عریضہ لکھ کر فاطمی سپاہ سالار کی خدمت میں پیش کرے - غازی جوہر نے ان کی درخواست قبول کر لی - اور حکم صادر فرمایا - کہ شہر میں بالکل لوٹ و غارت نہ کی جائے نہ کسی طرح کا تشدد ہو - اس حکم کے صادر ہونے سے اہل شہر کو تسلی ہوئی - بازار حسب حال کھل گئے - اور شہر میں امن و امان نظر آنے لگا -

غازی جوہر کے حکم کے مطابق تمام رؤسا - امراء - حکام اور عملداروں کا ایک وفد جعفر کی ہمراہی میں غازی جوہر کی خدمت میں مودبانہ درخواست کیا کہ تمام شہر اور سپہ لشکر کی شکر گذاری کرنے کے لئے اپنے تحت حکومت چلے آئیں - اس وفد کے تمام اراکین سوائے وزیر ابن الفرات اور ابو جعفر کے گھوڑے سے اتر کر پیادہ پا چلنے لگے - غازی جوہر کے دائیں جانب ابو جعفر اور بائیں جانب وزیر ابن الفرات آگے کوچ کرنے کے لئے ایستادہ ہو گئے - اور ہر قسم سلامی ادا ہو جانے کے بعد تمام امراء و رؤسا شہر کی طرف یہاں سے رخصت ہو گئے - فاطمی لشکر فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتا ہوا اور جا بجا فاطمی علم لہراتا ہوا شان و شوکت کے ساتھ شام کو چار بجے ۱۷ ار شعبان سنہ ۳۵۸ ہجری میں شہر میں داخل ہوا - رعایا نے نہایت مخلصانہ اور شاندار استقبال کیا - غازی جوہر اس وقت تمام زریں پوشاکوں سے اپنے جسم کو آراستہ و مزین کئے ہوئے تھے - جو ان کے عہدہ کی علامت تھی - اور ایک

سفید رنگ کے اسپ تازی پر سوار تھے۔

یکایک حملہ اور ابو یوسف کی شکست

اخشیدیوں کے دوست اور فاطمیوں کے دشمن کتامہ قبیلہ کے عرب جو شہر کے باہر پہاڑوں کے غار میں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے فاطمی لشکر جب شہر کا گشت کر کے باہر میدان میں داخل ہوا۔ تو بغیر کسی اطلاع کے یکایک فاطمی لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک دفعہ سے فاطمی لشکر بیدار ہو کر آہستہ آہستہ ان دغاباز لٹیروں کا نہایت عقلمندی اور ہوشیاری سے محاصرہ کرتے ہوئے ان سے دست بدست جنگ شروع کی جس سے دشمنوں کی بہت سی جانیں تلف ہوئیں اور ان کے سردار ابو یوسف کو پکڑ کر ہاتھ اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر غازی جوہر کے سامنے پیش کیا۔ ابو یوسف نے متکبرانہ لہجہ میں غازی جوہر سے ہمکلام ہوا۔ ایسا نہ سمجھنا کہ مصر تمہارے تابع فرمان ہو گیا۔ یاد رکھو جب تک میں زندہ ہوں۔ تم میں یہ طاقت و مجال نہیں کہ اس زمین پر حاکم بنکر رہ سکو۔

ان جملوں کے سنتے ہی غازی جوہر نے اس کی طرف دیکھکر تبسم کیا۔ اور ابو یوسف کی رہائی کا حکم دے کر ابو یوسف سے کہا کہ جاؤ تم بالکل آزاد ہو اور اپنی امیدوں کو پوری کرو۔ تاکہ بعد میں ایسا نہ کہہ سکو کہ قید کے باعث کچھ کارروائی نہ کر سکے۔

ابو یوسف نے اس ہمت مردانہ کو دیکھ کر اس کی اس فیاضی و دریادلی پر فدا ہو کر غازی جوہر کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اس کے بعد تمام قبائل اہل کتامہ ابو یوسف کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اس زیرکی اور دانائی سے مصر کے شہر میں اب بالکل امن و امان ہو گیا۔

فاطمی دار الخلافۃ کی تعمیر

مصر میں داخل ہو کر اسی شام کو فسطاط شہر کے باہر فاطمی لشکر نے چھاؤنی ڈالی اور چھاؤنی کی حد میں بارہ سو گز زمین پر نشان کر کے اسے علیحدہ کر دیا۔ جس میں ایک شہر

یعنی دار الخلافہ اور حضرت امام معزؑ کے لئے ایک شاہی محل تعمیر کرنے کا نقشہ تیار کر کے حضرت امام معزؑ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ جب وہاں سے اس کی منظوری آگئی تو غازی جوہر نے نیا شہر تعمیر کرنے کے لئے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ حضرت امامؑ کے محل کا پایہ ڈالنے کے قبل غازی جوہر نے پورے احاطہ میں مزدوروں کو کدال کے ساتھ اطراف میں کھڑا کر دیا تھا۔ تاکہ حکم ملتے ہی ایک ہی وقت میں ہر طرف پایہ کھودنے کا کام جاری ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور راتو ہی رات پایہ کھودنے کا کام مکمل ہو گیا

دوسرے دن علی الصباح اہل شہر جب فاطمی چھاؤنی کے قریب آئے اور جدید شہر کا پایہ پڑا ہوا دیکھا تو محو حیرت ہو گئے۔ چونکہ تاسیس کا وقت سعادتمند منگل راسی تھا اس شہر کا نام "القاہرۃ المحروسہ (یعنی منگل ستارہ کا محفوظ شہر) رکھا گیا۔ جو بعد میں قاہرہ کے نام سے دنیا میں مشہور رہا۔ اور آج اسلامی دنیا اسے ام الدنیا (دنیا کی والدہ) کے نام سے پکارتی ہے۔

اس مقام پر غازی جوہر کا تعمیر کردہ شہر اور اس کے اندر حضرت امام معزؑ اور اہل و عیال نیز عملداروں اور شاہی فوج کے لئے جو جو انتظامات کئے گئے ہیں ان کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس نئے شہر کی تعمیر کے بعد ہی مصر تمام عالم میں مشہور رہا اور اس میں فاطمیوں نے اپنے حیرت انگیز کارناموں سے غیر فانی شہرت و عظمت حاصل کی۔

فاطمی شہر کے نئے رنگ اور ڈھنگ

مصر العتیق یعنی قدیم "فسطاط" سنہ ۲۱ھ میں علماؤں کے مصر فتح کرنے کے بعد آباد کیا گیا۔ سنہ ۱۳۳ھ میں فسطاط کے مشرق و شمال کے ایک گوشہ میں العسکر نامی ایک چھوٹا شہر آباد کیا گیا۔ جو درحقیقت خاص چھاؤنی کے ہی لئے کارآمد تھا۔ سنہ ۲۵۶ھ میں القطعی نام کی ایک دوسری چھاؤنی بھی اس میں بنائی گئی۔ جسکو عباسی خلیفہ نے آگ لگا کر کچھ حصہ جلا دیا تھا۔ قدیم "فسطاط" کے آگ سے برباد ہونے کے بعد ہی لوگوں نے

قاہرہ میں آکر بسنا شروع کیا۔ اور اُس وقت سے وہ آباد ہونے لگا۔

حضرت امام معزؑ کے واسطے شاہی محل تعمیر کرنے کے لئے شہر کے وسیع میدان کے مشرق میں جو نئے شہر کو برابر دو حصوں میں منقسم کرتا تھا پسند کیا گیا۔ اس جگہ کے ایک حصہ میں اس وقت خانہ الخلیل نامی سوداگروں کی سرا (مسافرخانہ) اور دوسرے حصہ میں مسجد حسین واقع ہے۔ جنوبی حصہ کے متصل باب الزویلہ سے ہوتے ہوئے حضرت امام عزیزؑ کا شاہی محل اور اس کے درمیان بین القصرین نامی وسیع میدان کے قریب سے ہوتے ہوئے باب الفتوح تک ایک شاہی راستہ تیار کیا گیا۔

حضرت امامؑ کے قصر کے شمالی جانب وزیر اعظم کا دفتر اور جنوب میں مسجد جامع الازہر تعمیر کی گئی۔ جس کی تعمیر غازی جوہر نے جدید شہر کا پایہ ڈالنے کے تھوڑے عرصہ بعد شروع کی تھی۔ اور جو ۳۶۱ھ ہجری ساتویں رمضان المبارک میں مکمل ہوئی شاہی محل کے لئے جو جگہ پسند کی گئی تھی اس کے بالکل سامنے امیر کافور کا باغ تھا۔ اور مصر کے قدیم بادشاہوں کے شاہی محل بھی وہیں تھے الغرض غازی جوہر نے حضرت امامؑ کی شان و شوکت کیلئے مصر میں محل کے طور پر جو مکان تعمیر کیا تھا اس کے ساتھ ہی آپ کے حرم۔ قبیلہ شاہی علمدار اور فوجی رسالوں کیلئے بھی مکانوں کی قطار کی قطار تھی جس میں تیس ہزار آدمی بخوبی رہ سکتے تھے۔ اور اس کے اطراف میں ایک اونچی دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ جس میں جا بجا دروازے رکھے گئے تھے۔ اس اونچی دیوار سے یہ مطلب تھا کہ راہ گیروں کی نظر اندر کے حصہ میں نہ پہنچ سکے۔ اور اس کا منظر بالکل ایک چھوٹے سے پہاڑ کے مانند تھا

لشکریوں کے رہنے کا انتظام

شاہی محل کے ساتھ ہی ساتھ لشکر کے رہنے کے لئے بھی انتظام کیا گیا تھا جس کے لئے علیحدہ علیحدہ چھوٹے چھوٹے مکانات الگ الگ لشکریوں کے واسطے تعمیر کئے

گئے تھے۔ محل کے سامنے مغربی حصہ میں چار خارہ کھیتوں میں یہ لشکری (مکان) واقع تھے۔ جوہر جوانی - امیری - جوھری اور زویلا کے نام سے مشہور تھے فرحیہ، مرتحیہ، اکردی اور محمودیہ نامی دوسرے چار (لشکری براک) اس کے مغرب میں واقع تھے۔ ان دونوں براکوں کے درمیان دریائے نیل لہراتی ہوئی بہتی تھی۔ غازی جوہر کے الگ الگ لشکریوں کے حصہ کے نام سے یا ان کے افسروں کے نام سے ان براکوں کے نام رکھے گئے تھے۔ سپہ سالار کی قیام گاہ کے لئے شاہی محل کے مشرقی جانب انتظام کیا گیا تھا۔ اور اسی طرف یونانی لشکر کی دو براکیں تھیں اور جنوبی جانب دیلمی ور ترک کی چھاؤنیوں کا قیام تھا۔ جس کے مشرق اور شمال کے گوشہ میں لوف نامی سیدی کیپٹن کے نام سے مشہور شدہ ایک براک تھی۔ اور اس کے مغربی جانب میں برقیہ نامی ایک دوسری چھاؤنی تھی۔ اس کے ماسوا شاہی محل کے دیوار کے باہر مگر بالکل قریب چھوٹی بڑی فوجی چھاؤنیاں تھیں۔

غازی جوہر نے جو القاہرہ کا شہر تعمیر کیا تھا اس کے احاطے کے بارے میں محکمہ آثار قدیمہ کے افسر علی باشا مبارک کے بیان کے مطابق ڈبلیو - ایس مارگولیتھ لکھتے ہیں کہ اس شہر کی ہر جانب سے لمبائی ۱۲۰۰ میٹر یعنی پونا میل تھی اور اس کا عرض ہر طرف سے ۳۴۰ فیدان (یہ مصری زمین کا پیمانہ ہے) (۲۰۰ میٹر) تھا جس میں ۷۰ فیدان شاہی محل کے لئے تھا۔ لشکری قواعد کے لئے ۲ جگہ تھی ۳۵ فیدان کی اور کافور کے باغ کے لئے ۳۵ فیدان استعمال کی گئی تھی۔ باقی کے ۲۰۰ فیدان میں لشکری براکیں تھیں۔ مقتضائے زمانہ کے مطابق اس میں اور مکانات کے اضافہ ہوتے گئے۔ اور اس کا احاطہ بڑھتے بڑھتے اب پہلے سے چھ حصہ زیادہ ہو گیا ہے۔

خطبہ میں حضرت امام معز (علیہ السلام) کا نام

تاریخ الاسلام نامی اردو تاریخی کتاب کے مطابق جب بنو فاطمہ کے زیر حکومت

تمام مصر آگیا۔ تو ۳۵۹ھ ہجری ۱۸ ذی القعدہ حسب ذیل عبارت خطبوں میں اضافہ کرکے پڑھنا شروع کیا گیا۔

اللھم صل علی محمد ن المصطفیٰ وعلیٰ علی المرتضیٰ وعلیٰ فاطمۃ البتول وعلی الحسن والحسین سبطی الرسول الذین اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ وصل علی الائمۃ الطاھرین آبائ امیر المومنین ما۔

۳۵۹ھ ہجری اٹھارہویں ربیع الآخر یوم الجمعہ قدیم مسجد "مسجد عمرو" میں نماز کے وقت غازی جوہر نے اپنی موجودگی میں عبدالسامی بن عمر عباسی سے نہایت بلند آواز کے ساتھ خلیفۃ المومنین حضرت امام شاہ معز؏ کے اسم جلیل کو پہلے پہل خطبہ پڑھوایا۔ یہ مسجد ۲۱۲ھ ہجری میں عبداللہ بن طاہر نے بار دیگر تعمیر کرائی تھی اور فی زمانہ چند تغیرات کے ساتھ موجود ہے۔

خطبہ تمام کرنے کے بعد خطیب عبدالسامی نے وعظ کیا جس میں اہل بیت نبی حضرت علی علیہ السلام بہ نسل رسول ماموں کا خاص طور سے ذکر کیا۔ مجمع میں اکثر فوجی سپاہی بھی موجود تھے۔

آخر میں غازی جوہر کا نام بھی شامل کیا گیا اور ان کے لئے بھی دعا مانگی گئی۔ غازی جوہر کو اپنے مولیٰ و آقا حضرت امام معز؏ کے اسم گرامی کے ساتھ اپنا نام سن کر نہایت رنج ہوا اور کہا کہ میں آقا کا غلام ہوں اور غلاموں کا نام آقا کے اسم جلیل کے ساتھ ذکر کرنا ہرگز لائق نہیں۔ اس کے بعد پھر آپ کا نام خطبہ میں کبھی دہرایا نہ گیا۔

ابن خلکان نے واقعہ مذکورہ بالا میں چنداں اضافہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسی سال یعنی ۳۵۹ھ ہجری ماہ جمادی الاولیٰ میں حی علیٰ خیر العمل کے الفاظ اذان میں اضافہ کئے گئے اور نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم با آواز بلند پڑھنے لگے اسی طرح فضائل اہل بیت علیہم السلام بھی ذکر کے طور پر بیان ہونے لگے اور تمام خطباء نماز میں خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت امام معز؏ کے اسم جلیل کے ساتھ ملا کر پڑھتے تھے۔

غازی جوہر نے شہر مصر پر علم امامت لہرانے کے بعد اموی عباسی سلطنت کی علامت سیاہ رنگ کی پوشاک اور جھنڈوں کو سفید رنگ میں تبدیل کر دیا۔

مصر میں قحط سالی اور طاعون کا دور دورہ

فتح مصر کے بعد پہلا مشکل سوال جو غازی جوہر کے سامنے پیش ہوا وہ دریائے نیل میں سالہا سال تک مسلسل طغیانی نہ آنیکے باعث قحط سالی کا تھا۔ غازی جوہر کے فتح مصر کی خبر جب حضرت امامؑ کو معلوم ہوئی تو آپ نے غلے سے بھرے ہوئے جہازوں کا ایک بیڑہ روانہ کیا۔ خوش نصیبی سے عین موقع پر اس کے پہنچنے سے رعیت کو چین نصیب ہوا۔ اور مصر کے باشندوں کو اطمینان ہوا کہ قدیم حکام کا دور اب ختم ہوگیا۔ جو رعایا کو اذیت و مصیبت میں مبتلا کر کے خود عیش و عشرت میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے عوض ہماری خوش نصیبی سے ایک سعادت مند حاکم ملا ہے۔ جس کے دل میں ہمیشہ رعایا کی بہبودی کا خیال سمایا رہتا ہے۔

غازی جوہر نے محتسب کی سرپرستی میں غلہ تقسیم کرنے کا کام بہت جلد شروع کر دیا۔ اور قحط سالی کی وجہ سے نفع حاصل کرنے کے لئے جو بیپاری غلہ بہت گراں بیچتے تھے۔ اس کو روکنے کے لئے غلہ کے حریص تاجروں کو تازیانہ لگانے کا حکم صادر کیا۔ اور مصری عملداروں نے نہایت سرگرمی سے تعمیل کی۔ قحط سالی کیسی سخت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو جائے گا کہ اس قدر اہتمام کے باوجود ۳۶ سنہ ہجری تک قحط سالی کی مصیبت باقی رہی۔ اور طرفہ ہوا کہ قحط سالی کے بعد مرض طاعون شہر میں پھیل گیا۔ آخر ۳۶ سنہ ہجری کے ابتدائی مہینوں میں قحط سالی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے چند ہی ماہ بعد شہر کے اندر نئی زندگی اور تروتازگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور مرض طاعون بھی تھوڑے ہی عرصہ بعد نابود ہو گیا۔

غازی جوہر کے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد باسمور علاقہ میں ایک اخشیدی عملدار

نے ۳۶۶ سنہ ہجری میں فتنہ وفساد پیدا کیا۔ مگر اس فساد کے سوا تمام اہل مصر حضرت امامؑ کی تابعداری و اطاعت بخوشی قبول کیا۔ فاطمی فوج نے بلوائیوں کا تعاقب کیا اور فلسطین میں فاطمی لشکر نے اس اخشیدی عملدار کو گرفتار کر لیا۔

نوبیا کی اطاعت

غازی جوہر نے اب مصر کی ترقی اور بہبودی کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ باوجودیکہ زمانہ قدیم سے دنیا کی مذہبی اور دنیوی تاریخوں میں مصر کی شوکت سے لوگ واقف ہوتے ہی رہتے ہے۔ مگر اخشیدی گورنر کی وفات کے بعد مصر کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔ اور غازی جوہر اس کی فکر میں مشغول تھے۔ فاطمی سلطنت سے قبل ۳۰۰ ہجری میں مصر پر اہل نوبیا کا حملہ ہوا تھا جس میں انھوں نے فتح پائی تھی۔ اب اسے سرنگوں کرنے کے لئے غازی جوہر نے ۳۶۲ ہجری میں اس کے بادشاہ جارج کے پاس ایک وفد بھیجا اور اس کو دعوت دیکر خراج ادا کرنے کا حکم دیا۔ شاہ نوبیا اس وفد کے ساتھ نہایت تکریم و تعظیم کے ساتھ پیش آیا۔ اور خراج ادا کرنا قبول کر لیا۔

دوسرے فرقے کے حالات

غازی جوہر نے مصر بخوبی تسخیر کر لیا تھا۔ اور اس میں امن و امان بھی خوب پھیلا دیا تھا۔ تاہم مصر کو بیرونی حملہ کا اندیشہ تھا۔ اور اسی حصے پریشانی لاحق تھی۔ مصر میں فاطمی حکومت قائم ہونے کے بعد قرمطی باغی حملہ کر کے دوسرے ممالک میں بدامنی پیدا کرتے تھے۔ غازی جوہر نے اس کی محافظت کے لئے قاہرہ شہر کے ہر چہار طرف ایک دیوار تعمیر کرنے کے ساتھ ہی ساتھ خندق تیار کرنیکی ضرورت محسوس کی۔ اور اس کام کو بھی مکمل کر کے شہر کو بالکل محفوظ کر دیا

مورخ مارگولیتھ لکھتا ہے کہ ظاہری طور سے تو بنی فاطمہ کے مریدین اور قرمطی کے فرقہ والے ایک ہی دکھائی دیتے تھے۔ اور ابتدائی زمانہ میں مسئلہ امامت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو دونوں فرقوں میں کوئی اختلاف اور فرق دکھائی نہیں دیتا مگر ایک صدی گذرنیکے بعد آہستہ آہستہ یہ اختلاف بڑھ گیا۔ اور سیاسی حیثیت سے بھی نمایاں فرق پیدا ہوگیا۔ ایک صدی کی طول طویل مدت میں بنو فاطمہ نے مغرب میں دورِ حکومت قائم کی۔ اور قرمطی عرب اور عباسی خلفا کے زیر حکومت مشرقی ممالک میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ قرمطی اور بنی فاطمہ دونوں ایک ہی سلسلہ کے پیروؤں میں سے تھے۔ دونوں کے اعتقاد کا ایک حصہ حضرت محمد صلعم کے داماد اور ابن عم حضرت علیؑ کے نسل پاک کے بارہ میں کم و بیش الٰہیت کے شمولیت کا عقیدہ تھا۔ مگر الناس علیٰ دین ملوکھم کے مطابق فاطمیوں کے اس عقیدہ میں کسی قدر نرمی تھی اور اس کے برعکس مشرق کے جانب کے شہروں میں بسنے والے قرمطی جو ایک زمانہ میں ان کے ہم خیال تھے۔ تمام مذہبی آئین و رسوم کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا اور اسلام میں اس سے پہلے کبھی ایسے بدعقیدہ نہیں دکھائی دیتے۔

غازی جوھر نے جب مصر فتح کیا۔ اس زمانہ میں قرمطیوں کے فرقہ کا رئیس حسن بن احمد الاعصم کبیر تھا۔ جس کا پایہ تخت بحیرا ایران کے احصیٰ نامی شہر میں تھا۔

خلیفہ بغداد کے ساتھ اس کا بڑا ربط و ضبط تھا۔ اور دمشق اور شام کے ممالک فاطمیوں سے غضب کرنے کے لئے عباسی خلیفہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے بغداد کے عباسی خلیفہ کا نام لینا شروع کیا۔

شام کی شاندار فتح

اس موقع پر یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ ملک شام اخشیدی حکومت کا ایک حصہ ہونیکی وجہ سے سیاسی امور میں مصر کا اس کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ شام کے معاملات مصری حکومت کے بغیر کبھی مستحکم نہیں ہو سکتے تھے۔ غازی جوہر اس راز سے بخوبی واقف تھے۔ قدیم کُتب تواریخ بھی اس بات پر گواہ تھیں کہ شام سے مصر کبھی جُدا نہیں رہا۔ کافور کی وفات کے بعد مصر میں جو بدانتظامیاں اور بدامنیاں پھیلی تھیں اس زمانہ میں ابوالفوارس کے نائب اور وارث تخت حسین بن طغز اخشیدی موقع دیکھ کر مصر میں داخل ہوا۔ اور وزیر ابن الفرات کو لوٹ کر شام کو واپس گیا۔ اس وقت رملہ میں اس کا دارالسلطنت تھا۔ غازی جوہر نے اسے شکست دینے کے لئے اپنے معاون سپہ سالار جنرل جعفر ابن فلاح کو مصر سے وہاں روانہ کیا۔

ابوعلی جعفر ابن فلاح کتامی حضرت امام معز کے ایک جنرل تھے اور ان کو قائد القواد غازی جوہر کا حکم صادر ہوتے ہی وہ شام کی طرف کوچ کر گئے۔

۳۵۸ھ ہجری ماہ ذی القعدہ حسین مذکور کے پایہ تخت رملہ کو فتح کرلیا۔ اور اسے قید کر کے مصر بھجوادیا۔ جہاں اس کو ایک قیدی کی طرح شہر میں گشت کرایا گیا۔ باشندگان مصر نے جب اس ظالم حسین کو اس حالت میں دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور ان کو تسکین ہوئی۔ کہ ظالم اپنے انجام کو پہنچا۔ اس جنگ میں قرمطی سردار ابو گروان بہت سے سردار قتل ہوئے۔ اور بہت گرفتار ہوئے۔ ان قیدیوں کو مال غنیمت کے ساتھ اپنے فرزند کے ہمراہ غازی جوہر کی خدمت میں بھجوادیا غازی جوہر نے اونٹ اور تمام قیمتی اور نفیس مال غنیمت منصوریہ میں حضرت امامؑ کی خدمت عالیہ میں بھجوادیا۔ اس کے بعد اخشیدیوں کے باقی ماندہ قبائل کے ساتھ بربری قیدخانہ میں حسین کو قید کردیا۔ جہاں وہ ۳۷۱ھ ہجری میں انتقال کر گیا۔

قرمطیوں کی غارت گری

حسین بن ظفر کو شکست دینے کے بعد جنرل جعفر نے شمال کی طرف کوچ کیا۔ اور اہل دمشق سے تھوڑا مقابلہ کرنے کے بعد ۳۵۹ھ ہجری ماہ محرم میں دمشق کو فتح کر کے شہر کے باہر یزید ندی کے کنارہ پر اد کا گاؤں میں چھاؤنی ڈالی فاطمیوں کی ماتحتی میں جب اس طرح دمشق آگیا۔ تو لازمی طور پر فاطمیوں کو قرمطیوں سے مقابلہ کرنا ہی پڑا۔ کیونکہ کئی سال سے دمشق قرمطی سردار حسن بن احمد الاعصم کو خراج دیتا تھا۔ اور وہ اب بالکل بند ہوگیا تھا۔

اس جگہ قرمطیوں کی گذشتہ تاریخ کا مختصر خاکہ کھینچنا ضرور ہے اور ناظرین کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ حضرت امام مہدیؑ کے تذکرہ میں قرمطیوں کے حالات اور اس فرقہ کے بانی سیانی حمدان کے گوشہ نشین ہونے کے بعد علیحدہ علیحدہ سرداروں کی ماتحتی میں انہوں نے حکومت سے بغاوت کر کے تمام شہر میں بدامنی پھیلا دی۔ اس کا مختصر بیان آچکا ہے۔ اسی فرقہ کے ایک سردار کبیر ابو سعید نے احصا میں اپنی سلطنت قائم کر کے بحرین کے پایہ تخت ہجر کا دو سال تک سخت محاصرہ کیا تھا۔ اور اسی اثناء میں اس کے مریدین کی اتنی کثرت ہوگئی۔ کہ اس شہر کو آخر فتح کر لیا۔ ۲۸۶ھ ہجری میں طاہر میں کبیر کے درجہ اکبر حاصل کرنے کے بعد ۲۸۶ھ ہجری میں بصرہ کی حکومت حاصل کرنے کی بہت کچھ کوشش کی مگر وہ سب ضائع ہوگئیں۔ اس کے بعد اس نے عمان پر قبضہ کرنے کی بے فائدہ کوشش کی۔ آخر ۳۰۱ھ ہجری میں ابو سعید اور اس کے ساتھ کئی اور سردار قتل کئے گئے۔ بعد ازاں ابو سعید کا دوسرا فرزند ابو طاہر کبیر کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ مگر چونکہ ابھی وہ سن بلوغ کو نہ پہنچا تھا۔ اس لئے اس کے بڑے بھائی ابو القاسم سعید کو تا سن بلوغ عارضی طور پر عہدہ کبیر کا سونپا گیا۔ جب ابو طاہر کبیر سن بلوغ کو پہنچ گیا تو

اس نے اپنا عہدہ حاصل کر لیا اور اس نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی ۳۳۲ سنہ ہجری میں اس کی وفات کے بعد تیسرا فرزند ابو منصور بھی ایک سال کے عرصہ میں انتقال کر گیا۔ جس سے ابو سعید کے بڑے فرزند ابو القاسم نے دوبارہ کبیر کا عہدہ حاصل کیا۔

قرمطیوں میں اختلاف

اس تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۳۶۰ سنہ ہجری میں افریقہ اور ایشیاء کے قرمطیوں کے درمیان میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ افریقی قرمطیوں کے قہروان میں بنو فاطمہ کے ساتھ متحد ہو جانے سے ایشیاء کے قرمطی بیحد خائف ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ بغداد کے خلیفہ کے ساتھ متحد ہو جائیں۔ اس زمانہ میں قرمطیوں کا سردار حسن بن احمد الاعصم تھا۔ جس نے ایک نئی چالبازی کی اور عباسیوں سے فاطمیوں کو دمشق سے نکال دینے کے لئے امداد طلب کی۔ چونکہ حسن اس بات سے خوب واقف تھا کہ بغداد کے عباسی خلفاء اور بنی فاطمیوں میں ایک زمانہ سے عناد و دشمنی جاری ہے اور اگر اس کو یہ امداد دے دی گئی۔ تو ضرور اس کا مطلب بر آئے گا۔ مگر خلیفہ معطی نے حسن کی نہایت بے عزتی کی اور صاف مدد سے انکار کر دیا۔ جب یہاں سے نا اُمید ہوا تو دوسری جانب مدد کے لئے اپنا رُخ کیا۔ مصر جن دنوں فتح ہوا۔ اس زمانہ میں حلب میں شیعہ خاندان کی خود مختار حکومت تھی۔ عراق میں بُوَیا قبیلہ کا حاکم معز الدولہ تھا۔ اور اس کو قرمطیوں کے ساتھ کچھ تعلق تھا۔ حسن نے اس تعلق کو بہت کچھ ترقی دی اور فرات ندی کے شہر بصرہ کے نزدیک رُبھا نامی شہر کے ہمدانی قبیلہ کے شہزادہ سے بھی اتحاد و دوستی کا سلسلہ قائم کیا اس کے بعد کئی جنگی قبیلہ کے عربوں کے ساتھ بھی اس نے دوستی پیدا کی جن کا پیشہ صرف لوٹ مار اور کشت و خون تھا اور ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کر لیا۔

جنرل جعفر ایک فاطمی بہادر

حسن بن احمد الاعصم نے ان تمام لوگوں کی مدد سے شہر دمشق پر ایک دم سے حملہ کیا

بول دیا۔ ان دنوں جنرل جعفرؒ ادکہ "گاؤں میں چھاؤنی ڈالے ہوئے پڑے تھے۔ وہاں جب حسن کے حملہ کی طلاع ان کو ہوئی تو باوجودیکہ وہ بیمار تھے آگے بڑھے اور اس سے مقابلہ کیا۔ دونوں لشکر میں سخت خونریز جنگ ہوئی۔ جنرل جعفر کو انہوں نے گرفتار کر کے قید کیا اور بعد ازاں انہیں قتل کر دیا۔ اس جنگ میں فاطمی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ یہ واقعہ ۳۶۰ سنہ ہجری کے چھٹی ذیقعدہ بروز پنجشنبہ وقوع میں آیا تھا۔ جعفر بن فلاح کی وفات کے بعد ان کے مقام سکونت کے دروازہ پر ان کی یادگار قائم کرنے کے لئے حسب ذیل مضمون کندہ کیا گیا تھا۔

اے محل! تیرے مقیم کو تو نے قسمت کے کھلونے بنایا ہے اور وہ اب ہرگز واپس نہ آئے گا اس طور سے تو نے اسے منتشر کر دیا ہے تیرے (دروازہ) کے اندر ہم نے جسے ایک وقت قیام کرتے ہوئے دیکھا تھا اور جن کی برکت اور فیاضی سے لوگوں کی قسمت کے دروازے کشادہ ہو جاتے تھے۔ وہ شجیع وبہادر اب کہاں ہے؟

دمشق کی اس فتح کی خوشی میں شہر کی جامع مسجد میں حضرت امام معزؒ پر حسن قرمطی نے تبرا کیا۔ اور فرقہ مذہبی آئین و شریعت سے بھی بالکل بے پروا ہو کر محبت اور ولایت حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

دمشق کی فتح کے بعد حسن الاعصم نے جنوب کی طرف رخ کیا۔ شہر جافا پر حملہ نہ کیا مگر رملہ سے گذر کر برقی سرعت سے مصر پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے پہلے تو اس سویز (قلزم) اور فرا غا (العریش) پر حملہ کیا۔ اور سویز کے راستہ پر وہ قابض ہو گیا اس کی ایسی شاندار فتح دیکھ کر ٹیونس ان کی جانبداری میں چلا گیا۔ اور آگے بڑھ کر عین الشمس (ہیلیو پولس) تک آ پہونچا۔ اور وہیں اپنی چھاؤنی ڈال کر شہر قاہرہ پر حملہ کی تیاری شروع کی۔

غازی جوہر کی دور اندیشی

غازی جوہر نے فتح مصر میں جس قدر دور اندیشی اور عقلمندی کا اظہار کیا تھا

اس سے بھی زیادہ زیرکی اور چالاکی سے اس وقت ان کو کارروائی کرنے کی ضرورت ہوئی۔ حسن بن احمد الاعصم کے عین الشمس تک پہنچنے کی خبر جب غازی قائد جوہر کو ملی۔ تو انہوں نے قاہرہ کے قریب ہر طرف خندق کھدوائی اور اس کی پوری حفاظت کے لئے تیاری کی۔ مصر کے قدیم اخشیدی عملداروں کی نگرانی اور قدیم وزیر ابن الفرات کی حرکات وسکنات معلوم کرنے کے لئے جاسوس متقرر کر دیئے۔ کیونکہ حسن الاعصم کے لشکر کے چند آدمی مصر کے باشندوں کے لباس میں شہر میں داخل ہو کر اخشیدی سرداروں کو فاطمیوں کے خلاف بلوہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔

قرمطیوں سے پورا مقابلہ کرنے کے لئے غازی جوہر دشمن کی فوج پر بیس شب خون مارنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ اور اس تجویز کو عمل میں لانے کے بعد دوسرے دن قرمطیوں نے خندقوں پر حملہ کر دیا۔ فاطمی لشکر نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا جس سے قرمطیوں کو زبردست شکست ہوئی اور سویز تک پیچھے ہٹنے کی نوبت آگئی۔ اس شکست فاش سے دشمن ایسے پریشان ہوگئے۔ کہ اپنا سروسامان اور مال ومتاع چھوڑ کر چل دیئے اور سب کچھ فاطمی لشکر کے قبضہ میں آیا۔

عین الشمس کے پاس جہاں حسن قرمطی چھاؤنی ڈالے پڑا ہوا تھا ایک بحری بیڑہ کی امداد کے لئے دریائے نیل میں آیا تھا۔ مگر جب مقابلہ ہوا۔ تو وہ بھی اپنے ساتوں جہاز مع سروسامان چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ اور سب فاطمی لشکر کے قبضہ میں آیا پانچسو سپاہی بھی گرفتار کئے گئے۔ اور بہت سامال واسباب بھی ملا۔

اب یہاں ایک واقعہ قابل الذکر بلکہ لائق تعریف ہے کہ غازی جوہر کے لشکر میں جو مصری رضاکار اور اخشیدی سردار شامل تھے۔ انہوں نے اس جنگ میں اپنی جانفشانی اور جان نثاری دکھانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا۔ قرمطیوں کو شکست فاش دینے میں ان کا بڑا حصہ تھا۔

فاطمی لشکر کی شاندار فتوحات

حضرت امام معزؑ کو جب مصر پر قرمطیوں کے حملہ کی خبر ہوئی تو آپ نے بھی فوراً ابن عماد کی سرداری میں تہروان سے ایک لشکر جرار امداد کے لئے روانہ کیا یہ لشکر عین فتح کے وقت یہاں آ پہنچا۔ اور قوت بڑھ جانے سے خشکی پر فتحیاب ہونے کے علاوہ بحری راہ سے بھی فتوحات حاصل کرنے کے لئے دشمن کا تعاقب کر کے غازی جوہر نے ٹیونس پر حملہ کیا۔ مگر وہاں کے باشندوں نے اپنی غلطی پر افسوس ظاہر کیا۔ آپ نے نہایت فیاضی اور دریادلی سے چند شرائط کے ساتھ انہیں معافی دے دی۔ ایسے حریص عرب جو لوٹ اور غارت گری کی لالچ میں حسن الاعصم کے لشکر میں مل گئے تھے۔ انہوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور قرمطیوں کی قوت بالکل ضعیف ہو گئی۔ فاطمی لشکر نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ مخالفین جیسے جیسے پیچھے ہٹتے گئے۔ ویسے ہی یہ ان کا تعاقب کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ غازی جوہر نے حافا کی طرف کوچ کیا۔ اور اپنی جنگی مہارت اعلیٰ درجہ کی نہایت عمدہ طور سے ثابت کر دیا۔ حسن قرمطی وہاں سے دمشق کی طرف بھاگا اور عرصہ تک لشکر کی تیاری کر کے فاطمیوں پر پھر حملہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

تہروان کا نائب یوسف زیری

غازی جوہر نے دیکھا کہ اب وہ زمانہ آ پہنچا ہے کہ حضرت امامؑ بہ نفس نفیس خود تشریف لا کر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اس لئے غازی جوہر نے اس مضمون کی ایک درخواست مؤدبانہ حضرت امامؑ کی خدمت میں روانہ کر دی۔ جس کو حضرت امامؑ نے قبول فرمایا اور مصر کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور میں یوسف (بلکین) بن زیری کو چہارشنبہ کے روز ۲۲ ذی الحجۃ الحرام ۳۶۱ھ

میں نیا نائب مقرر فرمایا۔ ۳۶۲ھ ہجری کے ابتداء قیروان سے مصر روانہ ہوتے وقت حضرت امام معزؑ نے لوگوں کو یوسف بلکین کی پیروی کرنے کی نصیحت کی اور یوسف بلکین کو مشورہ دیا کہ عربوں سے زکوٰۃ کی وصولی ہرگز بند نہ کرنا۔ اہل بربر کو زور شمشیر سے قابو میں رکھنا۔ اپنے خویش واقارب اور چچازاد بھائیوں کو ہرگز ممتاز عہدوں پر مقرر نہ کرنا۔ کیونکہ وہ اس حاصل شدہ عہدہ کے اقتدار سے زیادہ اقتدار کے مستحق اپنے کو خیال کرتے ہیں اور رعایا سے نہایت محبت والفت کے ساتھ پیش آنا"

ابن زیری کا پورا نام ابوالفتوح بلکین ابن زیری ابن مناد الحمیری السنہاجی ہے وہ لوگوں میں یوسف کے نام سے مشہور تھا۔ یوسف نے حضرت امامؑ کی نیابت خوبی کے ساتھ پوری کی اور فی الحقیقت وہ افریقہ کے بادشاہ کے مانند ہوگیا۔ تاہم اپنی حکومت میں بنی فاطمہ کے نام کا خطبہ جاری رکھا۔ یوسف کی اولاد میں سے آٹھ حاکم ہوئے۔ اور ۱۶۲ سال تک ان کی حکومت قائم رہی۔

حضرت امام معز (علیہ السلام) کا مصر کی طرف کوچ

حضرت امام معزؑ قیروان سے مصر تشریف لے گئے۔ اس وقت یوسف انہیں رخصت کرنے کے لئے بہت دور تک آپ کے ساتھ رہا۔ اور آخر حضرت امامؑ کے دست مبارک کو بوسہ دے کر سلامی کی رسم ادا کرنے کے بعد واپس ہوا۔ شاہی جلوس آگے بڑھتے ہوئے قابوس۔ طرابلس۔ اجدابیہ اور برقہ ہوتے ہوئے موسم بہار میں سکندریہ داخل ہوا۔ جہاں حضرت امامؑ کے استقبال کے لئے فسطاط کا قاضی اور دوسرے معزز عملدار حاضر ہو گئے تھے۔ اور حضرت امامؑ نے ان کو ملاقات کا شرف بخشا۔ وہاں سے آپ کوچ کرتے ہوئے موسم گرما کے ابتداء میں غیزہ میں قیام فرمایا۔ جہاں غازی قائد جوہر اپنے آقائے نامدار حضرت امامؑ کے مبارک دیدار کے لئے موجود تھا۔ چند عرصہ تک یہاں سکونت وراحت کے بعد نہایت شان

شوکت اور عزت و حشمت کے ساتھ اپنے دارالسلطنت قاہرہ کی جانیکی تیاری شروع کی۔ حضرت امامؑ کی آمد پر مصر کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر مزین و آراستہ کیا شہر میں کوئی گھر زینت سے خالی نہ تھا۔ اور راستہ میں جابجا دروازے آراستہ و پیراستہ نصب کئے گئے تھے۔ جن میں جناب امیر علیؑ ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ اور اہل بیت کے مختلف اوصاف و فضائل لکھے ہوئے تھے۔

مصر میں نہایت شاندار اور پُرجوش استقبال

ایک عظیم الشان جلوس کے ہمراہ حضرت امام معزؑ مصر میں داخل ہوئے دونوں جانب قطار در قطار رعایا کھڑی ہو کر آپ کے دیدار سے مشرف ہوتی تھی اور اہلاً و سہلاً کی آواز سے اپنی مسرت کا اظہار کرتی تھی۔ دورویہ مسلح فوج کا پہرہ بھی تھا۔ آگے آگے غازی جوہر چلے جا رہے تھے۔ اور رعایا "مبارک مبارک" کے نعرے بلند کر رہی تھی دورویہ مسلح فوج کا پہرہ بھی تھا۔ آگے آگے غازی جوہر چلے جا رہے تھے سلطنت کے عملدار افسر اور سپہ سالار حضرت امامؑ کے پیچھے پیچھے صف باندھے چلے آ رہے تھے۔ یہ دبدبہ اور یہ جاہ و جلال دیکھ کر رعایا باغ باغ ہوئی جاتی تھی۔

اسی موقع پر رعایا میں سے درویشوں اور شریفوں کا ایک گروہ دست بستہ آپ کے سامنے حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ ہم آپ کی تشریف آوری پر مخلصانہ اور تہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مگر آپ کی ملوکیت کی سند کیا ہے؟ پوچھنا چاہتے ہیں۔ درویشوں اور شریفوں کی اس تقریر کو سن کر حضرت امامؑ نے تلوار کو میان سے کھینچکر کہا۔ کہ یہ ہے ہماری حکومت و سلطنت کا دعویٰ۔ اور ایک مٹھی سی سونے کی اشرفیاں اڑاتے ہوئے فرمایا یہ ہے ہماری سند۔

مصری رعایا ایسے سخی بہادر اور شجیع شخص کو اپنا بادشاہ دیکھ کر بیحد خوش ہوئی



حضرت مولانا شاہ المعزؑ (امامی اسمٰعیلیوں کے چودھویں امام) اپنے کمانڈر ان چیف غازی جوہر در فدائیان لشکر کیساتھ مصری عایا سے مخاطب ہو رہے ہیں۔

مورخ اوکیری رقمطراز ہے کہ حضرت امام معزؑ کی اس تخت نشینی کے قبل تین امام وفات پا چکے تھے ۔ جن کے جنازہ کو آپ ہمراہ لائے تھے اور آپ نے اس کو آراستے ہاتھیوں پر جلوس سے آگے رکھا تھا ۔ حضرت امامؑ کے اطراف میں آپ کے چار شہزاد اور دوسرے تمام خویش و اقربا گھوڑے پر سوار تھے ۔ باب الزویلہ کے دروازہ کے ایک طرف کے محراب والی کھڑکی سے حضرت امامؑ شہر میں داخل ہوئے ۔

زر و جواہر سے بھرے ہوئے خزانے

آثار محمدی کا مصنف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حضرت امام معزؑ جب قیروان سے مصر تشریف لائے ۔ اس وقت پچاس ہزار اونٹ اور دس ہزار خچر زر و جواہر سے لدے ہوئے آپ کے ہمراہ تھے ۔ قیروان سے روانہ ہونے کے بعد جن جن شہروں اور ملکوں سے آپ گذر فرماتے تھے ۔ وہاں کے گورنر اور امرا تمام حضرت امامؑ کی ملاقات کو حاضر ہوتے تھے اور ان کی جانب سے حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں تحفہ و تحائف پیش کرتے تھے ۔ ان سب زر و جواہرات اور مال و دولت سے بھرے ہوئے صندوقوں کو حضرت امامؑ نے اپنے شاہی محل کے صحن میں رکھوا دیا ۔ اور شہر میں منادی کرا دی کہ ہر روز جو محتاج و غریب وہاں آئے ۔ اتنی رقم جو ایک مٹھی میں آجائے لے جا سکتا ہے ۔ اس بات کی شہادت وہ خالی صندوق دے رہے ہیں جو اس وقت وہاں موجود ہیں اور خالی پڑے ہیں ۔ حضرت امامؑ ماہ رمضان کی نویں تاریخ کو مصر میں داخل ہوئے اور شاہی محل میں قیام فرمایا ۔ رمضان المبارک کے اختتام پر حضرت امامؑ نے جامعہ ازہر میں عید کی نماز ادا کی ۔ جو بالکل جدید التعمیر تھی ۔ اور حال ہی میں مکمل ہوئی تھی یہ مسجد جامع ازہر بالکل شاہی محل کے قریب ہے ۔

یہی جامع ازہر کی نہایت شاندار مسجد بعد میں روئے زمین پر دارالعلوم کے

طور پر معروف و مشہور ہوئی اس دارالعلوم سے فیض حاصل کرنے کے لئے دُنیا کے تمام حصّوں سے لوگ یہاں آئے تھے۔ یہاں محض علم ادب و فلسفہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جس میں تعصب کی جھلک نہ ہو۔ آج یہ دارالعلوم دُنیا کے عام مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے۔ اور تمام علوم و فنون کا مرکز ہے۔

آثار محمدی میں لکھا ہے کہ حضرت امام معزؑ نے اپنے آباد و اجداد حضرت امام مہدیؑ اور حضرت امام قائمؑ اور حضرت امام منصورؑ کے جنازے ساتھ لائے تھے۔ اور ان کو قصر الکبیر کے صحن میں دفن کردیا۔ اس کے بعد بنو فاطمہ کے دیگر خلفا، اور ان کے عزیز و اقربا سب یہیں دفن کئے جاتے رہے۔

مورخ اسٹانلی لین پول رقمطراز ہے کہ حضرت امام معزؑ جب مصر میں اپنے شاہی محل میں رہنے لگے۔ تو دربار میں ایک انبوہ کثیر آنے لگا۔ اور حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں نذرانہ پیش کرنے لگا۔ ان تمام نذرانوں میں غازی جوہر کا نذرانہ نہایت نفیس و بیش بہا تھا۔ مشک مالیدہ، زین طلائی، اور لگام والے پانچسو نہایت نفیس اسپ ہائے تازی۔ اور باختری اونٹوں پر ریشمی خیمہ جات سانڈنیاں۔ خچر باربردار اونٹ۔ نقرئی اور طلائی ظروف سے بھرے ہوئے منقش صندوق۔ طلائی تلواریں قیمتی منقش اور جواہرات سے جڑے ہوئے صندوقچے۔ جواہر سے مرصع عمامے اور مصری کاریگری کی بوقلموں نمونوں سے بھری ہوئی نوسو پٹیاں تمام اس هدیہ میں شامل تھے۔ یہ تمام زر و جواہرات کا خزانہ غازی جوہر کی طرف سے نذرانہ میں حضرت امامؑ کے خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ الغرض اس نذرانہ کے علاوہ اور بہت عمدہ عمدہ اور قیمتی نذرانے دوسرے لوگوں نے بھی دیئے تھے۔

شاندار استقبال اور پرتکلف دعوت

حضرت امام معزؑ نے عید کے دن امام بنکر تمام مسلمانوں کو عید کی نماز پڑھائی

اور بعدازاں ممبر پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ پڑھا جس میں مذہبی نصیحتیں شریعت کی ہدائیتیں بیان فرمائیں اور رعایا کو نہایت مسرت ہوئی۔ اس شان وشوکت اور پرحشمت مجلس کے برخواست ہونے کے بعد حضرت امامؑ اپنے لشکر کے آگے گھوڑے پر سوار ہو کر شاھی محل کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے چاروں شاہزادے آپ کے ساتھ باڈی گارڈ کی حیثیت سے آپ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے جا رہے تھے۔ آگے چاندی اور سونے سے مزین ہاتھی چل رہے تھے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ حضرت امامؑ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت امامؑ نے محل میں داخل ہونے کے بعد معززر رؤسائے شہر کی نہایت عالی شان دعوت فرمائی۔

۳۶۴ھ: ھجری میں مصر کے اندر پہلی بار عید غدیر خم حضرت امامؑ نے نہایت شان دار طریق پر منائی۔

"قصر المعز" حضرت امام (علیہ السلام) کا شاھی محل

حضرت امام معزؑ کا شاھی محل نہایت وسیع تھا گویا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا فی الحال قاہرہ کا وہ ایک دل آویز مرکز ہے۔ قدیم شہر فستات سے چنداں فاصلہ پر وہ تعمیر کیا گیا تھا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں باشندگان مصر قاہرہ کو المدینہ کے نام سے پکارتے تھے اس کا نقشہ شاہی قلعہ کی طرح تھا۔ جس میں خلیفہ وقت اور آپ کے حرم مبارک، خویش و اقارب پاسبان، منتخب فوج اور سلطنت کے اعلیٰ افسروں کے رہنے کا پورا انتظام تھا شاھی محل کے سامنے ایک بڑا وسیع میدان تھا۔ جس میں عوام الناس کی آمد و رفت ممنوع تھی، غیر ملکی ایلچیوں کو بھی ملاقات کے وقت قلعہ سے باہر سواری سے اتر جانا لازمی امر تھا۔ بازنطائن اور عثمانی سلطنت کے مطابق ایلچیوں کو پاسبانوں کے درمیان راہ بری کرتے ہوئے حضرت امامؑ کی خدمت میں لے جاتے تھے۔ شہنشاہ مشرق نے بھی اپنے ایلچی کو فتح مصر کے بعد غازی جوہر اور حضرت امامؑ کے پاس روانہ کیا تھا۔

حضرت امامؑ کا خاص مسکن "قصر الکبیر" تھا جس کو "قصر المعز" بھی کہتے ہیں یہاں بسنے

والے حرم حضرت امامؑ آپ کی اولاد، پاسبان، خدمت گار، خواجہ سرا وغیرہ کل ۱۸۰۰۰ (اٹھارہ ہزار) نفوس تھے۔ اور بعد میں یہی تعداد بڑھتے بڑھتے تینتیس ہزار ہوگئی تھی

قصر الصغیر یعنی حضرت امام عزیز (علیہ السلام) کی یادگار

قصر الصغیر جو حضرت امام عزیزؑ نے بعد ازاں تعمیر کیا تھا وہ مغربی جانب میں تھا اس محل کا راستہ کافور کے باغ سے جاتا تھا۔ یہاں جسمانی ورزش کے لئے بھی ایک جمنیسیم تعمیر کیا گیا تھا۔ ان دونوں کو بین القصرین نامی جگہ علیحدہ کرتی تھی اس کے درمیانی حصہ میں ایک وسیع میدان تھا۔ جہاں دس ہزار فوج ایک وقت میں برابر قواعد کرسکتی تھی دونوں محل کو ملانے والا ایک تہ خانہ کا راستہ تھا۔ جس سے حضرت امامؑ اپنی آمد و رفت رکھتے تھے۔ اسی کے قریب ان کے بزرگوں کا مقبرہ واقع تھا۔ جامع الازہر کی مسجد بھی اسی جوار میں تھی۔ حضرت امامؑ خود وہاں تشریف لے جاکر جمعہ کی نماز و خطبہ پڑھاتے تھے۔

قصر المعز کی شان و شوکت

قصر الکبیر ایسا شاندار اور پرشکوہ محل ہے کہ سارے عربی مورخ اس کی تعریف بیان کرنے سے عاجز آ گئے۔ اس محل میں چار ہزار علیحدہ کمرے تھے۔ جن میں ہوکر درمیان کے کشادہ طلائی ہال میں داخل ہوتے تھے درمیان میں ایک طلائی دروازہ بھی تھا جس کے اندر طلائی تخت پر فاطمی خلیفہ اپنے اہل دربار کے درمیان رونق افروز ہوئے تھے۔ اس کمرہ کے چہار طرف طلائی جالی دار پردے تھے۔ جہاں سے اسلامی تقریبات کی دھوم دھام اور خوشیاں حضرت امامؑ کے مشاہدہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک نیلم ہال گنبد کے مانند تھا۔ جس کے ستون سنگ مرمر کے تھے دیوان خاص میں حضرت امامؑ خود دوشنبہ اور جمعرات کو بڑے تخت پر جلوس فرماکر مظلوم و غریب

اور مغموم رعایا کی فریاد سُن کر اُن کی دادرسی کرتے تھے۔
مذکورہ بالا بیان باوجودیکہ ان فاطمیہ خلفاء کے متعلق ہے جو آپ کے بعد سلطنت کے حاکم ہوئے ہیں۔ لیکن حضرت امام معزؑ اور ان کے شان میں بھی یہی الفاظ صحیح ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان تمام عمارتوں کا نقشہ حضرت امام معزؑ نے بذات خود تیار کیا تھا۔ اور غازی جوہر نے کامل تین سال محنت شاقہ اٹھا کر اس کو تکمیل تک پہنچایا تھا یہ واقعات الف لیلیٰ کی داستان نہیں ہیں بلکہ یہ سچے اور صحیح بیانات ہیں جن سے حضرت امامؑ کی دولت و سلطنت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور آج تک ان کے آثار و علائم پائے جاتے ہیں۔ جو ان کی صحت کے ثبوت ہیں۔
ان واقعات کے ثبوت کے لئے صرف یہ بیان کافی ہے کہ حضرت امامؑ کی ایک صاحبزادی کی وفات کے بعد "نیلم" کے پانچ تھیلے اور رگونا گوں بوقلموں جواہرات سے بھرے ہوئے تین ہزار منقش نقرئی ظروف ثقلیہ کے تیس ہزار ریشمی زرکار کپڑے کے تھان۔ خالص بلور کی نوے چلچی کتیلیاں وغیرہ وراثت میں چھوڑا تھا۔ آپ کے کمرے اور تمام صندوقوں پر مہر لگانے کا حکم عالی صادر ہوا تو اس میں چالیس رطل لاکھ استعمال ہوئی۔
حضرت امامؑ کی ایک دوسری صاحبزادی فوت ہوئیں تو آپ کے کمرے سے ستائیس۲۷ لاکھ طلائی دینار کی ملکیت اور بارہ۱۲ ہزار کے علٰحدہ علٰحدہ کپڑے نکلے تھے

صنعت و حرفت اور علم موسیقی

حضرت امامؑ کی ایک اہلیہ نے شہر کرافا میں ایک مسجد تعمیر کرا ئی تھی اس کی آرائش میں رقم خطیر پانی کی طرح صرف کی گئی تھی۔ ایک ایرانی انجینیر نے اس مسجد کا نقشہ کھینچا تھا۔ اس کی چھت اور دیواروں پر بصرہ سے آئے ہوئے کاریگروں نے رنگ لگایا تھا۔ ایران کے "سوشتر" شہر کے مشہور ریشمی کپڑے بننے والوں کو

ایک ریشمی تھان بنانے کے لئے حضرت امامؑ نے حکم دیا تھا۔ جس پر رنگ برنگ تمام دُنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اور جس کی قیمت بائیس ۲۲ ھزار دینار تھی۔

بنی فاطمہ علم اور تعلیم کی ترقی کے علاوہ صنعت و حرفت کے بھی دِلدادہ تھے اور ہر طرح اس کو تقویت دیتے تھے۔ علم موسیقی بھی بنو فاطمہ کے عہد میں اپنے عروج کو پہنچا ہوا تھا اور فن مصوری کا ان سے زیادہ کوئی قدردان نہ تھا۔ اس لئے اس فن میں بنی فاطمہ نے ایک نئی روح پھونک کر اس کو از سر نو زندہ کر دیا۔ اور جان دار تصویروں کی ناپسندیدگی میں کمی واقع ہوگئی۔ وزیر الیزوری نے ایک بار عراق کے دو مصوروں کا آپس میں مقابلہ کروایا۔ مصور القاصر نے ایک مختلہ کو بالکل سفید رنگ کے لباس میں ایک سیاہ محراب میں اپنے کو چھپاتے ہوئے دکھایا تھا۔ دوسرے مصور ابن عزیز نے چمکتے ہوئے زرد محراب میں سے ترمزی لباس میں آراستہ ایک نازنین کو برآمد ہوتے ہوئے دکھایا تھا مصر اور تقلیہ میں تو اس صنعت و حرفت نے پورا کمال حاصل کر لیا تھا۔ مشہور بیو کے صندوقچہ میں طوطا اور کئی چڑیوں کے نقش چاندی میں کندہ تھے۔ وکٹوریہ اور آلبرٹ میوزیم میں رکھی ہوئی ۳۶۶ھ ہجری کی کندہ شدہ ہاتھی دانت کی صندوقچے فاطمی کاریگروں اور صناعیوں کا بہترین نمونہ ہے وینس میں سینٹ مارک کے خزانہ میں بلور کے کوزہ پر حضرت امام معزؑ کے فرزند ارجمند حضرت امام عزیز کا نام کندہ تھا۔ اور کاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

دریائے نیل پر خلیج کی رسم افتتاح

حکیم ناصر خسرو مذہب حق کی تلاش میں پھرتے پھرتے مصر آئے اور وہاں کے جاہ و جلال اور شوکت و عظمت کا حال انہوں نے لکھا یہ بیان حضرت امامؑ کے جانشینوں کے متعلق ہے مگر اس زمانہ کے ساتھ بھی اس کا گہرا تعلق ہے اور اکثر مؤرخین کی یہی رائے ہے۔ شہر مصر کا تمام دار و مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہونیکی وجہ سے

نیل میں طغیانی کے وقت زمانۂ قدیم سے جو رسم ادا ہوتی تھی اس کی پوری کیفیت بیان کرتے ہوئے اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ بارش کے موسم کے ختم ہوتے ہی نیل ندی پر باندھے ہوئے خلیج کو کھولنے کے لئے خلیفہ کی جانب سے پہلے سے لوگوں میں اس کی اطلاع کردی جاتی تھی اور وہ دن تعطیلِ عام کے طور پر شہر میں شمار کیا جاتا تھا۔ جس دن خلیج نہر کو خلیفۂ وقت کھولنے جاتے اس دن خاص ایک ہزار مزدور رکھے جاتے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک گھوڑا رہتا اور بعد ازاں سو سو گھوڑوں کی صف بندی ان کے پیچھے بیگل، ڈھول شہنائی بجانے والوں کی صف رہتی اور اس کے پیچھے تمام رعایا چلتی اور ان کے پیچھے کی صفوں میں لشکر کا ایک حصہ جھنڈا لئے ہوئے چلتا اور اسی طرح یہ جلوس خلیفہ کے حرم کے دروازہ سے تمام شہر میں گشت کرتا ہوا واپس آجاتا۔ اس شاندار اور پرشکوہ لشکر کے علاوہ خلیفہ خود اپنے لشکر کے ہمراہ آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

بنو فاطمہ کے خلیفہ کی بیس۲۰ کشتیاں تھیں ہر ایک کشتی پچاس۵۰ گز لمبی اور بیس۲۰ گز چوڑی ہوتی تھی یہ کشتیاں روزانہ شاہی محل کے لئے پانی لاتی تھیں ان کشتیوں کو سونے اور چاندی کی پٹیاں لگائی گئی تھیں۔ جن پر جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ اور ریشمی گاؤ تکیوں اور ریشمی زربفت کے پردوں سے یہ کشتیاں آراستہ ہوتی تھیں ان کشتیوں کے لنگرانداز ہونے کے لئے ایک علٰحدہ جگہ بنائی گئی تھی۔ جہاں وہ پاسبانوں کے حفاظت میں کھڑی رہتی تھیں۔

فاطمی دارالقضاۃ اور قاضی النعمان

حضرت امام معزؑ نے مصر تشریف لانے کے بعد مصر کے دارالقضاۃ کا بھی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا ابن خلکان کی روایت کے بموجب حضرت امامؑ قیروان سے روانہ ہوتے وقت قاضی النعمان کو ہمراہ لئے ہوئے مصر تشریف لائے۔ اور مصر میں آپ کو قاضی القضاۃ کا رتبہ عالی عنایت کیا گیا۔ جس کو فی زمانا "چیف جسٹس" کہتے ہیں۔

حضرت امامؑ معزؑ کے زمانہ میں تھسروان میں قاضی النعمان نے علی بن سوریز کے اصول کی سخت مخالفت کی اور "اختلاف الفقہ" نامی کتاب لکھی۔ جس میں اس کے اصول ورائے کی مدلل تردید کی گئی ہے اور اہل بیتؑ کے عقیدت و محبت کی ضرورت ظاہر کی ہے۔ آپ ہمیشہ حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ قاضی النعمان کا پورا نام ابوحنیفہ سیدنا قاضی القضاۃ نعمان بن محمد ہے۔ اہل التشیع کے فقیہ اعظم اور قاضی کبیر تھے۔

امیر ممتاز لکھتا ہے کہ آپ قضاۃ میں ایسے واقف کامل تھے۔ کہ اگر آپ کو بےنظیر و بےمثیل کہیں تو بجا ہے۔ ان کی صدہا تصانیف آج موجود ہیں۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ وہ پہلے مالکی عقائد کے تھے۔ مگر بعد ازاں انہوں نے شیعوں کی پیروی کی دعائم الاسلام افتتاح الدعوۃ۔ ابواب الفقیہ، اقتصار الفقہ وغیرہ کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔

ابن زولاسے روایت ہے کہ قاضی النعمان قصیدے اور شعرگوئی میں بھی یکتا تھے۔ علم ادب اور علم تقریر یعنی فصاحت و بلاغت میں بھی آپ نے مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ قضایہ کے فیصلوں میں آپ کا انصاف فصل الخطاب ہوتا تھا۔

فاطمی بحری بیڑہ

مورخ لین پول لکھتا ہے کہ حضرت امام معزؑ عیش و عشرت کے بالکل شائق نہ تھے۔ ملکی امور میں اپنی قوت و طاقت کا نہایت عمدگی اور خوبی سے اظہار کرتے تھے آپ کو ثقلیہ کا بحری بیڑہ میراث میں حاصل ہوا تھا۔ جو اسپین کے کنارہ پر ۳۴۴ھ سنہ ہجری میں حملہ کر کے غنیمت کے بے شمار مال اور ہزاروں قیدیوں کے ساتھ آیا تھا اسپین کے خلیفہ نے اس کے جواب میں شہر تیونس کی طرف اپنا بیڑہ بھیجا۔ جس نے ٹیونس "رونا بونہ" کے نزدیک ایک چھوٹے بندرگاہ کو جلا دیا۔ اور بربری کنارہ پر لوٹ مار کی۔ اس کا انتقام لینے کے لئے فاطمی شہنشاہ کو ایک نہایت عظیم بحری جنگی بیڑہ

تیار کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور قاہرہ کے بندرگاہ کے طور پر بلاق کے عوض اس زمانہ کے مقس میں ایک بندرگاہ بنایا۔ جہاں چھ سو جنگی جہاز تیار کئے گئے اہل عرب نے مصر پر فتح کرنے کے بعد سب سے بڑا اور جنگی بیڑہ جو تیار کیا تو یہی بنی فاطمہ کا بحری بیڑہ تھا اور اسی بیڑہ نے فاطمی سلطنت کو مستحکم کیا۔ اس بحری بیڑہ کی عظمت اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ حکیم ناصر خسرو نے حضرت امام معزؑ کی وفات کے تقریباً پچھتر سال بعد ان جہازات کا معائنہ کیا تھا مگر اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ صرف ایک جہاز ان میں سے ایک سو پچاس کیوبک فٹ لمبا اور ساٹھ فٹ چوڑا تھا۔

قرمطیوں کا کبر و نخوت

حضرت امام معزؑ کی مصر میں تشریف آوری تک شام کی حکومت کی مہم انجام کو نہیں پہونچی تھی۔ اور قرمطیوں کا اندیشہ باقی تھا۔ کہ انہوں نے دوسری بار "یورش" لینے کا ارادہ کیا۔ مگر اس وقت بالکل ناکام ہو کر خاموشی اختیار کر لی۔ حضرت امام معزؑ نے اس کے سردار کے ساتھ مراسلت کی مگر خط کے جواب میں قرمطیوں کے "کبیر" حسن بن محمد الاعصم نے لکھا کہ تمھارے الفاظ سے پُر اور عقل سے خالی خط ملا اور اس کا جواب میں ہمراہ لے کر آتا ہوں" بعد ازاں قرمطیوں نے موسم بہار میں دوسری مرتبہ "عین الشمس" پر دھاوا بول دیا۔ اور سرکش اخشیدیوں اور حریف علویوں کو ساتھ لے کر سرعت سے مصر کے تمام حصوں میں پھیل گئے۔ حضرت امامؑ اس کا مقابلہ کرنے کو بالکل مستعد ہو گئے۔

حضرت امامؑ کے شاہزادہ عبداللہ نے چار ہزار لشکر کے ساتھ دریائے نیل کے سنگم کے پاس دشمن کے لشکر کو شکست فاش دی۔ مگر چونکہ فاطمی لشکر کا بھی نقصان زیادہ ہوا تھا۔ اس لئے قرمطی لشکر جب قاہرہ پر حملہ آور ہوا۔ تو اس کی مدافعت پوری طرح نہ کی گئی اور فاطمی لشکر جو خندقوں میں چھپا ہوا تھا انہیں ہلنے

نکل کر شہر میں جانا لازمی ہوگیا۔

قرمطیوں کی شکست فاش

بعد ازاں قرمطی کے ایک جدید ظاہری دوست بنی طے کے سردار کو فاطمی کی طرف سے ایک لاکھ دینار دئے گئے۔ مگر اس زمانہ میں تنے سکے تعداد کثیر میں نہ تھے اس لئے سیسہ پر گلٹ چڑھے ہوئے بنا کر دیئے گئے۔ بدوی سردار نے اس بات سے برہم ہو کر اپنے ہمراہی عربوں کو میدان جنگ سے ہٹا لیا جس سے قرمطی فوج میں تفرقہ واقع ہوا۔ اور فاطمی لشکر باہر آکے قرمطیوں پر ٹوٹ پڑا جس قرمطی نے یہ حالت دیکھ کر راہ فرار اختیار کی۔ فاطمی لشکر نے اس کی چھاؤنی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور پندرہ سو قرمطی سپاہی قتل کر دیئے بعد ازاں مال و اسباب سمیت وہاں سے دس ہزار کی فوج شام پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئی اور قرمطیوں کے دوسرے سرداروں میں اندرونی مخالفت ہونے کی وجہ سے ایک قرمطی سردار نے دوسرے قرمطی سردار کو فاطمی لشکر کے حوالے کر دیا قرمطی سردار اور اس کے لڑکوں کو آہنی اور لکڑی کے پنجرے میں قید کر کے مصر بھجوا دیا۔ جس سے قرمطیوں کی غارت گری اور سرکشی بالکل ختم ہوگئی۔ مگر دمشق بہت سی بدانتظامیوں اور بدامنیوں کے باعث ظلم و ستم کا آماجگاہ بنا رہا۔

فاطمی لشکر کا بیروت پر قبضہ

حضرت امام معزؑ نے خواجہ سرا ریان کو رومیوں سے طرابلس فتح کرنے کے بعد دمشق پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ ترکی افتگین کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور افتگین نے شام میں عباسی خلیفہ کا نام خطبہ میں پڑھنا شروع کیا مگر ایک دوسرے خواجہ سرا نے فاطمی لشکر کے ساتھ بیروت فتح کر لیا افتگین نے

افتگین نے اس نقصان کے ہوتے ہی شام کے عیسائی رومی سردار زمسس کی تابعداری قبول کرلی اور صلح نامہ قرار پایا۔ دوسری جانب "ریان" طرابلس سے آگے بڑھا اور رومیوں کو شکست فاش دے کران کا ستیاناس کردیا۔

۳۶۶ھ ہجری میں فاطمیوں کی مدد کیلئے قیروان سے دس ہزار کی فوج آگئی اوران کی مدد سے فاطمیوں کی فوج نے بہت زبردست اور شاندار فتوحات حاصل کیں۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حضرت امام (علیہ السلام) کے نام کا خطبہ

مصر وحجاز اور شام میں حضرت امامؑ کی بیعت لی گئی، اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حضرت امامؑ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ جس سے حضرت امامؑ کو نہایت مسرت ہوئی۔

حضرت امامؑ بعدازاں دو سال تک قاہرہ میں سکونت پذیر ہوکر بہت سی اصلاحات عمل میں لائے مورخ لین پول کی روایت کے مطابق یعقوب ابن کلیس اور عسلوج کو تحصیلدار مقرر کیا۔ جوامیرات کے دفتر میں روزانہ حاضر ہوکر زکواۃ، خراج۔ عشر۔ جزیہ۔ وقف اور دیگر تمام انواع واقسام کے محاصل وہ وصول کرتے اور محصول لگانے میں نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ لوگوں کی فریاد رسی اوران کے مطالبات پر بھی غور کرکے ان کے ساتھ عدل وانصاف کرتے ان تحصیلداروں کی ہوشیاری سے محصول کی آمد میں بہت اضافہ ہوا۔ تمام محاصل فاطمی سکوں میں وصول کئے گئے تھے۔ فستات میں فقط ایک ہی دن کا محصول پچاس ہزار دینار ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات ایک لاکھ بیس ہزار دینار اس کی تعداد پہونچتی تھی ٹیوٹس دمیاٹ اور عشمنیوں میں ایک مرتبہ ایک دن میں دو لاکھ دینار محصول ملا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی اولاد

حضرت امامؑ اپنی مختلف رعایا کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے قدیم دارالسلطنت

ئے باشندوں کو ستانے سے اپنے لشکر کو بالکل منع کر دیا تھا اور ان کو عین الشمس میں لے جا کر آباد کیا تھا۔ شام کے وقت ایک "مناد" فسطاط میں گشت لگا کر مغرب سے پہلے لشکریوں کو شہر سے واپس ہو کر اپنے اپنے بارکوں میں داخل ہونے پر مجبور کرتا تھا۔

بنو عباس کے ماتحت کے شہر مصر۔ دیار شیلزمان۔ دمشق۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ سکندریہ وغیرہ فاطمیوں نے اپنے تحت تصرف میں اپنی قوت کوشش اور اپنی جانفشانی سے لائے تھے۔ جن میں غازی جوہر نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور تاریخ کے صفحوں پر سنہری حروف میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت امام معزؑ کے حضرت عبداللہ۔ حضرت نزار۔ حضرت تمیم۔ حضرت عقیل نامی چار شاہزادے اور سات شاہزادیاں تھیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

۱۵ ربیع الآخر ۳۶۵ھ ہجری میں حضرت امامؑ نے دار جاودانی کی طرف کوچ فرمایا آپ نے تیرہ سال اور چھ مہینہ تک نہایت حشمت و شوکت کے ساتھ تخت سلطنت پر رونق افروز رہ کر روئے زمین پر بنی فاطمہ کی خلافت کا ڈنکا بجا دیا۔

فتح مصر کے بعد مصر میں حضرت امامؑ نے تقریباً چار سال تک نہایت بہادرانہ اور خردمندانہ طور پر امور سلطنت انجام دیئے۔

نہیس نامی مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔ اور آپ کی لاش قاہرہ میں دفن کی گئی۔ آپ کی عمر وفات کے وقت ۴۶ سال کی تھی۔ امامت کا دارالخلافہ مصر میں ہونے سے حضرت امام معزؑ مصر کے پہلے خلیفہ شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد خلفاء کو مصر کا خلیفہ یکے بعد دیگرے تاریخ میں مورخین لکھتے ہیں۔

مصر میں فاطمی خلافت

حضرت معز علیہ السلام

- عبداللہ
- عزیز
- تمیم
  - ست الملک
  - حاکم
    - ظاہر چونکہ صرف سولہ سال کی عمر میں آپ سلطنت کے مالک ہوئے تھے لہذا آپ کی پھوپھی ست الملک نے ۴ سال تک کاروبار کی نگرانی کی
      - مستنصر
- عقیل

حضرت امام معزؑ کے اوپر لکھے ہوئے چار شاہزادے اور سات شاہزادیاں تھیں۔ عبداللہ سب سے بڑے فرزند تھے اور آپ ۳۶۴ ہجری میں یعنی والد ماجد سے ایک سال آگے وفات پا گئے۔ اور دوسرے فرزند عزیزؑ تاج و تخت کے مالک ہوئے۔ تیسرے فرزند تمیم شاعر بے نظیر تھے۔ اور عربی تاریخوں میں ان کی نظیر اکثر دکھائی دیتی ہیں عقیل کی نسبت کچھ تفصیل نہیں ملتی۔ جب سے بنو فاطمہ کی سلطنت کی بنیاد پڑی ان کی شہرت و عظمت میں چار چاند لگ گئے۔ اور یہ اسمعیلیوں کی تاریخ کا ایک طلائی زمانہ ہے۔

حضرت امام عزیز (علیہ السلام)

سن امامت از ۳۶۵ سنہ ھجری تا ۳۸۶ سنہ ہجری

حضرت امام عزیزؑ ۳۶۵ سنہ ہجری چوتھی ربیع الآخر پنجشنبہ کے دن فاطمی تخت سلطنت اور امامت پر رونق افروز ہوئے۔ طائع بن معطی و رقادر بن مقتدر خلفائے بنو عباس حضرت امام عزیزؑ کے ہمعصر تھے۔

حضرت امامؑ کا پورا نام ابوالمنصور نزار العزیز باللہ تھا۔ آپ کی پیدائش ۳۴۴ سنہ ہجری ۱۴ محرم پنجشنبہ کے دن ہوئی تھی۔ حضرت امامؑ نے عنفوان شباب میں یعنی ۲۰ سال کی عمر میں خلافت اور حکومت کی باگ ڈور اپنے دست مبارک میں لی۔

حضرت امامؑ کے تخت نشین ہوتے ہی تمام فاطمی سلطنت کے عملدار اور باشندوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وفاداری پر قسم کھائی۔ آپ کے عہد حکومت میں سلطنت کے دستاویزات اور دیگر مراسلات پر خلیفہ کی حیثیت سے مہر لگائی جاتی تھی اس میں بنصر العزیز الجبار ینصر الامام النزار کا نقش کندہ تھا۔

روضۃ الصفا کی روایت کے مطابق حضرت امام عزیزؑ کی طرف سے بیعت لینے والے ان کے چچا حیدرا اور ان کے والد ماجد کے چچا ابوالفرات اور ان کے جدامجد کے چچا بھی تھے۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے علاوہ دوسری سلطنت میں ایسا اتفاق وقوع میں نہیں آیا تھا۔ بیعت کے دن حضرت امامؑ نے ایک نہایت فصیح و بلیغ نصیحت آمیز خطبہ پڑھا جس میں رعایا کو پند و نصائح سے مالا مال کر دیا۔ اور حاضرین مجلس

اس خطبہ سے بعید موثر ہوئے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے عہد سلطنت کے فاطمی سکے

مورخ لین پول لکھتا ہے کہ حضرت امام عزیزؑ کے سکے مصر (فستات) میں ۳۶۵ سنہ ہجری سے ۳۸۶ سنہ ہجری تک فلسطین (رملہ) میں ۳۶۸ سنہ ہجری سے ۳۸۳ سنہ ہجری تک - مہدیہ میں ۳۷۰ سنہ ہجری سے ۳۸۴ سنہ ہجری تک، افریقہ اور منصوریہ میں ۳۶۷ سنہ ہجری سے ۳۸۶ سنہ ہجری تک، صقلیہ میں ۳۶۶ سنہ ہجری سے ۳۷۷ سنہ ہجری تک شام کے علاقہ طرابلس میں ۳۷۴ سنہ ہجری، اور مکہ معظمہ میں ۳۶۶ سنہ ہجری میں ڈھالے گئے تھے۔

مصر کے دارالضرب میں ہر سال سکے ڈھالے جاتے تھے مگر دوسرے شہروں کے دارالضرب میں فقط ضرورت کے وقت ڈھالے جاتے تھے۔ جتنے سکے اہل یورپ کے ہاتھ آئے ہیں وہ سب طلائی ہیں۔ مگر نقرئی سکے بھی بہت زیادہ تعداد میں ڈھالے جاتے تھے۔ زمانہ کی رفتار سے سلطنتوں کے تبادلہ سے وہ سکے مفقود ہو گئے ہیں۔

حضرت امام عزیزؑ کے عہد حکومت ۳۶۶ سنہ ہجری کے ایک محفوظ طلائی دینار پر حضرت امام عزیزؑ کی عیدالاضحیٰ کے مبارک دن میں تخت امامت پر مسند نشین ہونے کی یادگار میں ڈھالا گیا جو قدیم فاطمی سکے اور اس فاطمی سکے سے مقابلہ کرنے سے اس کی عبارت میں بہت فرق دکھائی دیتا ہے۔ حضرت امام عزیزؑ کے عہد حکومت کے جتنے سکے دستیاب ہوئے ہیں ان کی عبارت پڑھنا نہایت مشکل ہے۔ اس کے ایک جانب پہلے دائرہ میں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی .... اللہ لکھا ہوا ہے۔ جہاں باریک نقطے ہیں وہاں کے الفاظ پوری طرح دکھائی نہیں دیتے۔ اور دوسری جانب کے دائرہ کے پہلے حصہ میں "عبداللہ و ولیہ الامام العزیز باللہ امیر المومنین" کے الفاظ کندہ ہیں۔ حاشیہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کے بعد دارالضرب مصر کا

نام اور ہجری ۳۶۶ھ دکھائی دیتا ہے۔ اس دینار کا وزن ۵۸ گرین گیہوں کے دانہ برابر ہے

حضرت امام عزیز (علیہ السلام) کی انصاف پروری

حضرت امام عزیزؑ کے فضائل و کمالات کے تمام مورخین ثناخواں ہیں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام عزیزؑ سخی، کریم النفس، شجاع، دانشمند، نہایت بردبار اور صابر۔ خوش اخلاق اور کثیر العفو بادشاہ تھے۔ ہمیشہ معافی کو انتقام پر ترجیح دیتے تھے مغلوب دشمن پر رحم کھاتے تھے۔ اور جود و کرم سے اس کو تونگر بنا دیتے تھے۔ عدل و انصاف میں آپ اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ عالم و فاضل و جلیل القدر ادیب و شاعر بھی تھے۔ مورخین نے آپ کے عربی اشعار کو بھی اپنی اپنی کتابوں میں ان کی خوبی اور عمدگی کا سبب درج کیا ہے۔ منافقوں کے ساتھ نہایت سختی سے کام لیتے تھے۔ آپ کو شکار کا بے حد شوق تھا۔ اور آپ ایک عمدہ شکاری بھی تھے۔ جیسا کہ "اولیری" مورخ نے لکھا ہے۔ رعایا کو اپنے سے کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت داؤدؑ کے مشہور "انصافی گھنٹے" کی طرح آپ نے بھی عدالت میں سے داخل کر دیا تھا۔ اور فریادخواہوں کی دادرسی کی جاتی تھی۔ گھوڑے۔ کپڑے اور جواہرات کے اعلیٰ درجہ کے مبصر تھے۔ اور اس فن میں آپ نہایت مشہور تھے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی مذہبی واداری

حضرت امام عزیزؑ کا رنگ گندمی تھا۔ رخسار سرخ، آنکھیں روشن اور بڑی مگر دلکش تھیں آپ کے قد و قامت کا اندازہ مثل شیر ببر کے تھا۔ آپ کے والد ماجد کی طرح آپ کو بھی عمارتیں تعمیر کرانے کا بہت شوق تھا۔ مصر میں بہت سی عمارتیں آپ کی یادگار ہیں۔

مورخین رقم طراز ہیں کہ حضرت امام عزیزؑ قبطیوں اور یہودیوں کو بہت عزیز رکھتے

تھے' اور آپ کی ایک اہلیہ نصرانیہ بھی تھیں - جن کے دو بھائیوں کو عیسوی مذہب
کے "ملاکائٹ" سلسلہ والوں کا پیٹری آرک (عبادت کا افسر) مقرر کیا تھا' نبطلی (اگرچہ
جیکوبائٹ فرقہ کے پیرو تھے - مگر اس کو قدیم خیال کے (یونانی عیسائی سلسلہ الوہیہ)
اعلیٰ درجہ کا افسر مقرر کیا تھا - اور ایک کو سکندریہ' اور دوسرے کو بیت المقدس بھیج دیا
فسطاط میں ابوالسیفین کے ویران شدہ مندر کو از سرِ نو تعمیر کرنے کے لئے قبطی پیٹری
آرک کو اجازت بخشی گئی - ائمہ سابقین کے مقابلہ میں --- اس زمانہ کی حشمت و شوکت
بہت زیادہ تھی - ایرانی صنعت کے نئی قسم کے زرّیں عمامے' طلائی مرصع پگڑی اور ایسی
بہت سی چیزیں حضرت امامؑ نے اپنے حکومت میں داخل کیں - اہل دربار اور امراء
بھی تمام اس کی پیروی کرتے تھے - ایک بار صرف ایک بڑے ریشمی ایرانی ساخت
کے پردہ کے لئے ایک لاکھ اسّی ہزار روپیہ کی عظیم الشان رقم خرچ کی گئی -
وزیر اعظم یعقوب بن کلس پیدائش سے "بنی اسرائیل" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت
میں سے تھا - اس کے والد نے اس کو شام کی طرف روانہ کیا تھا - اور وہ وہاں سے
مصر وارد ہوا تھا - جہاں اس کو خاص امیر کافور کے پاس رہنے کا شرف حاصل ہوا - اس کی
عقلمندی اور دانائی نے اسے خزانچی کے رتبہ عالی پر پہنچایا - ۳۵۶ ہجری میں وہ اسلام
کے پاکیزہ خیالات کا گرویدہ ہو کر مسلمان ہو گیا - مگر اتفاقاً اسی سال امیر کافور کی وفات
ہوئی اور مصر میں بدامنی پھیلی تو وزیر ابن الفرات نے یعقوب کے تمام مال و دولت کو
لوٹ کر اسے قید کر دیا - یہاں اس نے چوکیداروں اور پاسبانوں کو سمجھا بجھا کر قید
سے فرار ہو کر سیدھا قیروان آیا - اور حضرت امام معزؑ کے ظلّ عاطفت میں پناہ لی -
ہم نے پہلے لکھا ہے کہ فتح مصر کے وقت غازی جوہر کے ہمراہ یعقوب بن کلس
بھی روانہ کیا گیا تھا - اسی وقت سے حضرت امامؑ کی نظر التفات اس پر دن بدن
بڑھتی گئی - اور آپ کی وفات کے زمانہ میں یعقوب وزیر اعظم کے مرتبہ عالی تک
پہنچ چکا تھا -

حضرت امام عزیزؑ نے بھی مسند نشین ہونے کے بعد اسے وزیر اعظم کے مرتبۂ جلیل کو برقرار رکھا۔ یعقوب علوم و فنون کا نہایت شائق تھا۔ دوسرے وزراء بھی اس کے شوقین تھے۔ مگر اس کا ذوق علم بہت زیادہ تھا۔ بنو فاطمہ اپنے مذہبی دعوؤں کی بناء پر مسند خلافت کے مالک تھے۔ اور تخت سلطنت پر قابض تھے۔ اس لئے ان کی مخالفت اور دوسرے خلفاء کی متابعت کیلئے باقاعدہ پروپگنڈا کیا جاتا تھا۔ اس ترغیب وتحریص کو عمل میں لانے کے لئے ایک جماعت علماء زمانہ مخالفوں نے قائم کر رکھی تھی، مخالفین کو دنداں شکن جواب دینے کے لئے وزیر اعظم نے بھی ایک مجلس علماء کی یہاں قائم کی اور اس استحکام کیلئے سرکاری وظیفہ حاصل کیا۔ تاکہ اس میں سے ایسی دینی کتابوں کی اشاعت ہو۔ جن سے ان کی تعلیم وتدریس بھی جاری رہے اور مخالفوں کے سامنے یہ مجلس ڈھال بن کر دین کو استہزاء سے بچائے اور سلطنت مستحکم اور مضبوط ہو۔ یعقوب بن کلیس نے خود کئی کتابیں تصنیف کیں اور ان کتابوں کی تعلیم وتدریس کے لئے ایک یونیورسٹی (دارالعلوم) قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

جامع ازہر کی تجویز

حضرت امام عزیزؑ جو مصر کے دوسرے فاطمی خلیفہ تھے۔ ان کے زمان سعادت نشان میں وزیر یعقوب بن کلیس نے ایک یونیورسٹی کی سکیم تیار کر کے اس کے اخراجات کی منظوری حضرت امامؑ سے حاصل کی ابتداء اس میں فقط ۳۵ طلباء شامل کئے گئے۔ اور ان کے درس وتدریس وغیرہ کا انتظام غازی جوہر کی تعمیر کردہ جامع ازہر میں کیا گیا "الازہر" کے نام میں بھی ایک خاص معنی یہ ہے کہ اسمٰعیلی ائمۃ بنو فاطمہ ہونے کے لحاظ سے ایسا نام تجویز کیا۔ جو ان کے حسب ونسب پر دلالت کرے۔

حضرت فاطمہ کا لقب مبارک "الزہرا" (روشن) ہے اور انہیں کے نام پر عزت واحترام کے لحاظ سے اس کو ازہر نام نامزد کیا۔ الزہرا مونث کا صیغہ ہے



جامع ازہر: ۔فاطمی خلیفہ حضرت مولانا شاہ المعزؑ نے اس کا سنگِ بُنیاد رکھا
تھا۔ اور دیگر فاطمی خلفاء کے زمانۂ سلطنت میں ایک عظیم الشان یونیورسٹی
کی حیثیت سے مشہور رہوئی تھی جو آج بھی موجود ہے۔

اور اس کا صیغۂ مذکر "ازہر" ہے یہی دار العلوم ابتدا میں ایک معمولی درس گاہ تھا بعد میں ایک عالی شان یونیورسٹی بن گیا۔ اس دار العلوم میں ۳۱۷ پروفیسر (فارغ التحصیل علماء) درس دیتے تھے۔ طلباء کی تعداد ۹۷۵۸ تھی۔ بنو فاطمہ کی سلطنت کے اختتام کے بعد دوسرے قبائل نے کئی مسلم سلاطین نے اس کے بنیادی اصول اور مقاصد کو بدل کر اس کو قدیم خیالات کی ایک معمولی درس گاہ بنا دیا۔

جامع ازھر کے وہ کون سے امور تھے جن سے دوسری درس گاہوں کا ضعف آشکارا ہوتا تھا۔ اگرچہ امور پوری طرح واضح نہیں تاہم اسپین اور عراق یونیورسٹیوں کی بہ نسبت مصر کی یونیورسٹی اب تک قائم ہے اور اس سے ہی ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس زمانہ میں اسلامی ممالک کے اندر کہیں ایسا کوئی دائرۃ العلم نہ تھا۔ ایسی حالت میں اسلام کا دار الخلافت علمی مرکز قاہرہ تھا ائمہ علیہم السلام نے بھی اس کو بزرگی اور عظمت عطا کی تھی۔ قسطنطنیہ میں غیر ملکی زبان بولی جاتی تھی ازہر دار العلوم جیسی ان دونوں اور دوسرے بہت سے دار العلوم تھے۔ اور اس کے بعد مملوک کے عہد سلطنت میں اپنا نام باقی رکھنے کی غرض سے ایک بادشاہ نے ایک درس گاہ قائم کیا۔ اور اس کے استحکام اور تعمیر کیلئے زرِ کثیر بھی صرف کیا۔ مگر ازھر یونیورسٹی کی روز افزوں ترقی ہوتی ہی رہی۔ اس لئے کہ وہ سب سے قدیم درس گاہ تھی۔ اور اس کا نام اسلامی دنیا میں نہایت مشہور تھا۔ اس دار العلوم کے سوا دوسرے دار العلوم نے ایسے نامور اور جلیل القدر علماء اور فقہا نہیں پیدا کئے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے حدودِ سلطنت

حضرت امام عزیزؑ کے عہد سلطنت میں "تاریخ اسلام" کے لکھنے کے مطابق فاطمی سلطنت کے حدود میں بہت معقول اضافہ ہوگیا تھا۔ ہمیص (ایمسا)، حمات۔ سیزر اور حلب اِن تمام شہروں کو فتح کرکے فاطمی سلطنت میں ملا لیا گیا تھا۔ ۳۸۲ھ ہجری

میں موصل کا حاکم مخلد بن معیب عقیلی نے اپنے خود مختار حکومت موصل۔ مدائن۔ کوفہ اور انبار وغیرہ میں بھی حضرت امامؑ کے سکے رائج کر دیے۔ اور خطبہ میں حضرت امامؑ کا اسم مبارک جاری کیا۔

فوج کا جدید انتظام

اب تک بنو کتامہ ہی سے تمام فاطمی لشکر مرتب تھا۔ اور وہ فاطمیوں کے نہایت معتمد اور فدائی سپاہی تھے۔ اس سبب سے ان کو بہت کچھ اقتدار حاصل تھا دشمنوں کے مقابلہ میں وقتاً فوقتاً جنگ میں جایا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو مستقل اور مضبوط بنانے میں حضرت امامؑ نے بھی نہایت جانفشانی کی تھی۔ مگر اس خیال سے کہ بربری ہی تمام سپید و سیاہ پر مسلط نہ ہو جائیں۔

حضرت امامؑ نے ترکوں، ایرانیوں (اور دیلمیوں) کی بھی ایک فوج بھرتی کی مصر میں بربری کتامی وغیرہ مغربی ممالک کے لوگ مغاربہ اور ترک و عجم ممالک مشرقی کے لوگ مشارقہ کے نام سے منسوب تھے۔

دمشق میں ابن ماروونامی ایک شخص ناصحی سہ ور کے ماتحت مفسدوں کو لے کر بنو فاطمہ کے مقابلہ کے لئے تیار رہا۔ اور اسی اثنا میں ان کو معلوم ہوا کہ ترکی امیر افتگین شام میں ایک لشکر کے ہمراہ وارد ہوا ہے۔ افتگین سے مراسلت شروع کی جس میں وعدہ کیا کہ اگر فاطمیوں کو دمشق سے دور کر دے تو اس کے معاونہ میں اہل دمشق اسے اپنا امیر بنائیں گے۔

امیر افتگین کی جنگ میں شمولیت

مورخ ابو الفداء کی رقمطراز ہے کہ اہل دمشق کو چونکہ فاطمیوں سے عناد تھا۔ اس لئے اس سے پورا فائدہ حاصل کرنے کے لئے افتگین بلایا۔ اور اہل دمشق کی شرطوں کو منظور کر کے ثانیہ العقبی تک آگے بڑھ آیا۔ اس زمانہ میں فاطمیوں نے

سُنا کہ یونانی شام میں طرابلس پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وران کا راستہ قطع کرنے کے لئے دمشق سے ایک لشکرلے کر یونانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر آئے جس سے افتگین کے تمام دروازے کھُل گئے۔ اور وہ بغیر کسی مخالفت کے دمشق میں داخل ہوگیا۔

وہاں سے افتگین عربوں کو گوشمالی اور سزا دینے کے لئے بعلبک روانہ ہوا۔ اور یہاں کے تمام عرب نے بنی فاطمہ کی امداد کرکے اس کی مخالفت کی۔ مگر یہاں پر یونانیوں کا لشکر یکایک ٹوٹ پڑا۔ اور یونانیوں نے بعلبک کو لوٹ کر آس پاس کے شہروں کو بھی ویران کردیا۔ افتگین بمشکل تمام وہاں سے جان بچا کر بھاگا۔ اور دمشق میں آکر چھپ گیا۔ یونانیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اسے یہاں آکر پکڑا۔ اس آتی ہوئی آفت کو دور کرنے کے لئے اہل دمشق کو یونانیوں سے صلح کرنے پر افتگین نے رضامند کرلیا۔ انہوں نے معاوضہ میں ایک بہت بڑی رقم طلب کی۔ پھر اہل دمشق کی فہمائش سے وہ یونانیوں کے چھاؤنی میں چلا گیا اور وہاں جا کر یونانیوں سے اتنی بڑی رقم ادا کرنے سے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا چونکہ یہاں ابن ماردوا اور اس کے ہمراہیوں کی حکومت ہے لہٰذا وہ اس امر میں لاعلاج ہے انجام کار یہ ہوا کہ یونانی شہنشاہ جان زیمی سیس نے اپنے افسروں کو دمشق روانہ کیا۔ جو ابن ماردو کو گرفتار کرکے شہنشاہ کے سامنے لے گئے۔ اور شہر دمشق کو لشکریوں کے پنجے سے نجات حاصل ہوئی۔ یہاں جب افتگین کو شہر دمشق پر پورا قبضہ حاصل ہوگیا۔ اس وقت بیس ہزار طلائی سکے اہل دمشق سے نہایت سختی اور تشدد سے وصول کرکے شہنشاہ یونان کو جرمانہ ادا کیا۔

افتگین نے دمشق کی تمام حکومت حاصل کرکے بغداد کے عباسی خلیفہ کی بزرگی اور اطاعت قبول کرلی مگر وہ بنو فاطمہ سے خائف رہا کرتا تھا کہ کسی نہ کسی وقت بنو فاطمہ ضرور دمشق پر حملہ کریں گے۔ لہٰذا اس نے اب" لہسا"

کے قرمطیوں سے مراسلت شروع کی۔ اس وقت قرمطیوں کا پایۂ تخت بحرین تھا اور قرمطیوں نے افتگین کی معاونت منظور کر لی ان کا ایک بڑا لشکر دمشق آ پہنچا۔ اور عرصہ تک چھاؤنی ڈالے پڑا رہا۔

دمشق کا سیاسی معمہ

حضرت امام معزؑ نے اپنے وارث کے لئے شام کا اہم مسئلہ حل کرنے کے واسطے چھوڑ گئے تھے۔ جب بنو فاطمہ نے مصر فتح کر لیا۔ اسی وقت سے شام کے خطرہ کا ذکر شروع ہوا تھا۔ اور وہ ابتدا سے ہی مصر کے لئے ایک اہم مسئلہ تھا۔ حضرت امام معزؑ نے اپنی وفات کے وقت تین صدائیں وزیر اعظم یعقوب بن کلیس کو فرمائی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ جمعہ کے خطبوں میں اور رائج سکوں میں حضرت امامؑ کا نام جاری رکھیں تو حمدانیوں سے صلح رکھنا بہتر ہے۔ اور اسی طرح اہل یونان سے بھی سلوک کیا جائے۔ شام کو تابع فرمان رکھنا شاہان مصر کے لئے مصر بلکہ مہلک ثابت ہوا ہے۔ لہٰذا بنو فاطمہ کے خلیفہ کی بزرگی اور اس کے ظل عاطفت کو اگر قبول کر لیں۔ تو بس اتنا ہی کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مشورہ میں حضرت امامؑ نے نہایت دانائی اور دوراندیشی سے کام لیا۔ اور اس وقت زمانہ کا یہی اقتضا تھا کہ سنبھل کر پیش قدمی کی جائے۔ قرمطیوں کی طرف سے بھی مصر کو ہمیشہ خوف لگا رہتا تھا۔ صرف اپنی مطلب برآری کیلئے قرمطیوں نے افتگین سے اتحاد کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ چونکہ افتگین نے فاطمی گورنر ابن ماذد کو دمشق سے بھگا دیا تھا۔ اس لئے فاطمیوں کا خاتمہ اور ان کے وجود کا تمام دار و مدار افتگین پر تھا۔

غازی جوہر دمشق کے میدان جنگ میں

حضرت امام عزیز نے دمشق کا سوال غازی جوہر کے سپرد کر دیا۔ اور ان کے ماتحت ایک بہت بڑا لشکر دیا۔ غازی جوہر کے آمد کی خبر قرمطیوں نے اپنے جائے قیام رملہ میں سنی۔ اور عکہ کے سامنے افتگین نے اپنی چھاؤنی ڈالی تھی۔ غازی جوہر کی آمد کی خبر نے قرمطیوں کے ہوش و حواس اڑا دیئے اور وہ رملہ سے فوراً فرار ہو گئے۔ غازی جوہر نے رملہ پر قبضہ کر لیا۔ قرمطیوں میں سے بعض تو اپنے وطن "لحسا" کی طرف فرار ہو گئے۔ اور باقیماندہ اطراف میں منتشر ہو گئے۔

افتگین نے جب اپنی ایسی ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو وہ تابیریا کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ جہاں اس نے منتشر قرمطیوں کو اپنے تحت حکومت جمع کیا۔ اور ان کے ہمراہ اپنی ترکی فوج لے کر غازی جوہر کے مقابلہ کیلئے جنگ کی تیاری کی۔ پہلے اس نے ہاؤران اور دمشق کے قریب کے علاقہ "لینیا" سے جنگی سامان حاصل کیا۔ اور شہر کے محاصرہ کے اندیشہ سے غلہ وغیرہ کا بھی پورا بندوبست کر لیا۔ ۳۶۵ھ ہجری ذی القعدہ مہینہ کے اواخر میں غازی جوہر نے بھی وہاں آ کر دمشق کے قریب اپنی چھاؤنی ڈالی۔ اور اس کے ہر چہار طرف خندقیں کھدوائیں اپنے لشکر کے آمد و رفت کیلئے فقط ایک چھوٹا سا راستہ درمیان میں رکھا۔ افتگین نے اپنے سردار قاسم شریب کو شب خون مارنے کے لئے اور اگر ضرورت پڑے تو پورا مقابلہ کرنے کی بھی ہدایت کی۔ ایک معمولی باقاعدہ لشکر بھی شہر میں رکھ دیا۔

جنگ شروع ہوئی۔ اور ۳۶۶ھ ہجری ۱۱ ربیع الآخر تک جاری رہی مگر باقاعدہ جنگ نہ ہونے سے فاطمیوں کے لئے کوئی مفید اثر نہیں دکھائی دیا۔ غازی جوہر کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ افتگین نے بھی شہر چھوڑ کر فرار کا ارادہ کیا۔ مگر دمشق سے روانہ ہونے سے پہلے چہار طرف حتی الامکان معاونت کی کوشش کی آخر میں

اس کی اُمید پوری ہوئی اور قرمطیوں کے سردار حسن بن احمد الاعصم کے آنیکی خبر ملی۔ غازی جوہر نے جب اس خبر کو سُنا تو آپ نے مناسب یہ سمجھا کہ افتگین سے صُلح کریں۔ اور افتگین کے مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب غازی جوہر نے وہاں اپنی واپسی منظور کی۔ اور بعد ازاں غازی جوہر تا بیریا میں آپہنچے۔ قرمطیوں نے جب یہ سُنا تو انھوں نے غازی جوہر کا تعاقب کیا اور دونوں لشکر کا رملہ میں مقابلہ ہوا۔ ایک معمولی لڑائی ہوئی۔ اور قرمطیوں کا سردار حسن بن احمد قتل کیا گیا۔ اب اس کا عہدہ حسن کے چچازاد بھائی جعفر کو تفویض کیا گیا۔ اب اس وقت ابوسعید کے چھ فرزندوں میں سے ایک ہی زندہ فرزند یوسف کی ماتحت قرمطی لشکر آیا۔ اس کے بعد یہ قاعدہ بنا دیا گیا کہ چھ سیدوں کے ماتحت قرمطی لشکر رہا کرے۔ اور فی الحقیقت ان ۶۔ اشخاص ہی کی الیکٹیڈ ملیٹری کاؤنسل (منتخب لشکری مجلس) ہوا کرتی تھی

پیغام صُلح

قرمطیوں کے سردار حسن بن احمد کی وفات کے بعد قرمطیوں اور افتگیوں کے مابین جھگڑا پیدا ہوا۔ اس لئے دونوں میں باہم ان بن ہوگئی اور وہ علیحدہ ہوگئے۔ مگر باوجودیکہ افتگین ہمت نہ ہارا اور غازی جوہر سے جنگ کا ارادہ کیا۔ دونوں لشکر کے درمیان جنگ ہوئی۔ غازی جوہر کو شکست ہوئی اور وہ اصقلان کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس فتح سے خوش ہو کر اس نے اصقلان کا محاصرہ کیا حضرت امامؑ کو جب مصر میں اپنے لشکر کی شکست کا حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے خود بہ نفس نفیس جنگ میں شامل ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر لڑائی کی تیاری میں کچھ دیری ہوئی اور اس اثنا میں افتگین اور غازی جوہر کے مابین صلح کے پیغام جاری ہوئے اور دو شرطوں پر صُلح ہوگئی۔

(شرط اول) غازی جوہر معاوضہ میں کچھ رقم ادا کریں۔

(شرط دوم) انتقلانِ شہر کے دروازہ پر افتگین اپنی تلوار لٹکادے اور اس کے نیچے سے تمام فاطمی لشکر خاموشی کے ساتھ یکے بعد دیگرے گذر ے۔ چونکہ فاطمی لشکر بُری طرح محاصرہ میں تھا۔ اس لئے اس کو بھی غنیمت سمجھکر رہائی حاصل کی۔ اور رملہ کے راستہ سے کوچ کیا۔

حضرت امام عزیز (علیہ السلام) میدان جنگ میں

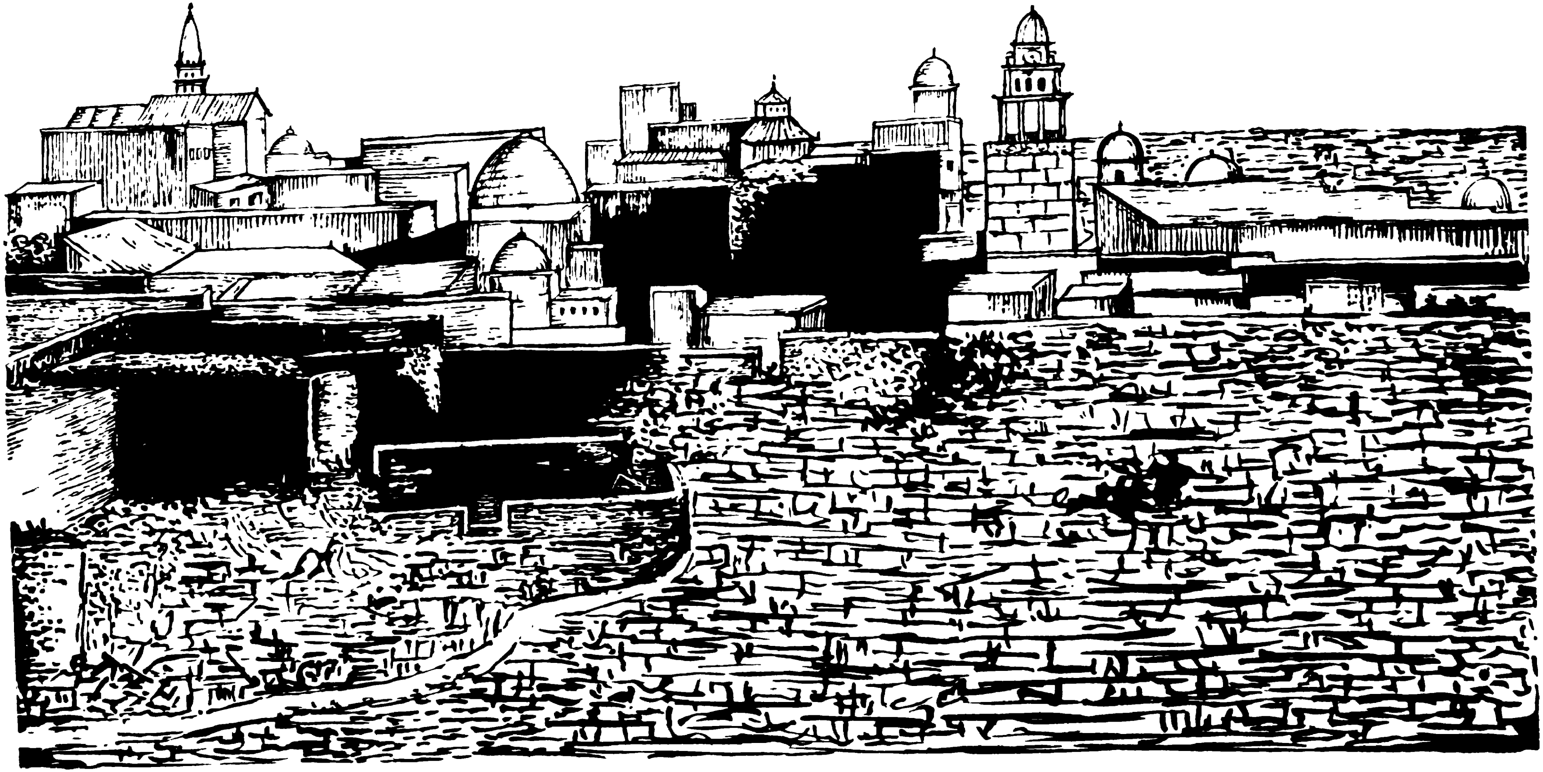
چونکہ حضرت امام عزیز لشکر جرار کے ساتھ غازی جوہر کی امداد کیلئے تشریف لارہے تھے۔ راستہ ہی میں غازی جوہر سے ملاقات ہوگئی۔ اور افتگین پر پھر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ دونو لشکر متحد ہوکر دمشق کی طرف آگے بڑھا تا بیرپا میں افتگین کو یہ خبر پہنچی اور تھوڑے عرصہ میں فاطمی لشکر دشمن کی سرحد میں آپہونچا۔ دونو لشکروں میں مقابلہ شروع ہوا۔ دمشق کی شکست سے فاطمی جھنڈا وہاں لہرانے لگا۔ اور تھوڑے عرصہ میں افتگین بالکل مغلوب ہوگیا۔ اسلئے وہ فوراً وہاں سے بھاگا یہ لڑائی ۲۳ محرم ۳۶۸ھ ہجری میں پنجشنبہ کے روز ہوئی تھی۔ چونکہ فاطمی لشکر نے اس کی تلاش کی۔ مگر کچھہ پتا نہ ملا۔ بعد ازاں فاطمی لشکر کے چند سپاہیوں نے افتگین کو گرفتار کرکے حضرت امام عزیزؑ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اور وہاں سے اُسے دوسرے ترکیوں کے ہمراہ مصر پہنچا دیا۔

روضۃ الصفا میں مرقوم ہے کہ افتگین کی نظر جب حضرت امامؑ کے لہراتے ہوئے علم پر پڑی تو اس پر ایک خوف طاری ہوگیا۔ حضرت امامؑ کے رعب داب سے وہ بالکل مرعوب ہوگیا۔ اور نہایت مودبانہ طریق پر مرجھائے ہوئے چہرہ سے آگے بڑھ کر حضرت امامؑ کے گھوڑے کے رکاب کو تھام کر بوسہ دیا اور حضرت امامؑ نے معافی بخشی۔

افتگین کا انجام

قاہرہ میں پہنچنے کے بعد حضرت امامؑ نے افتگین کو بہت سے انعامات و خلعت اور رہنے کے لئے ایک عالی شان مکان اسے مرحمت فرما کر دربار میں معزز مہمان کے شایان شان ایک ممتاز جگہ پر اس کی نشست مقرر کی۔ افتگین کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے ملاقاتیوں سے بار بار کہتا تھا کہ حضرت امام عزیزؑ کے حضور میں سواری مجھے نہایت بے ادبی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی مجھے طاقت نہیں ہے اور آپ کے انعام و اکرام کے بار گراں سے میں دب گیا ہوں۔

حضرت امامؑ نے جب اس بات کو سُنا تو آپ نے اپنے چچا حضرت حیدر سے فرمایا۔ کہ یا عمی قسم بخدا لوگوں کو بخششوں سے دبے ہوئے اور سونے چاندی و جواہرات سے مرصع چیزوں سے ان کو زیب و زینت میری جانب سے حاصل ہوئی۔ یہ بات میرے لئے نہایت تشفی آمیز اور باعث تسکین ہے یہ دیکھ کر حضرت امامؑ کی فیاضی اور کریم النفسی پر لوگوں نے نکتہ چینی شروع کی حضرت امامؑ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے افتگین کو مزین لباس پہنا کر تمام شہر میں گشت کرانے کا حکم صادر کیا۔ بعد ازاں حضرت امامؑ نے افتگین کو ایک کثیر رقم عنایت کی۔ اس کو اور دوسرے تمام بقیہ یا قبیلہ کے سرداروں کو خلعت فاخرہ سے نوازا۔ اور فاطمی علمداروں سے فرمایا۔ کہ ان کی مہمان نوازی کریں۔ اس حکم کے صادر ہوتے ہی میزبانیاں شروع ہو گئیں اور ان کے بعد حضرت امامؑ نے افتگین سے پوچھا۔ کہ کیوں افتگین تم کو ان میزبانیوں سے کچھ حظ اور مسرت حاصل ہوئی۔ افتگین نے تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ پھر ایک تجویز شروع ہوئی کہ فنون جنگ سے واقف



شہرِ ٹیونس کا ایک منظر

کارہ سپاہیوں کا ایک ترکی لشکر تیار کیا جائے اور قاہرہ میں جتنے ترکی اور دیلمی قیدی تھے۔ ان کی رہائی کر کے افتگین کو ان کا سردار بنا دیا گیا۔ اور حضرت امامؑ نے اس لشکر کو اپنا محافظ (باڈی گارڈ) بنایا۔ ۳۷۲ھ ہجری میں افتگین فوت ہو گیا اس وقت تک حضرت امامؑ کی نظر عنایت اس پر یکساں ہی اور افتگین بھی اس کے معاوضہ میں ایک غلام کی طرح اپنا فرض ادا کرتا رہا۔

یوسف زیری کو طرابلس عنایت کیا گیا

تاریخ الاسلام کا مصنف لکھتا ہے کہ یوسف (بلکین) بن زیری نے تمام مغربی ممالک پر تسلط قائم کرنے کے بعد حضرت امامؑ سے درخواست کی کہ طرابلس کا ملک اور اس کے علاقے کے تمام شہروں کو اس کے ماتحت سونپ دیا جائے چنانچہ ۳۶۶ھ ہجری میں طرابلس کا ملک جس میں علاقہ سرت اور اجدابیہ بھی شامل تھا۔ بلکین کے ماتحت کر دیا گیا۔

بلکین نے ملک مغرب میں قبائل زناتہ کی بغاوت کو فرو کیا۔ اور عبیس ابن ام الانصار کو جس نے نبوت کا دعوی کیا تھا شکست دے کر قتل کیا۔ بنی ادریس کا پایہ تخت "فاس" نیز درسجلماسہ پر دوبارہ قبضہ کر کے اسپین کے بنی امیہ سے جنگ کر کے مغرب الاقصیٰ کے ان علاقوں کو چھین لیا۔ جو انہوں نے دبا لئے تھے۔ ان کی حکومت ختم کر دی۔

۳۷۳ھ میں بلکین کا انتقال ہوا۔ اور اس کا لڑکا منصور طرابلس اور ٹیونس کا حاکم ہوا تو اس نے حضرت امام عزیزؑ کو دس لاکھ دینار کا ہدیہ ارسال کیا۔ یوسف زیری کے فوت ہوتے ہی موقع کو غنیمت جان کر بنی امیہ نے مغرب الاقصیٰ پر پھر قبضہ کر لیا۔

صقلیہ کے سیاسی حالات

۳۶۸ھ ہجری میں صقلیہ کے فاطمی گورنر نے صقلیہ میں کستنہ اور قلوریہ میں طارنت اور عرواٹیہ فتح کرلیا۔ ۳۷۱ھ ہجری میں بردویل شاہ فلانڈرز جو جنگ صلیبی کیلئے جارہا تھا راہ میں قلعہ مالطہ فتح کرلیا۔ اور اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے صقلیہ کا گورنر جو آیا تھا شکست کھاکر مارا گیا۔ اہل صقلیہ نے میدان جنگ میں وہیں اس کے بیٹے جابر کو گورنر بنا لیا۔ اور فاطمی فوج نے ایسا جان توڑ حملہ کیا کہ بردویل شکست کھا کر بھاگا۔ جابر نے صقلیہ کی طرف مراجعت کی۔ مگر چونکہ وہ ملکی امور میں کچا تھا۔ اس لئے حضرت امامؑ نے اسے معزول کرکے ابوالقاسم کے بھتیجے جعفر بن محمد بن حسن الکلبی کو صقلیہ کا گورنر بنا دیا۔ ۳۷۵ھ ہجری میں اس کی وفات پر جعفر کے بھائی عبداللہ کو گورنری ملی اور ۳۷۹ھ ہجری میں عبداللہ کی وفات پر ابوالفتوح یوسف بن عبداللہ کو یہ عہدہ جلیلہ سونپا گیا۔

دمشق میں پھر حضرت امام (علیہ السلام) کا جھنڈا بلند ہوا

افتگین نے جب حضرت امامؑ کی متابعت اختیار کرلی اس کے بعد کے حالات ہم نے نامکمل ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے اس کا بیان یہاں کیا جاتا ہے۔ افتگین دمشق سے غیر حاضری کے زمانہ میں ایک وزیر حسام دمشق پر قابض ہوگیا تھا۔ اور چونکہ وہ حضرت امامؑ کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا اس لئے آپ نے اس کو دمشق پر بحال رکھا مگر ۳۷۲ھ میں حضرت امامؑ نے اسے معزول کرکے اسے مصر بلا لیا۔ اور اس کی جگہ پر خطلج کو دمشق کا گورنر بنا دیا۔ چونکہ اس کی حکومت بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اس لئے بکجور کو دمشق کی گورنری عطا ہوئی۔ مگر اس کا بھی سلوک آگے جاکر رعایا کے ساتھ ٹھیک نہ رہا۔

بلجور کی رعایا کے ساتھ بدسلوکی کے باعث حضرت امامؑ نے ۳۸۳ھ ہجری میں معزول کر کے اپنے مملوک منیر کو دمشق کا گورنر جنرل بنایا مملوک منیر دمشق میں سکونت پذیر ہو کر اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ اور جب حکومت پر پورا تسلط حاصل ہو گیا۔ تو خود مختار سلطنت قائم کرنے کی ہوس اسے دامنگیر ہوئی اس لئے ۳۸۶ھ ہجری میں اس نے سرتابی کی۔ حضرت امامؑ اس کی اس بے ایمانی اور خیانت پر بے حد برہم ہوئے اور آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک آزاد سردار منجو تگین کو دمشق روانہ کیا۔ جس نے جاکر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ مملوک منیر نے کبر وغرور سے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر منجو تگین کے سخت حملہ کے سامنے مملوک کی کچھ نہ چلی اور آخر وہ شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ اس جنگ کے بعد دمشق پر دوسری بار فاطمی عَلَم لہرانے لگا۔

بیت المقدس کی لوٹ مار

۳۶۹ھ ہجری میں بیت المقدس کے تمام عرب اور بنی طے کا مشہور سردار امیر مفرج بن دغفل بن الجراح بہت طاقتور ہو گیا۔ اور اپنی طاقت کو لوٹ مار میں صرف کرنے لگا۔ اس نے نواح رملہ میں لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ حضرت امام عزیزؑ نے اس سال میں اپنے ایک سردار بلتگین نامی کو اس کی سرکوبی کیلئے ایک لشکر دے کر روانہ کیا۔ امیر مفرج فاطمی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور شکست کھا کر وہاں سے بھاگ کر انطاکیہ کے رومی گورنر کی پناہ میں اور پھر سعد اللہ ہمدانی کے علاقہ حمص میں چلا گیا۔

غازی جوہر کی وفات

غازی جوہر نے اپنی تمام زندگی کے ایام حضرت امامؑ کے خدمت ہی میں مخلصانہ گذارا۔ ابن خلیکان کی روایت ہے کہ غازی جوہر نے اپنی تمام زندگی ملکی خدمت

میں گذاری اور بنی فاطمہ کے عہد سلطنت میں اپنی شجاعت و لطافت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ فاطمی سلطنت کی تاریخ میں ان کا نام جلی حروف میں لکھا جاتا ہے۔ شام کی آخری جنگ کے بعد آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام حضرت امامؑ کی خدمت میں رہ کر عزلت میں بسر کئے۔ ۳۹۱ھ سنہ ہجری ۲۰ ذی قعدہ کو غازی جوہر قائد القواعد مصر میں فوت ہوئے ہیں۔ حضرت امام عزیزؑ خود آپ کے جنازہ کے ساتھ تشریف لاکر نہایت عزت و کرامت سے ان کو دفن کیا۔

جلیل القدر فاطمی وزیر اعظم

یعقوب بن کلیس نے فاطمی حکومت کے وزارت عظمی کے درجہ پر فائز رہ کر پندرہ سال تک خدمت کی اور شہر کے امن و امان اور سلطنت کو سیاسی حیثیت سے نہایت اعلی پیمانہ پر پہنچا دیا۔ ۳۶۸ھ سنہ ہجری میں یہ فوت ہوئے یعقوب ابن کلیس کی جاہ و حشم کے بارہ میں مورخ مارکولیتھ لکھتا ہے کہ ان کے زر و جواہرات اور مال و متاع کی تفصیلات جو ہمیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وزیر کا رعب و داب کیسا رہا ہوگا۔ جواہرات اور رائج سکوں کے علاوہ اور دوسرے تمام مال و متاع جو یعقوب بن کلیس نے اپنی میراث میں چھوڑا تھا۔ اس کی قیمت تقریبًا تین کروڑ روپیہ ہوتی ہے۔ اپنی ایک صاحبزادی کے جہیز کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ مقرر کر گئے تھے۔ سابق وزراء کی طرح انھوں نے بھی اپنے لئے ایک باڈی گارڈ محافظ لشکر رکھا تھا۔ اور ان کی تعداد ۴۰۰۰ تھی۔ وزیر یعقوب اپنے باڈی گارڈ کے اعتماد پر اپنا سارا کام نہایت بے خوف ہو کر انجام دیتا تھا۔

حضرت امامؑ کے بھائی حضرت ابو علی تمیم بھی عقل و تمیز میں سب سے فائق تھے اور آپ ایک اعلی درجہ کے بے نظیر شاعر تھے آپ کے نظموں کا ایک بڑا ذخیرہ یتیم الدھر ثعلبی کی تصنیف میں دکھائی دیتا ہے۔ دول المنطقیہ کے مصنف کی روایت

کے مطابق ان کی وفات ۳۶۳ سنہ ہجری ذیقعد کو مصر میں ہوئی۔ آپ کی تجہیز و تکفین بھی حضرت امامؑ نے خود تشریف لاکر ادا کی اور انہی کے باغ میں دفن کئے۔ قاضی النعمان کے فرزند محمد ابن نعمان نے ان کو غسل دیا تھا۔ آپ کی لاش جبہ میں لپٹی گئی تھی۔ اور کرآفا کے قبرستان کی مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی تھی۔

قاضی محمد ابن نعمان کی وفات

قاضی محمد ابن نعمان چودہ سال تک مسجد کے پیش نماز اور محکمہ دار الضرب اور اوزان و مساحت کے افسر اعلیٰ تھے آپ کو قاضی القضاۃ کا اعلیٰ مرتبہ بھی عنایت کیا گیا تھا اسکندریہ، حرمین، اور شام کی قضاءت بھی آپ کے ذمہ تھی۔ قاضی نعمان کے فرزند عبد العزیز کی شادی غازی جوہر کی دختر نیک اختر کے ساتھ ہوئی تھی۔ حضرت امامؑ نے بہت سی نوازشوں سے انہیں مشرف کیا تھا۔ قاضی محمد ۳۸۹ سنہ ہجری میں فوت ہوئے۔

حضرت امام عزیز (علیہ السلام) اور نصاریٰ

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ حضرت عزیزؑ کی ایک بی بی نصرانیہ تھیں اور ان کے دو بھائی "پیٹر یارک" تھے۔ مورخ لین پول کا قول ہے کہ حضرت امام عزیزؑ کے وقت میں عیسائیوں کو جتنی مذہبی آزادی اور سہولت حاصل تھی۔ ایسی انہیں پہلے کبھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ جو اپنی معلومات میں اضافہ کے لئے آپ اسموئین کے سبب سیویرس کو قاضی النعمان جیسے فقیہ علامہ کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے پر ترغیب دیتے رہے تھے۔ حضرت امام عزیزؑ کے دربار میں دو سال تک عیسیٰ بن نیدسٹورس نامی نصرانی وزیر تھا۔ لشکری کاموں میں ترکی اور بربری خوب ہی ہوشیار تھے۔ مگر دیوانی کارروائیوں کو وہ بخوبی نہ انجام دے سکتے تھے۔ اس لئے اس محکمہ میں غیر مسلموں

کو ملازمت دی جاتی تھی۔ حضرت امامؑ کے سلطنت کے آخری عہد میں یونانی شہنشاہ نسل سے مقابلہ کے لئے چھ سو بحری جنگی بیڑہ تیار کرایا تھا۔ اس بیڑہ کے گیارہ جہازات کو جونیل ندی کے مقس بندرگاہ میں لنگرانداز تھے۔ کسی نے نذر آتش کر دیا۔ جہاز کے آس پاس جو یونانی رہتے تھے۔ ان پر ملاحوں اور عملداروں کو شک ہوا۔ اس لئے ایک بلوہ کو جلد فرو کر دیا۔ اور چھ مہینہ کے عرصہ میں بن منیسٹور یس کی کوشش سے چھ جہازات نہایت عمدہ دوسرے نئے تیار کئے گئے۔

روپے پیسے کی رشوت دینے اور لینے کی بری عادت کو حضرت امامؑ بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے ہر قسم کے انعامات و ھدیات بطور رشوت لینے کی رسم کو بالکل بند کرا دیا۔ اور ہر ایک عملدار اور شاہی محل کے نوکروں کو ایک مقررہ رقم ماہانہ اس قدر دی جاتی تھی۔ جس سے ان کو طمانیت ہو جاتی۔

اہل حلب کی اطاعت

حضرت امام عزیزؑ چونکہ کئی سال سے سلطنت کے اور دوسرے امور میں مشغول تھے۔ اس لئے حلب کے امیر حمدانی سردار سیف الدولہ نے اپنی قوت بڑھا کر سلطنت حلب کو غصب کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اتنے میں وہ فوت ہو گیا۔ اس کے فرزند ابو الفضائل نے اپنے والد کے تمام کاروبار کو سنبھال کر فاطمیوں کے ساتھ تکمیل مقصد کے لئے چھیڑ چھاڑ بھی شروع کر دی۔ مگر چونکہ اس میں اتنی ہمت و طاقت نہ تھی کہ فاطمی بہادروں سے مقابلہ کرے اس لئے اس نے یونانی شہنشاہ سے مدد طلب کی۔ اور اسی وقت اس کو ان سے امداد حاصل ہو گئی۔ اس میں شہنشاہ کا سیاسی مقصد یہ تھا۔ کہ دو مسلم حکومتوں کو آپس میں لڑوا کر وہ مضبوط ہو جائے۔ اور نصاریٰ کے شہروں میں سے شہر انطاکیہ پر قبضہ کرنے میں اس کو زیادہ دقت نہ ہو۔ فاطمی لشکر نے حلب کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اور اہل حلب

مہینہ سے اندر محصور رہے - ابو الفضائل کے انتظامات کے مطابق یونانی شہنشاہ نے تیرہ ہزار کے لشکر سے اس کی مدد کی اور محاصرہ کو دور کیا - تاھم فاطمی لشکر اپنے ارادہ پر قائم رہا - اور محاصرہ میں جو ڈھائی سو رومی پکڑے گئے تھے - ان کو مصر لے جا کر قاہرہ کے بازار میں چہار طرف گشت کرایا -

حضرت امام عزیز (علیہ السلام) کا انتقال پُر ملال

حضرت امام عزیزؑ کو عمارات کا بیحد شوق تھا - مصر میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں ان میں مخصوص ہوئی چوک، کرافیکا قبرستان - عالی شان شاہی محل "قصر الصغیر"، آپ کی والدہ صاحبہ کا روضہ مبارکہ مسجد حاکم ندیوں کے پل، نہریں اور بحری بندرگاہ وغیرہ شامل ہیں - حضرت امامؑ کے عہد سلطنت میں رعایا اتنی خوش و خرم تھی کہ آپ کا عہد خوبی میں ضرب المثل ہو گیا تھا - اور آپ کے عفو و کرم کی وجہ سے لوگ خوشی و مسرت کے ساتھ دن گزارتے تھے -

حضرت امامؑ کے آخری ایام میں رومی نصاریٰ نے بنو فاطمہ کے کئی علاقوں میں لوٹ مار مچا رکھی تھی - ان کی گوشمالی کے لئے خود حضرت امامؑ حملہ کی تیاری کر کے تشریف لے گئے - ۳۸۶ھ ہجری میں حضرت امامؑ سلبیس مقام پر پہنچے - جہاں ایک خونریز جنگ ہوئی - اور آپ زخمی ہوئے - جس کے باعث طبیعت میں زحد ضعف پیدا ہو گیا - جب حضرت امامؑ نے دیکھا - کہ اب وقت قریب آگیا ہے تو آپ نے قاضی القضاۃ محمد بن نعمان اور جنرل ابو محمد الحسن ابن عمار کو اپنے پاس بلایا، اور اپنے بعد امامت و خلافت کے لئے حضرت امام حاکمؑ پر نص فرمائی اس وقت حاکمؑ کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی - بعد ازاں آپ نے اپنے سینہ سے لگا کر فرمایا کہ بیٹا آج یہ آخری ملاقات ہے - اب تم جاؤ - اور کھیلو، آپ اپنے والد مقدس کے حکم کے مطابق چلے گئے - مگر تھوڑی ہی دیر بعد پھر حاکمؑ کو برجوان غلام خاص عزیز باللہ بلانے کے لئے

حاضر ہوا۔ جب حاکمؑ اپنے والد ماجد کے پاس پہنچے۔ اس وقت ایک مرصع عمامہ آپ کے سر مبارک پر رکھا گیا۔ اور حضرت امامؑ کو دعا دیتے ہوئے برجوان نے کہا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کے عظمت و برکت سے اے امیرالمومنین تم آباد رہو۔" بعد ازاں حاضرین مجلس نے حضرت امام حاکمؑ کو ببیعت دی اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ ۳۸۶ھ ہجری میں رمضان کی اٹھائیسویں تاریخ کو حضرت امامؑ کی وفات ہوئی۔ اور مسند امامت پر حضرت امام حاکم ابو علی رونق افروز ہوئے۔

حضرت امام حاکم (علیہ السلام)

سن امامت از ۳۸۶ سنہ ہجری تا ۴۱۱ سنہ ہجری

حضرت امام حاکم ابو علیؑ ۳۸۶ سنہ ہجری ۲۸ رمضان المبارک کو مسند امامت اور فاطمی خلافت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۱۱ سال کی تھی۔ خلیفہ قادر بن مقتدر عباسی آپ کا ہمعصر تھا۔

حضرت امامؑ کا پورا نام ابو علی منصور الحاکم بامر اللہ علیہ السلام تھا آپ کی پیدائش قاہرہ، معزیہ ۳۷۵ سنہ ہجری ۲۳ ربیع الاول جمعرات کے دن ہوئی تھی۔ حضرت امامؑ کی والدہ ایک نہایت شریف خاندان کی نصرانیہ خاتون تھیں جن کے دونوں بھائیوں کے ساتھ بنو فاطمہ کے نہایت عمدہ تعلقات اور مراسم تھے۔

حضرت امام حاکم (علیہ السلام) کے رائج سکے

حضرت امام حاکمؑ کے سکے مصر (فسطاط)، منصوریہ، مہدیہ، زویلہ، ثقلیہ، دمشق، عکہ، عسقلان، بیت المقدس، تاہیریہ، طرابلس، القاہرۃ المحروسہ، مکۃ معظمہ و مدینہ منورہ تمام ٹکسالوں میں ڈھالے جاتے تھے۔ حضرت امام حاکم ابو علیؑ کے عہد سلطنت کے جو سکے ملے ہیں۔ اس میں سے دو دیناروں کا مضمون چنداں واضح ہے مگر سکوں کے حاشیہ کا مضمون صاف نہیں ہے اور دار الضرب کا نام اور سال بالکل ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اس زمانہ

کے سکوں کے مضمون میں حضرت امامؑ کا نام اور القاب تمام مضمون کے بعد ایک دم آخر میں ہے۔ اور ان دیناروں میں اسکے برعکس ہے۔ حضرت امام حاکم ابو علی المنصور کا لقب سب سے شروع میں کندہ ہے۔ شاید یہ ڈھالنے والے کے خیال کی لہر ہے۔

۳۹۵ھ ہجری میں ڈھلی ہوئی ایک ربع (پاؤ) دینار ملی ہے۔ جس میں بیچ میں محمد رسول اللہ اور حاشیہ پر لا الہ الا اللہ وحدہ ...... محمد رسول اللہ علی وا...... کندہ نظر آتا ہے دوسری طرف "الحاکم بامر اللہ امیر المومنین" اتنے الفاظ ایک دم صاف نظر آتے ہیں۔ سال ضرب اور نام دار الضرب صقلیہ بھی نہایت عمدگی سے پڑھا جاتا ہے۔ اس سکہ میں مذہبی الفاظ کے کندہ ہونے کی جگہ بہ نسبت قدیم فاطمی سکوں کے دستور کے مطابق نہیں ہے بلکہ ان سکوں میں ان کی جگہ تبدیل ہوگئی ہے مثلاً لا الہ الا امر قدیم سکوں میں بیچ پر کندہ ہوتا تھا۔ اب کے دیناروں میں حاشیہ پر کندہ ہے۔ صرف و نحو کے نظر سے اس میں دوسرا اختلاف بھی نظر آتا ہے دوسرا دینار ۴۰۶ھ ہجری میں مصر کے دار الضرب میں ڈھالی گئی تھی۔ مورّخ مقریزی نے حضرت امامؑ کے نقرئی اور طلائی سکوں کے بارہ میں روایت کی ہے کہ حکومت کے سکوں کو رائج کرنے اور ان کی پوری جانچ پڑتال کرنے کے لئے کانچ کے اوزان بنائے گئے تھے۔

حضرت امام حاکمؑ کے عہد سلطنت کے دوسری طلائی رُبع دینار موجود ہے اور اس کا وزن تقریباً ۱/۲ ۱۵ گرین (گیہوں) جتنا ہے اس کا ایک حصہ صاف نظر آتا ہے اور پیچھے کے حصے میں المنصور ابو علی الامام الحاکم بامر اللہ امیر المومنین بالکل صاف دکھائی دیتا ہے۔ دار الضرب اور سال ضرب دونوں چنداں صاف ظاہر نہیں ہوتے صرف آدھا آدھا پڑھا جاتا ہے۔

۴۲۱ سنہ ہجری میں عہد یہ میں جو سکے ربع دینار ضرب کئے گئے ہیں

وہ دوسرے بنو فاطمہ کے سکوں کی بہ نسبت قدرے چھوٹے ہیں اور اس میں پورا نام حضرت امام حاکمؒ کا دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا سکہ کے دوسری جانب عبداللہ و ولیہ الامام المنصور امیر المومنین ادر بالمھدیہ سنتہ احد عشرۃ و اربع مائتہ پڑھا جاتا ہے۔ فاطمی سکوں کا مضمون پڑھتے ہی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان سکوں میں "المنصور" لفظ صرف حضرت الامام عزیز باللہ کے فرزند امام حضرت حاکم ابو علی کے ہی طرف مشیر ہیں۔

حضرت امام حاکمؒ کے اور بھی کئی سکے دستیاب ہوئے ہیں جنکا یہاں مضمون کے طوالت کے خوف سے نہیں دیا گیا۔

حضرت امام عزیز باللہؒ کی تدفین

حضرت امام عزیزؒ کی وفات کے دوسرے دن حضرت امام حاکمؒ بلبیس سے اپنے والد ماجد کی لاش دفن کرنے کے لئے مصر تشریف لائے۔ حضرت امام عزیز کی لاش کو ایک تابوت میں جلوس کے آگے اونٹ پر رکھا اور خود حضرت امام حاکمؒ نے ایک اون کا کپڑا زیب بدن کیا۔ جس میں کانچ کا بٹن لگا ہوا تھا اور وہ نہایت چمک رہے تھے۔ سر پر جواہرات سے مرصع ایک عمامہ تھا جس سے حکومت و سلطنت کی علامت ظاہر ہوتی تھی۔ آپ کے دست مبارک میں ایک نیزہ اور کمر میں ایک تلوار آویزاں تھی۔

مورخ مقریزی لکھتا ہے کہ حکومت کے تمام عہدہ دار اور عملدار اس جلوس کے ساتھ نہایت متفکر و مغموم چل رہے تھے۔ رعایا بھی اپنے جلیل القدر خلیفہ و ہر دلعزیز سلطان کے انتقال سے نہایت مغموم تھی۔ اور اپنا سوگ ظاہر کرتی تھی شہر سے ہوتے ہوئے یہ سواری محل میں آئی اور آتے ہی قاضی القضاۃ ابن نعمان نے اپنے مرحوم المقدس آقا کی لاش کو غسل دیا۔ اور حضرت امام المعز کے مزار مقدس

کے شاہی محل کے ایک حصہ میں لاش دفن کی گئی۔

حضرت امام حاکم (علیہ السلام) کی تخت نشینی

دوشنبہ کے دن شاہی محل میں دربار بھر اگیا حضرت امام عزیزؑ نے تخت نشینی کے لئے ایک عظیم الشان سونی چوک بنایا تھا۔ جس کے وسط میں ایک طلائی مرصع تخت آراستہ کیا گیا تھا۔ تخت کے چاروں جانب زرّیں فرش بچھائے گئے تھے۔ دربار میں تمام اراکین سلطنت اور عہدہ دار حاضر ہو کر اپنی اپنی مقرر جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت امام حاکم ابو علیؑ اسپ تازی پر سوار ہو کر ہیرے و جواہر سے مرصع تاج سر مبارک پر رکھ کر شاہی محل سے روانہ ہوئے۔ در در یہ قطار یہ در قطار ور عایا جمع تھی۔ اور اپنے صغیر السن بادشاہ کو نہایت ادب سے سلام کرتی تھی۔

دربار شاہی کے نزدیک حضرت امامؑ کی سواری آتے ہی تمام عہدہ دار کھڑے ہو گئے۔ اور استقبال کے لئے سامنے حاضر ہو کر نہایت ادب سے جھک کر زمین بوسی کی۔ جب آپ کی سواری تخت کے پاس پہونچ گئی تو سب عہدہ دار واپس آ کر اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت امامؑ تخت پر رونق افروز ہوئے اور ایک ایک عہدہ دار آتے گئے۔ اور حلف وفاداری اٹھانے کے بعد پچھلے پاؤں سے اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھ گئے۔

رعایا سے بیعت

حضرت امامؑ کے معتمد و معتبر غلام برجوان نے پہلے حضرت امامؑ کی بیعت کی رسم ادا کی۔ حضرت امام عزیزؑ نے اپنی وفات کے وقت غلام برجوان کو حضرت حاکم کے "استاد" کے طور پر مقرر کیا تھا۔ اس کا پورا نام "ابو الفتح یوسف بن عبد اللہ برجوان" تھا۔ ۳۸۶ھ ہجری میں مصر، حجاز، شام، اور مغرب کا ناظم اور فاطمیوں کے

تمام جائداد کا ناظر تھا۔ اس کو موسیقی کا نہایت شوق تھا۔ مصر کے باب الفتح (فتح کا دروازہ) کے باہر رائید انیا نامی ایک اس کا باغیچہ تھا۔ قاہرہ کے ایک محلے کا نام اس زمانہ میں بھی برجوان تھا۔ جو اس کے نام کو ہر وقت تازہ کرتا رہتا ہے۔ حضرت امام حاکمؑ کے دربار میں وہ وزیر کے مانند حکومت کرتا تھا ابن سیر نامی مورخ لکھتا ہے کہ ۳۸۶ھ ہجری ماہ رمضان المبارک میں سلطنت کے تمام کاروبار برجوان کے ماتحت تھے۔

برجوان کی بیعت کے بعد تمام حاضرین مجلس نے بیعت کی بیعت کا کام جب پورا ہو چکا تو حضرت امام حاکم ابو علی المنصور بامر اللہؑ کو زمانہ کے "امام" حاکم وقت اور بنی فاطمہ کے خلیفہ کے طور پر علانیہ ظاہر کیا گیا۔ استاد برجوان کے ہمراہ قاضی محمد بن نعمان اور ابن عمار کو بھی ناظر کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ مگر اس وقت تک کہ صغیر السن بادشاہ اپنا کام خود سنبھال لے۔ استاد برجوان سارے ملکی امور انجام دیتا تھا۔

ابن عمار امین الدولہ

اس زمانہ میں عیسٰی بن نیسٹوریس کو معزول کر کے قاہرہ میں کتامہ قبلیہ کا سردار ابن عمار خود وزیر اعظم کی جگہ پر مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے شاہی مشیر اعظم کا درجہ بھی حاصل تھا۔ اس نے امین الدولہ کا لقب اپنے لئے اختیار کر لیا۔ مورخ اولیری کے بیان کے مطابق بنی فاطمہ کی سلطنت میں "دولہ" کا لفظ پہلی بار استعمال کیا گیا۔ ڈی سیسی کے روایت کے بموجب اس لفظ میں اس عہد سلطنت کا یہ رمز سمایا۔ ہوا تھا کہ ابھی تک بنی فاطمہ ایک فرقہ کے سردار کے طور پر اور بڑے مذہبی پیشوا یعنی حضرت امام کے نام سے دنیا میں مشہور تھے۔ مگر اتفاق زمانہ سے اور اس کی مساعدت سے افریقیہ اور اس کے بعد مصر میں جب آپ کی سلطنت قائم

قائم ہوگئی۔ تو اس وقت یہ "دولہ" کا لفظ استعمال کیا گیا۔

حضرت امام حاکمؑ کے عہد سلطنت میں "سکر" نامی خواجہ سرا کہیں سے بھاگتا ہوا یہاں آکر پناہ گزین ہوا۔ اس کے قبل وہ بوئیا سلطنت کے عزالدولہ کا خادم تھا اس کے حریف شریف الدولہ نے خواجہ سرا سکر کو گرفتار کرکے قیدخانہ میں رکھ دیا۔ مگر وہاں سے وہ فرار ہوکر یہاں آیا۔ شام کا گورنر منجوتگین اس کا دوست تھا۔ اور برجوان کی حمایت پر وہ مصر آیا تھا۔ جہاں اسے پناہ دی گئی۔

برجوان اور عمار کی آپس میں جنگ

برجوان نہایت آہستگی کے ساتھ اپنی کامیابی کے ذرائع و وسائل مہیا کررہا تھا۔ اور جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے حضرت امام عزیزؑ نے کتامہ اور دوسرے بربری قبائل کے لشکر کے ساتھ ترکی اور دیلمی قبائل کا بھی ایک لشکر قائم کیا تھا۔ جس نے برجوان کے دعویٰ حکومت کی فی الفور تائید کی۔ یہ خبر جیسا ابن عمار کو پہنچی تو اس نے اس کے تدارک کے لئے اسی وقت شام میں ترکی گورنر منجوتگین کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنی قوم کے ایک بربری سردار سلیمان ابن جعفر فلاح کے ماتحت ایک لشکر شام کی طرف روانہ کیا۔ اور ابن عمار اور برجوان کی باہمی لڑائی میں دونوں کے طرف داروں نے سرزمین میں لڑائی کی بنیاد ڈالی۔

اصقلان اور رملہ میں برجوان کے طرفدار شام کے گورنر منجوتگین اور ابن عمار طرفدار سلیمان ابن جعفر فلاح میں مقابلہ ہوا اور ان دونوں میں ایک معمولی لڑائی بھی ہوئی جس میں ترکی لشکر کی شکست ہوتے ہی منجوتگین گرفتار کیا گیا۔ اور مصر بھجوادیا گیا۔ جہاں ابن عمار نے اپنے طرفداروں کو مضبوط کرنے کے لئے منجوتگین کی انتہائی آؤ بھگت کی۔ اور عزت واحترام سے پیش آیا۔ ابن عمار چاہتا تھا۔ کہ قاہرہ میں بربری اور ترکی افواج بنو فاطمہ سے متصادم ہوجائے اور اُن کا مقابلہ کرے۔ چونکہ قاہرہ میں ترکی

لشکر نہایت مضبوط تھا۔ اور اس کی ہمدردی حاصل کئے بغیر ابن عمار کی مطلب برآوری مشکل تھی اس لئے اس نے حکومت کی پوری لگام حاصل کرنے کے لئے یہ کارروائی کی منجوتگین کو زیر کرنے کے بعد سلیمان ابن جعفر کو شام کا حاکم بنادیا گیا۔ اس نے نابیرپا پر حملہ کیا۔ اور اپنے بھائی علی کو دمشق میں اپنا قائم مقام بناکر روانہ کیا مگر دمشق کے مفسدہ پرداز اور فتنہ انگیز رعایا نے اس کو اپنا گورنر تسلیم نہ کیا۔ اور شہر میں بھی داخل نہ ہونے دیا۔ سلیمان نے ایک طویل خط دمشق کے رعایا کے نام بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ اس سرکشی کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا"۔

خط کے پڑھتے ہی رعایا گھبرا گئی۔ اور اپنی دشمنی وعناد کو دور کرکے علی کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی مگر چونکہ وہ بے انتہا برافروختہ ہوگیا تھا اس لئے اس نے صاف انکار کردیا۔ اور رعایا پر حملہ کرکے کشت وخون کیا۔ اور شہر کے اکثر حصہ کو جلا بھی دیا۔ بعد ازاں شہر کے باہر آکر چھاؤنی ڈالا۔ اور وہاں قیام کیا سلیمان تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہاں آپہنچا رعایا نے حاضر ہوکر اس سے معافی مانگی اور قسم کھاکر وعدہ لیا کہ آیندہ حکومت کے ساتھ نہایت وفادارانہ سلوک کریں گے جس سے سلیمان خوش ہوا اور انہیں معافی بخشی۔

سلیمان ابن جعفر کی حکومت

سلیمان ابن جعفر فلاح حضرت امام عزیز باللہ ؑ کی رائے کے مطابق حکومت کی کارروائی کرنا چاہتے تھے۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ دریا کے کنارہ کے تمام شہروں پر قبضہ کرکے یونانیوں پر اپنا رعب قائم کیا جائے۔ تاکہ حضرت امام ؑ کے شہر میں بدامنی اور مطلق العنانی کا خوف نہ رہے۔ اور جو خطرہ باہر کے دشمنوں کے حملہ سے ہے۔ وہ دور ہوجائے۔ شامی طرابلس دریا کے کنارہ کا ایک اہم اور کارآمد بندرگاہ تھا۔ اور وہ کتامی قبیلہ کے بربری گورنر ابن عمار کے جانب دار جیش کے تابع تھا

لیکن مذکورہ بالا مقصد کیلئے اس نے اسے معزول کرکے اپنے بھائی علی کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ جیش اس سے ناراض ہو کر مصر کی طرف چلا گیا۔ اور برجوان کا جانب دار بن گیا۔

ابن عمار کی شکست

چونکہ برجوان کی پشت پناہی کیلئے قاہرہ میں ترکی اور دیلمی لشکر موجود تھا اس لئے اس کے سارے داؤں پیچ ابھی تک کامیاب ہو رہے تھے۔ اور ابن عمار کے جانب داروں کا بڑا حصہ شام میں رہنے سے برجوان کی طاقت و قوت کو ابن عمار بالکل نہ توڑ سکا۔ ان دونوں سرداروں کی باہمی نااتفاقی کی وجہ سے قاہرہ میں دن دھاڑے کشت و خون شروع ہو گیا۔ اور جرائم میں بھی اضافہ ہو گیا۔ چند مشکوک آدمیوں نے ابن عمار کو ابھارا کہ اس میں حضرت امامؑ کا ہاتھ ہے اس لئے ان کا کام تمام کرنا چاہیئے مگر ابن اعمار اس بدترین صلاح سے کانپ اٹھا۔ اور باوجودیکہ وہ سلطنت اپنے اختیار میں لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن ایسے خطرناک ارادے سے انہیں بھی باز رہنے کی صلاح دی اور خود بھی کنارہ کش رہا۔

برجوان کی حکومت کا اقتدار اتنا بڑھتا گیا۔ کہ اب امراء میں بھی تفرقہ پڑا اور مشارقہ (ترکی اور دیلمی لشکر) برجوان کی جانب داری میں کھلم کھلا ہو گیا۔ اور ابن عمار کے جانب داری میں مغربی لشکر تو پہلے ہی سے تھا۔ کیونکہ وہ خود کتامی قبیلہ کا تھا۔ ابن عمار اور برجوان کی مخالفت نے ایسی مہلک صورت اختیار کی کہ شہر کے اندر اور باہر دونوں لشکر میں آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ اور ابن عمار کے لشکر کو شکست ہوئی۔ برجوان نے ابن عمار سے کہا کہ اگر تم سیاسی اور ملکی امور سے الگ رہو اور گوشہ نشینی اختیار کر لو تو تمہیں پنشن اور جاگیر دی جائے گی۔

ابن عمار نے اس کو منظور کر لیا۔ برجوان کی زمانہ نے مساعدت کی اور ہر طرف سے اس کی فتح اور کامرانی کا ڈنکا بجنے لگا۔ سلطنت میں اب ایسا کوئی حریف

باقی نہ تھا جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ قاعدہ ہے کہ غیر معمولی کامیابی پر انسان پھولا نہیں سماتا۔ یہی حال برجوان کا بھی ہوا۔ مست ہاتھی کی طرح جھومتے ہوئے اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور حضرت امامؑ کی عظمت و جلالت سے بے پروائی شروع کر دی۔

۳۸۸ھ ہجری میں ابن عمار کے اقتدار کے ختم ہو جانے کے بعد برجوان واسطہ اور سفارت کے عہدوں پر بھی قابض ہو گیا اور سلطنت کا مختار کل بن کر ہر چیز میں اپنی من مانی حکومت کرنے لگا۔ سب سے پہلے برجوان نے دمشق کے سوال کو حل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور دمشق کے رعایا کو لکھا کہ سلیمان ابن جعفر فلاح کی مخالفت کرو۔ کتامہ قبیلہ کا زور بالکل ٹوٹ گیا ہے لہٰذا تم کو سرکار عالیہ کی طرف سے پوری امداد دی جائیگی میں تمہارے اس کا اطمینان دلاتا ہوں۔

دمشق کی رعایا کے دل اس خط سے مضبوط ہو گئے اور انہوں نے سلیمان کے تمام مال و اسباب کو لوٹ کر اس کے محافظوں کو قتل کر کے شہر بدر کر دیا مگر یہ واضح رہے کہ کتامہ (مغاربہ) یا ترکی (مشارقہ) لشکر کو اتنی طاقت نہ تھی کہ اپنی اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اس لئے برجوان کو اس کا خطرہ تھا کہ بربری لشکر جب شام سے واپس مصر آئے گا۔ تو خطرناک حالت پیدا ہو گی اس لئے اس نے چند دن کے لئے ابن عمار کو اس کے مکان میں شاہی قیدی کی طرح رکھا۔ مگر اس کی جاگیرات اور دوسری تمام آمدنیاں ضبط نہیں کیں۔ بعد ازاں عمار کو چند دن کے لئے رہا کیا گیا۔ اور وہ باہر نکل کر دربار میں بھی آمد و رفت کرنے لگا۔

سلیمان ابن جعفر فلاح کی شکست کے بعد شام میں چند مدت تک بدامنی پھیلی رہی۔ بدوی سردار مفرج بن دغفل بن جراح نے بلوہ کیا۔ اور اپنا پایہ تخت رملہ قائم کر کے اپنے بدوی دستور العمل کے مطابق آس پاس کے شہروں میں شب خون کرتا رہا۔ اس زمانہ میں اولا کا نامی دہقان (کسان،

کے ماتحت طائر میں بھی بلوہ ہوا۔ اور شہنشاہ ڈوکس کی سرداری میں یونانیوں نے ایپا میا کا محاصرہ کیا۔ برجوان دونوں جانب جنگ کی تیاری دیکھ کر گھبرایا اور نہایت استقلال سے کام لیا۔ جیش جو پہلے ابن عمار کا طرفدار تھا اس کی ماتحتی میں ایک لشکر مفرج کو تابع کرنے کے لئے شام روانہ کیا وہاں پہنچتے ہی جیش نے سلیمان بن جعفر فلاح کو قید کر کے مصر روانہ کیا اور بلوائیوں کے ساتھ جنگ کر کے ان کو شکست دی اور انہیں زیر کر لیا۔

دمشق میں جنرل جیش کی فتح

بعدازاں حسین بن عبداللہ کی سرداری میں ایک فوج جیش نے "طائر" کی طرف روانہ کیا اور خود مفرج پر حملہ کر دیا۔

حسین بن عبداللہ کے آمد کی خبر سنتے ہی اولاکا نے یونان کے بادشاہ سے معاونت طلب کی۔ اور یونانیوں نے فوراً ایک فوج مدد کے لئے روانہ کی۔ مگر یہ فوج طائر پہنچنے کے قبل راستہ ہی میں فاطمی بیڑہ جو مصر سے آیا تھا متصادم ہوا۔ اور بروقت امداد بہم نہ پہنچنے سے اولاکا کو سخت ہزیمت ہوئی طائر کے باشندے مایوس ہو کر بغیر کسی شرط کے تابع ہو گئے۔ جنرل حسین نے مع لشکر داخل شہر ہو کر خوب لوٹ مچائی غنیمت کا بہت سا مال جمع کیا اور اولاکا کو گرفتار کر کے مصر روانہ کیا۔ جہاں سے سولی دی گئی۔

دوسری جانب جیش بن صمصامی اپنے لشکر جرار کے ساتھ مفرج پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ مفرج اس کے آمد کی خبر سنتے ہی خائف ہو کر فرار ہو گیا۔ جیش دمشق پہنچا۔ دمشق کی رعایا نے اس کا استقبال کیا۔ مگر نہایت تشویش کے ساتھ یہ رسم ادا ہوئی کیونکہ جیش کتامہ قبیلہ کا ایک بربری عرب سردار تھا۔ مگر اس نے شہر میں داخل ہوتے ہی موقع دیکھ کر ایک تقریری

جس میں نہایت صاف طور پر اعلان کیا اور اطمینان دلایا کہ رعایا اپنے سلامتی جان و مال کے بارے میں بالکل بے فکر رہے۔ اور میں امن و امان قائم کرنے کے لئے پوری کوشش کروں گا۔ اس تقریر سے ساری رعایا تابع فرمان ہوگئی اور دمشق کے باشندوں کے دل میں جو خوف تھا وہ دور ہوگیا۔

ایک جوان کُرد کی شجاعت

دمشق کی بدامنی سے فائدہ اٹھانے کے لئے کئی سال سے یونانی مسلمانوں کو ہر وقت ستاتے اور اذیت دیتے تھے۔ اس لئے جیش نے جواب دینے کا ارادہ کیا۔ جب دمشق میں پوری طرح امن و امان ہوگیا تو جیش اپنا زبردست لشکر لئے ہوئے ایپامیا کی طرف روانہ ہوا۔ اور یونانی بادشاہ ڈیوکس کے ساتھ ایک آخری جنگ کی تیاری کی۔ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ نہایت خونریز لڑائی ہوئی۔ جانبین کا بہت زبردست نقصان بھی ہوا۔ کم نصیبی سے اس لڑائی میں جیش کو شکست ہوئی۔ اور وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ یونانی مسلمانوں کا تعاقب کرنے کی بجائے غارتگری میں مشغول ہوگئے۔ اسی اثنا میں احمد ابن عبدالحق ایک کُردی جوان اپنے چھوٹے دستہ کے ساتھ یونانیوں پر ٹوٹ پڑا۔ یونانی بادشاہ اپنے فرزندان اور افسران حکومت کے ساتھ ایک گول دائرہ میں گھرا ہوا کھڑا تھا اپنی فتحمندی کے گھمنڈ میں اس نے خیال کیا کہ اپنے دستہ کے ساتھ متابعت کرنے کے لئے آرہا ہے لیکن قریب آتے ہی احمد تلوار لیکر ایک دم بادشاہ ڈیوکس پر ٹوٹ پڑا۔ اور ایک ہی ضرب سے اُس نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ بادشاہ کے قتل ہوتے ہی سارے یونانی گھبرا گئے اور اس موقع کو غنیمت جان کر تمام اسلامی لشکر ایک دم ٹوٹ پڑا۔ اور فتح نصیب ہوئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر جیش نے آگے بڑھ کر انطاکیہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آس پاس کے شہروں میں جو کچھ

غنیمت کا مال ملا اسے لوٹتے ہوئے اور باغیوں کو گرفتار کرتے ہوئے دمشق واپس آیا اور بیرون شہر اپنی چھاؤنی ڈال کر قیام کیا۔ یونانیوں کو زیر کرنیکے بعد اس نے اپنا پرانا انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ اہل دمشق بالکل مطمئن تھے۔ جیش نے وقتاً فوقتاً مشہور اہل قبائل کو چھاؤنی میں دعوت دینی شروع کی۔ کھانے کے بعد مہمانوں کو ہاتھ دھونے کے لئے علیحدہ کمرہ میں جانا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے بہت سے سرداروں کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلا کر ہاتھ دھلانے کے کمرے میں لے جا کر تھوڑی دیر تک انہیں قید کر دیا گیا۔ بعد ازاں اس میں سے ایک ایک کو کمرہ سے نکال نکال کر اسے قتل کرتا گیا۔ رعایا یہ خبر سنکر بے چین ہو گئی۔

دوسرے دن جیش شہر میں داخل ہوا اور باقیماندہ جتنے بڑے مشہور سردار ملتے گئے۔ انہیں پکڑ کر قید کر کے مصر بھجوا دیا۔ جیش کی اس ترکیب سے شام میں بالکل امن وامان قائم ہو گیا اور پوری طرح فاطمی حکومت کے ماتحت ہو گیا۔

جنرل جیش کا وصیت نامہ

جیش نے اپنی وفات کے قبل اپنی تمام مملکت وجائداد کا وصیت نامہ کیا اور جس میں لکھدیا کہ میری تمام ملکیت وجائداد کے مالک فاطمی خلیفہ حضرت امام حاکم ابو علیؑ ہیں اور اس میں میرے فرزندوں اور خویش واقارب کا کوئی حق نہیں ہے۔

اولیری مورخ نے اس کی جائداد ومملکت کا اندازہ تقریباً ۲ لاکھ طلائی مہر کیا ہے۔

۳۹۰ھ ہجری میں جیش جب فوت ہو گیا۔ تو اس کا فرزند اس وصیت کو لیکر مصر آیا۔ اور حضرت امامؑ کے قدم مبارک پر اس وصیت نامہ کو رکھ کر عرض کی کہ میرے آقا آپ اس تمام مملکت پر قبضہ کر کے شکر گزار فرمائیے۔

حضرت امام حاکمؑ بیحد خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے باپ کا وصیت نامہ ہم نے پڑھا۔ اور ہماری خواہش ہے کہ یہ مملکت و دولت اپنی بہتری اور بہبودی کے لئے

تم خود لے لو۔ آپ نے اپنے عہد سلطنت میں بارہا اس قسم کی سخاوتیں کی ہیں اور اسی لئے وہ رعایا میں نہایت درجہ ہردلعزیز اور محبوب شمار کئے جاتے تھے۔

چتربردار کا برجوان پر قاتلانہ حملہ

شام میں جس وقت لڑائی جاری تھی اسی اثنا میں برجوان نے برقہ اور طرابلس فتح کرنے کے لئے لشکر روانہ کیا جہاں خوش قسمتی سے فتحمندی نصیب ہوئی اور تمام فاطمی سلطنت کے بلوائی مطیع ہو گئے۔ اور ہر طرف امن و امان قائم ہو گیا۔ بعدازاں کتامہ قبیلہ کے فضل بن اسمٰعیل کو طائر کا گورنر بنا دیا گیا۔ مملوک ینّاس کو برقہ شہر مملوک میسور کو طرابلس اور مملوک یمن کو سرحدی علاقے کے مقامات غزا اور اصقلان کے گورنر بنا دئے گئے۔ یونانیوں کے ساتھ دس سال کے لئے مصالحت کرلی تاکہ سلسلۂ جنگ کسی طرح بند ہو جائے۔

دمشق اور یونانیوں پر برجوان کی اس طرح فتح حاصل ہونے سے اس کے رعب داب کا تمام امرا رؤسا و رعایا پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ اور ان کارگزاریوں اور فتوحات سے انہیں خودستائی و خودپسندی پیدا ہو گئی۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ حضرت امامؑ کی منظوری حاصل کئے بغیر سارا کاروبار خود انجام دینے لگا۔ حضرت امامؑ نے اس پر اعتراض کیا۔ مگر اس نے کچھ پروا نہ کی اور ہر اعتراض کو استہزا و تمسخر میں ٹالدیا یہاں تک کہ حضرت امامؑ کو "چھپکلی" سے (تحقیراً) خطاب کرنا شروع کیا اور حضرت امامؑ کے لئے یہ بدسلوکی بالکل ناقابل برداشت بن گئی۔

سنہ ۳۹۰ ہجری میں حضرت امام حاکم ابوعلی علیہ السلام جب سن رسیدہ ہوئے تو اس وقت آپ نے برجوان کو ایک پیغام بھیجا کہ اب چھوٹی چھپکلی نے بڑے اژدھا کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اور وہ تجھے طلب کر رہی ہے۔ برجوان حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے چتربردار ابوالفضل ریغان نامی نے اس کے

پیٹ میں چھری بھونک کر ہلاک کر دیا۔ مورخ ولیری اور بر ہبردس کی روایت کے مطابق کہا جاتا ہے کہ برجوان کا ارادہ حضرت امام حاکمؑ کو شاہی محل میں قید کرنے کا تھا۔ اور اس بہانہ سے کہ مبادا کتامہ قبیلہ کے جانب حضرت امامؑ کو قتل کر دیں برجوان نے حضرت امامؑ کو محل کے باھر سواری میں نکلنے سے منع کر دیا تھا۔ اور شاید اس حکم سے بھی حضرت امامؑ ناراض ہوئے ہوں

مورخ اولیری اس میں اور بھی یہ اضافہ کرتا ہے کہ قائد القواد جوہر کے فرزند حسین کی بھی اس میں صلاح لی گئی تھی۔

زمام سلطنت حضرت امام حاکم (علیہ السلام) کے ہاتھ میں

برجوان کے ناگہانی قتل سے شہر میں ہر طرف شورش پھیل گئی اور حضرت امامؑ نے انتہائی جرأت و شجاعت سے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ بلوہ شروع ہوتے ہی آپ شاہی محل سے باہر تشریف لائے اور رعایا کے سامنے اعلان فرمایا۔ کہ برجوان نے میرے خلاف سازش کی تھی اور اسی سبب سے شاہی پیشروار کے ہاتھ سے قتل کیا گیا۔ مجھ کو امید ہے کہ میرے اس اعلان سے تم مطمئن ہو گے۔ اور پہلے کی طرح امن و امان قائم کرو گے حضرت امامؑ کی تقریر سن کر تمام بلوائی ٹھنڈے پڑ گئے اور ہر طرف پھر امن و امان قائم ہو گیا۔

برجوان کی وفات کے بعد حضرت امامؑ نے سلطنت کی طرف توجہ کی۔ کیونکہ اس کے تمام کاروبار کو اب انجام دینا تھا۔ لہٰذا آپ نے اوصاف حمیدہ سے لوگوں کو وقف کرنے لگے۔ اور برجوان کے عہدہ پر ایک نصرانی فہد بن ابراہیم کو مقرر کیا۔ غازی جوہر کے فرزند حسین کو قائد القواد کے لقب سے ممتاز فرما کر اپنے لشکر کی سپہ سالاری عنایت کی اور صالح رودباری کو "ثقۃ الثقات السیف والقلم" کے خطاب سے اور ابن عابدون کو "الکافی" اور عیسیٰ ابن نسطوریس

کے فرزند نورعا کو "الثانی" اور حسین بن طاہر کو ذوالریاستین کے القابات سے مرحمت فرمائے۔ فضل بن تمیم کو دمشق کا گورنر بنا دیا۔ مگر چونکہ وہ تھوڑے دنوں میں فوت ہو گیا۔ اس لئے علی بن فلاح کو اس کی جگہ تعینات کیا گیا۔

حضرت امام حاکم ابو علی (علیہ السلام) کی سیاست

خود مختاری حاصل کر کے حضرت امامؑ شہری انتظامات میں مشغول ہو گئے۔ ۳۸۹ھ ہجری میں ایک اعلان کے ذریعہ حکم دے دیا گیا۔ کہ شب کو شہر کے دروازہ بند نہ کئے جائیں تمام مکانوں اور دکانوں کے دروازے بھی کھلے رہیں شہر میں تمام رات چراغاں ہو اور مشعلیں جلتی رہیں اور اسی زمانہ سے ملکی اور اسماعیلیوں کی مذہبی مجالس شب میں ہونے لگیں۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا بالکل خوف نہ رہا۔ حضرت امامؑ خود رات کے وقت ایک معمولی آدمی کی طرح شہر میں گشت لگاتے رہتے تھے۔ چوکیدار اور پاسبان بھی حضرت امامؑ کو دیکھ کر ہوشیاری سے اپنی اپنی خدمات انجام دیتے تھے۔ مگر بعد میں دوسرے بہت سے سیاسی امور کے پیش نظر ۳۹۱ھ ہجری میں یہ حکم رد کیا گیا۔

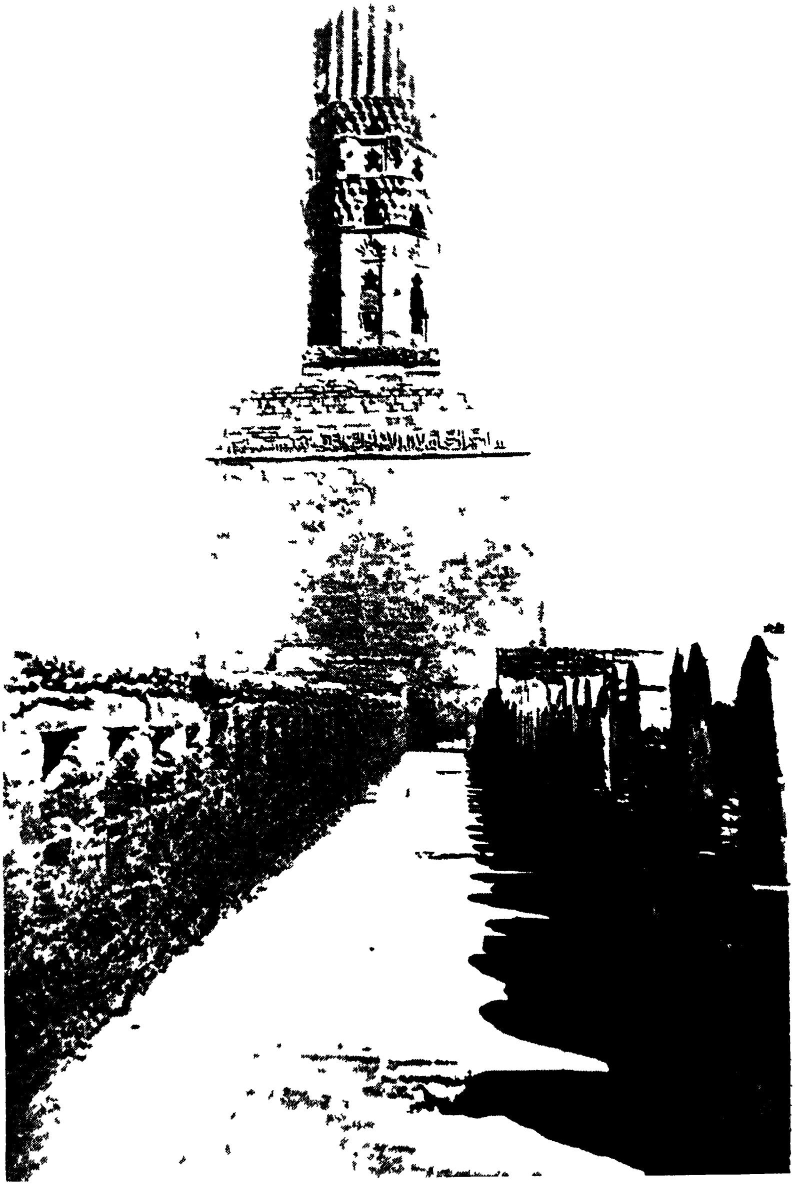
حضرت امام حاکمؑ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح نصرانیوں اور یہودیوں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کرتے تھے۔ اپنے علمداروں سے بھی نہایت فیاضانہ اور کریمانہ طرز عمل رکھتے تھے۔ لہذا رعایا میں آپ نہایت ہر دلعزیز تھے۔

حضرت امام حاکمؑ بھی گذشتہ خلفا کی طرح علم و فن کے علاوہ تعمیرات کے بڑے شوقین تھے اور آپ کی کوششوں سے جو نتائج پیدا ہوئے ہیں وہ آج تک دنیا میں بطور یادگار موجود ہیں ۳۸۲ھ ہجری میں آپ نے جامع راشدہ نامی ایک مسجد تعمیر کی۔ اور شہر میں جتنی مسجدیں تھیں ان کے انتظامات اور ان کے استحکامات کے لئے آپ نے سالانہ وظائف مقرر کر دیئے۔

تاریخی یادگار دارالحکمت اور داعی الدعاۃ کا عہدہ

"آثار محمدی" کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام حاکمؑ نے ایک ادارہ دار الحکمت نامی ۳۹۵ھ سنہ ہجری میں تعمیر کیا جو "دار العلم" کے نام سے مشہور رہا۔ طالبعلموں کیلئے نفاست تعلیم وتربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ کا تیار کیا گیا تھا۔ اور اعلیٰ درجہ کے لائق وفائق معلموں کو اس میں تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ جو لوگ اس عہدہ کے لئے منتخب کئے جاتے اُن کو پہلے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا اگر وہاں حضرت امامؑ کے سامنے فقہ، حدیث، فلسفہ، جغرافیہ، ہندسہ اور فن نجوم کی گفتگو میں کامیاب ہوتا۔ تو معلم کے عہدہ سے ممتاز کیا جاتا۔ طالبعلموں کیلئے کاغذ، سیاہی، قلم وغیرہ کی تمام ضروریات اور دوسرے اشیاء کا پورا بندوبست حضرت امامؑ کے طرف سے کیا جاتا تھا۔ یہ تعلیمی درس گاہ رعایا کے لئے باعث برکات وفیوضات دائمی تھی اور اس کے آثار آج بھی دنیا میں نظر آرہے ہیں۔

بنی فاطمہ کے عہد سلطنت میں قاضی القضاۃ (یعنی چیف جسٹس) کے عہدہ کے بعد داعی الدعاۃ کا عہدہ تھا۔ دونوں ایک ہی طرح کے سفید پوشاک سے ملبوس و مزین ہوتے تھے۔ "داعی الدعاۃ" کے ماتحت دوسرے بارہ داعی رہا کرتے تھے۔ اسمٰعیلی مذہب میں جو شخص داخل ہوا۔ سے تعلیم دینے کا ذمہ ان کے سپرد کیا جاتا تھا داعی الدعاۃ، اور اس کے بارہ معاونوں کی تنخواہ کے لئے ہر ایک اسمٰعیلی نے جو نقرئی ساڑھے تین سکے فیس لی جاتی تھی اسمیں پہنچائی جاتی تھی داعی کے درجہ میں خاص درسگاہ کے طلبہ کو داخل کیا جاتا تھا۔ حضرت امام حاکم ابو علیؑ کے عہد سلطنت میں داعی الدعاۃ کا عہدہ بنی عبد القوی کے خاندان میں مسلسل طور پر نسلاً بعد نسل چلا آتا تھا۔



جامع حاکم: ۔ فاطمی خلیفہ حضرت امام شاہ حاکم بامر اللہ (امامی اسمٰعیلیوں کے سولہویں امام) نے اس کی تعمیر کرائی تھی جو آپ کے نام سے منسوب ہے۔

حضرت امام حاکم (علیہ السلام) کی یادگار عمارتیں

حضرت امام عزیزؑ نے باب الفتوح کے قریب ایک مسجد کی تعمیر ۳۸۰ سنہ ہجری میں شروع کی تھی اور ۳۸۱ سنہ ہجری میں اس کی تعمیر صرف اس قدر ہوئی تھی کہ لوگ اس میں نماز ادا کر سکیں۔ حضرت امام حاکمؑ کے عہد سلطنت ۴۰۳ سنہ ہجری میں اس مسجد کی تعمیر کا کام اختتام کو پہنچا۔ آپ نے اس مسجد کی تعمیر پر چالیس ہزار اشرفی خرچ کی تاریخ میں جامع حاکم کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے۔ دنیا کے انقلاب سے یہ مسجد اس وقت شکستہ حالت میں مصر میں موجود ہے مگر اسکو دیکھتے زمانۂ سلف کے جاہ و جلال و شوکت و عظمت کا انسان کو اندازہ ہو سکتا ہے۔

جامع ازہر کا بیان حضرت امام معز باللہ اور حضرت امام عزیز باللہ کے عہد سلطنت میں لکھا جا چکا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ تا ہم جامع ازہر کو شہرت و عظمت اور لوگوں میں اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی بڑھانے والے حضرت امام حاکمؑ تھے۔ اور اسی لئے پروفیسر مارگولیتھ نے حضرت امام حاکمؑ کو "جامع ازہر کا بانیٔ ثانی" لکھا ہے آپ نے تین مسجدیں اور ایک کتب خانہ تعمیر کرایا یہ کتب خانہ قصر المشرق میں واقع تھا۔ جس کا وقف نامہ آج تک محفوظ ہے اس وقف نامہ میں حضرت امامؑ کی عطا کردہ رقوم اور اس کے بند و بست کے لئے تمام مفصل دستور العمل مرقوم ہے اسی وقف نامہ میں حضرت امامؑ کی تعمیر کردہ دیگر مساجد الازہر کا مخصوص دار العلم عوام الناس کا کتب خانہ اور اکاڈیمی (یونیورسٹی تعلیم گاہ) کی استقامت کے لئے جو رقم آپ نے عنایت فرمائی تھی اس کا پورا بیان بھی درج ہے "الازہر" کے بعد بنی فاطمہ کی تعمیر کردہ عمارتوں میں حضرت امام حاکم ابو علیؑ کی مسجد جامع راشدہ نہایت اہم ہے جو شہر قاہرہ کی پہلی دیوار کے اندر اور دوسری دیوار کے باہر محصور ہے اور وہ اس زمانہ میں شکستہ حالت میں دکھائی دیتی ہے ایک لکچر ہال (دار المباحثہ) بھی حضرت

امامؑ نے تعمیر کرایا تھا جس میں فقہ کے چاروں مذہب کے ماہرین تحقیقات وتنقیحات میں معروف رہتے تھے۔

اسلامی فلسفہ اور اسمٰعیلی مذہب

مورخ اولیری رقمطراز ہے کہ علم حکمت کے تجربہ کار فلیسفیوں کی جماعت کے ساتھ بھی حضرت امام حاکمؑ کو گہری دلچسپی تھی اور اس جماعت کے عالموں میں سے ابن احتشام، اور ابو سینان نے کئی شہروں کی سیاحت بھی کی تھی آخر احتشام نے قاہرہ میں قیام کیا۔ ان فلسفیوں نے جو جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی ایک طول طویل فہرست آج بھی موجود ہے جس میں زمانہ سلف کی تعلیم پر جو اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اس کے جوابات اور ان پر تقریظات لکھی ہیں ان کے علاوہ دوسرے عرب فلسفیوں نے بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں اور ان تمام کتابوں میں اسمٰعیلی مذہب کی جھلک نظر آتی ہے۔

شراب خوری کی سخت ممانعت

۳۹۲ھ ہجری میں حضرت امام حاکمؑ نے یہ اعلان کر دیا کہ شراب کے تمام برتن توڑ دیئے جائیں اس لئے کشمش اور انگور کے خمیرے وغیرہ بھی دریائے نیل میں پھکوا دیئے گئے۔ اور اس کا شیرہ بھی جو تیار کیا گیا تھا۔ بہا دیا گیا اس کے علاوہ نشی اشیاء کی زراعت آپ نے بند کردی اور اس حکم کی تعمیل اس سختی اور شدت سے کی گئی کہ انگور کی بیلیں جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دی گئی اور ان جگہ پر آہنی کھسلیں نصب کی گئیں اسی طرح یہودیوں اور نصرانیوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اپنی پوشاکوں میں ایک قسم کا پٹہ ڈالیں اور کمر پر پٹا باندھیں جس سے مسلمانوں میں اور ان لوگوں میں تمیز ہو جائے اور کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔

حضرت امام (علیہ السلام) اور شہر کی خبرگیری

مورخ اسٹانلی لین پول کی روایت کے مطابق حضرت امام حاکمؑ رفتہ رفتہ جیسے رعایا سے اختلاط بڑھا ویسے ہی آپ کی طبیعت سے لوگ واقف ہوتے گئے آپ کی خوف ناک نیلگوں آنکھیں، رعب دار چہرہ اور آپ کی بلند آواز سے لوگ تھر تھر کانپتے تھے۔ آپ کا مخفف اسم "چھپکلی" کی طرح نہایت خاموشی اور آہستگی سے لوگوں میں گھل مل جانے کی عادت تھی اور اس طرح لوگوں کے راحت و تکلیف سے خبردار رہتے تھے۔ آپ کو رات کی کارروائیاں نہایت پسند تھیں، راتوں ہی میں دربار ہوتا تھا بازار میں بیوپاریوں کے آلات، اوزان خود ہی جانچتے تھے۔ ان کاموں کی انجام دہی کے لئے خود سفید خچر پر سوار ہو کر شہر کے تمام گلی کوچوں میں گشت فرماتے رہتے تھے۔

آپ کے صد ہا شاہی فرامین

حضرت امامؑ کے حکم سے "ملوکیہ" کھانے کی ممانعت کر دی گئی تھی اور شراب اکٹھا کر کے دریائے نیل میں ڈال دی گئی "دام" جیسی بازی ممنوع کی گئی۔ اور اس سے کھیلنے کے تختے اور پیادے تمام جلا دیئے گئے۔ محلہ کے بھٹکتے ہوئے کتے مارے جانے کا حکم بھی دیا۔ حکم کی عدول کرنے والے کو تازیانے لگائے جاتے تھے۔ یہودیوں اور نصرانیوں کو دس سال تک جو سہولت و راحت حاصل تھی۔ حضرت امامؑ کے عہد سلطنت میں ختم ہو گئی ایک پادری کو بشپ کا عہدہ دینے سے جب انکار کیا گیا تو حضرت امامؑ بے حد ناراض ہوئے مگر یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں رعایا کی شکایات حضرت امامؑ کے خدمت میں کثرت سے آنے لگیں۔ مقریزی رقمطراز ہے کہ یہود و نصاریٰ نے بنی فاطمہ کے

عہد سلطنت میں شاہی عملداروں کی مانند مسلمانوں پر خود ظلم و ستم ڈھاکر دولت و ثروت فراہم کیا تھا۔ اس لئے وہ نہایت متکبر و مغرور بن گئے تھے اور اسی لئے حضرت امام حاکمؑ ایسی سخت و شدید کارروائی ان کے خلاف عمل میں لائے۔

مختلف مورخین کے مختلف بیانات

تاریخ الاسلام کے راوی کے بیان کے بموجب حضرت امامؑ کے حکم سے رعایا کو شراب نوشی اور بغیر چھلکے کی مچھلی کی تجارت بالکل ممانعت کردی گئی تھی۔ یہود و نصاریٰ سیاہ عمامہ پہنتے تھے اور یہودیوں کے گلے میں پانچ رطلی وزن کی بچھ گاؤ اور نصاریٰ کے گلے میں بھی اُتنے ہی وزن کی صلیب پہننا لازمی تھا اور ان کے لئے اونٹ اور گھوڑے کی سواری کے علاوہ مسلمان غلاموں کی خریداری بھی ان کے لئے بالکل ممنوع تھی۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے زمین تک جھکنا رومیوں کی بدعت تھی اس لئے ۴۰۰ ہجری میں سامنے زمین بوسی و رسلام کرتے وقت بوسہ دینے کا جو رواج تھا اس کو حضرت امام حاکمؑ نے بند کردیا۔ اسی سال گانے بجانے والوں اور نجومیوں کو جلاوطن کردیا۔ اس غرض سے کہ رعایا کے متوسط طبقے کے لوگوں کے ساتھ انصاف ہو۔ حضرت امامؑ خود ان کی فریادوں کو سن کر دادرسی فرماتے تھے۔

مورخ لین پول رقم طراز ہے کہ مصر میں تمام نصاریٰ کے گرجاؤں کو گرا دینے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ اور تقریباً پانچ سال تک یہ کام جاری رہا۔ قرب و جوار کے گاؤں میں بسے ہوئے نصاریٰ اس حکم سے بچنے کے لئے مذہب اسلام اختیار کرنے لگے۔ اس کے لئے خاص ایک محکمہ کھولا گیا جس میں ہفتہ کے دو دن مسلمان ہونے والوں کا نام درج کیا جاتا تھا۔ اس محکمہ میں اسمٰعیلی مذہب اختیار کرنے کے لئے لوگوں کا ایسا زبردست ہجوم رہتا تھا کہ بہت سے لوگ کچلے جاتے تھے اور بعض موت کی نذر ہو جاتے تھے ایک طرف ایسے سخت احکام صادر ہوتے تھے اور دوسری طرف نصاریٰ کو ان کی قابلیت و لیاقت کے بموجب بڑے بڑے عہدے بھی دیئے جاتے تھے۔ بیت المقدس کے مشہور گرجا "چرچ آف ریزریکشن" (یعنی القیامۃ)

کو توڑنے کا حکم صادر کرنے والا سلطنت کا بڑا وزیر عابدون نامی ایک نصرانی تھا۔ زمانہ قدیم کے وزیر کبیر یسیلی ابن نسطورس کا فرزند زرعا الثانی بھی اسی زمانہ میں وزیر کے ممتاز عہدہ پر مامور تھا۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤرخوں کی نکتہ چینیاں سراسر بہتان اور خلاف واقعہ ہیں۔

ابورکوہ کا فتنہ

۳۹۵ھ ہجری میں مغربی افریقہ میں ایک بلوہ اٹھا اور تھوڑے عرصہ میں اس نے ایک بھیانک صورت اختیار کر لی اس فساد کی بڑی اہمیت تھی اور اسپین کے اموی سلطنت کے شہر کے ساتھ اسے کچھ نسبت تھی یہ زبردست بلوائی ابورکوہ نامی ایک شخص تھا۔ جو زنیشو کا تھا اپنے ہمراہ ایک مشک رکھتا تھا پہلے وہ مصر گیا۔ اور وہاں سے مکہ، یمن اور شام پہنچا۔ جہاں جاتا وہ اموی جانبداروں کی تعداد کو بڑھاتا جاتا اور بنوفاطمہ کی سخت مخالفت کرتا یہاں تک کہ بہت سے مریدوں کو اس نے جمع کر لیا اور رسول بامر اللہ اور منصور عضد اللہ کے القاب اپنے لئے بنا کر اپنے کو کہلانا شروع کیا۔ اس کے مریدوں میں زناطہ والوں کا ایک کثیر تھا ابھی کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بربری قبیلہ اور تاہرہ کے لوگ کثرت سے اس کے ساتھ مل گئے۔ اور اس غیر تعلیم یافتہ لشکر کثیر کے ساتھ یہ ابورکوہ آگے مشرق کی طرف بڑھا اور برقہ پر قبضہ کر لیا

حضرت امام حاکم نے انال نامی ایک سردار کے ماتحت ایک لشکر اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ برقہ پہنچنے کے قبل فاطمی لشکر کو ایک سیج جنگل کے بڑے حصہ میں گزرنے کی ضرورت پڑی اس راستہ کے تمام کنووں کو ابورکوہ نے سواروں کو بھیج کر بند کر دیا اور مصر کے فاطمی لشکر سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ انال کا لشکر اس طول وطویل سفر سے نہایت پریشان ہو گیا۔ اور پھر اس پر پانی کی تنگی نے اس لشکر کو اور بھی عاجز کر دیا۔ اس حالت میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ ابورکوہ کے لشکر کو چہار طرف سے نہایت عمدہ سہولیتیں تھیں اس لئے اس کی آخر میں فتح اور اس فتح و نصرت پر خوشی کے مارے اس نے دوسری فتوحات کے لئے اپنے خیالات دوڑانے شروع کئے۔

مصر میں حضرت امامؑ نے اناّل کی شکست کی خبر ملتے ہی دوسرا لشکر تیار کرنا شروع کیا اسی اثنا میں ابورکوہ مصر پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے لگا۔ اس کے اس ارادہ نے لوگوں میں ایک کھلبلاہٹ مچادی۔ دروزیوں کے مذہبی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امامؑ پر اس کے اس ارادہ سے ذرا بھی گھبراہٹ نہ ہوئی۔ آپ برابر جنگ کی تیاری میں تھے۔ شام سے ہمدانی لشکر بھی بلالیا گیا اور اس لشکر کی سرداری فضل بن صالح کو تفویض کی گئی۔ بنو فاطمہ کا لشکر شہر سے کوچ کرکے غیزہ میں آکر چھاؤنی ڈال کے مقیم ہوگیا اور وہاں دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ دشمن بھی تھوڑے عرصہ میں وہاں آپہونچے۔ اس اثنا میں بنی قرۃ قبیلہ کا ایک شخص جو دیماہی ابورکوہ کی تمام تجاویز اور اس کی حرکات وسکنات سے فضل بن صالح کو اطلاع دیتا رہا ان اطلاعات کی بنا پر فضل نے مقام شارق کے پاس اپنی لشکر کی مورچہ بندی مناسب سمجھی اور حقیقت میں فضل نے یہاں مورچہ بندی کرنے میں نہایت عقلمندی کی۔ ابورکوہ کے سامنے ندی رکھ کر فاطمی لشکر نے چھاؤنی ڈالی تھی۔ اس سے فضل کا یہ مقصد تھا کہ دشمن اگر ندی عبور کرنے کی کوشش کریں گے تو آسانی سے ان کا مقابلہ کیا جائے گا فاطمی لشکر کی تجویز پر بغیر کچھ خیال کئے ہوئے فتح ونصرت کے گھمنڈ میں ابورکوہ خوشی کے مارے اچھل رہا تھا اور اپنے خیال میں فاطمی سلطنت کے تمام حصے بھی تقسیم کرنا شروع کردیئے تھے۔ ابورکوہ نے پہلے سے ہوائی قلعہ ایسا باندھا کہ آخر بقیہ لشکر کو مصر اور شام ایشیائی عربوں کو سپرد کیا جائے گا اور اس تجویز کو عمل میں لانے کے لئے فضل کے لشکر پر شب خون کیا جائے اور اس شبخون میں بیوفا شامی سردار بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں آکے مل جائیں۔

فاطمی جنرل فضل بن صالح کی فتح

اس وحشتناک خبر کی اطلاع ہوتے ہی حملہ کی تجویز کے مطابق شام کو فضل نے تمام شامی سرداروں کو دعوت طعام دیکر اپنے پاس بلایا اور تناول طعام کے بعد ان کو اپنے ہی پاس روک لیا اس کے قبل کہ دشمن شب خون کریں فاطمی لشکر خود حملہ آور ہوا۔

اور جب تک شامیوں کو روک کھا ابورکوہ کے ہمراہی اس حملے سے ایک دم گھبرا گئے اور شکست کھا کر وہاں سے بھاگ گئے۔ حضرت امام حاکمؑ نے دوسرے چار ہزار گھوڑے سواروں کا ایک لشکر فضل کی امداد کیلئے روانہ کیا اس لشکر کی آمد کی خبر ابورکوہ نے سنتے ہی نہایت سرعت سے فرار ہوگیا اور فاطمی جاسوس مہدی کو اس کے منزل مقصود تک پہنچ جانے کے بعد بھی نہ معلوم ہوا کہ وہ کہاں گیا فاطمی جنرل کو ابورکوہ کی تجویز کی خبر ہوئی اس عرصہ کے درمیان معاونت کے لئے آئے ہوئے ایک ہزار بہادر راہ میں قتل ہو گئے۔ تاہم انہوں نے نہایت محفوظ طریقہ پر مناره مخروطی کے پاس اپنی چھاؤنی ڈال کر حملہ کو روکنے کا انتظام کیا۔

ابورکوہ کا فرار

ابھی تک ابورکوہ کے لئے شہر پر حملہ کرنے کے لئے ندی کا راستہ نہیں کھلا تھا اس لئے کسی خطرہ کا بالکل امکان نہ تھا اور دور سے فضل بھی اس کے تعاقب میں تھا اس لئے اپنی سلامتی کیلئے ابورکوہ فیوم ہٹ کر چلا آیا۔ اور سبقہ مقام پر لشکر کا ایک چھوٹا سا حصہ امیر فضل کو دھوکا دینے کے لئے رکھ چھوڑا مگر جب دشمنوں کا راز فاش ہوگیا۔ اور ان کی بتر حالت کی اطلاع ہوگئی تو امیر فضل اسی وقت دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ ابورکوہ کی تمام امیدیں اس حملہ سے خاک میں مل گئیں اور اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ یہ جنگ سنہ ۳۹۶ء میں ذی الحجۃ الحرام کو وقوع میں آئی۔ دشمن کے لشکر کے چھ ہزار آدمی جنگ میں کام آئے اس لڑائی میں ابورکوہ کے لشکر میں تین ہزار آدمی تھے۔ جس میں سے بہت سے مارے گئے۔ بہت سے فرار ہو گئے اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئے۔ قیدیوں کو فضل نے حضرت امامؑ کے خدمت میں معہود انہ کیا۔ ابورکوہ نے لشکر کی تباہی کے بعد راہ فرار اختیار کی اور اپنی جان بچا کر کچھ دنوں مصر کی سرحد پر شمالی علاقہ میں اور اس کے بعد نیوبیا میں پوشیدہ رہا۔ جب کسی قدر پریشانی دور ہوئی اور وہ چند اس مطمئن ہوا تو اس نے نیوبیا کے بادشاہ سے ملاقات کی۔ اور خود کو خلیفہ بنی فاطمہ کا ایلچی ظاہر کر کے اپنا تعارف شاہ نیوبیا سے کرایا۔ مگر شاہ نیوبیا نے اپنی علالت کے باعث اس سے ملاقات نہیں کی

تاہم اس بہانہ سے تھوڑی مدت تک وہ شاہی مہمان بنکر نہایت عزت و حرمت سے اپنی عمر کے چند ایام وہاں بسر کئے۔ ابورکوہ کی تلاش و جستجو کا سلسلہ فضل نے جاری کھا تھا۔ اتفاقاً تھوڑے ہی دن کے بعد فضل نوبیا آپہنچا۔ وہاں سے ابورکوہ کی اطلاع ملی اور اس نے شاہ نوبیا سے بیان کر دیا کہ یہ فاطمی سلطنت کا قطعی باغی ہے۔ شاہ نوبیا نے یہ سن کر اس کو اپنی حد سے باہر نکال دیا فضل نے اسے اپنے چھاؤنی کے پاس قید کر لیا۔ اور اسے ہمراہ لیکے قاہرہ روانہ کیا۔ غیظ ہوتے ہوئے فسطاط میں داخل ہونے کو تھا کہ اتنے میں ۲۷ رجمادی الآخر ۳۹۷ ہجری سنیچر کے روز حضرت امام حاکم کی طرف سے یہ حکم ملا کہ ابورکوہ کو اونٹ پر تمام لشکر کے موجہ پر لگا کر شہر میں داخل کریں اس حکم کے مطابق پندرہ ہاتھیوں کے ساتھ فاطمی لشکر کے بالکل بیچ میں ابورکوہ کو لئے جاتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے لوگ جوق جوق اس کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے اور آخر میں یہ حضرت امام کے محل کے پاس لایا گیا۔ جہاں اس کے لئے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اور مسجد ریحان کے سامنے اونچی ٹیکری پر اسے لیجا کے اس کا سر اڑا دیا گیا۔

حضرت امام حاکم نے ۴۰۱ ہجری میں سپہ سالاری کا (کمانڈران چیف) ممتاز عہدہ صالح بن علی رودباری کو عنایت کیا۔ اس سال کی سولہویں رجب کو جب قاضی القضاۃ اور بڑے داعی الدعاۃ عبدالعزیز اپنے عہدے سے فارغ ہوئے۔ تو ان کے جگہ پر مالک بن سعید الفرقی کا تقرر عمل میں آیا۔ اور علی بن فلاح کو دمشق کا گورنر بنا دیا گیا۔

تبرا کی ممانعت اور خلفا کا احترام

مورخ ابن خلکان لکھتا ہے کہ اسلام میں زمانہ سلف کے خلفاء پر تبرا کی ممانعت کا حکم حضرت امام نے صادر فرما کر ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہم لکھنے اور بولنے کی اجازت دی اور حضرت علی کے اسم مبارک کے ساتھ علیہ السلام کے استعمال کی آزادی تھی۔ ہر ایک مسلمان مذہب کے بارے میں بالکل آزاد تھا اور وہ چاہے سُنی رہے یا شیعہ سلطنت کی طرف سے کسی طرح کا جبر نہ تھا۔

سنہ ۴۰۱ ہجری میں شاہ موصل قرواش بن مقلد نے عباسی خلیفہ کی اطاعت سے کنارہ کشی کرکے اپنے تمام سلطنت کے اطراف ونواحی میں حضرت امام حاکم ابو علیؑ کے نام کا خطبہ پڑھانا شروع کیا اور آپ کو امیر المومنین تسلیم کرکے تمام احکامات میں آپ کی اتباع کی موتسل۔ انبار۔ مدائن اور دوسرے کئی شہروں میں مندرجہ ذیل مضمون بنانہ کرکے خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

"ایسے معبود الٰہی کی حمد وثنا جس کے نور سے تعصب کرنے والوں کی آنکھیں بالکل کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اس کی قدرت سے لا مذہبوں کی پشت وپناہی بالکل منہدم ہوگئی اور جس کے نور سے حق کا نور مغرب کی سمت طلوع ہو کر چمکا۔

ایک دوسرا مذہبی فتنہ

حضرت امام حاکمؑ کے ایام سلطنت میں ایک دوسرا فتنہ مذہبی لباس کے رنگ میں جاگ اٹھا اس کا مخصوص بانی حسن بن عبد الملک نامی ایک شخص تھا۔ اس کو بھی اسپین کے اموی خلفا سے امداد واعانت ملتی تھی۔ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اپنی مطلب براری کے لئے اپنے کو عباسی خاندان کی اولاد بتایا اور دعویٰ کیا کہ حضرت امام حاکمؑ کے سلطنت کا سجاد وارث اور مستحق وہی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا کہ جو لوگ اس وقت اس کی مدد کریں گے انہیں بعد میں دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا بڑے بڑے عہدے ملیں گے اور جاگیرات بخشی جائیں گی۔ اکثر لوگ للچا کر اس کے ساتھ ہو گئے اور فاطمی سرحد پر کشت وخون شروع کر دیا۔ دشمنوں کے سردار نے کچھ ایسا ڈھونگ رچا کہ جس سے صاف ظاہر ہو کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ عنقریب فاطمی سلطنت کا مالک وحاکم بن جائے گا باشندگان شہر سے جب حسن کی یہ تمام باتیں حضرت امام علیہ السلام کو پہنچی تو اسی وقت آپ نے ایک لشکر جنرل فضل کی سرداری میں اسکو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کیا دونوں لشکر میں سخت لڑائی ہوئی اور چند عرصہ کی خونریز لڑائی کے بعد حسن پکڑا گیا اس کے سارے ہمراہی فرار ہو گئے۔ جنرل فضل نے حسن کو قید کرکے مصر روانہ ہوا اور اس کو حضرت امام حاکمؑ کی خدمت اقدس میں کھڑا کیا۔

حضرت امامؑ کے حکم کے مطابق حسن کو سرخ ٹوپی پہنا کر اونٹ پر سوار کرکے شہر میں گشت کرایا۔ اور

حمدون نامی شخص نے اسے اونٹ ہی پر گھونسہ مارنا شروع کیا اور وہ اسی پر بیٹھے ہوئے فوت ہوگیا۔

حسّان کا بلوہ

سنہ ۴۰۰ھ ہجری میں سب سے زیادہ اہم واقعہ حسان بن مفرج بن دغفل بن جراح کا بلوہ تھا سنہ ۳۹۹ ہجری میں جلا وطن اشخاص میں سے ایک حسین نے حسان کو بلوہ کرنے کے لئے برانگیختہ کیا وزیر منصور بن عابدوان کے کہنے سے حسین کے دو فرزند اور دو بھائی قتل کئے گئے۔ اس لئے حسین نے حسان کی پناہ لی اور حضرت امام کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے حسان کو تیار کیا۔ عربوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ شامل ہوگئی۔ اور علاوہ اس کے ہمراہی میں سلطان مکہ حسین بن جعفر کی سرداری میں حجاز کے تمام قبائل شامل ہوگئے حضرت امام حاکمؑ نے ان بلوائیوں کو دبانے کے لئے یارکتگین کی سرداری میں ایک فوج عظیم دیکر حلب کی طرف روانہ کیا فاطمی لشکر شام پہنچتے ہی غیزہ اور عسقلان کے درمیان ایک کمینگاہ کے نزدیک فاطمی لشکر کو پھنسا دیا۔ یہاں دونوں لشکر میں جنگ ہوئی جس میں جنرل یارکتگین مارا گیا اور بلوائیوں نے رملہ کا محاصرہ کرلیا یہ دیکھ کر نا تجربہ کار نوجوان گروہ در گروہ لالچ میں آکر اس کی فوج میں داخل ہوگئے۔ حضرت امام حاکمؑ نے نہایت بردباری سے ان بلوائیوں کو نصیحت آمیز خطوط لکھے۔ مگر انھوں نے اس کا کچھ بھی خیال نہ کیا بلکہ برعکس اس کے اپنے فتح پر اکڑتے ہوئے مکہ کے سلطان حسین بن جعفر سے خلافت کے عہدہ پایہ کو قبول کرنے کی استدعا کی۔ جس کو اس نے منظور کرلیا مکہ میں اس نے اپنا ایک نائب مقرر کرکے مفرج سے آملا لشکر نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور امیرالمومنین کا لقب اسے دے دیا۔

حسّان کو معافی اور مکہ معظمہ میں فاطمی خطبہ کا رواج

حضرت امام حاکمؑ نے اپنی خداداد بردباری اور فیاضی سے کام لیتے ہوئے حسان اور مفرج کو دوبارہ خط لکھ کر ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ بلوہ سے دست بردار ہوکر میرے تابع فرماں ہو جاؤ تو تم کو جاگیریں اور دوسرے انعام واکرام سے نوازا جائے گا اور تمھاری عمر بھی نہایت مسرت کے ساتھ گذرے گی اس خط کا اثر ان لوگوں پر بہت کچھ ہوا اور نئے مکہ معظمہ کے خلیفہ کی جانبداری سے علٰحدہ ہوکر حضرت امامؑ کے تابع فرمان ہوگئے۔ مفرج اور مکہ کے

سلطان کے درمیان سخت جھگڑا واقع ہوا اور آخر میں مغربی کو ہمراہ لیکر سلطان مکہ معظمہ واپس چلا گیا۔ تاہم حسان نے ابھی اطاعت قبول نہ کی۔

اس واقعہ کے چند ایام کے بعد حضرت امامؑ نے جعفر بن فلاح کی سرداری میں شام میں ایک لشکر بھجوایا اور اس نے مفرج کے فرزند حسان اور اس کے ہمراہیوں کو رملہ سے بھگا دیا۔ دو سال کے بعد حسان نے اپنے والد مفرج کے کہنے سے حضرت امامؑ سے معافی طلب کی اور جاگیردار بن کر صلح و امن سے مصر میں اپنی زندگی گزارنے لگا۔

مکہ معظمہ کے سلطان نے سنہ ۴۰۲ ہجری تک فاطمی خلیفہ حضرت امامؑ سے مخالفت جاری رکھی۔ اسکے بعد اس نے بھی حضرت امامؑ سے معافی طلب کی اور بعد ازاں مکہ میں فاطمی خطبہ اور فاطمی سکہ کے رواج کو قبول کر کے فوراً عمل میں لایا۔

قادر باللہ عباسی کی کاروائی

اس زمانہ میں پچیسواں عباسی بادشاہ ابوالعباس احمد قادر باللہ تخت پر متمکن تھا اور بنو فاطمہ کی یہ شوکت و حشمت اسے دیکھی نہ جاتی تھی اس لئے اس نے اپنی صدارت میں علماء کی ایک مجلس منعقد کی جس میں شیعہ سنی تمام علماء جمع ہوئے اور ان سے ایک مختصر رسالہ تیار کرایا جس میں یہ مضمون لکھوایا کہ خلفائے بنو فاطمہ حقیقی بنو فاطمہ نہیں ہیں اور اس کی خوب اشاعت بھی کی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں شیعہ اور سنی کے مابین بلوہ ہوگیا اور کئی آدمی ہلاک ہوئے۔

تاریخ الاسلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ عباسی خلیفہ قادر باللہ نے خلفائے بنو فاطمہ کی مخالفت میں سنہ ۴۰۲ ہجری میں ایک جھوٹا شجرہ تیار کرایا جس میں اس نے خلیفہ بنو فاطمہ کو مجوسی (یعنی آتش پرست) اور زندیق و ملحد ہونے پر شیعہ اور سنی علماء سے دستخط کرائے۔ عباسی خلیفہ کا یہ کام محض سیاسی مصالح پر مبنی تھا۔ اور اس خیال سے کہ فاطمی خلفاء حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی نسل مبارک سے ہیں عام طور پر ان کا احترام کیا جاتا تھا اور عباسی خلفاء عوام الناس کے اس عزت و احترام کو اپنی سلطنت کے لئے نقصان رساں سمجھتے تھے اور اسی لئے مخالفت کرتے تھے۔

حضرت امام حاکم (علیہ السلام) پر عدالت میں فریاد

المومنین کا بڑا پادری سیورس کہتا ہے کہ ۴۰۲ ہجری میں شاہی حکم کے مطابق منع کردہ پھلوں کو ایک تاجر نے اپنی ساری پونجی لگا کر خرید لیا تھا۔ حکومت کے نافذ کردہ حکم کے مطابق ضبط کر کے تمام پھلوں کو خراب کر دیا گیا۔ جس سے اس تاجر نے اپنی داد خواہی کیلئے قاضی القضاۃ کی عدالت میں شاہی سلطنت کے حاکم حضرت امام کے خلاف فریاد کی۔ فاطمی خلیفہ نے اس دعوی کی جواب دہی کیلئے خود حاضر عدالت ہو کر منظور فرمایا مقدمہ کی تحقیقات شروع ہوتے ہی تاجر نے ایک ہزار طلائی مہر کے نقصان کا دعوی کیا تھا اور اس رقم کو ادا کرنے کے لئے قاضی سے التماس کیا تھی خلیفہ حضرت امام نے جواب دیا۔ "ان پھلوں کا استعمال قرآن مجید کی منع کردہ شراب کشید کرانے کا ارادہ اس تاجر کا تھا یا نہیں ؟ اگر تاجر حلفیہ طور پر اس بات سے انکار کرے تو یہ رقم ادا کرنے کے لئے میں تیار رہوں۔"

تاجر نے کہا جب تک رقم یہاں حاضر نہ کی جائے گی تب تک میں قسم نہ کھاؤں گا حضرت امام نے رقم حاضر کر دی۔ تاجر نے اپنا حلفیہ بیان دیا کہ میں نے ان پھلوں کی خریداری صرف کھانے کے استعمال کے لئے کی تھی اس پر مطلوبہ رقم فی الفور رسم ادا کر دی گئی مگر تاجر کو خوف ہوا کہ مبادا اس پر آئندہ کچھ ظلم ہو اس لئے حضرت امام نے اسے ایک امن نامہ بھی لکھ کر عنایت فرمایا۔ فیصلہ سے فارغ ہو کر قاضی نے از روئے ادب حضرت امام کی خدمت میں مراسم سلام ادا کیا حضرت امام نے قاضی کے اس طرز عمل سے اور مدعی کے ساتھ صحیح انصاف سے خوش ہو کر قاضی کو بہت سے انعامات و تحفہ جات عنایت فرمائے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی فیاضی

۴۰۳ ہجری میں دوسری بار قحط سالی ہوئی۔ اور تمام چیزیں مہنگی ہو گئیں اسی سال کے آغاز میں اپنے نئے وزیر حسین بن طاہر الوزان کو امین الامراء کا لقب حضرت امام نے عطا فرمایا تھا۔ اس نے مملکت کے آمدورفت کی پوری جانچ کر کے بقایا حساب حضرت امام کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا اب فیاضی و سخاوت کے بدلے کفایت شعاری نہایت ضروری ہے۔"

حضرت امامؑ کی فیاضی اور دریا دلی کی نسبت درروزیوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امامؑ لوگوں کو صرف القاب و خطاب ہی سے سرفراز نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی طرف سے وظائف اور جاگیریں اور انعام و اکرام بھی دیئے جاتے تھے ان حالات کو دیکھتے ہوئے وزیر نے مختصر عرضی تحریر کی تھی جس میں لکھا تھا کہ آپ اب اپنی فیاضی اور سخاوت کو بند کر دیں تو بہتر ہوگا اس کے جواب میں حضرت امامؑ نے نہایت محبت آمیز الفاظ میں فرمایا کہ میرے حکم کی تعمیل برابر ہونی چاہیئے وزیر نے حسب الحکم انعامات اور اکرامات ادا کر دیئے اور تمام اخراجات کے حساب تیار کر کے حضرت امامؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت امامؑ کے علاوہ دوسرے تمام خلفائے فاطمہ نہایت فیاض تھے۔ حضرت امامؑ نے اپنی ذاتی جائداد کوئی علیحدہ نہ رکھی تھی۔ آپ اپنی خاص ملکیت کے علاوہ بیت المال سے بھی بہت بڑی بخششیں عنایت کرتے تھے۔

ایک باغبان کی خوش قسمتی

قاضی شہاب الدین اپنی تصنیف "مسلک الانصار" نامی کتاب میں حضرت امامؑ کی فیاضی کے بارہ میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حاکمؑ شہر کی حالت کا موائنہ کرنے گئے۔ اسی اثنا میں آپ کو پیاس کی شدت معلوم ہوئی اور آپ ایک باغیچہ کے دروازہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت امامؑ نے دیکھا کہ وہاں ایک شخص کھڑا ہے۔ اور اس کے چہار طرف اس کے غلام کھڑے ہیں۔ پانی طلب کرتے ہی ایک شخص دوڑتا ہوا گیا اور ٹھنڈا پانی لاکر حضرت امامؑ کے سامنے پیش کر دیا حضرت امامؑ جب پانی پی کر سیراب ہوئے۔ تو اس شخص نے التماس کی کہ یا امامؑ آپ میرے باغیچہ میں قدم رنجہ فرما کر مجھے ممنون کریں حضرت امامؑ نے بخوشی تمام قبول فرمایا اور اس نے نہایت عمدہ عمدہ پھل اور انواع و اقسام کے لذیذ کھانے حضرت امامؑ کے سامنے پیش کر کے تناول فرمانے کی التماس کی اور آپ نے نوش فرمایا مگر اس میزبان باغبان کے چہرے پر افسوس اور حسرت چھائی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت امامؑ نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی مالک باغ نے مؤدبانہ عرض کیا کہ میں ایک غریب باغبان ہوں۔ میرے مشاغل بیحد ہیں تجارت بھی کسترین کی نہایت وسیع ہے جائداد بے شمار ہے مگر نقدی کی تنگی کے سبب تمام نظام بگڑا ہوا ہے اور چہار طرف پائمالی کے آثار نظر آرہے ہیں۔

حضرت امامؑ کو یہ حال سُن کر اس پر رحم آیا اور یہ کہہ کر کہ ہماری تمام رعایا اگر امیر ہو جائے تو ہماری خوشی بے انتہا ہو گی۔ آپ تشریف لے گئے۔ اور بیت المال سے ایک کروڑ سات لاکھ درہم اس کے غبان کو بھیج دیا۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ مراعات

ڈی سیسی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ تقریباً ۴۰۵ھ ہجری میں نصاریٰ اور یہود نے حضرت امام حاکمؑ سے شورہ وطلب کرنے کیلئے ایک مجلس عام منعقد کی تھی دروزیوں کی تصنیفات میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت امامؑ کرفاجالب تھے۔ اس وقت یہود اور نصاریٰ کے نمائندے حضرت امامؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ نے نہایت مہربانی سے اظہار مطلب کی اجازت دی۔ انہوں نے عرض کیا کہ جو یہودی اور نصرانی مذہب اسلام قبول نہ کرے اس کو ممالک یونان نیوبیا یا حبش جہاں وہ چاہیں وہاں جانے کے لئے انہیں پروانہ دیا جائے اور آپ نے منظور کر دیا۔

حضرت امام حاکمؑ کے عہد سلطنت میں زانیہ اور فاسقہ عورتوں کو بہت سخت سزائیں دی جاتی تھیں حکومت کی طرف سے بوڑھی عورتیں چہار طرف جاسوسی کرتی تھیں اور جہاں زانیہ عورتوں یا مردوں کی خبر ملتی فوراً وہاں خواجہ سراؤں کو روانہ کر کے ان کو اسی جگہ دیوار میں چنوا دیا جاتا تھا

حلب اسمٰعیلی حکومت میں

حضرت امام حاکمؑ کے عہد سلطنت میں بنو فاطمہ کی سلطنت کا ستارہ نہایت عروج پر تھا اور چہار طرف اس کی ترقیوں کی چمک نظر آتی تھی اسی زمانہ میں پوپا سلطنت کے مالک سیف الدولہ کے پڑپوتے ابوالہیجا نے حلب پر چڑھائی کی۔ منصور بن لولو نے حضرت امامؑ سے امداد حاصل کر کے حلب کو اس کے حملہ سے بچا لیا۔ اس کے معاوضہ میں اسی سال ۴۰۶ھ ہجری ماہ رمضان میں حضرت امامؑ نے حلب اور اس کے گرد و نواح کے شہروں کو منصور کو پروانہ لکھ کر بخشدیا۔ اور اس نے اس کے عوض میں بنو فاطمہ کو خراج دینا منظور کیا۔



قلعہ حلب :۔ نامور اسمٰعیلی سردار رشید الدین سنان اس قلعہ کا گورنر تھا اور یہ قلعہ حکومت آلموت کے مقبوضات میں سے تھا

سنہ ۴۲۰ ہجری تک شام میں سبکتگین شمس الدولہ ... دمشق میں گورنر رہا۔ مگر وہ بڑا ظالم حاکم تھا اس نے اپنے عہد حکومت میں دمشق کے قلعہ کے نیچے ایک جدید پل تعمیر کیا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ اس پل پر سے پہلے وہ خود گذرے مگر جب اس نے دیکھا کہ اس پر سے ایک گھوڑے سوار گذر رہا ہے تو وہ نہایت غضب ناک ہو گیا۔ اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ گھوڑے سوار کو پکڑ لائیں حسب الحکم سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور جب گورنر کے پاس وہ حاضر کیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ شاہی قاصد ہے اور اپنے ہمراہ گورنر کو اس کے باعث معزول کرنے کا حکم نامہ لایا ہے یہ دیکھ کر اسے نہایت حیرت ہوئی۔

حلب کے امیر مرتضیٰ الدولہ نے اپنے بہت سے دشمن بنا لئے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ بنی کلب کے عرب اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے امیر حلب کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنی صلح پسندی اور امن دوستی ظاہر کرنے کے لئے ان کو دعوت دی اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو شہر کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ بعد ازاں اس قبیلہ کے سرداروں کو گرفتار کیا۔ اور ان کے ایک ہزار ہمراہیوں کو قتل کر کے باقیماندہ کو قید کر دیا۔ سنہ ۴۰۵ ہجری میں ان میں سے ایک سردار صالح بن میرداس قیدخانہ سے بھاگ گیا اور لوٹ مار شروع کر دی مرتضیٰ دولہ نے پکڑنے کیلئے اس پر حملہ کیا مگر... اتفاق سے خود ہی اس کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ سردار صالح نے صلح کا پیغام بھیجا اور کہا کہ صلح کے عوض میں پندرہ ہزار طلائی مہر ایک لاکھ بیس ہزار رطل چاندی، کپڑوں کے پانچ سو تھان اور ہمارے قبیلہ کے قیدیوں کو رہائی دو۔ اس کے علاوہ حلب اور اس کے ماتحت کے شہروں کے دو نصف حصے کر کے دونوں آپس میں باہم تقسیم کر لیں اور وہ میرے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دے۔ مرتضیٰ نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا اور اسے رہا کر دیا گیا۔ مگر مرتضیٰ نے آخری دو شرطوں کو پورا نہ کیا۔ اس وجہ سے دوسری بار لڑائی ہوئی۔ صالح نے حلب کو محصور کر لیا۔ اور تمام سامان خورد و نوش شہر میں جانے سے روک دیا۔ جب اہل شہر بھوک کی شدت سے بیزار ہوئے تو لاچار ہو کر اس کے تابع فرمان ہو گئے۔

فاتح حلب کو مبارک الدولہ کا خطاب

سنہ ۴۰۶ ہجری میں مرتضیٰ اور فاتح کلائی کے درمیان پھر جھگڑا پیدا ہوا اس زمانہ میں فاتح کلائی دمشق کے

قلعہ کا گورنر تھا مرتضیٰ کو شک ہوا کہ بلوہ میں اس نے صالح کو تقویت دی مگر آخر میں فاتح نے علانیہ بلوہ کیا اور مرتضیٰ کو کہلا بھیجا کہ تم کو حلب سے ہاتھ دھو لینا چاہیئے اور تم وہاں سے فوراً اسے چھوڑ کر چلے جاؤ ورنہ میں صالح کو قلعہ سونپ دونگا ابھی مرتضیٰ "باب الجنان" نامی شہر کے دروازہ کے قریب محل میں تھا کہ وہاں اس نے ڈھول تاشے اور بیگل کی آواز سنی اور اسکی بغاوت میں یا حاکم یا منصور یا صالح یا منصور کی آواز اس کے منہ سے نکلی مرتضیٰ نے یہ خیال کیا کہ قلعہ اب عربوں کے قبضہ میں جا چکا ہے اور فی الحقیقت وہ اس واقعہ سے ایسا گھبرایا کہ بغیر کسی تلاش و جستجو کے اپنے قبیلہ کے ساتھ انطاکیہ کی طرف فرار ہو گیا۔ اور وہاں اسے یونانی بادشاہ نے پناہ دی۔

مرتضیٰ کے فرار ہوتے ہی فاتح نے حضرت امام حاکمؑ کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور صالح کے ساتھ مصالحت کر لی۔ فاتح نے تمام واقعات حضرت امامؑ کی خدمت میں لکھ بھیجے چونکہ اس نے انتہائی عقلمندی سے اس معاملہ کو درست کیا تھا اس لئے اس فاتح کی قدر کرتے ہوئے حضرت امامؑ نے مبارک الدولہ والسیدہ کے لقب سے مفتخر فرمایا۔ اور حلب پر حضرت امامؑ کا پورا قبضہ ہو گیا ۴۰۶ہجری میں حلب کی رعایا جو خراج ادا کرتی تھی وہ معاف کر دی گئی اور مرتضیٰ کی ساری دولت فاتح کو سونپ دی گئی حضرت امامؑ کے حکم کے مطابق امیر عزیز الدولہ نامی منجوتگین کے ارمنی غلام کو حلب کا قلعہ تفویض کر کے طائرؑ کے عہد گورنری پر چلا گیا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے عہد سلطنت کی علمی و فنونی خدمت

حضرت امام حاکمؑ کے عہد سلطنت میں ابو یوسف کی طرح حمید الدین بن احمد بن عبداللہ الکرمانی نے بھی فنونی خدمت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی ہے اور بہت سی کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔ "راحت العقل والنفس" ان کی نہایت مشہور تصنیف ہے۔

ابو حامد احمد بن محمد الانطاکی بھی حضرت امامؑ کے زمانہ کا شاعر تھا اور اس کا تخلص "ابو رکامک" تھا ثعلبی نے اپنی کتاب "تیمتہ الدہر" میں اس کی سوانحعمری اور اس کی نظم کے متعلق نہایت مفصل بیان لکھا ہے یہ ایک قادر الکلام شاعر تھا اور نہایت عمدہ نظم لکھتا تھا اس نے حضرت امامؑ

حضرت امام عزیزؒ اور حضرت امام حاکمؒ کی تعریف و توصیف میں متعدد قصائد لکھے ہیں انطاکی سے مطلب شہر انطاکیہ کا باشندہ ہے جو حلب کے جوار میں ایک شہر ہے

حضرت امام (علیہ السلام) کے اوصاف حمیدہ

ابن ذولاق لکھتا ہے کہ حضرت امام حاکم ابو علیؑ نہایت سخی، شجیع، منصف مزاج، عالم بے نظیر اور صاحب کرامت تھے۔

حبیب السیر کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام حاکم ابو علیؑ منصف مزاج، نہایت متقی خدا سے ڈرنے والے، دیندار، پرہیزگار بادشاہ تھے اسلام کے حکم کے مطابق امر بالمعروف نیک کام کرنے کی ہدایت اور نہی عن المنکر برے کام کرنے کی ممانعت فرماتے تھے آپ نے علم کی نشر و اشاعت کے لئے دار العلوم کو نہایت تقویت دی اور ان کے استحکام کے لئے جاگیریں بہت سی عنایت کیں طالبعلموں کی تعلیم کے لئے بہت سی جلیل القدر اور فقہا مقرر کئے۔

حضرت امام حاکمؑ علم نجوم کے زبردست ماہر تھے ابو الحسن بن علی بن عبدالرحمٰن بن محمد بن یونس جو ابن یونس کے نام سے متعارف ہے بڑے زبردست نجومی تھے اُنھوں نے اعلیٰ درجہ کی تقویم چار جلدوں میں تیار کی تھی جو حاکمی تقویم کے نام سے آج تک مشہور ہے اسمٰعیلی تو امام حاکمؑ کو امام حق سمجھ کر مانتے تھے۔ مگر ان کے ماسوا ایک دوسرا فرقہ دروزی بھی پیدا ہو گیا تھا جس کا تھوڑا بیان ذیل میں لکھا جاتا ہے

دروزیوں کے حالات

دروزیوں کے علمی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۰۸ھ ہجری میں حضرت امامؑ نے "عقل الٰہی ہونے کا علانیہ دعویٰ کیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت امامؑ کے پاس چند اشخاص کے ساتھ محمد بن اسمٰعیل دروزی نامی ایک ایرانی داعی بھی بیٹھا تھا۔ وہ تاویلی علم کا عارف تھا اور تناسخ کا قائل تھا فاطمی خلیفہ حاکمؑ کی جناب میں اپنے باطنی عقیدہ کی تائید ملتے ہی سے یقین ہو گیا اور اس نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں اس نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے الٰہی روح، حضرت آدمؑ میں نفخ کیا تھا وہی

روح درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے ایک نبی سے دوسرے نبی میں منتقل ہوتی ہوئی حضرت امام علیؑ میں آئی اور نسلاً بعد نسلٍ وہ روح حضرت امام حاکمؑ میں پہنچی۔

ایک مرتبہ محمد اسمعیل درروزی اپنے مریدوں کی ایک ٹولی کو لئے ہوئے پُرانی مسجد میں گیا اور وہاں اس نے جو کتاب تصنیف کی تھی اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا اس سے مسجد میں کھلبلاہٹ شروع ہو گئی اور لوگ غضبناک ہو کر اسے قتل کرنے کے لئے اس پر ٹوٹ پڑے۔ بعد ازاں اس نے شام کی طرف کوچ کیا اور لبنان پہاڑ پر اپنا مقام کیا یہاں ایک بڑی قوم رہتی تھی اس قوم میں اس نے حضرت امامؑ کی الوہیت پر تبلیغ و دعوت شروع کی جسکو سار ی قوم نے تسلیم کیا اور درروزی فرقہ پیدا ہوا۔

۴۱۰ھ ہجری میں حمزہ بن علی بن احمد کو حضرت امامؑ نے اپنا وزیر بنایا تھا یہ شخص بھی حضرت امام کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا اور درروزیوں کے عقائد کی تبلیغ کرتا تھا جس کی وجہ سے اس قوم کا وہ بانی شمار کیا جاتا تھا۔

حمزہ بن علی بن احمد ہادی ایران کے "جوزان" نامی شہر کا باشندہ تھا۔ درروزی اپنے سال کا حساب حمزہ کے زمانہ سے شمار کرتے ہیں۔ حمزہ کا مذہبی تعلق حضرت امام حاکمؑ کے ساتھ ۴۰۵ھ ہجری سے باطنی طور پر جاری تھا۔ اس کا مقام منتریہ میں جامع بیر کی مسجد میں تھا جو اصل میں ایک علوی کا روضہ تھا اور اس نے درروزی مذہب کی تبلیغ و اشاعت علانیہ طور پر ۴۰۸ھ ہجری میں جاری کی تھی۔

درروزیوں کے مذہبی اعتقادات

حضرت امام حاکمؑ کے "خدا ہونے" کی تبلیغ آپ کے عہد سلطنت میں تھوڑے دنوں کے بعد فرغانہ شہر کے ایرانی باشندہ حسن الاخرم نامی نے شروع کی۔ اس نے بھی اپنی ایک جماعت تیار کی تھی۔ ایک مرتبہ پچاس مریدوں کے ساتھ وہ پرانی مسجد میں گیا جہاں قاضی انصاف کرتے ہوئے بیٹھا تھا اس نے قاضی کو بسم حاکم الرحمن الرحیم کے الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے مخاطب کر کے ایک سوال کیا۔ قاضی نہایت غضبناک ہو گیا۔ اور وہاں جو لوگ جمع تھے وہ بھی امام

غصہ سے بھڑک گئے حتیٰ کہ اخرم اور اس کے ہمراہیوں پر ٹوٹ پڑے اخرم تو وہاں سے فرار ہو گیا مگر اس کے کئی ہمراہی قتل ہو گئے ۔

تاہم یہ تو بالکل تحقیق ہے کہ ان تمام داعیوں میں سب سے زیادہ مشہور داعی اس عقیدہ کا حمزہ تھا ۱۱ھ ہجری میں حضرت امامؑ کی وفات کے بعد اس نے اسمٰعیل بن محمد تمیمی محمد بن وارا ابو خیر سلیم بن عبد وہاب اور بہاء الدین نامی اشخاص کو درروزی مذہب کی تبلیغ کیلئے مقرر کیا۔ موخر الذکر اپنی تصنیفات کی وجہ سے ہندوستان میں بھی مشہور ہے ۔

۴۳۰ھ ہجری سے ۵۸۶ھ ہجری تک کے عرصہ میں اس مذہب کے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ درروزیوں کی مذہبی کتابوں کے بیان کو مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ انھوں نے مذہب سے بالکل تجاوز کر کے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے اور اس کے علاوہ ۵۸۶ھ ہجری تک درروزی مذہب کا دوسرا کوئی موثق ثبوت اس کے پیدا ہونے کا دستیاب نہیں ہوتا ۔

ان کی مذہبی کتابوں کے بیان کے مطابق مورخ اذیری لکھتا ہے کہ چند یہودی اور عیسائی حضرت امام حاکمؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا ربنا اے ہمارے رب ہم اپنے قدیم مذہب کو پھر اختیار کرنا چاہتے ہیں ۔

حضرت امامؑ نے فرمایا ”تمہیں جیسا بہتر معلوم ہو ویسا عمل کرو“ درروزیوں کے اعتقاد کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا جائز ہے مگر یہودیوں اور عیسائیوں کے باب میں یہ حکم منسوخ ہے ۔

۱۱ھ ہجری درمیان حمزہ کے معتقد درروزی اپنے اعتقادیں بالکل حد سے تجاوز کر گئے حضرت امام حاکمؑ کے حضور میں جب داخل ہوتے تو سلام کرتے وقت کہتے کہ السلام علیک لا الٰہ الا اللہ السلام علیک لا شریک لک اور کہتے کہ آپ ہمارے حیات ممات اور ہمارے تونگری و مفلسی کے مالک تجھ پر سلام ہو ۔

مورخین جب اس زمانہ کا حال تشریحاً بیان کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ اسمٰعیلی مذہب کی علمی اور فنی دلچسپی کے باعث رعایا کے خیالات میں نہایت تبدیلی واقع ہو گئی تھی اور لوگ

مذہبی امور میں دلچسپی سے کام نہ لیتے تھے بلکہ سستی دکھاتے تھے۔

دروزیوں کے تین حصے

حضرت امام حاکمؑ کے عہد سلطنت کا قائم شدہ دروزیوں کا فرقہ بعد میں تین حصوں میں منقسم ہوگیا تھا۔ یعنی سوبدانی خضروی اور دروزی ان میں سب سے بڑی تعداد دروزی فرقہ کی ہے۔

دنہ یرحمزہ دروزی مذہب کا محقق عالم ہو اور اس نے اس بارے میں بہت سی تصنیفات کی ہیں۔ دروزی مذہب پر جو اس نے تقریریں کی ہیں اس کا مجموعہ کتاب "الدیروز" نام سے شائع ہوچکا ہے۔ دروزی اپنے آپ کو خدا کی وحدانیت کا قائل بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی حمد وثنا انسان کے طاقت سے بالکل باہر ہے نہ اس کے لئے مقام ہے نہ اس کے لئے نشان ہے اور نہ تو وہ تنزیق پذیر ہے۔ اس بنا پر خدا نے علیٰحدہ علیحدہ صورتوں میں مسلسل طور پر ظہور کیا ہے۔ اس الہی ظہور کے آخری مظہر حضرت امام حاکمؑ ہیں۔ اور جو دکھ درد مصیبت اور دوہری بلاؤں میں جب بل دنیا مبتلا ہو جائیں گے تب پھر وہ بار دیگر ظہور میں آئیں گے سب سے اعلیٰ اور ارفع درجہ عقل الہی کا ہے۔ عقل الہی کے ماسوا (۱) روح (۲) نفظ (۳) جانب یمین (۴) جانب یسار اس طرح چار عناصر (طبائع) بنائے ہیں یہ چاروں طبائع نے عقل الہی میں شامل ہو کر اللہ کے مقام کو سنبھال رکھا ہے۔ دنیا میں آدمیوں کی تعداد نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ ہمیشہ مساوی تعداد رہتی ہے تناسخ کا عقیدہ صحیح ہے۔ نیک آدمیوں کی ارواح مرنے کے بعد دوسرے جسم میں حلول کرتی ہیں اور برے آدمیوں کی ارواح پرندوں اور جانوروں میں داخل ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوتی رہتی ہیں دروزی دنہ یرحمزہ کو نہایت عزت وعظمت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مخلوقات میں سب سے اعلیٰ درجہ اس کا قرار دیتے ہیں اس کے شائع کردہ سات عقائد پر عمل کرنا ضروری اور لابدی خیال کرتے ہیں وہ سات عقائد مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) معاملہ میں ادب رکھنا (۲) دینی بھائیوں کی حفاظت کرنا۔ (۳) دوسرے مذاہب سے علیحدہ رہنا۔

(۴) گناہ کرنے والوں سے بچنا (۵) خدا کو ہر وقت حاضر و ناظر سمجھنا (۶) خدا کی مرضی پر پورا اعتماد رکھنا (۷) الٰہی امور کی پوری پابندی کرنا۔

جبل مقطم اور حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

۴۱۰ھ ہجری سے ۴۱۱ ہجری تک کے ایام بھی مصر کی تاریخ میں غیر معمولی واقعات کے لحاظ سے یادگار زمانہ ہیں۔ حضرت امام حاکمؑ اب معمول سے زیادہ محل کے باہر تشریف لیجاتے اور گشت کرنے میں مشغول رہتے نہایت سادہ لباس میں سر پر عمامہ بغیر صرف ایک مخمل کی ٹوپی پہن کر بغیر کسی شاہی جلوس و دبدبے کے اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر باہر تشریف لیجایا کرتے تھے۔ کسی وقت آپ پالکی میں بھی سواری فرماتے تھے اور کبھی کبھی دریائے نیل میں کشتیوں پر تفریح کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

تاریخ الاسلام کے بیان کے مطابق حضرت امام حاکمؑ نے قاہرہ کے پاس جبل مقطم کی چوٹی پر اپنے لئے ایک خاص مکان تعمیر کروا دیا تھا اکثر اوقات رات کو آپ وہاں تشریف لیجاتے اور بالکل تنہائی میں اپنے اوقات گذارتے۔

ابن خلکان کی روایت کے مطابق ۴۱۱ ہجری ستائیسویں شوال کو رات کا بہت سا حصہ گذرنے کے بعد آپ محل سے باہر نکل کر جبل مقطم پر تمام رات بسر کی اور علی الصباح اور لیری مورخ کے بیان کے مطابق آپ نقائی کے روضہ کے قریب نظر آئے جہاں سے آپ دو خادموں کے ہمراہ قاہرہ کے مشرق میں پانچ میل کے فاصلہ پر حلوان مقام کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اسی اثناء میں ایک جماعت سواروں کی ملی جن کی تعداد دس کی تھی۔ انھوں نے کچھ عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے اُن کو شاہی محل کی طرف جانے کے لئے اشارہ کیا اور ایک خادم کو ان کے ہمراہ روانہ کر کے دوسرے خادم کو بھی واپس جانے کا حکم فرمایا۔ اور حضرت امامؑ تنہا مقطم کے پہاڑ پر چڑھ گئے اس کے بعد حضرت امامؑ تین دن تک محل میں واپس تشریف نہ لائے اس لئے آپ کا خاص غلام نسیم اور دوسرے کئی افسر باہم مل کر جبل مقطم پر تلاش کے لئے گئے اور تلاش کرتے کرتے دیر القصیر کی خانقاہ کے پاس آ پہونچے وہاں ان لوگوں نے حضرت امامؑ کے خچر کے دونو

اگلے پاؤں کٹے ہوئے دیکھے اور خچر کو ایک طرف مردہ پڑا ہوا پایا۔ آگے بڑھتے ہوئے انھوں نے دیکھا کہ ایک غار کے نزدیک حضرت امامؑ کے خون آلود کپڑے اور بغیر بٹن کھلے ہوئے زدوکوب نشانیوں کے ساتھ پڑے ہوئے تھے۔ آپ کے جسم مطہر کی بہت تلاش وجستجو کی گئی مگر بالکل پتہ نہ چلا۔ مورخ مقریزی رقم طراز ہے کہ حضرت امامؑ کے غائب ہونیکی پوری حقیقت کسی کو نہ معلوم ہوئی یہ بات سراسر غلط ہے کہ حضرت امامؑ کے قتل میں چند مخفی لوگوں کا ہاتھ ہے تاریخ الاسلام میں درج ہے کہ لبنان کے دروزیوں کا اعتقاد ہے کہ امام حاکمؑ نے غیبت اختیار کی ہے اور آخری زمانہ میں یا جب آپ کا ارادہ ہوگا تب آپ ظہور فرمائیں گے دروزیوں کی مذہبی کتابوں میں حضرت امامؑ کا اسم گرامی اس طرح درج ہے۔

مولانا حاکم اعلی اللہ شانہ

حضرت ظاہر علی (علیہ السلام) کی تخت نشینی

مقریزی رقمطراز ہے کہ حضرت امام حاکمؑ کی وفات حسرت آیات کی خبر تمام ممالک میں خصوصاً مصر شام۔ افریقہ۔ بیت المقدس اور حجاز کی تمام مسجدوں کے منبروں پر جہاں حضرت امامؑ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا وہاں کی گئی۔ حضرت امامؑ کی تلاش میں جو غلام نسیم اور دوسرے اشخاص گئے تھے۔ انھوں نے وہ خون آلود کپڑے شاہی محل میں حضرت امامؑ کے پھوپھی ستہ الملک کے پاس آئے اور اسی وقت سلطنت میں حضرت امام حاکم ابو علیؑ کی وفات کی منادی کرادیگئی حضرت امامؑ کے صغیر السن شہزادہ حضرت ظاہر علیؑ کو حضرت امامؑ کا وارث قرار دے کر تخت فاطمی پر رونق افروز کیا گیا اور تمام اہل دربار نے نظام سلطنت کے مطابق حضرت امامؑ کو بیعت دی اور حضرت امامؑ کے ساتھ اپنی مخلصانہ وفاداری پر حلف اٹھایا حضرت امام حاکمؑ کی عمر وفات کے وقت صرف ۳۶ سال و ۷ مہینہ کی تھی پچیس سال اور ۱۹ دن تک حضرت امامؑ تخت امامت وسلطنت پر جلوہ فگن رہے ۴۱۱ھ ہجری ستائیسویں شوال کو جبل مقطم پر آپ کو شہید کیا گیا اس کے متعلق کئی شخصوں پر شک تھا جس میں آپ کے لشکر کا سپہ سالار یوسف بن دواس لسدولہ بھی شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت امام ظاہر (علیہ السلام)

سنِ امامت از ۴۱۱ھ ہجری تا ۴۲۷ھ ہجری

حضرت امام ظاہر (علیہ السلام) کا عہد سلطنت

حضرت امام ظاہرؑ ۴۱۱ھ ہجری میں فاطمی تخت امامت اور خلافت پر رونق افروز ہوئے اس وقت آپ کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی عیدالاضحیٰ کے مبارک دن آپ کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ آپکی پیدائش ۳۹۵ھ ہجری دسویں رمضان المکرم چہارشنبہ کے دن قاہرہ میں ہوئی۔

حضرت امام ظاہرؑ کا پورا نام و لقب "ابوالحسن علی الظاہر لاعزاز دین اللہ (علیہ السلام) تھا آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے مطابق خلافت اور امامت دونوں کو ہاتھ میں لیا۔

حضرت امام ظاہرؑ جب سلطنت کے مالک ہوئے اسوقت چونکہ آپ صغیر السن تھے اس لئے آپ کی پھوپھی ست الملک کو شاہی لشکر کی سرداری تفویض کی گئی اور روضۃ الصفا کے مصنف کے قول کے مطابق آپ کو سپہ سالاری عنایت کی گئی۔ حضرت امام ظاہرؑ کے اوصاف حمیدہ کے بارہ میں وہ لکھتا ہے کہ حضرت امام ظاہرؑ سیاسی مہارت اور ملکی فراست سے تمام فتنے فرو ہو گئے تھے آپ نہایت خوش اخلاق اور صفات عالیہ سے متصف تھے۔ آپ کی خوش اخلاقی اور ملنساری سے حکومت، اور امامت دونوں کو استحکام حاصل ہوا تخت نشینی کے بعد آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت امام حاکمؑ کے مشتبہ قاتل امیر الجوش ابن دواس

کے حرکات وسکنات کی پوری نگرانی کرتے رہے اور جب آپ کو یقین کامل ہوگیا ان کا قاتل ہے تو اسے قتل کر دیا۔

مصنف حبیب السیر نے لکھا ہے کہ حضرت امام ظاہرؑ اپنے جد امجد عزیز باللہ کی مانند منصف مزاج عادل اور نیک سیرت تھے۔

فاطمی رائج سکوں پر ایک سرسری نظر

مورخ لین پول لکھتا ہے کہ حضرت امام ظاہرؑ کے رائج سکے مصر۔ منصوریہ۔ مہدیہ۔ زویلہ۔ صقلیہ۔ فلسطین (رملہ) اور طرابلس کے دار الضرب میں ڈھالے جاتے تھے ۴۱۳ھ کے سکوں پر فاطمہ کے دار الضرب کا ایک مقام "سکندریہ" بھی نظر آتا تھا اور اس زمانہ کے رائج آلات اوزان اور اس کے ساتھ علیحدہ علیحدہ سالوں کے کانچ کے بیشمار اوزان بھی تا زمانہ محفوظ دستیاب ہوتے ہیں۔

حضرت امام ظاہرؑ کے عہد سلطنت کی ایک ربع (پاؤ) دینار جو دستیاب ہوئی ہے اس کا مخصوص حصہ اور حاشیہ بالکل نا تمام ہے اور دوسرے فاطمی سکوں کے بالکل برابر ہے دوسرے حصہ میں الظاہر باعزاز دین اللہ امیر المومنین اور دوسری جانب حضرت الامام عبد الله ولیہ ابو الحسن علی اور اسی حاشیہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم سنتہ عشرین اربع مأتہ" صاف پڑھا جاتا ہے۔ اس دینار کا وزن ۵½ گرین (گیہوں کے دانے کے برابر) ہے۔ خاص کر مذہبی جملے کے خیال سے اس چھوٹے سے طلائی سکہ کا مضمون غیر معمولی ہے۔ خطاطی اور خاص کر وسط کے حصہ کے الفاظ بالکل غیر واضح ہیں۔ دار الضرب کے نام کے علاوہ تمام دیگر مضامین میں کسی طرح کی خامی نہیں پائی جاتی۔

اس زمانہ کے سکہ میں لا شریک لہ پہلے ہی مرتبہ نظر آتا ہے دوسرے حصہ کے پہلے جانب میں علی کے نام کی نسبت ایک خاص کاریگری پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مضمون کے گول دائرہ کے سبب سے وہ الفاظ جو ابتدا میں ہیں وہ مضمون کے آخر میں بھی پڑھے جا سکتے ہیں اسی مضمون میں الامام اور الحسن کوفی ذال کی مانند زیادہ نقش نظر آتے ہیں۔ مگر ان کو مضمون کے ساتھ کوئی

نسبت نہیں۔ صرف وہ خوشبوئی خط کے واسطے استعمال کئے گئے ہیں۔

۳۲۳ھ ہجری کے متعدد طلائی ربع دینار چونکہ زیورات کی طرح استعمال کرنے کے لئے گلے میں لٹکانے کے واسطے سوراخ کئے گئے تھے اس سبب الفاظ کٹ گئے ہیں۔ مگر مضامین کے سمجھنے میں ذہانے گئے ہیں ان میں ہر ایک کا وزن ۱۵ گرین ہے۔

۳۲۵ھ ہجری کی طلائی مہر منصور کے دار الضرب میں ڈھلی ہوئی جو دستیاب ہوئی ہے اس کا وزن ۶۲ گرین ہے۔ اس مہر میں بھی مضمون نہایت دلچسپ ہے اور مخصوص الفاظ کلمہ کے ساتھ ایک ہی جگہ پڑھے دکھائی دیتی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے خاص توصیفی اسماء الرحمن و الرحیم حاشیہ پر لکھے ہوئے ہیں مطلب یہ کہ تمام بسم اللہ لکھی ہوئی ہے جو اس کے تمام تصانیف میں ابتداً ضرور نظر آتی ہے اس کے علاوہ علی ور الامام الفاظ مقدم موخر کر کے لکھے گئے ہیں جن سے دو معنی پیدا ہوتے ہیں (۱) اماموں کے اوّل حضرت علیؑ ہیں (۲) موجودہ حضرت امام بھی علیؑ کے ایک دوسرے مظہر ہیں۔

شہر کی حالت اور سلطنت کے انتظامات

حضرت امام ظاہر علیؑ کے عہد سلطنت میں خیال کیا جاتا تھا۔ کہ شہر کے امن و امان میں ضرور کچھ خلل واقع ہوگا اور سلطنت کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے ضرور مقابلہ کرنا پڑے گا۔ ایک مقابلہ تو یونانی اور ایرانی حکومت کی دشمنی سے تھا جو مصر کی حکومت حاصل کرنے کے لالچ میں ان کے دلوں میں بسی ہوئی تھی اور وہ فقط موقع کے منتظر تھے دوسرے مقابلہ میں اموی خلیفہ تھا اور دوسرے سلاطین کا تھا جو حضرت امامؑ کی حشمت و عظمت بالکل نہ دیکھ سکتے تھے اور صرف موقع کے متلاشی تھے کہ فاطمی سلطنت میں کچھ ضعف پیدا ہو یا کوئی سبب ہاتھ آجائے تو بہانہ بنا کر حکومت کے خلاف حملہ کر دیا جائے۔

جس طرح حضرت امام المنصورؑ کے زمانہ سلطنت میں ابو یزید کے بلوہ کو بالکل ذور کرنے کے بعد تمام اختیارات سلطنت کے استحکام کے ساتھ ساتھ دونوں قسم کے دشمنوں کے ساتھ پورا مقابلہ نہایت ضروری تھا اسی طرح حضرت امام ظاہر علیؑ کے عہد سلطنت میں بھی حکومت کو از سر نو

مضبوط اور مستحکم بنانا ایک ضروری اور لازمی امر تھا۔

حضرت امام ظاہرؑ کے تخت نشین ہوتے ہی حضرت امام حاکمؑ کے آخری وزیر اعظم رئیس الرؤسا ابو الحسن بن عمار بن محمد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور وزیر مقرر ہوئے حضرت امامؑ کی پھوپھی ست الملک کو نائب السلطنت کے عہدۂ جلیلہ سے ممتاز کیا گیا۔ حضرت امام ظاہرؑ کی پھوپھی ست الملک نے چار سال تک شاہی کاروبار نہایت مضبوطی اور نہایت حسن انتظام سے انجام دیا۔

ست الملک کی کارروائیاں

حضرت امام حاکمؑ نے اپنے چچا زاد بھائی عبدالرحیم کو دمشق کا گورنر بنا دیا تھا۔ اور وہ ابھی تک اسی عہدہ پر مامور تھا حضرت امام ظاہرؑ تخت نشین ہونے کے بعد شاہزادی ست الملک نے دمشق کے گورنر کو مصر میں جلد واپس آنے کے لئے لکھا۔ مگر عبدالرحیم نے اس فرمان کی بالکل پرواہ نہ کی بلکہ دعویٰ کر دیا کہ وہ خود دمشق کا خود مختار سلطان ہے اور وہاں جو فاطمی آئین و قانون جاری تھے ان کو رد کر کے رعایا میں ہر دلعزیز ہونے کی کوشش کرتا رہا مگر اس کی یہ ہر دلعزیزی دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اس نے اپنے مطالب و مقاصد کو پورا کرنے کے لئے رعایا کو نچوڑنے لگا۔ اور اس بری عادت نے اس کو رعایا کی نظروں سے بالکل گرا دیا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر شاہزادی ست الملک نے حکومت کے حامیوں کو لکھا کہ اس کو مقید کر کے بیڑیاں پہنا کر مصر بھیج دیں چنانچہ عبدالرحیم گرفتار کر لیا گیا مصر میں اس کو چار سال تک قید رکھا گیا مصر کے قید خانہ ہی میں بیماری نے اس پر حملہ کیا اور شاہزادی ست الملک کی وفات کے سال ۴۱۵ھ ہجری میں ہی آپ سے تین دن پہلے انتقال کر گیا۔

نئے عہدہ داروں کا تقرر

تاریخ الاسلام کا مصنف رقم طراز ہے کہ شاہزادی ست الملک کی وفات کے بعد حبشی خادم معضاد مدیر سلطنت مقرر ہوا۔ شریف کبیر عجمی۔ شیخ نجیب الدولہ جرجرائی اور شیخ عمید محسن بن بدوس نے قائد معضاد کے ساتھ مل کر یہ رائے ٹھہرائی حضرت امام ظاہرؑ کے پاس

سوائے ہم لوگوں کے کوئی اور نہ جائے چونکہ قائد معضاد کی ماتحتی میں تمام کاروبار سلطنت انجام پاتے تھے اس لئے یہی لوگ روزانہ حضرت امامؑ سے خلوت میں ملتے تھے اور سارے امور سلطنت پر حاوی ہو گئے تھے چیتر بردار۔ صاحب انشاء۔ داعی الدعاۃ۔ قاضی القضاۃ اور نقیب النقباء اور غرض مندوں کو مہینوں میں فقط ایک دن حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہونیکی اجازت تھی ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حضرت امامؑ تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔

۴۱۵ھ ہجری میں بنی حسین قبیلہ میں سے ایک شخص گرفتار کر کے لایا تھا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے مذہبی تعصب سے حضرت امام حاکمؑ کو قتل کیا ہے اس کے پاس حضرت امام حاکمؑ کے سر مبارک کی کھال کا ایک ٹکڑا اور اس چادر کا ایک ٹکڑا بھی نکلا جو امام حاکمؑ قتل کی رات اوڑھے ہوئے تھے اور اقرار کے بعد اس نے چھری سے خودکشی کر لی

۴۱۸ھ ہجری میں ابوالقاسم علی بن احمد جرجرائی کو حضرت امامؑ نے وزیر اعظم بنایا جو سلطنت پر آخر وقت تک غالب رہا چونکہ وہ بڑا منتظم اور دیانتدار وفاشعار تھا اس لئے اس کا عہد وزارت نہایت شاندار ثابت ہوا اور اس نے سیاسی مہارت کا بہترین مظاہرہ کیا۔

مصر میں دوبارہ قحط سالی

مورخ لین پول لکھتا ہے کہ حضرت امام ظاہرؑ کے عہد سلطنت میں متعدد محصول خراج کم کرنے سے رعایا نہایت راحت محسوس کرتی تھی۔ لیکن دو سال تک دریائے نیل میں طغیانی نہ آنے کے باعث قحط سالی ہوئی اور غلہ کے دام بہت زیادہ ہو گئے چونکہ آمدنی بہت کم تھی اس لئے خوراک کے لئے جانوروں کو ذبح کرنیکی ممانعت کر دی گئی کیونکہ اس زمانہ میں باربردار جانوروں کی نہایت قلت تھی۔ اور ایک باربردار جانور ۵۰ دینار کو بکتا تھا حکومت نے گرانی کے اثر کو بڑھنے سے بیحد روکا اور نہایت سخت قوانین بھی جاری کئے۔ مصریوں کی معمولی خوراک۔ بکرے۔ مینڈھے۔ مرغ۔ بطخ وغیرہ بالکل دستیاب نہ ہوتے تھے۔ لوگ اپنا سر سامان فروخت کرنیکو تیار تھے مگر خریدنے والا کوئی نہ تھا۔ خوراک کی تنگی کے سبب سے بیماری پیدا ہو گئی۔ اور بہت سے غیور و بہادر باشندے قزاقی اختیار کر کے مسافروں اور اجنبیوں کو لوٹنے لگے۔ حاجیوں پر بھی رحم نہ کیا

اس موقع کو غنیمت سمجھ کر شامیوں نے سرحد کے شہروں پر چڑھائی کی شاہی محل کے نزدیک باشندگان شہر جماعتوں میں جمع ہو کر چلانے لگے کیا امیر المومنین ہم آپ کے آبا و اجداد کے زمانہ میں نہایت آرام وچین سے بسر کرتے تھے اور آپ کے عہد سلطنت میں بھوکے مر رہے ہیں شاہی محل میں عبید الاضحیٰ کا ابھی دسترخوان بچھایا نہ گیا تھا کہ بھوکے غلام تمام کھانا کھا گئے۔ رعیت کی مصیبت دور کرنے میں خزانہ بالکل خالی ہو گیا تھا اور ہر طرح کے محصول باقی تھے اس موقع کو دیکھتے ہی شہر کے تمام نادار ومفسدوں نے بلوہ کر دیا ان کے عذاب سے نجات پانے کے لئے رعایا نے کیا تو کم کیل و سلطنت کی طرف سے ان مفسدوں کی سرکوبی کی اور بلوائیوں کو شہر میں آنے سے روکنے کے لئے ہر محلہ میں کانٹوں کا مورچہ بنا دیا گیا۔

۴۱۵ھ ہجری میں نیل ندی کے اندر وافر پانی آنے کے باعث قحط سالی دور ہو گئی اور شہر بھی آباد ہو گیا۔ لوگوں کو راحت نصیب ہوئی اور باضابطہ سلطنت کا کاروبار جاری ہو گیا۔

شاہزادہ کی پیدائش پر اظہار مسرت

۴۲۰ھ ہجری میں حضرت امام ظاہرؑ کے یہاں شاہزادہ حضرت مستنصر باللہ پیدا ہوئے شاہزادہ کی ولادت پر رعایا نے نہایت دھوم دھام سے جشن کیا اور خوشیاں منائیں تمام اہل مصر نے اس دن اپنا کاروبار بند رکھا ہر ایک گھر میں روشنی کی گئی اور سارا دن ولادت کی خوشی میں گزارا گیا اسی سال کے آخر میں مصر اور رملہ کے اندر زلزلہ آیا اتنا سخت کہ شہر کے پہاڑ بھی اس کے شدید جھٹکوں سے زمین دوز ہو گئے۔ رملہ کی عمارات و مساجد اور ان کے منارے تمام گر پڑے اور بہت زیادہ نقصان ہوا۔

بغداد کے عباسی دربار کا تعصب

مصر سے حجاز کا ایک قافلہ جو بیت اللہ جا رہا تھا حضرت امامؑ نے انہیں بڑے بڑے انعام و اکرام اور خلعت بیش بہا عنایت کیا۔ حاجیوں کا قافلہ ابھی بغداد نہ پہنچا تھا کہ سلطان محمود سبکتگین کے ایلچیوں نے عباسی خلیفہ قادر باللہ کے کان بھر دئیے کہ مصر کے سلاطین لامذہب ہیں ان کے خلعتوں کو ان حاجیوں

نے کیسے قبول کیا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے؟ یہ سُن کر خلیفہ قادر باللہ عباسی نے حکم کیا کہ تمام خلیفہ جا بجا سے لیکر جلادی جائیں اور جس حکم کی برابر تعمیل کی گئی۔

ایک داعی کی بہادرانہ کارروائی

حضرت امام ظاہرؑ کے زمانہ میں دوسرے کئی ملکی اور مذہبی بلوے ہوئے اور فاطمی سلطنت کے لئے نہایت نازک موقع آگیا۔ ایک مرتبہ حسن لازدانامی ایک شخص نے جو فرغانہ شہر کا باشندہ تھا ایک نیا گل کھلایا اور حضرت امامؑ کے متعلق برے خیالات کی تبلیغ کرنیلگے اس کی لفاظی اور رسانی سے لوگ اس کے جال میں پھنس گئے اس خیال سے کہ آگے چلکر یہ نیا مذہب جڑ پکڑلے اس کو ختم کرنے کے لئے داعی حمیدالدین کو حضرت امام ظاہرؑ نے فرغانہ روانہ کیا داعی مذکور نے حسن لازد کو مقابلہ کرنے سے پہلے نہایت عقلمندی سے راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ اور اسکو اپنے ساتھ بحث و مباحثہ کا پورا موقع دیا۔ تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے مگر حسن لازدا اور اس کے ہمراہیوں نے اپنی ضد کو بالکل نہیں چھوڑا بلکہ اس پر اصرار کرتا رہا۔ پھر بار دیگر اس کو متنبہ کیا گیا۔ مگر انھوں نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور آخر چھوڑ کر داعی نے جنگی مقابلہ کرنیکی تیاری کی اور حسن لازدا اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کردیا۔ یہاں تک کہ شہر فرغنہ میں امن و امان قائم کیا۔

سرزمین شام میں بغاوت اور فتح

مورخ لین پول لکھتا ہے کہ حضرت امام ظاہرؑ نے عہد سلطنت میں بنی فاطمہ کی حکومت کا اثر شام میں چنداں ظاہر نہ تھا کیونکہ فلسطین میں حسان بن مفرج بن دغفل کی سرداری میں لوٹ مار اور دمشق کے آس پاس سنان کا بلوہ اور تین سال سے حضرت امامؑ کی پھوپھی ست الملک کے ہندی غلام فیروز کے ماتحت کیا ہوا حلب (جس کو صالح بن مرداس نے اس سے چھین لیا تھا) اور بنو فاطمہ کے مقابلہ میں مخالفت کا علم بلند کیا تھا۔ ان بلوائیوں کے فتنہ کی آگ بجھانے اور ان کی قوت کو ختم کرنے کے لئے نیز رعایا کو ان کے ظلم و ستم سے نجات دینے کیلئے

ایک فاطمی لشکر ہوشیار بیزار کے ماتحت اور سیزاریہ (قیصریہ) کے گورنر انستگین بزبری کے ماتحت ایک لشکر جرار شام کی طرف روانہ ہوا تا بیریا نامی مقام سے آگے بڑھ کر اخوان نامی جگہ کے پاس دونوں لشکر کا سامنا ہوا اور ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں صلح بن قرداس مارا گیا اور اس کی پوری شکست ہوئی۔ اس کے بعد باغی حسان کا تعاقب کیا۔ حسان نے بھی جان لیکر ایک دم فرار ہو کر رومیوں کی پناہ لی۔ اور شمالی شہروں کے سوائے شام کے تمام ممالک فاطمی خلیفہ کے زیر نگیں ہو گیا۔

اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ اور اشاعت

حضرت امام ظاہرؑ کے دل میں حاجیوں کی دی ہوئی خلعتوں کو عباسی خلیفہ قادر باللہ کے جلادینے سے نہایت رنج تھا آپ نے اس کا انتقام لینے کے لئے مصر سے مالکی مذہب کے تمام فقہا کو شہر بدر کر دیا۔ اور اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت نہایت وسیع پیمانے پر جاری کر کے دعائم الاسلام اور مختصر الوزیر دونوں کتابوں کے درس و تدریس کا حکم فرمایا اور اس کام کی تبلیغ کے لئے کثرت سے مبلغین مقرر فرمایا اس کے ماسوا دوسری بہت سی تدبیریں عمل میں لائی گئیں جن سے اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت میں نہایت ترقی ہوئی اور فی الحقیقت اسی جدوجہد کوشش کا ثمرہ تھا کہ مصر میں اور دوسرے فاطمی شہروں میں کثرت سے لوگ مذہب اسمٰعیلی اختیار کرنے لگے تاہم اتنا ہونے پر بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ کو اپنا اپنا مذہب اختیار کرنیکی بالکل اجازت دے دی گئی تھی اور کوئی ممانعت نہ تھی۔ اہل تسنن بھی اپنے اپنے رسوم کی ادائیگی میں ہر طرح آزاد تھے۔ جیسا کہ مورخ لین پول نے لکھا ہے۔

سابق اسمٰعیلی وزیر کے آخری نصائح

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ دوسری کتاب جو مختصر الوزیر ہے وہ سابق وزیر یعقوب بن یوسف کلیس کی تصنیف ہے اور اسم بامسمّٰی ہے سابق وزیر حضرت امام عزیزؑ کے

زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور تھا۔ فاطمی دربار میں اس کی نہایت عزت تھی۔ ۳۸۰ھ ہجری ۱۲ شوال کو وہ بیمار ہوا بیماری مہلک ثابت ہوئی اور آخری وقت قریب آتا گیا۔ حضرت امام عزیزؑ نے جب وزیر کا یہ حال دیکھا تو آپ نے دریافت کیا کہ تمہاری آخری خواہش کیا ہے۔ وزیر نے کہا کہ "یا امام میری کوئی خواہش نہیں مگر دیر یا جلدی کسی طرح رومیوں سے صلح ہو جانی چاہئے اور بنی حمدان پر چڑھائی نہ کی جائے۔ مگر موقع ملتے ہی مفرج بن دغفل بھی کسی طرح نکال دینا چاہئے" حضرت امام عزیزؑ سے آخری گفتگو ہونے کے بعد ذی الحجۃ کی پانچویں تاریخ کو آپ وفات پا گئے۔

وزیر یعقوب فقط سیاسی امور کا ماہر نہ تھا بلکہ علامۂ وقت اور عالم و فاضل بھی تھا متعدد تصانیف آپ کی اس وقت موجود ہیں کتاب الادیان علم الابدان نہایت مشہور و معروف ہیں اور حضرت امامؑ کے حکم سے اسمٰعیلیوں کو جس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اسپین میں فاطمی خلیفہ کا اقتدار

حضرت امام حاکمؑ کے ہاتھ میں جب خلیفہ ہاشم (اسپین کا اموی خلیفہ) لڑائی میں گرفتار ہوا تو اسے موت کی سزا دی گئی اور اسی وقت اسپین کے اموی خلفاء فاطمی حکومت کے ماتحت رہ کر خراج ادا کرتے تھے حضرت امام طاہرؑ کے سریر سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد (امویوں) نے خلفائے بنی فاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھنا بند کر دیا جب حضرت امام طاہرؑ کو ... اس کی خبر ہوئی تو آپ نے انہیں متنبہ کیا اور کہا کہ اگر تم بنی فاطمہ کے زیر حکومت نہیں رہنا چاہتے ہو تو تمہاری سلطنت کو زیر کرنے کے لئے ہم کو اپنا لشکر بھیجنا پڑے گا اس اطلاع سے اسپین کے خلفائے بنو امیہ خائف ہو گئے اور پھر ... فاطمی خلفا کا نام خطبہ میں تمام مسجدوں کے اندر پڑھنے لگے۔

عیسائی حکومت میں حضرت امام (علیہ السلام) کے نام کا خطبہ

۴۲۱ھ ہجری میں فاطمی سلطنت پر رومی قیصر کے چھ لاکھ لشکر نے حملہ کر دیا یہ حملہ حلب کی سرحد پر ہوا تھا یہ ایام چونکہ موسم گرما کے تھے رومی لشکر کو پانی کی تنگی ہونے لگی اور پیاس سے تڑپنے لگے ایسی حالت میں

اہل حلب نے ان پر شب خون مارا جس سے تمام کے تمام فرار ہو گئے۔ اور اسمٰعیلیوں کو فتح نصیب ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد رومی قیصر قسطنطنائن ہشتم نے بنو فاطمہ سے صلح نامہ کی تجویز کی اس صلحنامہ کی رُو سے بزنطائن کی حکومت کی تمام مسجدوں میں حضرت امام ظاہرؑ کے نام کا خطبہ پڑھنا ضروری پایا اور دوسری بات یہ طے پائی کہ فلسطین یعنی بیت المقدس کے گرجا القیامہ (یعنی چرچ آف ریزرکشن) کے تعمیر کی اجازت دی جائے اور اس کے عوض میں انہوں نے جو مسجد قسطنطنیہ میں شہید کی تھی اس کو از سرِ نو تعمیر کردیا۔ یہ قرارنامہ رجب ۴۲۰ھ ہجری میں بار دیگر تجدید کیا گیا تو رومی بادشاہ مائکل چہارم نے پانچ ہزار مسلمان قیدیوں کو اپنی سلطنت سے رہائی دی اور گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی مصری انجینیر بیت المقدس بھجوائے گئے۔ جس کا بیان آگے لکھا جائے گا۔

۴۲۵ھ ہجری میں بغداد میں ترکیوں نے بلوہ کیا۔ تاریخ الاسلام کا مصنف لکھتا ہے کہ اس بلوہ کو فرو کرنے کے لئے حضرت امام ظاہرؑ نے اسمٰعیلی دعاۃ اور مبلغین کو روانہ کیا اور وہاں بکثرت دعاۃ جمع ہو گئے۔ ان کی تبلیغ کے سبب سے ہزاروں آدمیوں نے اسمٰعیلی دعوت قبول کرکے مذہب اسمٰعیلی اختیار کیا۔

ابو علی سینا، ایک اسمٰعیلی فلسفی

اسلام کے مشہور فلسفی شیخ الرئیس حکیم ابو علی سینا کی پیدائش ۳۷۰ھ ہجری میں بخارا کے شہر سینا میں ہوئی تھی اور آپ کی وفات ۴۲۸ھ ماہ رمضان المبارک میں ہمدان شہر کے اندر ہوئی وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔

حکیم ابو علی سینا حضرت امام عزیز حضرت امام حاکم اور حضرت امام ظاہر علیہم السلام کے ہمعصر تھے آپ بخارا کے بادشاہ منصور بن عبدالملک سامانی کے عہد سلطنت میں وزیر اعظم کے درجۂ عالیہ پر ممتاز تھے اس بادشاہ کے خاندان میں عظیم الشان اور اعلیٰ مرتبہ والے اسمٰعیلی سلاطین ہوئے ہیں۔

مورخ ابن خلکان رقمطراز ہے کہ حکیم ابو علی سینا اسمٰعیلی تھے اور صوفی اسمٰعیلیوں کے ہمراہ انھوں نے علم توحید حاصل کیا تھا اس کے ماسوا انہوں نے اور کئی قسم کے دوسرے علوم مثلاً



حکیم بو علی سینا طلبائے حکمت کے سامنے ترکیبِ اعضا کے نکات سمجھا رہے ہیں۔

ترک الابدان، علم الابدان، منطق، فلسفہ، جغرافیہ، المجسطی کے علوم وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کی تھی خود بادشاہ نوح سامانی اپنے والد کے زمانہ سے ہی صوفی تھا چونکہ انھوں نے اپنے مرض دق وسل کی دوا حکیم ابوعلی سینا سے حاصل کرکے شفا پائی تھی اس لئے وہ حکیم ابوعلی کے پکے معتقد تھے۔ علم تصوف پر آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بعدازاں جب سامانی سلطنت کا زوال شروع ہوا تو اس وقت بھی حکیم ابوعلی سینا کے ساتھ اتحاد ومودت باقی رہی۔

اپنے والد ماجد امیر عبداللہ کی وفات کے بعد حکیم ابوعلی سینا نے بخارا سے روانہ ہو کر خوارزم کے دارالسلطنت کورک میں بودوباش اختیار کی۔ خوارزم شاہ کے دربار میں پانچ نامور اسلامی اشخاص حکیم وفیلسوف ابوعلی سینا عالم النفس والروح ابوصلح مسیحی۔ حکیم حسن ابوالخمار۔ مؤرخ ابوریحان البیرونی اور عالم الھیئت والھندسہ ابونصر اراک موجود تھے جن کے گلہائے علوم کی خوشبو سے تمام عالم مہک رہا تھا اور دنیا میں ان کے شہرت کا ڈنکا بجتا تھا۔

سلطان محمود غزنوی اس زمانہ میں ایک نہایت بہادر اور جابر حاکم تھا اور اس کے دربار تک بھی ان پانچوں علماء کا شہرہ پہنچ چکا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کا ارادہ ہوا کہ اگر ایسے متبحر علماء اس کے دربار میں ہوں تو اس کی شہرت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ اس لئے اس نے پانچوں علماء کو وہاں سے بلا کر اپنے دربار میں رکھنے کی کوشش کی اور اسی غرض سے اپنے ایلچی امیر حسین بن علی بن میکائیل کو خوارزم شاہ کے نام ایک خط لکھ کر روانہ کیا۔ جس میں اس نے ان علماء کو اپنے دربار میں بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ خوارزم کے دربار میں پہنچکر ایلچی نے خط مذکور سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے اس خط کو پڑھتے ہی ان علماء کو طلب کرکے کہا کہ سلطان محمود غزنوی ایک عظیم الشان سلطان ہے۔ خراسان سے ہندوستان تک اس کی حکومت ہے۔ اسے عراق وعجم بھی حاصل کرنے کی ہوس ہے۔ مجھ میں ایسے بہادر سلطان کے حکم سے انکار کرکے مقابلہ کرنیکی ہمت نہیں۔ تم خود بتاؤ کہ سلطان محمود کے دربار میں جانے کے لئے راضی ہو یا نہیں؟

البیرونی۔ الخمار۔ اور اراک تینوں سلطان محمود کے دربار میں جانے کے لئے راضی

ہو گئے۔ مگر چونکہ حکیم ابو علی سینا اور مسیحی کا ارادہ یہاں جانیکا نہ تھا اس لئے وہ کورک سے فرار ہو گئے
در خوارزم شاہ بھی ان کی راہ میں کسی طرح حائل نہ ہوا

مشہور مؤرخ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ حکیم ابو علی سینا کورک سے روانہ ہونے کے بعد بہت سے مصائب آلام برداشت کئے اور آخر کار بویا قبیلہ کے بادشاہ علاء الدولہ ابو جعفر بن کاکویہ کے عہد سلطنت میں وزیر کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔

۴۲۵ھ سنہ ہجری کے آخر میں بادشاہ کے مذہبی خیالات تبدیل ہو گئے اور اس نے بھی مذہب اسمٰعیلی قبول کر کے حضرت امامؑ کی بیعت قبول کر لی۔ جب ایسا موقع آگیا اور زمانہ موافق نظر آیا تو حکیم بو علی سینا نے بھی اپنے مذہبی خیالات کی اعلیٰ پیمانہ پر اشاعت شروع کی۔ معمولی طور پر مؤرخین جس طرح اسمٰعیلیوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اسی طور سے ابن الاثیر نے بھی حکیم بو علی پر جا بجا نکتہ چینی کی ہے قاضی نور اللہ ستری نے اپنی مشہور تصنیف "مجالس المومنین" میں لکھا ہے کہ حکیم ابو علی اسماعیلی مذہب پر قائم رہا اگرچہ اس مذہب کی پابندی سے اس کو صدہا تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا بو علی سینا حضرت امام ظاہرؑ کی وفات کے بعد دوسرے سال اس دُنیا سے رحلت کر گئے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

۴۲۶ھ سنہ ہجری میں حلب کے کچھ حصہ پر صالح بن مرداس نے قبضہ کر لیا اس کو واپس لینے کے لئے حضرت امام علیہ السلام نے اسّی ہزار فاطمی لشکر تنبر ابن عبداللہ کی سرداری میں روانہ کیا

مورخ مقریزی لکھتا ہے کہ اس وقت افریقیہ (طرابلس و ریٹونس) مصر، شام اور حجاز تمام شہر حضرت امام ظاہرؑ کی حکومت کے ماتحت تھے۔ حضرت امامؑ نے اپنے غلاموں کو طرح طرح کے علوم اور تمام فنون حرب سکھاتے تھے جواہرات کے آپ بڑے شائق تھے۔ کثرت سے آپ کے زمانہ میں جواہرات خریدے گئے۔

۴۲۷ھ ہجری میں حضرت امام ظاہرؑ کی طبیعت کچھ علیل ہوئی اور آپ قاہرہ کے پاس مصر کے

عین الشمس نامی گاؤں میں وفات پا گئے آپ کی عمر اس وقت ۳۱ سال ۱۱ مہینہ اور ۲۶ دن کی تھی۔ نجیب الدولہ حضرت امامؑ کی لاش مبارک نہایت عزت و حرمت کے ساتھ قاہرہ لائے اور وہیں دفن کر دیا

حضرت امامؑ ۱۵ سال ۱۰ مہینہ اور ۳ دن تک امامت اور خلافت کے تخت پر متمکن رہے۔ آپ کے بعد آپکے شاہزادہ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السلام تخت امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت امام مستنصر باللہ (علیہ السلام)

سن امامت از ۴۲۷ھ ہجری تا ۴۸۷ھ ہجری

حضرت امام مستنصر باللہ ع نے ۴۲۷ھ ہجری شعبان المعظم کی پندرہویں تاریخ کو فاطمی تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہو کر امام حق کے طور پر بیعت لینی شروع کی۔

حضرت امام مستنصر باللہ ع کی پیدائش ۴۲۰ھ ہجری سترہویں جمادی الآخر کو علی الصباح قاہرہ میں ہوئی مورخ لین پول رقمطراز ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت امام ظاہر ع نے آپ کے آٹھ مہینے کے ہوتے ہی اپنا ولیعہد و جانشین علانیہ ظاہر فرما دیا تھا اور جب اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد آپ تخت پر متمکن ہوئے اس وقت صرف سات سال اور چند ماہ کی عمر تھی حضرت امام ع کی صغیر سنی میں تمام شاہی کاروبار آپکی والدہ ماجدہ کے ماتحت تھا جو نہایت زیرکی سے انجام دیتی تھیں۔

حضرت امام مستنصر باللہ ع کا پورا نام ابو تمیم سعید المعاد المستنصر بامر اللہ تھا۔

حضرت امام ع کے طول و طویل عہد سلطنت کے اثنا میں بغداد کے عباسی خلفا قادر باللہ قائم بن قادر باللہ۔ مقتدر بن محمد اور مستظہر بن مقتدر وغیرہ ہمعصر تھے۔

فاطمی رائج سکوں کی زیب و زینت

حضرت امام مستنصر باللہ ع کے عہد سلطنت میں مصر کے دار الضرب میں ۴۸۶ھ تک رائج طلائی سکے ڈھالے جانے کے علاوہ دوسرے فاطمی دار الضرب مثلاً اسکندریہ۔ بستہ منصوریہ

مہدیہ۔ سقلیہ۔ بیت المقدس۔ دمشق تا بُیریا۔ عکہ۔ طائر۔ طرابلس۔ حلب اور مدینہ منورہ وغیرہ میں بھی سکے ڈھالے جاتے تھے اور بنو فاطمہ کی تمام سلطنت کے اندر وہ رائج تھے۔ ان سکوں کے جانچ پرتال کے لئے کانچ کے اوزان بھی آپ کے عہد سلطنت کے بہت سے دستیاب ہوئے ہیں

بنو فاطمہ کے نام کے آخری سکے منصوریہ کے دارالضرب میں ۳۴۹ھ ہجری کے اندر ڈھالے گئے۔ اسی طرح حضرت امام مستنصر باللہ کے نام کے کئی سکے مہدیہ کے دارالضرب میں ۴۵۴ھ سے ۴۵۵ھ ہجری تک کے ضرب کئے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی زیری نے حضرت امام کے اقتدار کو پھر دوبارہ منظور کر لیا تھا۔ سقلیہ کے بنی کلبی نے تو اپنے عہد سلطنت کی ابتدائی سے فاطمی خلافت کے سکے ڈھال کر انہی کو اپنی مملکت میں رائج کر رکھا تھا ان سکوں کے آخری سال ۴۴۰ھ ہجری سے ۴۴۹ھ ہجری تک نظر آتے ہیں حضرت امام مستنصر باللہ کے نام مبارک سے بغداد۔ مدینۃ السلام میں ۴۵۰ھ ہجری میں فاطمی سکے ڈھالے گئے جیسا کہ ذرحان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

حضرت امام مستنصر باللہ کے زمانہ کے ۴۲۸ھ میں مصر کے اندر ڈھالے ہوئے جو طلائی مہر دستیاب ہوئے ہیں اس کے دوسرے حصہ میں الامام معاذ تمیم المستنصر باللہ امیر المومنین اور حاشیہ پر کامل بسم اللہ کے ساتھ دارالضرب کا نام اور سال ضرب اور باقی حصہ کا تمام مضمون نہایت صاف پڑھا جاتا ہے اس طلائی مہر کا وزن ۶۷ گرین ہے حضرت امام کی تخت نشینی کے ایک سال بعد یہ طلائی ضرب شدہ مہر ان کے والد ماجد حضرت امام ظاہر کے عہد سلطنت میں ۴۲۵ھ ہجری کے ضرب شدہ مہروں کے جیسی ہی عمدہ اور نفیس ہے۔

ان سکوں کی کاریگری اور صناعی اعلیٰ درجہ کے کونی سکوں سے بھی زیادہ نفیس ہے اور فی الحقیقت مورخین کو ان سکوں سے کافی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اور زیادہ تر مورخین کے لکھے ہوئے شاہی تخت نشینی کے سن و سال انہی سکوں سے ماخوذ ہیں۔ حضرت امام ظاہر کے عہد سلطنت کا سب سے آخری سکہ ۴۲۵ھ ہجری کا آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ آپ کا سال وفات ۴۲۶ھ ہجری ہے اور حضرت امام مستنصر باللہ کا سب سے پہلا سکہ ۴۲۸ھ ہجری کا رائج معلوم ہوتا ہے جس سے تاریخی حالات

اخذ کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

مختلف سکوں کے مختلف مضامین

سنہ ۴۳۹ ہجری میں مصر میں ضرب شدہ طلائی دینار کا وزن ساڑھے تیرسٹھ گرین ہے اس کا مضمون اوپر کے حصہ میں مندرجہ بالا لکھے ہوئے طلائی دینار کے بالکل مطابق ہے صرف الفاظ کی جگہ میں تبدیلی نظر آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صناع کے خیال کے مطابق یہ سب انتظام کیا گیا ہے مثلاً دوسرے حصہ میں "معاد عبداللہ ودلیہ الامام ابوتمیم المستنصر باللہ امیرالمومنین" لکھا ہوا ہے اس مضمون میں لفظ معاد بالکل جدا ہو گیا ہے۔ جو حضرت امامؑ کا لقب نہیں بلکہ نام ہے۔ اور یہ نام معاد بنو فاطمہ کے نسل میں مصر کے پہلے خلیفہ کا بھی تھا۔ ان سکوں کے الفاظ کی علیحدگی سے حضرت امامؑ کی شان بھی نظر آتی ہے اور سامنے کے جانب کندہ شدہ علیؑ کا تمغیٰ معلوم ہوتا ہے اسی سال کے ضرب شدہ کئی سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ سکوں پر خاص دسترس رکھنے والے مسٹر اٹیڈ لر کے لکھے بموجب معاد کے عوض میں "محمد" لکھا ہوا ہے۔

سنہ ۴۴۲ ہجری میں طائر کے دارالضرب میں ضرب شدہ سکوں میں محفوظ رکھے ہوئے ۳ طلائی دینار ہیں ان میں سے ہر ایک کا وزن ۵۹½ - ۱۶۰ اور ۶۶ گرین ہے اس کے اوپر کے حصے میں کلمہ طیبہ کے علاوہ بیچ کے دائرہ میں "وعلیؑ افضل الوصیین وزیر خیر المرسلین" کندہ ہے جو نہایت قابل غور و فکر ہے اسی طرح دوسرے حصے کے پہلے دائرہ میں "المستنصر باللہ امیرالمومنین" و بیچ کے دائرہ میں "داعی الامام معدن التوحید اللہ الصمد" خاص غور طلب مضمون ہے اس دینار کے ۳ گول دائرے مضامین کے لحاظ سے معزیہ دینار کے ساتھ پورے مطابق ہیں۔ جو فاتح مصر حضرت معزؑ کی طرف منسوب ہیں۔ مندرجہ بالا تین سکوں کے مضامین والے دینار قدیم طائر شہر میں ضرب شدہ سکوں میں سے محفوظ دستیاب ہوئی ہیں اور پہلے حضرت امام علیؑ کی شان میں جو القابات کندہ ہیں وہ خاص غور و فکر طلب ہیں اور اس سے ایک درجہ اور زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مذہب اسمٰعیلی کی کتنی زبردست وسعت ہوگی۔

سنہ ۴۶۵ ہجری میں جو دینار قاہرہ کے دارالضرب کے ڈھلے ہوئے ہیں ان کے پہلے حصہ کے جانب میں حاشیہ کا مضمون نہایت صاف الفاظ میں ہے یہ مہر بھی نہایت محفوظ طور سے رکھی گئی

ہے۔ دوسری جانب کے حصے میں معاد عبداللہ ولیہ امام ابو تمیم المستنصر باللہ امیر المومنین علی یہ الفاظ جیسے آخری میں ہیں اسی طرح اول کے حصہ میں علیؑ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد رسول اللہ ولیہ، ان الفاظ میں خصوصاً حضرت علیؑ کا نام بالکل ابتدا میں ہے جو قابل غور و فکر ہے۔ یہ طلائی دینار اگلے دیناروں سے چار گرین زیادہ وزن میں ہیں۔

۴۲۸ھ ہجری میں حضرت امام مستنصر باللہؑ کے حلب میں ضرب شدہ سکہ (پیرس) کی بلو تھیک نیشنل" میں نظر آتے ہیں۔ اور ۴۳۲ھ سے ۴۴۸ھ کے سکے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت امام مستنصر باللہ (علیہ السلام) کا نظام سلطنت

روضتہ الصفا کے مصنف لکھتے ہیں کہ پہلے پہل آپ بارہ سال کی عمر میں لشکر کے ہمراہ نیل ندی کے کنارے سیر کے لئے سوار ہو کر برآمد ہوئے تھے اس دن آپ کا فرق مبارک جواہرات کے مرصع تاج سے مزین تھا۔ یہ تاج ایسا بیش بہا تھا کہ کوئی جوہری اس کی قیمت کا اندازہ نہ کر سکتا تھا مصری باشندوں کا جم غفیر اپنے امام اور اپنے خلیفہ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے چلا آ رہا تھا یہ دن مصر میں یوم العید کے طور پر منایا گیا۔ حضرت امام مستنصر باللہؑ کی تخت نشینی کے بعد ابوالقاسم علی بن احمد جرجرائی وزیر اعظم اور انشتگین بزبیری شام کے گورنر کے عہدے پر قائم رہے انشتگین منصف مزاج مدبر اور منتظم تھا اور اس نے شہر شام میں بہت سی صلاحات کیں دوسرے تمام بادشاہ بھی اس کی عزت کرتے تھے شاہ یونان بھی اس سے خائف رہا کرتا تھا۔ خود حضرت امام مستنصر باللہ کو اس کے ساتھ بیحد محبت تھی اور اسی لئے وزیر اعظم جرجرائی اس پر رشک و حسد سے برہم رہا کرتا تھا ایک مرتبہ معزول کر دینے کے لئے اس پر بلوہ کرنے کی تہمت رکھ کر ۴۳۳ھ ہجری میں دمشق میں ایک لشکر بھیجا انشتگین حمات چلا گیا۔ اور وہاں فوج جمع کر کے اس نے حلب پر چڑھائی کی اور ۴۳۹ھ میں شبل الدولہ پر حملہ کر کے اسے قتل کیا اور حلب پر اپنا پورا قبضہ کر لیا۔

۴۳۲ھ ہجری میں حمات اور آفامیا (اپامیا) کے درمیان میں فاطمیوں اور یونانیوں میں جنگ ہوئی جس میں یونانیوں کو سخت شکست ہوئی اور وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ زمانہ دراز تک انھوں نے

مسلمانوں کو ستانے اور اذیت دینے کا نام نہ لیا اس فتح عظیم کے بعد بیشمار مال غنیمت دستیاب ہوا اور حضرت امامؑ نے بڑی بڑی بخششیں دے کر لوگوں کے دلوں کو مسخر کر دیا اسی اثنا میں یعنی ۳۲ھ ماہ جمادی الاول کے وسط میں استگین فوت ہو گیا۔

روضۃ الصفا کی روایت کے بموجب حضرت امام مستنصر باللہؑ نے سب سے پہلا اہم کام جو بغداد میں کیا وہ یہ تھا کہ فاطمی لشکر کو حلب فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ وہاں کا حاکم نصر بن صالح بن مرداس نے بلوہ کر دیا تھا فاطمی لشکر نے اس کو مقید کر کے مصر روانہ کیا اور پھر حلب فاطمی سلطنت کے ماتحت ہو گیا اس کے بعد حضرت امامؑ نے مغرب میں دیار بکر اور دیار ربیع پر چڑھائی کی اور فاطمی لشکر تمام حملوں میں کامیاب و منصور ہوا۔

یمن میں علی بن صلیحی کے خاندان کی خدمت

مورخ لین پول لکھتا ہے کہ عربستان میں علی بن صلیحی کے اسمعیلی مذہب اختیار کرنے اور اس کی کوشش سے عربستان میں بنی فاطمہ کی شہرت میں بہت ترقی ہوئی حجاز اور یمن کو اپنی حکومت کے ماتحت لانے کے بعد حضر موت سے مکہ معظمہ تک ممبر پر کھڑے ہو کر فاطمی خلفائے الٰہی حقیت کی شان کو علی بن صلیحی نے روشن اور منور کیا۔

صلیحی کی سوانح عمری

ابو الحسن علی بن محمد بن علی والصلیحی یمن کے قاضی کے فرزند تھے۔ امیر بن عبداللہ الزواری نامی ایک اسمعیلی داعی کے طفیل میں آپ نے حضرت امامؑ کی تعظیم و توقیر نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی اسمعیلی داعی علی بن صلیحی کو خلوت میں بنی فاطمہ کی شریعت غرا اور قرآن شریف کی تاویل کی تعلیم دیتے تھے۔ بیت اللہ کے حجاج کے قافلہ سالار رہ کر علی بن صلیحی نے ۱۵ سال تک خدمت کی تھی اس دوران حج کے سفر میں نجاح نامی ایک سردار تھا الصلیحی نے اتنی مدت طویل کے بعد موقع ملتے ہی اپنی دعوت میں دوسرے اور ساٹھ افراد کو بھی شامل کر کے وہاں قائم کی ہوئی حکومت کا مقابلہ کیا

اور اس پر فتح حاصل کرتے ہی جبل مشعر پر قبضہ کر لیا ۴۵۲ھ ہجری میں سردار نجاح فوت ہو گیا اور صلیحی نے خطرہ دور ہو جانے کے بعد تین سال میں سارے یمن پر اپنا سکہ جما کر پایہ تخت صنعا میں سکونت اختیار کی اور تقریباً بیس سال تک یمن کے شہروں اور اسی حد کے تھوڑے حصہ میں اور حجاز کے مقدس شہروں میں حضرت امام مستنصر باللہؑ کے نام کا خطبہ نماز کے بعد برابر پڑھا جانے لگا۔

۴۷۳ھ ہجری میں الصلیحی نے اپنی اہلیہ اور ماتحت کے شہر کے لوگوں کو ہمراہ لئے ہوئے حج کے ارادہ سے نکلا اور اپنے فرزند مالک المکرم کو وہاں کا نائب مقرر کر دیا۔ راستہ میں ام الدھیم نامی مقام کے قریب اپنی چھاؤنی ڈالی۔ اتفاقاً مقتول نجاح کا فرزند جو لشکر کے ہاتھ سے فرار ہوا تھا بھٹکتے ہوئے یہاں آ پہنچا۔ اور خیمہ میں گھس کر صلیحی کو شہید کر دیا۔

مورخ لین پول رقمطراز ہے کہ مقامات مقدسہ مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ ہی میں نہیں بلکہ عباسی خلفاء کے پایہ تخت بغداد کی تمام مساجد میں بھی حضرت امامؑ کے نام کا خطبہ نماز کے بعد پڑھا جاتا تھا۔

اس زمانہ کی یادگار میں بغداد کے دارالضرب میں بھی فاطمی خلفاء کے نام کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ جن کا ثبوت فی زماننا موجود ہے۔ اس زمانہ کے مشہور البساسیری کی بغداد پر کامل فتح ہوئی تھی اس بہادر ریکتا نے جب دیکھا کہ سلاطین بنی فاطمہ کی شاہانہ بخششوں و نوازشوں کے باوجود عباسیوں پر اعتماد و بھروسہ کرنے سے بہتر ہے کہ خود مختارانہ کارروائی کی جائے اس مطلب براری کے لئے سلاطین بنی فاطمہ کی متابعت کر لینی اسکو نہایت بہتر معلوم ہوئی اس لحاظ سے اس نے اپنا طریقۂ انتظام سلطنت بالکل تبدیل کر دیا اور خود اپنی قوت و طاقت سے عباسی خلیفہ قائم کو مقید کر دیا۔ اور بغداد کو فاطمی سلطنت کے تحت تصرف میں لایا۔ جس کی مفصل کیفیت آگے بیان کی جائے گی۔

حضرت امام عزیزؑ کی شاہزادی ست الملک کے لئے تعمیر کردہ چھوٹے محل کو عباسی خلیفہ کے واسطے طلائی پنجرہ بنانے کے لئے حضرت امام مستنصر باللہ نے ۲۰ لاکھ دینار صرف کئے تھے۔ دریائے نیل کے قریب باب الحدید کے نزدیک ایک جگہ باب القنطرہ

کے نام پر زمانہ دراز سے مشہور و معروف تھی اس کو اس تعجب انگیز و حیرت خیز نصرت کی یادگار میں فی البدیہہ قصیدہ کہہ کر سنانے والے کو حضرت امامؑ نے بخشش کر کے سرفراز کیا۔

افریقہ میں بنی زیری

تاریخ الاسلام کی روایت کے مطابق افریقہ کا گورنر معز بن بادیس اسمعیلیوں کے ساتھ بہت وحشیانہ سلوک کرتا تھا۔ اس نے حضرت امام مستنصر باللہؑ کے نام کو خطبہ میں بند کر کے خلیفہ بنی عباس کا نام جاری کیا۔ وزیر یازوری کی صلاح سے حضرت امامؑ نے زغبہ اور ریاح نامی دو قبیلہ الوس کو ہاتھ میں لیکر انہیں معز بن بادیس کے پیچھے لگادیا۔ انھوں نے برقہ میں مقیم ہو کر لوٹ مار مچادی اور اپنی تعداد بڑھا کر ان دو قبائل کے عربوں نے ۴۴۳ھ میں طرابلس فتح کر لیا۔ پھر قیروان سے تین منزل کے فاصلہ پر زیردان کے نزدیک ان قبائل کے تین ہزار لشکر نے معز بن بادیس کے ساٹھ ہزار لشکر کو نہایت زیرکی اور عقلمندی سے سخت شکست دی اور باجہ پر قبضہ کر کے ۴۴۶ھ ہجری میں قیروان تک پہنچ گئے۔ معز بن بادیس وہاں سے مہدیہ کی طرف فرار ہو گیا۔ اور وہاں ۴۵۴ھ ہجری میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا فرزند تمیم تخت نشین ہوا۔ اس نے ۴۷۰ھ میں ان عربوں کو قیروان سے بھگادیا۔ اور دوسرے کئی علاقے فتح کر لئے۔ ۴۸۰ھ میں شہر کو عربوں سے بالکل پاک صاف کر کے خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا فرزند یحییٰ بادشاہ ہوا۔ اس نے بنی فاطمہ کے نام کو خطبہ میں جاری کیا۔ ۵۴۳ھ ہجری میں جب صقلیہ کے نصرانی بادشاہ روجر نے مہدیہ فتح کر لیا۔ اس وقت تک بنی زیری کے بادشاہ یحییٰ نے فاطمی خلیفہ کا نام خطبہ میں جاری رکھا تھا۔

حران میں خطبہ اور معز الدولہ کی اطاعت

اس سے پہلے ہم نے لکھا ہے کہ حسان کی شکست کے بعد مرداسی عربوں کی قیصاریہ کے قریب آرانتس کے کنارہ ہزیمت ہونے سے حلب اور یونانی شہروں کے سوا جنوبی شام

کا تمام حصہ فاطمی سلطنت میں آ گیا۔ حضرت امام مستنصر باللہؑ کے گورنر انوشتکین نے دمشق میں اپنی جابرانہ حکمت عملی سے پورا امن امان قائم کر کے فرات کے کنارہ کے تمام شہر اور حران کے گورنر پر بھی فاطمی رعب بٹھا دیا۔ اس نے حران، حمص اور رقہ کی مسجدوں میں فاطمی خلیفہ کا نام خطبہ میں جاری کیا تھا۔ اسی اثناء میں یونانی بادشاہ مائیکل چہارم سے دس سال کیلئے صلح بھی ہوئی تھی جس کی تفصیل آگے بیان کی جا چکی ہے۔

سنہ ۴۲۷ھ میں اہل حلب نے بلوہ اٹھایا اور حلب پر قابض ہو گئے۔ حضرت امام مستنصر باللہؑ اس خبر کے سنتے ہی اس بلوے کو فرو کرنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ لشکر جب حلب کی سرحد پر پہنچا تو بارش اتنی زبردست ہوئی کہ بہت سا لشکر پانی میں بہہ گیا۔ اور جنگی قوت ضعیف ہو گئی اس لئے یہ لشکر پھر مصر واپس آ گیا اور دوبارہ پھر از سر نو تیار ہو کر فاطمی لشکر حلب پر حملہ آور ہوا۔ حاکم حلب شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اور حلب پھر بنو فاطمہ کے ماتحت ہو گیا۔

سنہ ۴۳۳ ہجری میں تیس ہزار کا ایک فاطمی لشکر دمشق فتح کرنے کے واسطے روانہ کیا گیا جس نے معز الدولہ کو تابع فرمان کر لیا اور حضرت امام مستنصر باللہؑ کی خدمت میں اس نے چالیس ہزار دینار کا نذرانہ پیش کر کے قاہرہ شہر میں سکونت اختیار کی۔

دوبارہ خلفشار

سنہ ۴۳۶ ہجری میں حضرت امام مستنصر باللہؑ نے معز الدولہ کو جب حلب کی حکومت پر قائم کر دیا تو اس نے یونانی شہنشاہ بیگم تھیوڈورا اور عباسی خلیفہ کے دربار کے طغرل بیگ سلجوقی کے ساتھ خوب راہ و رسم بڑھائی۔ سنہ ۴۴۹ ہجری میں اس نے حلب، بیروت، عکہ اور [illegible] لے لیا اب حلب بنو فاطمہ کی زیر حکومت ہو گیا عرصہ دراز کے بعد محمود نے اپنے چچا سے مقابلہ کر کے ترکمانوں کی مدد سے حلب کو پھر فتح کر لیا اور سلطان الپ ارسلان کے نام کی دہائی سنہ ۴۶۳ھ میں بیعت لی یہ انتظام حلب کی رعایا کو بالکل ناگوار گذرا۔ حلب کے اسمٰعیلی باشندے اس سے بہت رنجیدہ ہوئے اور وہ لوگ علانیہ اپنی بے چینی ظاہر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسجدوں سے [illegible] ندر

لوگوں میں بھی آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔

وزیر الیازوری اور یونانیوں کی دوستی و دشمنی

دمشق کے گورنر انشتگین کی وفات کے بعد ۴۳۶ھ میں وزارت کے ممتاز عہدہ پر ابن العنبری مامور ہوا۔ صاد الزاہر کے بھائی ابونصر کی بے عزتی وزیر کے غلام نے کی جب اس کی فریاد کی گئی۔ تو وزیر نے متکبرانہ جواب دیا۔ اس سبب نصر کی فریاد حضرت امامؑ کے والدہ ماجدہ کے پاس شاہی محل میں کی گئی۔ فریاد کنندہ کی شکایت سوڈانی ہونے کے سبب پائدار سمجھ کر وزیر کو والدہ صاحبہ نے معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ پر ابو منصور صدقہ نامی ایک یہودی کو تعینات کیا اس نے چاہا کہ والدہ صاحبہ کو کسی طرح سے قابو میں رکھے اس سبب اس نے ابن العنبری سے سیاسی داؤ پیچ شروع کیا جو اس کے تنزل کے باعث ہوئے۔ صدقہ وزیر نے ابوسعد کو قتل کرنے کیلئے ترکی باڈی گارڈ کو لالچ دیا اور اس کے بھائی ابونصر کو اسی دن قتل کر دیا جب اس کے ثبوت تمام مل گئے تو صدقہ کو پھانسی کی سزا دی گئی اس کے بعد ترکی لشکر کی میزان کو برابر رکھنے کے لئے (سوڈانی) حبشی لشکر طلب کیا گیا۔ دوسری جانب سے ترکی لشکر نے حضرت امامؑ سے رائے کر کے ترکی لشکر میں بہت کچھ اضافہ کرنے کا انتظام کیا اور مصر میں حبشی، اور ترکی لشکر میں آپس میں فساد شروع ہوا۔

الیازوری کی سیاسی کارروائی

۴۴۲ ہجری میں ایک ماہی گیر کا فرزند الیازوری نامی بنی فاطمہ کا وزیر مقرر ہوا۔ یہ شخص جافہ کے نواح یازور گاؤں کا باشندہ تھا۔ اس نے آٹھ سال تک وزارت کا عہدہ سنبھالا وہ ایک باہوش مدبر اور بیدار مغز وزیر تھا۔ اور وہ ہمیشہ نئی نئی تجاویز عمل میں لاتا رہتا تھا باوجود کہ بسا اوقات اس کی تجاویز بیکار ہو جاتی تھیں مگر خلوص نیت کی وجہ سے اس کو کوئی نقصان نہ ہوتا تھا۔ لوگوں کو بھلائی کے لئے اس نے پہلا کام یہ کیا کہ تمام سرکاری غلہ کو سستے دام پر فروخت کرتا

اس سے بازار میں اناج کے دام گھٹ گئے ۔ اور شاہی محصول میں زبردست نقصان ہوا۔ پھر اس پر طرّہ یہ ہوا کہ دریائے نیل کا پانی سوکھ گیا اور قحط سالی ہوگئی باشندگان شہر کی اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے یونان کے بادشاہ کونسٹنٹائن مونومیکوس سے ۲۰ لاکھ بُشل (پیمانہ ۳۲ سیر) غلہ حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا۔ جس سے اسی وقت حالت ردیہ اصلاح ہوئی اور عرصہ دراز تک ضرورت کے وقت فصلوں میں امداد ملتی رہی ۴۴۶ھ میں کانسٹنٹائن کی وفات تک بنی فاطمہ اور یونانیوں میں خوف مخلصانہ دوستی رہی مگر جب سے شہنشاہ بانو تھیوڈورا مختار سلطنت ہوئی تو اس نے اپنا طرز عمل بنو فاطمہ کے ساتھ نہایت سخت و شدید رکھنے کا ارادہ کیا اس نے اتحاد دوستی کے قرارداد کو بالکل بدل دیا اگرچہ ہر سال مصر میں قحط سالی نہ ہوتی تھی مگر یونانی شہنشاہ بانو کی شرط پر تو ہمیشہ عمل ہونا لازمی تھا۔ اس خیال سے بنو فاطمہ نے تھیوڈورا کے مطالبات کا کچھ خیال نہ کیا جس سے اناج کی درآمد بند ہوگئی ۔ بلکہ انطاکیہ کے اطراف و نواحی میں بنو فاطمہ کی رعایا کے ساتھ تھوڑی تھوڑی چھیڑ خوانی بھی ہونے لگی۔

دوسرے سال دریائے نیل میں پانی کی طغیانی ہونے سے وزیر یازوری نے غلہ اسقدر زیادہ خریدا کہ اسکے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو کام آئے اس خیال سے اناج کے انبار کے انبار جمع کر رکھا۔ اور اس کے ساتھ سرمایہ دار کھیتوں کے غلہ کو نہ خریدیں اور بازار گھٹ جانے سے بیوپاری سستے دام سے خرید کر پھر کاٹ نہ لیں اس کے واسطے بھی مناسب انتظام کیا جس سے زمانہ ماضی میں دام بڑھا کر مال بیچنے والوں کے ہاتھ پر کسانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑتے اس سے بھی حفاظت ہوگئی اس کے علاوہ قبطیوں کے ساتھ اس کا سلوک نہایت سخت تھا مشہور بات ہے کہ محصول وصول کرنے والوں کو لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حاکمؒ کے زمانہ میں نصاریٰ کے لئے جس طرح سخت و شدید قوانین نافذ کئے گئے تھے اسی طرح یزوری نے سختی بھی کی تھی اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ضرور قبول کرنی چاہیئے کہ سلطنت کی آمدنی کے ذرائع کے بڑھانے کے لئے وہ یہ سب کوششیں کرتا رہا کیونکہ فاطمی حکومت میں جو نگین طریقے محصول وصول کرنے کے لئے تھے ان میں ضعف آگیا تھا اگرچہ خود یزوری اپنے عہدہ

کی نسبت جو ماہانہ مشاہرہ لیتا تھا اس سے بہت زیادہ دولت اس نے جمع کر لیا تھا تاہم ایک حساب سے اگر دیکھا جائے تو یزدری کو ایک بھلا اور نیک سیاسی منتظم شمار کرنا چاہئے اور اسی لئے اس نے پیٹریارک کرسٹوڈولس کو مقید کیا۔ اور اس لحاظ سے واقعہ کو ظالمانہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس پر یہ الزام تھا کہ اسی کے ورغلانے سے خراج دینا بند کر دیا اس واقعہ کے بعد اس نے تمام نصاریٰ قوم پر سخت جرمانہ کیا۔ جو تقریباً سو ہزار دینار ہوتا تھا جرمانہ نہ ادا کرنے کی صورت میں نصاریٰ کے گرجا گھر بھی بند کر دیئے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ نصاریٰ کا ایک گرجا بھی کھلا نہ رہ سکا اور دوسری بات یہ ہوئی کہ ان کے بشپ کو مقید کر دیا کہ جرمانہ کی رقم داخل کی جائے۔ نہ زیر یزدری کے الفاظ میں اگر اسے دھرایا جائے تو ان قبطیوں نے جو ظاہر محصول کی رقم اڑا گئے تھے ان سے رقم واپس نکلوانے کے لئے یہ تجویز نہایت موزوں تھی مورخ اولیری لکھتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا مذہبی تعصب نہ تھا۔ اگرچہ اس واقعہ کو بہت سے مورخین نے مذہبی عصبیت اور سختی سے تعبیر کیا ہے۔

۴۵۰ھ ہجری میں یازدری فوت ہو گیا اس پر ایسی تہمت لگی گئی کہ وہ اندرونی طور سے بغداد کے عباسی خلیفہ کے ساتھ مراسلت کرتا تھا۔ مگر اصل سبب تو یہ تھا کہ اس نے شاہی دولت غبن کر کے بیشمار خزانہ جمع کر لیا تھا۔ اور زہر سے اسکی موت ہوئی۔

البساسیری ایک بہادر ترکی سردار

۴۵۰ھ کے درمیان ایک عظیم الشان واقعہ یہ ہوا کہ بساسیری نے عباسی خلیفہ قائم کو قید کر کے تاج خلافت اور جبہ وغیرہ مصر بھیج دیا اور ایک سال تک اسے قید خانہ میں رکھ کر بغداد میں مولانا مستنصر باللہ کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ مگر پورے ایک سال کے بعد یعنی ہجری ۴۵۱ھ میں طغرل بیگ سلجوقی نے آکر بساسیری کو قتل کیا اور قائم کو دوبارہ خلیفہ بنا دیا۔ ابن خلکان کی روایت کے مطابق بساسیری ترکی لشکر کا ایک سردار تھا اور بہاء الدولہ ابن عز الدولہ ابن بویا کا وہ مملوک تھا اس کا پورا نام ابوالہاشم حارث ارسلان ابن البساسیری تھا مورخ مسعودی کی تصنیف مروج الذہب سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] میں عباسی خلیفہ المعتصم کی ملازمت

میں یہ رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد خلیفہ قائمؑ نے اسے ...۴ہ لشکر کا سردار بنا کر عراق اور خوجستان کے شہروں میں خطبوں میں اس کا نام پڑھانے کا حکم صادر کیا۔ بعدازاں آپس میں ان بن ہوگئی اور کسی بات میں اختلاف ہو جانے سے بساسیری نے عباسی خلیفہ کے خلاف بلوہ کیا جس میں فتح نصیب ہوئی اور بنی فاطمہ کے خلاف حضرت امام مستنصر باللہؑ کی اتباع میں قبول کر کے بغداد میں ان کے نام کی منادی کرائی چونکہ طغرل بیگ سلجوقی نے بساسیری جیسے بہادر سردار کو زیر کیا تھا۔ اس لئے عباسی خلیفہ قائم نے اسے سلطان کا خطاب دے دیا طغرل بیگ کے لشکر نے ۴۵۱ھ ہجری میں ذی الحجہ پندرھویں تاریخ جمعرات کے دن بساسیری کو قتل کیا اور تمام شہر بغداد میں اس کا سر پھرا کر اس کے جسم کو سولی پر چڑھا کے نوبا کے دروازہ کے قریب لٹکا دیا گیا۔

بنو فاطمہ کا بڑھتا ہوا اقتدار

تاریخ الاسلام کی روایت کے مطابق ۴۵۰ھ ہجری میں حضرت امام مستنصر باللہؑ کے عہد سلطنت میں ایک عظیم الشان واقعہ ہوا جو بساسیری ترکی غلام کی وجہ سے وقوع میں آیا تھا ترکی سردار ابوحارث ارسلان بساسیری جوازکے بو یا بادشاہ کے بہاء الدولہ کا مملوک تھا۔ اور بغداد کے عباسی خلیفہ کے دربار میں نائب کے طور سے وہ رہتا تھا بساسیری مذہباً شیعہ تھا اور خلیفہ کے وزیر رئیس الرؤسا سے کسی بات میں اختلاف باعث لاچاری سے امیر الامراء ملک الرحیم کے پاس چلا گیا۔ مگر خلیفہ کی طرف سے اسے وہاں سے نکالنے کا حکم ہوا اس لئے اس نے صلاً میں نورالدولہ دوبیس کے پاس کر پناہ لی جو اس کا نہایت مقرب دوست تھا طغرل کے جبر سے دوبیش کو بھی بساسیری کو نکال دینا پڑا اور رحبا میں آ کر اس نے فاطمی خلیفہ حضرت امام مستنصر باللہؑ کی متابعت قبول کی۔ حضرت امامؑ نے اسے رحبا کا گورنر مقرر کر دیا اور ۴۴۸ھ ہجری شوال المکرم میں بساسیری اور دوبیش دونوں نے باہم مل کر موصل کے والی قریش بن بدران کو سنجار مقام میں شکست دی قریش بن بدران بھی ان دونوں کے ساتھ مل گیا اور اتحاد کر کے ان تینوں نے حضرت امامؑ کی متابعت قبول کر لی اور موصل کی مسجد میں حضرت امام مستنصر باللہؑ کے

نام کا خطبہ جاری کیا۔

بساسیری کی بہادری

۴۵۰؁ ہجری میں طغرل بیگ نے اپنے بھائی ابراہیم نیال کو حملہ کرنے کے لئے ھمدان کی طرف روانہ کیا اور بساسیری نے بغداد فتح کر کے عباسی خلیفہ قائم کو قید کر کے رئیس الرؤسا (وزیر) کو گائے کی کھال میں سی کر سولی پر لٹکا دیا۔ اور حضرت امام مستنصر باللہؑ کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ مگر تغرل بیگ نے ۴۵۱؁ ہجری میں بساسیری کو کوفہ کے پاس شکست دی اور اسی جنگ میں بساسیری قتل کیا گیا۔

عباسی خلیفہ قائم نے اس خدمت کے معاوضہ میں طغرل بیگ کو رکن الدولہ کا خطاب دیا۔ اور جن اسلامی شہروں میں عباسی خلیفہ کا اقتدار تھا ان تمام ممالک میں پوری عنان حکومت اس کے سپرد کر کے طغرل کی بھتیجی ارسلان خاتون بنت داؤد کے ساتھ شادی کر لی ۴۵۴؁ ہجری میں خلیفہ قائم نے طغرل کے ساتھ خفیہ طور پر اپنی لڑکی سیدہ کی شادی بھی کر دی۔

۴۶۳؁ ہجری میں بنی قرۃ نے بلوہ کیا۔ اور غیزہ نامی مقام کے پاس آ کے چھاؤنی ڈالی۔ مگر فاطمیوں نے سخت لڑائی کر کے اسے فتح کر لیا۔

بنو عباس کا مصنوعی نسب نامہ

روضۃ الصفا میں لکھا ہوا ہے کہ ۴۴۶؁ ہجری میں ایک ستارہ آسمان پر ایسا ظاہر ہوا جس کی چمک اور روشنی چاند کی تھی۔ اور اس کی تیز روشنی کے باعث سارے شہر روشن ہو گئے مگر اس کی روشنی عرصہ دراز تک قائم رہنے سے لوگوں پر مصیبت نازل ہوئی ۴۶۰؁ ہجری جمادی الاول کی بارہویں تاریخ کو مصر اور اس کے اطراف کے شہر میں اتنا سخت زلزلہ آیا کہ دریا کی تمام مچھلیاں پانی کے باہر آ گئیں اور اکثر لوگ کھانے کپڑے سے محتاج ہو گئے۔ حضرت امام مستنصر باللہؑ نے نہایت فیاضی سے ان کی معاونت کے لئے زر کثیر صرف کیا اور اس آفت عظمیٰ سے رعایا کو چین نصیب ہوا۔

اسی سال میں عباسی خلیفہ کے ایما سے ایک نسب نامہ بنی فاطمی مامون کا لکھا گیا۔ جس میں بتایا گیا کہ علوی مصر اور مغرب کے حکمران ہیں مگر ان کا یہ دعویٰ کہ وہ فاطمی ہیں سراسر جھوٹ ہے۔ بلکہ ان کا نسب نامہ مجوسیوں سے ملتا ہے۔ بنو عباسی کے مقربین نے اس نسب نامہ پر اپنے دستخط ثبت کئے تھے اور ان کی نقول تمام شہروں میں تقسیم کی گئیں۔

آثار محمدی نامی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ جھوٹا نسب نامہ جب یمن کے حاکم علی بن محمد کو ملا تو اس نے اسی وقت بغداد کے عباسی حکم کے اس کام پر نہایت ملامت کی اور ان تمام کاغذات کو پھاڑ ڈالا پھر حضرت امام مستنصر باللہ کی متابعت قبول کر کے عباسی خلیفہ کا نام خطبوں سے نکال کر فاطمی خلیفہ کا نام داخل کر دیا اس کے علاوہ حرم شریف یعنی خانہ کعبہ سے عباسی خلیفہ کا سیاہ غلاف نکال کر اس کے عوض بنی فاطمہ کا سفید غلاف لگا دیا جس پر حضرت امام مستنصر باللہؑ کا نام نقش کیا ہوا تھا۔

مصر میں زبردست قحط سالی

۴۶۰ھ ہجری سے ۴۶۷ھ ہجری تک یعنی ۷ سال تک مصر میں سخت قحط سالی جاری رہی ساری رعایا بھوک سے ہلاک ہونے لگی بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ شمال و جنوب دونوں جانب بلوائیوں کا زور ہونے کی وجہ سے مصر کا تعلق بیرون جات سے بالکل بند ہو گیا مصر کے نشیبی حصہ میں اہل بربر نے دانستہ لوٹ مار مچائی جس سے حالات اور بھی ابتر ہو گئے سارے شہر میں قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ پُل اور نہر جتنے تعمیر کئے گئے تھے سب توڑ دیئے گئے مخالفین گھات میں تھے کہ کسی طرح پایۂ تخت اور دوسرے اطراف کے شہروں پر قبضہ کر لیں اس لئے انہوں نے رعایا کو بھوکوں مارنے کی ترکیب ڈھونڈھ نکالی تھی۔ رعایا کا بہت بڑا حصہ بالکل بیکار تھا۔ تجارت بالکل نابود ہو گئی تھی بڑے بڑے اہل دول بھی کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے تھے حضرت امامؑ کی والدہ ماجدہ بھی محللسرے سے اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ قاہرہ سے نکل کر بغداد میں پناہ گزیں تھیں یہ آفت کچھ کم نہ تھی کہ شہر میں مرض طاعون

بھی پیدا ہو گیا۔ جس سے بکثرت لوگ ہلاک ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ محلہ کے محلہ خالی ہو گئے۔ دوسری طرف لشکر کی تنخواہ ادا کرنے میں خزانہ تمام ہو گیا اور شاہی محل کے سارے زیبائش و آرائش کے اسباب کو فروخت کر کے اس کی آمدنی سے رعایا کی آسائش کا بندوبست کیا گیا۔ ایک مرتبہ ایک ترکی نے تین لاکھ کا نیلم صرف پانچ ہزار میں خریدا۔ اس طرح نصف ماہ میں تین کروڑ دینار کی ۳۰۰۰ اشیاء فروخت کر کے فوج کی تنخواہ ادا کی گئی اور شاہی محل میں جمع شدہ اکثر قیمتی جواہرات.... فروخت ہو گئے۔ اسی اثنا میں ناصر الدولہ قاہرہ پر حملہ آور ہوا جس کا مقابلہ ترکی لشکر نے کیا اور اسی اثنا میں مصر کا تھوڑا حصہ آگ لگنے سے جل بھی گیا تھا فاتح لشکر انعام کی امید میں شاہی محل میں حضرت امام مستنصر باللہؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں دیکھا کہ حضرت امامؑ بوریا بچھائے ہوئے بیٹھے ہیں اور تسبیح ذکر میں مشغول ہیں صرف تین غلام آپ کی خدمت میں حاضر تھے اور تمام شاہی محل اسباب زینت سے خالی پڑا تھا آپ کی روزانہ گذر اوقات کے لئے صرف ونحو کے مشہور عالم ابن باب شاد کی دختر روز دو پراٹھے بھیجتی تھی اور اسی پر اکتفا کرتے تھے۔

بدر الجمالی کے مجاہدانہ کارنامے

آثار محمدی کا مصنف رقمطراز ہے کہ جب نوبت اس حد تک پہنچ گئی تو حضرت مستنصر باللہؑ نے صور یا کے حاکم بدر الجمالی کے نام ایک فرمان روانہ کیا۔ اور ان کو فوراً اپنے پاس طلب کیا اس فرمان کے پہنچتے ہی بدر الجمالی حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر اس کی آمد بالکل مخفی رکھی گئی اثنائے گفتگو میں بدر الجمالی نے حضرت امامؑ سے کہا کہ اگر سلطنت کا تمام سیاہ و سفید میرے حوالہ کر دیا جائے تو انشاء اللہ اس کا انتظام چند ایام میں بالکل درست ہو جائے گا حضرت امامؑ نے حکومت کے تمام اختیارات بدر الجمالی کو تفویض کر دیئے۔ اور بدر الجمالی وزیر اعظم بن کر سلطنت کا کاروبار سنبھالنا شروع کیا اس نے شام سے اپنے باڈی گارڈ لشکر کو یہاں طلب کر لیا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قاہرہ کے گورنر الدیگوز کو قید کر دیا۔ اس کے سبب سے لشکر کا ظلم وستم کچھ کم ہو گیا۔

اور لشکر بدرالجمالی سے خائف ہو کر ان کی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ بعدازاں آپ نے غدار ترکی سرداروں کو مصالحت کے بہانے سے طلب کیا اور اپنے معتبر افسروں کے ہاتھ سے انہیں قتل کرا کر پھر بدرالجمالی نے پورا قبضہ کر لیا۔ حضرت امامؑ نے بدرالجمالی کو اس کار گزاری پر وزیر السیف والقلم کا خطاب عنایت کیا اور اس کے ساتھ قاضی القضاۃ اور داعی الدعاۃ کے عہدے بقا سے بھی نوازا پھر کیا تھا دیکھتے دیکھتے ہی مصر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

بعدازاں بدرالجمالی لشکر کے ساتھ مصر کے نشیبی حصہ کی طرف روانہ ہوا اور راستوں میں جو لوٹ مار اور ظلم و ستم جاری تھا اس کو بند کر کے سکندریہ کی طرف آگے بڑھے جہاں ان کو مقابلہ کرنا پڑا۔ مگر آخر میں یہاں کے لوگوں نے بھی متابعت اختیار کی ۴۶۷ھ ہجری تک مصر کے اس حصے میں بھی امن امان قائم ہو گیا۔ بعدازاں ۴۶۸ھ ہجری میں بدرالجمالی نے مصر کے اوپر کے حصے کی طرف توجہ کی اور آگے بڑھتے ہی وہاں کے سوڈانی لشکر کو منتشر کرنے میں پوری کامیابی حاصل کر کے بار دیگر امن و امان قائم کر دیا۔ الغرض بدرالجمالی کی کوشش سے مصر از سر نو مستحکم اور قوی تر بن گیا دو سال سے دریائے نیل میں پانی کی کثرت کے سبب سے قحط سالی بھی دور ہو گئی اور پھر شہر میں ہر ایک چیز افراط میں نظر آنے لگی اسی زمانہ میں حضرت امام مستنصرؑ نے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا۔

بدرالجمالی کی قابل قدر خدمات

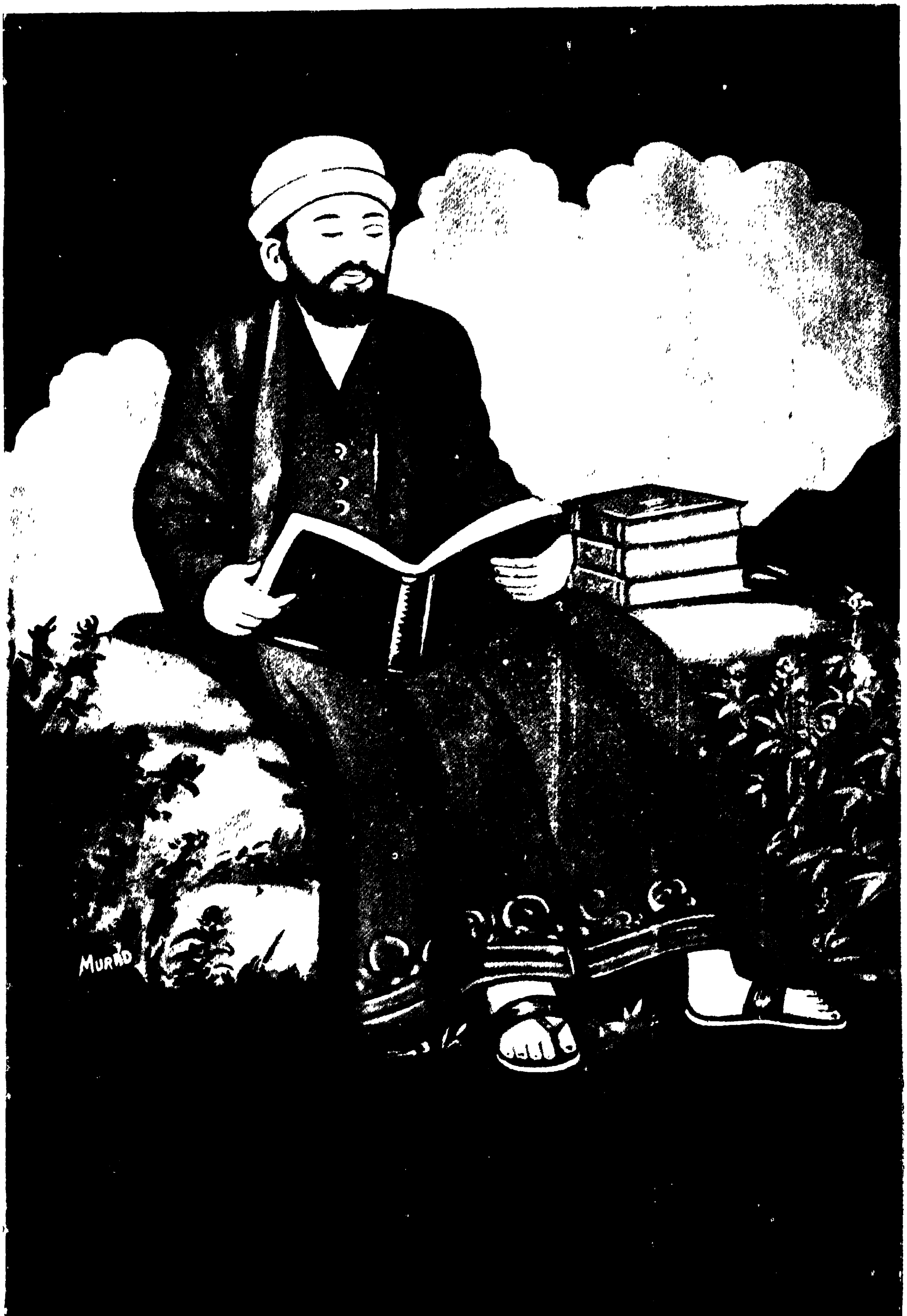
مؤرخ لین پول کی روایت کے مطابق ۴۶۷ھ ہجری میں بیت المقدس میں سلجوقی گورنر اتسیز داخل ہوا۔ اور پانچ سال تک ہر سال دمشق کا محاصرہ کر کے اطراف کے شہروں کی کھیتیاں برباد کرتا تھا۔ بنی فاطمہ کی دریادلی کے باعث اس نے ۴۷۲ھ ہجری میں دمشق پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت حضرت امامؑ کے کمانڈر انچیف بدرالجمالی دریائے نیل کے کنارے کے تمام شہروں کو فتح کرنے میں مشغول تھے۔ اتنے میں یکایک اتسیز شام کی سرحد کو طے کر کے قاہرہ کے حدود میں غزہ اور العریش تک بڑھتے ہوئے چلا آیا۔ اس کے روکنے کے لئے بدرالجمالی نے یہ تدبیر کی کہ اسے راضی کر کے مصالحت کر لے۔ مگر اتسیز نے صلح منظور نہ کی۔ آخر لڑائی ہوئی اور دشمن کو شکست ہوئی۔

اس کے ماقبل بنو فاطمہ کا پایہ تخت قاہرہ سے سکندریہ لے جانے کے لئے تمام جہازات بالکل تیار رکھے گئے تھے کیونکہ اگر انسیز کو مشرقی شہروں کی معاونت مل گئی ہوتی تو بنی فاطمہ کے کمانڈر انچیف کا یہ خوف بالکل صحیح نتیجہ لاتا۔ جیسا کہ تاریخ میں واقعات ہوتے آئے ہیں اسی طور سے مصر میں امن و امان قائم ہونیکی وجہ سے بنی فاطمہ کے لشکر کو فراغت حاصل ہوگئی اور اس کے ذریعہ سے دمشق کا محاصرہ کیا گیا مگر سلجوقی سلطان ملکشاہ کے بھائی طوطوس کے ۴۷۰ھ ہجری میں پہنچنے سے مصری لشکر کو موقع دیکھ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ بعد ازاں عباسی سلطان کے طرف سے طوطوس کو شام کا نائب السلطنت کا عہدہ دیا گیا۔

بدرالجمالی کی وفات اور ان کے فرزند افضل کی وزارت

ادلیری مورخ لکھتا ہے کہ ۴۷۸ھ ہجری میں طوطوس نے حلب فتح کرلیا۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا برق یا روق اس کے مقابلہ کے لئے نکلا جس کے سامنے طوطوش کو عرصہ تک جنگ کرنے کی ضرورت ہوئی اور آخر برق یا روق کے لشکر نے طوطوش کو ۴۸۶ھ میں قتل کیا اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بنی فاطمہ کے کمانڈر نے دمشق پر حملہ کیا بعد ازاں طائر اور عکہ پر اپنا قبضہ کرلیا اس فتح کے بعد بدرالجمالی کی وفات ۴۸۸ھ ہجری میں واقع ہوئی اور ان کی جگہ پر ان کے فرزند امیر ابوالقاسم ابوالفضل مقرر ہوئے بنی فاطمہ کے وزیر اعظم بدرالجمالی نے بیس سال تک نہایت زیرکی اور عقلمندی سے عہدہ وزارت کو سنبھالا شہر مصر کے باہر دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے شہر کی ایک جانب پر ایک ۔۔ پہاڑ "جبل الجیوش" نامی تھا اس پر آہنی سر و سامان سے ایک قلعہ تیار کیا گیا تھا۔ اس قلعہ میں جنگ کے تمام اسلحے اور باروت کا زبردست ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔

بدرالجمالی نے قاہرہ کے تین بڑے دروازوں یعنی باب الزویلہ۔ باب النصر اور باب الفتوح کو یونانی کاریگری سے نہایت اعلیٰ درجہ کا اور شاندار .... بنایا تھا اور جس کی صناعی کی تعریف و توصیف آج تک جاری ہے۔



داعی الدعواۃ: حکیم ناصر خسرو جو شہرۂ آفاق سیاح شاعر اور فلسوف ہیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی والدہ ماجدہ سیاسی میدان میں

مورخ اولیری لکھتا ہے کہ پھر ہمیں یہاں کسی ایک خاتون کا اثر سلطنت کے کاروبار میں محسوس ہونے لگتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ قاہرہ میں ابو سعید ابرھام اور اس کے بھائی ابو نصر سعد الظاہر نام کے یہودیوں کے پاس سے حضرت امام ظاہرؑ کو ایک شاہی سوڈانی لڑکی دستیاب ہوئی جو بعد میں حضرت امام مستنصر باللہؑ کی والدہ ماجدہ ہوئیں۔ حضرت امامؑ کے عہد سلطنت کے کاروبار میں کئی سال تک اس خاتون کی نگرانی تھی۔

مورخ لین پول نامہ نگار رقمطراز ہے کہ بنی فاطمہ کی تاریخ میں تیسری بار ایک خاتون کی نگرانی و نظامت میں حکومت دکھائی دیتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ (۱) حضرت امام عزیزؑ کی نصرانیہ بیوی (۲) حضرت امام حاکم ابو علیؑ کی ہمشیرہ اور (۳) حضرت امام مستنصر باللہؑ کے سوڈانی والدہ جنہوں نے حضرت امامؑ کے صغر سنی میں نظامت کی خدمت کو انجام دیا تھا۔

حکیم ناصر خسرو

حکیم ناصر خسرو کا پورا نام ابو معین ناصر بن خسرو القبادیانی المروزی اثنا عشری فرقے کے امام حضرت امام علی موسیٰ رضا سے آٹھویں پشت کے اولاد کے نسل سے ہیں۔ مجمع الفصحا نامی کتاب میں رضا قلی خان کے بیان کے مطابق ناصر خسرو کی پیدائش ۳۹۴ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ چارلس شیفر نامی عالم نے اپنے سفرنامہ فرانسیسی زبان میں بھی اسی کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ خراسان کے پایہ تخت بلخ میں آپ پیدا ہوئے تھے۔

حضرت امام مستنصر باللہؑ کے عہد سلطنت میں وزیر یا زوری سے بھی پہلے حکیم ناصر خسرو نے قاہرہ دیکھا تھا۔ قاہرہ (فتات) شہر کی آبادی اور بنی فاطمہ کے دربار کی شان و شوکت کا عجیب و غریب بیان انہوں نے اپنے "سفرنامہ" میں کیا ہے انہوں نے ایرانی اور عراق کے مہذب اور زرخیز ملکوں کی سیاحت کی تھی۔ مگر ان شہروں کے جاہ و جلال سے بنی فاطمہ کے شان

وعظمت اور ان کے دربار کی رونق انہیں حیرت انگیز معلوم ہوئی اور فاطمیوں کی عظمت و شوکت انتہائے عروج پر پہنچنے کی وجہ سے ایک زمانہ دراز تک ایسا ہی زبردست اثر شہر یورپ کے نصاری مجاہدین جو جہاد میں حصہ لینے آئے تھے ان کے دلوں پر بھی پڑا تھا۔ اس زمانہ میں دنیا کے دوسرے شہروں کی بہ نسبت بنو فاطمہ کے سعید و مبارک سلطنت کے ماتحت شہر قاہرہ نہایت عظیم الشان اور جلیل القدر شمار کیا جاتا تھا۔ ہم نے پہلے ہی بیان کیا ہے کہ فیاضی اور کرم گستری فاطمیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور مشرق کی رعایا کے خیال میں ایسی سخاوت نہایت ہر دلعزیز سمجھی جاتی ہے۔

حکیم ناصر خسرو ایک دیندار پرہیزگار شخص تھا اور شہر قاہرہ کو دارالامت سمجھتے تھے اور وہاں کے فاطمی امام حضرت مستنصر باللہؑ کو حضرت امامؑ مانتے تھے اس عقیدہ کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں نہایت واضح طور سے لکھا ہے جب تک مذہبی دنیا سے تعلق نہ تھا۔ اس وقت تک حکیم ناصر خراسان کے شاہی سلطنت میں شاہی عہدہ دار کے طور پر اعلیٰ منصب پر مامور ہوئے بعد میں اپنے عہدہ سے دست بردار ہو کر مستعفی ہو گئے۔ اور وہاں سے حج بیت اللہ اور سیاحت کے ارادہ سے نکلے بعد ازاں مصر میں اسمعیلی داعی کے ممتاز عہدے سے مشرف ہوئے ان کی سب سے اعلیٰ تصنیف "سفرنامہ" میں اپنے مذہبی رجحان اور سفر کی وجہ واضح طور پر بیان کی ہے اور اس کے بعد اپنے سیاحت کی کیفیت لکھی ہے۔

قاہرہ کا شاندار بیان

حکیم خسرو ۴۳۹ھ ہجری میں مکہ معظمہ پہونچے۔ وہاں سے دمشق گئے۔ دمشق سے بیت المقدس اور وہاں سے خشکی کی راہ سے قاہرہ آئے۔ یہاں تین سال تک قیام کیا اور یہ اسمعیلی مذہب کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں داخل کئے گئے۔ حکیم خسرو راسخ الاعتقاد اسمعیلی تھے لیکن چونکہ ان کی تصانیف عوام الناس کیلئے لکھی گئی تھیں اس لئے خاص مذہبی اصول کی تشریح و توضیح میں انہوں نے نہایت ہوشیاری اور تدبیر کی سے کام لیا ہے تاہم ان کے بیانات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن شریف کی تاویل کے قائل تھے اور بنی فاطمہ کے اماموں کو ائمۂ حق مانتے تھے۔ اس

لحاظ سے وہ اسمٰعیلی مذہب کے عقیدوں کے پورے پابند تھے اور ان کی تصانیف سے بھی یہ بات صریحاً ظاہر ہوتی ہے۔

قاہرہ کے دربار کی شان اور بازاروں کی رونق کا انھوں نے ایک دلکش نقشہ کھینچا ہے اور دیکھی ۴۴۱ھ ہجری کا ہی جو مورخین نے بنی فاطمہ کے انحطاط کا زمانہ بتایا اس زمانہ میں مصر کا لشکر خانہ جنگی میں مصروف تھا۔ لیکن باوجود اس کے لشکر کی جو کیفیت انھوں نے لکھی ہے وہ قابل دید ہے۔ حکیم ناصر خسرو نے فاطمی لشکر کی تعداد دو لاکھ پندرہ ہزار لکھی ہے جس میں گھوڑے سواروں میں سے پینتیس ہزار تو شمالی افریقہ سے آئے ہوئے بربری قبائل کے خالص عرب ہی تھے۔ اور پچاس ہزار حجازی عرب تھے باقی تیس ہزار مصر کے باشندوں کا لشکر تھا پیدل لشکر میں بھی علیحدہ علیحدہ قوم کا لشکر نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تھا جس میں بیس ہزار حبشی تیس ہزار اہل یورپ دس ہزار شامی ترکی اور کردی تھے۔ اور تیس ہزار کے قریب غلاموں کی تعداد تھی۔ جس میں بہت بڑا حصہ وسطی افریقہ کے باشندوں کا تھا شاہی محل کے محافظین دس ہزار کی تعداد میں تھے۔ اس میں افریقی۔ مغربی۔ سوڈانی اور یورپ کے علیحدہ حصوں میں سے آئے ہوئے بہادر آدمیوں کی بہت بڑی تعداد تھی۔ مورخ لین پول رقمطراز ہے کہ حکیم ناصر خسرو نے مصر میں ۴۳۹ھ ہجری سے ۴۴۲ھ ہجری تک قیام کیا قاہرہ میں جب وہ داخل ہوئے اس وقت نہایت وسیع و معمور تھا۔ مصر (فستاط میں) پکی اینٹوں سے تعمیر شدہ تقریباً بیس ہزار مکانات تھے یہ تمام مکانات ۵ یا ۶ منزلوں کے تھے۔ دکانوں کی تعداد بھی اتنی ہی تھی ان تمام املاک کے مالک حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السلام تھے اس کی سالانہ آمدنی تقریباً لاکھ پچاس ہزار دینار تھی۔ شاہی محل میں بارہ ہزار خدمتگاروں کے ساتھ محل میں رہنے والے آدمیوں کی تعداد کل تیس ہزار تھی رات کو ایک ہزار پیدل اور گھوڑے سوار لشکر پہرہ اور پاسبانی پر معمور تھا۔ مصر (فستاط) اور قاہرہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔ اور اس وسیع جگہ میں خوبصورت باغات بنائے گئے تھے جب نیل ندی میں پانی کی طغیانی ہوتی اس وقت کا منظر قابل دید ہوتا تھا جو عوام الناس میں برکۃ الحبش کے نام سے اور خلیج مشہور تھا۔ ہر روز اس جگہ باشندگان شہر سیر و تفریح کے لئے آتے تھے

اور اس کے جزائر میں حضرت امام معزؑ کے شاہزادوں کا آباد کردہ وسیع باغیچہ۔ سیٹ جان کی خانقاہ اور طول و طویل انجیر کے درخت کے سایہ میں سیڑھیوں والا تالاب واقع تھا۔ مصر میں سات اور قاہرہ میں آٹھ مسجدیں تھیں۔ خانقاہوں کی تعداد دو سو شمار کی جاتی تھی۔ آج کل زمانہ میں دکانوں میں اشیائے فروختنی ایک ہی نرخ یورپ کا خاص اصول گنا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ بھی فاطمی سلطنت کی ایک تقلید ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس زمانہ میں جو تاجر اپنے مشتری سے زیادہ دام لیتا تو ثابت ہونے پر اسے مجرم کے طور پر اونٹ پر بٹھا کے تمام شہر میں گشت کرایا جاتا اور ساتھ ہی ساتھ ایک گھنٹہ بجا کر تاجر کے گناہ کا اعلان بھی کیا جاتا تھا۔

دریائے نیل کے خلیج کے افتتاحی مراسم

دریائے نیل میں طغیانی کے وقت اس کے (خلیج) کے افتتاح کے واسطے بنو فاطمی خلیفہ حضرت امام مستنصر باللہؑ ایک خچر پر سوار ہو کر جاتے تھے اس وقت حکیم ناصر خسرو نے انہیں دیکھا تھا۔ اس وقت آپ کا چہرہ تبسم کشادہ پیشانی اور شباب کا زمانہ تھا۔ آپ نے جسم کو سفید عبا اور عمامے سے نہایت سادگی سے مزین فرمایا تھا۔ سر اقدس پر ایک بڑا افسر شاھی چتر سے سایہ کر رہا تھا یہ چتر تمام بیش بہا ہیرے اور موتیوں سے مرصع تھا۔ تین سو دیلمی ایرانی ہتھیار سے مسلح آپ کے قدم بہ قدم پیچھے پیچھے چل رہے تھے دو جانب میں عنبر اور عود جلاتے ہوئے غلاموں کی ٹولی چلی جا رہی تھی۔ باشندگان شہر صلوات پڑھتے ہوئے سجدۂ ادب بجا لاتے تھے۔

قاضی القضاۃ۔ داعی الدعاۃ۔ حکما اور افسران حکومت حضرت امامؑ کے پیچھے صف بستہ چل رہے تھے آپ کے ساتھ آپ کے باڈی گارڈ فوج کے بنی کتامہ کے بربری بیس ہزار۔ دس ہزار باطلیاں۔ بیس ہزار سوڈانی۔ دس ہزار ترک۔ تیس ہزار غلام پندرہ ہزار حجازی بدوی۔ تیس ہزار حبشی و اہل یورپ خدام اور استاد۔ دس ہزار نوکر وغیرہ تیس ہزار حبشی شمشیر دار۔ اور ان کے ماسوا خلیفہ کے مصاحبین جو مغرب۔ یمن

روم - سلاوونیا - جیورجیا - بنوبیا - ابسینیا کے شاہی قبیلہ والے تھے - اور دور و دراز کے شہروں اور ملکوں سے آئے ہوئے ترکستان کے تاتاری اور ہندوستان سے وارد شدہ دہلی وغیرہ کے شاہزادے بھی اس عظیم الشان جلوس میں شامل تھے دریائے نیل کے کنارے کے پاس نصب کیا ہوا شامیانہ (السکارہ) کے قریب بنی فاطمہ کے خلیج کو افتتاح کرتے ہی پھاوڑے اور کدالیاں لے کر خلیج میں کود کر اس کو توڑنے کا منظر دیکھنے کے لئے ایک انبوہ کثیر وہاں جمع تھا -

محصول زمین پر ایک سرسری نظر

اس زمانہ کی آبادی کا اندازہ معلوم کرنے کے لئے حضرت امام مستنصر باللہؑ کے زمانہ میں محصول زمین کا جو ایک بیان تیار کیا گیا ہے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے جو قاضی ابن سحال نے ۴۶۲ ہجری میں تیار کیا تھا - بارہ سو چھہتر (۱۲۷۶) اضلاع اور آٹھ سو نوّے (۸۹۰) گاؤں کی آمدنی اس میں لکھی ہوئی ہے -

شمالی اضلاع: نام اضلاع	رقم دینار	جنوبی اضلاع: نام اضلاع	رقم دینار
الشرقیہ	۱۲۱ر۴۹ و ۶	الغیزیہ	۱۴۶ر۲۹و۱
المرتھیا	۳۵۹ر۷۰	العطفیہیہ	۹۴۴ر۳۹
الدھقلیا	۷۶۱ر۵۳	البُحیریہ	۳۹۰ر۳۹
الاسیوانیہ	۷۰۰ر۴	الفیومیہ	۱۶۲و۴۵و۱
جزیرۃ قصانیہ	۴۶۶ر۵۹و۱	البھنسائیہ	۱۸۰و۳۴و۲
الغربیہ	۹۵۵و۳۰و۲	العشمونین اور تاہا	۶۱۶ر۱۷ر۱
التمندیہ	۶۵۷ر۲۰۰		
المنوہیاتین	۹۲۳و۴۰و۱	السّویونیا وغیرہ	۳۲۱و۱۴۸و۳۰
فوادغیرہ	۶ر۰۸۰	جملہ دینار	۹۵۳و۲۰ر۱۰
		کل جمع	۹۹۳و۶۰ر۳۰

شمالی اضلاع

نام اضلاع	رقم دینار	نام اضلاع	رقم دینار
اَنتراویہ	۱۴ر۹۱۰	روزٹیا و غیرہ	۳ر۰۰۰
جزیرہ بنی نصر	۶۲ر۵۰۸	البحیرہ	۱ر۳۹ر۳۱۳

حوف رامسس ۵ر۹۰ر۸۰۱

جملہ دینار ۲۰ر۴۰ر۴۰

اس آمدنی میں خاص کر شمالی کنارہ کے سکندریہ - دیہات اور مصر کے ادھر کے حصہ کے اضلاع کفت - نقادہ اور اکھیمیا شمار نہیں کئے گئے تھے - سات سال کی قحط سالی کا عرصہ اگر علیحدہ کر دیا جائے تو مصر کی آبادی اتنی وسیع ہوگئی تھی کہ اس کے بعد ۲۰ سال میں تو مصر میں سوائے عیش و آرام کے رنج و الم کا نام بھی نہ تھا - تاہم اس زمانہ طویل میں بھی شام کے اندر اکثر لڑائی ہوا کرتی تھی -

بنوفاطمہ کی شان کا ایک مختصر بیان

.... مؤرخ لین پول رقمطراز ہے کہ حضرت امام مستنصر باللہؑ کے خزانہ میں حضرت امام معز اور حضرت امام قائم علیہم السلام کی تلوار حضرت امام حسین علیہ السلام کا بکتر - حضرت حمزہ کی ڈھال - حضرت علیؑ کی مشہور دو دھاری تلوار ذوالفقار ...... اور حضرت نبی مصطفیٰ صلعم کی سیف فاتح وغیرہ موجود تھیں -

سکندریہ - دمیاط - عسقلان اور دوسرے کئی شاہی بندرگاہ اور بحر قلزم کے اذیاب کے بندرگاہوں میں دریا کنارے پر فاطمی خلفا کا بحری بیڑہ رکھا جاتا تھا - اس بحری بیڑہ میں ۷۵ جنگی جہازات - دس ٹرانسپورٹ اور دس گلی اسٹیشن تھے اور یہ سب اعلیٰ بحری افسر (امیر البحر) کے ماتحت رہتا تھا - سیاسی امور میں انتظام کے لئے بنی فاطمہ کے عہد سلطنت میں دو حصہ

کئے گئے تھے (۱) دیوانی (۲) لشکری ان دونوں کا سردار وزیر ہوتا تھا۔ (۱) صاحب السیف (۲) صاحب القلم - یہ دونوں اس کی دو القاب تھے - پہلا عہدہ پر کوئی لشکری افسر اور دوسرے پر کوئی باشندۂ شہر تعینات کیا جاتا تھا - امیر الباب' نامی ایک تیسرا عہدہ تھا جو وزیر اعظم کے ماتحت تھا۔

حکیم ناصر خسرو کی تبلیغ اور وفات

روضۃ الصفا کے مصنف لکھتے ہیں کہ حکیم ناصر خسرو مصر میں سات سال تک مقیم رہے اور ہر سال وہ حج کو جاتے تھے - آخری وقت میں انہوں نے مکہ معظمہ میں حج سے فارغ ہو کر مصر کے راستہ سے عراق اور خراسان جانے کا ارادہ کیا چند منزل طے کرنے کے بعد انہوں نے اسمٰعیلی دعوت کی تبلیغ شروع کی - اس سے برہم ہو کر حکیم ناصر کے دشمنوں نے ان سے مقابلہ کرنے کی تیاری کی اور ان کے قتل کے درپے ہوئے - دشمنوں کے اس ارادہ سے مطلع ہوتے ہی - شہروں میں تبلیغ کرنے کے عوض اپنے تبلیغی کام کو ترقی دینے کی غرض سے پہاڑی علاقہ کے دور دراز ملکوں کی طرف کوچ کیا - وہاں اکثر اوقات دانہ میسر نہ ہونے سے آب و گیاہ پر اکتفا کرتے تھے اور ہزارہا مصائب کا سامنا کرتے ہوئے بیس سال کا طول و طویل زمانہ مخفی طور سے گذارا - ان کی بے انتہا کوشش سے پہاڑی شہر کے بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسمٰعیلی مذہب اختیار کیا۔

تاریخ الاسلام میں لکھا ہے اس کے مطابق حکیم ناصر خسرو حضرت امام مستنصر باللہ ع کے عہد سلطنت میں سات سال تک مصر میں گذارنے کے بعد حضور میں تاجرانہ لباس میں ہر وقت حاضر خدمت ہوتے تھے بعد ازاں خراسان اور عجمی ملکوں کے داعی الدعاۃ مقرر ہوئے۔

حکیم ناصر خسرو نے مصر سے وداع ہونے کے پیشتر حضرت امام ع کی خدمت میں عرض کی کہ اے آقا آپ کے بعد ہمارے امام کون ہیں؟" حضرت امام مستنصر باللہ ع نے اپنے شاہزادہ نزار ع کو دکھایا - اس کے بعد حسن بن صباح آئے - اور وہ نزاری اسمٰعیلیوں کے سردار ہوئے

حکیم ناصر خسرو مصر کی اقامت کے درمیان اپنے اوقات کا بڑا حصہ دار الحکمت میں علم حاصل کرنے میں صرف کرتے تھے اور اس کے بعد حضرت امام مستنصر باللہؑ کی خدمت میں مرید کے طور پر رہ کر اپنا تمام وقت مذہبی امور کی انجام دہی میں صرف کرتے تھے اپنی زندگی کے آخری پندرہ سال میں انہوں نے یمگان میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ جہاں سوائے عبادت الہٰی کے اور کسی دنیوی کام میں وہ شریک نہ ہوتے تھے۔

مورخ حاجی خلیفہ کی تحریر کے مطابق حکیم ناصر خسرو کی وفات ۴۸۱ھ ہجری میں یمگان شہر میں ہوئی۔ اس سال وفات سے ان کی عمر ۸۷ سال کی ہوتی ہے۔

حسن بن صباح

حسن بن صباح بھی حضرت امام مستنصر باللہؑ کے زمانہ کے ایک جلیل القدر شخص تھے۔ ان کی پیدائش ۴۳۲ھ ہجری میں شہر ایران کے رّے ملک کے ' کم ' نامی گاؤں میں ہوئی تھی۔ آپ کا نسب نامہ :-

حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن صباح الحمیری ہے عربستان کے شہر یمن میں زمانہ قدیم میں سلطنت کئے ہوئے حمیری خاندان کے بادشاہی نسل میں آپ کی پیدائش ہوئی اور اسی لئے الحمیری کے لقب سے بھی وہ معروف ہیں۔ روضۃ الصفا کے مصنف کی روایت ہے کہ حسن بن صباح ملک شاہ کے خوف سے تنہائی میں زندگی گذارنے کے لئے مصر گئے اور وہاں ڈیڑھ سال تک مقیم رہے اس مدت کے تمام ہوتے ہی انہوں نے حضرت امام مستنصر باللہؑ سے رخصت طلب کی اور عجم کے ملکوں میں جا کر فاطمی دعوت کی تبلیغ کرنے لگے۔

مورخ ادلیری لکھتا ہے کہ ۴۷۱ھ میں ایک ایرانی مبلغ مصر گیا۔ اس سے پہلے حکیم ناصر خسرو مصر آچکے تھے ان کے ساتھ اس کا بڑا تعلق تھا حضرت امام مستنصر باللہؑ کے وفات کے ساتھ جو واقعات ہوئے ہیں ان کے ساتھ ان کو بہت کچھ تعلق ہے۔ اس ایرانی مبلغ کی پیدائش کم میں ہوئی تھی جہاں ان کے والد نے کوفہ سے آ کے سکونت اختیار کی تھی ان کے والد کی طرح انکا

مذہب بھی پہلے اثنا عشری تھا۔ مگر جب ان کا تعلق حکیم ناصر خسرو جیسے مبلغ سے ہوا تو ان کے اثر سے یہ بھی مذہب اسمٰعیلی کے معتقد ہو گئے۔ اور ان کے تمام شکوک رفع ہونے کے بعد حسن نے مذہب اسمٰعیلی میں قدم رکھا اور فاطمی امام حضرت مستنصر باللہؑ کی بیعت میں داخل ہوئے۔ اصفہان کے اضلاع میں دعوت کی تبلیغ میں ایک بلند مرتبہ شخص سے ۴۶۴ھ ہجری میں ان کی ملاقات ہوئی جنہوں نے ان کو مصر کی سیاحت کی صلاح دی اصفہان کے اسمٰعیلی مبلغ معاون کی حیثیت سے حسن بن صباح نے دو سال تک خدمت کی بعد ازاں ۴۷۱ھ میں سفر کر کے قاہرہ پہنچے جہاں داعی الدعاۃ اور تمام روسا نے ان کی بیحد عزت کی۔ مگر حضرت امام مستنصر باللہؑ سے شروع میں تھوڑے عرصہ تک ملاقات نصیب نہ ہوئی۔ اس اثنا میں امامت کے استحقاق کے سوال پر دربار میں دو فریق ہو گئے تھے اس میں سے ایک فریق حضرت امام نزارؑ کا طرف دار تھا اور دوسرا فریق ان کے بھائی مستعلی کا جانبدار تھا۔ اس سلسلہ میں ناصر خسرو کا بیان ہے کہ حضرت امام مستنصر باللہؑ نے مجھ سے فرمایا کہ میرا بڑا بیٹا شاہ نزارؑ میرے تخت کا وارث ہے اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے فرزند حضرت امام اسمٰعیلؑ کے تقلید کرنے سے اسمٰعیلی مذہب کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح امامت کی وراثت میرے بڑے فرزند نزارؑ کی ہے مگر بدر الجمالی اور سلطنت کے کئی بڑے عہدہ دار اور افسر حضرت امامؑ کے چھوٹے فرزند حضرت مستعلی کی جانبداری کرتے تھے۔

داعی حسن بن صباح چونکہ حضرت مستنصر باللہؑ سے ہر وقت ملاقات کرتے تھے اس لئے حکومت کے بڑے عہدہ داروں کی آنکھوں میں بہت کھٹکتے تھے۔ حسن بن صباح نے مصر میں ۱۸ ماہ تک قیام کیا مگر بدر کے دل میں ان کے حرکات و سکنات سے شک واقع ہوا اور انہیں مصر ترک کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس لئے وہ جہاز میں بیٹھ کر ہجری ۴۷۲ھ میں سکندریہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں سے آگے بڑھتے ہی شام کے کنارہ پر ان کا جہاز چٹان پر چڑھ گیا۔ جہاں سے وہ پا پیادہ سفر کرتے ہوئے ۴۷۳ھ ہجری میں اصفہان پہونچے اور امامت کے سچے مستحق شاہ نزارؑ کو تیار کر کے اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کی جس میں ان کو زبردست کامیابی ہوئی۔ حسن بن صباح اپنی ابتدائی زندگی کے بعد ایک عظیم الشان اور نامور شخصیت کے لباس میں نظر آنے لگے۔

پیر سید نورالدین (رحمۃ اللہ) کی ایک یاد

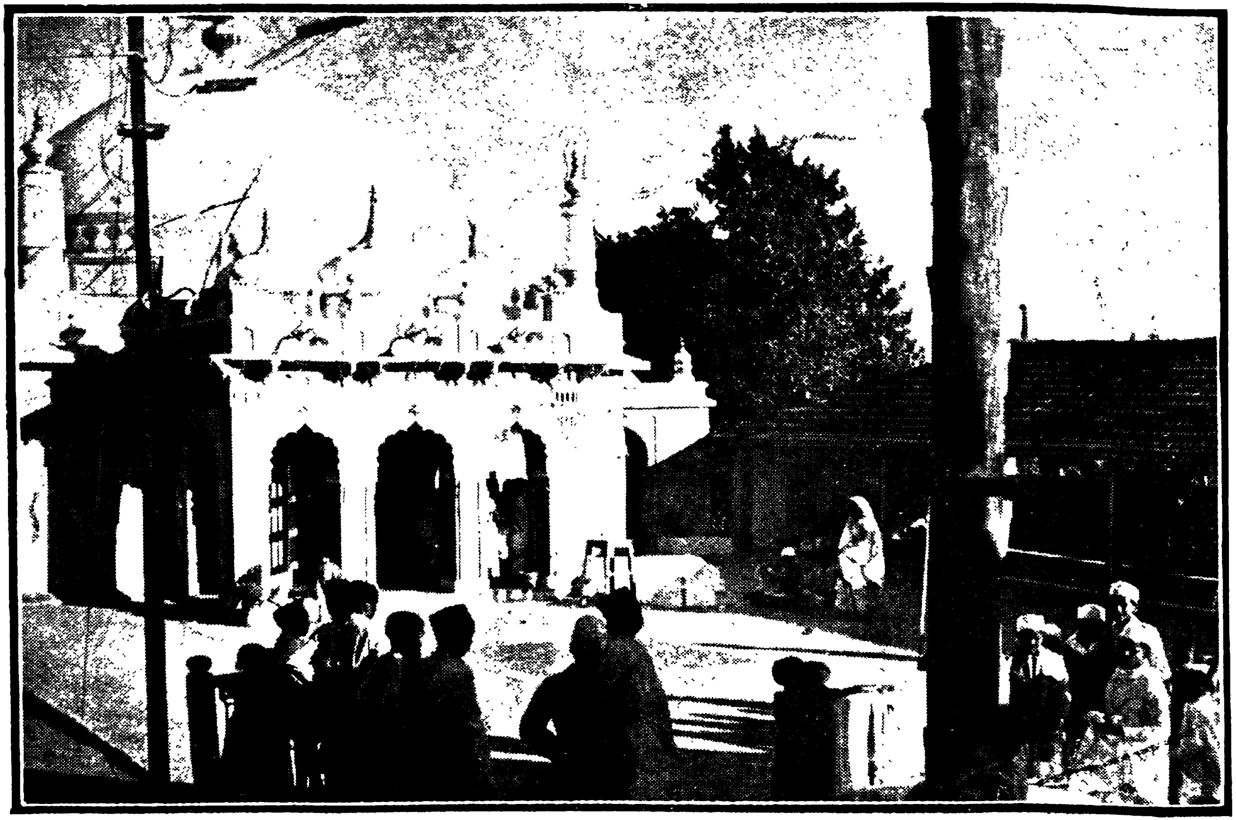
حضرت امام مستنصر باللہ ؑ کے دربار میں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے دو فریق تھے ایک فریق نے حضرت امام نزار ؑ کی طرف داری کی اور دوسرے فریق نے حضرت مستعلی کی جانبداری کی انہی ایام کے میں سید نورالدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ؑ کی طرف سے ہندوستان میں اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کرتے تھے آپ حضرت امام نزار ؑ کے جانب دار بنکر دعوت کے واسطے ۴۶۲ ہجری میں ہندوستان روانہ ہوئے۔ حضرت سید نورالدین شاہ ؒ حضرت امام جعفر صادق ؑ کے اولاد میں سے فاطمی خاندان کے ایک سید تھے۔ ہندوستان میں وہ "نورستگور" یا "سید سادات" کے نام سے بھی معروف تھے۔

یمن میں مستعلی دعوت اور حرۃ الملکہ

یمن۔ سندھ اور ہندوستان کے احاطہ میں حرۃ الملکہ بنی فاطمہ کے دعوت کا کام انجام دیتی تھی اسخاتون کا نام سیدہ، اور لقب ملکہ تھا۔ الصلیحی خاندان سے آپ کا تعلق تھا آپ کے خاندان کے لوگوں نے جانفشانی کے ساتھ حضرت امام ؑ کی خدمت کی تھی حرۃ الملکہ کی دعوت و تبلیغ میں ان کے شوہر ملک مکرم اور ان کے فرزند المکرم الاصغر معاونت کرتے تھے۔

ملک مکرم ۴۸۴ ہجری میں لقوہ کی بیماری سے وفات پا گئے اور ان کے بعد ان کے فرزند کے ہاتھ میں تمام سلطنت کا کاروبار آ گیا۔ مگر دعوت کے تمام امور کی انجام دہی حرۃ الملکہ کے ذمہ تھی مدت کے بعد ان کے فرزند کی وفات سے وہ تنہا رہ گئیں اور سلطنت و دعوت کے کاموں کو تنہا انجام دینے لگیں ان کی عمر ۹۲ سال کی تھی۔ اس زمانہ میں جب امامت کے بارہ میں دو فریق ہو گئے تو حرۃ الملکہ نے حضرت مستعلی کی جانبداری کر کے اس فرقہ کی اعلیٰ پیمانہ پر تبلیغ کی فرقہ بواہر کے آخری امام حضرت طیب تک وہ زندہ رہیں۔ ہندوستان میں فرقہ بواہر کا وجود یمنی دعاۃ کے تبلیغ کا ثمرہ ہے۔

حضرت مستعلی کے طرف دار دو داعی عبداللہ اور احمد نامی ہندوستان روانہ کئے گئے تھے اور یہ دونوں داعی کھمبات میں آ کے مقیم ہوئے تھے۔



اسمٰعیلی مبلّغ سید نورالدینؒ عرف نورستگر کا مقبرہ، بمقام نوساری گجرات۔

پیر سید نورالدینؒ کی ہندوستان میں آمد

اسی زمانہ میں حضرت نزارؑ کے طرفدار سید نورالدین شاہؒ عرف سنگور نور بھی ہندوستان آپہونچے تھے، حضرت مستعلی کے طرفدار داعیوں نے ابتداً ایک مالی اور مالن کو اپنی دعوت میں لیا اور حضرت نورالدین شاہؒ پاٹن گئے۔ جہاں ایک مندر کا پوجاری بڑی محبت سے بتوں کی عبادت کرتا تھا پہلے ہی سید نورالدینؒ نے اپنی روحانی طاقت سے کئی کرامتیں کھائیں پوجاری کرامات دیکھتے ہی راجہ سدھراج کے پاس دوڑتا ہوا گیا اور تمام حقیقت بیان کی آخر سدھراج اپنے کانیارشی اور اہل دربار کو ہمراہ لے کر مندر میں آیا کانیا جوگی نے سید نورالدینؒ سے کہا کہ اگر یہ مندر کا بڑا بت سامنے کے تالاب سے ایک مشک میں پانی بھر لادے تو آپ کی کرامت سمجھی جاوے۔ چنانچہ سید نورالدینؒ نے بڑے بت سے کہا اور اس نے ویسا ہی کیا اس کرامت کے دیکھتے ہی کانیا جوگی کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ سید نورالدینؒ کی اس کرامت کو دیکھ کر چھتری۔ بنیئے۔ کنبی۔ برہمن وغیرہ مختلف فرقے کے لوگ اسمعیلی مذہب میں حضرت امام نزارؑ کی دعوت میں داخل ہو گئے اور راجہ کو ان پر اعتماد ہو گیا۔

نوساری ضلع میں دھارا نگری شہر میں سورچند نامی راجا سلطنت کرتا تھا۔ اس کی پاندے نامی ایک دوشیزہ لڑکی تھی اس نے دل میں یہ ٹھان لیا تھا کہ اسے جو مرد پسند آئے گا اسی سے وہ شادی کرے گی اور روزانہ مندر میں جاکر پوجا پاٹ کیا کرتی تھی جب اس لڑکی نے ایسی تعجب خیز کرامت دیکھی تو اس نے پیر سید نورالدینؒ کو اپنا شوہر منتخب کیا اور ان سے شادی کر لی۔ راجا نے اپنی لڑکی کو جہیز میں بہت سامال و زر دیا۔

سید نورالدینؒ عرف "سنگر نور" کی وفات دھوکے سے ہوئی اس کا بانی مبانی جاچ تھا آپ کی وفات ۴۸۷ھ ہجری میں نوساری مقام میں ہوئی تھی ان کے ہاتھ پر ہندوستان میں ہزاروں آدمی اسمعیلی ہو گئے اور حضرت امامؑ کو پہچان کر "ست پنتھ" مذہب اختیار کیا حضرت امام مستنصر باللہؑ کی وفات بھی اسی سال میں ہوئی۔ سید نورالدین شاہؒ کا روضہ نوساری میں موجود ہے۔

عمر خیام

عمر خیام ایک بڑے صوفی نیشاپور کے باشندے تھے۔ ان کی پیدائش سنہ ۔۔۔ ہجری میں نیشاپور کے پاس ایک گاؤں میں ہوئی تھی ان کا پورا نام غیاث الدین ابو الفتح عمر تھا ان کے والد کا نام ابراہیم تھا۔ حضرت امام موفق اس زمانہ کے ایک فاضل علامہ تھے۔ ان کے مشہور مدرسہ میں عمر خیام نے تعلیم حاصل کی تھی حسن بن صباح بھی تعلیم میں ان کے ہم سبق تھے۔

عمر کا لقب یا تخلص خیام تھا۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان کے والد اور ان کے دادا خیمہ سازی کرتے تھے۔ عربی میں لفظ "تنبو" کو خیمہ کہتے ہیں اور خیمہ بنانے والے کو خیام کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ خیام نے اپنے بزرگوں کے نام سے اپنا یہ لقب اختیار کیا تھا۔ خیام نے اپنی رباعیات میں کہیں کہیں اپنا نام خیام لکھا ہے ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے "خیام کے خیمہ ہائے حکمت می دوخت" یعنی خیام فیلسوفی جو خیمہ بناتا تھا۔ اس کے علاوہ خیام تخلص فیلسوفی سے مناسبت رکھتا ہے اور یہ زیادہ تر موزوں ہے۔

یورپ کے تمام مشرقی علم ادب شائقین کی بدولت روئے زمین پر خیام کا نام نہایت مشہور و معروف ہے آپ کی رباعیات مغرب کے مہذب ملکوں میں نہایت شوق سے پڑھی جاتی ہیں یہاں تک کہ وہاں خیام کلب (بزم خیام) بھی قائم ہوئی اور دوسرے بہت سے مدارس و تعلیم گاہیں وغیرہ بھی خیام کے نام پر جاری ہیں۔

عقیدہ حلول و تناسخ

عمر خیام اس زمانہ کے تمام علوم و فنون میں ماہر تھے۔ آخر عمر میں حکیم ابو علی سینا کی تصنیف شفا نامی کتاب پڑھتے تھے۔ جس میں وحدت اور کثرت کے مسائل ان کی دل میں مرکوز ہو گئے جن پر وہ وقتاً فوقتاً غور و فکر کرتے تھے۔ کئی کتابوں سے معلوم ہوتا تھا کہ صوفی عمر خیام عقیدہ تناسخ کے معتقد تھے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ نیشاپور کے قدیم مدرسہ کی تعمیر ہو رہی تھی اس کے



حکیم عمر خیام: مشرق کا ایک مایۂ ناز فلسفی شاعر

لئے گدھوں پر لوگ مٹی اور پتھر لاد کر لے آتے تھے ایک دن عمر خیام اپنے طالب علموں کے ہمراہ وہاں سے گزر رہے تھے ایک گدھا دیکھا جو مدرسہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ دیکھتے ہی مندرجہ ذیل رباعی کہی۔

ای رفتہ و باز آمدہ بل ہم گشتہ — نامت ز میاں مرد ماں گم گشتہ

ناخن ہمہ جمع بر آورد سم گشتہ — ریشت ز عقب آمدہ و دم گشتہ

یعنی "اے ریاکار جوگی! تو اس دُنیائے فانی سے کوچ کر گیا تھا مگر اپنے اندرونی بغض و حسد کے باعث بار دیگر گدھے کی قمیص (جسم) میں تیری پیدائش ہوتی ہے تو نے ظاہری علمی رعب کے لئے لمبی داڑھی رکھا تھا اب وہ تیرے پچھلے حصہ دُم ہو کر نکلی ہے اور تیرے ناخنوں کو جمع کر کے تیرے پاؤں کی کھر بنا دیئے گئے ہیں۔

عمر خیام حضرت امام مستنصر باللہؑ کے زمانہ میں زندہ تھے اور اسمٰعیلی مذہب میں حکیم ناصر خسرو کے ہاتھ پر داخل ہوئے تھے انہوں نے حضرت امامؑ کی تعریف و توصیف میں نظم لکھی ہے جس میں ظاہر کیا ہے کہ میری دلی تمنا کے محبوب حضرت امام مستنصر باللہؑ کا دیدار ایک جنت کا نقشہ ہے جو میرے دل کو پاک و صاف کرتا ہے۔ مجھے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے میں فقط حضرت امام مستنصر باللہ کے نگاہ لطف و کرم کا اُمیدوار ہوں۔ میرا ذریعہ میرا وسیلہ حضرت امام مستنصر باللہؑ کی ذات ستودہ صفات ہے۔

عمر خیام کے مذہبی خیالات

گجراتی زبان کی کنیان چکر نامی کتاب کی چوتھی جلد میں لکھا ہے کہ عمر خیام نے اسمٰعیلی مذہب اختیار کیا تھا۔ عمر خیام کا دلی میلان سوفی فیلسوفی کی طرف تھا۔ بنی فاطمہ کی مصری سلطنت کے عظیم الشان دار الحکمت میں فلاطون ارسطو، فیثا غورس کی تصنیفات فاطمی دار العلوم کے سررشتہ تعلیم میں داخل کر کے پڑھاتی جاتی تھیں۔ اس علم کی تحصیل عمر خیام نے حضرت امامؑ کی ملاقات کے بعد حاصل کی تھی۔ اور خواجہ حجۃ الحق کا شاندار خطاب بھی پایا تھا۔ ان کے وفات کے

بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس زمانہ میں وہ حکیم ابو علی سینا کی کتاب "شفا" کو پڑھتے تھے۔ اس کتاب کے فقط دو اوراق باقی تھے کہ اس کتاب شفا کے اس صفحہ پر اپنا خلال رکھدیا اور خود معبود حقیقی کے عبادت میں مشغول ہوگئے آخری وصیت کر کے سجدہ میں گئے اور خدا کی تسبیح و تہلیل کر رہے تھے کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔ عمر خیام کی وفات ۵۱۷ھ ہجری میں نیشاپور میں ہوئی۔ ان کی عمر ۱۰۹ سال کی تھی۔ اس زمانہ میں تخت پر حضرت امام شاہ ہادیؑ جلوہ افروز تھے۔ جن کا مسکن آلموت کے قلعہ میں تھا۔ جہاں حسن بن صباح نے فاطمی سلطنت پھر بار دیگر قائم کیا تھا۔

عبدالملک عطاش کی دعوت

حضرت امام مستنصر باللہؑ کے زمانہ میں اصفہان۔ آذربائیجان کے اضلاع اور عراق و عجم کے تمام ممالک کے داعی کبیر عبدالملک عطاش تھے۔ حضرت امامؑ کی طرف سے ان اضلاع میں داعی مقرر ہونے کے بعد دعوت کے متعلق تمام تفصیلات ہمیشہ حضرت امامؑ کی خدمت میں بھجواتے رہتے تھے۔ ایران میں اس وقت سلجوقی اور دوسرے کئی قبائل حکومت کرتے تھے فاطمی حکومت کا اقتدار ان پر بالکل نہ تھا مگر معمولی باشندگان شہر کے مانند اسمعیلی دعات اور نقبا تھے جو علیحدہ علیحدہ لوگوں کے مجمعے میں داخل ہو جاتے تھے اور مذہب کا ذکر کرتے رہتے تھے جس کے سبب سے لوگوں کا خیال ان کی طرف مائل تھا اور ایسی دلآویزی ہوتی تھی کہ لوگ اس پر اعتبار کرنے لگتے تھے۔ بعد ازاں بتدریج وہ لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرتے تھے اور انہیں فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

حسن بن صباح کے حالات

نامور اسمعیلی بہادر حسن بن صباح اس وقت اسمعیلی نہ تھے۔ مگر آزاد خیال اور عمیق فیلسوفی میں غرق تھے سب سے پہلے وہ امیر دارب نامی اسمعیلی سے "ری" شہر میں ملاقی ہوئے امیر دارب کے بعد دوسرے اسمعیلی داعی ابو نظم سراج سے ملاقات ہوئی۔ ابو نظم کی ملاقات اور گفتگو



اسمٰعیلی داعی اعظم عبدالملک عطاش: آپ آذربائیجان اور اصفہان کے داعی اعظم تھے اور بہت سی سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں۔

نے حسن بن صباح پر زبردست اثر کیا مگر اسی عرصہ میں وہ بیمار ہو گئے اور صحت ہوتے ہی اسمٰعیلی مذہب کی چھان بین میں مشغول ہو گئے اسی اثناء میں داعی ابو مومن سے ملاقات ہوئی جو کہ اسمٰعیلی دعاۃ کی مجلس کے داعی اکبر تھے، و داعی عبدالملک عطاش کے ماتحت تھے۔

عبدالملک عطاش ایران میں نہایت ہر دلعزیز عالم اور مذہبی امور کے ماہر تھے سنہ ۴۶۴ھ ماہ رمضان میں وہ "رے" گاؤں میں آئے۔ اس وقت حسن بن صباح داعی ابو مؤمن کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے بیٹھے تھے۔ آپ کی تفہیم و تعلیم سے حسن بن صباح نے ابو مومن کے ہاتھ پر اسمٰعیلی مذہب اختیار کیا اور مذہب میں ترقی کرنے کے لئے مصر جا کر حضرت امامؑ کے دیدار سے مشرف ہونے کی صلاح عبدالملک عطاش نے انہیں دی۔

حسن بن صباح نے ۴۶۶ھ میں مصر جانے کا ارادہ کیا اس اثناء میں عبدالملک عطاش اور حضرت مستنصر باللہؑ کے درمیان اس سلسلہ میں مراسلت ہو رہی تھی۔

عبدالملک کے ماتحت حسن بن صباح نے دو سال تک اسمٰعیلی دعوت کی اشاعت کی تھی اور ابن عطاش کو نہایت خوشی حاصل ہوئی دو سال کے بعد ابن عطاش نے ان کو ماتحت اپنے گاؤں میں دعوت کے لئے روانہ کیا۔ آذربائجان۔ صحیہ۔ دمشق۔ سڈون۔ طائر۔ اور عکہ شہروں میں انہوں نے پا پیادہ مسافت طے کر کے صعوبت سفر برداشت کر کے پہنچے اور نہایت عمدگی اور خوبی سے اپنے کام کو انجام دیا۔ بعد ازاں بحری راستہ سے حسن بن صباح مصر پہنچے وہاں داعی الدعاۃ ابو داؤد نے ان کی نہایت عزت کی اور ایک مقررہ دن کو حسن بن صباح حضرت امامؑ کی خدمت میں لائے گئے حضرت امامؑ نہایت محبتانہ طور پر آپ سے پیش آئے۔

وزکوہ پر اسمٰعیلی جھنڈا

شیخ عبدالملک عطاش صرف مبلغین کے داعی اکبر ہی نہ تھے بلکہ ملکی امور میں بھی نہایت ہوشیار تھے اور اسمٰعیلی حکومت کا انتظام بھی ان کے ہاتھوں ہی انجام پاتا تھا۔ اصفہان میں وزکوہ نامی قلعہ ملک شاہ نے تعمیر کر کے اس کو جنت نشان بنا دیا تھا۔ اور اسی قلعہ میں شاہی خزانہ اور تمام جنگی

سروسامان رکھا گیا تھا عبدالملک عطاش نے اس شہر پر اپنی طاقت خوب مستحکم کر کے قلعہ کو فتح کر لیا دست گور نامی مقام میں انہوں نے اسمٰعیلی مبلغین کے لئے ایک خانہ دعوت قائم کیا۔ یہاں ان کی جان توڑ کوششوں سے تیس ہزار آدمی مذہب اسمٰعیلی سے مشرف ہوئے۔

سنہ ہجری کی پانچویں صدی کی ابتدا میں ایران میں اسمٰعیلی طاقت نہایت مستحکم ہو گئی تھی اور اسی زمانہ میں عبدالملک عطاش نے شام کے مشہور قلعہ قادموره اور بانیاس وغیرہ کو فتح کیا ان کے ماسوا شاہ دیز یا دیز کوہ نامی قلعوں کے مانند شیر کوہ تابس حزخست کائن خانجانہ اور کلات لناظر نامی ایرانی حدود میں کئی قلعے اپنے تابع میں رہے اور اسمٰعیلی طاقت میں مزید ترقی ہوئی۔ عبدالملک عطاش کی کوشش سے ایرانی امیر اور رؤسا نے بھی اسمٰعیلی مذہب اختیار کیا اور مورخین کے بیان کے مطابق سلجوقی سلاطین کے شاہزادوں میں بھی اسمٰعیلی مذہب کا اثر ہو رہا تھا۔ دیز کوہ قلعہ ایک بار ہاتھ سے نکل جانے کے بعد دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ملک شاہ نے بہت سی لڑائیاں کیں مگر آخر کار عبدالملک گرفتار ہوگئے۔ اور ان کو پھانسی کی سزا دی گئی ان کے بعد ان کے فرزند احمد عطاش داعی اکبر ہوئے قلعہ دیز کوہ اسمٰعیلیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر اس سے مذہب اسمٰعیلی پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السلام کی وفات

حضرت امام مستنصر باللہ ؑ نے ساٹھ سال تک سلطنت کی۔ آپ کے عہد سلطنت کی کارگزاری بے نظیر و بے مثل ہیں اکثر و بیشتر موقع کی مناسبت سے حضرت امام ؑ بذاتہٗ دشمنوں کے مقابلہ کیلئے تشریف لاتے تھے اور اس کا ثبوت سکندریہ کی جنگ سے ملتا ہے حضرت امام ؑ جس طرح شاہی رعب داب اور شان و شوکت سے خوش رہتے تھے ویسے ہی مصائب و شدائد کے وقت میں بھی آپ کسی طرح متفکر نہ ہوئے تھے بلکہ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے تھے سالہا سال تک آپ نے فقط روزانہ دو روٹیوں پر کفایت کی۔ اور اس وقت بھی آپ پریشان نہ ہوئے بلکہ صبر و قناعت اختیار کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خوشی اور خرمی کے ایام میں

حضرت امامؑ تفریحاً جواہرات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کے ساتھ خوش بازی کیلئے دریا میں ڈالتے تھے۔ حضرت امامؑ نے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں ایک لاکھ کتابیں صرف ادب کی تھیں۔ حضرت امام مستنصر باللہؑ کی صغر سنی، عنفوان شباب اور عالم ضعیفی کے علیحدہ علیحدہ تذکرے نہایت حیرت انگیز ہیں۔

مؤرخ لین پول لکھتا ہے کہ آپ تخت سلطنت پر ۶۱ سال تک متمکن رہے۔

۴۸۷ ہجری ۱۸ ذی الحجۃ الحرام کو حضرت امام مستنصر باللہؑ فوت ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال کی تھی آپ کی وفات کے بعد حضرت امام مستنصر باللہؑ کے سات فرزند حضرت امام نزارؑ، حضرت احمد مستعلی۔ عبداللہ۔ احمد۔ محسن۔ حسن۔ محمد اور اسمٰعیل اور تین شاہزادیاں تھیں۔

حضرت امام مستنصر باللہ (علیہ السلام)

محمد

یہ خود خلیفہ نہ ہوئے مگر ان کے بعد ان کے فرزند حافظ اور ان کی اولاد حضرت آمر کے بعد خلیفہ ہوئے ہیں۔

- حافظ (خلیفہ)
- ظافر (")
- فائز (")

- یوسف
- عاضد خلیفہ

ہجری ۵۶۶ھ میں عاضد کے زمانہ میں مصر کی حکومت سلطان صلاح الدین کے ہاتھ میں چلی گئی۔

حضرت مستعلی

خلیفہ ہوئے

حضرت آمر

خلیفہ ہوئے

حضرت طیب مستعلوی بوہرہ کے سلسلہ کے یہ آخری امام شمار کئے جاتے ہیں جن کے ستر ہونے کے بعد بوہروں میں دعاۃ کا سلسلہ شروع ہوا جو ابھی زمانہ حال تک جاری ہے۔

حضرت امام نزار

ان کی نسل میں سے ایران کے رودبار ضلع میں آلموت میں قائم شدہ سلطنت پر اسمٰعیلی ائمہ نے صدیوں تک حکومت کر کے اسمٰعیلی امامت کو جاری کیا تھا۔

حضرت امام نزار (علیہ السلام)

سن امامت از ۴۸۷ھ ہجری تا ۴۹۰ھ ہجری

حضرت امام نزارؑ کی پیدائش ۴۳۷ھ ہجری دسویں ربیع الاول کو شہر قاہرہ میں ہوئی آپ کے والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر اکیاون۵۱ سال کی تھی حضرت امام نزارؑ کے دوسرے چھ۶ بھائی بھی تھے۔ جن میں یہ سب سے بڑے تھے اور ان کے والد کی زندگی ہی میں ولیعہد مقرر ہوئے تھے۔ حکیم ناصر خسرو محترم حسن بن صباح اور سید نورالدین شاہؒ نے حضرت امام نزارؑ کی دعوت کی تبلیغ بھی شروع کردی تھی حضرت امام نزارؑ کا پورا نام لقب کے ساتھ حسب ذیل ہے۔

حضرت سید مصطفیٰ النزار بامراللہ ہے ۴۸۷ھ ہجری میں جب وہ مسند پر متمکن ہوئے تو اس وقت مصر کے تخت خلافت پر ان کے چھوٹے بھائی حضرت مستعلی متمکن تھے۔

آثار محمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وزیر کبیر امیر الجیوش افضل حضرت امام نزارؑ کے محل کے قریب سے گزرا مگر گھوڑے سے اُتر کر اس نے حضرت امامؑ کی تعظیم نہ کی جس سے حضرت امامؑ بیحد ناراض ہوئے اور افضل سے کہا۔ انزل یا ارمنی الجنس (ای ارمنی کی اولاد نیچے اترو) اس بات سے وزیر نہایت برہم ہوا۔ اور اپنی بے عزتی دل میں پوشیدہ رکھ کر دشمنی پر کمر باندھی اور موقع کا منتظر تھا کہ وقت آئے تو اس کا انتقام لے۔

حضرت مستعلی اور حضرت امام نزار (علیہ السلام) میں اختلاف

ابن خلکان کی روایت کے مطابق ۴۸۷ھ ہجری ۱۸ ذی الحجۃ الحرام پنجشنبہ کے دن حضرت

مستعلی کو تخت خلافت پر بٹھا کر خلیفۂ وقت ظاہر کیا گیا اس کاروائی میں امیر الجیوش الافضل کا بہت بڑا حصہ تھا اس زمانہ میں حضرت مستعلی کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی اور وہ الافضل کے داماد تھے اکثر مورخین ان کو آپ کا ماموں لکھتے ہیں مگر فی الحقیقت وہ ان کے خسر ہوتے تھے۔ مورخ آدلیری لکھتا ہے کہ حضرت مستعلی تخت خلافت پر بیٹھے اس وقت وزیر کبیر الافضل نے حضرت امام مستنصر باللہ ؑ کے دوسرے فرزندوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم نافذ کیا۔ چونکہ شاہزادے بالکل قریب ہی رہتے تھے اسی وقت فوراً حاضر ہو گئے اور حضرت امام نزارؑ۔ عبداللہ اور اسمٰعیل نے آتے ہی جب اپنے چھوٹے بھائی کو تخت پر متمکن دیکھا تو تینوں بھائی نہایت خفا ہوئے۔ اس وقت جب افضل نے جدید خلیفہ حضرت مستعلی کی بیعت کے لئے کہا تو حضرت امام نزارؑ نے جواب دیا کہ اپنے کم عمر کی بیعت کرنے کے عیوض تو میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں یہ زیادہ پسند کرتا ہوں۔ میرے والد نے اپنے بعد مجھے اپنا وارث مقرر کیا ہے اور میرے پاس ان کی دستی تحریر موجود ہے، یہ کہہ کر حضرت امام نزارؑ وہاں سے چلے گئے۔ اور جب واپس نہ آئے تو وزیر نے ان کے پیچھے سپاہیوں کو روانہ کیا انہوں نے خبر دی کہ جب امام نزارؑ مصر چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہیں آثار محمدی کا مصنف رقمطراز ہے کہ محمد ابن اسال نامی ایک اسمٰعیلی مذہب کے مرید اور معتبر امیر کے ہمراہ حضرت امامؑ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر کوچ کرتے ہوئے سکندریہ پہنچے سکندریہ کا حاکم حضرت امام نزارؑ کی امامت کا معتقد تھا۔ اور ایک زمانہ میں حضرت امامؑ کا غلام بھی تھا جو حضرت امام معزؑ کے تربیت یافتہ غلاموں کی اولاد میں سے تھا اس کا نام افتگین ناصر الدولہ تھا۔ حضرت امامؑ کی آمد کو مبارک شگون سمجھ کر اس نے ان کی بیعت کی اور سکندریہ نیز اطراف جوانب کے لوگوں نے بھی حضرت امامؑ کی متابعت قبول کی۔ اور یہ تمام لوگ حضرت امامؑ کی حمایت پر کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

سکندریہ میں نزاری امامت

مورخ اولیری روایت کرتا ہے کہ حضرت امام نزارؑ نے سکندریہ پہنچکر خلافت نشین ہو کر

المصطفیٰ الدین اللہ کا لقب اپنے لئے پسند کیا شہر کے باشندوں نے باقاعدہ حضرت امامؑ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سکندریہ کا گورنر انتگین کو بنایا۔

اور اضافہ میں مذکور مورخ مدلل ہے کہ حضرت امام مستنصر باللہؑ کے وفات کے ماقبل حضرت امام نزارؑ کو ایک گروہ تائید کے لئے تیار تھا اور حضرت امام کے دعویٰ کو فتحیاب بنانے کے آثار بھی اس وقت بھی صاف نظر آتے تھے اس طور سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصری اسمٰعیلی باشندہ حضرت امام نزار علیہ السلام کی پاسداری کرنے والے تھے اور دوسرا امارہ یہ تھا کہ وزیر کبیر امیرالجیوش الافضل کے کاروبار سے ناراض شدہ اکثر لوگ وہاں موجود تھے اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے ماقبل وزیر کے والد ماجد بدر الجمالی نے جن لوگوں کو زیر کئے تھے انھوں نے بھی اپنی سرتابی میں کمر باندھی تھی اور قاہرہ میں وزیر نے جو عہدہ داروں کو مقرر کیا تھا ان کے سامنے یہ لوگ اپنی زور آزمائی کرنے کے لئے تیار ہوئے۔

نزاری دعوت کے داعی کبیر حسن بن صباح

حضرت امام نزارؑ کی طرفداری میں داعی کبیر حسن بن صباح کے مضبوط ارادہ سے جب وزیر کو واقفیت ہوئی تو اس نے ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنے کے لئے تدبیر شروع کی حضرت امام مستنصر باللہؑ کی زندگی میں حسن بن صباح آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس کیا کہ وزیر کبیر کی حرکات و سکنات حضرت امام نزارؑ کے بارہ میں ٹھیک نہیں کھائی دیتے بلکہ مخالف نظر آتے ہیں یہ سن کر حضرت امامؑ نے ان کی راستگوئی و صداقت پرستی پر مبارک بادی دی اور کہا کہ تم حضرت امام نزارؑ کی طرفداری میں لغزش نہ کرنا۔ جب اس گفتگو کی خبر امیرالجیوش کو ہوئی تو اس اطلاع پر بیحد برہم ہوا اپنے لشکر کی مدد سے حسن بن صباح کو دمیاط کے قلعہ میں قید کر دیا مگر قدرت کا عجیب و غریب واقعہ ظہور میں آیا۔ قلعہ کا دروازہ آپ سے آپ ٹوٹ گیا اور حسن بن صباح کو قدرت نے نجات دلادی۔ انھوں نے حضرت امام نزارؑ کی دعوت کی تبلیغ باہر کے شہروں میں مناسب خیال کر کے "ری" کے طرف بحری راستہ سے کوچ کرنے کے لئے جہاز میں مصر سے روانہ ہوئے وہاں سے حلب، بغداد، کرمان وغیرہ شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے حضرت امام نزارؑ کی دعوت کی تبلیغ جاری رکھی جس میں ان کو بڑی کامیابی ہوئی اور عراق و آذربائیجان کے باشندوں کی بڑی تعداد کو انھوں

نے اسمٰعیلی نزاری مذہب میں داخل کر لیا۔

داعی کبیر حسن بن صباح نے ۴۸۳ھ ہجری میں ضلع رودبار میں واقع شدہ جبل الموت پر اپنا اقتدار جمایا اور حضرت امام نزارؑ کا سکہ رائج کیا مؤرخ لین پول رقمطراز ہے کہ ان میں کا ایک سکہ سینٹ پیٹر برگ کے (لینن گراڈ) کے خانقہ میں موجود ہے جس میں دارالضرب کرسی زریں سے مستثنیٰ شدہ ہے۔

تاریخ جہاں کشا میں عطا ملک جوینی لکھتے ہیں کہ حضرت امام نزارؑ جس وقت سکندریہ سے روانہ ہوئے اس وقت ان کے ساتھ ان کے دو فرزند بھی تھے ان میں سے ایک ولیعہد بھی تھے اور بعد ازاں ان کو پکڑ کر قاہرہ میں لے آئے تھے جہاں وہ قید کئے گئے تھے۔

تاریخ گزیدہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام نزارؑ نے حسن بن صباح کو اپنا ایک چھوٹا فرزند سونپا تھا انھوں نے ایران میں بلا کر اس کی تربیت کی تھی۔

سکندریہ میں مستعلی لشکر کی ہزیمت

حضرت امام نزارؑ سکندریہ میں مقیم تھے اور نزاری خلافت اور تبلیغ و دعوت میں شریک تھے ابن خلدون لکھتا ہے کہ اس کے بعد ملک شام کے اطراف میں اسمٰعیلی نزاری فرقہ کا بڑا اقتدار شام کے اطراف میں پھیل چکا تھا۔ سلجوقی سلطان ملک شاہ کا دوسرا فرزند طوطوس کا لڑکا رضوان بھی نزاری مذہب میں شامل ہو چکا تھا جس سے مصر کے وزیر کبیر افضل کے دل میں بے حد خوف پیدا ہوا اور اس نے ایک بڑا لشکر لے کر حضرت امام نزار کے خلاف ۴۸۸ھ میں سکندریہ پر چڑھائی کی۔ مؤرخ ایری لکھتا ہے کہ اس جنگ میں وزیر کو شکست ہوئی اور وہ سکندریہ سے مصر واپس آیا۔

سکندریہ کی اس فتح نے نزاریوں کو نہایت مضبوط بنا دیا اور شمالی جانب کے شہروں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اس لڑائی میں سکندریہ کے گورنر افتگین اور رئیس ابن مسال نے نہایت عظیم الشان حصہ لیا تھا اور حضرت امامؑ کی دعوت کی نہایت پرزور تائید کی تھی۔ نزاریوں کے لئے یہ فتح نہایت سعید ثابت ہوئی۔

حضرت امام نزارؑ کی سکندریہ میں حکومت قائم کرنی اور مصری سلطنت کے وزیر اعظم امیر الجیوش الافضل

کو نہایت بے چین کر دیا تھا سکندریہ کی شکست کے بعد مقابلہ کرنے کے لئے پوری تیاری میں اس نے ایک سال صرف کر دیا۔ اس اثنا میں بہت سی سازشیں بھی کی گئیں۔ آثار محمدی کی روایت کے مطابق ایک سال گذر گیا تھا اور افضل الاول نے ایسی نمائش کی کہ خود کی کارروائی کوئی کارآمد ہوئی نہیں اور مصر میں سے حضرت امام نزارؑ کے مریدوں کے نام تھدید آمیز خطوط لکھے اور پہلے سے زائد لشکر لے کر سکندریہ پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ اسی اثنا میں سب سے پہلے محمود بن مسال نے غداری کی اور اپنی ساری مملکت جہاز میں لاد کر سکندریہ چھوڑ کر چلا گیا اس کے علاوہ اور بہت سے لوگ بھی اس تھدید آمیز خط سے مرعوب ہو کر لالچ کے سبب سے پھر گئے ان واقعات سے حضرت امامؑ کی قوت میں چیڑاں ضعف آ گیا الفضل لشکر لے کر سکندریہ آ پہونچا اور کئی روز تک محاصرہ کئے ہوئے وہاں پڑا رہا بعد میں نزاری وزمستعلوی لشکر نے بھی مقابلہ شروع کیا فریقین میں کئی روز تک سخت لڑائی جاری رہی۔ سکندریہ کی سرحد میں لہو کی ندیاں بہ گئیں اور لشکریوں کی لاش سے میدان پٹ گیا۔ آخر وزیر الفضل سے صلح کی التماس کی گئی اس نے جواب میں کہا کہ مصر پہنچنے کے بعد گفتگو ہوگی اور یہ دلاسا دے کر افتگین اور حضرت امام نزارؑ کو مصر لے گئے وہاں پہنچنے کے بعد حضرت مستعلی نے اپنے بڑے بھائی پر ایسا ظلم کیا جو ایک اجنبی شخص بھی روا نہیں ہے اور انھیں قید میں رکھنے کا حکم دے کر گویا نزار افتگین کو سولی دے کر قتل کر دیا گیا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی قید خانہ میں وفات

مورخ ادلیبری سکندریہ کے باب میں لکھتا ہے کہ ابن مسال کی دغابازی حضرت امام نزارؑ کے لئے باعث انقلاب ہوئی واقعہ یہ ہے کہ ابن مسال اور اس کے ہمراہی کے پھر جانے سے ان کی قسمت آہستہ آہستہ پلٹا کھانے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مصری خلیفہ کے حکم سے انکو قید خانہ میں اس طرح رکھے گئے کہ اس کی چار دیواری سے عمر بھر باہر نہ نکل سکے اور ۴۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت امام نزارؑ کے دو صاحبزادہ بھی قید میں تھے اس میں سے ایک تاریخ الاسلام کی روایت کے مطابق حضرت امام ہادیؑ نے قید خانہ سے چھوٹ کر عجم کے ملک میں بود و باش اختیار کی وہ وہیں سے حضرت امام ہادیؑ سے الموت کے اسمٰعیلی اماموں کا سلسلہ جاری ہوا۔

حضرت امام نزارؑ کے ساتھ جو سخت سلوک کیا گیا اس کے سبب سے قاہرہ کے علویؑ اور ان کے درباریوں کے درمیان اور دوسرے طرف حضرت امام نزارؑ کی امامت کے معتقد اہل ایشیا کے اسمٰعیلیوں کے درمیان علانیہ اختلاف ہو گیا اور اسی سبب ۴۸۷ھ میں نزاریوں کا ایک علٰحدہ فرقہ وجود میں آیا۔ اور وہ مصر کے حاکم خلیفہ اور ان کے تابعین سے مخالف ہوئے۔

حضرت مستعلی

تاریخ الاسلام کے مصنف مورخ ابن خلدون کی روایت کے مطابق وزیر اعظم امیر الجیوش الافضل نے حضرت مستعلی کے لئے حضرت امام نزارؑ کی پھوپھی کو ایک خفیہ سازش سے ایسا مسخرؔ کیا کہ انھوں نے حضرت مستنصر باللہؑ کے قاضی اور داعی کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت مستعلی کو حضرت امامؑ نے اپنا ولیعہد بنایا تھا اور اس طرح حضرت امام مستعلی خلافت کے تخت پر متمکن ہوئے بعد ازاں سلجوقی اور نصاریٰ کے درمیان شام تقسیم ہو گیا۔ پھر حیفا۔ قیصریہ اور شام کے کنارہ کے ممالک بھی حضرت مستعلی کے ہاتھ سے نکل گئے۔

تاریخ الاسلام کے بیان کے مطابق حضرت مستعلی کے سلطنت کے تمام کاروبار امیر الجیوش الافضل کے ذریعہ انجام پاتے تھے حضرت مستعلی کی وفات ۴۹۵ھ ہجری میں ۲۶ برس کی عمر میں ہوئی تھی ان کے بعد ان کے نائب کے طور پر ان کے فرزند آمر مصر میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

حضرت آمر

حضرت آمر کے بالغ ہونے تک وزیر الافضل کے ماتحت سلطنت کے سارے کاروبار رہتے اور اس لحاظ سے اس کی حکومت تھی۔ مورخ الیری لکھتا ہے کہ اس کی سرپرستی حضرت آمر کو پسند نہ تھی اس لئے رمضان کے چاند کے دن ۵۱۵ھ میں کئی آدمیوں کو بھیجا کر وزیر الافضل کو قتل کروا دیا۔

حافظ لدین اللہ اور حضرت طیب

۵۲۴ھ میں حضرت آمر سیر و تفریح کے لئے باہر جارہے تھے کہ چند آدمیوں نے اُن کو قتل کر دیا اس وقت حضرت آمر نے فرمایا کہ میری فلاں بیگم حاملہ ہو زچگی سے قبل کاروبار سلطنت میرے چچیرے بھائی عبد المجید حافظ کو تفویض کیا جائے اور وہ نائب السلطنت کے طور پر تمام کام انجام دیں اس وصیت کے مطابق حضرت آمر کے وفات کے بعد آپ کے چچیرے بھائی حافظ لدین اللہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوئے۔ مؤرخین کی روایت قطع نظر کرکے مستعلوی فرقہ کے اعتقاد کے موافق حضرت آمر کی بیگم کے یہاں فرزند تولد ہوا اور وہ دو سال اور چند ماہ کے عمر کے ہوتے ہی مستور ہو گئے۔ جن کا نام حضرت طیبؑ تھا۔

مؤرخ المصری۔ ابن خلکان کے حوالہ سے راوی ہے کہ عبد المجید کو مصر کی سلطنت پر آنے کے بعد امیر الجیوش ابو الفضل کے فرزند احمد نے قید کر دیا اور عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دربار۔ لشکر اور رعایا سب کو اس نے تابع کر لیا۔ خلیفہ کے اس مشکوک درجہ سے اور وزیر کے اس طور سے اسے زیر کرنے سے نہایت بے چین ہو کر اس نے اس کے مقابلہ میں ایک سازش کی اور ۵۲۶ھ کے محرم کی پندرہویں تاریخ کو وزیر جب چوگان کھیلنے کے لئے جارہا تھا اس وقت اسے قتل کر دیا گیا۔ اور سلطنت کا اختیار خلیفہ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کی تمام عہد سلطنت وزیروں سے لڑائی جھگڑوں میں تمام ہوئی ۵۴۴ھ کے پانچویں جمادی الآخر کو وہ راہی ملک عدم ہوئے۔

خلیفہ ظافر

حافظ کے فرزند ابو منصور ظافر تخت سلطنت پر ۵۴۴ھ ہجری میں آئے اور انھوں نے ابو الفتح ابن مسال کو وزارت کا مرتبہ دیا۔ اس تقرر کو ابھی چالیس دن بھی گذرے تھے کہ ابن سالار نے ابن مسال کو هزیمت دی اور اسے قتل کر کے حکومت کے کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا خلیفہ کا اقتدار صرف اپنے محل کی چار دیواری کے اندر رہتا۔ برائے نام بھی نہیں باہر آنے کی اجازت نہ تھی ابن سالار کو اس کے سوتیلے فرزند عباس نے ۵۴۸ھ ہجری میں قتل کرا دیا۔ اور پھر اس قدر لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد ہوگئے

کہ قاہرہ کی زمین جنگ کا میدان بن گئی اس کے بعد خلیفہ ظافر کے خلاف سازش ہوئی۔ عباس کا فرزند نصر نہایت خوبصورت تھا۔ وہ تمام دن خلیفہ کے حضور میں رہا کرتا تھا اور خلیفہ بھی اُس سے محبت کرتے تھے۔ اس بدنامی سے نصر کے باپ عباس کو بحد صدمہ ہوا اس لئے اس نے بہانہ بنا کر نصر کے ساتھ خلیفہ کو دعوت دی۔ بادشاہ کو نصر کی خاطر منظور تھی اس لئے اس کی درخواست پر پیدل ہی صرف تھوڑے آدمیوں کے ہمراہ اس کے گھر چلے آئے۔ گھر میں داخل ہونا تھا کہ اپنے ہمراہیوں سمیت قتل کر دیئے گئے ۵۴۹ھ ہجری پندرھویں محرم کو خلیفہ کی وفات ہوئی۔

خلیفہ فائز

اس کے بعد فائز منصر اللہ مسند خلافت پر آئے اس وقت ان کی عمر ساڑھے چودہ برس کی تھی اس لئے سلطنت کا مالک فی الحقیقت عباس بن بیٹھا تھا جو خلیفہ کا قاتل شمار کیا جاتا تھا شاہی محل میں بیگمات اور ملازموں کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ لوگ اپنی جان بچانے کے لئے شاہی محل چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ عرب اور سوڈانی لشکر تمام عباس کا مخالف ہو گیا۔ شاہی محل کے لوگوں نے اسموینین اور بھنا کے گورنر کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور اس سے دادرسی چاہی اس نے عباس کو تابع کرنے کے لئے کثرت سے سپاہیوں اور بدویوں کو روانہ کیا۔ عباس کو جب اس خبر کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے فرزند نصر کو لئے ہوئے شام کی طرف فرار ہو گیا اسی وقت خلیفہ ظافر کی بہن عسقلان نے نصاریٰ کو بہت سا زر و مال دے کر عباس کے قتل پر ابھارا۔ لوگوں نے عباس کو گھیر کر قتل کر دیا اور اس کے لڑکے نصر کو مقید کر کے مصر بھیج دیا۔ اس کو قتل کرنے کے بعد لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی کھال سمیت عاشورہ کے دن جلا دیا۔

فائز کی زندگی میں ایک مرتبہ فائز کے چچاؤں کو قتل کر کے عباس ان کو خلیفہ بنانے کے لئے محل میں لے آ رہا تھا۔ اس وقت فائز کی نظر اس کے چچاؤں کے لاشوں پر پڑی اور اس سے وہ ایسے ہراساں ہوئے کہ عمر بھر وہ مرض صرع (مرگی) کی بیماری میں مبتلا رہے اور ۵۵۵ھ ہجری میں سترھویں رمضان کو گیارہ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

خلیفہ عاضد

خلیفہ فائز کی وفات کے بعد خلیفہ عاضد لدین اللہ تخت پر بیٹھے اور انھوں نے اپنی پھوپھی کے لڑکے رزیک کو وزارت کا مرتبہ سونپا۔ ابھی ان کی وزارت کو ایک سال کا عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ پورٹ سعید کے گورنر شاور نے چڑھائی کی۔ اور رزیک کو قتل کر کے ۵۵۸ھ ماہ صفر میں وہ خود وزیر بن بیٹھا۔ شاور نے بھی صرف نو مہینہ تک ہی وزارت نہ کی تھی کہ صالح کے صاحب الباب ضرغام نے اسے قاہرہ سے نکال دیا اور خود وزیر بن گیا۔ شاور بھاگ کر دمشق میں نورالدین محمود کے پاس پہنچا اور کہا کہ مجھے اگر آپ وزارت سے مصر پر بحال کرا دیں تو محاصل ملک مصر سے فوج کی تنخواہ نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے ایک تہائی آپ کی نذر کرتا رہوں گا اور آپ کی فوج کو اپنے آپ کے سپہ سالار شیرکوہ کے تابع مصر میں رکھوں گا۔

شاور کی اس بات کو قبول کر کے اسدالدین شیرکوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کو لشکر دے کر شاور کے ہمراہ نورالدین نے روانہ کیا۔ ۵۵۹ھ کے جمادی الآخر میں وہ قاہرہ میں داخل ہوئے اور ضرغام کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

۵۶۴ ہجری کے صفر میں نصاریٰ کے بیت المقدس کے بادشاہ عامری نے مصر پر چڑھائی کی اور بلبیس کو فتح کر کے لوٹ مار مچائی۔ اس کے بعد اس نے قاہرہ کا محاصرہ کیا۔ اہل مصر اس محاصرہ سے بیزار ہو گئے انھوں نے شہر کی حفاظت میں جان توڑ کوششیں کی اور خلیفہ عاضد نے نورالدین محمود سے مراسلت کر کے بیس لاکھ دینار دے کر صلح کرنے پر راضی کر لیا۔

مصر کی علوی خلافت کا اختتام اور سلطان صلاح الدین کا اقتدار

نورالدین نے خلیفہ عاضد کا خط پاتے ہی ۵۶۴ ہجری ماہ ربیع الاول میں اس نے صلاح الدین اور بہت سے امراء کے ساتھ آٹھ ہزار کا لشکر شیرکوہ کو سونپ کر مصر کی طرف روانہ کیا۔ شیرکوہ نے فرنگیوں پر زبردست حملہ کر کے مصر فتح کر لیا۔ خلیفہ عاضد نے شیرکوہ کو اپنا وزیر بنا کر ملک المنصور امیر الجیوش کا لقب دیا۔ اس نے اپنے لشکر کے لئے

جاگیر مقرر کروالی۔ اور اپنے مددگاروں کو گورنر بنادیا وزیر شیرکوہ دو مہینہ اور پانچ دن کی وزارت کے بعد انتقال کر گئے خلیفہ عاضد نے اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کو عہدہ وزارت پر مقرر کیا اور ملک الناصر خطاب دیا اس نے لوگوں کو انعامات واکرامات دے کر تسخیر کر لیا اور خلیفہ عاضد کو بالکل ضعیف وکمزور بنانے کے لئے بڑی بڑی رقمیں وصول کیں اور یہاں تک خلیفہ کو نچوڑا کہ خلیفہ کے پاس جو سواری کا ایک گھوڑا تھا وہ بھی منگالیا آخر یہ انجام ہوا کہ خلیفہ کا نام فقط خطبہ ہی میں پڑھا جاتا تھا۔ اور سارا اقتدار واختیار سلطنت صلاح الدین کے ہاتھ میں تھا۔

۵۶۶ھ ہجری میں "دارالمعاونہ" کو منہدم کر کے "مدرسۂ شافعیہ" اور دارالادب' کو بند کر کے "مدرسۂ مالکیہ" جاری کیا۔ تمام علوی قاضی کو معزول کر کے شافعی قاضیوں کو ان کی جگہ مامور کیا۔ خلیفہ عاضد کے قاضی القضاۃ کامل کو معزول کر کے صدرالدین عبدالملک بن درباس کو تمام شہر کا قاضی بنادیا۔ اس زمانے سے مصر میں علوی طاقت کا زوال و شافعی اور مالکی مذہبوں کی شاعت ترقی کرتی گئی خلیفہ عاضد تخت سے بیزار ہوئے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے قصر کے داروغہ خواجہ سرا موتمن الخلافۃ نے مصریوں کی ایک جماعت کو ملا کر صلاح الدین کے مقابلہ میں فرنگیوں سے مدد طلب کی لیکن راز کھل گیا صلاح الدین نے موتمن الخلافۃ کو قتل کر دیا۔ اور قصر خلافت کے تمام ملازموں کو معزول کر کے اپنے کارندے مقرر کئے۔

خلیفہ عاضد کی وفات اور الموت میں نزاری سلطنت کا قیام

۵۶۷ھ ہجری ساتویں محرم یوم جمعہ کو صلاح الدین نے خلیفہ عاضد کا نام خطبہ سے خارج کر کے عباسی خلیفہ مستضیٔ کا نام خطبہ میں جاری کیا۔ خلیفہ عاضد اس کے انقلاب کے باعث محل میں بیمار پڑ گئے۔ اور اسی حالت میں محرم کی دسویں یعنی عاشورہ محرم کو فوت ہوئے خلیفہ عاضد کے فوت ہوتے ہی صلاح الدین نے ان کی تمام مملکت پر قبضہ کر لیا اور ان کے تمام اہل وعیال کو محل کے ایک گوشہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں انتقال کر گئے۔

مصر میں علوی سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جب بالکل بجھ گیا اور صلاح الدین سلطان کے لقب سے

مصر کا حاکم بن بیٹھا مصر کی حکومت علویوں کے ہاتھ میں دو سو ستر سال تک رہی اور آخر خانہ جنگی کے سبب اس کا خاتمہ ہوگیا مصر کی علوی سلطنت کے درمیان ۴۸۳ھ ہجری میں داعی کبیر حسن بن صباح جبل الموت پر نزاری ائمہ کی سلطنت قائم کر چکے تھے۔

حصہ پنجم

آلموت میں امامت

حضرت امام ہادی (علیہ السلام)

〃 〃 مہتدی (〃 〃)

〃 〃 قاہر (〃 〃)

〃 〃 علی ذکرہ السلام (〃 〃)

〃 〃 علی محمد (〃 〃)

〃 〃 خوند جلال الدین حسن (〃 〃)

〃 〃 علاء الدین محمد (〃 〃)

〃 〃 رکن الدین خورشاہ

حضرت امام ہادی (علیہ السلام)

سن امامت از ۴۹۰ھ ہجری تا ۵۳۵ھ ہجری

حضرت امام شاہ ہادیؑ ۴۹۰ھ ہجری میں اپنے والد ماجد حضرت امام نزارؑ کی مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس زمانہ میں امامت گاہ مصر سے تبدیل ہو کر جبل آلموت منتقل ہو گئی تھی۔ داعی کبیر حسن بن صباح نے جبل الموت پر اسمٰعیلی حکومت قائم کی تھی یہ مذہب اسمٰعیلی کے وفادار خالص متقد مرید تھے۔

آثار محمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ حسن بن صباح کے زمانہ میں ابوالحسن سعیدی نام کے نزاریوں میں ایک معتبر اور لائق شخص تھے انھوں نے حضرت امام نزارؑ کے فرزند حضرت امام ہادیؑ کو مصر سے لاکر الموت میں پہنچایا حضرت امامؑ کے تشریف لانے سے حسن بن صباح کو بیحد مسرت ہوئی۔ اور الموت کے پاس ایک دیہات میں ان کے لئے سکونت کا انتظام کیا گیا۔ ان کی تعلیم و تربیت اور کفالت کیلئے بزرگ امید نامی کو تفویض کی گئی جو حسن بن صباح کے بعد داعی الکبیر مقرر ہوئے جنہوں نے حضرت امامؑ کی خدمت میں اپنی عمر بسر کی تھی یہ بھی روایت ہے کہ بعد میں مصر سے حسن سعیدی کے ہمراہ شاہزادہ اسد اور عبداللہ بن اسمٰعیل نے مل کر حضرت امام ہادیؑ کو بحفاظت تمام الموت میں بلا لائے تھے ـــــ

عیون الاخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن سعیدی نامی ایک شخص حسن بن صباح کے دوستوں میں مجلس کے رکن رہے تھے انھوں نے حضرت امام ہادیؑ کو ان کی والدہ صاجبہ کے ہمراہ الموت میں لے آئے تھے جسوقت حسن بن صباح مصر میں حضرت امام نزارؑ کی جانبداری میں دعوت کرتے تھے اسوقت یہ انکے معاون تھے۔

حضرت امام ہادی (علیہ السلام) الموت میں

حضرت امام ہادیؑ طویل سفر کو تمام کر کے رود بار ضلع میں تشریف لائے اور اس وقت اطراف کے اسمعیلی دعات اور مبلغین ان کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد حضرت امامؑ نے الموت طرف کوچ فرمایا اور جب الموت آ پہنچے اس وقت وہ نہایت سرسبز و شاداب بنا ہوا تھا حسن سعیدی الموت میں سات مہینے تک مقیم رہے بعد ازاں حضرت امامؑ سے رخصت ہو کر مصر میں اپنے بال بچوں کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔

حضرت امام ہادیؑ نے الموت میں بود و باش اختیار کرنے کے بعد صرف مذہبی کاروبار کو اپنے ذمہ رکھا تھا۔ اور اپنے مریدوں کے درمیان آپ تشریف لاکر اپنے دیدار سے انھیں مشرف کر کے ہدایت دیتے رہتے تھے۔ سلطنت کے امور کی تمام ذمہ داریاں حسن بن صباح کے ہاتھ میں تھیں۔

الموت میں مغربی سیاحوں کی آمد

تاریخ الاسلام کا مصنف لکھتا ہے کہ اسامیہ کوہستانیہ یعنی نزاری فرقے کے بادشاہ کا پایۂ تخت الموت تھا۔ یہ قلعہ قزوین اور گیلان کے وسط میں تھا۔ مستعلوی اسمعیلیوں کو مؤرخین مغربی اسمٰعیلی کہتے ہیں اور حضرت امام نزارؑ کو اور ان کے اولاد کو ماننے والے اسمٰعیلیوں کو مشرقی یا نزاری کہتے ہیں۔ انھوں نے اسلامی تاریخ میں بہت عظیم الشان حصہ لیا ہے اور خصوصاً قلعہ الموت نے جو بڑی شہرت حاصل کی ہے اس سے متعجب ہو کر اکثر سیاح آج بھی اس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ آج سے ایک صدی قبل کرنل مانٹیتھ ۱۸۳۳ء میں اور لفٹنٹ کرنل جسٹس شیل نے ۱۸۳۷ء میں مغربی لوگوں کے خیالات کو نہایت مخصوص طور سے اس طرف متوجہ کیا اور اکثر سیاح مقناطیسی کشش سے الموت کے معائنہ کے لئے آتے رہے۔ جدید سیاحوں میں پروفیسر ہرز فیلڈ (۱۹۲۰ء) کیپٹن ایکلز، مسٹر جے۔ بی۔ ہنیڈرسن اور لارنس لاک ہارٹ (۱۹۲۸ء) کے بعد اس قلعہ کو دیکھنے والوں میں معروف روسی پروفیسر علامہ ڈبلیو۔ ایوانوف اور امریکن سیاح مس فرے یا اسٹارک کے نام شامل ہیں۔ اس لئے تاریخی واقعات کے ذکر سے پہلے اسمٰعیلیوں کی معروف کارروائیوں

کا بیان یہاں ناظرین کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جبل الموت چھوٹے چھوٹے پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے اس کی اونچائی گیارہ ہزار فٹ کی ہے ان چھوٹی چھوٹی ٹیکریوں اور غاروں کے تہ میں پانی کے بہتے ہوئے چشمے کثرت بارش سے عجب عجب بجنے والی ندیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں جس کے سبب سے وہ اپنے کنارہ کے کھیتی کے لائق زمین کو برباد کر دیتا ہے موسم سرما میں تو ٹیکریوں پر برف جما رہتا ہے۔ اور اس کا منظر اسوقت نہایت دلاویز ہوتا ہے۔

جبل الموت کی تعریف اور اس کے حدود

جبل الموت کے قلعہ کے ساتھ بھی ایک عجیب لطیفہ ہے اس موقعہ پر اس کا بیان نہایت مناسب ہے۔ الموت کا اصل لفظ آلہ۔ اموت، سے مرکب ہے الہ کی معنی عقاب ہے لفظ آموت 'آموخت کا مخفف ہے اور اس کے معنی سکھانے کے ہیں۔ معروف مورخ ابن اسیر اس کی معنی تعلیم العقاب' یعنی عقاب کی تعلیم لکھا ہے۔ اب لفظ الموت کو ابجد کے حساب سے دیکھیں۔ ا = ال = ۳۰ = ۵ = ۵ = (آلہ) کے ۳۶ اور اموت الف = ام = ۴۰ و = ۶ ت = ۴۰۰ = ۴۴۷ = اب دونوں کی جمع ۳۶ + ۴۴۷ = ۴۸۳ ہے یعنی اس سال کے ماہ رجب میں حسن بن صباح نے الموت کا قلعہ اپنے قبضۂ اقتدار میں حاصل کیا تھا۔

قلعۂ الموت البرز کے قلعوں کی صف میں واقع ہے۔ ان قلعوں کی صف میں ۴۴ ٹیکریاں واقع ہیں۔ ان میں سب سے بڑی اور آخری ٹیکری نہایت معروف ہے اس پہاڑ سے تین ندیاں بہتی ہیں ان کے نام قیزل۔ اوزین اور ایریس ہیں۔ یہ پہاڑ کاظمین کے کونہ میں ۳۲ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں اسمٰعیلیوں کا ایک بڑا مقام ہے۔ اس کے آگے کوہستان سے کینگام تک لاکھوں اسمٰعیلیوں کی آبادی ہے ان تمام اسمٰعیلیوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی یعنی زراعت پر ہے۔ دنیا میں ان کی مہمان نوازی بے نظیر شمار کی جاتی ہے جن سیاحوں نے ان کی مہمان نوازی کا لطف اٹھایا ہے انھوں نے خود ان کی بے اندازہ تعریف کی ہے۔

مورخ آلیری کی روایت کے مطابق ۴۸۳ھ ہجری میں حسن بن صباح نے جبل آلموت پر

قبضہ حاصل کیا اور اس کو مذہب اسمٰعیلی کا مقام اعظم قرار دیا۔ انھوں نے امام کی بیحد خدمت کی ہے جبل الموت پر قبضہ حاصل کرنے کے پیشتر انھوں نے ایران میں کئی ملکوں کی سیاحت کی تھی اور وہاں اطراف میں بستے ہوئے لاکھوں آدمیوں کو اسمٰعیلی مذہب میں داخل کر کے حضرت امام نزارؑ کی دعوت کی اشاعت کرتے کرتے جبل الموت تک پہونچے تھے۔ جہاں ان کی سرداری میں اسمٰعیلیوں نے بغیر دامے درمے اور بغیر لشکر اور بغیر خون بہانے کے سلطنت قائم کی۔ نزاریوں کی اس کارروائی کی مثال روئے زمین کی کسی تاریخ میں کہیں نظر آتی نہیں۔

جبل الموت پر قبضہ کس طرح ہوا؟

جامع التواریخ کی روایت کے مطابق حسن بن صباح جبل الموت کے قریب مقیم ہوئے اور اپنا سارا وقت عبادت و ریاضت اور لوگوں کی دینی اور دنیوی بہبودی میں صرف کرنے لگے۔ جس سے قلعہ کے اکثر رہنے والے مذہب اسمٰعیلی میں داخل ہو گئے اور کوتوال بھی ان کے ساتھ چند روزہ صحبت اور گفتگو کے بعد مذہب اسمٰعیلی قبول کر کے حضرت امامؑ کی بیعت کی اس قلعہ کا مالک سلطان ملک شاہ کا گورنر مہدی علوی خاندان کی نسل میں سے تھا۔ ایک روز حسن بن صباح نے اس کی دعوت کی جس میں اسمٰعیلی پیرووں کے علاوہ شہر کے دوسرے امرا بھی شریک تھے حسن بن صباح حضرت امامؑ کی خدمت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ قلعہ مذکور حضرت امامؑ کی خدمت کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا اور حسن اتفاق سے تین ہزار دینار میں قلعہ کا سودا ہو گیا۔ مہدی کا خیال تھا کہ اس رقم کا حسن بن صباح کے پاس رقم مذکور بہم نہ ہو سکے گی لہٰذا اس نے سودا قبول کر لیا۔ حسن بن صباح نے ایک خط گرد کوہ اور دامغان کے حاکم رئیس مظفر کو رقم کے واسطے خط لکھا خط پہنچتے ہی اس نے رقم فوراً بھیجدی گورنر مہدی نے حسب وعدہ قلعہ کا اختیار حسن بن صباح کو سونپ دیا جس کے بعد اسمٰعیلیوں نے کوہستان اور رودبار کے شہروں کو تابع کیا۔

جبل الموت حسن بن صباح نے سلجوقی سلطان ملک شاہ کے فوجی گورنر مہدی علوی کے پاس کس طرح حاصل کیا اس کے لئے ایک عجیب و غریب روایت بیان کی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ حسن

بن صباح نے گورنر مہدی سے گائے کے چمڑے میں سما جائے اتنی زمین فروخت کرنے کے لئے مانگی اور زمین ناپتے وقت اس کی کھال کے اتنے باریک ٹکڑے ٹکڑے کئے کہ تمام قلعہ کو گھیرے اور اس طرح سارا قلعہ مہدی نے حسن بن صباح کو سونپ دیا۔ تین ہزار دینار اور گائے کے چمڑے کی بابت کیا رمز ہے مورخ جان ملکم اپنے تصنیف ہسٹری آف پرشیا میں قم طراز ہے کہ داتیڈا نے جس طرح کارتھیج پر قبضہ کیا اسی طرح الموت حسن بن صباح نے حاصل کیا ہو اتیا مسلم مورخین لکھتے ہیں ایک گائے کے چمڑے میں سما جائے اتنی زمین لینے کی اجازت حاصل کرنا اور اس کے ایسی باریک پٹیاں بنانا کہ تمام قلعہ اس میں گھیر جائے۔ یہ مشرقی شہر میں ایک معمولی رمزی مقولہ ہے ملا صادق کے ساتھ فارسی میں سر جان نے اس فقرہ کو پڑھتے ہی ملا نے تبسم کیا تھا اسی بنا پر گفتگو ہوتے ہوئے دلیل میں وہ کہنے لگا کہ انگریزوں نے بھی دہلی کے شہنشاہ کے پاس سے شہر کلکتہ کو اسی طرح ہضم کر لیا تھا۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو ان مقولوں پر اپنی راہ نہیں قائم کرنی چاہئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ باشندگانِ شہر کی ہمت سے حسن بن صباح نے الموت پر قبضہ حاصل کیا تھا یہ بات صحیح ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت امامؑ کی دعائیں شامل حال تھیں۔

"شیخ الجبل" یعنی پہاڑی ضیف آدمی

مورخ مذکور نے اپنی روایت میں اور اتنا اضافہ کیا ہے کہ سلجوقی نسل کے آخری زمانہ میں سلطنت کی کمزوری کو غنیمت جان کر جن سرداروں نے سرکاری عملداروں نے اپنے زیر اختیار شہروں کو ہضم کر لیا تھا ان کی ریشہ دوانیاں تاریخ کی کتابوں میں بیان کی جا چکی ہیں مگر اسی زمانہ کے اندر ایرانی تاریخ میں ایک ایسی بہادر مقتدر ہستی نظر آتی ہے جو مذکورہ بالا سرداریوں سے بالکل مختلف تھی۔ اس بزرگ ہستی نے اپنے عالمگیر اعتقاد کے ذریعہ اپنے ماتحت لوگوں کے دلوں پر ایسا زبردست رعب جما دیا تھا جس کے سبب سے سارے بڑے بڑے عملدار اور سردار اس سے ایسے خائف اور مرعوب تھے کہ تقریباً دو صدی تک مختلف عملداران سلطنت پر یہ رعب برابر قائم رہا یہ سردار ایک اونچے پہاڑ پر رہتا تھا۔ اور قسمت خود اس کے ہاتھ میں کھیل رہی تھی اس کے فرمان پر عمل کرنے کیلئے

اس کے ساتھیوں کو بالکل کسی طرح کا خطرہ نہ ہوتا علاوہ ہر قسم کے خطرہ میں اپنی جان ڈال دینے اور ہر کسی سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے تورتوسا اور ٹریپولس کے درمیان کے پہاڑوں میں حضرت امام اسمعیلؑ کے اسمٰعیلی مذہب کے ایک مرید اور سردار حسن بن صباح نے اس مقام کو آباد کیا تھا۔ عیسائیوں کی صلیبی جنگ (کروزیڈ) کے زمانہ کے اثنا کی لکھی ہوئی تاریخ میں اس سردار کو "پہاڑی ضعیف مرد" کے طور پر لکھا ہے۔ ایران میں بسے ہوئے اسمٰعیلی مریدوں کی خوش اعتقادی کی صداقت کی بنا پر وہ دیا قوی سردار ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے سورماؤں کے کلیجے دہلتے تھے اور وہ مرد شیخ حسن بن صباح تھے۔

حسن بن صباح سلطان ملک شاہ کے عہد سلطنت کے بیس سال کے درمیان الموت میں اپنے استحکام میں مشغول تھے۔ مورخ واں صیامر کی روایت کے مطابق سلطان ملکشاہ کا شاہی کاروبار زمان اوسط کی تاریخ میں سب سے بڑھ کر تھا۔ اسی اثنا میں کئی قدیم قبائل کی سلطنت معدوم اور کئی نئی نئی حکومتیں قائم ہوئی تھیں طبرستان ۔حلب ۔ دیاربکر۔ بنی زیاد۔ بنی مرداس اور مروان کی قوم بالکل نابود ہو گئی۔ ۴۷۱ھ ہجری اور اس کے بعد اس کے عوض میں دانشمند، باوند، اور ارتک، کے خاندان کردم۔ طبرستان اور مرادین میں تخت پر بیٹھے۔ سلجوقی نسل کے بانی طغرل بیگ کے زمانہ سے سلجوقی حکومت کرتے تھے اور ان کی شاخیں ۴۷۰ھ ہجری میں شام میں پھیل گئی تھیں عباسی خلیفہ کا پایہ تخت بغداد کے اندر خانہ جنگیوں کے سبب سے پامال ہو گیا تھا۔ مختلف فرقے کے مسلمانان آپس میں شہر کے اندر لڑائیوں میں مشغول تھے اس زمانہ میں اسمٰعیلی دعات اور اسمٰعیلی عہدہ دار تمام ایشیا میں پھیل گئے تھے۔

الموت کے باغات

قلعۂ الموت پر قبضہ کرنے کے بعد حسن بن صباح نے قلعہ کی دیواریں تعمیر کیں اور کنوؤں کی تعداد میں ضرورت کے مطابق اضافہ کیا گیا پہاڑ کی تہ میں پانی اوپر لانے کے لئے کئی نہریں کھدوائیں اور یہاں کی ویران زمین میں نفیس باغیچہ لگائے گئے۔ ان سب انتظامات سے الموت کا ویران پہاڑ جنت نشان اور دلکش و دلاویز مقام بن گیا۔ نہر کے ذریعہ زراعت کو سرسبز و شاداب کیا اور اسمٰعیلیوں

نے قلعہ مضبوط بنانے کے لئے اس کے اطراف آہنی دیواریں کھینچ دیں۔

مورخ دان ہمیر لکھتا ہے کہ فرانس میں جس طرح انقلاب پیدا کرنے کے لئے انقلاب پسندوں نے جو تجاویز سوچی تھی اسی طرح انقلاب پیدا کرنے کے لئے سات صدی قبل حسن بن صباح نے جبل الموت پر قبضہ کیا تھا۔ بنی نوع انسان کے تجربہ وسعت علمی اور حکومت سیاست اور تاریخ کے گہرے مطالعہ نے حسن بن صباح کو سکھایا تھا کہ خاندانی حکومت کو آباد کرنے بہ نسبت اس کے انہدام کا طریقہ اور سلطنت کے انتظام کی بہ نسبت اس میں انقلاب پیدا کرنے کا طریقہ بہت کامیاب ہو سکتا ہے" ایک حاکم قواعد و قوانین کی عدول حکمی کر سکتا ہے مگر رعایا سے تو ہرگز ایسا ہونا نہ چاہیئے قاعدہ کی لگام ایک بسیط پر قابو رکھ سکتی ہے مگر اخلاق اور مذہبی معلموں کی فرمان برداری کے لئے اور حاکموں کی اطاعت کے لئے تو اکسیر کا کام کرتی ہے۔ بنی فاطمہ کی خلافت کی ریاست میں قاہرہ کے لاج (دار الحکمت) کے سب سے اعلیٰ درجہ کے طبقہ کے حسن بن صباح ایک عہدہ دار ہونے کے باعث اس دارہ کے اغراض و مقاصد کی تہ میں اترے ہوئے تھے جس کے لحاظ سے عباسی خلافت کے خاکستر اور ان کے آثار منتشر پر ایک نئی حکومت کی تشکیل کرنے کے سوا ایک ذرہ برابر بھی کم ان کا نصب العین نہیں تھا۔

عظیم حجت امام حسن بن صباح

حسن بن صباح کا ایک نہایت وفادار دوست اور حضرت امامؑ کا صادق مرید گردکوہ کا رئیس مظفر تھا۔ اور ایسا ہی ایک دوسرا مخلص پیرو کائن کا باشندہ حسین تھا یہ دونوں شخص مبلغ کی حیثیت سے اسمٰعیلی مذہب کی دعوت کرتے تھے اور ان کی جدوجہد سے انبوہ کثیر حضرت امام علیہ السلام کے خدمت میں حاضر ہو کر اسمٰعیلی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ رئیس مظفر نے جبل کو اور حسین کائن نے شمالی ایران کے کوہستان کے علاقہ کو اپنی دعوت کے تبلیغ کے بڑے مرکز بنا دیئے تھے اس وقت تک اسمٰعیلیوں میں فقط امامت کی دعوت کرنے والے داعی تھے مگر الموت میں حضرت امامؑ کی سکونت پذیر ہونے کے بعد حسن بن صباح نے دو جماعت تیار کی جس میں ایک جماعت کا نام رفیق اور دوسرے

کا نام فدائی تھا اب حسن بن صباح کو سیدنا کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ مغربی مورخین انھیں گرانڈ ماسٹر کہتے ہیں۔ عربی زبان میں شیخ الجبل کے نام سے مشہور ہیں الموت کی سلطنت کے ماتحت عراق کوہستان اور شام کے کوہستانی علاقہ کے قلعات الموت کے حکومت کے زیر اثر تھے حضرت دانیال کے زمانہ کے مہذب عایا کی مانند سارے اسمٰعیلی سفید لباس پہنتے تھے۔ جبل الموت میں جو سب سے مہذب شخص ہوتا تھا اس نے کبھی شاہ یا سلطان۔ ملک یا امیر کا لقب اختیار نہ کیا تھا۔ فقط شیخ کے نام سے ہی متعارف تھا۔ زمانہ موجودہ میں عربی قبائل کے سردار صوفیا، درویش اور مذہبی مجلسوں کے عمائد "شیخ" کے لفظ گرامی سے مخاطب کئے جاتے ہیں۔

الموت کی اسماعیلی تنظیم

حسن بن صباح حجۃ اعظم تھے۔ ان سے کم درجہ داعی الکبیر کا تھا۔ جو ان کے نائب تھے۔ کوہستان اور شام کے علاقوں میں اسمٰعیلیوں کا سکہ بول رہا تھا جہاں انہیں بندوبست کیلئے مقرر کئے گئے تھے۔ ان کے ماتحت کے عہدہ دار عملداروں کے طور پر داعی مقرر شدہ تھے۔ یہ تمام دعات حضرت امام ہادی ؑ کے نام سے دعوت کرتے تھے۔ اسمٰعیلی مذہب کی خاص تعلیم حاصل کرنے کے بعد داعی کا مرتبہ حاصل کر کے اختیار لینے کے لئے وہ امام کے پاس جاتے تھے۔

داعی کے درجہ کی طبقہ وار تعلیم میں لیاقت رکھنے والوں کو "رفیق" کا خطاب دیا جاتا تھا اور یا وفا فدائی مذہب کے محافظ ہوتے تھے۔ شاہی کاروبار میں جدید داخل ہونے والے اشخاص کو لاسیک کہا جاتا تھا۔ ان سب درجات میں پہلے درجہ پر شیخ دوسرے داعی الکبیر تیسرے داعی چوتھے رفیق پانچویں فدائی اور ششم (آخری) لاسیک تھے ان کے ماسوا دوسرے تمام عوام یعنی معمولی پیرو کہلاتے تھے۔

روحانی عہدداروں کے سات طبقے

اوّل امام دوم حجت یا اساس سوم مکاسر چہارم داعی پنجم ماذون ششم مقلب اور ہفتم مومن۔

اسمٰعیلیوں کی مخالفت میں سلجوقی حکومت کا حملہ اور شکست

جبال الموت پر حسن بن صباح نے اسمٰعیلی سلطنت قائم کر کے اپنی محافظت کیلئے اس کو مستحکم پیمانہ پر رکھا یہ دیکھ کر اطراف کے سلاطین میں کھلبلی مچ گئی۔ حسن بن صباح کے قلعہ میں بارود، گولہ اور سامان جنگ نہایت کثرت سے جمع ہو جاتا۔ مگر اس کے قبل رودبار علاقہ کے حاکم نے اس کی امداد کی آمد و رفت کے راستے منقطع کر دیئے۔ حسن بن صباح کو اپنی جدوجہد میں اس طرح رکاوٹ سے کچھ رنج ہوا۔ مگر حضرت امام نے ان کی تسلی فرمائی اور کہا کہ اس میں تمہاری خوش قسمتی ہے۔ جس سے ان کے دل میں نئی ہمت پیدا ہوئی۔ اور فتح نصیب ہوئی اسی باعث اس قلعہ کا نام "قلعہ اقبال" رکھا گیا۔

اسمٰعیلیوں کی اس بے پناہ مہم کو پہلے سے ہی ملک شاہ نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور حسن بن صباح کو شکست دینے کی کوشش کیا کرتا تھا مگر تدبیر اور قوت سے جگہ جگہ اسمٰعیلیوں کو فتح ہوتی رہتی تھی۔ حسن بن صباح کی قوت روز افزوں ترقی ہوتی دیکھ کر وہ سلطنت کی خیر نہ دیکھ کر چونکا اور شکستہ ہو کر حسن بن صباح اور اس کے فرزند اور تمام اسمٰعیلی رہبروں کو قتل کرنے کے لئے اس نے اپنے رئیس امیر ارسلان تاش کو حکم دیا۔

سر جان مالکم مصنف تاریخ ایران کے بیان کے مطابق سلطان ملک شاہ کا لشکر جب الموت پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت حسن بن صباح کے ساتھ صرف ۷۰ آدمی تھے جو لڑتے لڑتے قید ہونے کو تھے مگر اتنے میں مقام رے سے تین سو لڑنے والوں کی مدد داعی بو علی نے بھیجی جو قلعے کے لشکر کے ساتھ شامل ہو کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور ناگہاں حملہ سے سلطان کے لشکر نے اپنا محاصرہ اٹھا لیا اور سلطان کو شکست ہوئی۔

نظام الملک کے داؤ پیچ

مورخ وان ہیمر اپنی تصنیف میں لکھتا ہے کہ سلطان نے بعد ازاں سب سے بڑے معتمد افسر قزل بن سارق کو خراسانی لشکر کے ساتھ اسمٰعیلی داعی حسین کائینی سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا۔ حسین کائینی کوہستان میں اسمٰعیلی دعوت کی تبلیغ کرتا تھا۔ اس سبب سے سلطان کو اس پر حسد آیا۔ قزل سارق کا لشکر آتے ہی اس سے مقابلہ کرنے کے لئے حسین کائینی نے مومن آباد میں خیمہ نصب کرانے میں جلدی

سمجھی اس زمانہ میں ایک جانب آلموت پر سلطان ملک شاہ کا حملہ جاری تھا اور دوسری جانب کوہستان میں بھی سلطان کا لشکر حسین کائینی کے مقابلہ کیلئے آپہنچا تھا۔ یہ حالت اسمٰعیلیوں کے لئے کچھ کم پیچیدہ نہ تھی کہ اس اثنا میں حسن بن صباح نے دیکھا کہ بارود گولہ اور سامان جنگ فراہم کرنے کے راستوں کو دشمنوں نے بند کر دیا تھا اور سلطان کا باقاعدہ لشکر اسمٰعیلیوں کی پامالی کے لئے سر پر موجود تھا۔

ایسے بہادر قومی دشمن کے مقابلہ سے نجات پانے کے لئے کوئی نئی تجویز سوچنا ضروری تھا حسن بن صباح نے دیکھا کہ ہمارے مقابلہ میں ذاتی دشمنی رکھنے والا صرف نظام الملک ہی اور اس ہی کے سبب سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اس موقع پر اس نے سلطان کو خوب برانگیختہ کر کے انتقام لینے کے لئے آلموت پر حملہ کرنے کی اس نے رائے دی۔

سلجوقی سلطنت میں لڑائی کا پایہ ڈالنے والا اور اسمٰعیلی مذہب کا سب سے پہلا دشمن نظام الملک اپنی پرانی دشمنی نکالنے پر تیار ہو گیا تھا۔ اس خیال سے کہ اس قضیہ کی جڑ اکھاڑ دینے سے ہزار ہا بہادروں کا خون ناحق بہایا جائے اور امن و امان قائم ہو جائے اس غرض سے ایک فدائی نے نظام الملک کو جا کر قتل کر دیا اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد ملک شاہ بھی فوت ہو گیا جس سے قزل شارق جنہنے مومن آباد کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اٹھا لیا وہاں سے چونکہ ملک شاہ کے فوت ہونے کے بعد سلجوقی سلطنت علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم ہو گئی تھی اس سبب سے اسمٰعیلیوں کو ایک طرح سے سکون حاصل ہو

اسمٰعیلیوں کا بڑھتا ہوا اقتدار

اسمٰعیلیوں کے ہاتھ میں متواتر یکے بعد دیگرے قلعے آتے گئے یہاں تک کہ حسن بن صباح کے جانبداروں کے ہاتھ میں عراق کے مضبوط قلعے کے علاوہ سلطان ملک شاہ کا تعمیر کردہ اصفہان کا سنگین شاہ در قلعہ بھی قبضہ میں آگیا قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ کا ایلچی در سلطان ایک وزنشکار کے لئے جا رہے تھے اس وقت یہ جائے پسند کر کے یہ خاص قلعہ تعمیر کرایا تھا۔

۴۹۹ھ سنہ ہجری میں اصفہان کے قریب دز کوہ اور اس سے پانچ فرسنگ پر آیا ہوا خلنجان۔ بخارے کے قریب کا دسط کوہ فارس اور کوہستان کے درمیان کے تنور اور رنخالو خان کمیش کے علاقہ میں

دامغان - فیروزکوہ اور گردکوہ اور آخر میں کوہستان کا قلعہ طبس - کاین - طورہ اور مومن آباد اور دوسرے علاقوں کے اکثر قلعے اسمٰعیلیوں نے زیر حکومت کر لئے۔

حسن بن صباح کے بھانجے عبد الفتاح نے اصفہان اور کیا بزرگ امید نے لیمبیر کے قلعوں کو فتح کر لیا تھا - یہ دونوں بہادر رئیس مظفر اور حسن کائینی کے ہمراہ داعی کے طور پر اسمٰعیلی مذہب کے مبلغ اور حسن بن صباح کے معاون تھے۔

آلموت اور وسط کوہ کے قلعے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ میں ۳۰ سال قبل آ گئے تھے - اس کے سوا باقی تمام قلعے پر نصاریٰ جہاد کرنے والوں نے جب بیت المقدس فتح کیا اس کے بعد کے سال میں اسمٰعیلیوں نے قبضہ کیا تھا۔

نصاریٰ جہادیوں میں اسمٰعیلیوں کا خوف حسن بن صباح کا بھانجا ابو الفتاح

آلموت اور اس کے اطراف کے میدان میں اسمٰعیلیوں نے ان مجاہدین کے زمانہ میں سلطنت قائم کی تھی عیسوی بارہویں صدی کے پہلے حصہ میں حمیس کے بادشاہ جناح الدولہ کے کاؤنٹ سینٹ جائلس نے حصن الکرد کا محاصرہ کیا تھا اور نزاریوں کے ہاتھ سے مارا گیا خیال کیا جاتا ہے کہ سیاسی عناد کے سبب سے اس کی موت ہوئی تھی اور اسمٰعیلیوں کے ایک بڑے دوست حلب کے بادشاہ رضوان پر اس کو قتل کرنے کا شک کیا جاتا تھا - صلیبی جنگیوں کے دق کرنے سے شاہ حلب بیزار ہو گیا تھا اس کی کمک کے لئے ایک ایرانی سنار ابو طاہر آ پہنچا تھا جو اسمٰعیلی عقیدہ رکھتا تھا اور بعد از ان دمشق کا حاکم دُکُک بھی رضوان کا معاون بن گیا تھا۔

حلب کی شمال کی جانب میلکین کے فاصلہ پر آئی ہوئی مضبوط جائے جرمین حسن بن صباح کے بھانجے ابو الفتاح کی سکونت کا مقام تھا - جہاں سے شام میں وہ داعی الکبیر کی حیثیت سے اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کرتے تھے - کوہستان، کمیس اور عراق کے داعی الکبیر حسین کائینی - رئیس مظفر اور کیا بزرگ امید تھے۔

چند سال بعد ۵۰۱ھ ہجری میں افامیا کے باشندوں نے افامیا کے مصری گورنر خلف کے

ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کے لئے جبرمین کے لشکری حاکم ابوطاھر کی معاونت طلب کرنے سے اس گورنر کو قتل کر کے حلب کے حاکم کی حیثیت سے رضوان کے نام سے ابوطاھر نے شہر کا قبضہ کیا۔ بعد ازاں ٹین کریڈ کا مقابلہ کر نہ سکے اور اس سے صلح کر لی مگر ٹین کریڈ نے شرائط صلح کو توڑ کر ابوطاہر کو مقید کر کے انطاکیہ لے گیا اور جرمانہ کی ایک رقم کثیر لے کر اسے رہا کر دیا۔ مؤرخ کمال الدین ایک طرف سے ٹین کریڈ کو صلح کی خلاف ورزی کے لئے مجرم قرار دیتا ہے۔ اور دوسری طرف "اسے ایک مظلوم شخص کو زندگی بخشنے کے لئے" صلیبی جنگ کا واقع نگار۔ ایکس نو آلبرٹ مذہبی تعصب و حسد سے الزام دیتا ہے۔

اسمٰعیلیوں کے ساتھ احسان فراموشی

۵۰۷ھ ہجری میں حلب کے حاکم اور اسمٰعیلیوں کے بڑے محافظ رضوان کی وفات ہوئی اور اسمٰعیلیوں نے جنگ میں جو احسانات کو بھلا کر سلطنت کی حفاظت کے لئے بوقت ضرورت میدان جنگ میں تلواریں لے کر دشمنوں سے مقابلہ کرتے تھے رضوان کی وفات کے بعد اس کا سولہ سالہ لڑکا اخرس نامی کے ہاتھ حکومت آئی جو حکومت چلانا تھا تھوڑے عرصے کے بعد اخرس نے اسمٰعیلیوں کے تمام احسانات بھلا دیئے اور ان اسمٰعیلیوں کے بال بچے اور عورت مرد تقریباً تین سو کو قتل کر دیا اور دو سو کو قید کیے چند ان کو برہان کو قتل کر دیا اور ان کی لاشوں کو جلوا دیا۔ شاہ رضوان کا بیٹا فرزند عباسی خاندان کے نسل پرست تھا جو ہمیشہ سے اسمٰعیلیوں کے ساتھ دشمنی رکھا کرتے تھے اور ان حالات سے مجبور ہو کر اسمٰعیلیوں نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہتھیار ہاتھ میں لئے تھے تاریخ بد اس کے متعصب دشمنوں نے ان کی غیبت کی ہے۔

اسمٰعیلیوں کا بڑی بڑی حکومتوں کو چیلنج

۵۱۴ھ ہجری میں حلب کے امیر ایلغازی کو اسمٰعیلی حاکم کا پیغام ملا جس میں شریف نامی قلعہ حوالہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ ایلغازی نے اسمٰعیلیوں کے خوف سے قلعہ دینے کے لئے ایلچی کے سامنے رضامندی

کا اظہار کیا۔ جیسا کہ اسمٰعیلی ایلچی اپنی سلطنت میں واپس آیا کہ اسی وقت اہل حلب نے قلعہ کی دیواروں کو توڑ کر خندقوں کو پر کر کے قلعہ کو شہر کے ساتھ ملادیا اور اسمٰعیلیوں کو قلعہ نہ سونپ کر ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنے والے ابن خشاب کو اپنے خون سے اس کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ دمشق کے مشہور حاکم نورالدین محمد بن عمادالدین زنگی سے جس نے مشہور سلطان صلاح الدین کو چچا عزالدین شیرکوہ کو مصر کی جانب وزیر ساور کے کہنے سے روانہ کیا تھا۔ جب اسمٰعیلیوں نے بیت اللہ کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا اس زمانہ میں اسمٰعیلیوں کی ایسی زبردست دہاک بیٹھی ہوئی تھی کہ نورالدین جیسے بہادر حاکم بھی اسمٰعیلیوں کے درخواست کو رد نہ کر سکا مگر باشندگان شہر کو برانگیختہ کر کے اسمٰعیلیوں کے سر حد میں آنے سے پہلے رعایا نے قلعہ کو منہدم کر کے ویران بنادیا۔

ایران میں بھی ہر طرف اسمٰعیلیوں کا ڈنکا بج رہا تھا۔ نظام الملک کے بعد بھی سلجوقیوں کی دشمنی کے حساب اسمٰعیلیوں کے ساتھ کچھ کم نہ ہوئی اور انھوں نے ستانے کے لئے اور بھی نئی تجاویز نکالیں۔ نظام الملک کا فرزند فخر الملک ابومظفر علی جو اپنے والد کے منصب پر فائز تھا اس نے سلطان محمد اور سلطان سنجر دونوں سلطان کے عہد سلطنت میں ایسی حکمت عملی جاری رکھی تھی۔ سلطان سنجر جس وقت تخت نشین تھا اس وقت سلطان کے قریبی رشتہ دار طغرل بیگ کا بھائی جغر بیگ اسمٰعیلیوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور اس واقعہ سے انھیں اطلاعاً ایسا خوف دلایا گیا کہ اسمٰعیلیوں سے عناد و دشمنی کر کے ناحق انھیں ستانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

سلجوقی سلطان سنجر کی مہم

مورخ سرجان مالکم کے بیان کے مطابق سلطان سنجر کی مہم سے اسمٰعیلیوں کے لئے خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی چونکہ اس نے اسمٰعیلیوں کی بیخکنی کرنے کا مسمم ارادہ کر لیا تھا اور اس ارادہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے لئے ایک لشکر کثیر کے ساتھ منزل بہ منزل طے کر کے آلموت کی جانب آگے بڑھا ایسے طاقتور دشمن کے ساتھ مستعد جنگ ہو کر ناکارہ جان تلفیاں کرنے کی بجائے "سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے" ایسی کوئی تجویز نکالنے کا اسمٰعیلیوں نے ارادہ کیا جرمن مورخ دان ھیمر نے اپنی تصنیف میں اس کی نسبت بیان کیا ہے کہ "سلطان سنجر خواب میں تھا اس وقت اس کے سر کے جانب میں ایک

ایک خنجر سیدھا نصب کیا گیا۔ جب خواب سے وہ بیدار ہوا تو اپنے قریب دھار دار ہتھیار کو دیکھ کر ہراساں ہو گیا تاہم اس نے اپنے خوف کو لوگوں سے چھپا رکھا چند ایام کے بعد آلموت کے دار الحکمت کے گرانڈ ماسٹر حسن بن صباح نے سلطان کو خط لکھا کہ سلطان کے ساتھ ہماری نہایت ہمدردی تھی ورنہ خنجر زمین میں نصب کرنے کی بجائے سلطان کے سینہ میں نہایت آسانی سے نصب کیا جا سکتا تھا۔

سلطان سنجر نے اپنا چند لشکر کوہستان بھیجا تھا مگر اس وحشت ناک طلاع کے بعد سلطان نے خوف زدہ ہو کر محاصرہ اٹھا لیا۔ دوسری جانب سلطان سنجر کے بھائی محمدؒ کے حکم سے آلموت اور لمبسیر کے دونوں مضبوط قلعہ پر عطابک آشتگین بن شہر گیر ایک سال سے محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ اور قلعہ میں محصورین کی تکلیف و مصیبت بالکل ناقابل برداشت ہو گئی تھی ایسے نازک وقت میں ۵۱۱ھ میں محمدؐ کی وفات ہوئی جس سے اسمٰعیلیوں کو نجات حاصل ہوئی۔

اپنے بھائی کی موت سلطان سنجر کے لئے سبق آموز ثابت ہوئی اور اس نے اسمٰعیلیوں سے صلح کر لی اور حسن بن صباح اور سلطان سنجر کے صلحنامہ کی رو سے گرد کوہ کے علاقہ میں تمام سرکاری محصول وغیرہ اسمٰعیلیوں کو معاف کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے پایا کہ کمیس کے محصول میں سے کچھ رقم اسمٰعیلیوں کو سالانہ ملے

حسن بن صباح کا آہنی قوت عزم

یہاں ہمیں قارئین کو مطلع کرنے کی خاص ضرورت ہے مصر کی مذبذب حالت کو دیکھ کر حسن بن صباح کے دل میں خیال آیا کہ اب امامت کے واسطے کوئی خاص جگہ ضرور منتخب کی جائے اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے مصر کو خیرباد کر کے حضرت امامؑ کی دعائے برکات سے اپنے پرانے دوست رئیس ابوالفضل کی اصفہان میں ملاقات کی۔ جو ایک وفادار اسمٰعیلی بھی تھے اور حضرت امامؑ کی جناب میں بڑا درجہ رکھتے تھے حسین بن صباح نے ان سے اپنی تمام دلی بات کا اظہار کر کے کہا کہ اگر تم میری معاونت کرو تو ہم دونوں باہم ملکر حضرت امام نزارؑ کے لئے ایک سلطنت قائم کریں۔ مصر کا



حجۃ الاعظم حسن بن صباح

وزیر عظیم ان کا مخالف ہی تمام لشکری بندوبست اور سلطنت کی لگام اس کے ہاتھ میں ہی اور وہ حضرت مستعلی کی طرف داری کرتا ہی اس لئے ہمیں حضرت امامؑ کی خدمت بجالا کر اپنے ولیعہد کے لئے کچھ بہتر انتظام کرنا چاہیئے۔

اس بات کو سنتے ہی رئیس ابو الفضل کو دکھائی دیا کہ حسن بن صباح کا دماغ بالکل ضعیف ہو گیا ہی اس لئے وہ ایسی ناشائستہ باتیں کر رہا ہے چنانچہ اس نے اس پر از روے ترحم ایک پیالہ شربت مفرح دل و دماغ بھر کر اس کے سامنے رکھا۔ اور نوش کرنے کو کہا اس خیال سے کہ رئیس کو برا نہ معلوم ہو۔ حسن بن صباح نے پیالہ پی لیا اور ان سے علحدگی اختیار کرکے اپنی کوششیں جاری کیں آخر انھوں نے اپنی خواہشوں کے موافق آلموت میں اسمٰعیلی سلطنت قائم کی جہاں حضرت امام ہادیؑ بعد میں سکونت پذیر ہوئے اور آلموت سا صدر مقام اسمٰعیلیوں کے ہاتھ میں آنے سے وہ بار دیگر طاقتور ہونے لگے۔ اور ان کی شان و شوکت اور بھی بڑھنے لگی۔

مورخ جان مالکم کی روایت کے بموجب اصفہان میں حسن بن صباح کے قدیم دوست رئیس ابو الفضل ان کی ملاقات کے لئے جبال آلموت میں آئے اور ان کے مصافحے کے لئے حسن بن صباح نے اپنا ہاتھ دراز کرکے ہنستے ہنستے کہا کہ عزیز محترم میرے ضعیف دماغ کو دور کرنے کے لئے کچھ مقوی دوائی لائے ہو کیا اب آپ محسوس نہیں کرتے کہ دو یا تین شخص جب متحد ہو جائیں تو کیا کچھ کر سکتے ہیں " دو دل یک شود بشکند کوہ را" یہ مثل کتنی سچ ہے۔

ابو الفضل نے کہا کہ میں ہمیشہ سے تم کو شجیع و قوی جانتا آیا ہوں مگر جو کچھ تم نے کیا ہی اس کی مجھ امید نہ تھی۔ حسن بن صباح نے کہا کہ ابھی تک تو میں مخصوص طور پر سلطنت کے لئے سیاسی ترکیبوں پر اعتماد رکھتا تھا۔ مگر اب اعتقاد مذہب کیا کر سکتا ہی اس کی آزمائش کرونگا۔

اسمٰعیلی مذہب کے اصول کی پابندی

حضرت امامؑ کے لطف و کرم سے حسن بن صباح کو حجۃ اعظم کا لقب عنایت ہوا تھا انھوں نے داعی کبیر کے عہدہ پر بھی کام کیا تھا ایک انسان حضرت امامؑ کی خدمت و فاشعار سے کس درجہ

کرسکتا ہی اور دلی عبادت کی آواز خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کس طرح مقبول ہوتی ہے اس کے متعلق ہسٹری آف پرشیا میں سر جان مالکم لکھتا ہی کہ اسمٰعیلی مذہب کے مریدوں کو جو مذہبی اصول ان کے آئین حسن بن صباح نے سکھائے تھے وہ ایرانی مذہب کے منقولہ عقائد سے بالکل علحدہ اور نرالے تھے اسمٰعیلی مذہب کا اصل واساس یہ ہی کہ حضرت امامؑ کے درجہ کے لئے امام کی نسل یکے بعد دیگرے وارث ہونے پر ایمان و یقین رکھنا چاہیئے - یہ اصول اور صوفیا فلسفی اور عارفوں کے معتقدات سے زیادہ نسبت رکھنے والے اسمٰعیلی مذہب کے صدہا اصول کی وضاحت حسن بن صباح کی تعلیم میں خوش اسلوبی سے سمجھایا گیا تھا -

وہ مانتے ہیں کہ قرآن شریف ایک پاک دینی کتاب ہی مگر اس کا مقصد محض لفظ نہیں بلکہ اس کے معنی کو عمل لازماً لانا چاہیئے مقررہ عبادت اور اس کے اوقات کی پابندی کو ترک کرکے وہ یہ کہتے تھے کہ اصل اور سچی عبادت دل میں ہوتی ہے اور اپنے معبود حقیقی کی نہایت مخفی طور پر دلی عبادت کرنی چاہیئے

حسن بن صباح اسمٰعیلی مذہب کے پیرؤوں میں دینی اور دنیوی قواعد وضوابط کو نہایت سختی سے رائج کرتے تھے - عمل و خوراک میں دونوں میں اعتدال کا لحاظ رکھنے کے لئے اسمٰعیلیوں کو سخت تاکید تھی - کہا گیا ہے کہ ایک اسمٰعیلی نے دینی احکام میں سروائی کرنے کے سبب اپنے دو لڑکوں کو چابک سے مار مار کر ہلاک کر دیا تھا یہ بھی روایت ہی کہ دشمن نے جب قلعہ آلموت کا محاصرہ کر لیا ہوا پڑے تھے اس وقت اپنی بی بی اور لڑکیوں کو اس خیال سے اپنے دوست رئیس مظفر کے یہاں بھجوا دیا تھا کہ وہ وہاں سلامتی سے رہیں گی مگر یہ پیغام بھی بھجوا دیا کہ میری بی بی اور لڑکیاں اپنی محنت کا ٹکڑا اپنا گذارا کریں گی اور اس سے انھیں جو کچھ حاصل ہو اس سے زیادہ ان کی ذرہ برابر معاونت نہ کی جائے - جان مالکم لکھتا ہی کہ حسن بن صباح اپنی ذات کو کس حد تک کم درجہ سمجھتے تھے اس سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہی ایک قوم کی خوشحالی اور کامیابی کے لئے میانہ روی اور انکساری کے اوصاف ان میں ہونا لازمی ہے اور اسی کی مثال پیش کرکے اپنے ہمراہیوں کو ہر وقت چست وچالاک رہنے کی ہدایت کرتے تھے -

حسن بن صباح کی تصنیف فصول المبارک

روضۃ الصفا کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ حسن بن صباح کے ماتحت کے چند لوگوں نے ایک خط لا کر ان کو دیا۔ جس میں ان کو حسن بن علی بن نزار بن محمد صباح حمیری یمنی لکھا ہوا تھا حسن بن صباح اس کے پڑھتے ہی نہایت برہم ہوئے اور کہا کہ جاؤ اس خط کو گھول کے پی جاؤ۔ حضرت امامؑ کے مصنوعی فرزند بننے کے بجائے ان کا سچا باوفا خادم بننے میں زندگی کا ثمرہ ہے۔ اور یہی میرا اعتقاد ہے۔

مشہور ڈچ فضلاء ڈوزی اور ڈی گیز کا لکھا ہوا خصوصاً ملامت آمیز بیان کا اب یہاں انکشاف ہوتا جاتا ہے آج بھی اسمٰعیلی تصانیف شائع ہو رہی ہے۔ کوئی بھی مذہب اور خصوصاً اسمٰعیلی مذہب جیسے مدت دراز تک مستحکم رہنے والے اور بنیادی جوش رکھنے والے مذہب کے متعلق زیادہ عرصہ تک سازش چل ہی نہیں سکتی۔ اسمٰعیلیوں پر ہزارہا سالوں سے جو ظلم و ستم ہوتے رہے تھے ان کے باعث ان کے مریدوں کی نجی ضروری اور لازمی ہے اور ان کی مخلصانہ کارروائی کے انجام دہی میں ذرا بھی شک لانا بے فائدہ ہے۔ اس بات میں جو ہمیں نہایت ضرور اور قابل غور امر ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں اصلاح (REFORMATION) کرنیکی زبردست کوشش مذہب اسمٰعیلی میں ہے یا نہیں؟ اگر اس لحاظ سے نظر کریں تو عبداللہ بن میمون ور ان کے بعد حسن بن صباح اسلامی عالم کے زبردست مصلحوں (REFORMERS) کے درجہ کے مستحق اور ازسر نو دعوت بیدار (مدعی) ہیں ایسا ہم برابر کہہ سکتے ہیں۔

فصول المبارک نامی تصنیف میں حسن بن صباح کے مذہبی اقرار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس میں مندرجہ ذیل بیان ہمیں نظر آتا ہے۔

"اسمٰعیلی مذہب میں "محق" (امام) کی ہم جنس کے ساتھ شناخت رکھتے ہیں۔ یہ معرفت مفصل ہے اپنی خود کی ذات اس دنیا میں خدا تعالیٰ کے معرفت کے لئے "محق" (امام) کی محتاج ہے۔ حق کی ہم "امام" کے ساتھ معرفت کر سکتے ہیں۔ واحد الوجود کی یہی معنیٰ ہے۔

مارکوپولو کی خیالی جنّت

حجۃ اعظم حسن بن صباح پر شداد کے نمونہ کی جنت بنانے کی ایک غلط تہمت لگی جاتی ہے جو سچ پوچھو تو خالدون کے بغض و عناد کے باعث مورخین نے اس کا ذکر کیا اور چند ناول نویسوں نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا نہایت دل کش مرقع کھینچکر خوب مزہ لے کر لکھا ہے۔ جان رائٹس لکھتا ہے کہ حسن بن صباح کے "باغ بہشت" کی فصل میں مارکوپولو نے مختلف غیرمستند مورخوں سے حالات حاصل کی ہے، مورخ جان مالکم بھی مارکوپولو کی بہشت کو مصنوعی اور بے بنیاد شمار کر کے مخالف گروہ کا پروپیگنڈا بتایا ہے اسلامی مورخین نے مارکوپولو کی روایت پر اعتماد کر کے غیرمسلم مورخین کی نسبت اپنے کو کم وزن ثابت کیا ہے مشہور سیاح لیفٹیننٹ کرنل جسٹس سیل نے ۱۸۳۲ء میں آلموت کی سیاحت کی تھی اور اپنی تصنیف میں لکھتا ہے کہ شیخ کی جنت الموت میں تھی اس کا کوئی ثبوت یہاں دکھائی نہیں دیتا۔

حسن بن صباح کی وفات

حسن بن صباح نے تمام اپنی زندگی میں جو کچھ کارہائے نمایاں انجام دیئے صرف حضرت امامؑ کے لئے تھیں وراس میں انھیں کسی طرح کا فائدہ نہ تھا ان کے تمام خویش و اقربا خود ذاتی محنت سے کما کر گذارہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے دو فرزندوں کو کسی گناہ کے ارتکاب پر قتل کر دیا تھا آلموت پر قابض ہونے کے بعد ۳۵ سال کے عرصہ دراز تک وہ اپنے مکان سے باہر نہ نکلے شب و روز حضرت امامؑ کی خدمت اور رعایا کی بہبودی کے کاموں میں مشغول رہتے تھے روضۃ الصفا کا مصنف لکھتا ہے کہ ۳۵ سال کے عرصہ میں فقط دو مرتبہ وہ قلعہ کے چھت پر دکھائی دیئے تھے ۱۸ ربیع الثانی ۵۱۸ہجری میں مہلک بیماری نے ان پر حملہ کیا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ عنقریب دنیا ان کو ترک کرنی پڑے گی اس وقت انھوں نے اپنے معتبر داعی کیا بزرگ کو اپنے پاس طلب کر کے کہا کہ جب تک حضرت امام ہادیؑ لامبسر کے قلعہ میں سکونت کر کے سلطنت کی لگام اپنے ہاتھ میں لیں تب تک حضرت امامؑ کی خدمت نہایت مخلصانہ بجالانے کی تمھیں ھدایت کرتا ہوں۔ اور اپنی جگہ پر تمھیں مقرر کرتا ہوں

دیار علی اور حسن قازرانی کو بڑے عہدوں پر ممور کر کے جمادی الاول کی ۲۶ تاریخ کو اس دار فانی سے باددانی کی طرف کوچ کر گئے۔

کیا بزرگ کی حکومت اور دشمنوں کا مقابلہ

۵۱۸ھ ہجری میں کیا بزرگ امید نے حاکم مقرر ہونے کے بعد اپنی زندگی بھر حسن بن صباح کے طرز سلطنت میں ذرہ بھی فرق نہ آنے دیا۔ جبل الموت اور ان کے اطراف کے قلعوں کی مرمت کا کام تمام کر کے ان کو خوب مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔ ضرورت کے لحاظ سے نئے قلعے بھی تعمیر کرائے۔ ہر ایک قلعہ کی حفاظت کے لئے منتظم چھاؤنیاں بھی بنائی گئیں۔ اسمعیلی سلطنت کے احاطہ میں جس زمین پر باقاعدہ قبضہ نہ ہوا تھا۔ اس کو اپنے تابع کر کے اس میں آمدنی کے ذرائع پیدا کئے۔

۵۲۰ھ میں میموڈیز نامی قلعہ کو بار دیگر مضبوط و مستحکم کیا گیا اور وہاں کے گورنر کے طور پر عبدالملک مقرر ہوا اسی سال کے شعبان المکرم میں عطابک شہر گیر کے بھتیجے نے ایک لشکر کے ساتھ رودبار کے ضلع میں اسمعیلی قوم پر حملہ کیا۔ اس حملہ کو دور کرنے کے لئے کیا بزرگ نے ایک قومی فدائی لشکر روانہ کیا اور دونوں طرف کے بہادروں میں زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں عطابک شہریار کو ہزیمت ہوئی اور اپنا سارا مال و اسباب رکھ کر بھاگ گیا اور سامان رسد کے علاوہ باربردار جانور، فوجی گھوڑے، گولہ بارود اور اسلحہ جنگ کا بڑا ذخیرہ اسمعیلیوں کے ہاتھ آیا۔

۵۲۱ھ ہجری میں سلطان محمد سلجوقی نے اصفہان سے جبل الموت پر اپنا ایک بڑا لشکر بھیجا مگر اس کے اسمعیلیوں کی سرحد میں پہنچنے سے قبل کیا بزرگ کو اس کی خبر ہوگئی اور فوراً فدائی بہادروں کو راستہ روکنے کے لئے روانہ کر دیا یہ لوگ سلطانی لشکر کے یہاں انتظار کرتے ہوئے مقابلہ کے لئے کھڑے تھے سلطان نے غضبناک ہو کر کہا کہ ہمارے لشکر کے آنے کے ماقبل آلموتی لشکر یہاں آ پہنچا ہی اور وہ ہمارے مقابلہ کی راہ دیکھتا ہی اس سبب نے سلطان کو اہل الموت کی جان نثاری دیکھ کر ہراساں کر دیا۔

اسمعیلی ایلچی کا قتل

ہسٹری آف پرشیا میں جان مالکم نامہ نگار ہے کہ سلطان نے ایک لشکر رودبار فتح کرنے کیلئے

بھیجا تھا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ اور سلجوقی جنرل کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ جس کے باعث سلطان نے کیا بزرگ سے چند عرصہ تک لڑائی موقوف رکھنے کی خواہش ظاہر کی اور آخر صلح ہو گئی جس کے قرارداد کے مطابق سلطنت آلموت کی جانب سے ایک ایلچی خواجہ ناصر شہرستانی اصفہان بھجوایا گیا۔ جن کی سلطان کے دربار میں نہایت عزت ہوئی مگر ایرانی سلطنت سے آئے ہوئے اسمٰعیلی سردار کے ایک ایلچی کو دیکھ کر بادشاہ سے زیادہ بے قرار در مضطر رعایا ایسی برہم ہو گئی کہ اس ایلچی کے مسکن پر چڑھائی کر کے قتل کر دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تو اریخ گزشتہ کی ایک دستی تحریر میں لکھا ہے کہ رعایا کے نفرت کے شعلوں کو ملاؤں نے زیادہ مشتعل کر دیا تھا اور فتویٰ دے دیا تھا کہ حسن بن صباح کے پیرووں کا قتل کار ثواب ہے اس واقعہ کے بعد سلطان محمد سلجوقی اس واقعہ قتل سے برأت کے اظہار کے لئے کیا بزرگ امید کے پاس فوراً ایک وفد جبل آلموت کو روانہ کیا۔ وفد نے آلموت پہنچ کر سلطان کی معذرت پیش کی۔ کیا بزرگ نے جواب میں کہا کہ مجرمین جب تک ہمارے حوالہ نہ کئے جائیں گے تب تک معاملہ درست ہونا مشکل ہے۔ ہمارا یہ پیغام سلطان کو پہنچا دو۔

جنگ کے مورچے۔ اسمٰعیلیوں کی کامیابی

باغی رعایا کے گروہ میں سے گنہگاروں کو تلاش کرنا سلطان کے لئے مشکل کام تھا اس لئے جب سلطان کی طرف سے اس معاملہ میں التوا ہونے لگی تو کیا بزرگ نے اسمٰعیلی بہادروں کی ایک فوج ۵۲۳ھ ہجری میں قزوین بھیجی۔ فوج نے شہر میں داخل ہو کر حملہ کیا اور پہلے فتویٰ دینے والے ملانوں کو قتل کر کے دوسرے چار سو آدمیوں کو قتل کیا اس لڑائی میں ۱۱۵ ۔ اسمٰعیلی مارے گئے۔

تاریخ گزیدہ کا مصنف لکھتا ہے کہ اس کے بعد اسمٰعیلیوں نے مال غنیمت کا بڑا ذخیرہ جو پایا۔ دارو گولہ بارود وغیرہ لے گئے اس سبب سے پھر سلطان اور کیا بزرگ کے درمیان عداوت کی بنیاد پڑ گئی۔ اور اس کا خاتمہ سلطان کی موت تک نہ ہوا۔ سلطان محمد سلجوقی کی وفات کے بعد کیا بزرگ نے سلطان کے لشکر کو ہزیمت دے کر شہر گیلان بھی فتح کر لیا۔

روضۃ الصفا کے بیان کے مطابق ۵۲۰ھ ہجری کے محرم کی چوتھی تاریخ کو سلطان کا تیس ہزار کا ایک

لشکر عراق سے لامبیسر کے قلعہ پر چڑھ آیا۔ اس عرصہ میں سلطان محمد سلجوقی فوت ہو گیا اور قزوینی لشکر بغیر جنگ کئے واپس ہٹ گیا۔ اس وقت اسمٰعیلیوں نے قزوین میں خوب لوٹ مار کی جس میں ۲۵۰ گھوڑے ..۲ گائے ۱۲۷ اونٹ چار ہزار بکرے اور بیس ہزار خچر انھیں غنیمت میں ملا۔

اس کے بعد بھی ایک دفعہ پھر اسمٰعیلیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے قزوینیوں نے چڑھائی کی اور دونو فریق میں زبردست جنگ ہوئی۔ آپس میں خوب تلواریں چلیں، نیزہ بازی ہوئی اور خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ مگر آخر کار قزوینیوں کا سپہ سالار اسمٰعیلیوں کے ہاتھ سے مارا گیا اور ان کو ہزیمت ہوئی۔ جس کے بعد انھوں نے بار دیگر کبھی اسمٰعیلیوں سے سرتابی نہ کی۔

امامت کے باطل مدعی ابو ہاشم علوی کا انجام

۵۲۶ھ میں ابو ہاشم علوی نامی ایک شخص نے گیلان میں امامت کا دعویٰ کیا اور اہل گیلان سے اپنی بیعت لی۔ اطراف کے شہروں میں بھی اس کی دعوت کے لئے اس کے دعاۃ گشت کرنے لگے۔ اور حضرت امام کا ظہور گیلان میں ہوا۔ اس خبر کی تشہیر کے خطوط بھی ابو ہاشم علوی کے ہمراہیوں نے دور دراز شہروں میں بھیجے۔

روضۃ الصفا کی روایت کے مطابق اس باطل دعویٰ سے باز رہنے کے لئے ایک نصیحت آمیز خط کیا بزرگ امید نے اسے لکھا۔ مگر وہ گیلان میں اسمٰعیلی مذہب کی شان میں برے بھلے الفاظ نکالنے لگا۔ اور کیا بزرگ کو جواب بھی نہایت ہتک آمیز لکھا۔ آخر کار انجام یہ ہوا کہ کیا بزرگ نے اپنے بہادر اسمٰعیلی فدائیوں کا ایک لشکر تیار کر کے ابو ہاشم کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ یہ اسمٰعیلی لشکر دیلمان میں پہنچا۔ ابو ہاشم نے اپنے مریدوں کو جمع کر کے ایک لشکر بنایا اور اس کا مقابلہ کیا۔ دونوں فریق میں خونریز لڑائی ہوئی۔ مگر ابو ہاشم اسمٰعیلیوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اس لئے میدان جنگ سے فرار ہو کر قریب کے پہاڑوں میں پناہ لینے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگا۔ فدائی لشکر نے تعاقب کر کے اسے مقید کر کے قلعہ میں لا کر اس سے کہا گیا کہ حضرت امام ہادیؑ کی بیعت کر کے خود کے دعوۂ باطل سے باز آجائے۔ مگر اس نے اپنی ضد بالکل نہ چھوڑا تین دن تک متواتر اس کے ساتھ

بحث و مباحثہ کیا گیا مگر وہ راہ راست پر نہ آیا۔ لہٰذا اسکو زندہ جلا دیا گیا اور غلط دعوۂ امامت کا نتیجہ اس کو مل گیا۔

سلطان خوارزم شاہ کی ھزیمت

سلطان محمد سلجوقی کی وفات کے بعد سلطان مسعود شاہ عراق ہوا۔ اس نے برنکیس کو گورنری سے معزول کر کے خوارزم شاہ کو دیا۔ برنکیس وہاں سے فرار ہوا اور جبل الموت میں پناہ گزیں ہوا۔ اسواقعہ کے قبل خوارزم شاہ کا اسمٰعیلیوں سے اتحاد تھا۔ اس لئے کیا بزرگ اُمید کو قاصد کے ہمراہ پیغام بھیجا کہ برنکیس تمھارا دشمن ہے اور جو اذیت اس نے اسمٰعیلیوں کو دی ہے اس کو تم نہ بھولے ہو گے میں تمھارے ساتھ پہلے سے دوستانہ سلوک کرتا ہوا آیا ہوں۔ سلطان مسعود نے برنکیس کو پہلے ہی سے میری متابعت میں رکھا تھا۔ اب وہ یہاں سے فرار ہو کر تمھاری سرحد میں آیا ہے اگر تم اسے مجھے سونپ دو گے تو ہمارے اور تمھارے مابین پہلے جیسا رابطۂ اتحاد رہے گا" اس پیغام کے جواب میں کیا بزرگ اُمید نے اطلاع دی کہ "اہل الموت پناہ گزیں شخص کو واپس نہیں کرتے" اور خوارزم شاہ نے بالکل نا اُمید ہو کر ۴ ہزار کا ایک لشکر جرار لے کر الموت اور لامبسر پر چڑھائی کی ابھی خوارزم شاہ کا لشکر اسمٰعیلی سرحد سے دس کوس دور تھا کہ اتنے میں اسمٰعیلی لشکر پر ٹوٹ پڑا اور خونریز جنگ ہوئی۔ جانبین کے ۱۰۹۷ بہادر لڑائی میں قتل ہوئے جس میں خوارزم شاہ کے دو فرزند اور اس کے بھائی کا ایک فرزند بھی قتل ہوا۔ آخر میں خوارزم شاہ کی شکست ہوتے ہی لشکر میں بھگدڑ شروع ہوئی اور عراقی بہادر تمام منتشر ہو گئے۔ میدان میں جو کچھ مال غنیمت اسمٰعیلیوں کو ملا وہ لے کر قلعے میں واپس داخل ہو گئے۔

حضرت امام ہادی (علیہ السلام) کی قلعہ لامبسر میں وفات

حضرت امام ہادیؑ کی امامت چالیس سال تک ہی۔ رودبار میں آنے کے بعد قلعہ لامبسر میں ان کا قیام رہا کیا بزرگ اُمید ہر وقت شب و روز ان کی خدمت فیض درجت میں رہا کرتے تھے۔ حضرت امامؑ نے سلطنت

کے امور میں کبھی مداخلت نہیں کی نہ لڑائی یا دوسری کسی مہم میں کبھی شامل ہوئے۔ فقط مذہبی امور کے مختار کل تھے۔ وہ فقط اسمٰعیلیوں کو ھدایت دیتے اور مذہب میں نو واردوں کی لامبیسر کے قلعہ میں طلب کرکے بیعت لیا کرتے تھے۔

دبستان المذاہب میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا حسن بن صباح کے حکومت کے درمیان اسمٰعیلیوں کے ایک معتبر شخص ابوالحسن سعیدی نامی حضرت امام مستنصر باللہؑ کی وفات کے بعد مصر سے آلموت آئے تھے انھوں نے اپنے ساتھ حضرت امام نزارؑ کی نسل سے ایک فرزند کو ساتھ لائے تھے جو سید حقیقیہ نسل کے حق سے سزاوار امام تھے سیدنا حسن بن صباح کے سوا اس بات کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔ سیدنا نے ابوالحسن سعیدی کی بہت کچھ عزت کرکے قلعہ کے نیچے آئے ہوئے ایک گاؤں میں حضرت امامؑ کے مقام کے لئے انتظام کردیا۔

حضرت امام ہادیؑ ہمیشہ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور تھوڑے عرصے بعد ایک سیڈانی خاتون کے ساتھ نکاح کرلیا تھا ان کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا لقب علیٰ ذکرہ السلام اور نام مہتدی تھا۔ اس فرزند کی حفاظت بھی کیا بزرگ اُمید کرتے تھے خوش قسمتی سے اس صاحبزادے نے ایسی نام دری اور شہرت حاصل کی کہ اسمٰعیلی رعایا کے سوا اور دوسری رعایا بھی ان کو جلیل القدر ماننے لگے اس جماعت کا یہ یقین ہے کہ حضرت امامؑ کی طرف سے جو بھی کارروائی ہوتی ہے وہ معصوم ہونیکی وجہ سے بالکل قابل قبول ہے حضرت امام نزارؑ کے فرزند کو ابوالحسن سعیدی آلموت میں لے آئے تھے۔ ان کے بعد امامت کے تخت پر جلوہ افروز ہونے والے ولیعہد کا شجرہ حضرت امام مستنصر باللہؑ تک حسب ذیل ہے:۔

مہتدی بن الھادی ابن نزار ابن مستنصر باللہؑ ان کو اسمٰعیلی امام برحق سمجھتے ہیں۔

حضرت امام ھادیؑ کی وفات ۵۳۰ھ ہجری میں لامبیسر کے قلعہ میں ہوئی۔ اور وہیں آپ کی لاش مبارک دفن کی گئی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند مھتدیؑ نے تخت امامت پر رونق افروز ہو کر اسمٰعیلی دنیا کو منوّر کیا اور ان کے ھدایت کا جھنڈا لہرانے لگا۔

حضرت امام مهتدی (علیہ السلام)

سن امامت از ۵۳۰ھ ہجری تا ۵۵۲ھ ہجری

حضرت امام مهتدیؑ کی پیدائش ایک رودباری سیدا خاتون سے لامبیر کے زبردست قلعہ میں ہوئی تھی۔ ان کا پورا نام حضرت مهتدی المهدی علی ذکرہ السلام تھا۔
۵۳۰ھ میں جب حضرت امام مهتدیؑ امامت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اسوقت جلیل القدر اسمٰعیلی کیا بزرگ امید تھے جنکے ماتحت تمام حکومت کا نظم ونسق تھا اور وہ حضرت امامؑ کی خدمت میں ہر وقت رہتے تھے۔

جلیل القدر کیا بزرگ کی وفات ۵۳۲ھ ہجری میں جبال آلموت میں واقع ہوئی۔ اس زمانہ میں آثار محمدی کی روایت کے بموجب انھوں نے حضرت امام مهتدیؑ کو ان کے والد کے تخت پر متمکن کرکے ان کے احکام کو ہر ایک جگہ پہنچایا اور اپنا مرتبہ دمعوت کبریٰ کا اپنے فرزند محمد کو حضرت امامؑ کی منظوری سے سونپتے ہوئے ھدایت کی کہ جب ملکی کاروبار نہایت شاندار اور باقاعدہ ہوجائے اس وقت حضرت امام زمانؑ کو سلطنت کا اقتدار تفویض کردیا جائے۔ چند عرصے کے بعد محمد ابن کیا بزرگ سے حضرت امامؑ نے فرمایا کہ فی الحال سلطنت کا کاروبار تمھیں سنبھالنا ہوگا۔ "مگر میری وفات کے بعد میرے فرزند قاہر کو سلطنت کا کاروبار تفویض کرنا" حضرت امامؑ نے یہ پیشین گوئی اس وقت کی تھی جب کہ ان کی بی بی کو کوئی فرزند نہیں ہوا تھا۔ اس بارے میں محمد ابن کیا بزرگ کو ہمیشہ فکر رہا کرتی تھی۔ مگر حضرت امام پر ان کو یقین کامل تھا اور اعتقاد تھا کہ حضرت امامؑ کی بات حرفاً صحیح و سچ ہو اور آئندہ پایۂ ثبوت کو پہنچے گی۔

محمد بن کیا بزرگ نے سلطنت کے کاروبار کو ہاتھ میں لینے کے بعد اس قلعہ کو جس میں اسمٰعیلیوں کی شان و عظمت ارسائی ہوئی تھی حسب ضرورت مرمت کرائی اور کئی نئے قلعہ تعمیر کرائے اور خریدے بھی۔ شام میں انھوں نے قدموس کہف اور مسیاب کے قلعہ پر قبضہ حاصل کیا۔ جس میں سے پہلے دو قلعہ ابن امرون کے پاس سے ۵۲۹ھ ہجری اور ۵۳۳ھ ہجری میں اسمٰعیلیوں نے خرید اتھا اور ۵۳۵ھ میں یہ آخری تیسرا قلعہ سیزاریا کے حاکم سے جنگ کر کے فتح کیا تھا اس قلعہ نے شام کے اسمٰعیلیوں کے مرکز عظیم کی حیثیت سے بہت بڑی اہمیت یورپ کی تاریخ میں لی ہے اور اس کا ثبوت میر خوند اور ابوالفدا کے تصنیفوں میں موجود ہے۔

روضتہ الصفا کی روایت کے بموجب ایک مرتبہ سلطان محمد سنجر اپنے دورہ پر نکلا اور جب وہ رئی پہنچا تو اپنے ایلچی کو آلموت بھیجکر اسمٰعیلی مذہب کے اصولوں کے متعلق دریافت کیا۔ اس وقت آلموت کے حاکم محمد ابن کیا بزرگ تھے۔ سلطان کے ایلچی نے جو سوال سلطان کی طرف سے کیا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے کہا کہ "خدا تعالیٰ کو غالب اور بزرگ سمجھ کر اس کی اور اس کے رسول کے احکام کی متابعت ضروری ہے۔ قیامت، جنت، ثواب اور عذاب کے متعلق قرآن شریف میں جو خدا تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اس پر یقین رکھنا چاہیئے اس میں کسی کو فرق کرنے کا بالکل اختیار نہیں۔ اس کے علاوہ محمد ابن کیا بزرگ نے ایلچی سے کہلوایا کہ اگر یہ مذہب سلطان کو پسند ہو تو بہتر ورنہ کسی عالم کو ہمارے پاس بھیجے ہم اس سے مباحثہ کریں گے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو سلطان نے اسمٰعیلیوں سے مقابلہ اور مکالمہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

بنو فاطمہ اور بنو عباس کے درمیان ایک زمانۂ قدیم سے مخالفت چلی آ رہی تھی اس زمانہ میں بھی اسمٰعیلیوں کا پیچھا انھوں نے نہ چھوڑا بلکہ بنو عباس کے جاسوس اسمٰعیلیوں کے سرحدیں چوطرف پھیلے ہوئے تھے۔

۵۲۹ھ ہجری میں بغداد کے تخت پر رشید باللہ عباسی متمکن تھا جو حضرت امام مہتدیؑ کا ہمعصر تھا اور خلیفہ کے ...... والد کے وفات کے بعد اس کے فرزند کی تخت نشینی میں سلطان مسعود سلجوقی نے بہت بڑا حصہ لیا تھا مگر بغداد کے دربار کے امیروں سے شکر رنجی ہونے کی وجہ سے مسعود کو بغداد سے چلا جانا پڑا۔

جس سے وہ نہایت غضبناک ہوا اور ایک بڑا لشکر لے کر بغداد پر چڑھائی کی۔ دونوں فریق کا مقابلہ ہوتے ہی سلطان مسعود اور خلیفہ کے جانبدار کے ایک چھوٹے شاہی عملدار داؤد زنگی کے درمیان آپس میں زور آزمائی ہوئی۔ جس میں خلیفہ کی ہزیمت ہوئی۔ مسعود سلجوقی بغداد میں داخل ہوا اور علما سے فتویٰ حاصل کر کے خلیفہ کو تخت سے معزول کرایا۔ اس واقعہ کے بعد خلیفہ رشید باللہ نے موصل میں اپنی سکونت اختیار کی اور داؤد زنگی نے اپنے پایہ تخت مراغا کی طرف مراجعت کی۔

حضرت امام مہتدی (علیہ السلام) کی وفات

۲۶ جمادی الآخر ۵۳۲ھ ہجری کے اواخر میں کیا بزرگ امید کی وفات ہوئی۔ جس کو سن کر رشید باللہ کو بیحد خوشی ہوئی اور وہ اپنے والد کا انتقام لینے کے لئے اسمٰعیلیوں سے جنگ کرنے کے واسطے لشکر جمع کرنے لگا۔ جب سب تیاریاں ہو چکیں تو لشکر کی سرداری خود ہی اختیار کی اور ۵۳۲ھ میں اصفہان کے طرف کوچ کیا اس کے بعد آلموت پہنچے اس سے قبل چار فدائی خلیفہ کی چھاؤنی تک پہنچ گئے اور خلیفہ کو تمام کر دیا اس واقعہ کے ہوتے ہی خلیفہ کے لشکر میں بھگدڑ شروع ہو گئی اور لشکر تھوڑے عرصہ میں منتشر ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں قلعہ آلموت میں نوبت اور شادیانی بجائے گئے اور آٹھ دن تک متواتر خوشیاں منائی گئیں۔

آثار محمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام مہتدیؑ جب سخت بیمار ہو گئے محمد کیا بزرگ کو طلب کر کے حضرت امامؑ نے کہا کہ میری بیگم حاملہ ہے اس کو اپنے گھر پہنچاؤ اس کی خدمت میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرنا ان کے بطن سے فرزند ہوگا۔ اس کی بہترین تربیت و تعلیم کا خیال رکھنا سلطنت کے تمام امور میں اس کو ماہر و باخبر بنانا۔ اور اسمٰعیلی تخت میرے بعد میرے فرزند کو تفویض کرنا محمد کیا بزرگ نے ان تمام احکامات کو بسر و چشم قبول کیا چند دن کے بعد قاہر علی ذکرہ السلام تولد ہوئے حضرت امام مہتدیؑ محمد بن کیا بزرگ کے گھر پر تشریف لا کر اپنے فرزند کی آنکھوں پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ حسن و جمال کا مالک ہوگا اور بعد ازاں امام مہتدیؑ نے اپنے اہلیہ کو امامت کی نسبت کئی اسناد حوالہ کئے جن کے ذریعہ تخت امامت پر متمکن ہوتے وقت شاہزادہ

قاہر علی ذکرہ السلام لوگوں کو اپنا نسب ظاہر کر سکیں اس کے بعد حضرت امام درویشی کی حالت میں اپنی زندگی کے ایام بسر کرکے حق کے راستہ کو طے کرنیکے لئے ہمیشہ گوشۂ عزلت میں رہتے تھے۔

محمد ابن کیا بزرگ امید کو اسمٰعیلی مذہب سے عناد رکھنے والوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی لڑائیاں کرنی پڑتی تھیں دربر جوش اسمٰعیلی بہادروں کی بہادری وران کے اوصاف حمیدہ، مذہبی محبت، اور آپس کے اتحاد نے اہل دنیا میں کچھ ایسی دھاک بیٹھا رکھی تھی کہ بڑی بڑی سلطنتیں ان سے کانپتی تھیں بڑے بڑے بہادروں کی ہمت ان کے سامنے ٹوٹ جاتی تھی یہی وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے حضرت امام مہتدیؑ کے زمانہ میں زیادہ انقلابات یا مشکلات دکھائی نہ دیئے۔

۵۵۲ھ ہجری میں حضرت امام مہتدیؑ کی وفات ہوئی آپ آلموت میں بائیس سال تک امامت کے تخت پر متمکن رہے تمام زندگی آپ کی درویشی اور گوشہ نشینی میں بسر ہوئی اور اپنے مریدوں کی رہبری کرتے رہے۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند قاہرؑ سریر امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت مولانا امام قاھر (علیہ السلام)

سن امامت ۵۵۲ ہجری سے ۵۵۷ ہجری تک

حضرت امام قاھرؑ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ۵۵۲ ہجری میں امامت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور آلموت کے سلطنت کے کاروبار کو اپنے اختیار میں لے کر اس کے بند وبست اور انتظام میں مشغول ہوئے۔

حضرت امام قاھرؑ کی پیدائش آلموت میں ہوئی تھی امام کا پورا نام حضرت امام القاھر بقوۃ اللہ ابن مھتدی ابن ہادی ابن نزار ہے۔

حضرت امام مھتدیؑ کی وصیت کے مطابق نہایت مؤدبانہ اور متواضعانہ طور پر محمد ابن کیا بزرگ نے حضرت کو آلموت کی سلطنت تفویض کر کے خود وزیر اعظم اور داعی الکبیر کی حیثیت سے خدمت میں رہتے تھے۔

امامت کا ایک دوسرا باطل دعویدار

محمد ابن کیا بزرگ کے ایک فرزند حسن نے اس زمانہ میں امامت کا دعویٰ کیا۔ مشہور فارسی مورخ روضتہ الصفا میں روایت کرتا ہے

کہ جب اس واقعہ کی اطلاع محمد بن کیا بزرگ کو ہوئی۔ تو انھوں نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں خود امام نہیں ہوں۔ میرا لڑکا حسن بھی امام نہیں ہے میں تو امام کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ ان کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کرنے والا مشرک و ملحد ہے۔ اس کے بعد حسن پر غضب ناک ہوئے اور اسے ملامت کی۔ حسن کے ڈھائی سو پیروؤں کو جو اپنے ضد سے باز نہ آتے تھے انہیں قتل کر دیا اور جو جو اس عقیدہ کے پابند نظر آئے ان کو شہر بدر کر دیا۔ حسن اپنے والد کے سخت غصہ کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اپنے عقیدت مندوں کے خیالات کی تصحیح کرنے کے بعد اپنے والد کے حکم سے کئی کتابیں حضرت امامؑ کی شان میں تصنیف کیں۔ محمد بن کیا بزرگ امید کے دل میں جو کچھ اس واقعہ کے سبب سے تردد تھا وہ سب دور ہو گیا۔

حضرت امام قاھر (علیہ السلام) کی مسند نشینی

حضرت امام قاہرؑ کے امامت کے زمانہ میں محمد ابن کیا بزرگ نے ایک مجلس عظیم منعقد کی اور اس عظیم الشان جلسہ میں آلموت اور اطراف کے قلعہ میں بسنے والے تمام باشندوں کو خطاب کر کے کہا کہ دور الستر تمام ہوا اور اب دور الکشف کا زمانہ قریب آرہا ہے آلموت کے پہلے شیخ الجبل اور نزاریوں کے حجۃ اعظم حسن بن صباح اپنی زندگی میں نہایت صاف طور پر اظہار کرتے تھے کہ قریب میں ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ خلافت اور امامت کی دونوں مسندوں پر حضرت امامؑ خود جلوہ افروز ہوں گے۔ انہوں نے اپنی وفات کے قریب میرے والد ماجد کیا بزرگ امید کو اپنے بعد تمام ملکی کاروبار سونپتے ہوئے کہا تھا کہ حضرت امامؑ کو جب کاروبار سلطنت اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش ہو تو اس وقت انہیں فی الفور تفویض کر دینا اور خود باوفا خادم کے طور محکوم رہنا آج وہ یوم سعید آپہنچا ہے سیدنا حسن بن صباح کی وصیت کو پورا کرنے کا وقت بالکل قریب ہے اور وہ صرف یہ ہے کہ حضرت امام قاہرؑ کو سلطنت تفویض کر کے اپنے فرض منصبی ادا کرنے پر اپنے آپ کو سعید سمجھتا ہوں۔

محمد بن کیا بزرگ کی اس تقریر کے بعد مجلس میں کچھ رنگت بدلی ہوئی دکھائی دی۔ اس صورت حال کو تاڑ کر محمد بن کیا بزرگ نے وہ اسناد پیش کئے جو حضرت امام مهتدیؑ نے اپنی بی بی

کو دی تھی وہ حضرت امام قاہر کے نام سے محمد بن کیا بزرگ نے ظاہر کر کے لوگوں سے کہا کہ اب سلطنت کے جھگڑوں کا خاتمہ ہو چکا ہے آس پاس کے سلاطین بھی اسمٰعیلیوں کو پہچان گئے ہیں۔ جس سے ان سلاطین میں ہمارا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوا ایسے امن و امان کے زمانہ کو دیکھتے ہوئے حضرت امام کو اب باہر لا کر تخت امامت پر انہیں رونق افروز کرنے کیلئے ہم لوگ بالکل قوی ہو گئے ہیں اسمٰعیلیوں پر دشمنوں کی جو کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی تمام دور ہو گئی ہے۔ اب اسمٰعیلیوں کا ستارہ عروج پر ہے اور آفتاب امامت کی تیز شعاعوں کی روشنی میں ہم آج ظاہر دنیا کے سطح پر اپنا راستہ طے کر رہے ہیں جو اسمٰعیلیوں کے لئے فی الحقیقت یوم سعید ہے۔

بعد ازاں ایک اسپ تازی طلب کر کے اس پر حضرت امامؑ کو سوار کرا کر محمد بن کیا بزرگ نے گھوڑے کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اور پیدل چلتے ہوئے الموت کی رعایا کے درمیان حضرت امامؑ کی ندا بلند کرتے ہوئے امام زماں اور اپنے بادشاہ کے طور پر حضرت امام قاہرؑ کا تعارف کرایا اور تمام شہر میں گشت کرنے کے بعد حضرت امام کی سواری شاہی محل میں گئی وہاں ان کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد محمد بن کیا بزرگ نے ان کے دست مبارک پر اسمٰعیلی سلطنت کے حاکم کے حیثیت سے بوسہ دیا

حضرت امام قاہر (علیہ السلام) کی بیعت

الموت کے امرا۔ رؤسا۔ عملدار۔ عہدہ دار اور دوسرے تمام اطراف و جوانب کے شہروں کی رعایا نے حضرت امامؑ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کی رسم اور اس کی مجالس سات دن تک برابر جاری رہی۔ دبستان المذاہب کا مصنف لکھتا ہے کہ النقاعہ بقوۃ اللہ کو اسمٰعیلی امام حق مانتے ہیں۔ آثار کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام کی سچائی جب اسمٰعیلیوں نے ظاہر دیکھی اور دینی علم کے اسرار کو نئے امام کی ذات میں دیکھ کر رعایا میں اطمینان و مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔

حضرت امام قاہرؑ تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد اسمٰعیلی سلطنت کے ماتحت کے تمام گورنروں اور حلقوں میں پیغام بھیجا گیا اور ہر ایک نے مبارک باد پیش کیا۔ مگر اطراف کی اسمٰعیلیوں کی مخالفت کچھ سلطنتوں کے مزاج کو راہ راست پر لانے کے لئے محمد بن کیا بزرگ کو بہت کچھ کارروائی عمل میں لانی پڑی۔ دمہ

حضرت امامؑ کی حکومت کو باضابطہ اور باقاعدہ کرنے میں پانچ سال کا دراز عرصہ لگا اس کے بعد حالات رو بہ اصلاح ہو گئے اور ۴۸۸ھ ہجری کی ابتداء میں تمام مقامات پر امام کی خود مختار سلطنت کا اظہار ہوا۔

ہمعصر سلاطین پر ایک سرسری نظر

ایشیا کی اکثر چھوٹی بڑی سلطنتوں میں وراثت کے جھگڑوں کے باعث انقلاب واقع ہوتا تھا۔ اور یہ تمام سلطنتیں اسمٰعیلیوں کے مخالف تھیں لہٰذا اس طور کے سیاسی حالات پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صمیم لکھتا ہے کہ خراسان کی سرحد سے شام کے پہاڑوں تک اور موسنزوریس سے بیابان کے گنجان پہاڑیوں کی قطار تک دریجر کا سپین سے لے کر میڈیٹرینین تک اسمٰعیلی سلطنت کے جھنڈے لہراتے تھے۔ جس کا مرکز دو دبار ضلع میں پایۂ تخت جبل آلموت کے زبردست قلعہ میں واقع تھا اور ان حکومتوں سے بلاارادہ اسمٰعیلیوں کو مدمقابل ہونا پڑے یہ امر بالکل قرین قیاس تھا۔

اس غرض سے کہ جغرافیہ کے حدود کا نقشہ بخوبی سمجھ میں آ جائے اس لئے ہم خراسان سے شروع کر کے شام کے بیان پر اختتام کریں گے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کوہستان کے بالکل قریب خراسان کا علاقہ واقع ہے اور آلموت میں اسمٰعیلی سلطنت کے قیام کے ابتداہی سے اس علاقہ کے سلجوقیوں کے ساتھ مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ محمد ابن کیا بزرگ کے زمانے میں معزالدین ابوالحارث سنجر سلجوقیوں کا بڑا حاکم تھا اس کے باپ ملک شاہ نے مرتے وقت خراسان کا عہدۂ نیابت (گورنری) اسے سونپا تھا۔ سلجوقی نسل کے بڑے بزرگ کے طور پر ایران میں حکومت کرنے والے اس کے برادر برق یاروق نامی ۱۴ سال تک وہاں اس نے بیشتر حکومت کی تھی ۴۹۸ھ ہجری میں محمد کے فوت ہوتے ہی معزالدین ابوالحارث نے فوراً سلطنت کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لیا یہ اسمٰعیلیوں کا سب سے بڑھ کر خوفناک اور زبردست دشمن تھا۔ اور جس کی دشمنی کا حال اس سے پہلے ہم نے بیان کیا ہے مگر تاہم سلجوقی خاندان کے ایک مشہور بادشاہ سلطان سنجر کے عہد حکومت کی عملی کارروائیوں پر ایک سرسری نظر ناظرین کی دلچسپی کے لئے ضرور ڈالنی چاہیئے۔ جیسا ہم نے آگے بیان کیا ہے سنجر اپنے بھائی محمد اور برق یاروق کے بعد سلجوقیوں کی پوری

حکومت کا اقتدار رکھنے والا بادشاہ ہوا۔ اس کے بھائی سلجوقی کے فرزند محمود نے اس کی حکومت سے سرتابی کرکے اس کو ہزیمت دے کر اسے اپنے تابع میں لایا مگر عراق وعجم کے علاقے اس نے محمود کو سپرد کئے اور اس زمانہ سے سلجوقیوں کی ایک علٰحدہ سلطنت قائم ہوئی۔

غزنی کے ایک زمانہ کے پرشکوہ سلطان کی اولاد میں سے بہرام شاہ نامی اس کو خراج ادا کرتا تھا اس نے اس کی حکومت سے سبکدوش ہونے کے لئے ناکامیاب کوششیں کیں۔ سمرقند، سیستان، زابلستان پر بھی اسی طرح سنجر نے اپنا سکہ جمایا تھا۔ لیکن کار اختائی کے بادشاہ غورخاں کے سامنے سنجر کامیاب نہ ہوا اور اس کے ہزارہا امرا۔ رؤسا اس جنگ میں مارے گئے خزانہ بھی لوٹا گیا۔ اور سلطان سنجر کو اپنی جان بچانے کے لئے عراق کی طرف بھاگ جانا پڑا۔

سلطان سنجر آہنی پنجرہ میں

بعدازاں وہاں کے بادشاہ مسعود کی معاونت سے غوری خاندان کے سلطان علاء الدین جہانسوز کو ہزیمت دے کر اسے اپنا خراج گذار بنایا اسی اثنا میں بلخ کے اندر گوز قبیلہ والے ترکمانوں نے بلوہ کیا۔ اور اس میں ان کو یہاں تک کامیابی ہوئی کہ ۵۴۸ھ ہجری میں سلطان سنجر کو اسکے مقابلہ کیلئے بذات خود جانے کی نوبت آئی، سلطان سنجر اثنائے جنگ میں ترکمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا اور چار سال تک وہ وہاں مقید رہا۔ ترکمانی رات کو سلطان سنجر کو آہنی پنجرہ میں مقید کرتے اور صبح کو اسے تخت پر بٹھا کر اپنے حسب خواہش احکام پر دستخط کرا کے نافذ کرتے۔ گوز ترکمانوں کا لشکر اس طور سے سلطان کو ہمراہ لئے ہے مرو میں داخل ہوا اور اس شہر کو لوٹ لیا۔ پھر نیشاپور کو تاراج کیا۔ اور تمام خراسان کے علاقے میں کشت وخون اور غارت گری کا بازار گرم کیا۔ ۵۵۱ھ ہجری میں سلطان سنجر نے اپنے قید خانہ کے محافظ کو شکار کھیلنے کے بہانہ سے دھوکا دے کر فرار ہوگیا اور جیہوں ندی کے کنارے آپہنچا جہاں ترمذ کے حاکم احمد کماز نے سلطان کو پہچانتے ہی سے جہاز میں بٹھا کر ترمذ کی طرف روانہ کیا اور کئی امرا سلطان کے ہمراہ لے مرو میں لے آئے سلطان سنجر جب اس مقام پر پہنچا تو سارے شہر کو برباد دیکھ کر اسے نہایت افسوس ہوا اور اسی غم میں ۵۵۲ھ میں وہ فوت ہوگیا۔ اسی سلطان سنجر کو الموت میں اسمٰعیلیوں کے ساتھ جنگ میں مقابلہ کرکے بعدازاں صلح کرنی پڑی تھی۔

محمد بن کیا بزرگ کی وفات

۵۵۷ھ ہجری میں سلجوقی سلطنت کے ایک دم ضعیف ہوجانے سے ہر ایک علاقہ کے گورنر خود مختار حاکم بن گئے۔ اور خراسان سلجوقیوں کے ہاتھ سے نکل کر خوارزمیوں اور غوری قبیلہ کے لوگوں کے قبضہ میں آگیا۔ ان دونوں نے اس کو آپس میں بالکل آدھا آدھا تقسیم کرلیا۔ عظیم القدر محمد بن کیا بزرگ کی وفات بھی اسی سال میں ہوئی۔ انھوں نے حضرت امام ہادیؑ حضرت امام مہتدیؑ اور حضرت امام قاہرؑ کی کماحقہٗ خدمت کرنے کے بعد اپنی جان جہاں آفریں کو سپرد کردی اور حضرت امامؑ کی قدردانی اور وفاداری سے اپنے نام کو روشن کیا۔

محمد بن کیا بزرگ کی وفات سے حضرت امام قاہرؑ نہایت مغموم ہوئے۔ طبیعت بھی قدرے ضعیف ہوگئی۔ اور کسی طرح محمد بن کیا بزرگ کی وفات کا غم دور ہوتا نہ تھا۔

اسی مصیبت کے زمانہ میں ۵۳۷ھ ہجری کے اندر فارس میں رتغنا ۵۴۹ھ ہجری میں دمشق میں طغتگین کی اولاد۔ ۵۵۳ھ میں یمن میں نجاح شاہ اور ۵۵۵ھ ہجری میں خراسان میں غزنی قبیلہ کے حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اور ان کے عوض روم میں لیقی اور حمص میں ایوبیان سلطنت کے حاکم ہوئے۔ سلطان سنجر کی وفات کے تین سال قبل سب سے بہادر اور مشرق و مغرب کے شہروں کے ڈاکو چنگیز خاں کی پیدائش ہوئی۔ جس نے ایک وقت کے سرسبز و شاداب شہر کو تاراج کرکے ویران بنا دیا۔ اور جنگلوں میں بھی لہو کی ندیاں بہائیں۔

مصر میں فاطمی سلطنت کا خاتمہ

حمص کے ایوبی حاکموں کو چونکہ مصر کے فاطمی خلفا کے ساتھ نسبت تھی اس لئے اس کا بیان کرنا یہاں بہتر ہوگا۔ سلجوقی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کے بعد عطابک کے لقب سے دمشق۔ موصل شام۔ جزیرہ (واسط) وغیرہ مقاموں میں جو خود مختار سلطنت قائم ہوئی اس میں عراق عطابک نورالدین محمد عمادالدین زنگی شام میں حکومت کرتا تھا۔ وہ نصاریٰ جنگیوں کا سب سے زبردست اور بڑا مخالف تھا۔

طائرکا لسٹ پوس کے اوصاف کا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ نورالدین عقلمند اور قوی شخص تھا۔ اس کے رعایا کے اعتقاد کے مطابق وہ خدا سے ڈرتا تھا اس نے باپ دادا کی وراثت میں اضافہ کیا تھا اس کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ انطاکیہ اور عزلین کے حاکم ریمنڈ اور کاؤنٹ آف ٹریپولی پر فتحیاب ہوا۔ اور ایک بڑی غنیمت کے ہمراہ تلب ۔ انتب اسآس ۔ ریدان ۔ تقالید ۔ کرص ۔ کف سرود ۔ مرتیل اور نہرالمعوز ۵۴۲ھ میں اس کے قبضہ میں آ گئے ۔ درحقیقت موصل اور حلب کا قبضہ نورالدین کے ہاتھ میں ہونے سے شمالی شام کے تمام حصہ کا وہ مالک بنا ہوا تھا ۔ مگر جنوبی شام کا حصہ اسے کھٹکتا تھا ۔ اس نے دو مرتبہ دمشق کا محاصرہ کیا اور نصاریٰ جنگجوں کے خوف سے اہل شہر نے اس کی متابعت قبول کر لی شام میں سلجوقیوں کا آخری بادشاہ مظہرالدین نے اپنی رضامندی سے سلطنت ترک کر کے فارغ البال ہونے کی خواہش ظاہر کی ۔ پہلے وہ حمیس بعد ازاں بالیش اور آخر میں بغداد چلا گیا ۔

نورالدین نے اٹھائیس سال میں پچاس سے زیادہ قلعے فتح کئے تھے اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں مساجد اور مدارس تعمیر کرائے تھے جس میں دمشق کی دارالحدیث سب سے زیادہ مشہور ہے ۔ مذہبی اعتقادات اور ملکی مصالح سے نورالدین نے مصر میں فاطمی خلفا کی بہ نسبت عباسی خلفاء کی حمایت میں ہونے کو زیادہ ترجیح دی تھی ۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت

اس زمانہ میں مصر میں حیرت انگیز انقلاب ہو رہا تھا اور ہر چہار طرف کشت و خون اور غارتگری کی واردات ہو رہی تھی اور آخری زمانہ کے فاطمی خلفا سے اب تاج و تخت غصب کرنے کا وقت قریب آ چکا تھا اس موقع کا پورا فائدہ نورالدین نے حاصل کیا ۔ اس نے اپنے نائب صلاح الدین کو فاطمیوں کے معاونت کے بہانہ سے روانہ کیا اس نے وہاں وزیر اعظم کا رتبہ حاصل کرنے کے بعد تمام سلطنت کے امور کو اپنے ہاتھ میں لینے کی تدبیر کر لی ۔ فاطمی سلسلہ کے آخری بادشاہ عاضد الدین اللہ کی وفات کے .... بعد صلاح الدین نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بغدادی عباسی خلیفہ کا نام خطبہ میں جاری کیا ۔ اور اس کے ہمراہ اپنے شام کے حاکم عطابک نورالدین کا نام لینے کا بھی حکم کیا ۔ فی الحقیقت صلاح الدین

کی یہ تمام کارروائیاں اپنی ذاتی منفعت کے لئے تھیں اور اس طرف اس نے مغرب کے اسمٰعیلیوں کے بڑے مرکز کی حکومت کو ختم کردیا۔ تاہم اس کی ایک دوسری شاخ آلموت کے قلعہ میں نہایت مضبوط و مستحکم تھی۔ جس کو مورخین شرق کے اسمٰعیلی کہتے ہیں۔ اسمٰعیلیوں کی تاریخ میں ایک نہایت معرکۃ الآراء واقعہ ہے کہ مصر کے کھنڈروں پر صلاح الدین نے ایوبی خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی مگر اس کے مقابلہ میں ایک مضبوط اور مستحکم حریف سلطنت جبل آلموت میں موجود تھی۔

حضرت امام قاہرؑ کے زمانہ میں اقتصادی اور زراعت کو خوب ترقی ہوئی تھی اسمٰعیلی سلطنت کے احاطہ میں بسر کرنیوالی رعایا نہایت چین و امن سے اپنی زندگی بسر کرتی تھی اور جبل آلموت ولامبیسر کے قلعوں کی دیواروں و زبردست عمارتوں کی بدولت وقتاً فوقتاً دشمنوں کے حملوں سے رعایا کی محافظ تھیں۔ اس زمانہ میں اسمٰعیلیوں کا ایسا ڈنکا بجتا تھا کہ اس کے خوف سے کسی سلطنت کی ہمت نہ تھی کہ اس پر چڑھائی یا حملہ کرے اور اسمٰعیلی سلطنت کی بہبودی و امام کی خدمت گذاری کرتے ہوئے قدم آگے بڑھاتے چلے جاتے تھے۔ حضرت امام قاہرؑ کو مسند امامت و خلافت پر آئے ہوئے پانچ سال کامل ہو چکے تھے اور شیخ الجبل محمد ابن کیا بزرگ کو اس دنیائے فانی سے رحلت کو کچھ تھوڑا عرصہ ہوا تھا۔ مگر حضرت امامؑ نے اپنا وقت قریب دیکھ کر اپنے صاحبزادے حسن علیٰ ذکرہ السلام کو طلب کرکے فرمایا کہ "ہم نے تمہارے لئے تمام اشیاء تیار کر رکھی ہیں ہمارے بعد تم اکیلے امامت اور سلطنت کے مالک ہو۔ ہماری طبیعت میں اعتدال نہیں ہے اور ہمیں فی الفور ملک بقا کی طرف جانا ہے۔"

اپنے فرزند کو نصائح دینے کے بعد چند ایام گذرے تھے کہ ۵۵۷ ھجری میں حضرت امام قاہرؑ کی وفات واقع ہوئی۔

حضرت امام قاہرؑ کی وفات کے بعد حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام امامت کے مسند پر رونق افروز ہوئے اور سلطنت کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لی۔

حضرت مولانا امام حسن علیٰ ذکرہ السلام

سنِ امامت از ۵۵۷ھ ہجری تا ۵۶۱ھ ہجری

حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام ۵۵۷ھ میں اپنے والد ماجد کے تخت امامت پر رونق افروز ہو کر الموت میں سلطنت کی لگام اپنے اختیار میں لی۔ آثار محمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ اطراف کے تمام سلطنتوں میں امام کے اقتدار کا رعب و داب چھایا ہوا تھا کسی کو بھی اتنی مجال نہ تھی کہ حضرت امام کی سرتابی کرے۔

حضرت امام حسن کا لقب "علیٰ ذکرہ السلام" ہے جس کا مخفف "علیٰ ذکریا سلام" ہو گیا اور وہ اسی نام سے متعارف ہیں۔

تاریخ جہاں کشا میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسن ذکریا سلام کی پیدائش ۵۰۶ھ ہجری میں الموت کے قلعہ میں ہوئی اور وہ حضرت امام نزارؑ کی اولاد میں سے تھے۔ جان مالکم اپنی تصنیف ہسٹری آف پرشیا میں لکھتا ہے کہ محمد ابن کیا بزرگ نے بزرگ نام اپنے اقتدار کو قائم کیا تھا اور یہ حاکم خود کو وزیر بنا کر اس پر اکتفا کر لیا تھا کیونکہ اصل حاکم کو اسکے مرتبہ میں اپنا نام قائم کرنے سے ہی مذہبی اصول کی پابندی ہوتی ہے۔

یہ واقعہ حضرت امام قاہرؑ کے زمانہ کا ہے جس وقت حضرت امام حسن علیٰ ذکریا سلام ان کے ولیعہد تھے اور وہ امامت کے تخت پر رونق افروز تھے اس وقت محمد بن کیا بزرگ بھی ۵۵۷ھ ہجری میں اس دنیائے فانی سے چل بسے تھے ایسے واقعات کے درمیان سلطنت اور امامت کے تمام کاروبار کا بوجھ حضرت امام حسن علیٰ ذکریا پر آ پڑا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کا بے پایاں علم

روضۃ الصفا کی روایت کے مطابق حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام عنفوان شباب ہی میں اسمٰعیلی مذہب اور دینی علم اور عقاید کے بحث و مباحثہ میں اپنے اوقات صرف کرتے تھے پھر ان علوم پر حاوی ہونیکے بعد عقلی اور منطقی مسائل سے دلچسپی لینی شروع کی اور بعد ازاں ان علوم کو مقاصد اور تاویل سے مزین کر کے اپنے مریدوں کی راہبری اور ھدایت فرماتے تھے۔ اسمٰعیلی اپنے امامؑ پر ہمیشہ اپنی جان فدا کرنے کو تیار رہتے اور اس لئے اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ و اشاعت وسیع طور پر ہونے لگی یہاں تک کہ لوگ راہ حقیقت کی طرف مائل ہونے لگے۔

اسمٰعیلی عقائدوں کی تاویل

اس زمانہ میں بھی عباسیوں نے امامؑ کا ستانا نہ چھوڑا۔ آثار محمدی کے مصنف رقمطراز ہیں کہ اس زمانہ کے عباسی خلیفہ کے دل پر حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کے طرف سے نہایت خوف طاری تھا اس لئے لوگوں کے خیالات و عقائد کو ضعیف کرنیکے لئے اس نے تمام مختلف مقامات پر یہ افواہ پھیلائی کہ حضرت امام مستنصر باللہؑ کے ساتھ اپنے نسب کا دعویٰ حسن علیٰ ذکرہ السلام کا بالکل غلط ہے اور ایک جعلی نسب نامہ تیار کر کے اپنی سلطنت میں پھیلایا۔ تاکہ لوگ حضرت امامؑ سے کنارہ کش ہو جائیں۔

دبستان المذاھب کی روایت کے بموجب اسمٰعیلی عقاید میں امام حق کے طرف سے جو نفس کی تفتیش ہوتی ہے اس کا نام قیامت ہے ان کا عقیدہ ایسا ہے کہ لوگ جب خدا کے قرب میں پہنچتے ہیں اس وقت قائم ہوتی ہے اور اس وقت شریعت کی تکالیف سب دور ہو جاتی ہیں۔ اس قیامت کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت امامؑ اپنے امامت کے زمانہ میں مخلوق خالق کے ساتھ توسل کراتا ہے اس لئے ان کے اوپر سے امام شریعت کے مراسم اٹھا لیتا۔

آثار محمدی کی روایت کے بموجب حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام نے ان لوگوں کو علم تاویلی سکھائے اور بتایا کہ دنیا قدیم ہے۔ زمانہ جاودانی ہے۔ قیامت صرف روحانی ہے۔ بہشت و دوزخ معنوی

(باطنی) ہیں۔ ہر ایک شخص کی قیامت اس کی موت ہی باطن میں خلقت کو خدا تعالیٰ کی خدمت میں رہنا چاہیئے اور ظاہر میں صوابی زندگی طور پر زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ جس کے لئے تمام شریعت کے اعمال کی پابندی اور بندشیں مخلوق سے اٹھالی جاتی ہیں۔

آلموت میں اسمٰعیلیوں کی عید القیام

حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام نے اپنی سلطنت کے تمام ملکوں کے اسمٰعیلیوں کو جمع کیا اور امامت و سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر مجمع عام کے سامنے فرمایا کہ قائم القیامۃ میرے ذریعہ ہی۔ اس دن کو آلموت کے تمام اسمٰعیلیوں نے بڑا جشن منایا اور یہ دن تاریخ میں عید القیام کے طور پر مشہور ہوا ہی۔

حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کی ملکی کارروائیوں کے بیان سے ان کی نسبی حقیقت بیان کرنی لازمی ہی۔ آگے ہم نے بیان کیا تھا کہ حضرت امامؑ کے دشمنوں نے اپنی حکومت کے زعم سے امام کے نسب نامہ کو بالکل غلط مشہور کیا تھا اور اسمٰعیلیوں کو ان کے مذہب سے علٰحدہ کرنیکی بڑی جد و جہد انہوں نے کی مگر اس حالت میں بھی امامت کی تجلی پھیلتی رہی۔ اور ان کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کا معنوی خطبہ

حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام حضرت امام قاہرؑ کے فرزند تھے اور حضرت امامؑ نے خود اس بارے میں ۵۵۹ھ ہجری میں ۱۷ رمضان کو خطبہ میں نہایت مفصل طور پر ذکر کیا اس روز دربار کوہستان لابسر۔ آلموت اصفہان کاشان۔ برجند اور دوسرے اطراف کے شہروں کے تمام باشندے آلموت میں جمع ہوئے اور حضرت امامؑ نے ایک عظیم الشان دربار رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے پورے انتظام و اہتمام سے تیاریاں شروع ہوئیں۔ آخر جب مقرر دن آپہنچا اس روز قبلہ کے جانب چار رنگوں کے علم لہرائے گئے جب حضرت امامؑ جلوہ افروز ہو کر مجمع عام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تمہارا امام حق ہوں اور ہمارے مریدین ہمارے اقوال پر ضرور ایمان لائیں گے۔ ہمارا حسب و نسب اس طرح ہی حسن بن قاہر بن مہتدی

بن ہادی بن نزار بن مستنصر باللہ - قیامت ہماری ذات سے قائم ہو گی - اور ہمارے نسل میں یہ بالکل اظہر من الشمس ہے اس کے مخالفین گمراہ ہیں -

بعد ازاں حضرت امامؑ نے قیامت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا - آج کے دن میں تم کو تمام شریعت کے تکلیفوں سے نجات دیتا ہوں آج تمہارے لئے رحمت کے ابواب کشادہ ہیں میں نے تم سب کو اس دنیا میں شریعت اور قیامت کے اسرار سے مطلع کیا اب اس کے بعد تم میں سے جو ہم کو نہ پہچانتا ہو ان کو بالکل صاف الفاظ میں مطلع کرتا ہوں کہ ہم زمانہ کے امام ہیں - زمانہ ہماری متابعت کے لئے بالکل تیار ہے ایسے وقت میں تمہیں خیال کرنے کی کوئی جگہ نہیں یہ لڑائی کا موقع ہے اس میں اختلاف جائز نہیں اگر اختلاف ہی میں مشغول رہو گے تو قتل ہو جاؤ گے - شریعت وہ قواعد ہے اور لڑائی وہ اعمال ہیں - اعمال ہی کے وسیلہ سے تمہیں قیامت کے خوف سے نجات ملے گی - اللہ تعالیٰ کی قربت اعمال ہی سے ہو گی اور خدا سے پوری قربت حاصل کرنے کا نام قیامت ہے -

حضرت امام (علیہ السلام) کا قائم القیامۃ کی نسبت اظہار کلی

اس تقریر کے بعد حضرت امامؑ تخت سے نیچے آئے اور تمام حاضرین کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ آج یوم عید ہے - اس لئے روزہ افطار کر دو اور خوشی مناؤ - چنانچہ اس مبارک دن کو اسمٰعیلیوں نے نہایت دھوم دھام اور خوشی و مسرت سے گذارا - اس دن کو عید القیام کے نام سے نامزد کر کے ہر سال اس مقررہ روز میں خوشیاں مناتے رہے -

دبستان المذاہب میں لکھا ہے کہ مندرجہ بالا بیان کے بعد حضرت امام حسنؑ علی ذکرہ السلام مسند خلافت پر جب رونق افروز ہو گئے تو سلطنت کے امراء رؤساء اور افسروں کو بلدۃ الاقبال میں جمع کر کے فرمایا کہ میں ..... امام زمان ہوں اور امر و نہی صرف شریعت کے رسم و رواج ہیں - اور ان کی تکالیف کو میں اہل دنیا سے بالکل اٹھا لیتا ہوں چونکہ یہ زمانہ قیامت کا ہے -

اکثر مؤرخین کی یہ رائے ہے کہ مذکورہ عید القیام کے دن امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ عبدالرحمن ابن ملجم کے ہاتھ سے مجروح ہوئے تھے یہاں دنیا سے نجات اور عقبیٰ سے واصل ہوئے تھے جو روح

کامیابی کے ساتھ فائز المرام ہوتی ہے اس کے لئے یہ لذت الوصال ہے اور اسی باعث اس یوم کو عید القیام کے نام سے موسوم کر کے اپنے جد امجد کی شان کو حضرت امامؑ نے روشن کیا۔

جامع التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام نے سن بلوغت میں پہنچتے ہی اسمٰعیلی عقاید کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عقلی اور نقلی علوم کی معرفت حاصل کی۔ اور ان تمام علوم کے انتہا تک پہنچنے کے بعد ظاہر کیا کہ میں امام زمان ہوں اور ہمارا نسب حضرت امام مستنصر باللہؑ سے ملتا ہے۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ ایک مشہور شاعر نے مولانا یوسف شاہ کاتب سے سنا تھا کہ میں جب الموت میں گیا تھا اس وقت وہاں اس طور سے ایک شعر لکھا ہوا میں نے دیکھا تھا۔

برداشت گل شرع بہ تائید ایزدی   مخدوم روزگار علیٰ ذکرہ السلام

یعنی خدا کے تائید سے شریعت کے بار کو زمانہ کے مخدوم زمانہ کے مالک علیٰ ذکرہ السلام نے بالکل نابود کر دیا۔ حضرت امام علیٰ ذکرہ السلام کے اس خطبہ کو سننے کے بعد تمام اسمٰعیلی پیرووں کو خبر دی گئی جس میں کوہستان کے حسن بن صباح کے نائب رئیس مظفر کے ہم نام کو بھی یہ اطلاع دی گئی اور ان کو بھیجے ہوئے اظہار نامہ میں حضرت امامؑ کے طرف سے بتایا گیا کہ میں قسمیہ اظہار کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں اس سرزمین پر خدا کا خلیفہ ہوں اور کوہستان کا رئیس ہمارا خلیفہ ہے اس شہر کی رعایا کو ہمارا حکم بجالانا فرض ہے اور رئیس مظفر کے اقوال کو ہمارے اقوال سمجھنا چاہیئے اس خط کے مضمون کو سمجھانے کے لئے مومن آباد کے قلعہ میں ایک منبر کھڑا کیا گیا اس پر رئیس مظفر نے بیٹھ کر حضرت امامؑ کے لکھے ہوئے خط کو پڑھ کر سنایا اور ان شہروں کے اسمٰعیلیوں نے عید القیام منائی اور دوسرے اسمٰعیلی امرا نے بھی حضرت امامؑ کے خط کے مضمون کو سنکر اس پر عمل کیا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے خلاف سازش اور امامؑ کی وفات

حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام نے جب اپنے کو قائم القیامۃ ظاہر کر کے شریعت کے تمام مراسم و رواج کو بند کیا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے نہایت خلوص سے اپنے دل کو وصل کرنے کی نصیحت کی تو کئی ضعیف الاعتقاد مریدین جھنجھلا گئے کیونکہ اکثر اوقات مسائل دینی میں جو ریاکار شخصوں سے صلاح

لی جاتی تھی وہ بالکل بند ہوگئی اور اس سبب سے یہ لوگ برہم ہوکر حضرت امامؑ کے قتل کی تیاری کرنے لگے مگر ایک بادشاہ تک رسائی ہونا کچھ آسان امر نہ تھا اس لئے انھوں نے حضرت امامؑ کے ہم زلف حسن ابن ناموَر کو اپنی سازش میں پھنسا لیا اور اس سے کہا کہ تمھارا بھانجا محمد شاہی سلطنت پر متمکن ہوگا اس وقت تمھارا درجہ کچھ بادشاہ سے کم نہ ہوگا اس طرح ممکن ہو حضرتِ امامؑ کا جلد کام تمام کرنا چاہیئے تاکہ مرتبہ اعلیٰ پر تم جلد پہنچ جاؤ - حسن ان کے جال میں بالکل پھنس گیا اور چونکہ اسے شاہی محل میں داخل ہونا نہایت آسان تھا - اس لئے یہ موقع کا منتظر تھا کہ کسی طور سے اپنے سگے بہنوئی حضرت امامؑ کو قتل کردے - ۵۶۱ھ ۶ ربیع الاول کو لامبیر کے قلعہ میں حضرت امام حسن علیٰ ذکریا سلام پر حسن نے خنجر سے حملہ کیا جس کے کاری زخم سے حضرت امامؑ کی وفات ہوئی -

حضرت امام حسن علیٰ ذکریا سلام نے بویا خاندان میں سے ایک نامور نامی رئیس کی لڑکی سے شادی کی تھی ان کے بطن سے شاہزادہ محمد پیدا ہوئے تھے اور جو لامبیر کے قلعہ میں دنیا کے ایام بسر کر رہے تھے - حضرت امام حسن علیٰ ذکریا سلام کی وفات کے بعد ان کے مذکور فرزند حضرت امام علیٰ محمدؑ آلموت کے تخت پر جلوہ فروز ہوئے اور سلطنت کے تمام کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لیا - حضرت امام محتدیؑ - حضرت امام قاہرؑ اور حضرت امام حسنؑ یہ تینوں اماموں کو کئی مورخوں نے مجموعی طور پر علیٰ ذکرہ السلام کے لقب سے خطاب کئے ہیں -

آلموت میں امامت

حضرت امام نزار علیہ السلام مصر

آلموت کے اسمٰعیلی حکام

حسن بن صباح کیا بزرگ امید محمد بن کیا بزرگ امید

(آلموت میں اسمٰعیلی سلطنت قائم ہونے کے بعد مندرجہ بالا تین حاکم ہوئے۔

نوٹ :- جلیل القدر حسن بن صباح اور ان کے نائب کیا بزرگ امید اور ان کے فرزند محمد بن کیا بزرگ حاکم ہوئے ہیں۔

ہادی

مہتدی

قاہر

حسن

علی محمد

خوندجلال الدین حسن

علاء الدین محمد

رکن الدین

شمس الدین

(آلموت کے انہدام سے آذربائیجان ضلع میں اماموں نے اپنا مسکن بنایا۔

شمس تبریز

(مولانا جامی نے نفحۃ الانس میں ان کا اسمٰعیلی سلسلہ میں ہونا بیان کیا ہے)

حضرت امام ہادیؑ اور حضرت امام مہتدیؑ نے امامت کا کام انجام دیا اور حضرت امام قاہرؑ اور ان کے فرزند حسن علیٰ ذکرہ السلام نے دونوں مسندوں پر فائز المرام ہو کر پورے اقتدار کے ساتھ کاروبار کو سنبھالا بعد ازاں حضرت امام رکن الدینؑ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

حضرت امام علی محمدؑ (علیہ السلام)

سن امامت از ۵۶۱ ہجری تا ۶۰۷ ہجری

حضرت امام علی محمدؑ نے ۵۶۱ ہجری میں امامت کے تخت پر تجلی کی اور الموت کی سلطنت کو اپنے اختیار میں لیا۔ حضرت امامؑ کو مختصر طور پر محمدؑ کہتے تھے لقب کے ساتھ ان کا پورا نام حضرت امام علی محمد ابن حسن علیٰ ذکرہ السلامؑ ہے سلطنت کے دفتر میں اسی طرح آپ کا نام ثبت ہوا کرتا تھا۔

مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی نے اپنی تصنیف کردہ "حسن بن صباح" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امام علی محمدؑ نے تخت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلے اپنے والد ماجد کے قاتلوں کو سزا دینے کا کام ہاتھ میں لیا اس کی تفتیش کے لئے حضرت امامؑ نے ایک بار پھر اپنے ماموں کو قتل کا ملزم قرار دے کر تمام شاہی عمائدین و رؤسا کے سامنے کھڑا کر کے باضابطہ کارروائی عمل میں لائی اور جب گناہ ثابت ہو گیا تو اپنے ماموں اور ان کے ہمراہیوں کو پھانسی کی سزا دے دی۔

حضرت امام (علیہ السلام) کا تبحر علمی

مولوی عبدالحلیم شرر کی روایت کے بموجب حضرت امامؑ نے بہت سے علوم و فنون کی تحصیل کر کے تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے تھے اور اپنے والد ماجد حضرت علیٰ ذکرہ السلامؑ سے بھی زیادہ آپ نے علوم و فنون میں ترقی حاصل کی فلسفہ کے بے نظیر عالم تھے علم روحانی۔ علم معقول، علم منقول و علم اصول و فروع اور دوسرے تمام انواع کے علوم میں آپ نے زبردست مہارت حاصل کی تھی۔

امامت کے ذریعہ مذہبی امور میں آپ کا تبحر علمی حد درجہ شہرہ ہو تھا۔ آلموت میں سلطنت کے قیام سے لے کر آپ کے بزرگ والد ماجد کے زمانہ سے بھی حضرت امام علی محمدؑ کے زمانہ سلطنت میں علم کا چرچا زیادہ تھا اور خاص کر اسمٰعیلیوں میں فلسفہ کی اشاعت بہت زیادہ تھی بحث و مباحثہ بھی نہایت زوروں میں آپس میں ہوتے تھے۔ وان ہیمر نے بھی حضرت امامؑ کے علم کے نسبت بیان کیا ہے کہ فلسفہ کا نہایت عمیق مطالعہ آپ نے کیا تھا اور اسی طرح دوسرے انواع علوم میں بھی آپ لاثانی تھے آپ کے کئی فلسفیانہ مضامین اور مذہبی مقالے دستیاب ہوئے ہیں حضرت امام علی محمدؑ علم ہندسہ اور علم رومانیہ کے زبردست ماہر تھے اور اس زمانہ کے لائق بہت سے علوم و فنون کی تصنیفات کا ایک کتب خانہ بھی آلموت کے قلعہ میں قائم کیا تھا اور اپنے والد ماجد سے بھی زیادہ جوش سے عوام الناس میں اسمٰعیلی دین کو اشاعت کرتے تھے۔ الغرض فلسفہ اور شاعری کا عروج اپنے درجہ کمال کو پہنچا تھا اس زمانہ میں حضرت امامؑ علم و ادب کے مطلع میں ایک درخشاں آفتاب تھے۔

علامہ فخر الدین رازی

علامہ فخر الدین رازی اہل السنن کے زبردست عالم و فاضل تھے۔ حضرت امام علی محمدؑ کے زمانہ میں آذربائجان کے راستہ سے اپنے وطن رَے (طہران) گئے وہاں انھوں نے اسمٰعیلیوں کی شہرت بیان کی۔ اور اسمٰعیلی مذہب کی تعریف و توصیف کی۔ علامہ فخر الدین اگرچہ خود اسمٰعیلی نہ تھے تاہم اسمٰعیلیوں کے عقائد اور بحث و مباحثہ کی نہایت تعریف کرتے تھے۔ آپ کی اس کارروائی سے عوام الناس میں بڑی سخت غلط فہمی پھیل گئی اور لوگوں نے اپنے زعم میں یہی خیال کیا کہ اندرونی طور سے علامہ نے اس مذہب کو اختیار کر لیا ہے اور اسمٰعیلی داعی کی حیثیت سے سیاسی طور پر دعوت کا کام کر رہے ہیں جب اس بات کی افواہ خوب زور سے عوام الناس میں پھیلی۔ اور اس بات کی صدا ان کے کان تک پہنچی تو چونکہ اس زمانہ میں جماعت اہل السنن میں وہ ایک عظیم امتیاز رکھتے تھے اس افواہ کو روکنے کے لئے ایک مرتبہ بر سر منبر کھڑے ہو کر انھوں نے اسمٰعیلیوں کی مذمت بیان کی تاکہ ان کی شہرت پر برا اثر نہ پڑے۔ مگر اس تہمت کو دور کرنے کیلئے انھوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ کم ظرفی سے خالی نہ تھا۔

اور سچ پوچھو تو اسمٰعیلیوں کیلئے نہایت تکلیف دہ اور مضرت رساں تھا۔

علامہ فخر الدین اب اسمٰعیلیوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے جس سے اسمٰعیلیوں کے دلوں کو سخت تکلیف پہنچی اور معاملہ بہت بڑھ گیا جس کی وجہ سے علامہ فخر الدین رازی کو اسمٰعیلی مذہب کی مخالفت سے باز رکھنے کے لئے باضابطہ کارروائی کی گئی اور ایک بہادر اسمٰعیلی ان کے تعاقب میں کرنے کے علاوہ ایک بہادر اسمٰعیلی طالب علم کے طور پر ان کی خدمت میں رہنے لگا ایک مرتبہ علامہ رازی اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھے تھے اس وقت موقع دیکھ کر وہ بہادر کمرہ میں گھس گیا اور علامہ کو اسمٰعیلی مذہب کی مذمت کرنے سے باز رہنے کے لئے سخت تاکید کی اور دھمکی دی کہ اگر وہ اب اپنی وضع نہ بدلیں گے تو خنجر سے ان کا کام تمام کیا جائے گا یہ دیکھتے ہی علامہ کانپ اٹھے اور انھوں نے قرار کیا کہ اب کسی وقت اسمٰعیلی مذہب کے خلاف ایک لفظ بھی نہ نکالوں گا۔ بعد ازاں علامہ نے جو وعدہ کیا تھا اس کے بموجب اپنی تمام زندگی میں کبھی اسمٰعیلی مذہب کی شان کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکالا۔ حضرت امامؑ نے ان کے اس طرز عمل کو دیکھ کر ایک بڑی رقم سالانہ مقرر کر کے قدرشناسی کی اس عبرت انگیز واقعہ کی نسبت وان ہیمر لکھتا ہے کہ اگرچہ میرخواند۔ دولت شاہ اور غفاری نیز کئی ایک اور ایرانی مورخین نے زمانہ کے اقتضاء کے مطابق چند اں فرق کرتے ہوئے اس واقعہ کو لکھا ہے تاہم آلموت کے حکام اپنے دشمنوں کو قتل کرنا مفید نہ خیال کرتے تھے بلکہ موت کا خوف یا انعامات اکرامات سے انہیں تابع کرنا بہتر سمجھتے تھے اور اس زمانہ کی اسمٰعیلی مذہبی عدالت کا دیوان اپنے دشمنوں کو فنا کرنے کے بجائے انہیں اپنا دوست بنانا نہایت پسند کرتے تھے۔

حضرت امام علی محمد (علیہ السلام) کی قابل تعریف حکمرانی

آثار محمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام علی محمدؑ کے زمانہ میں عام مسلمانوں کے ساتھ اسمٰعیلیوں سے تعلق نہایت عمدہ تھا اسی سبب سے اکثر مذاہب کا اسمٰعیلیوں کے مذہب کے ساتھ جو تعصبانہ سلوک تھا وہ مفقود ہو گیا تھا اور اس کے باوجود اگر کوئی شخص اسمٰعیلی عقائد کے خلاف کچھ کہنے کی ہمت بھی کرتا تو بہت جلد اسے توبہ کرنا پڑتا۔

حضرت امام علی محمدؑ کی طرف پانچ سال تک متواتر رئیس مظفر کی وساطت سے علامہ فخرالدین رازی اپنا سالانہ وظیفہ لیتے رہے اور بعدازاں غوری بادشاہ غیاث الدین اور شہاب الدین کے پاس خوارزم چلے گئے۔ پھر سلطان محمد خوارزم شاہ کے دربار میں اپنی زندگی گذار دی۔ اسی دربار میں مولانا جلال الدین رومی کے والد شیخ بہاء الدین بھی ایک جلیل القدر شخص تھے یہاں علامہ رازی اور شیخ بہاء الدین کے درمیان کچھ نااتفاقی ہوئی۔ شیخ بہاء الدین نے خوارزم شاہ کی دربار کو ترک کرکے اپنے وطن مالوف کو تبادر روم، میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانہ میں صوفی باصفا شاعر مولانا معروف رومی حالت طفولیت میں تھے۔

سلطان صلاح الدین اور اسمٰعیلے

مولوی عبدالحلیم شرر کی تحریر کے مطابق اس زمانہ میں سمٰعیلیوں کی طاقت ایران میں روز افزوں ترقی پر تھی۔ مگر شام کے ضلع میں سلطان صلاح الدین کی فتوحات کے باعث مصر میں اسمٰعیلیوں کی طاقت کو بہت کچھ نقصان پہنچا تھا اور جیسا کہ ہم نے آگے لکھا ہوا اس طرح اسمٰعیلیوں کے ایک وقت کا پایہ تخت مصر کو تابع کرنے والا بھی یہی سلطان صلاح الدین ہو جس نے مصر پر اپنا اقتدار جمایا تھا اسی درمیان میں آخوت میں بادشاہ فاطمیوں کی مخصوص شاخ اسمٰعیلی نزاریہ فرقہ ہوگیا تھا۔ جس کے سبب سے مصر کی طاقت ابتر ہوگئی تھی۔ اسی اثناء میں ایک ہی اسمٰعیلی مذہب کے مریدوں کی دو شاخوں میں پھوٹ پڑنے کا زمانہ تھا محض اسی سبب سے اسے ایک تیسرے شخص نے دس میں دست اندازی کرکے اپنی طاقت میں اضافہ کرلیا تھا۔ اس تفرقہ کے باعث سلطان صلاح الدین نے شام کا کچھ حصہ بھی اپنے قبضہ میں کرکے اطراف و جوانب کے چھوٹے چھوٹے اسلامی ملکوں پر بھی اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا۔

باایں ہمہ کہ سلطان صلاح الدین کی زندگی کا بہت بڑا حصہ یورپ کے پرجوش صلیبی مجاہدین کے حملوں کی مدافعت میں صرف ہوا تھا تاہم اسمٰعیلیوں کے ہمراہ اس کے سلوک کی کیفیت یہاں بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔

مورخ خوان ہمیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہو کہ نصاریٰ جنگی مذہب عیسوی کے حامی ہونیکا

دعویٰ کرتے تھے اور مسلمانوں سے اپنے مقامِ مقدسہ واپس لینے کے لئے بے حد جد وجہد کر رہے تھے تاہم شام میں پہنچنے کے قبل انھوں نے یونانی، نصاریٰ قوم سے خود کے منافقانہ روش کو اپنے ہی کارگذاریوں سے صاف دکھائی دیئے تھے۔ یعنی مشرقی شہروں کے تمام نصاریٰ قوم کے ساتھ بھی انھوں نے عناد پر کمر باندھی تھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ نصاریٰ جنگجو لوگ کے دشمن صرف اہل سلام ہی تھے ان نصاریٰ جنگیوں کے زمانہ میں ابو الحشر بن سلیمان محمد رشید الدین سنان ایک بہادر اسمٰعیلی نے خود اپنے ہی طاقت وقوت سے روئے زمین پر ایک عظیم تہلکہ مچادیا تھا جس کے باعث اس جگہ پر ان کی سوانحعمری لکھنے کے قبل شام کے اگلے تاریخی واقعات پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

شام میں قلعۂ نیاس کی فتح

حسن بن صباح نے نصاریٰ جنگیوں کے زمانہ میں کس طرح الموت میں سلطنت قائم کی تھی اور حلب کے بادشاہ رضوان اور جناح الدولہ کے موت کے واقعہ کا بیان حضرت امام ہادیؑ کی سوانح عمری میں آگیا ہے اس سے بخوبی معلوم ہوگا کہ ملک شام میں نزاریہ اسمٰعیلی قوم کی اشاعت کرنے والے حسن بن صباح کے ایک داعی تھے جن کے لئے رضوان نے ایک خانہ دار العلوم تعمیر کرایا تھا۔ اس داعی کی وفات کے بعد ان کے نائب السلطنت ابو طاہر اور اسی زمانہ میں اسمٰعیلیوں کو ایک زبردست انقلاب سے گذرنا پڑا اور یہ خیال کیا گیا کہ کسی دوسرے کی پناہ میں بننے سے بہتر یہ ہے کہ اپنی محافظت کے لئے کوئی دوسری جگہ حاصل کی جائے چنانچہ وہ اس کوشش میں مصروف ہوگئے۔ اور ۵۲۰ھ ہجری میں نیاس کا قلعہ انھوں نے فتح کیا۔ اس زمانہ میں ان کا سردار کبیر بہرام نامی ایک شخص تھا نیاس شام کی حدود میں آیا ہوا تھا۔ اور رزاق نامی پہاڑی جو شہر کی کنجی یعنی (مفتاح) کے طور پر یہ جانے تھی اس زمانہ میں اس شہر کی بستی میں اکثر اسمٰعیلی تھے۔ جو حضرت امام اسمٰعیلؑ کی امامت میں اختلاف کرکے حضرت امام اسمٰعیلؑ اور ان کے فرزند محمد بن اسمٰعیلؑ اور ان کے امامت کے مستحق اولاد کو حق کے امام کے طور پر مانتے تھے یہاں ہر طرف نصیریوں کی آبادی اس شہر میں بہا سال قبل سے تھی۔ اور ان کی شہرت کا ڈنکا اس زمانہ میں بھی بجتا تھا۔ تاہم لوگوں کا میلان مذہب اسمٰعیلی کے طرف ہی تھا۔

مسیات پر قبضہ اور اسمٰعیلی داعیوں کی کارگزاریاں

صرف نبی آس پر ہی اسمٰعیلیوں نے قناعت نہ کی۔ بلکہ بہرام نے آس پاس کے قلعوں کو بھی فتح کر لیا ہے ۵۲۶ء-۵۲۷ھ ھجری میں قدموس اور کہف کو خریدا اور آٹھ سال کے بعد اسمٰعیلیوں کے قبضہ میں مسیات جیسا عظیم الشان قلعہ بھی آگیا۔ پھر آہستہ آہستہ دوسرے بہت سے قلعے ان کے قبضے میں آئے اور اس طرح ۵۵۰ھ تک اسمٰعیلیوں کا اقتدار کامل طور پر شام پر چھا گیا۔ تقریباً تیس سال کے عرصۂ دراز تک نزاری اسمٰعیلی جو مختلف شہروں میں منتشر تھے۔ وہ بایں ہمہ کہ متعدد سرداروں کے ماتحت رہا کرتے تھے مگر آلموت کے امام کے ساتھ بیعت کر کے ان کو ہی اپنا امام حق سمجھتے تھے۔ ان کی طاقت زماق کے پہاڑی شہروں میں خصوصاً ہوتے ہی ویسا ہی انھوں نے ابو محمد نامی کہف کے باشندہ ایک سردار (داعی) کے ماتحت رہنا شروع کیا۔ جن کو آلموت میں جلوہ فگن حضرت امام مهتدیؑ نے شام کے حجۃ اور کئی متویوں کی امداد سے شام کی حکومت چلانے کے لئے ایک گورنر کا تقرر بھی کیا گیا اس زمانہ میں ابو محمد نہایت سن رسیدہ تھے۔ چونکہ ۵۱۰ھ ہجری میں وہ اس شہر میں صرف ایک اسمٰعیلی داعی کے حیثیت سے آئے تھے۔ اور حلب کے اسمٰعیلیوں کی سرداری اختیار کئے بعد اس کی خدمت کی معاونت میں انہوں نے آہستہ آہستہ ایک ہی صرف آلموت کے امام کے ظل عاطفت میں تمام قلعوں کو اپنی حکومت کے ماتحت لے آئے تھے۔ جنھوں نے شام میں ان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کیا۔

شیخ عراقی کون تھے؟

ایک دن ابو محمد نے سُنا کہ ایک اجنبی شخص کہف کے قریب بستریون نامی گاؤں میں رہتا ہے اور اپنے آپ کو عربی عراقی کہتا ہے مگر اس کے بارے میں کوئی مشکوک نہیں۔ کیوں کہ وہ ان کا ہم دین ہے اور ہر ایک کے دل میں اس کی قدر و منزلت جمی ہوئی تھی وہ شخص میلے دن کے دبیز موٹے سادے کپڑے بغیر کسی آرائش کے زیب تن کئے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے جوتے پہنتا تھا گاؤں میں بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھاتا تھا اور کوئی گاؤں کا باشندہ

بیمار ہو جائے تو وہ بیمار کو دوا دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس درویش کی شہرت تمام ممالک میں پھیل گئی اور اطراف کے شہر کے لوگ صلاح و مشورہ کے لئے اس کے پاس آنے لگے وہ لوگوں میں "ولی" کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا اور عوام الناس اسے حکیم کے لقب سے پہچانتے تھے اس کے تمام کام تعجب خیز تھے عبادات کے وقت وقتاً فوقتاً وہ گھنٹوں مراقبے کئے بیٹھا رہتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی غیبی قوت کے ساتھ وہ گفتگو کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کے ہونٹ برابر ہلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایسا غیر معمولی شخص کہف کے مالک کو اگر چونکا دے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی ابو محمد نے اُسے اپنے قلعہ میں طلب کیا اور اس کے گذر اوقات کیلئے اپنے قریب ایک جگہ دے دی جس کو اس شخص نے قبول کر کے سات سال خاموشی کے ساتھ کہف میں بسر کئے اسی اثنا میں اس نے اپنے اوصاف میں مزید ترقی کی جس سے اسمٰعیلیوں میں اس کی شہرت عام ہو گئی تھی اور عوام الناس چونکہ اس کے نام سے واقف نہ تھے اس لئے لوگ سے شیخ عراقی کہتے تھے۔

سنان کی ابتدائی کارروائی

اس اثناء میں ابو محمد اپنی زندگی کے اختتام کو پہنچ رہا تھا ۵۶۴ھ ہجری میں اس کی عمر ۸۰ سے ۹۰ سال کی ہو چکی تھی اور اسی سال وہ سخت بیمار ہوا ایک روز وہ اجنبی شخص سب کے کمرہ میں داخل ...... ہوا اور زیادہ گفتگو کئے بغیر اس نے ابو محمد کو اطلاع دی کہ اب تمہارا وقت قریب آ گیا ہے تمہاری وفات کے قبل تمہارے منصب کو حضرت امام زمان حسن علی ذکرہ السلام نے مجھے سونپا ہے اس کی سند تم دیکھ لو تو بہتر ہو گا۔ اس کو سنتے ہی ابو محمد نہایت ہراساں ہو گیا کہ غیر معمولی شخص کا سا سلوک جس کے ساتھ روا رکھا گیا تھا وہ سات سال کے بعد حضرت امامؑ کا منتخب کردہ عہدہ دار تھا! ساتھ ہی ساتھ ابو محمد نے اس عراقی شیخ کا نام بھی معلوم کر لیا جسکو رشید الدین سنان کہتے تھے۔ اس طور سے وہ لوگوں کے سامنے "سنان" کے نام سے مشہور ہوا اور صلاح الدین کا نہایت زبردست حریف ثابت ہوا۔

سلطان صلاح الدین اسمٰعیلیوں سے ہمیشہ عناد رکھتا تھا اسمٰعیلی بھی اسے اپنا زبردست دشمن سمجھتے تھے اور جب شامی اسمٰعیلیوں کی سرحد میں صلاح الدین کے حملے کے ارادہ کی اطلاع ملی تو اسے اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے شہر حلب کے باہر جہاں صلاح الدین نے چھاؤنی ڈالی تھی چار اسمٰعیلی

اس میں داخل ہوئے اور موقع پاتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے۔ سلطان اتفاقیہ طور سے بچ گیا اس واقعہ کے بعد اسمٰعیلیوں سے وہ ایسا خائف ہوا کہ اسمٰعیلیوں کی سرحد سے پیچھے ہٹنا شروع کیا اور سیہات کے اسمٰعیلی قلعہ سے اپنے محاصرہ کو اٹھا لیا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے اسمٰعیلیوں کی طرف اپنا کبھی رُخ نہ کیا اس واقعہ کے بعد اسمٰعیلیوں کے لئے بھی کوئی موقع نہ تھا جس کے سبب سے وہ سلطان پر حملہ کریں۔

سنان کی اہم شخصیت

شام کے اسمٰعیلی سردار سنان کی سوانح عمری فرانسیسی زبان میں "نگران نیشر د یز آسا سین" کے عنوان سے لکھی گئی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص "شیخ سنان" کے مختصر نام سے مشہور ہوا ہے اس کا پورا نام ابوالحسن بن سلیمان بن محمد رشید الدین تھا۔ اس کی پیدائش بصرہ میں ہوئی تھی جرمن عالم وسیفیلڈ لکھتا ہے کہ اکروش سادان نامی گاؤں میں اپنے چھوٹے میں وہ چھوٹا تھا۔ جب سن بلوغ کو پہنچا تو اس نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کے مثل اس سے پہلے وقوع میں آئے تھے اکثر مورخین کا خیال ہے کہ مودود نامی مشہور شخص بھی سنان ہی ہے حلب کا بڑا مورخ کمال الدین بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

مورخ یاقوتی لکھتا ہے کہ سینان کے والد آکروش سادان میں ایک سردار تھے۔ یہ شہر نصیریوں سے آباد تھا جو حضرت علیؑ کو اللہ کی طرح مانتے ہیں سنان کی سکونت قلعہ میں ہی تھی مگر بھائیوں سے نا اتفاقی ہو جانیکی وجہ سے اسے قلعہ ترک کرنا پڑا وہ اسمٰعیلی مذہب کا معتقد تھا۔ تاہم اس کی تعلیم میں جو نصیری اثر پایا جاتا ہے وہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سنان کے زمانہ میں نصیریوں کا ڈنکا ہر طرف زور سے بج رہا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اسمٰعیلیوں کی طاقت چنداں کم دکھائی دیتی تھی مگر ایسے نازک وقت میں اسمٰعیلی مذہب میں شامل ہونے کے ارادہ سے بغیر کسی انتظام و بندوبست کے پیدل قلعہ الموت میں آ پہنچا۔ محمد بن کیا بزرگ ان دنوں نائب السلطنت تھے۔ انہوں نے اپنے فرزندان حسن و حسین کی طرح اس کی بھی پرورش کی۔ محمد بن کیا بزرگ کی وفات پر حضرت امام حسن علی ذکرہ السلام نے سنان کو داعی کبیر کے عہدہ سے ممتاز کر کے شاہی خطوط کے ساتھ شام روانہ کیا۔ اور اسمٰعیلیوں کی امداد سے وہ کہف میں ۵۵۲ھ میں وارد ہوا۔ جہاں اس نے حضرت امامؑ کے ارشاد کے مطابق وہاں

کے اسمٰعیلی حاکم ابو محمد کی وفات تک آرام کیا۔

سنان کا انتظامی اور جاسوسی محکمہ

۵۶۰ھ ہجری میں سنان شام کے غیر مفتوح قلعہ میں رہا اور سات سال تک اپنے زیرکانہ دستورالعمل سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرتا رہا۔ عوام الناس کی نظر میں سنان کی زندگی ایک قابل قدر نمونہ دار تھی۔ یہاں کے شیخ ابو محمدؒ کی وفات کے بعد ان کے بڑے منصب کو خواجہ علی نامی ایک شخص غصب کرنے کے لئے تیار ہوا تھا۔ اور اہل کہف کا اکثر حصہ علانیہ اس کی طرفداری میں ہو گیا تھا۔ اس لئے ایک بہادر اسمٰعیلی کو اس کے پاس بھیجا گیا اور اس نے اس کو قتل کیا۔ اس خبر کی اطلاع آلموت میں ہوتے ہی حضرت امام علی محمدؑ نے ۵۶۴ھ میں سنان کو ابو محمد کے منصب پر قائم ہونے کا اعلان کر دیا اور حضرت امامؑ نے اپنے دست مبارک سے ایک خط لکھ کر شہر کہف میں بھیجی ہوئی بدامنی میں اسمٰعیلیوں کی حفاظت کے لئے سفارش کی۔ سنان نے خود کی محافظت کے لئے ایک عظیم الشان پولیس کا ادارہ قائم کیا اور جب کسی شخص کے مقابلہ کا حال معلوم ہوتا تو وہ چوکنا ہو کر اس کی مدافعت کی تدابیر۔۔۔ عمل میں لاتا۔ اور سازشی یہ دیکھ کر متحیر ہو جاتے۔ سنان نے حلب میں قلعہ کے اندرونی مخفی حصہ میں ایک کبوتر خانہ بنایا تھا جہاں تمام کبوتر سکھائے ہوئے رہتے تھے اور پیغام رسانی کے لئے تیار کئے گئے تھے ان کی خبر گیری کے لئے سنان اپنے ایک باوفا ہمراہی کو لیکر بکریوں کے غار میں جاتا۔ اور پاسبانوں کو دور رکھ کر کے کبوتروں کی دیکھ بھال کر کے الگ الگ شہروں میں اپنے جاسوسوں کے آئے ہوئے مراسلات وہاں اس کو ملجاتے تھے۔ جن کے فوری جوابات بھی اسی طرح بھیجدیئے جاتے تھے اس لئے سنان کے مقابلہ میں سرتابی کرنے کی کسی دشمن کو ہرگز ہمت نہ ہوتی تھی۔ لوگ سنان کا نام سنتے ہی تھرتھراتے کیونکہ یہاں سازش ہوتی اور وہاں فوراً اس کے دور کرنے کا علاج کر دیا جاتا۔

سنان اور آلموت کے امام

سنان خود تناسخ کے عقیدہ کا قائل تھا اور اس کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ تیار شدہ دل کو حضرت امامؑ کی معرفت

ہوتے تھے وہ بالکل (فنافی الوجود) ہو جاتا ہے اس عقیدے کے بموجب پاک شدہ روح دوبارہ زمین پر اتر نیکا موقع نہیں مشغول رہتی ہے گنہگار شخص کی روح بھی بعد از وفات اس دنیا میں موجود ہوتی ہے مگر وہ ایک جانور کی صورت میں دنیا میں گناہ کی مرتکب ہوتی ہے ایک مرتبہ سنان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راستہ سے گذر رہا تھا کہ اتنے میں ایک سانپ اسے نظر آیا۔ عملدار اس سانپ کو مارنے کے لیے دوڑے۔ سنان نے انہیں روکا اور کہا۔ یہ سانپ قہر کے سوا اور کوئی نہیں۔ سانپ کی صورت میں اس کو اپنا عذاب برداشت کرنا جہنم ہے اور اس کو مار کر اس سے نجات دلانا ٹھیک نہیں" اسی شخص نے خواجہ علی کا خون کیا تھا۔

اسپین کے عرب سیاح ابن زبیر نے ۵۶۹ھ میں شام کی سیاحت کی تھی وہ لکھتا ہے کہ لبنان کے لب سرحد پر اسمٰعیلی مذہب کے قلعوں کو میں نے دیکھا تھا۔ وہ سنان کو ولی اللہ ماننے والی ایک قوم تھی یہ لوگ اس کے حکم پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اگر وہ کسی وقت اونچے پہاڑ سے نیچے گرنے کا حکم دیتا تو اسے بجا لانے میں وہ بالکل دریغ نہ کرتے۔

سنان کو ماننے والے اسمٰعیلی سنانی کے نام سے پہچانے جاتے تھے اور آلموت کے پاک امام پر ان کا یقین تھا مگر چند عرصہ کے بعد تھوڑی مدت کے لئے وہ لوگ علٰحدہ ہو گئے تھے۔

سنان کی کارروائیوں کی شہادت اکثر مسلم مورخ بھی دیتے ہیں "غربی" نامی ایک مورخ لکھتا ہے کہ اُس نے اپنے مذہبی پیروؤں کے لیے قلعہ تعمیر کرایا تھا اور اکثر قلعوں کی مرمت بھی کروائی تھی قدموس کے قریب میں واقع شدہ خوابی کے قلعہ کی مرمت بھی اسی نے کرائی تھی

شام میں اسمٰعیلی قلعے

۵۶۴ھ ہجری میں نورالدین زنگی حلب کا مشہور بادشاہ تھا۔ مگر اس کو سنائیوں کی سلطنت اور ان کے اقتدار کی بالکل خبر نہ تھی کیونکہ اس زمانہ میں یہ لوگ اپنے قلعوں میں محفوظ رہ کر امن و سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر نورالدین نے تعصب سے ایک مرتبہ ان ناممکن الوصول قلعہ والے شہر کے سماک پہاڑ میں داخل ہونیکا ارادہ کیا۔

سماک یہ پہاڑی صف کا سپین کے کنارہ سے ہوتے ہوئے لبنان کے اونچے پہاڑوں کے

ساتھ مل جاتی ہے۔ مسیہاۃ کا دنیا میں مشہور قلعہ بھی اسی کے درمیان موجود ہے اور دوسرے اٹھارہ گاؤں کے ساتھ یہ گاؤں حما (ایپیفیما) کے علاقہ تک آیا ہوا ہے اسمٰعیلیوں کے علاقوں میں سمان دس پہاڑ قلعوں کا ایک مخصوص قلعہ اس زمانہ میں قلعہ مسیہاۃ تھا جس کے آبادی کی تعداد جہاد کے ہمعصر مورخین کے اندازہ کے مطابق ۶۰ ہزار آدمیوں سے زیادہ تھی جہاد کی تاریخ کے ایک بڑے مستند نامہ نگار تایر کے ولیم نے اس کو بیان کیا ہے ان دس قلعوں میں سے تین مسیہاہ ۔ قدموس اور کہف کا ذکر آگے ہو چکا ہے ۔ باقی قلعے حکار ۔ حسن الکیاو ۔ صنفتا ۔ علیقہ ۔ حسن القرین ۔ سحقین ۔ زرین ہیں جو شام کے اسمٰعیلیوں کے پہلے مقامات ہیں اور ان مضبوط قلعوں کے ذریعہ سے شمالی شام میں سنانیوں کی بہت زبردست صدا گونجی تھی ۔ سنان جب سے اسمٰعیلیوں کا سردار مقرر ہوا تھا اسی وقت سے نورالدین زنگی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کا ایک زبردست اور نیا حریف پیدا ہوا ہے اور اس کو ھزیمت دینی چاہئے ۔ اس لئے اس نے لشکر کے بعد لشکر اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا ۔ دونوں فریق کے درمیان بہت سی جنگیں ہوئیں مگر آخر نورالدین زنگی کی تمام کوششیں ضائع گئیں ۵۶۲ھ ہجری میں نورالدین زنگی خود اپنے لشکر کے ہمراہ چڑھائی کی ۔

نورالدین کے سرہانے خنجر اور خط

ایک دن علی الصباح بستر سے بادشاہ کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے سرہانے زمین پر ایک خنجر خط کے ساتھ آویزاں تھا اسی خط میں لکھا ہوا تھا کہ آج شام تک تم اپنی چھاؤنی یہاں سے اٹھا کر اپنا راستہ لو ۔ ورنہ یہ خنجر تمہاری جان لینے کے لئے کافی ہے اس واقعہ کو قزوینی نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ نورالدین زنگی یہ خط پڑھ کر اپنی چھاؤنی اٹھا کر کوچ کر گیا ۔

نورالدین زنگی اور اسمٰعیلیوں کے شامی سردار کے درمیان جو تعجب خیز خط و کتابت ہوئی تھی اس کی پوری نقل سلطان صلاح الدین کے وزیر قاضی الفضل نے کر لیا تھا ۔ اور اس کو ابن خلیکان نے اپنی مشہور تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے اس میں نورالدین زنگی کی تخویف و تنبیہ کے جواب میں اسمٰعیلی سردار نے مسخر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تو بطخوں کو پانی کے چشموں سے خائف کرنے کی بات ہے کبوتر گرگس کا مقابلہ کرنے آئے اور کہے کہ تو کیا میرا سر کاٹ لے گا؟ کیا تو ایسا کر کے میرے قلعوں کو زمین دوز

کرے گا۔ بڑی بڑی امیدیں اور ہوائی قلعے باندھنا بے فائدہ ہے۔ بیرونی علاج سے بیماری کی جڑ زائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح مرض جان پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ الغرض اسے سنان پر رعب جمانے کے لئے بہت سی تجاویز کیں مگر نورالدین کچھ فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور آخر فوت ہو گیا اس کے بعد اسکا فرزند ملک صالح اپنے والد کی جگہ پر معتمد عہدہ دار کمشتگین کے زیر نگرانی قائم ہوا اور اپنے قدیم مالک کے فرزند کے لئے حلب پھر فتح کرنیکی تجویز سلطان صلاح الدین کر رہا تھا۔

اسمٰعیلیوں کے خلاف سلطان کی چڑھائی

سلطان صلاح الدین نے ۵۷۱ھ میں اسمٰعیلی ممالک پر چڑھائی کی اور آگ لگاتے ہوئے اور لہو کی ندیاں بہاتے ہوئے مسیاف کے قلعہ تک پہنچکر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس زمانہ میں سنان۔ قدموس علاقہ کے ایک گاؤں میں تھا۔ یہاں سلطان صلاح الدین کے قاصد سے ملاقات ہوئی۔ اور اس کے پاس سے سلطان کے فرمان سے مطلع ہو کر سنان مسیاف کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں کے قلعہ کو محصور دیکھ کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس کے ہمراہ دو اسمٰعیلی اور ایک حضوری تھا۔ ان تینوں میں سے ایک شخص سلطان کے خیمہ میں گھس گیا اور سلطان کو دھمکی دی۔ سلطان کو اس کے ساتھ دور اندیشانہ سلوک بہتر معلوم ہوا مگر صورت سے اس نے ظاہر نہ ہونے دیا جب محاصرہ کو اٹھانے کی گفتگو ہوئی تو سنان نے سلطان کے چچا شہاب الدین سے کہا کہ اپنے بھتیجے سلطان کو اس بارہ میں ھدایت کرے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا۔ کہ اگر سلطان نہ سمجھے گا تو شہاب الدین، سلطان، اور اس کے امراء و روسا، کو اسمٰعیلیوں کے تلوار کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

شہاب الدین نے سلطان صلاح الدین سے تمام کیفیت بیان کی اور اس کے مطابق سلطان صلاح الدین کے سمجھانے سے لشکر کو منتشر کر کے اسمٰعیلی ملک سے نکل کر مصر کے کسی گاؤں میں جا کر تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

سنان کی پوری توجہ صرف وقت بادشاہ کی جہاد پر لگی رہتی تھی اور ضرورت کے مطابق ہر ایک جگہ پر وہ چلے جاتے تھے۔ بہروپ بننے میں وہ بالکل بے نظیر تھے۔ موقع کے انتظار میں کس طرح صبر کرنا چاہئے۔ اسکو خوب

سمجھتے تھے سلطان صلاح الدین کی چھاؤنی میں تھوڑے ہمراہیوں کے ساتھ گھس جانا ان لوگوں کے خیال کے مطابق ایک کھیل تھا ان تمام کارروائیوں کے انجام میں سلطان نے مخفی طور پر سنان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ آئندہ کبھی اسمٰعیلی سلطنت پر سلطان حملہ نہ کرے گا۔ حسن کو سلطان نے منظور کر لیا۔

سنان و صلاح الدین کی دوستی اور مارکوئیس کانریڈ کے قتل کی سازش

ابوالفدا لکھتا ہے کہ مارکوئیس کانریڈ ڈی مونٹفراٹ کے قتل ہو جانے کے بعد بیت المقدس و لندن کے بادشاہ رچرڈ (شیر دل) سے ملاقات کی سلطان نے صلح کے لئے یہ شرط لگائی کہ اسمٰعیلیوں کے شہر کو خود مختار رہنے دیا جائے اور سنان کو معاوضہ نہ لایا جائے نیز ان دونوں حاکموں کے ماتحت ممالک میں اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت میں کسی طرح کی روک ٹوک کی جائے اور اس طرح سنان اور سلطان کے درمیان دوستی اور اتحاد ہو گیا۔

مولوی عبدالحلیم شرر نے لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں سنان نے ایک اسمٰعیلی ایلچی کو بیت المقدس کے بادشاہ ایمری کے پاس بھیجا تھا۔ مگر وہاں ایسی بد انتظامی پھیلی ہوئی تھی کہ اسمٰعیلی ایلچی مذہبی دیوانوں کے ہاتھ سے قتل کر دیا گیا۔ سنان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت برہم ہوا۔ اور شاہ بیت المقدس کو لکھا کہ ایلچی کے قاتلوں کو اس کے حوالے کر دیا جائے نصرانی بادشاہ نے اس مطالبہ کو منظور نہ کیا جس سے شاہ بیت المقدس اور اسمٰعیلیوں کے مابین شکر رنجی پیدا ہو گئی۔ اور اس واقعہ کے بعد نصرانیوں نے اسمٰعیلیوں سے تمام ہمدردی کے موقع گنوا کر اپنے ہاتھ سے اسمٰعیلیوں کو اپنا دشمن بنا لیا۔

بعد ازاں مارکوئیس کانریڈ کے قتل کا واقعہ پیش آیا بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ انگلینڈ رچرڈ شیر دل اور فرانس کے شہنشاہ فلپ بیت المقدس پہنچے تو ایک عورت کے متعلق ان دونوں بادشاہوں میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی چند روز بعد فرانس کا شہنشاہ فلپ اپنے شہر واپس گیا اور اپنی جگہ پر نائب کے عہدہ پر کانریڈ کو مقرر کر گیا۔ کانریڈ شاہ انگلینڈ رچرڈ کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کرتا اور ہر بات پر اسے ملزم ٹھہرا کر شہنشاہ فلپ کی جانبداری کرتا۔ اس کے ان ناشائستہ حرکات پر رچرڈ غضب ناک ہوتا گیا۔ اور چند روز کے بعد طائر کے کھلے بازار میں مارکوئیس کے قتل کا واقعہ ہوا۔

مورخین اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بعضوں کا بیان ہے کہ شاہ رچرڈ کی خفیہ سازش کا نتیجہ ہے۔ کچھ مسلم مورخین کا خیال ہے کہ سنان اور سلطان صلاح الدین کی باہمی کارروائیوں کا انجام ہے اس کے اسباب یہ بیان کئے گئے ہیں کہ مارکوئیس آف انٹ فیراٹ کے اسمٰعیلی ایلچی کے قاتل کو نہ حوالہ کرنے سے سنان ناراض تھا اور سلطان صلاح الدین کے نظروں کے سامنے طائر کے مسلم قیدیوں کو قتل کرنے کا کانریڈ نے حکم نافذ کیا تھا۔ سلطان صلاح الدین یا سنان دونوں اس ظالمانہ اور بیرحمانہ سلوک کو بھولے نہیں اور اس کا معاوضہ دوسرے کسی طرح لینے سے وہ عاجز تھے۔

سنان صلاح الدین کی دوستی اور اسمٰعیلیوں کو دار التبلیغ قائم کرنیکی اجازت

اسمٰعیلیوں کو اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ ایک فرنیچ بادشاہ کی سرداری میں بحری راستہ سے نصاریٰ نے آکا (ایکر) پر چڑھائی کی تھی۔ اس واقعہ سے سنان نے اپنی دانست میں یہ سمجھا کہ اس حملے سے اس کے دوست صلاح الدین کو بہت کچھ تکلیف و مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے اس نے فرنیچ زبان دان دو اسمٰعیلیوں کو فرنیچ لباس پہنا کر عمداً فرنیچ بادشاہ کا کام تمام کرنے کا حکم دیا۔ اور دوسری طرف سنان خود صلاح الدین کی مدد کے لئے جا پہنچا۔ سلطان اپنے دشمن پر حملہ لیجانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں سنان کی معاونت اسے حاصل ہوگئی جس سے دشمن کو ایک ہی حملہ میں فرار اختیار کرنا پڑا۔

بعد ازاں سلطان صلاح الدین نے اسمٰعیلیوں کو کئی علاقوں کے محصول معاف کردیئے اور قاعدہ دمشق ایسا (حمص)، حمات اور حلات میں اسمٰعیلیوں کو دار التبلیغ قائم کرنیکی اجازت دی اور ان کی یادگار اب تک موجود ہے

اسمٰعیلیوں کا جذبہ فداکاری اور کاونٹ شمپین کی حیرت

کانریڈ کے قتل کے دو سال بعد کاؤنٹ شمپین یورپ سے بیت المقدس کی سیاحت کے لئے نکلا راہ میں مسیاف نامی شہر میں داخل ہوکر سنان کا مہمان ہوا اس کو قلعوں کی عمارت برج فصیل اور خندق وغیرہ سب دکھائی گئیں۔ ہر برج کے ہر ایک زینہ پر دو دو سپاہی ایستادہ کئے گئے تھے خاص کر برج پر سب سے

آخر میں کھڑے ہوئے سفید پوشاک سپاہیوں میں سے دو کی طرف سنان نے اشارہ کرتے ہی عمیق غار میں کود کر اپنی جان قربان کر دی یہ دکھا کر سنان نے کہا کہ "کاونٹ ان دو آدمیوں سے کچھ ہمارے وفادار لشکر کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ سارے سفید پوش سپاہی اسی طرح میرے حکم پر اپنی جان فدا کرنے کو بالکل تیار ہیں۔

یہ دیکھ کر عیسائی بادشاہ نے کہا کہ "ایسی جان نثار رعیت کسی صاحب قسمت تاجدار ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) صلاح الدین اور سنان کی وفات !

مانٹ فیراٹ کے وفات کے بعد بھی سلطان صلاح الدین۔ شاہ رچرڈ (رشیرل) اور سنان کی دوستی برابر جاری رہی۔ جنگ صلیبی کا خاتمہ ہونے کے بعد سلطان صلاح الدین و سنان زیادہ دنوں زندہ نہ رہے اور دونوں کی وفات ۵۸۹ ہجری ماہ صفر میں ہوئی۔ اور چھ مہینہ بعد سنان نے بھی اس دار فانی کو ترک کر دیا جو اسمٰعیلی سردار اس کے منصب پر شام آئے تھے وہ نہ اس کے برابر تھے نہ ان کے جیسے صاحب اثر تھے۔

اس لئے وہ سب اسمٰعیلی امام حضرت امام علی محمدؑ کے رہبری و رہدایت کے ماتحت رہتے تھے۔

حضرت امام علی محمدؑ کے زمانہ میں رعایا بڑی خوش و خرم تھی ایک اسمٰعیلی شاعر نے اپنے ایک بیت میں اس زمانہ کی رعایا کے امن و امان کا نقشہ کھینچا ہے وہ لکھتا ہے ؎

غم را کجا وجود بماند ؟ چو ما برین   نام خوشی محمد علے ذکرہ السلام

یعنی جب حضرت امام علی محمد بن علی ذکرہ السلام کا خوش و خرم نام دل میں سکونت پذیر ہے تو پھر غم و الم کو آخر رہنے کی جگہ کہاں سے نصیب ہو۔

مورخ جان مالکم لکھتا ہے کہ حضرت امام علی محمدؑ کا عہد سلطنت آباد تھا اور آپ نے ۴۶ سال کے عرصہ دراز تک حکومت کی تھی ان کے زمانہ میں کثرت سے جنگ اور حملے ہوتے رہے مگر تمام معرکوں میں حضرت امامؑ کو فتح نصیب ہوتی رہی۔

آخر ۶۰۷ھ میں انہیں زہر دیا گیا جس کے اثر سے آپ فوت ہوئے اس کے بعد ان کے فرزند حضرت امام خود جلال الدین حسنؑ مسند تخت آلموت پر سریر آرا ہوئے۔

حضرت مولانا امام خود جلال الدین حسن (علیہ السلام)

سن امامت از ۶۰۷ ہجری تا ۶۱۸ ہجری

حضرت امام حسنؑ کی پیدائش ان کے جد امجد حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کے زمانہ میں آلموت میں ہوئی تھی ان کے جد امجد نے اپنے نام سے اپنے پوتے کا نام حسن رکھا تھا ۶۰۷ ہجری میں آپ امامت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ محترم اسمٰعیلی نزاری سلسلہ کے چھبیسویں امام ہیں۔

حضرت امام حسنؑ کا لقب جلال الدین ہے اور ان کا پورا نام جلال الدین حسنؑ ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی حکمت عملی اور جدید دستور الحکومت

حضرت امام حسن علیٰ ذکرہ السلام نے طوق شریعت کو نکال کر اللہ کی قربت کے واسطے بہت بڑی تقریر کی تھی جس کا مطلب اکثر جاہل عاقل کے سمجھ میں آیا اور انہوں نے ایک شور برپا کر دی اس کے علاوہ کئی اصل بیان نے جو اپنی روحانی تزکیہ کے بدلے خود مختاری ظاہر کر کے دین کے سارے اعمال بالکل ترک کر دیئے تھے ان تمام الجھنوں کے درمیان معاملہ کو سنبھال لینے کے لئے حضرت امامؑ کو حکمت عملی سے کام لینے کی ضرورت پڑی اس لئے آپ نے ظاہری شریعت کے طریقے جاری کئے اور تمام اسمٰعیلی مقامات پر اپنے فرامین روانہ کئے اس طرز عمل نے اطراف کی حکومتوں کو چنداں متعجب کر دیا۔ مگر حضرت امامؑ چونکہ اہل دنیا کے مالک ہیں اس لئے زمانہ کی موافقت کے لحاظ سے بندوبست ان کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اکثر اماموں کے عہد میں ایسی حرکتیں ظہور میں آئی ہیں اور پھر قرار پا گئیں ہیں۔ مگر بیرونی اسباب کو دیکھ کر اکثر لوگ حضرت امامؑ کے مخصوص مقصد کو نہ سمجھ کر من مانی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور حضرت امامؑ خود جلال الدین حسنؑ نے

نسبت بھی دیا ھی ہوا۔

مولوی عبدالحلیم شرر نے لکھا ہے کہ حضرت امام خود جلال الدین حسنؑ عام مسلمانوں سے نہایت مخلصانہ سلوک سے پیش آ کر اسلامی بادشاہوں کے پاس اپنے ایلچیوں کو روانہ کئے اور اپنی سلطنت کے تمام ممالک کے اندر مساجد و مدارس قائم کئے بڑے بڑے علماء اور ادیبوں کو آلموت کے قلعہ میں مدعو کر کے تعلیم دینی شروع کی اور عید القیام موقوف کر کے مذہب کے پہلے دور کو جاری کر دیا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی والدہ ماجدہ اور اہلیہ کا احترام و احتشام

حضرت امام خود جلال الدین حسنؑ کے تخت سلطنت پر آنے کے دوسرے سال ان کی والدہ ماجدہ اور اہلیہ کو حج بیت اللہ کی خواہش ہوئی اور آپ نے انھیں خوب مال و اسباب دے کر روانہ کیا۔ آپ کی والدہ اور بیگم کا جس اسلامی سلطنت سے گزر ہوتا وہاں کی حکومت اور رعایا دونوں ان کی نہایت عزت کرتی اور عوام ان سے نہایت مودبانہ پیش آتے یہ دونوں بیگمات جب حدود بغداد سے گذریں تو ان کی بیحد عزت کی گئی خوارزم شاہ کے عظیم الشان جھنڈے کے قبل بالکل آگے موجہ پر آلموت کا شاہی علم لہراتا تھا۔ حکومت کے تمام حکام اور رعایا کے تمام امراء رؤسا بہت دور تک وداع کے لئے گئے۔

آثار محمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امامؑ کی والدہ ماجدہ کی سب سے زیادہ توقیر بغداد کے عباسی خلیفہ ناصر نے کی تھی۔ اس زمانہ میں سلاطین کے قواعد کے بموجب شاہی علم اور لشکر دونو حضرت امامؑ کی نشانی کے طور پر ان کے ساتھ تھا اور دبدبہ و شوکت کے ساتھ سواری کے آگے آگے رہتا تھا حضرت امام خود جلال الدین حسنؑ کا علم خوارزم شاہ کے نشان سے بھی آگے بلند تر لہراتا تھا اور اسمٰعیلیوں کی عظمت و جلالت کی نشانی اس سے ظاہر ہوتی تھی۔

ولیعہد کی ولادت باسعادت

حضرت امامؑ نے خود کی شادی خیلان کے حاکم کیکاؤس کی بہن سے کی تھی۔ بغدادی خلیفہ نے اس مبارک موقع پر اظہار کیا تھا کہ آلموت کے بادشاہ کی ایک شریف خاندان کی شاہزادی کے ساتھ

شادی ایک عمدہ بات ہے۔

حضرت امامؑ کی اس اہلیہ کے بطن سے جو فرزند پیدا ہوئے ان کا نام علاء الدین رکھا گیا اور جب وہ فرزند سن بلوغت کو پہنچے تو حضرت امامؑ نے اپنے ولیعہد کی حیثیت سے لوگوں میں اعلان کر دیا۔

آلموت کے اطراف میں متعدد اضلاع کے جغرافیائی حدود

اس موقع پر ایک واقعہ کا بیان کرنا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ گیلان کے ایک عالم کا ہمنام کیکاؤس رویان کا بادشاہ گذرا ہے جس نے حضرت امام خود جلال الدین حسنؑ کے زمانۂ سلطنت میں اپنے پڑوسی اسمٰعیلی سلطنت کے ساتھ (۵۰) پچاس سال قبل دوستی کا رابطہ جاری کیا تھا ان سلطنتوں کا خاکہ سمجھنے کے لئے ان شہروں کی جغرافیائی حدود پہلے سمجھ لیں تو بہتر ہوگا۔

بحر کاسپین سے ایران کو محفوظ رکھنے کے لئے عراق عجم کی شمالی میں جہاں کی پہاڑیاں اس کو گھیرے ہوئے تھیں اور ایک زبردست تادہ کے طور پر کھڑی ہیں سے دریا اور پہاڑ کی شمالی جانب میں چند ان نشیب میں تھوڑے فاصلہ پر سیدھی سطح اور تھوڑے فاصلہ پر پہاڑی شہر چار علاقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں جنمیں کے دو ضلع پہاڑ کی قطار اور بحر کے وسط میں واقع ہیں - ان چار میں سے دو دیلم اور طبارستان جنوب میں پہاڑ کے نشیب میں ہیں - جن کے دوسری طرف باقیماندہ دو ضلع گیلان اور مازندران ہیں - ان چاروں علاقہ کے شمال میں بحر کاسپین اور جنوب میں مذکور صف خیال ہی - اور جس کی جنوبی حدود میں اسمٰعیلی سلطنتوں کی حدود آلموت سے لے کے کمیس اور کوہستان تک دراز ہو گئی ہیں بحر کاسپین کے کنارہ پر یہ چار پہاڑی علاقوں کے دوسرے طرف تقریباً وسط میں رویان اور رستم کا علاقہ واقع ہے اور علاقوں کے سلاطین آٹھ سو سال سے وہاں سلطنت کرتے تھے جب کہ گیلان - دیلم - طبارستان اور مازندران میں ایک کے بعد ایک قبیلہ کا عروج و زوال ہوتا رہتا تھا اس زمانہ میں مازندران کے حاکم نہایت قوی شمار کئے جاتے تھے اور کوہستان کا علاقہ ان کے تابع فرمان تھا - جس کو بعد میں اسمٰعیلیوں نے فتح کیا تھا شہرہ آفاق فریدوں کے مادر وطن طبارستان کے سلاطین کی طاقت و قوت کچھ کم شہرت نہ رکھتی تھی -

رویان اور رستم دار کے علاقہ پر ایک سرسری نظر

اس جغرافیائی حدود کے بعد رویان اور رستم دار کے سلاطین کے جانب نظر کرنی چاہیئے۔ مورخین ان کو استاندار کے لقب سے تعارف کراتے ہیں ان الفاظ کے معنے "شیخ الجبال" یعنی پہاڑی شہروں کے حاکم ہوتے ہیں "استان" "جبل" اور "کوہ" ازروئے سلسلہ طبارستانی عربی اور فارسی زبان کے ہم معنی الفاظ ہیں۔

سنہ ہجری کے چھٹی صدی کے ابتدائی وسط میں استاندار کیکاؤس بن ہزار اسپ رویان میں سلطنت کرتا تھا۔ اور کاسپین آلبس کے دوسری طرف اس زمانہ میں محمد بن کیا بزرگ کے آلموت میں حکومت کی تشہیر تھی۔ اس زمانہ کے تقریباً تمام سلاطین اسمعیلیوں کو حسد کی نظر سے دیکھتے ہی تھے اس پر کیکاؤس اور شاہ غازی رستم کے درمیان اتحاد نے تو اور بھی آگ پر تیل ڈالنے کی حالت پیدا کر دی۔ شاہ غازی اسمعیلیوں کا ایک دشمن تھا۔ اور اس کے بغض و عناد نے اور بھی سے آگ بگولہ بنا رکھا تھا۔ سلطان سنجر کے دربار میں یک ہزار گھوڑے سواروں کے ہمراہ اس نے اپنا ایک خاص مصاحب ابو جعفر باوند کو ہلاک کر دیا اور غازی رستم نے اسمعیلیوں پر ظلم و ستم کرنے میں بھی کمی نہ کی ان کا سپہ سالار حیلکو دغابازی سے رات کے وقت اسمعیلیوں کے ملک میں چلا آیا اور اس نے صفر اور دار اسمعیلیوں کو نہایت بیرحمی سے قتل کیا کہ مقتول اسمعیلیوں کے کاسہ سروں سے رودبار میں پانچ منارہ تعمیر کیئے گئے۔

ابتدا میں شاہ غازی نے اپنے سالے اور دیلم کے بادشاہ کیا بزرگ آمید بن ہادی کو اسمعیلیوں کے مقابلے میں روانہ کیا اور اس کی وفات کے بعد رویان کے استاندار کو بھیجا اس طرح آلموت کے کیا بزرگ آمید کے فرزند سا تھ دیلم کے ایک مخصوص کیا بزرگ کا میدان جنگ قائم ہوا جس میں کیکاؤس کے جانبے دیلم کے کیا بزرگ کی وفات ہوئی۔ جس کے باعث اس نے اس علاقہ کو رستم دار اور رویان کے ساتھ ملحق کر دیا اور دیلمیوں سے جو تین ہزار دینار کا خراج طبارستان کا بادشاہ غازی لیتا تھا۔ وہ اس نے معاف کر دیا مگر اس معافی کے لئے یہ شرط قرار پائی کہ کیکاؤس کو اسمعیلیوں کے سامنے جاری لڑائی میں مقابلہ کر کے اسکا نام و نشان بھی مٹا دیا جائے اور شاہ غازی کے ساتھ طے شدہ شرط کے بموجب کیکاؤس نے اسمعیلیوں پر کئی حملے کئے اور اپنے اطراف کے اسمعیلیوں نے ممالک خوب ڈاکے ڈالے۔

الموت کے اسمٰعیلیوں کا ترکی بہ ترکی جواب

بعد ازاں سن نے محمد بن کیا بزرگ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ اس روئے زمین پر تمھارا نام ونشان مٹ جائے اور ننگی تلواریں تمھارے سروں پر اور شہروں پر چمکتی رہیں تم ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو۔ اس لئے جھاڑیوں میں چھپی ہوئی لومڑی کی سی تمھاری حالت ہو گئی ہے اور ہم کسی حفاظت کے بغیر کھلے میدان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تمھارے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ مردانگی سے لڑنے کو کونسی چیز مانع ہے؟"

الموت کے حاکم محمد ابن کیا بزرگ نے ہمیشہ کے دستور کے بموجب اس مجنونانہ لکھے ہوئے خط کا جواب نہایت مختصر مگر برچھی کے دھارسے بھی تیز دیا۔ آپ نے لکھا کہ خط پڑھا سارا مضمون ہتک آمیز ہے اور اس مضمون کا جواب بھی ہتک ہی سے ملے گا۔ اس کا اطمینان رکھو کیکاؤس اپنی اس ناشائستہ حرکت کا بدلہ پانے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ اور اس کی جگہ پر ہزار اسپ بن شہر نوس آیا۔ اس نے اسمٰعیلیوں کے ساتھ جاری لڑائی سے بیزار ہو کر صلح کر لی۔ اور اپنے کئی مضبوط قلعے بھی ان کے حوالے کر دیئے۔

ہزار اسپ کی تخت نشینی اور اسمٰعیلیوں کے ساتھ دوستی

ہزار اسپ نے تخت پر متمکن ہوتے ہی جب اپنے فرزند زرمیوند اور اپنے بھائی شیروان شاہ کو قتل کا حکم دیا تو وہ فرار ہو کر مازندران کے بادشاہ اردشیر کے پاس جا کر شکایت کی کہ ہزار اسپ نے اسمٰعیلیوں سے صلح کر لی ہے۔ بلکہ مذہب میں بھی ان کی پیروی کر رہا ہے اگر اس میں مداخلت نہ کی گئی تو یہ قوم تمام مازندران میں پہنچ کر ہر چہار طرف خود مختار ہو جائے گی۔

اردشیر نے اس بات کو فی الحقیقت سچ سمجھ کر ان امیروں کو اپنے دربار میں رکھا اور ایک مشہور رئیس کو ہزار اسپ کے پاس ملامت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ اس کو سمجھانے میں کامیاب نہ ہوا۔ ہزار اسپ کے امراء و رؤساء بھی اس کی سیاسی حکمت عملی سے بالکل منحرف ہو گئے تھے اور رعین الدولہ سیاہ ارسلان۔ تنطیق وغیرہ سب وہاں سے بھاگ کر اردشیر کے دربار میں پناہ گزیں ہوئے تھے شاہ اردشیر کی مدد سے ان امیروں کے ساتھ ہونے سے وہ لوگ ہزار اسپ پر حملہ آور ہوئے ہزار اسپ پیہم ناکامیوں کی وجہ سے بیزار ہو کر

اسمٰعیلیوں کے تابع فرمان ہو گیا۔

شاہ اردشیر نے سید ابو رضا کو دیلم کا گورنر مقرر کیا اور اسمٰعیلیوں کی معاونت سے اس نے ایک شب کو دیلم پر چڑھائی کی جنگ میں سید ابو رضا مارا گیا۔ اردشیر نے قسم کھائی کہ جب تک ہزار اسپ کے خون سے سید ابو رضا کے خون کا انتقام نہ لے گا۔ تب تک آرام نہ لے گا۔ اور اس نے دیلم پر حملہ بھی کیا۔ ہزار اسپ بھاگ کر دیلج میں چھپ گیا۔ اردشیر نے نوزاد اور رنجو نامی شہروں کو فتح کر کے دیلج کا محاصرہ کیا۔ اور ایک عرصہ دراز تک وہاں پڑا رہا تاہم مشکلات کے باعث محاصرہ اٹھا کر پیچھے ہٹ گیا اور اپنے شہر چلا گیا وہ جاتے جاتے رویان اور رستم دار کے وائسرائے کے طور پر حشر الدین خورشید کو مقرر کیا اس اثنا میں ہزار اسپ آزاد ہوتے ہی پہلے عراق ہو کر ھمدان گیا جہاں اس نے سلجوقی خاندان کے آخری ایرانی بادشاہ طغرل بیگ کی پناہ لی۔

ھزار اسپ کو اردشیر کی نصیحت اور ہزار اسپ کی فراری

ھزار اسپ کو سمجھانے کے لئے اردشیر کے دربار میں طغرل نے اپنا ایک ایلچی روانہ کیا اس کا ایسا جواب دیا گیا کہ ھزار اسپ کو اگر رویان کی سلطنت لینے کی خواہش بھی ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی لامذہبیت سے تائب ہو کر اسمٰعیلیوں کے ساتھ ربط و ضبط توڑ دے اگر وہ اسمٰعیلیوں سے ڈرتا ہو تو سلطان اسے کوئی ایسی جگہ دے گا۔ جہاں اسے کسی کا خوف اور اندیشہ نہ رہے گا۔

مازندران کے بادشاہ اردشیر کی رائے سے سلجوقی سلطان بھی متفق ہو گیا اور اس کے باعث پھر ہزار اسپ رے میں فرار ہو گیا جہاں کے بادشاہ سراج الدین کامل کی دختر کے ساتھ شادی کر کے اس سے معاونت کی کوشش کی۔ مگر اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہوا۔ آخر وہ بیزار ہو کر اردشیر کے پاس حاضر ہوا جس نے اسے دیلج کے قلعہ میں قید کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس قلعہ کا گورنر چونکہ ایک وقت میں ھزار اسپ کا وفادار نوکر تھا اس لئے اپنے مالک کو اس وفادار خادم نے قید کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر اردشیر کے بے اطلاع رویان کے گورنر حشر الدین خورشید نے ہزار اسپ کو قتل کیا اور اسکی وفات کے بعد اس کے فرزند کو رویان کی سلطنت دے اس سے قبل ہی سے قتل کر دیا یہ واقعہ ۵۵۱ھ میں ہوا تھا

حضرت امام جلال الدین کا پرامن زمانہ و تاتاریوں کے دربار میں اسمٰعیلی ایلچی

وان ھیمر لکھتا ہے کہ عراق اور کاسپین آپس کے شہروں کے ان اتفاقات کا بیان مورخوں کے لئے لازم ہوتا ہے مگر یہ تو ہر ایک تسلیم کرے گا کہ حضرت امام جلال الدین حسنؑ کے زمانِ سلطنت میں کوئی ایسا واقعہ وقوع میں نہیں آیا جس سے کسی قسم کا داغ یا دھبہ دکھائی دے۔

سر جان مالکم بھی لکھتا ہے کہ حضرت امامؑ خود اپنے عہدِ سلطنت میں صرف عراق کے گورنر کے ساتھ برسرِ پیکار ہوئے تھے اور اس زمانہ کے آگے الموت کی حکومت کے سامنے حملہ لانے والے کے جیسا ہی عراق کے حاکم کا بھی نتیجہ ہوا تھا۔

اس زمانہ میں تاتاری قزاق چنگیز خان کی حکومت کے ڈنکے بج رہے تھے اور اپنی سلطنت کے حدود کو وہ دن بہ دن بڑھاتا جاتا تھا۔ اسلامی حکومتوں کو بھی وہ اپنے زیرِ تخت لانے کا خیال کر رہا تھا۔ اس زمانہ میں تاتاری حکومت کی طاقت بہت وسیع تھی اور سیاسی حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دربارِ الموت سے بھی ایک اسمٰعیلی ایلچی کو بہ ارادۂ صلح کے لئے ماوراء النہر بھیجا گیا تھا۔

حضرت امام جلال الدین (علیہ السلام) کا سفر اور سلطنت میں آبادی

مولوی عبد الحلیم شرر نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر ایک مرتبہ سیاحت کو (سواق کے حملے کے لئے) نکلے تھے۔ اور آپ کو ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا تھا۔ اس زمانہ میں امرا سلاطین سے ملاقاتیں کی تھیں انھوں نے نہایت شاہانہ استقبال اور خاطر و مدارات کی تھی۔ حضرت امامؑ کی اس بہ اخلاق کریمانہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام اسلامی دنیا نے الموت کے بادشاہ سے اتحاد و دوستی کا سلسلہ جاری رکھنا شروع کیا۔ اور جو غلط فہمیاں اور شکر رنجیاں ان کے ساتھ پیدا ہوتی تھیں وہ سب اتحاد سے مبدل ہوگئیں۔

جامع التواریخ کی روایت کے بموجب حضرت امام حسنؑ کے سریرِ سلطنت پر آنے کے بعد فوراً اپنے تابعین دربارِ سلطنت کے عہدہ داروں کو تمام ناجائز کاموں سے منع فرما دیا۔ ہر شہر میں عبادت گاہیں، حمام، مسافر خانے، کنوئیں وغیرہ تعمیر کئے گئے اور مسافروں کی آمد و رفت کی سہولت کے لئے راستہ میں تمام پکی سڑکوں

کا انتظام کیا گیا۔

آذربائجان کے سلطنت کو اسمٰعیلیوں کی امداد اور شاہی مہمان نوازی

اس زمانہ میں اسمٰعیلی دنیا کے تمام صوبوں میں منتشر ہو گئے تھے آذربائجان ۔ گیلان ۔ مازندران بحر کاسپین کے کنارہ کے شہروں میں خجستان، لارستان، کرمان، کردستان، طہران، پامیر کی وادیاں، تبریز، شیراز، شام، بیت المقدس، بغداد، حلب، خراساں، مصر اور اس کے سوا عربستان کے چند حصے میں۔ افغانستان اور رشیا کے کچھ چند ملکوں اور پہاڑوں میں اور وادیوں کے علاقوں میں سب اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت امام جلال الدین حسن کے ساتھ آذربائجان کے بادشاہ عطا ابک مظفر الدین ازبیگ کی گہری دوستی تھی۔ اور عراق کے بادشاہ ناصر الدین منگلی کے ساتھ رنجش تھی۔ اس لئے آذربائجان کے بادشاہ نے حضرت امامؑ کے لشکر سے آذربائجان میں پہنچتے ہی بادشاہ نے نہایت عمدہ مہمان نوازی کی اور کسی طرح کی ان کی مہمان نوازی میں کمی نہ کی۔ شام کو ایک ہزار دینار حضرت امام کے لشکر کے لنگر کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

سلاطین وقت اسمٰعیلی مذہب میں

اسمٰعیلیوں سے امداد ملنے کے بعد اس نے عباسی خلیفہ کو اپنے ساتھ سلسلۂ اتحاد میں شامل ہونے کے لئے قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی ظاہر کیا کہ عراق کے حاکم کے غرور کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ عباسی خلیفہ نے اس کو منظور کر لیا اور ایک منتخب علمدار کے ماتحت عباسی لشکر کو عطا ابک کی امداد کیلئے روانہ کیا۔ تینوں لشکر جمع ہو کر ۶۱۱ھ ہجری میں آلموت کے سپاہ سالار کی سرداری میں عراق پر چڑھائی کی اور شاہ عراق ناصر الدین منگلی کو سخت ہزیمت دی۔ خود منگلی بھی اس لڑائی میں قتل ہوا۔ حضرت امامؑ یہاں ڈیڑھ سال تک مقیم رہے اور آپ کی ہر جگہ شاہانہ عزت کی جاتی تھی۔ یہاں کے دو بادشاہوں نے مذہب اسمٰعیلی بھی اختیار کیا۔ اس کے بعد حضرت امامؑ آلموت تشریف لا کر رعایا کے درمیان سکونت پذیر ہو گئے۔

سلجوقیوں کی تاریخ پر ایک سرسری نظر

المُوت میں اسمٰعیلی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ سلجوقی بادشاہ کے ہمراہ ان کا رشتہ ناتا ایک یا کئی طور سے متصل تھا۔ داعی کبیر حسن بن صباح اور اس کے بعد کے تاریخی روایتوں میں یہ بیان کیا جا چکا ہے اس جگہ ان کے آخری زمانہ کی تاریخ بیان کرنیکی اس لئے ضرورت ہے کہ ۴۸۵ھ میں ملک شاہ سلجوقی کی وفات ہوتے ہی اس سلطنت کے کئی حصے ہو گئے اور تمام کاروبار سلطنت میں بدانتظامی پھیل گئی مگر ۵۵۲ھ میں سلطان سنجر کی وفات کے بعد بالکل علانیہ جگہ جگہ اور خصوصاً ایران اور روم میں الگ الگ حصوں میں خود مختاری سلطنتیں قائم ہو گئیں سلجوقیوں کے انحطاط کے زمانہ میں خصوصاً ملک روم میں علٰحدہ علٰحدہ سلطنتیں قائم ہو گئیں تھیں انطاکیہ میں شام کے سلجوقی آرمینا کے کبتی دیار بکر کے اوتر کی کیپڈوشیا کے دانشمندیاں دمشق کے عطا بیگ۔ شام اور جزیرہ کے عطا بیگ۔ مصر شام وغیرہ کے صلاح الدین خاندان کے ایوبی۔ عراق۔ عرب کے جلائیری وغیرہ تمام اس میں شامل ہیں ملک شاہ نے جب ایشیائے کوچک کا علاقہ رومینس کے انتقال کے بعد نصاریٰ سے چھین کر سلیمان بن قتلمش بن اسرائیل بن سلجوقی کے حوالہ کیا تھا مگر اس نے بھی یہاں اپنی خود مختار سلطنت قائم کر لی تھی۔ اور اس کا سلسلہ ۶۹۶ھ ہجری تک جاری رہا۔ اسی زمانہ میں کردستان اور عراق میں سلجوقی سلاطین ہوئے۔ ان میں سے چند کا بیان یہاں دیا گیا ہے اس مقام پہلے ملک شاہ کے پوتے مغیث الدین محمد نے ۵۱۱ ہجری میں مستقل سلطنت قائم کی تھی۔ بعد ازاں اس خاندان کے آٹھویں بادشاہ ارسلان . . . ۵۵۶ ہجری میں مازندران کے حاکم پر حملہ آور ہوا اور قزوین کے نزدیک کے کئی اسمٰعیلی قلعوں کو بھی فتح کر لیا۔ ان کے عہد سلطنت کے درمیان خوارزمی بہت قوی ہو گئے تھے۔

اسی طرح کرمان کے سلجوقی اسمٰعیلیوں کے سابقہ میں آئے تھے حکیم ناصر خسرو کے ایک مرتبہ کے مالک چغر بیگ کے فرزند قاوردین نے اس کے چچا طغرل بیگ کو کرمان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ۳۲ سال تک حکومت کرنے کے بعد ملک شاہ نے اسے مقید کر کے زہر دیدیا جس سے وہ مر گیا۔ اس سلطنت کے چھٹے بادشاہ ایران شاہ نے نزاریہ مذہب اختیار کیا اس لئے اس کے امیروں نے اسے قتل کر دیا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے اوصاف حمیدہ اور وفات

سر جان مالکم کی روایت کے بموجب حضرت امام جلال الدین حسنؑ اپنے فیاضانہ اور کریمانہ اخلاق کی بدولت ایران کی تاریخ میں مشہور رہیں اور مورخین کی روایت کے بموجب وہ سب سے اچھے بادشاہ شمار کئے جاتے تھے۔ ۶۱۸ہ ہجری میں حضرت امام جلال الدین حسنؑ کے کئی شاہی عہدہ داروں کی طرف سے میزبانی کی گئی تھی۔ جہاں آپ نے خود تشریف لاکر طعام نوش فرمایا اس ضیافت میں حضرت امامؑ بیمار ہو گئے۔ اور اسی سال کے ماہ رمضان المبارک میں اسہال کی بیماری سے فوت ہوئے۔ آپ کا مزار الموت کے قلعہ میں واقع ہے حضرت امامؑ کی وفات کے وقت حضرت امام علاء الدینؑ صرف نو سال کی عمر میں تخت امامت پر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت آپ کا تمام کاروبار سلطنت وفادار اسمٰعیلیوں نے سنبھالا۔ حضرت امامؑ کی والدہ ماجدہ نے نگرانی کی۔

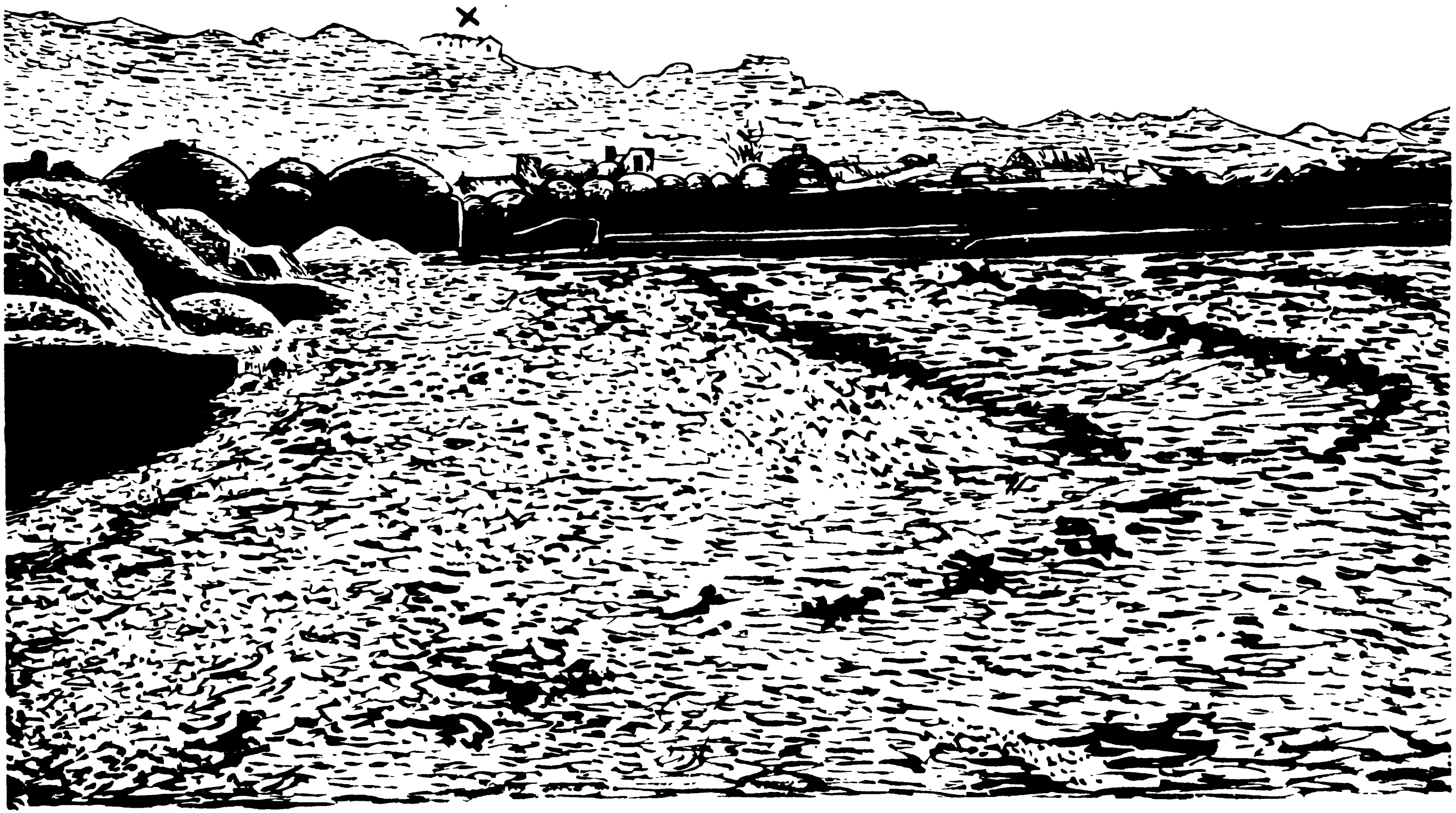
حضرت امام علاء الدین محمدؑ (علیہ السلام)

سن امامت از ۶۱۸ھ تا ۶۵۳ھ

حضرت امام علاء الدین محمدؑ کی پیدائش خیلان کے حاکم کیکاؤس کی ہمشیرہ کے بطن سے ۶۰۸ ہجری میں ہوئی۔ حضرت امام خود جلال الدین حسنؑ کی وفات کے زمانہ میں آپ کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ آپ ۶۱۸ ہجری میں امامت کی مسند پر رونق افروز ہوئے مگر صغر سنی کے باعث سلطنت کے تمام کاروبار آپ کی والدہ ماجدہ کی نظارت میں سلطنت کے عہدہ دار بجا لاتے تھے۔

معتقدین مذہب اسمٰعیلی کی نظروں میں حضرت امامؑ کا عہد طفولیت عنفوان شباب یا زمانہ پیری سب یکساں ہیں اور ان تینوں حالات میں حضرت امامؑ کی فرمانبرداری ان پر واجب و فرض ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق حضرت امام علاء الدینؑ دس سال کے ہونے کے باوجود بھی اسمٰعیلی ان کے فرمان کو پوری طرح بجا لاتے تھے از روئے مصلحت نزاریہ قوانین در مذہبی رسوم کی پابندی کرنے کا حکم اپنے عقیدتمندوں میں جاری کرنے سے مجموعی طور سے اسمٰعیلیوں نے اس کی تعمیل کی۔ حضرت امامؑ کا رعب داب اتنا پر اثر تھا کہ کسی قسم کی غیر مہذب حرکت کرنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔

حضرت امام علاء الدین محمدؑ تخت نشین ہونے کے بعد دبستان المذاہب کی روایت کے بموجب جن لوگوں نے آپ کے والد ماجد کو زہر دیا تھا۔ اور میزبانی میں جو جو شریک ہوئے تھے ان سب کو قاتل کے ساتھ گنہگار شمار کر کے قتل کا حکم دیا۔



قلعہ قائین :۔ حکومت الموت کے قائین شہر میں اسمٰعیلیوں کی ایک بڑی تعداد بستی تھی اس تصویر میں جہاں نشان لگا ہوا ہے وہ قائین کا اسمٰعیلی قلعہ ہے۔

دشمنوں کا حاسدانہ سلوک

حضرت امام علاءالدین محمدؑ کے عہد سلطنت سے درمیان خوارزم کے آخری سلطان جلال الدین منگبرنی اور حضرت امامؑ کے مابین مراسلت ہوئی ہے جو چشم دید واقعہ مانا جاتا ہے۔ جلال الدین کو اس کے والد کے طرف سے غزنی کا حاکم مقرر کیا گیا تھا اور اس نے اپنے والد کی وفات کے بعد ایک لشکر جرار کے ساتھ مغلوں کو شکست پر شکست دیتا گیا۔ مگر چنگیز خاں کے مقابلہ میں سے شکست ہوئی اور وہ فرار ہو گیا۔ چنگیز خاں نے اس کا تعاقب کیا اور آخر وہ نشیب و فراز سے گذرتے ہوئے اپنے وطن مالوف میں واپس آیا۔ جلال الدین نے امیر آرخاں کو نیشاپور کا گورنر مقرر کیا۔ اسمٰعیلیوں کے کئی شہر اس کی سرحد کے قریب واقع تھے۔ آرخاں کے نائب نے اس کی عدم موجودگی میں اسمٰعیلیوں کے مخصوص شہر کوہستان کے پایۂ تخت تون اور قائن میں لوٹ مار کی۔ اس کو روکنے کے لئے اسمٰعیلیوں کی طرف سے ایک ایلچی کمال الدین نامی پیغام لے کر آیا مگر آرخاں کا نائب اس کا جواب دینے کے بجائے اس کے سامنے کئی خنجر پھینکے مطلب یہ کہ ہم تمہارے خنجروں سے ذرا بھی خائف نہیں ہیں اور خنجر کا جواب ہم تمہیں خنجر سے دیں گے لہٰذا اسمٰعیلیوں نے اس جسارت کا جواب دینے کے لئے عزم بالجزم کر لیا۔

اسمٰعیلیوں پر حملۂ ناگہانی۔ آلموت کی جواب طلبی

مولوی عبدالحلیم شرر نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ کسی بات سے خوش ہو کر خوارزم کے سلطان نے امیر آرخاں کو نیشاپور اور اطراف کا علاقہ بخش دیا تھا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ امیر آرخاں کو سلطنت کے کسی ضروری کام کے باعث دور دور جانا پڑا۔ جاتے وقت اس نے اپنا ایک نائب وہاں مقرر کر دیا۔ اس نائب نے اسمٰعیلیوں پر ناگہانی حملہ کر کے لوٹ مار کی۔ اور کئی گاؤں لوٹ کر اسے فتح بھی کر لئے۔

اس ناگہاں حملہ کی اطلاع آلموت میں ہوتے ہی حضرت امامؑ نے ایک وفد روانہ کیا۔ نیشاپور آ کر اسمٰعیلی وفد نے اس وحشیانہ سلوک کا جواب طلب کیا۔ مگر امیر کے نائب نے باقاعدہ جواب دینے کے بجائے اس وفد کی بے عزتی کی۔ اور ان کے پاؤں کی جانب خنجر کو پھینکا۔ اہل آلموت کے دلوں میں

پہلے ہی اس سلوک سے آگ بھڑک اٹھی تھی اور اب اس واقعہ نے اور بھی اس میں اضافہ کیا۔ اسمٰعیلی دفد اس حالت میں الموت واپس آیا۔ آخر دشمنوں سے اسکا انتقام لینے کے لئے کئی اسمٰعیلی جوان میر آرخان کی سرحد میں داخل ہوکر پہلے تو امیر کا کام تمام کیا اور اسی پرجوش حالت میں یہ جوان بازار میں گشت کرنے لگے اور یہ آواز بلند اپنے امام علاء الدین کی تعریف کرتے ہوئے آگے بڑھ کر سلطان خوارزم کے وزیر کبیر کے محل میں داخل ہوگئے اور اسے وہاں تلاش کرنا شروع کیا اس اثنا میں محل کے پاسبان اور عوام جمع ہوگئے مگر باوجود اس کے ان جوانوں کا مقابلہ کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی آخر یہ لوگ دور سے پتھروں کی بارش ان جوانوں پر کرنے لگے۔ پتھروں سے یہ لوگ خون میں رنگ گئے۔ اور آخر بالکل مجروح ہوکر دہیں انتقال کر گئے

اسمٰعیلیوں کے ساتھ صُلح - ایک عبرتناک واقعہ

بدرالدین احمد نامی الموت کے ایلچی نے اس واقعہ کی نسبت سلطان کے وزیر اعظم سے ملاقات طلب کی۔ اس زمانہ میں آرخاں کے قتل ہوجانے سے اور اپنی طلبی شروع ہونے سے وزیر ایسا ہراساں ہوا کہ صُلح کرنے کے لئے الموت کے ایلچی کو فوراً اپنے نزدیک طلب کیا اور ان کی نہایت عزت و مہمان نوازی کی۔ صُلح کی نسبت گفتگو شروع کرنیکے قبل وہ کہنے لگا کہ تم صُلح کے لئے جو شرائط مقرر کروگے۔ اس کے دیکھے یا سنے بغیر پہلے ہی سے میں منظور..... کرتا ہوں۔

بعد ازاں مندرجہ ذیل شرائط صُلح مقرر ہوئیں۔ (۱) خوارزم اور الموت کے اسمٰعیلیوں کے درمیان لڑائی ختم کرکے اتحاد پیدا کرنا۔ (۲) دامغان کا قلعہ اسمٰعیلیوں کے ہاتھ فروخت کردیا جائے۔

مندرجہ بالا شرائط پر فریقین کی باضابطہ منظوری ہونے کے بعد الموت کے ایلچی نے خوارزم شاہ کے وزیر کے یہاں چند روز مہمانی میں رہا اسی درمیان میں ایک روز دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بار گفتگو کے درمیان الموت کے ایلچی نے کہا۔ ایسی کوئی بھی سلطنت شاہی عملدار اور عہدہ دار کا مکان نہ ہوگا جن میں ہمارے دوستوں یا غلاموں کی سکونت نہ ہو۔

یہ سنتے ہی وزیر محو حیرت ہوگیا۔ اور اس نے پوچھا کہ یہاں جو لوگ رہتے ہیں اس میں تمہارے آدمی کتنے ہیں؟ یہ الفاظ وزیر کے زبان سے نکلتے ہی آپ نے الموت کے ایلچی کی طرف اپنا

روبال پھینکا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ "ایسے لوگ اگر میری ماتحتی میں آ گئے تو میں انھیں محفوظ رکھنے کا وعدہ کرتا ہوں"

وزیر کا رومال ایلچی کے قریب گرتے ہی باورچیخانہ میں کام کرتے ہوئے پانچ اسمٰعیلی سلام کرتے ہوئے باہر نکل کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان پانچ میں سے ایک ہندوستانی اور چار عجمی تھے۔ ہندی اسمٰعیلی نے اپنے دوسرے ہمراہیوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا کہ تمھیں ہم یہاں قتل کرنے نہیں آئے تھے۔ ورنہ ہم کب سے کام تمام کر دیتے۔ ہم اہل الموت بغیر کسی سبب کے کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔

اپنے گھر کی یہ حالت دیکھ کر وزیر کی گھبراہٹ کا کچھ اندازہ نہ رہا۔ اور معذرت کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ اسمٰعیلیوں کے ساتھ ہر وقت سلسلۂ اتحاد لازم رکھے گا۔ اور قسم کھاتے ہوئے کہا کہ میں اپنے کو حضرت امام علاء الدین کا غلام سمجھوں گا" وہاں سے فارغ ہو کر آلموت کا ایلچی بدرالدین احمد اپنے وطن آلموت کی طرف راہی ہوا۔

اسمٰعیلیوں کی قربانی اور پچاس ہزار اشرفیوں کا جرمانہ

اس واقعہ کی خبر سلطان خوارزم شاہ کو ہوئی اور اپنے وزیر کی کمزوری پر وہ بہت غضب ناک ہوا سب سے پہلے اُس نے پانچ اسمٰعیلیوں کو زندہ جلا دینے کا حکم دیا۔ وزیر کو اس حکم سے بہت خوف پیدا ہوا مگر سلطان کی حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان کے حکم کی تعمیل اسے بدل ناخواستہ کرنی پڑی۔ اس وقت کا سلطان کے حکم کے مطابق ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ سلگائی گئی۔ اس وقت کا منظر عجیب تھا ایک طرف اسمٰعیلیوں کے ڈر سے وزیر لرزہ براندام تھا اور اپنی حالت پر افسوس کرتا تھا۔ اور دوسری جانب پانچوں اسمٰعیلی شاداں و خنداں آگ کے گڑھے میں یہ کہتے ہوئے کود پڑے کہ ہم آج خوش نصیب ہیں کہ دین پر فدا ہونے والوں میں ہمارا نام شمار کیا جائے گا اور شہادت کا راستہ آج ہمارے لئے بالکل کشادہ ہو گیا ہے،، ایسی خوشی و مسرت سے ان پانچوں اسمٰعیلیوں نے اپنی جانیں دین پر نثار کر دیں۔

آلموت میں ان پانچ اسمٰعیلیوں کے زندہ جلانے کی اطلاع ملی تو یہاں کے لوگوں کے آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور تمام اسمٰعیلی اپنے دینی بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مگر حضرت امام نے

مصلحت وقت دیکھ کر خوارزم شاہ کے دربار سے مراسلت شروع کی اور پانچوں اشخاص کے خون بہانیکے لئے طلائی دس ہزار اشرفی کے حساب سے پچاس ہزار اشرفیاں جرمانہ کے طور پر سلطان خوارزم شاہ کے وزیر نے ادا کر دیا اور دامغان کے قلعہ کی فروخت کے سلسلہ میں رقوم اسمٰعیلیوں نے دی تھی وہ قلعہ بھی اسمٰعیلیوں کے قبضہ میں ہی رکھ کر وہ رقم واپس کر کے جرمانہ کی رقوم میں اضافہ کر دیا گیا جس سے آلموت کے بادشاہ اور خوارزم شاہ کے مابین صلح ہوئی اور آلموت میں امن امان قائم ہو گیا۔

حضرت امام علاء الدین محمدؑ کے زمانہ میں بہت سے مشاہیر گزرے ہیں جس میں خواجہ نصیر الدین طوسی اور شیخ الاکبر محی الدین عربی کا درجہ بڑھ کر ہے اور جن کی مختصر سوانحمری ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

خواجہ نصیر الدین طوسی

اسمٰعیلی مشاہیر میں بیان کیا گیا ہے کہ قلعہ آلموت کے بادشاہ حضرت امام علاء الدین محمدؑ اور ان کے بعد حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ کے زمانہ میں وزارت کے مرتبہ پر خواجہ نصیر الدین طوسی فائز تھے خواجہ نصیر الدین طوسی کی پیدائش ۵۹۷ھ خراسان کے طوس شہر میں ہوئی تھی۔ وہ ابتداء سے شیعہ فرقہ کے پیرو تھے اور مختلف علوم و فنون کے تمام انواع و اقسام پر وہ حاوی تھے اس زمانہ کے علما نے بھی ان کی لیاقت و فضیلت کو تسلیم کیا ہے۔

خواجہ نصیر الدین طوسی کا نام محمد بن حسن اور لقب نصیر الدین تھا۔ خواجہ نصیر الدین فارسی اور عربی علوم میں علامۂ زمان تھے۔ اور یونانی زبان میں بھی نہایت مہارت حاصل کی تھی۔ ان کی الگ الگ زبانوں میں تصنیفات ہیں اور ان تمام تصنیفات میں ناسخ نامہ اور تجرید العقائد نہایت مشہور ہیں۔

عباسی دربار کے ساتھ نااتفاقی اور کوہستانی قلعوں میں گشت

خواجہ نصیر الدین طوسی نے بغداد کے حاکم عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دربار میں ملازمت کر لی تھی اور چونکہ بچپن ہی سے وہ نہایت ذہین اور زیرک تھے۔ اس لئے وہ سیاسی امور میں ہمیشہ مداخلت کیا کرتے تھے عباسی دربار کے وزیر نصیر ابن علقمی کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی اور وزیر نے خلیفہ کے کان ان کے بارہ میں

چغلی کی وجہ سے کے باعث خلیفہ نے طوسی کی نہایت ہتک کرکے اپنے دربار سے چلے جانیکا حکم دے دیا اور ان کی تمام تصانیف کو دریائے دجلہ میں ابن حاجب کے ہاتھ سے غرق کرادی اس بدسلوکی سے خواجہ نہایت آزردہ ہوئے اور انھوں نے ارادہ کرلیا تھا کہ موقع ملتے ہی بغدادی خلیفہ کا تختہ الٹ دینے بغیر آرام لینا ناممکن ہے۔ بعدازاں بغداد ترک کرکے چلے گئے۔ وزیر ابن علقمی کو جب خواجہ کے بغداد سے رخصت ہونے کی خبر ملی اس وقت اس نے خلیفہ کو بھی ابھارا کہ خواجہ کو گرفتار کرکے قید کردیا جائے۔ چونکہ خواجہ نصیرالدین کو ان کے دوستوں سے اس خبر کے ملتے ہی کوہستان کے ویرانوں کی طرف روانہ ہوگئے جہاں نہ کوئی دوست اور مددگار تھا بالکل بےبسی کی حالت میں کوہستان کے پہاڑی میدانوں میں ادھر ادھر گھومتے تھے اور غم والم کے سبب ان کی شکل وشباہت میں بھی فرق آگیا تھا۔

خواجہ نصیرالدین طوسی کوہستان میں جب ایسی مجبوری حالت میں ادھر ادھر بھٹک رہے تھے اس وقت کوہستان کے پاسبانوں کی نظر ان پر پڑی۔ انھوں نے ان کو گم کردہ راہ جاسوس سمجھ کر گرفتار کرکے گورنر ناصرالدین ابن عبدالرحمن محتشم کے سامنے پیش کیا۔ جہاں ان کی تلاشی لینے سے وہ اسلحات دستیاب ہوئے جو ابن علقمی کے ساتھ کئے ہوئے تھے لہذا ان کو جاسوس سمجھ کر مومن آباد کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔

خواجہ نصیرالدین اسمعیلی دربار میں اور اسمعیلی مذہب کی حلقہ بگوشی

بعدازاں آلموت کے ٹھکانے خراسان سے خبر ملی کہ وہ شیعہ امامی دربار سے برطرف کیا ہوا آنجہ [illegible] اسمعیلیوں کے بعد گورنر ناصرالدین محتشم نے خواجہ نصیرالدین طوسی کو اپنے پاس رکھ لیا اور [illegible] خواجہ [illegible] کے معتقد ہوگئے۔

ایک مرتبہ حضرت امام علاءالدین کے دربار میں [illegible] ناصرالدین [illegible] حضرت امام [illegible] دیکھ کر خواجہ نصیرالدین [illegible] نہایت [illegible] [illegible] ہوگئے [illegible] خواجہ نصیرالدین [illegible] [illegible] دیکھ کر ان [illegible] ہوگئے۔ چونکہ خود عالم تھے [illegible] تمام [illegible] ہوگئے اور حضرت امام علاءالدین محمد کو امام [illegible]

امور میں مصروف ہوگئے۔ پروفیسر ڈبلیو ایوے تو اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ خواجہ نصیرالدین طوسی کی اسمٰعیلی خداوندوں کے ساتھ کس طرح کی نسبت تھی یہ ایک سوال ہے کہ آیا وہ آسمٰعیلی سلطنت کے ایک ادنیٰ ملازم تھے۔ یا خود انھوں نے مذہب اسمٰعیلی اختیار کرلیا تھا اگر اسمٰعیلیوں کو ان کی خدمت کی ضرورت ہوتی تو وہ لوگ بالکل قادر تھے کہ اسے بہتر تنخواہ دیتے مگر جو صحیح روایت پھیلی ہے وہی سچی ہے کہ زمانہ قدیم کے رواج کے مطابق اس میں تقیہ کی بو آرہی ہے۔

قاضی نصراللہ شوستری جو متعصب شیعہ اثنا عشری تھے وہ اپنی تصنیف مجالس المومن میں خواجہ نصیرالدین طوسی کی سوانحمری میں اسمٰعیلیوں کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ منگول واقعہ کے بعد اسمٰعیلیوں کی سلطنت شکستہ ہوگئی۔ اور غریب مفلس اسمٰعیلیوں پر اثنا عشری باڈال کر اس مذہب کو نابود کرنیکی کوشش سے شیعہ اثنا عشری مذہب کی شہرت بڑھنے لگی خواجہ نصیرالدین طوسی کے مذہب کے بارہ میں صاف صاف بیان ہونے پر بھی دشمنوں کے زور سے اسمٰعیلی تصنیفات غائب ہوگئی اور حکومت کے زور کے لحاظ سے دشمنوں کی سعی ظاہر ہوئی۔ بس یہی سبب ہو کہ خواجہ نصیرالدین طوسی کے مذہب کے نسبت دو رائے قائم ہوئی ہیں۔

خواجہ نصیرالدین وزارت کے عہدہ پر

خواجہ نصیرالدین طوسی اسمٰعیلی مذہب اختیار کرنے کے بعد آلموت کے دربار میں ترقی کرتے گئے اور ان کے ذریعہ سے سلطنت کو بہت امداد ملی انہوں نے ادنیٰ مرتبہ سے اعلیٰ مرتبہ پر ترقی کی اور یہانتک کہ حضرت امام علاء الدین محمدؑ کے عہد سلطنت میں انہوں نے وزیر اعظم کے اعلیٰ درجہ کو حاصل کیا۔ اسے دیکھ کر امیر ناصرالدین عبدالرحمٰن کو بے حد خوشی حاصل ہوئی۔

مارکو پولو اور اس کا تراشا ہوا بیان

مشہور ونیشین سیاح مارکو پولو نے ہند، چین اور مشرقی شہروں کی سیاحت کے جو حالات شائع کئے ہیں ان کو اس کے ہم عصر سیاح معتبر نہیں سمجھتے اور اسکا بیان کس حد تک صحیح مانا جائے مندرجہ ذیل بیان سے معلوم ہوسکتا ہے۔

۶۷۲ھ ہجری میں مارکوپولو نے شہر چین کی سیاحت کی اس وقت منگول سلطان کبلائی خاں پر اس زمانے نصاریٰ پوپ گریگری دہم سے سفارشی خط لے کر وہ آیا تھا بعد ازاں مارکوپولو اسی شہر میں ۲۴ سال تک رہا۔ اس اثنا میں تین سال تک یانگسو شہر کا گورنر بھی رہا اس زمانے کے شمالی شہروں کے دربار دں کی جو حشمت و شوکت کو اس نے دیکھا تھا اس کو اہل یورپ نے کبھی اپنے خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔

چین کی جانب کوچ کرتے وقت مارکوپولو قلعہ آلموت کے دور و دراز کے ایرانی شہروں اور علاقوں سے گزرا تھا۔ اس نے چشم دید تو نہیں بلکہ لوگوں سے جو کچھ احوال سنا تھا اس کا بڑا حصہ اپنے سفرنامہ میں درج کیا ہے۔ اور آلموت کی سلطنت کی تعجب خیز حالات لوگوں سے سن کر اسے صحیح سمجھ کر اپنے سفرنامہ میں داخل کیا ہے۔ خود مارکوپولو نے اپنی تصنیف میں حضرت امام علاء الدین محمدؑ کے زمانہ سلطنت کے بیان کے ابتداء میں اس بات کا اقرار کیا ہے پھر تاتاریوں کا ممنون شخص اسلامی دنیا کو نفرت کی نظر سے دیکھے یہ حیرت انگیز ہے اسی طرح اسمٰعیلیوں کی دشمنی سے جو اہم واقعات ایسے درجے کے لوگوں کی زبانوں سے سن کر درج کئے جائیں۔ ان بیانات پر کس طرح اعتماد کیا جائے جس کا فیصلہ ہم ناظرین کے منصفانہ رائے پر چھوڑتے ہیں۔ کئی نکتہ چین مصنفوں نے ان بیانات پر وثوق کرکے اسمٰعیلیوں پر ایسی تہمتیں اور الزام رکھے ہیں کہ جو ہرگز قرین قیاس نہیں۔ مگر آخر حق اور باطل میں تمیز ہو ہی جاتی ہے اور حق آشکارا ہو جاتا ہے آج زمانہ کے متعدد مہذب مورخین نے ان قدیم تراشی ہوئی روایت کے راز کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔

شیخ الاکبر ابن عربی

اسلامی دنیا کے فلسفیوں میں شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی بھی ایک مشہور و معروف جلیل القدر بزرگ ہیں آپ کی پیدائش اسپین کے مورثیہ گاؤں میں ۵۶۰ھ ماہ رمضان کی سترھویں کو ہوئی تھی۔

ابن عربی کا پورا نام محی الدین محمد بن علی بن محمد العربی ہے۔ ان کا لقب حاتمی ہے یہ مشہور عالم سخی حاتم طائی کے طے قبیلہ میں سے ہیں عربوں کے اسپین فتح کرنے کے بعد ان کے اکابر نے اسپین آکر سکونت اختیار کی تھی ابن العبار کی روایت کے بموجب ان کے والد علی نجار کا کام کرتے تھے تاہم مورخین کا یقین اس بات پر ہے کہ علی اہل دل میں سے تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے اکلوتے فرزند کے لئے نہایت

اعلیٰ درجہ کی تعلیم کا انتظام کیا تھا طالب علمی ہی کے ایام میں ابن عربی کی شہرت ایسی زبردست ہوئی کہ دور دور شہروں سے لوگ ان کی ملاقات کے لئے آتے تھے ۔ آپ اپنا اکثر وقت صوفیوں اور اہل اللہ کی صحبت میں بسر کرتے تھے ۔

حضرت امام علاء الدین محمود کے زمانہ میں محمد ابن عربی ایک فلسفی کی حیثیت سے دنیا میں زبردست شہرت پا چکے تھے تعلیم کے اختتام کے بعد وہ اسلامی دنیا کی سیاحت کے لئے نکلے تھے ۔ مصر حجاز موصل ۔ اور ایشیائے کوچک کی سیاحت کرتے ہوئے دمشق پہنچے اور اس کو اپنا دائمی مسکن بنالیا ۔

بروکلمین نے ابن عربی کو تعجب خیز اہل تاریخ شمار کیا ہے اور پروفیسر براؤن نے ان کی تمام تصانیف کا اکثر حصہ ابتک بھی موجود ہے ۔ ایسا بیان کیا ہے ۔

سنہ ۶۳۲ھ تک آپ نے ۲۸۹ کتابیں تصنیف کی ہیں جو آپ کے ہی یہاں سے ظاہر ہے ۔ مولانا جامی نے اپنی تصنیف نفحۃ الانس میں لکھا ہے کہ ابن عربی نے پانچسو سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں ان تمام تصانیف میں فصوص الحکم اور فتوحات المکیہ نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابیں ہیں ۔ پہلی کتاب ان کی دمشق میں طبع کی گئی ہے جس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں دوسری کتاب مصر میں چھاپی گئی ہے یہ کتابیں نہایت وسیع ہیں جن میں فیلسوفی ، مذہبی عقائد ۔ نماز ۔ حج اور روزہ کی تاویل ۔ انسان ۔ وحدانیت ۔ خداوند نور ازلی ابدی وغیرہ پر زبردست تشریح کی ہے اس کتاب کی حقیقت کلام ربانی قرآن شریف کے آیۃ کریمہ سے ثابت کی گئی ہے ۔ مگر کم عقل اور کم فہم اشخاص اس پر غضبناک ہوکر ابن عربی کی قتل کی کوشش کرنے لگے ۔ تاہم ان کے معتقدوں کا گروہ بڑا ہونے کے سبب آخر یہ راز کھل گیا اور اس طرح انھیں نجات مل گئی ۔

ابن عربی کے روحانی خیالات

ابن عربی کے مذہبی خیالات تبدیل ہوتے ہی انہوں نے راہ حقیقت پر جو خیالات دکھائے ہیں وہ اس زمانہ کے خیالات خاص ایک شخص کی طرف مخاطب ہوکر اس کا ظاہر خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

قال اللہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض ، وقال فی معرض الامتنان وجعلنا لہ نورا یمشی

به فی الناس، و ما یمشی لا بنفسه بعین النفسه قد یکون ابن نوره ولیس وجوده سوی الوجود الحق وهو النور، فهو یمشی فی الناس بربه وهو لا یشعرون ما۔

معنی :- خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نور ہے۔ زمین ور آسمان میں" اور پھر اس کو سلک انتظام میں وصل کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا نور ہے جس کے باعث وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اپنی ذات بغیر چلتا نہیں اسکی ذاتی آنکھیں اس کے نور کو آنکھوں کے برابر ہے۔ اس کا وجود نہیں ہے مگر وہ خدا تعالیٰ کا وجود ہے۔ اور وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ مگر لوگ اس بات کو جانتے نہیں۔

محی الدین عربی کی اسمٰعیل شارح کے بیان کے بموجب ان جملوں سے ابن عربی کا امام زمان کی طرف یا اشارہ ہے کیونکہ حضرت امام علاء الدینؑ کی امامت کے زمانہ میں ابن عربی نے ایشیائے کوچک کی سیاحت کے اثناء میں اسمٰعیلی مذہب گاہ میں لا مبیر کے قلعہ میں ملاقات کی تھی۔

قدیم خیالی لوگوں کی اذیتیں

ابن عربی نفس کے تمام مدارج طے کر کے چونکہ کامل ہو گئے تھے اس لئے شریعت کی پابندی سے وہ بالکل بری تھے۔ اور اہل شریعت ان پر غضب ناک ہو کر الحاد اور کفر کا فتویٰ دے انھیں بدنام کرنے لگے۔ شیخ فریدالدین عطار نے مظہر العجائب نامی اپنی کتاب میں اپنی رائے کے نسبت خود کے قدیم لوگوں میں اظہار کر کے ان کا غصہ مول لیا تھا۔ ویسا ہی ابن عربی کے لئے بھی واقعہ ہوا تھا۔ مگر وہ نہایت خود مختار بے پرواہ رائے والے تھے۔ لہٰذا انھوں نے خود کے لئے لوگوں کا خیال برا ہوگا ایسا خوف رکھا ہی نہ تھا۔

ابن عربی کی باطنی دنیا

ابن عربی اہل الموت کے داعی کی طرح تقیہ کر کے خدمت کرتے تھے ان کی تصانیف میں اس قسم کے مضامین صاف نظر آتے ہیں۔ عشق۔ عاشق۔ اور معشوق۔ شراب۔ ساقی۔ خال رخسار۔ یہ تمام صوفیانہ الفاظ ان کے تصانیف میں بھرے ہوئے ہیں اور ان کو مرشد کامل کی لطیفت کے ساتھ حقانی

لباس پہنائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تمھارے لئے لائق ہے کہ شیخ (یعنی مرشد) کی تلاش کرو۔ کمال اور صدق پہ مرید میں ضرور ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب مرید اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل صدق وصفا سے وصل کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دستگیری کے اسباب بہم پہنچاتا ہے اور وہ پہلا شیطان جو اس کے گلے کا ہار بنا ہوا تھا۔ وہی اب مرشد کامل کے طفیل سے فرشتہ بنجاتا ہے کیونکہ صدق وصفا جس کے ساتھ ہوتی ہے اس کی ضرور کایا پلٹ ہو جاتی ہے (اور وہ مقلب القلوب ہو جاتا ہے) یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو فی الحقیقت شرح طلب ہے۔

پروفیسر نکلسن لکھتا ہے کہ دنیا میں صدق وصفا کے خیالات والے حضرت محمد صلعم کو ملائکہ۔ انبیا اور اولیاء کے درمیان تخت پر جلوہ افروز ابن عربی نے دیکھا تھا اور ان کو الٰہی رموز واسرار کی تفصیلات انکشافات کرنے کی آنحضرت صلعم سے اجازت ملی پھر یکایک ایک جوان صورت آسمانی روح کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی۔ بیرونی شکل میں جو بے جان کعبہ ہے اس کے عقیدہ میں باطنی زندہ کعبہ مخفی ہے اسکو اس نے ابن عربی کو دکھایا اسے دیکھتے ہی وہ بیہوش ہو گئے اور جب ہوش میں آئے تو اس وقت انھوں نے ظاہری صورت کا خیال کیا۔ بعد ازاں ابن عربی کے ساتھ جوان کعبہ میں داخل ہوا اور پھر روحانی صورت اختیار کر کے تین پاؤں پر اُڑے ہوئے گھوڑے پر سوار انھیں دکھائی دیا۔ اس جوان نے ابن عربی کے سینہ میں تمام اشیاء کے علوم نفخ کئے اور راکعیت کی صورت میں وہ تمام اسرار جو بھرے ہوئے ہیں سے بار دیگر بیان کرنے کے لئے عرض کی۔ ابن عربی اپنی عبادت میں ظاہری تھے اور اپنے اعتقاد میں باطنی تھے۔ انھوں نے تمام تقلیدوں کو رد کر دیا تھا۔

شیخ صدرالدین کونوی کا مقولہ ہے کہ ابن عربی زمانۂ سلف کے کسی نبی یا ولی کے ساتھ اپنے کو تین طرح سے وصل کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ اگر انبیاء کی مرضی ہوتی تو وہ اس دنیا میں اُن شخصوں کی ارواح کو نیچے لا سکتے تھے۔ اور روحانی یا جسمانی صورت میں اس سے ملاقات کر سکتے تھے۔ اگر خدا کی خوشی ہوتی تو اپنی نیند میں اپنے سامنے دیکھ سکتے یا وہ خود اپنے جسمی بشری جامہ کو ترک کر کے خدا سے وصل کر سکتے تھے۔

خدا کے عشق میں مست ہو کر ابن عربی معشوق کی حمد وثنا میں ایسے مائل ہو جاتے تھے کہ

ہوش بالکل نہ رہتا تھا اور مدہوشی شرابی کی حالت ہو جاتی تھی۔

ابن عربی کے تصانیف کے حوالے سے پروفیسر نکلس نے لکھا ہے کہ دعا بندگی کا لب لباب یعنی خلاصہ ہے کہ جس طرح مفردات کو جوہر دار اشیاء طاقت بخشتی ہیں اسی طرح دعا عبادت کو قوی کرتی ہے خدائی موتی ایک سفید موتی کے برابر ہے۔ جو فنا کی صدف میں سکونت کرتا ہے میری ہر صورت قوی ہے۔ جیسے ایک تارک الدنیا کے لئے، حجرہ بت کے لئے بتخانہ اور مرغ کے لئے چراگاہ ہے ویسا ہی پجاری کے لئے دل کا کعبہ تورات ہو اور قرآن کی لوح عشق کا مذہب ہو۔ اس طرح چاہیے جس جانب اونٹ کا منہ کرو اس جانب عشق کا مذہب ہو اور عشق میرا مذہب اور ایمان ہے۔

فصوص الحکم کی پہلی فصل میں ابن عربی لکھتے ہیں کہ جب خدا کا ارادہ ہوا کہ اس کے صفات کا ظہور ہو اس وقت خدا تعالیٰ نے ایک کون جامع یعنی انسان کامل پیدا کیا۔ جس کے وسیلہ سے خدا کے اسرار خود ظاہر ہوں ابن عربی کے اس مقولہ پر مائل ہو کر عبدالکریم ابن ابراہیم زیلی نے الانسان الکامل فی معرفۃ الاواخر والاوائل، نامی کتاب کی شرح لکھی تھی۔ جس میں اس نے لا الہ اللہ کی جمال وحسن کی صورت میں تصویر کھینچی ہے۔

پروفیسر براون کی روایت کے بموجب اسمٰعیلیوں کی ابن عربی سے نہایت محبت ہے۔ شام اور ایران کے اسمٰعیلی ان کی تصانیف کو اپنی ہم عقیدہ تصانیف سمجھ کر اس سے منفعت اٹھاتے ہیں۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ ابن عربی کا مذہبی اعتقاد اسمٰعیلیہ اور باطنیہ فرقوں کے خیالات سے ملتا جلتا ہے جن کے ساتھ سبعین (سبعیہ) کو بھی شامل کرتے ہیں۔

علامہ تیمیہ نے دونوں بزرگوں کو ظاہر طور سے باطنیہ اور اسمٰعیلیہ کہا ہے یہ بحث ان کی تصنیف الرد علی المنطق، میں پائی جاتی ہے ابن عربی کے تلامذہ، ابن سبعین، ابن قار اور نجم ان دونو بزرگوں کی پیروی کر کے امام کی خدائی اور تنقل کے عقیدہ کے قائل ہیں۔

حجۃ اعظم کا خطاب

ابن عربی ابتداء سے اسمٰعیلی نہ تھے بلکہ بعد میں اس فرقہ میں شامل ہوئے تھے۔ مگر مورخین

نے ان کو باطنیہ کا خطاب سے کر آمیزش کردی ہے ان کو اس وقت کے امام موجود نے حجتہ اعظم کا خطاب دیا تھا۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے لوگ ان کو شیخ الاکبر کہتے تھے۔ اور حجتہ اللہ ناظر یا آیات اللہ الباہرہ سے بھی یہ مشہور تھے۔ دولت کی ان کو بالکل پروا نہ تھی تاہم اس کی مخالفت بھی کرتے تھے بلکہ خدا کی خوشنی طلب کرنے کیلئے اسے ایک راستہ سمجھتے تھے مگر خاص کر کے اس کی انھیں بالکل طمع نہ تھی۔ دمشق میں جب مستقلاً سکونت اختیار کر لی تو حمیس کا گورنر انھیں روزانہ سو درہم اور ابن الزکی ۸۰ درہم دیتا تھا۔ اس میں سے اپنے خرچ کیلئے رکھ کر باقی کی رقم راہ خدا میں لٹا دیتے تھے۔

۸۷ سال کی عمر میں ۶۳۸ھ ۲۸ ربیع الآخر روز جمعہ کو ان کی وفات ہوئی۔ قاسیل (فی الحال صالح) پہاڑ کے تلے ان کا مزار واقع ہے۔

۶۱۸ ہجری ماہ رمضان میں بن عربی کو ملاٹا کے اقامت کے درمیان ایک فرزند پیدا ہوا تھا۔ والد کا نام اس فرزند نے خوب روشن کیا وہ ایک سخن سنج شاعر تھے اور ان کا دیوان آج تک موجود ہے۔ ہلاکو خان جس زمانہ میں بغداد میں داخل ہوا اسی سال یعنی ۶۵۶ ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور ان کے والد کرم کے قریب ہی ان کی لاش کو دفن کیا گیا۔

صوفی جمال الدین کا احترام

اہل آلموت اور اہل قزوین میں کیسی کشیدگی آپس میں تھی اس کو ہم نے آگے لکھا ہے۔ آلموت میں سمعیلی سلطنت روز افزوں ترقی پر تھی یہ اہل قزوین سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ قزوین کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کو عارف باللہ سمجھ کر آلموت کے بادشاہ امام ان سے محبت رکھتے تھے اس سبب سے اس درویش سے بھی اہل قزوین بیزار رہتے۔ باین ہمہ کہ اہل قزوین اہل آلموت سے اتنی عداوت رکھتے تھے مگر شیخ جمال الدین کی محبت کی وجہ سے الموت کے اسمعیلی اہل قزوین پر دست اندازی نہ کرتے تھے لیکن اہل قزوین اپنی بری چال سے باز نہ آتے تھے۔ ایک روز حضرت امام نے ناراض ہو کر کہا کہ اگر شیخ جمال الدین کی سکونت قزوین میں نہ ہوتی۔ تو میں قزوین کی زمین کو تباہ و برباد کر دیتا۔

دبستان المذہب کی روایت کے بموجب اس زمانہ کے درویشوں میں نامی وگرامی شیخ جمال الدین

کیلی تھے۔ جو اہل قزوین کو پند و نصائح سے مشرف کرتے تھے۔ انھوں نے مخفی طور سے اسمٰعیلی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

حضرت امام علاء الدین محمدؑ کے زمانہ میں کئی اسمٰعیلی بزرگ ہوئے ہیں جن میں سے اوپر تین بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سنہ [illegible] ہجری میں موقع کا منتظر سلطان احمد بن ملک شاہ سلجوقی جو پہلے الموت کے نزاریوں کے ساتھ اتحاد سے پیش آتا تھا اس نے اپنا طریقہ بدل دیا اور خوارزم شاہ کے حکم سے حسن مازندرانی نامی ایک شخص کو مامور کیا تاکہ حضرت امامؑ کو تنہائی میں قتل کرے۔ حضرت امام علاء الدین محمدؑ اپنے خوابگاہ میں آرام کر رہے تھے یہ وہاں دبے پاؤں سے گھس کر اچانک سنہ ۶۵۳ھ کے شوال میں ان کو قتل کر کے وہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت امامؑ کی وفات کے بعد ان کی لاش کو شیر کوہ کے قلعہ میں دفن کیا گیا۔

حضرت امام علاء الدین محمدؑ کے فرزند حضرت امام شاہ رکن الدین خورشاہؑ کے تخت امامت پر جلوہ افروز ہوتے ہی الموت کی رعایا نے امام کے طور پر ان کی بیعت کی۔

مولانا امام رکن الدین خورشاہؑ

سن امامت از ۶۵۳ھ ہجری تا ۶۶۴ھ ہجری

حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ۶۵۳ھ ہجری میں امامت کی مسند پر رونق افروز ہو کر آلموت کی سلطنت اپنے قبضۂ اختیار میں لی۔

"ہسٹری آف پرشیا" میں سرجان مالکم لکھتا ہے کہ تاھرشاہ کے نام سے حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے ہاتھ میں سب سے پہلے جو کام لیا وہ یہ تھا کہ خود اپنے والد ماجد کے قاتل حسن مازندرانی کو قتل کر کے انتقام لیا۔

سلطان خوارزم شاہ کی ترغیب سے حسن مازندرانی نے حضرت امامؑ کو قتل کیا تھا اس کی تفتیش کے بعد قاتل کو سزا دی گئی۔ روضۃ الصفا کا مصنف لکھتا ہے کہ قاتل کے ساتھ اس کا لڑکا بھی قتل کیا گیا۔

حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ آلموت کے آخری تاجدار اس سلطنت کے عظیم المرتبت مخصوص کے بانی حجۃ اعظم حسن بن صباح ہر وقت امام کے گھر کی غلامی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ اور انھوں نے ۴۸۳ھ ہجری میں آلموت کو اپنی حکمت عملی سے حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد نزاری اماموں کے ہاتھ میں اس کی حکومت ۶۵۴ھ تک رہی الغرض اس طرح ایک سو اکہتر سال تک آلموت پر اسمٰعیلی نزاریہ علم لہراتا رہا

اہل قزوین کی سرکشی

خواجہ نصیر الدین طوسی حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ کے زمانہ میں بھی وزیر اعظم تھے۔ اس لئے

عباسیوں کو آلموت اقتدار اور ترقی کی ایسی فکر لاحق تھی کہ اہل قزوین آلموت کی سلطنت کے بانی حضرت امام کے ساتھ بھی نہایت بُری طرح پیش آیا کرتے تھے ایران کی سلطنت کو ضعیف کرنے کیلئے وہ ہر وقت مختلف تجاویز کو عمل میں لاتے تھے۔ مگر وزیر اعظم نصیر الدین طوسی چونکہ نہایت زیرک و رسنجیدہ تھا اس لئے اہل قزوینوں کی نظر سے محفوظ رہتے تھے اور اس طور سے ان کی تمام تجاویز ضائع ہو جاتی تھیں۔ اہل قزوین اپنی چالبازیوں میں جیسے جیسے پست ہو جاتے تھے ویسے ہی زیادہ غضبناک ہوتے جاتے تھے۔ آخر انھوں نے اپنی چال بدل کر تاتاریوں کو (منگولوں) التماس کی اور ان سے معاونت طلب کرنیکی سازش کی۔

دوسری طرف عباسی خلیفہ مستعصم باللہ اور اہل قزوین وقتاً فوقتاً تاتاریوں کے خاں کے نزدیک اسمٰعیلیوں کی طاقت کمزور کرنے کے لئے اور آلموت کی سلطنت کو نابود کرنیکے لئے معاونت طلب کر رہے تھے اور اس بارے میں انھوں نے بہت سے خطوط بھی لکھے۔ مگر تاتاریوں کی طرف سے چنداں مفید جواب نہ ملا۔ آخر تاتاری شہنشاہ چنگیز خاں کی وفات کے بعد اس کے چار فرزندوں میں سلطنت تقسیم ہوئی۔ اس کے بعد دشمنوں نے دیکھا کہ اب موقع آن پہنچا ہے۔

ہجری چھٹی صدی کے آخر میں چنگیز خاں کی سرداری میں تاتاری لشکر تمام زمین پر گونج اٹھا اور بعد میں تمام ایشیا بھی اس کے قبضہ میں گھر گیا۔ منگولی قوت میں ایک زلزلہ ایسا آیا جس کے تحت لرزہ نے سارے یورپی ممالک کو بھی تہ و بالا کر دیا۔ چنگیز خاں کی موت کے بعد اس کی تیسری پشت میں منگو خان کے عہد سلطنت میں اس کے بھائیوں کو قبلئی خان برادر ہلاکو خان کو چین اور ایران پر فتح حاصل ہوئی ہلاکو خاں کے ایران کے حملہ کے زمانہ میں آلموت میں حضرت امام رکن الدین خورشاہ تخت سلطنت پر تھے۔ اب واقعات نے کیا رنگ پکڑا وہ پیش کیا جاتا ہے۔

قزوین کا قاضی تاتاری دربار میں

عباسی خلیفہ مستعصم باللہ اور قزوین کے عہدہ داروں نے تاتاری شہنشاہ کے نام اس کے نئے دارالسلطنت کارکورم میں اپنے ایلچیوں کے وفد کے ساتھ ایک مکتوب بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اسمٰعیلیوں کے خوف سے تمام ایشیاء کے سلاطین لرزہ براندام ہیں لہٰذا ان کی بڑھتی ہوئی طاقت

کو رد کنا ہمارے احاطۂ امکان سے باہر ہے اس لئے اب اس اہم کام کے لئے ہم آپ سے التماس کرتے ہیں اس عرضی کو منکو خان کے سردار تاب جیون نے ایلچیوں کے وفد کے ہمراہ اپنے بادشاہ کے دربار میں پیش کیا۔ اور اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر کہا کہ آلموت کے اسمٰعیلیوں سے جو اسے شکست ملی تھی اس کا انتقام لینے کا یہ موقع خوب ہے الغرض اس طرح اس نے بادشاہ کو بہلانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

تاتاری خان منکو خان نے امیر تاب جیوآن کو ایک لشکر کے ہمراہ ایران بھیجکر اسمٰعیلیوں اور عباسیوں کے بارے میں کس طرح کارروائی کرنی چاہیئے اس کی اطلاع کرنے کے لئے فہمائش کی۔ مگر وہ آلموت اور بغداد بھی گیا۔ تاہم کسی خاص بات پر اسے دقفیت نہیں ہوئی۔ اپنا سا منہ لیکر واپس آ گیا اور ایرانی سرحد پر آکر مقیم ہو گیا اس بارے میں اسے بہت کچھ اذیت ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ علاج مندرج بالا اس نے اختیار کیا۔

تاتاری خان کے دربار میں آئے ہوئے ایلچیوں کے وفد کے ہمراہ قزوین کے قاضی نے دھوکا کر کے اندر ایک بکتر پہن لیا تھا اور روتا ہوا منہ بنا کر کہنے لگا کہ ہماری حالت نہایت ابتر ہو گئی ہے اسمٰعیلیوں کے خوف سے ہمیں بکتر پہن کر پھرنا ضروری ہو گیا ہے اور آزادانہ ہم کہیں چل پھر نہیں سکتے۔ آپ ہماری کسی طرح سے حفاظت کریں ورنہ ہماری تمام زندگی برباد ہو جائیگی۔

اتنا کہتے ہی اُس نے اپنے جسم کے اوپر کے کپڑوں کو ہٹایا تاکہ بکتر جو پہنے ہوئے تھا۔ وہ بادشاہ کو نظر آجائے۔ بکتر دیکھ کر تاتاری خان نے نہایت متعجب ہو کر اس سے سوال کیا کہ آخر اس کا سبب کیا ہے؟

قاضی نے غمگین لہجہ میں کہا کہ عالی جناب ہمارے دُکھ کی رام کہانی نہایت دردناک و دل سوز ہے۔ اور جھٹ پٹ جلدی کہتے کہتے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ جس سے بادشاہ کو ہمدردی پیدا ہوئی۔ اور کہا کہ آخر مجھے معلوم بھی تو ہونا چاہیئے کہ تمہاری اس دلسوزی کی حقیقت کیا ہے؟ صاف طور سے بیان کرو تو شاید ہم کچھ مدد بھی دیں

قاضی نے جواب دیا۔ عالیجناب ہمارے امرا و رؤسا اور سلطنت کے دوسرے تمام ارکان کی جانیں ہمیشہ خطرہ میں رہا کرتی ہیں آلموت کے اسمٰعیلی ہم پر ایسا ظلم و ستم کرتے ہیں کہ ہم گھر سے باہر بھی نکلا نہیں جاتا اور ان تمام دردوں کی دوا آپ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔



آلموت کا محاصرہ :۔ اہل تاتار اور اسمٰعیلیوں کے مابین جنگ ہو رہی ہے۔

تاتاری سلطنت سے ہلاکو خاں کا کوچ

قزوین کے قاضی کے گذارش کے بعد تاب جیوان کو بھی نا اُمید واپس آنا پڑا۔ جس کو یاد کر کے بادشاہ بے حد غضب ناک ہوا اور اس موقعہ کو غنیمت جان کر اس نے اسے اور مشتعل کرنے سے بادشاہ کا جذبۂ انتقام بھڑک اٹھا۔ خان نے لشکر کی فوری کوچ کا حکم صادر کیا اور ہلاکو خان کو الموت پر حملہ آور ہونے کے لئے حکم دیا۔

ہلاکو خاں نے اپنا لشکر پوری طرح منظم کیا اور اس میں تین ہزار دار و گولہ بنانے والے چینیوں کو بھی شامل کر لئے۔ وہ چینی لوگ قلعہ کو محصور کرنے کے لئے ہتھیار چلاتے تھے اور گریک فائر (یونانی آگ) کے نام سے مشہور گولہ کہ جو پانی کے تہ میں بھی سلگ اٹھتے تھے وہ بھی بنایا کرتے تھے۔

۶۵۱ھ ہجری ماہ رمضان میں اس نے چھاؤنی اٹھائی۔ راستہ میں اکثر دوسرے سپاہی مال غنیمت کی لوٹ کی امید پر ہلاکو خاں کے لشکر کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ اس کوچ کے اثنا میں اس نے پہلے سمرقند میں اور بعد کاشن میں ایک مہینہ تک آرام کیا۔

مورخ وان ہیمر لکھتا ہے کہ اس مقام پر خراسان سے ملک شمس الدین کرت اور امیر ارغون نے بھی ہلاکو خاں کی متابعت کر لی اور اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس نے آس پاس کے شہروں میں ایلچی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ بادشاہ منگو خاں کے حکم سے میں اسمٰعیلیوں اور ان کے تمام قبیلہ کی بیخ کنی کے لئے جا رہا ہوں۔ اس کام میں اگر تم مجھے امداد کرو گے تو اس کا معاوضہ میں ضرور تمہیں دوں گا۔ اور تمہارا شہر بھی سلامت رہے گا۔

ہلاکو خاں کے اس خط اور اس کے لشکر کے آمد کی خبر سنتے ہی تمام لوگ اس کے دباؤ میں آ گئے اور روم فارس کے سلجوقی سلاطین اور سلاطین کے تمام ایلچی بھی اپنے مالکوں کے طرف سے متابعت کا پیغام لائے

ہلاکو خاں کی کارروائی کا آغاز

۶۵۳ھ ماہ ذی الحجہ کے اواخر میں ابتداً اس نے ایک معمولی پل بنا کے دریائے جیحون (آکسس)

کو عبور کرکے اس کے دوسری طرف چھاؤنی ڈال کر ہلاکو خاں نے قیام کیا اور شیروں کے شکار میں معروف ہوگیا یہاں تک کہ موسم سرما قریب آگیا جس سے سردی ایسی زبردست پڑی کہ لشکر کے تمام گھوڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ آخر اسے یہاں موسم بہار کی آمد کا انتظار کرنا پڑا اس وقت تک ارغوان خان بھی ایک فوج لیکر اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اب ہلاکو خان، شیرغان سے روانہ ہوکر خواف میں آپہنچا۔ مگر یہاں بیمار ہوگیا جس کے سبب سے اس نے اپنے ایک جنرل کایوکتیان کو کوہستان فتح کرنے کے لئے روانہ کیا اور خود حضرت امام رکن الدین خورشاہ کے وزیر معظم نصیر الدین طوسی کے مادر وطن طوس میں مقیم رہا وہاں سے وہ منصوریہ پہنچا جہاں ارغون خان کی بیگم نے اور اس کے نائب عز الدین طاہر نے اس کی خوب مہمان نوازی کی۔ اس جگہ اس نے ملک شمس الدین کرت کو سرخست کے حاکم ناصر الدین محتشم کے پاس روانہ کیا اور ان کی نہایت عزت و کرامت کی۔

اسمٰعیلی گورنر ناصر الدین کا بے باکانہ جواب

روضۃ الصفا میں مرقوم ہے کہ ۶۵۴؁ ہجری میں تاتاری لشکر آلموت کی سرحد میں آپہنچا آلموت کے لشکر کے ساتھ ایک پہاڑ کے اوپر جانے والی جگہ پر دو لشکر کا مقابلہ ہوا تاتاریوں کو یہاں سے مار کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا مگر وہ اس ہزیمت سے نہایت غضب ناک ہو کر بے شمار کھیتوں کو جلا کر اس کا انتقام لیا بعد ازاں انہوں نے اپنے رُخ کو تبدیل کیا جنرل ہلاکو خان کو لئے ہوئے آگے بڑھے اور سلطنت کے عہدداروں کو رشوت ولالچ دے کر اپنے اہلکار بنانے کی کوشش کی۔ اس میں انہیں کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ بعد ازاں اس نے اپنے ایک معتمد سردار ملک شمس الدین کرت کو کوہستان کے اسمٰعیلی گورنر امیر ناصر الدین محتشم کو اپنے پاس بلانے کے لئے کہا اس وقت سرخست نامی قلعہ میں وہ مقیم تھے چونکہ وہ سنجیدہ تجربہ کار بزرگ تھے۔ مصلحت وقت دیکھ کر تاتاری سردار کے پاس گیا اس نے امیر مذکور کو نہایت عزت سے اپنے قریب بٹھلایا۔ گفتگو کے ابتداء میں ہی ہلاکو خاں نے جال بچھاتے ہوئے کہا کہ قلعہ آلموت کی رعایا ظالم ہے۔ اور لوگوں پر وہ نہایت ظلم وستم کرتی ہے اس کی طاقت کو ضعیف کرنا چاہیئے اور تم ضلع رودبار میں ضعیف و بزرگ ہو۔ لہٰذا تم کو اس کام میں ضرور ہماری معاونت کرنی ہوگی۔ ہمارا خاص ارادہ یہ ہے

کہ آپ کے سروں پر جو ظلم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اسے بکھیر دیں۔ جس سے تمہیں چین سے سلطنت کرنے کا موقع ملے ۔ یہ سنتے ہی امیر ناصر الدین نے کہا کہ اے سردار تمہارے اتہامات اور الزامات مجھ سے نہیں سنے جاسکتے۔ مجھے زیادہ زندگی بسر کرنی نہیں ہے اب چند دن میری زندگی کے باقی ہیں اس کیلئے میں کیوں اس مذموم کارروائی میں شرکت کروں ۔

ہلاکو خاں نے جب دیکھا کہ اس کی فہمائش نے الٹا اثر کیا تو اسی وقت اپنے طرز کو بدلتے ہوئے کہا کہ تم اس وقت میرے پاس تنہا آئے ہو۔ قلعہ میں سے دوسرے اسمٰعیلیوں کو کیوں اپنے ہمراہ نہیں لائے۔ گورنر نے جواب دیا کہ یہ تو رعایا کے مالک حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ جانیں اس کے بارہ میں کچھ واقفیت نہیں۔ اتنا کہتے ہی وہ اپنے قلعہ کی طرف راہی ہوگئے۔ ہلاکو خان کو ان کے وفادارانہ تکلم نے متعجب کردیا اور یہاں سے چھاؤنی اٹھا کر آلموت کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت امام رکن الدین خورشاہ (علیہ السلام) کے نام تاتاری پیغام

مولوی عبدالحلیم شرر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ تاتاری ٹڈیوں کا ہجوم مشرقی شہروں میں ایک مہلک طوفان کی طرح برپا ہوا اور ایران کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتا گیا جو جو سلاطین اس سے ملاقات کرتے تھے اس کو اپنی جانبداری میں کرتا جاتا تھا اور جو اس سے مقابلہ کرتے ان سے مقابلہ کرتا تھا۔ ہلاکو خاں کو اسلامی شہروں کی طرف سے روانہ کرتے وقت تاتاری بادشاہ منکو خان نے سفارش کی تھی۔ کہ سواری کے درمیان چنگیز خان دستور العمل کی پیروی کرے۔ منگولی اقتدار کو جیحوں (آکسس) ندی سے آگے بڑھاتے ہوئے دریائے نیل کے اس پار تک وسیع کرنا اور اسی طرح ہلاکو خاں نے عمل کیا۔

ہلاکو خاں نے اپنے بادشاہ کی اس بات کو اپنے دل میں نقش کر لیا تھا۔ اور جو شخص اس کی حکم عدولی کرتا تھا۔ اس کو اس کے بال بچوں کے ہمراہ قتل کردیتا تھا۔ خراسان کے ملک شمس الدین کرت اور امیر ارغون۔ فارستان کے اتابک ساعد۔ روم کے سلطان رکن الدین اور اسی طرح عراق آذربائیجان شروان اور گرجستان کے سلاطین نے خون کے پیاسے تاتاریوں کا مقابلہ نہ کرتے ہوئے انہوں نے

ان کی متابعت قبول کی۔ ہلاکو خاں کے لشکر سے ان سب سلاطین کے لشکر کے مل جانے سے ان کی تعداد لاکھوں کی ہو گئی۔ یہ مجموعی لشکر زادہ خواف سے گذر کر کاران کی راہ سے آگے بڑھا۔ ہلاکو خاں نے جوشان کے قریب آ کر منگولیوں نے اگلے حملہ کے وقت میں جن قلعوں کو نابود کیا تھا۔ ان کو عام رعایا کے خرچ سے از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا اور خود خرکان کی طرف روانہ ہوا جہاں سے اس نے حضرت امام شاہ رکن الدینؑ کے پاس پنا ایلچی بھیج کر پیغام دیا کہ ہمارے بادشاہ منگو خاں کے پاس اسمٰعیلیوں کے خلاف کثرت سے شکائتیں آتی ہیں در اس لئے مجھے آلموت کی سلطنت پر حملہ کرنا لازمی ہوا ہے اگر تمھیں صُلح کرنا منظور ہو تو تم خود بہ نفس نفیس میرے پاس چلے آؤ۔ اگر اس طرح عمل نہ کروگے تو مجھے جنگ کرنی ہوگی۔ میں اپنے ہمراہ بیشمار لشکر اور کثرت سے سامان جنگ لایا ہوں جن سے مجھے آلموت کے فتح کرنے میں کچھ دیر نہ ہو گی۔

اسمٰعیلیوں کا صُلح کی طرف میلان اور تاتاریوں کے شرائط

ہلاکو خاں کا ایک دوسرا سپہ سالار بایزور ر نیوین دوسری طرف ھمدان تک آپہنچا تھا حضرت امامؑ کو پیغام ملتے ہی انھوں نے پہلے بایزور ر کے ساتھ مراسلت کی۔ مگر جب اس کی طرف سے کچھ اطمینان بخش جواب نہ ملا تو اپنے بھائی شہنشاہ کو ہلاکو خاں کے پاس روانہ کرنے کا ارادہ کیا اور بایزور ر کے فرزند کے ساتھ ہلاکو خان کے پاس جانے کے لئے شہنشاہ روانہ ہوئے اسی درمیان میں ۶۵۴ھ سنہ ھجری ۱۰ جمادی الاول کو اپنے لشکر کے ساتھ بایزور بھی آلموت کی سرحد میں آ پہنچا اور اس نے اسمٰعیلی قلعوں پر حملہ کر دیا مگر ناکام ہونیکی وجہ سے سرحد و پر لوٹ مار مچاتا رہا۔

مورخ وان ہیمر کی روایت کے بموجب شہنشاہ کی ہلاکو خاں سے ملاقات کے بعد صُلح کرنے کے لئے حضرت امام رکن الدین خور شاہؑ نے کئی قلعوں کو توڑ کر گرا دیا تھا۔ اور اس کی اطلاع اپنے سلطنت کے ایک نہایت معتبر سردار صدرالدین زنگی کی معرفت ہلاکو خاں کو پہنچی بھی تھی مگر اس کو بھی خاطر خواہ نہ مان کر ہلاکو خاں نے صدرالدین کو زیادہ سخت و شدید احکام کے ساتھ حضرت امامؑ کے دربار میں دوسری بار روانہ کیا اور حضرت امامؑ کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ تمھارے بھائی شہنشاہ میرے نزدیک آ گئے ہیں اور انھوں نے تمھاری طرف سے صُلح کا پیغام پہنچایا ہے ہم اس کو قبول کرتے ہیں۔ مگر ہمارے چنگیزی دستور کے موافق تمھارے تمام قلعوں کو

تمہارے ہی ہاتھ سے نابود و منہدم کر کے تم سب کو ہمارے تاتاری دربار میں حاضر ہونا لازمی ہے ۔

آثار محمدی میں مرقوم ہے کہ حضرت امامؑ نے آلموت کے قلعہ کی کئی برجوں کو توڑ کے گرا دیئے اور اپنے چچا کے فرزند سلطان ملک سیف الدین کو اپنے وزیر شمس الدین قلقی کے ساتھ روانہ کیا ہلاکو خاں نے حضرت امامؑ کے وزیر شمس الدین قلقی کو گردکوہ کے قلعہ کی طرف روانہ کیا جس سے اس قلعہ کی حفاظت کیلئے مقابلہ نہ کرنا پڑے اور تاتاریوں کو اس طرف کے تمام ممالک نہایت آسانی سے سونپ دیں ۔ دوسری طرف حضرت امامؑ کے پاس سیف الدین کو بھیج کر ہلاکو خاں نے کہلا یا کہ " تم خود بنفس نفیس حاضر ہو جاؤ ۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے فرزند کو اپنے بھائی کیساتھ روانہ کرو مورخ دان ہیمر نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امامؑ نے صلح کرنے کے خیال سے شمس الدین قلقی وغیرہ کو ہلاکو خاں کے پاس روانہ کرنے کے علاوہ کوہستان اور گردکوہ کے حاکموں اور سپہ سالاروں کو منگولی چھاؤنی میں حاضر ہونے کے لئے فرمان روانہ کر دیئے تھے اسی اثنا میں اسمٰعیلیوں سے آباد شدہ پہاڑیوں کے نیچے آئے ہوئے دماوند میں ہلاکو خاں پہنچتے ہی اپنی مطلب برآری کے لئے ایک چالبازی کی یعنی قلقی کو جیسا گردکوہ کی طرف روانہ کیا تھا اسی طرح حضرت امامؑ کے چچا زاد بھائی سیف الدین کو اسی خیال سے کوہستان کی طرف اپنے ایک ایلچی کے ہمراہ روانہ کیا جو میمون دیز میں ماہ رمضان کی ابتداء میں پہنچے ۔ انھوں نے ہلاکو خاں کے آمد کی خبر کے ساتھ اس کے بھیجے ہوئے پیغام سے بھی حضرت امامؑ کو اطلاع دی کہ حضرت امامؑ اپنے فرزند کو جب تک ہلاکو خاں کے پاس نہ بھیجیں گے تب تک شہنشاہ (برادر امامؑ) کو چھاؤنی سے باہر جانے کی اجازت نہ ملے گی ۔ اس درمیان میں گردکوہ کا گورنر بھی پہنچا ۔ ہلاکو نے اُسے بھی شہنشاہ کے ہمراہ مندرجہ بالا طور پر پیغام کے ساتھ حضرت امام کے پاس روانہ کر دیا ۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے ولیعہد آذربائجان کی راہ میں

ہلاکو خان کے اس مطالبہ کو حضرت امامؑ نے قبول فرما کر سیاسی مصالح کی بنا پر کسی دوسرے فرزند کو بھیج کر اپنے فرزند حضرت شمس الدین محمدؑ کو اپنے کُنبہ کے ساتھ مع اپنے بھائی ایران شاہ کے آذربائجان کے علاقہ کی طرف روانہ کر دیا ۔ اس سے حضرت امامؑ کا مدعا صرف امامت کے سلسلہ کو یکے بادیگرے قائم رکھنے کا تھا ۔

میموندیز کی شکست

ہلاکو خان کو اس اطلاع ہوتے ہی اس نے آلموت کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ وزیر اعظم خواجہ نصیر الدین طوسی نے غلہ اور پانی کا ذخیرہ بسر اوقات کے لئے محفوظ کر کے رعایا کو بھی نہایت حفاظت سے استعمال کرنیکی ہدایت کی کیونکہ ہلاکو خان کے محاصرے کے باعث آلموت کے اندر ان چیزوں کا آنا ممکن نہیں تھا اہل آلموت کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ ضرورت کے مطابق تھا اور ایران کے کئی علاقوں میں ہلاکو خان نے غلہ کا بالکل ستیا ناس کر دیا تھا

آلموت کا محاصرہ ایک عرصۂ دراز تک رہا۔ اس اثنا میں اہل آلموت غلہ و آب کو ضرورت کے مطابق استعمال کرتے رہے تاہم عرصۂ دراز تک محاصرہ ہونیکی وجہ سے آخر ذخیرہ تمام ہو گیا۔ تاتاریوں کے علاوہ ایران کے شہروں میں بھی غلہ کی قلت تھی اور ایران کو تہ و بالا کر کے آلموت کے سلطنت کی بیخ کنی کرنیکے لئے یہ یہاں مطمئن ہو کر پڑا رہا۔

آخر رعایا بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ اٹھی چونکہ رعایا کی یہ حالت حضرت امامؑ سے دیکھی نہ گئی اس لئے اس کے انسداد کے لئے صلح کی گفتگو جاری ہوئی۔ مگر حسب خواہش اس کا نتیجہ برآمد نہ ہوا آخر آلموت کے وزیر اعظم شمس الدین گردکوہ سے وزیر تاج الدین اور گردکوہ کے گورنر شہنشاہ نے ۶۵۴ھ ہجری ۹ شوال کو حضرت امامؑ کے ارشاد کے مطابق میموندیز کے قلعہ کو ویران کر کے ۱۰ شوال کو حضرت امامؑ کے بھائی شہنشاہ کے ساتھ ہلاکو کے پاس حاضر ہو کر میموندیز اس کے حوالہ کر دیا مگر تاتاری سردار کو اس پر بھی قناعت نہ ہوئی۔ اور اس نے نہایت سخت شرائط پیش کر کے آلموت کا محاصرہ اٹھانے سے صاف انکار کیا تاہم اسمٰعیلیوں نے صلح کے لئے کوئی موقع نہیں چھوڑا ان لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی پے ہم کوششوں سے ہلاکو خان کو اسمٰعیلیوں کے صلح پسندی کے لئے اسکی دلجمعی ہوگی۔ مگر میموندیز جیسے مضبوط قلعہ کو ویران کر کے اسے سونپ دینے پر بھی اسے اطمینان نہیں ہوا اور اسمٰعیلیوں نے تاڑ لیا کہ اس کا اندرونی مطلب کچھ اور ہی ہے اور بالکل غضبناک ہو کر اپنی جانوں پر کھیلنے کا ارادہ کیا۔ ۲۵ شوال کو قلعہ سے باہر آئے اور تاتاریوں کے ساتھ یہاں خونریز جنگ ہوئی جس میں

کہ اسمٰعیلیوں کا لشکر تاتاریوں کے لشکر کے مقابلہ میں نمک کے برابر بھی نہ تھا تاہم اسمٰعیلیوں نے بڑی بہادری سے جنگ کی۔ جیسا پہلے سے خیال کیا ہی تھا اس جنگ کا نتیجہ بھی نکلا اور اسی سبب ابھی لڑائی کے انجام سے پہلے ہی خواجہ نصیرالدین طوسی نے قلعہ آلموت کی تمام شاندار عمارتوں اور قلعوں کو منہدم کر کے ویرانہ بنادیا۔ تاکہ دشمن ان سے منافع نہ حاصل کرسکیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

اس جنگ بندی قبضہ کی پہلی تاریخ تک بارہ ہزار اسمٰعیلی کام آچکے تھے تاتاری بھی بے حد مارے گئے۔ مگر کثرت تعداد کی وجہ سے تاتاریوں کی فتح ہوئی۔ آثار محمدی کا مصنف رقم طراز ہے کہ حضرت امام رکن الدین خور شاہؑ اپنے وزیر اعظم خواجہ نصیرالدین طوسی اپنے دوسرے فرزند مظفرالدین احمد بھائی شہنشاہ اور چچازاد بھائی سیف الدین کے ہمراہ ہلاکو خاں کے پاس گئے اور اس کے خاطر خواہ کے لئے زر و جواہر کا گراں قدر حصہ دیا۔ ہلاکو خاں اس سے قدرے تبسم کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اور آموت کی سلطنت جو بحر کاسپین کے کنارہ سے میڈیٹرینین تک دور دراز تک سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ اور جو دارو گولہ سے بھرے ہوئے تاموں کی صف بندی میں معمور تھی۔ اس پر پورا قبضہ حاصل کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے ہلاکو خاں ہمدان کی طرف واپس آیا۔ جہاں ایک منگولین دوشیزہ سے حضرت امامؑ کی شادی نہایت تزک و احتشام سے کی گئی۔ اس کے بعد حضرت امامؑ کو ایک روز تاتاری خان سے ملنے کا شوق ہوا۔ اس بات کو ہلاکو سنتے ہی چونک گیا۔ اور اسے ایسا معلوم ہوا کہ حضرت امام رکن الدین خور شاہؑ اس طرح شاد منگو خاں تک پہنچ جائیں گے تو شاید امام کونسل نہ نسل حکومت کا اختیار واپس بھی بجائے اس کے علاوہ منگولین لڑکی سے شادی ہونے کے باعث کئی متعصب منگولین بھی امام کے مخالف بن گئے تھے۔ انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ہلاکو کے کان خوب بھر دیئے اور اسی سے وہ لوگ اس تاک میں رہے کہ حضرت امامؑ کو قتل کردیں ایک روز حضرت امامؑ ندی کے کنارہ ہوا خوری کر رہے تھے کہ لکھتے ہیں ناگہاں دشمنوں کا ایک انبوہ کثیر وہاں آن نکلا اور حضرت امامؑ کو عمیق پانی میں لے جاکر بہادیا اس دغا بازی سے حضرت امامؑ کی وفات ہونے کی اطلاع تاتاری شاہ منگو خان کو ہوتے ہی اس نے تمام مجرمین کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

زمانہ تیمور لنگ میں آلموت میں اسمٰعیلیوں کی آبادی

روضتہ الصفا میں مرقوم ہے کہ قلعہ آلموت کے انہدام کے بعد چند زبردست قلعے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ میں رہ گئے تھے جن میں اسمٰعیلیوں کی سکونت آلموت کے انہدام کے بعد باقی تھی۔ شاہ تیمور لنگ جب ہندوستان آیا۔ اس وقت تک سمٰعیلی آلموت کے احاطہ میں کئی باقی ماندہ قلعوں میں آباد تھے۔

مولوی عبدالحلیم شرر نے جو اپنی تصنیف حسن بن صباح میں لکھا ہے کہ تیمور لنگ فتح کرتے ہوئے ضلع مازندران میں داخل ہوا وہاں بھی اسے اسمٰعیلیوں سے سابقہ ہوا۔ جو ہلاکوخاں کے خون آشام تلوار سے محفوظ رہ گئے تھے۔ اسی طرح عثمانی (ترکی) خاندان کے سلاطین نے عربستان کے جنوب کے شہروں کو فتح کیا اس وقت وہاں بھی بیشمار تعداد میں اسمٰعیلی بستے ہوئے نظر آئے عربستان کے کنارہ کے ملکوں یعنی حضرموت عمان۔ اور بحرین کے جزائر میں اسمٰعیلیوں کی بستی ایک زمانہ دراز سے آباد تھی اور بغدادی عباسی خلیفہ کے مخالف ہونیکی وجہ سے ایسے مقامات میں وہ پناہ گزین تھے بنی فاطمہ کی جانبداری کا دعویٰ کر کے سب سے پہلے قرمطیوں نے لوگوں کو ایک جدید غائب امام کا عاشق بنا دیا۔ یہ لوگ پہلے مذہبی عقائد کی رو سے اسمٰعیلی تھے جنہوں نے وہاں اس مذہب کی اشاعت کی تھی ان کے ہاتھ پر اسمٰعیلی مذہب اختیار کرنے والوں کو جب یہاں بھی پناہ ملنی بند ہوئی تو اس وقت وہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر علاقہ سندھ کے شہروں میں آ بسے۔

سندھ و ملتان میں اسمٰعیلی سلطنت کا قیام سلطان محمود غزنوی سوانح عمری کا ایک باب

ہندوستان میں سندھ کا علاقہ بھی عباسی خلیفہ کی سلطنت کے ماتحت تھا۔ جس کا مذہب اسلامی دنیا کی اکثریت کا مذہب تھا۔ عباسی خلیفہ جب اپنی وسیع سلطنت کی پوری نگرانی نہ کر سکا اور اس کے ماتحت کے گورنر خود مختار بن گئے۔ اور اس کے بعد ملک سندھ کی بھی یہی حالت تھی۔ عمان اور بحرین میں بستے ہوئے اسمٰعیلیوں کی یہاں کثرت سے آمد و رفت ہونے لگی۔ اور دن بدن اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت بڑھنے لگی۔ مسعود ابن خردازیہ۔ ابن حوقل۔ ابو اسحٰق استخری اور علامہ بساسیری کے سفرنامہ کو دیکھیں تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ مذہب آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے کس طرح سندھ کے تمام مسلمانوں کا عام

مذہب بن گیا تھا۔ ہند میں باہر سے آئے ہوئے اسمٰعیلیوں کے دو مرکز تھے اور اس لئے دو اسمٰعیلی سلطنت قائم ہوئی ایک ملتان میں اور دوسری نوشیرہ میں تھی۔ یہ ساری حقیقت اور کیفیت مندرجہ بالا سیاحوں کے سفرنامہ سے دستیاب ہوتی ہے۔ ملتان تو ابتداء سے ہی مذہب اسمٰعیلی کے پیروں سے بھرا ہوا تھا مگر اہل نوشیرہ نے مدت کے بعد بغداد کے عباسی خلیفہ کے مذہب کو ترک کر دیا تھا ان دونوں سلطنت کی مسجدوں میں فاطمی اماموں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اس سلطنت نے ایسی بردست ترقی کی کہ وہاں فاطمی سکے بھی رائج ہوئے ملتان کے اسمٰعیلی حاکم کا نام ابوالفتح تھا۔ اس کے ہاتھ سے سلطان محمود غزنوی نے ملتان چھین لیا تھا ابوالفتح ملتان کے اسمٰعیلی شاہی خاندان کے اہل سے تھے ملک سندھ میں سومرا خاندان کے جو بادشاہ گزرے تھے وہ اسمٰعیلی مذہب کے پیرو تھے ان کو تمام اہل عجم ملحد کہتے تھے ماؤنٹ اسٹورٹ ایلفنسٹن نے اپنی تصنیف ہسٹری آف انڈیا میں ان سومروں کو ہندو حاکموں میں شمار کیا ہے مگر عربی تاریخیں اور سفرنامے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صریحاً غلط ہے سندھ کو جب عربوں نے فتح کیا اس وقت سے اس میں پھر نہ تو کوئی ہندو سلطنت قائم ہوئی نہ کسی ہندو خاں نے وہاں حکومت کی۔ بنی امیہ کے زمانے میں سندھ فتح ہونے کے بعد اس کی حکومت عباسی سلطنت کے ماتحت تھی بنو عباس کے بعد سندھ پر سومروں نے حکومت کی تھی اور یہ لوگ اسمٰعیلی تھے۔ عام طور سے یہ لوگ باطنی فرقہ کے مسلمان کہلاتے تھے مسلم مورخین اسمٰعیلیوں کو باطنی فرقے کے نام سے متعارف کراتے ہیں۔

اسمٰعیلی سومروں سے سلطان محمود غزنوی نے ملتان چھین لیا تھا۔ تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ملتان فتح کرنے کے ارادہ سے روانہ ہونے کی خبر جب ابوالفتاح نے سنی تو ویسا ہی اس نے حکومت کو ترک کر کے تمام اہل قبائل کو اور دوستوں کو ہاتھیوں پر بٹھا کے جنوب میں سرندیپ کی طرف کوچ کرنے کے لئے روانہ ہوا وہاں سے اسے واپس آنا ممکن نہ ہوا اس کے بعد یہ سلطنت ہمیشہ ہندوستان کے ایرانی یا ترکی حکومت میں رہی۔

سلطان محمود غزنوی کی دربار میں حسن میقال نامی ایک نہایت عقلمند شخص تھا۔ اس کے اوصاف حمیدہ کو دیکھ کر سلطان نے اسے وزارت کا عہدہ عطا کیا اور اپنی ساری زندگی تک اس عہدہ پر وہ قائم رہا سلطان محمود غزنوی کے فرزند سلطان مسعود کے عہد سلطنت میں بھی وہ اسی عہدہ پر مامور رہا۔ وزیر میقال

جب کہ معظم گیا تھا اس وقت اس نے خلوت میں اسمٰعیلی مذہب اختیار کیا جس کی وجہ سے سلطان مسعود نے اسے تختہ دار پر چڑھادیا۔ تاریخ فرشتہ کی جلد اوّل میں یہ حقیقت درج ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اسمٰعیلی اعیان بھی بحث و مباحثہ کے لئے سلطان کے دربار میں آئے تھے۔

بغداد تاتاریوں کے قبضہ میں

آلموت کی فتح کے بعد تاتاری سردار ہلاکو خاں کو سلطنت کی ہوس بڑھتی گئی اور وہ غرور سے کہنے لگا کہ میں اپنے اطراف کی زمین میں کسی ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور اس ارادے کو عمل میں لانے کے لئے وہ بغداد کے عباسی سلطنت کی طرف روانہ ہوا اس زمانہ میں خواجہ نصیر الدین طوسی نے سیاسی مصلحت سے تاتاریوں کو مسخر کر لیا تھا اس کے ساتھ میمون دیز کے محفوظ کئے ہوئے اسمٰعیلیوں کو بھی ہلاکو خاں نے ہمراہ لیا اس زمانہ میں بغداد میں خلافت کے تخت پر مستعصم باللہ تھا۔ اس کے وزیر معین الدین محمد اور عبدالملک علقمی تھے یہ دونو بالکل اسمٰعیلیوں کے مخالف تھے۔ اور خود انھوں نے احاطہ میں رہ کر اسمٰعیلیوں کے گھربار لوٹتے اور ان کو ہر وقت ستاتے رہتے تھے۔ یہ خبر خواجہ نصیر الدین طوسی کو کھٹکتی رہتی تھی اور دوسری یہ بات تھی کہ بغدادی دربار کے باعث انہیں کوہستان کے جنگلوں میں بھٹکنا پڑا تھا۔ لہذا اپنے مطلب کی تکمیل کے لیے ہلاکو خاں کی معیت نبھنے پر تیار ہو گئے تھے۔

بغداد کی حکومت کے مقابلہ کے لئے ہلاکو خاں بغداد کی سرحد پر آپہنچا باہم قاصدوں کی آمدورفت شروع ہوئی۔ عبدالملک علقمی کے عناد اور سازش کا خاتمہ کر دینے کا خواجہ نصیر الدین نے مصمم ارادہ کر لیا تھا ابن علقمی بھی دوسری جانب اپنی تمام قوت آزمانا چاہتا تھا اس لئے فریقین میں صلح کی تمام صورتیں ختم ہو گئیں اور جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

ہلاکو خاں بھی سیاسی چال کے موقع کو دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ وہ خلیفہ اور وزرا کے درمیان کی دلی شکر رنجیوں سے بھی واقف تھا۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کی صلاح کے موافق ہلاکو خاں نے اپنا لشکر دجلہ ندی کے دوسری طرف لے جا کر برج عجمی کے پاس اپنی چھاؤنی ڈالی ۶۵۶ھ ہجری ۴ ماہ صفر کو بہت کچھ لڑائی کے بعد عباسی خلیفہ اپنے فرزند اور امراء و رؤساء کے ساتھ شہر کے باہر آکر ہلاکو خاں کے تابع

فرمان ہوگیا۔ اور سب کو مقید کر کے ہلاکو خاں نے بغداد میں خوب لوٹ مار کی آخر نویں ۹ تاریخ کو خلیفہ کو بلا کر اس سے کہا کہ جو کچھ خزانہ اور زر و مال ہو وہ ہم کو نذرانہ کر دو اور خلیفہ سے سب مال و زر لے کر خلیفہ اور وزیر دونوں کو قتل کر کے بغداد کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

دشمن کے ہاتھوں سے اسمٰعیلی تاریخ کی بنیاد

بغداد کے زوال کے بعد بھی عربوں کے خوف سے تاتاری چین سے سلطنت نہ کر سکے اور آخر انہیں مسلمان ہونا لازمی ہوا۔ یہ دیکھ کر خواجہ نصیر الدین طوسی کو نہایت خوشی ہوئی اور اپنے تمام غم و اندوہ کو بھول گیا ان کی وفات بغداد میں ۶۷۲ ہجری ماہ ذی الحجۃ الحرام کی اٹھارہویں تاریخ کو ہوئی تھی اور انہیں قریشیا قبرستان میں دفن کیا گیا۔

تاریخ گزیدہ کے مصنف قزوینی نے اپنی کتاب میں ایران کے اسمٰعیلیوں کا بیان کیا ہے۔ ۱۸۴۹ عیسوی میں جنرل دو فریمری نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے جس میں ہلاکو خاں کے منہدم کردہ اسمٰعیلی قلعوں کی ایک فہرست دی ہے۔ منہدم کردہ قلعہ کی فہرست میں گرد کوہ اور لامبیسر کے قلعہ کے نام بالکل آخر میں ہیں مذکورہ قلعوں کو تاراج ...... کرنے میں ہلاکو خاں کو انتہا درجہ کی دقت پہنچی تھی۔ قلعہ فتح کرنے کے بعد اسمٰعیلیوں کے مشہور عالم کتب خانہ کو ہلاکو خاں کے ایک مورخ عطا الملک جوینی کو دیکھنے کی خواہش ہوئی ہلاکو خاں جیحون ندی کے اس طرف چھاؤنی ڈال کر پڑا تھا۔ اس وقت ہلاکو خاں کے حکم سے اس کی متابعت قبول کرنیوالا ارغو خاں اس کی خدمت میں اپنے وزیر مذکور خواجہ علاء الدین عطا الملک جوینی کے ساتھ حاضر تھا اس نے بعد میں ہلاکو کی وزارت کو قبول کر لیا تھا۔ تاتاریوں کی مشہور تاریخ جہاں کشا اس نے لکھی ہے اس میں اس نے ہلاکو خاں کی آلموت پر چڑھائی۔۔ اور آلموت کے اسمٰعیلیوں کے حالات ابتدا سے آخر تک بیان کئے ہیں اس نے آلموت کا کتب خانہ کا معائنہ کرنے کے بعد بہت سی نایاب کتابیں جو اسے پسند آئیں وہ اپنے پاس رکھ لیں باقی لاکھوں کتابوں کو ہلاکو خاں نے برباد کر دیا۔ خوش قسمتی سے جو کتابیں جوینی کے پاس رہ گئی تھیں ان میں سے اپنی تاریخ کی تصنیف کرتے وقت استفادہ کیا تھا اس کے ذریعے سے زمانہ حال و ماقبل کے مورخوں کو اسمٰعیلیوں کے حالات کا کافی علم ہوا ہے۔ دوان عصیر کی روایت کے بموجب رودبار۔ کوہستان، کاین۔ طوں

لامبیر اور آلموت کے دوسرے قلعہ ہلاکو خاں کے قبضہ میں نہایت مشکل و محنت سے ہاتھ آئے تھے تاہم گرد کوہ کا قلعہ اسمٰعیلیوں کے قبضہ میں ہی تھا۔ منصور آباد کے قریب دامغان کے علاقہ میں ایک ونچے پہاڑ کی بلندی پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا ہے۔ مازندران کے حاکم شمس الملک رد یسٹر اور رویان کا سلطان ستاندار شہر حیم نے تاتاریوں کی متابعت قبول کر لی تھی۔

ہلاکو خاں نے چونکہ اسے خود بغداد فتح کرنے کیلئے جانا تھا اس لئے انہیں قلعۂ گرد کوہ پر محاصرہ ڈالنے کا حکم کیا تھا

حضرت امام رکن الدین (علیہ السلام) کی وفات

شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں شاہی قید خانہ کے طور پر قلعہ آلموت استعمال کیا گیا فی زمانا بھی آلموت کے قلعہ پر پتھر اور مٹی سے لکڑی کے دروازہ والا ایک مکان ہے اور اطراف کے باشندوں کی روایت کے مطابق اس میں کسی امام زادہ کی قبر رہی۔

حضرت امام رکن الدین خورشاہ نے ایک سال تک سلطنت اور حکومت کی۔ بعد ازاں ہلاکو کے ہاتھ پر مقید ہو کر اکثر تاریخوں کے بیان کے مطابق ایک پل پر سے پھسل ندی میں گر کر ان کی وفات ہوئی۔ الغرض پانی میں ڈوبنے سے ۶۵۴ھ میں حضرت امامؑ نے وفات پائی یہ حقیقت عام طور سے عوام الناس میں مشہور ہے ان کے بعد مسند امامت پر حضرت امامؑ شمس الدین محمدؑ متمکن ہوئے اور اس زمانہ سے امامت کا مسکن ایران کے دوسرے حصہ میں شروع ہوا۔

حصۂ ششم

ایران میں امامت

حضرت امام شمس الدین محمد علیہ السلام
〃 〃 قاسم شاہ 〃
〃 〃 اسلام شاہ 〃
〃 〃 محمد بن اسلام شاہ 〃
〃 مستنصر باللہ دوم 〃
〃 〃 عبد السلام 〃
〃 〃 غریب مرزا 〃
〃 〃 ابوذر علی 〃

حضرت امام مراد مرزا علیہ السلام
〃 〃 ذوالفقار علی 〃
〃 〃 نور الدین علی 〃
〃 〃 سید خلیل اللہ علی 〃
〃 〃 نزار دوم 〃
〃 〃 سید علی 〃
〃 〃 حسن علی 〃
〃 〃 قاسم علی 〃
〃 〃 ابوالحسن علی 〃
〃 〃 خلیل اللہ علی دوم 〃

حضرت امام شمس الدین محمد (علیہ السلام)

سن امامت ۶۵۴ھ ہجری تا ۷۱۰ھ ہجری

حضرت امام شمس الدین محمدؑ ۶۵۴ھ میں امامت کی مسند پر جلوہ فرما ہوئے اس وقت حضرت امامؑ کے ہاتھ میں سلطنت نہ تھی لہذا ایران کے آذربائیجان کے علاقہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سکونت پذیر تھے۔

سیدنا ادریس کے عیون الاخبار کی روایت کے بموجب حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ کے بعد انکے فرزند شمس الدین محمدؑ امامت کی مسند پر آئے جنکا نام محمد تھا۔ اور منگولوں کی جنگ کے زمانہ میں ان کے والد حضرت امام رکن الدین خورشاہؑ نے کسی مخفی جگہ انہیں بھیج دیا تھا اس کے بعد یہ لوگ آذربائیجان میں اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

آذربائیجان میں حضرت امام (علیہ السلام) کا مقام

آثار محمدی کی روایت کے بموجب حضرتِ امام رکن الدین خورشاہؑ کی وفات کے بعد ان کے فرزند شمس الدین محمدؑ اپنے چچا کے ساتھ آذربائیجان میں رہتے تھے اور لوگوں سے پوشیدہ رہنے کے لئے زردوزی کا کام کرتے تھے۔ ان کا نام محمد تھا مگر چونکہ نہایت حسین تھے اس لحاظ سے شمس کے لقب سے پہچانے جاتے تھے ہند اور سندھ میں شمسی نامی جو مشہور سادات ہوئے ہیں ان کا نسب نامہ حضرت امام شمس الدین محمد تک پہنچتا ہے اور حضرت شمس تبریز جو مولانا جلال الدین رومیؒ کے مرشد مشہور ہیں۔ وہ حضرت امام شمس الدین محمد سے علیحدہ ہیں چونکہ یہ سلسلہ اصل اسمٰعیلی امامؑ کے خاندان سے جدا نہیں اور جو سادات بدخشان میں ہوئے ہیں وہ بھی انہیں میں سے ہیں۔

عیون الاخبار کی روایت کے بموجب نزاری کوہستانی نامی ایک شاعر گذرا ہے جس نے حضرت

امام شمس الدین محمدؒ کو اپنا ممدوح شمار کیا ہے اور اپنی نظموں میں ان کو امام زمان کی حیثیت سے خطاب کیا ہے۔ تاتاری سپہ سالار ہلاکو خاں نے جب آلموت پر چڑھائی کی اس وقت ایران کے اطراف کے تمام بادشاہوں کو اپنے ساتھ شامل ہوجانیکے لئے جو پیغام دیا تھا اس میں آذربائیجان کا سلطان بھی تھا جو زمانہ سلف سے آلموت کے سلاطین کے ساتھ دوستی و اتحاد سے پیش آتا تھا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آذربائیجان کا عطابک مظفر الدین اُذبیگ کا ایک دشمن ناصر الدین منگلی (بصرہ کا حاکم) تھا۔ اس کو اسمٰعیلیوں نے شکست دی تھی۔ اس لئے آذربائیجان کے ساتھ اتحاد و مودت کا سلسلہ اور بھی زیادہ قوی ہوا تھا۔

زردوزی کا کام اور اسمٰعیلی مشن کی تبلیغ

آلموت کے انہدام کے بعد دشمنوں کے ہاتھ سے بچے ہوئے حضرت امام شمس الدین محمدؒ درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے ان کا پتہ صرف حضرت امامؑ کے خویش و اقربا دعات اور فدائیوں کو ہی ہوا تھا۔ ظاہر میں تو حضرت امامؑ ایک دوزر کے طور سے مشہور تھے۔ اور حضرت امامؑ کے سارے اہل قبائل زردوزی کر کے سیتے تھے جس کو حضرت امامؑ فروخت کرتے تھے۔ حضرت امامؑ کی درویشانہ زندگی دن بدن شہرت پکڑتی جا رہی تھی۔ اور چونکہ آذربائیجان کے سلطان کے ساتھ اسمٰعیلیوں کا تعلق دوستانہ تھا لہٰذا اپنے چند قبیلہ والے اور خاص مریدوں کو دعوت کا کام سونپ دیا تھا جو اپنی حسب طاقت اپنا کام کئے جاتے تھے اس طور سے یار دیگر علاقہ تبریز اور ایران کے اطراف میں علم روحانی کی روشنی چمکنے لگی۔ اور آدمی جوق در جوق حضرت امام شمس الدین محمدؑ کو بیعت دینے کے لئے آذربائیجان آنے لگے تھے۔

علاقہ آذربائیجان میں حضرت امام رکن الدین خورشاہ کے فرزند حضرت امام شمس الدین محمدؑ کی سکونت کے قبل ان کے چچازاد بھائی حضرت امام شمس الدین بن امام علاء الدین محمدؑ آلموت کے پہاڑوں کی سکونت کو ترک کر کے ایران میں اپنی زندگی بسر کر رہے تھے یہ بھی ان کا امام زادہ ہونے کے علاوہ علم روحانی میں کامل و راہل تصوف کے استاد شمار کئے جاتے تھے۔

اللہ کے مظہر و زبان

تذکرۂ دولت شاہی میں اور سوانح عمری شمس تبریزؒ کے مصنف جناب فوقی نے آلاوت کے بادشاہ حضرت امام علاء الدین محمد کا فرزند حضرت شمس تبریزؒ کو لکھا ہے۔ اور حضرت شمس تبریزؒ کے پرندہ کے لقب کے بارہ میں پروفیسر نکلسن لکھتا ہے کہ ایک لحظہ میں زمین کی سطح پر اور دوسرے لحظہ میں کہیں اور آنکھوں سے اوجھل ہو جانے والے ایسے معجز نما اور صاحب کرامت تھے اور باوجودیکہ حضرت شمس تبریزامی تھے تاہم وہ خدا کے منتخب مظہر و لسان تھے۔ وہ عقائد کے حل و عقد کو اچھی طرح جانتے تھے اور محبت کے جذبے کے طور پر دل کو منور کرنے کی پوری طاقت ان میں تھی۔

حضرت شمس تبریزؒ جوانی کے زمانہ سے ہی نفس کو زیر کرنے کے لئے روٹی کو پانی میں بھگو کر کھاتے تھے۔ ایک روز نان بائی نے انہیں درویش سمجھ کر روٹی پر گھی لگا دیا۔ جس سے ناراض ہو کر اس کان سے روٹی خریدنا بند کر دی اور وقتاً فوقتاً کھائے پئے بغیر کئی روز تک فاقہ کشی بھی کیا کرتے تھے۔

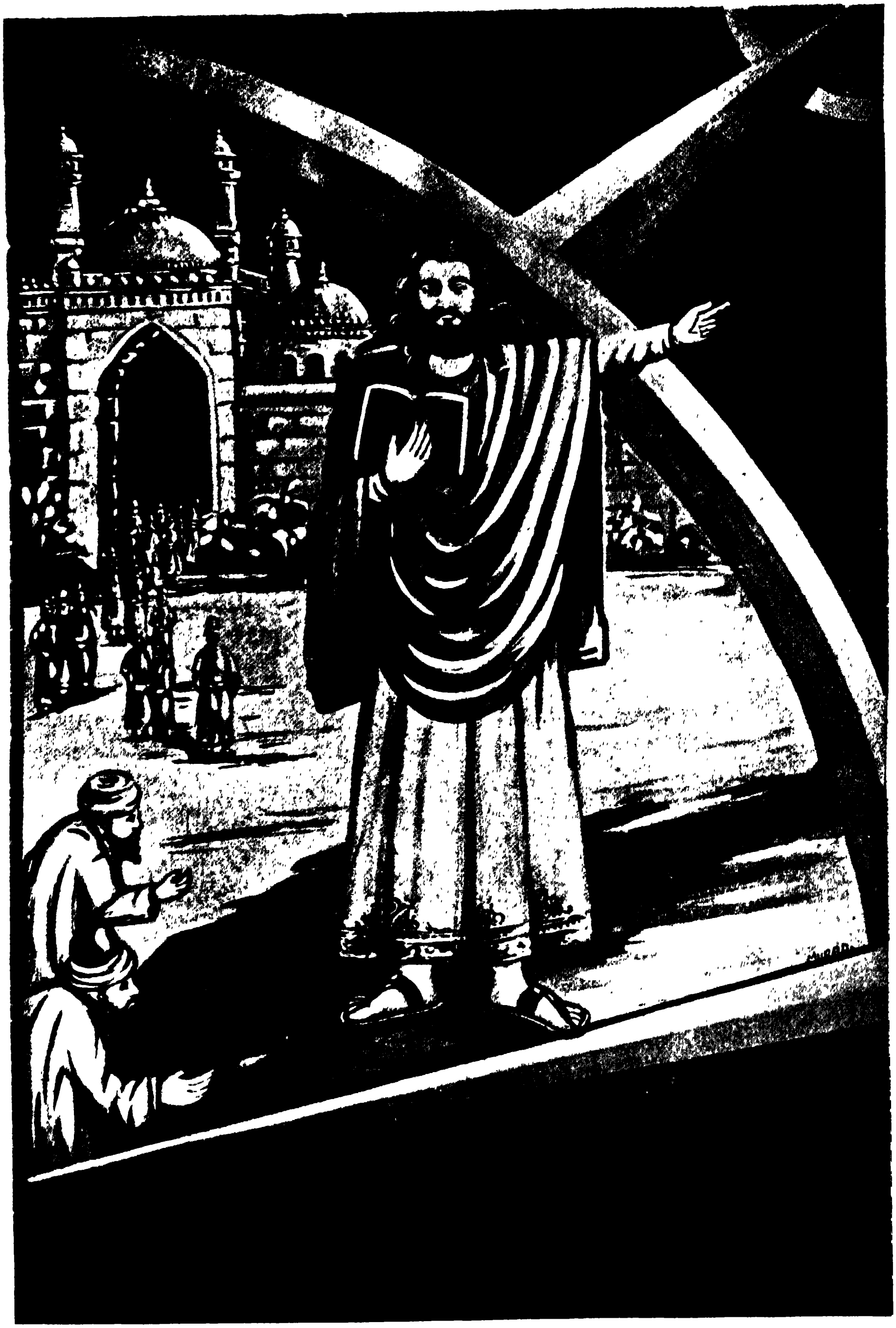
روشن ضمیری

حضرت شمس تبریزؒ کی عمر صرف بیس ۲۰ سال کی تھی اس زمانہ میں ایک مرتبہ ایک انصاری کی گرجا کے قریب سے وہ گذر رہے تھے جہاں ایک پادری درویشانہ لباس میں کھڑا تھا۔ اس نے ریاکاری سے ان کا ادب بجا لایا۔ حضرت شمس تبریزؒ نے اس سے سوال کیا کہ "پہلے تم پیدا ہوئے یا تمہاری ڈاڑھی"

پادری نے جواب میں کہا: پہلے میری پیدائش ہوئی اور اس کے اٹھارہ سال بعد داڑھی نکلی

حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا کہ مجھے نہایت افسوس ہوتا ہے کہ تمہاری بعد کی پیدا شدہ ریش نے تو سیاہی کو بالکل ترک کر کے سفیدی اختیار کر لی ہے۔ مگر پہلے پیدا ہو کر بھی تمہارے دل کی سیاہی ابھی تک زائل نہیں ہوئی یہ سن کر پادری محو حیرت ہو گیا اور اس بات نے ایسا اثر کیا کہ وہ حضرت شمس تبریزؒ کے قدموں پر گر پڑا اور دین اسلام سے مشرف ہوا۔

حضرت شمس تبریزؒ کسی پر اگر ناراض ہوتے تو اس کے حق میں درازی عمر اور کثرت دولت کی دعا کرتے



ولیٔ کامل :- حضرت شمس تبریزؒ

اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ لمبی عمر والے شخص کو روزانہ زندگی کے تکالیف گوارا کرنا پڑے اور کثرت سے دولت کے خمار میں خدا سے غافل ہو جائے یعنی خدا کی ناراضی کا نتیجہ اسے اس کے اعمال سے ہی بنجائے

ایک تعجب خیز واقعہ

حضرت شمس تبریز خدا کے منتخب بندوں میں سے ایک تھے۔ ان کے کمال کا بیان متعدد تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک شخص امیرانہ رعب داب سے گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت شمس تبریز کے قریب آیا اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر سجدہ رویا بعد ازاں کوئی گفتگو کئے بغیر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے بھگاتے ہوئے چلا گیا۔ اس معاملہ کو دیکھتے ہی اہل تبریز جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے متعجب ہو گئے۔ اور راس مزکو بیان کرنے کی التماس کی۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ یہ امیرانہ پوشاک اور شوکت و حشمت والا شخص ایک درویش ہے اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ کا ایک منتخب اور مقرب بندہ ہے۔ مگر اس نے دنیوی شان و شوکت کھا ہے۔ اس لئے اہل دنیا اپنے مطلب براری سے اسے بالکل مہلت نہیں دیتے۔ اور وہ تنہائی میں بیٹھ کر تسبیح یا ذکر الٰہی نہیں کر سکتا جس سے اس کے دل میں نہایت رنج ہوتا ہے اور مجھے دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگا جس سے اس کے دل کو چنداں تشفی ہوتے ہی اس نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ سب امیرانہ حشمت و منزلت ترک کرکے فقیری اختیار کرے گا۔ مگر خدا کو وہ پسند نہیں ہے۔ اور جس حالت میں اب وہ درویشانہ زندگی بسر کرتا ہے اس میں ہی خدا راضی ہے لا رہبانیۃ فی الدین یعنی دین میں رہبانیت جائز نہیں ہے۔ جب معلوم ہوا تو مطمئن ہو کر وہ واپس چلا گیا اس بارہ میں شمس تبریز نے اور بھی شرح کرتے ہوئے بیان کیا اگر یہ درویش جاہ و جلال سے دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے تو اہل دنیا کے ساتھ کثرت سے بھلائی اور کار ثواب کر سکیگا۔ درفقیری میں اگر زندگی بسر کریگا تو اہل دنیا کی بھلائی کا کام اس کے ہاتھ سے نہیں ہوگا صرف دینداری کے ساتھ ہوگی اس لئے بہتر یہ ہو کہ دنیا میں رہکر یہ دولتمند درویش دین اور دنیا کی دونوں دولت حاصل کرے۔

حضرت شمس تبریز۔ ضرورت مرشد

حضرت شمس تبریز ابن مولانا علاء الدین محمدؒ کی نسبت جناب محمد الدین فوق اپنی اردو تصنیف میں

ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں کئی ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے جن میں سے ایک شیخ حریری نامی شخص نے حضرت شمس تبریز سے سوال کیا کہ تمہارے مریدین نماز نہیں پڑھتے روزہ بھی نہیں رکھتے اور بہت سے کام خلاف شرع کرتے ہیں اس بارہ میں آپ انہیں بالکل ہدایت نہیں کرتے؟

آپ نے جواب دیا کہ میرے مریدوں کی بات درگذر کرو میں خود بھی اسی عقیدہ کا شخص ہوں۔ پھر ہنسکر فرمایا کہ اگر وہ لوگ نماز پڑھیں روزہ رکھیں اور شریعت کے تمام احکام بجا لائیں تو ان سے ان کی نجات ہو جائیگی پھر مرشد کی ضرورت کہاں ہی؟ مریدوں نے میرا دست و دامن تو اس لئے پکڑا ہے کہ وہ لوگ امن و امان میں رہ سکیں اور میں ان کی دستگیری کروں۔ اگر وہ اپنے طریقہ پر خدمت بجا لائیں گے تو اپنی نجات حاصل کر سکیں گے اور ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی نہایت خوشی حاصل ہوگی۔

حسام الدین چلپی

شیخ حسام الدین چلپی کا پورا نام حسن بن محمد بن الحسن ہی اسلامی دنیا کی مشہور مثنوی مولانا روم ان کے ایماء اور التماس پر لکھی گئی ہے۔ مثنوی میں جا بجا ان کا نام آتا ہے۔ سپہ سالار کی روایت کے مطابق انکی وفات ۶۸۳ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ دوسری جگہ مصنف مذکور لکھتے ہیں کہ مولانا جلال الدین رومی کے مرید حسام الدین چلپی جب جوانی کی عمر میں تھے اس زمانہ میں حضرت شمس تبریز کے پاس حاضر ہوتے اور نہایت مؤدبانہ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک دن شمس تبریز نے ان سے فرمایا کہ:-

الدین عند الدراہم (یعنی کچھ دو اور خدمت بجا لاؤ) جس سے تمہاری مطلب براری ہوگی۔ اور منزل مقصود کو پہونچو گے۔ چونکہ حضرت شمس تبریز کی سوانحعمری کا کچھ حصہ مولانا جلال الدین رومی سے متعلق ہے اس لئے مولانا رومی کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی

مولانا جلال الدین کے والد بہاؤ الدین شہر بلخ کے اصل باشندہ تھے ۶۰۴ھ ربیع الاول کی ۶ تاریخ کو مولانا رومی کی پیدائش شہر بلخ میں ہوئی تھی۔ مولانا رومی کے ایک بزرگوار حسین بن محمد

ایک مشہور صوفی تھے بہاؤالدین کی شادی خراسان کے حاکم جلال الدین محمد خوارزم کی دختر کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کا سلسلہ مشہور صوفی ابراہیم ادھم کے ساتھ ملتا ہے۔ سلطان ابراہیم ادھم بلخ کے بادشاہ تھے بعدازاں انھوں نے صوفیانہ طریقہ اختیار کر کے سلطنت کو خیرباد کہا اور درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

مولانا جلال الدین رومی کی عمر بیس سال کی ہوتے ہی ان کی شادی ۶۲۳ھ ہجری میں سمرقند والے لالہ شرف الدین کی دختر گوہر خاتون کے ہمراہ لارندہ شہر میں کی گئی تھی۔ یعنی انھیں جوہر خاتون بھی کہتے ہیں ان کے بطن سے دو فرزند پیدا ہوئے تھے ایک علاءالدین اور دوسرے بہاؤالدین تھے۔ چونکہ گوہر خاتون جوانی میں فوت ہوئیں اس لئے آپ نے دوسری شادی قراخاتون سے کی۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس طرح آپ کے کل چار فرزند ہوئے۔

مولانا جلال الدین رومی کے والد کے ساتھ سلطان محمد خوارزم شاہ نہایت عزت سے پیش آتے تھے وہ حضرت امام خود جلال الدین حسن کے ہم عصر تھے۔ علامہ فخرالدین رازی سے ان کی نااتفاقی ہونے کی وجہ سے خوارزم انہیں ترک کرنا پڑا جہاں سے وہ نیشاپور گئے تھے اور وہاں مشہور صوفی شیخ فریدالدین عطار کی ملاقات ہوئی اس وقت جلال الدین ایام طفولیت میں تھے ان کو شیخ عطار نے اپنی منظوم تصنیف "اسرارنامہ" ہدیہ کے طور پر پیش کیا تھا۔

سنہ ۶۱۰ھ میں نیشاپور میں مولانا رومؒ اور ان کے والد آئے تھے یہاں کے حاکم مولانا جلال الدین کے نانا (جدامجد) تھے اس لئے باپ اور نواسے دونوں کی خوب عزت ہوئی اس بادشاہ نے حضرت امام علاءالدین محمدؒ کے عہد سلطنت میں پانچ اسمٰعیلیوں کو زندہ جلا دیا تھا اس لئے اس بادشاہ سے اسمٰعیلی بے حد ناراض تھے۔ مولانا جلال الدین رومی یہاں آٹھ سال تک رہے۔ اس تنازعہ تاتاریوں کی یہ تیسری فتح تھی۔ بعدازاں والد و فرزند دونوں نے کونیہ میں جاکر سکونت اختیار کی۔ کونیا کا بادشاہ اس زمانہ میں عزالدین کیقباد سلجوقی تھا۔ تاتاری سپہ سالار بیگو کے حملہ کرتے ہی یہ فرار ہو گیا اور کونیا کے رعایا نے تاتاری حکومت تسلیم کی بعدازاں بیگو نے مذہب اسلام اختیار کر لیا یہ سارے واقعات حضرت امام شمس الدین محمد بن رکن الدین خورشاہؒ کے زمانے میں ہوئے۔

حضرت شمس تبریز کی آمد

مولانا جلال الدین کو دنیا میں شہرت حاصل کرتے گئے سید برہان الدین ترمذی کی شاگردی میں بہت سے علوم کی تحصیل کی۔ اور عام صوفیوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ اس زمانہ کے لوگ۔ سلاطین اور علما ان کا بہترین احترام کرتے تھے۔ اور ان کی ملاقات کے لئے تمام لوگ آمد و رفت کرتے تھے ۶۲۸ھ میں ان کے والد کی وفات کے بعد مولانا جلال الدین ان کے منصب پر فائز ہوئے افلاکی رقمطراز ہے کہ مولانا جلال الدین رومی نے سید برہان الدین سے بھی حلب اور شام میں ملاقات کر کے علوم کی تحصیل کی تھی۔

حضرت شمس تبریز ان کی شہرت سنکر قونیہ پہنچے۔ اور ایک سوداگر کے لباس میں برنج فروش کی سرائے میں قیام کیا مگر ان کے اسباب و رفتار و رسم نچھونے اور غیر معمولی ہونے کے باعث لوگ جوق جوق حضرت شمس تبریز سے ملنے کے لئے آنے لگے ایک روز مولانا جلال الدین برنج فروش کی سرا کی طرف گئے ہوئے دونوں کی نظر ایک دوسرے پر پڑی۔ پہلی دونوں کی ملاقات ہوتے ہی آپس میں بہت سی گفتگو ہوئی اس پہلی ملاقات کے بعد ان کے تعلقات زیادہ گہرے ہو گئے۔ حضرت شمس الدین تبریزی اور مولانا جلال الدین رومی دونوں شیخ صلاح الدین زرکوب کے گھر میں چھ مہینہ تک تنہا رہے وہاں شیخ صلاح الدین زرکوب کے سوا دوسرا کوئی شخص ان سے ملاقات کے لئے نہیں جا سکتا تھا۔

شمس تبریز کی رخصت اور پھر قونیہ میں واپسی

حضرت شمس تبریز کے ہمراہ چھ مہینہ کے باہمی قیام نے مولانا جلال الدین رومی کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اپنے مریدوں کو تعلیم دینا بند کر دیا۔ اور حضرت شمس سے ایک لحظہ بھی جدا نہ رہ سکتے تھے۔ ان کی صحبت سے ذرا دیر کے لئے بھی دور جانا انہیں پسند نہیں تھا۔ جب نوبت اس حالت کو پہنچ گئی تو اہل قونیہ میں ایک کھلبلی مچ گئی انھوں نے سمجھا کہ یہ سب واقعات شمس تبریز کے باعث ہوئے ہیں اس لئے ان کے ساتھ لوگوں کا حسد بہت بڑھ گیا۔ لوگوں نے حاسدانہ خیالات دیکھ کر حضرت شمس تبریز قونیہ سے رخصت ہو کر دمشق کی طرف کوچ کر گئے۔ اس کے بعد مولانا جلال الدین کو مرشد کی جدائی سے نہایت

افسوس ہوا۔ اپنے مریدوں سے تمام تعلقات توڑ کر انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور نہایت مغموم حالت میں وہ اپنی زندگی بسر کرنے لگے اسی اثنا میں انھوں نے سُنا کہ حضرت شمس تبریز شام میں موجود ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی انہیں بلا لانے کے لئے اپنے فرزند سلطان ولد کو مولانا نے شام کی طرف روانہ کیا چند ایام کے بعد سلطان ولد نے انہیں سمجھا کر نہایت احترام و احتشام کے ساتھ قونیا بلا لائے۔ مولانا جلال الدین پھر اپنے مرشد کی خدمت میں شب و روز رہنے لگے۔ اور اس خیال سے کہ پھر قونیا سے بھاگ نہ جائیں۔ آپ نے کیمیا خاتون نامی اپنی پروردہ لڑکی سے ان کی شادی کر دی اور اپنے پڑوس میں رہنے کی جگہ بھی دی۔ ایک دن حضرت شمس تبریز سے کیمیا خاتون ناراض ہو کر گھر سے چلی گئیں مولانا جلال الدین کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور کئی عورتوں کو بلا کر کیمیا خاتون کو طلب کیا مگر جب وہ واپس ہوئے اور حضرت شمس تبریز کے کمرہ کے قریب سے مولانا جلال الدین کا گذر ہوا تو آپ نے دروازہ سے معلوم ہوا کہ شمس تبریز نے کیمیا خاتون کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اس سے وہ وہیں ٹھہر رہ گئے۔ حضرت کی نگاہ مولانا جلال الدین پر جونہی پڑی آپ نے ان کو گھر میں بلا لیا۔ گھر میں تنہا شمس تبریز کو دیکھ کر مولانا رومی نے کہا "کیمیا خاتون کہاں ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ وہ روٹھ کر کہیں چلی گئی ہے۔" تعجب سے مولانا نے کہا کہ ابھی تو آپ کیمیا خاتون سے گفتگو کر رہے تھے ازراہ کرم بتایئے کہ اس میں کیا راز ہے (مناقب العارفین)

جواب میں شمس تبریز نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے یہاں تک خوش ہے کہ جس صورت میں میں اسے دیکھنے کی خواہش کرتا ہوں اسی شکل و صورت میں وہ اپنی تجلی مجھے دکھاتا ہے۔

یہ گفتگو ختم ہوتے ہی کیمیا خاتون گھر میں واپس آ گئی۔ اور ان پر نظر عتاب سے دیکھنے کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئی اور تیسرے دن وفات پائی۔ بعد ازاں حضرت شمس تبریز نے ۴ دن کے بعد ۶۴۴ھ شعبان میں ہجرت کر کے ہمیشہ کیلئے قونیا ترک کر دیا۔

قونیا میں دنگا

حضرت شمس تبریز بن حضرت امام علاء الدین محمد کی تاریخ پیدائش وثوق کے ساتھ نہیں معلوم ہوتی

نفحۃ الانس اور مناقب العارفین دونوں کتابوں میں اس کا بیان نہیں ہے۔ شمس تبریزؒ کی اردو سوانح عمری کے مصنف محمد الدین فوقؔ نے اپنی تصنیف میں چند قیاسات کے ذریعہ ۵۸۲ھ ہجری میں ان کی پیدائش بیان کی ہے۔ اور مناقب العارفین کے مطابق ۶۴۵ھ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ کونیا میں چند اشخاص کی سازش سے آپ کی شہادت واقع ہوئی تھی اس سازش میں مولانا جلال الدین رومی کے فرزند علاؤ الدین بھی شامل تھے ایسا کہا جاتا ہے۔

انگریز مورخین قمطراز ہیں کہ علاء الدین کے اُبھارنے سے ایک غضب ناک جماعت مجنونانہ حالت میں حضرت شمس تبریزؒ پر حملہ آور ہوئی اور طوفان عظیم مچایا جس میں تبریزؒ کے ہمراہ اور کئی دوسرے آدمی بھی قتل ہوئے۔ حضرت شمس تبریزؒ کی لاش دوسری لاشوں کے درمیان سے دستیاب ہوئی اور کنوئیں میں پھینک دی گئی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ اس طوفان میں شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی روحانی طاقت سے غائب ہو گئے تھے۔ بہرحال معاملہ جو کچھ بھی ہو مگر اس کے بعد شمس تبریزؒ کونیا پر کہیں نہیں دکھائی دیئے۔

مولانا رومی کی عقیدت

حضرت شمس تبریزؒ کی مفارقت کے بعد مولانا جلال الدین رومی کو نہایت صدمہ تھا وہ اپنے مرشد سے نہایت محبت کرتے تھے۔ ایک جگہ اپنے مرشد کی عظمت عدالت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

آں بادشاہ اعظم دربستہ بود محکم   پوشیدہ دلق آدم امروز بر در آید

یعنی اس.... شاہ نے مضبوطی سے دروازوں کو بند رکھا تھا وہ آج دروازہ پر آدم کا پوشاک پہنے ہوئے آیا ہے۔

بداں کہ پیر سراسر صفات حق باشد   اگرچہ پیر نماید بہ صورت بشری

یعنی اے دل، تو یہ پہچان کہ مرشد تمام صفات حق سے موصوف ہے پھر خواہ وہ بشری صورت میں ہی اپنی نمائش کرے۔

حضرت شمس تبریزؒ کی ملاقات سے پہلے مولانا جلال الدین، صاحب شریعت تھے مگر ان سے جب

پورا ارتباط ہوا تو صاحب طریقت ہو گئے تھے ابتدائے زندگی میں وہ چونکہ مذہبیات کے فاضل تھے اس لئے ان سے فتویٰ بھی طلب کیا جاتا تھا اور آپ قانون شریعت کے مطابق اپنی رائے پیش کرتے تھے وہ ماتنے عظیم المرتبت مفتی مانے جاتے تھے کہ ان کا فتویٰ اور ان کی رائے آخری شمار کی جاتی تھی۔ مگر حضرت شمس تبریز کی صحبت میں آنے کے بعد ان کا طرز بدل گیا۔ ان کے مذہبی خیالات میں بھی نمایاں فرق ہو گیا مرشد کی رہنمائی اور ہدایت کے بعد ان کے تمام خیالات فقہ و حدیث کی کتابوں سے الگ ہو گئے۔ اور لوگوں کو تعلیم دینا اور وعظ و پند سنانا بھی بند کر دیا۔ شب و روز مرشد کی محبت میں مست رہا کرتے تھے اور امام صدق و صفا کا دم بھرتے تھے اور کہتے تھے۔

آفتاب وجود اہل صفا ۔۔۔ آں امام مبین ولی خدا

آں امامی کہ رتا ئمست باد ۔۔۔ ایں مکان و زمان و ارض و سما

ذات او ہست واجب الاسماء ۔۔۔ او منزہ ز شرک و کفر و ریا

عالم وحدت است مسکن او ۔۔۔ او بیروں از صفات ما فیہا

یعنی اہل صفا کے جسم کے آفتاب وہ ظاہر امام اور خدا کے دوست وہ امام کہ جن کے ساتھ یہ دنیا زمان، زمین و آسمان قائم ہے۔ اس کی ذات جلیل القدر اور معظم ہے یہ امام پاک ہیں اور شرک کفر و ریاکاری سے دور ہیں انکی سکونت وحدانیت کے عالم میں ہے اور جو کچھ صفات عالم... فانی ہیں وہ اس سے بری ہے۔

اس زمانہ میں امامت کی مسند پر حضرت امام شمس الدین محمدؐ ابن حضرت رکن الدین جورشاہؑ ایران کے علاقہ آذربائیجان میں جلوہ افروز تھے۔

مولانا جلال الدین رومی کی وفات قونیا میں ۶۷۲ سنہ ہجری کی پانچویں جمادی الثانی کو مرشد کے فراق میں ہوئی تھی اور آپ قونیا میں دفن کئے گئے۔

نزاری دعوت اور مومن شاہ

حضرت امام شمس الدین محمدؑ نے آذربائیجان میں سکونت اختیار کرنے کے بعد آہستہ آہستہ نزاریہ

تبلیغ کے کام کو ہاتھ میں لے کر اپنے اہل قبائل اور اسمٰعیلی مبلغین کو الگ الگ شہروں میں تبلیغ کیلئے روانہ کیا۔ جو نہایت ہوشیاری سے اپنا کام بجالائے اور ان کی کوششوں سے بھی مذہب اسمٰعیلی کی رونق بڑھنے لگی یہاں تک کہ حضرت امامؑ کے مریدوں میں کثرت سے اضافہ ہونے لگا۔

حضرت امام شمس الدین محمدؑ کے تین فرزند تھے جس میں سے ایک حضرت امام قاسم شاہؑ جو اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت امام کی مسند پر جلوہ فرو ز ہوئے اور دوسرے فرزند مولانا مومن شاہ اور کیا شاہ تھے۔ جنھوں نے مستعدی سے اسمٰعیلی مذہب کی دعوت کی تھی نہایت باضابطہ تبلیغی ادارہ قائم کیا اور اس کو منظم کر کے گیلان کی سرحد کی طرف روانہ کیا۔ حدود گیلان کے اس طرف الموت کا قلعہ تھا مومن شاہ نے اس مقام کے قریب ناہان نامی گاؤں میں سکونت اختیار کی اور درویشانہ لباس میں رہنے لگے آپ کی اولاد سادات خواندیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اطراف کے سلاطین اور ملوک میں اب بڑی عزت و توقیر ہونے لگی۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کے باعث بڑے بڑے مشہور زمیندار بھی اسمٰعیلی مذہب میں شامل ہو کر امام کی بیعت سے مشرف ہوئے تاہم اسمٰعیلیوں کی مخالفت میں دشمنوں اور حاسدوں کا ایک گروہ قائم ہو رہا تھا۔ اس لئے مومن شاہ کو کئی جگہ تقیہ کرنا پڑتا تھا۔ حالانکہ وہ اسمٰعیلی تھے حضرت مومن شاہ کے بعد ان کے فرزند مومن شاہ دوم اور ان کے فرزند رضی الدین شاہ نے آبا و اجداد کے قدم بقدم چل کر دعوت برابر جاری رکھی اور بعد میں آپ کے فرزند شاہ طاہر محمد الحسینی کے نام سے مشہور ہوئے۔ جو مذہبی علوم اور دیگر علوم میں نہایت ماہر تھے اور اپنے اخلاق کریمانہ اور فہم و فراست سے لوگوں میں بے حد ہر دلعزیزی حاصل کی تھی۔

شاہ محمد طاہر الحسینی

آپ کے زمانہ میں مصر، بخارا، سمرقند اور قزوین وغیرہ میں دعوت کا کام زوروں میں جاری تھا۔ اور اس کی تبلیغ سے مذہب اسمٰعیلی کو بہت تقویت حاصل ہوئی تھی اور اس طرح رفتہ رفتہ اسمٰعیلی مذہب کی روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ اس زمانہ میں ایران میں اسمٰعیل صفوی کی حکومت تھی اس بادشاہ

کا وزیر مرزا شاہ حسین اصفہانی اسمٰعیلی مذہب میں داخل ہوا اور شاہ طاہر قزوین چھوڑ کر اصفہانی کے کہنے سے کاشان آئے یہاں اسمٰعیلیوں کی ایک بڑی جماعت جمع تھی۔ اور شاہ طاہر کے آنے کی خبر سن کر اطراف کے علاقہ میں بسنے ہوئے اسمٰعیلی بھی کثرت سے کاشان میں آنے لگے۔ شاہ طاہر اطراف کے سلاطین اور رعایا کی بہبودی کے لئے خفیہ دعوت کرتے تھے اور تمام داعیوں کو بھی تبلیغ دیکھ کر نہایت خاموشی سے دعوت کرنے کے لئے ہدایت کرتے تھے تاہم اسمٰعیلیوں کی اس کارروائی کی خبر سے کاشان کے امراء اور رؤساء کے دل میں خوف پیدا ہونے لگا کہ مبادا یہی اسمٰعیلی شاہ اور شاہ طاہر بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں اس لئے اگر ابھی سے ان کی روک تھام نہ کی جائیگی تو ایک وقت کی زائل شدہ طاقت پھر عود کر آئیگی اور الموت کی سلطنت دوبارہ گرفت میں ہو جائیگی۔

شاہ طاہر کی تمام حرکات و سکنات کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے ایک محضر تیار کر کے ایک وفد شاہ ایران کے پاس روانہ کیا جس نے بادشاہ کے پاس شاہ طاہر کے متعلق و تبلیغی کارروائیوں اور خفیہ سرگرمیوں کا ذکر کر کے مخالفت کی درخواست کی اگر ان کو روکا نہ گیا تو اسمٰعیلی خاندان کے فرزند شاہ طاہر ترقی کر کے الموت پر دوبارہ اپنی سلطنت قائم کر لیں گے اور اس کی تمام علامتیں نظر آ رہی ہیں۔ آپ ایران کے شہنشاہ ہیں اس لئے آپ کو چاہئے کہ آئندہ کے خطرہ سے ایرانی رعایا کو محفوظ رکھیں اور اسی غرض سے ہم تمام رعایا کی طرف سے اس مطالبہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

صفوی خاندان کی سیاسی پالیسی

شاہ اسمٰعیل صفوی نے سنہ ۹۰۷ ہجری میں ایران میں صفوی خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی بادشاہ کا لقب شاہ شیعان تھا۔ اس کا مذہب اثنا عشری تھا۔ شاہ اسمٰعیل کے ایران کے تخت سلطنت پر آنے کے بعد اہل تسنن کا زور کم ہو گیا تھا۔ سلطنت کا مذہب اثنا عشری شمار کیا جاتا تھا اس لئے اس کی قوت میں اضافہ ہونے کے باعث دوسرے اہل مذاہب کو تقیہ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور اسمٰعیلی مذہب بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔

اسمٰعیل صفوی خود اثنا عشری مذہب کا پیرو تھا۔ اس لئے اس نے وفد کے مطالبات

کو سنتے ہی شاہ طاہر کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اسمٰعیلیوں کے قتل عام کی اجازت دیدی جب یہ حکم وزیر مرزا اصفہانی کو پہنچایا گیا تو چونکہ وہ شاہ طاہر کے ہاتھ پر اسمٰعیلی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے شاہی حکم کی شاہ طاہر کو اطلاع دی۔ شاہ طاہر اس بات سے آگاہ ہو کر قبیلہ کو ساتھ لے کر ایران ترک کر کے بندرگاہ جرون سے کوچ کر گئے خوش قسمتی سے ایک جہاز اس وقت ہندوستان کی طرف جا رہا تھا۔ اس جہاز پر آپ سوار ہو گئے جس سے ان کے ارادہ میں کوئی امر مانع نہ ہوا اور آٹھویں دن کو بندر گوا آ پہنچے۔ شاہ طاہر وہاں کر بیجاپور کی طرف گئے یہ لوگ جس وقت بندرگاہ عمان میں تھے اس وقت شاہ قدرت اللہ نامی شخص سے ان کی ملاقات ہوئی اس نے شاہ طاہر کی تبلیغ سے اسمٰعیلی مذہب کو اختیار کر لیا اور ان کا مرید بھی گیا

تاریخ فرشتہ کے دوسرے حصہ میں برہان نظام شاہ کے احوال میں شاہ طاہر کی نسبت لکھا ہے کہ شاہ طاہر مصر اور (مغربی) افریقہ کے اسمٰعیلی سلاطین کے سلسلہ میں سے تھا۔ جنھیں علوی بھی کہتے ہیں حبیب السیر میں لکھا ہے کہ اسمٰعیلیوں نے مغرب کے شہروں نیز مصر میں عرصۂ دراز تک سلطنت کی تھی اور ۲۶۶ سال تک یہ سلطنت جاری رہی۔ اس خاندان کا پہلا شخص جس نے زمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا اس کا نام ابوالقاسم محمد بن عبداللہ المہدی تھا۔ اور اکثر مورخین کے بیان کے مطابق حضرت اسمٰعیل بن جعفر صادق کی اولاد سے تھے۔

شاہ طاہر کے خاندانی سلسلہ کی نسبت تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے کہ شاہ طاہر بن شاہ رضی الدین بن المولیٰ مومن شاہ بن علاء الدین شاہ بن محمد زردوز شمس تبریزی بن خور شاہ۔ پھر عبداللہ جہاری در نزار سے لیکر حضرت امام جعفر صادق تک یہ سلسلہ پہنچا ہے انہوں نے درویشوں اور سادات کے طور پر مشہور اسمٰعیلی خاندان کے فرزندوں کی حیثیت سے ۵۰۰ھ کے بعد سرحد گیلاں میں آئے ہوئے قزوین کے قریب خوند نامی گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ ان کے فرزندوں میں سے جو لوگ یہاں پیدا ہوئے ہیں وہ سادات خوندیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

آلموت کا قلعہ ضلع رودبار میں تھا اور اس کے قریب میں قزوین واقع ہے۔ ۱۸۴ سال تک سادات خوندیہ کا سلسلہ وہاں جاری رہا۔ اس زمانہ میں اس شہر کے بادشاہ اور سلاطین کی نظروں میں یہ خاندان نہایت محترم و معزز شمار کیا جاتا تھا اس خاندان کی حکومت جب شاہ محمد طاہر الحسینی آئے اور لوگوں میں نہایت

ہر دلعزیز ہو گئے ... ، تو مصر، بخارا، سمرقند اور قزوین وغیرہ کے شیعہ ان کے مرید ہو گئے ۔ ان کی شہرت نہایت بڑھ گئی ۔ شاہ اسمٰعیل صفوی خود پیری مریدی کے لحاظ سے بادشاہ کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا اور اپنی حکومت کے تمام اسمٰعیلیوں کو اور خاص کر کے سادات خوندیہ کے سلسلہ کو نابود کرنے پر تلا ہوا تھا شاہ اسمٰعیل کے ارادہ کی خبر جب شاہ طاہر کو ہوئی تو اسی وقت آپ نے ہندوستان کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا ۔

شاہ طاہر کی ہندوستان میں آمد

شاہ طاہر کے ایران چھوڑنے کی خبر جب شاہ اسمٰعیل صفوی کو ملی تو اس نے ان کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے جاسوس روانہ کئے لیکن چونکہ شاہ طاہر ہندوستان کی طرف کوچ کر گئے تھے اس لئے شاہی جاسوس نا امید ہو کر واپس چلے گئے عبرت افزا نامی فارسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ شاہ طاہر کے تقیہ کے باعث اسمٰعیلیوں کی ایک کثیر التعداد قتل سے بچ گئی ۔

شاہ طاہر نے ہندوستان میں آنے کے بعد دائمی طور سے یہاں ہی رہنا پسند کیا ہندوستان کے ایک امیر خواجہ سجان دکنی کو شاہ طاہر کی خبر ہوتے ہی ملاقات کو آئے شاہ طاہر اس کے وہاں رہنے لگے آپ کی علمی دلچسپی سے لوگوں پر آپ کا سکہ بیٹھ گیا اور ایک صاحب کمال شخص ہندوستان میں آیا ہے یہ سنتے ہی سلطان دکن برہان نظام شاہ نے اپنے استاد محمد شروانی کو اپنا وکیل بنا کر خواجہ دکنی کے پاس روانہ کیا ۔ اور ان کے ذریعہ سے محمد شروانی نے شاہ طاہر سے ملاقات کی دو دن وہاں قیام کر کے محمد شروانی احمد نگر واپس گئے ۔ بادشاہ برہان شاہ نے ان کی نسبت سوال کیا ۔ تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ شاہ طاہر ظاہری و باطنی علوم کے ماہر ہیں ان کے جیسا عالم میں نے اپنی عمر بھر نہیں دیکھا اور نہ سنا

خواجہ محمد شروانی نے جو تعریف بیان کی اس سے مشتاق ہو کر بادشاہ برہان شاہ نے خواجہ سجان دکنی کے ذریع ان کو احمد نگر آنے کی دعوت دی شاہ طاہر اس دعوت پر احمد نگر آئے ۔ جہاں امیر الامراء اور خود سلطان نے بھی آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا ۔

احمد نگر کی نظام شاہی اور برہان شاہ کو طاہر کا شیعہ بنانا

احمد نگر کے اس بادشاہ کا پورا نام برہان نظام شاہ بن احمد شاہ بحری تھا۔ ان کے احاطہ سلطنت میں اورنگ آباد مغربی برار، ممبئی علاقہ اور کوکن تھا۔ احمد نگر کی نظام شاہی کا سنگ بنیاد برہان شاہ کے والد احمد نظام نے ڈالا تھا۔ اور اپنے نام احمد پر شہر کا نام احمد نگر رکھا تھا اور آپ کے نام کے دوسرے لفظ نظام سے نظام شاہی نام سلطنت کا رکھا گیا تھا۔ ۹۱۴ھ میں اس کی وفات ہونے سے اس کا فرزند برہان شاہ اوّل کے نام سے سلطنت کے تخت پر متمکن ہوا تھا جو اثنا عشری مذہب رکھتا تھا برہان شاہ اوّل کا عہد سلطنت ۹۱۴ھ ہجری سے ۹۶۱ ہجری یعنی ۱۵۰۸ عیسوی سے ۱۵۵۳ عیسوی تک جاری رہا۔ شاہ طاہر کے احمد نگر آنے کے بعد بادشاہ برہان شاہ ان کی نہایت تعظیم و تکریم بجا لاتا تھا وہ اہل بیت کے ساتھ نہایت محبت رکھتا تھا مگر اسمٰعیلی مذہب کے لئے تقیہ رکھتے تھے۔

یہاں بھی ایران جیسی ابتر حالت نہ ہو جائے اس لئے وہ نہایت ہوشیاری سے رہتے تھے مورّخ ذاکر حسین اپنی تاریخ اسلام میں احمد نگر کے نظام شاہی سلسلہ کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ شاہ طاہر یزدی اسمٰعیلی نے ایران سے آکر شاہ کو شیعہ بنایا تھا۔ شاہ طاہر ایران سے آیا تھا اور بادشاہ کے سامنے تقیہ کرتا تھا۔ برہان شاہ پانچ سال کے بعد فوت ہو گیا۔ احمد نگر کی نظام شاہی کے کل بارہ ۱۲ بادشاہ ہوئے اور ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۶۰۷ء میں نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

شاہ طاہر ۹۵۶ھ میں فوت ہوئے اور شہر احمد نگر میں ان کی تجہیز و تدفین ہوئی۔

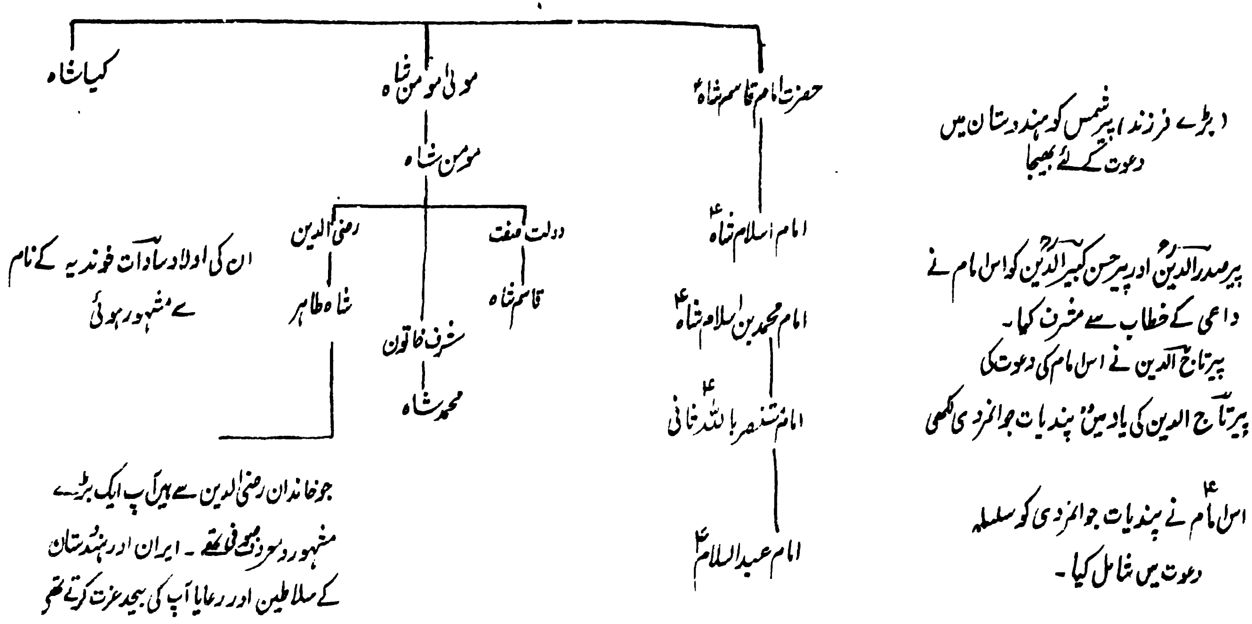
گلزار شمس میں حضرت شمس الدین محمدؑ کا تعارف مخدوم شاہ کے نام سے بھی کیا گیا ہے چونکہ وہ نہایت خوبصورت تھے اس لئے انہیں شمس بھی کہتے تھے۔ آثار محمدی میں لکھا ہے کہ حضرت امام رکن الدین خور شاہؑ کے بعد ایک چھوٹی کتاب میں امام نے اپنے نام اور مختصر حالات لکھے ہیں یہ کتاب بلوچیوں کے بلوہ کے وقت "زرقہ" میں محفوظ رہ گئی تھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام شمس الدین محمدؑ اپنے چچا شہنشاہ کے ساتھ تبریز میں رہتے تھے۔ اور لوگوں سے محفوظ رہنے کے لئے زردوزی کا کام کرتے تھے۔ امام کے بڑے قبیلہ کے ساتھ ان کے بھائی مومن شاہ

اور کیا شاہ بھی رہتے تھے جو امام کی دعوت کے کام میں معاونت کرتے تھے اسمٰعیلی مذہب کے پیروؤں کی تصنیف کی ہوئی "ستو مینی" نامی کتاب میں حضرت شمس الدین محمدؑ کے نسبت ذیل کی بیت لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

ست صبوری کرو ایمان راکھو پاک حافظ جو موآیا شاہ شمس آپ لے

حضرت امام شمس الدین محمدؑ ہمیشہ آذربائیجان میں رہتے تھے۔ آپ ۵۲ سال تک امامت کے مسند پر جلوہ افروز رہے اور ۷۱۰ھ میں آذربائیجان میں فوت ہوئے آپ کا مزار مبارک وہیں ہے حضرت امامؑ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت امام قاسم شاہؑ امامت کی مسند پر رونق افروز ہوئے

حضرت امام شمس الدین محمد (علیہ السلام)





بیرجند:۔ انہدام الموت کے بعد اسمٰعیلیوں کا ایک خاص مرکز

حضرت امام قاسم شاہ (علیہ السلام)

سن امامت از ۷۱۰ ہجری تا ۷۷۱ ہجری

حضرت امام قاسم شاہؑ ۷۱۰ ہجری میں اپنے والد حضرت مولانا امام شمس الدین محمدؑ کے بعد مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ اسمٰعیلی نزاریوں کے اونتیسویں (۲۹) امام تھے آپ کی سکونت بھی ایران کے آذربائیجان علاقہ میں تھی آپ نر قاسم شاہ کے نام سے بھی مشہور رہیں۔ حضرت امام قاسم شاہ جس زمانہ میں تخت پر متمکن ہوئے اس وقت ان کے چھوٹے بھائی حضرت مومن شاہ اور حضرت کیا شاہ اسمٰعیلی مذہب کی دعوت و تبلیغ کے لئے گئے تھے۔ یہ لوگ گیلان ضلع سے آذربائیجان آنے کے لئے ہی تھے کہ اس اثنا میں ان کی غیر حاضری میں حضرت امام شمس الدین محمدؑ کی وفات ہوئی اور حضرت امام قاسم شاہؑ مسند امامت پر متمکن ہوئے اس خبر کی اطلاع پاتے ہی حضرت مومن شاہ اور کیا شاہ نے تبریز واپس نہ آتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھا اور جہاں جہاں اسمٰعیلی دعات دعوت کا کام کر رہے تھے وہاں حضرت امام قاسم شاہؑ کے نام سے دعوت کرنے اور بیعت لینے کے لئے احکامات بھیجے۔

حضرت امام قاسم شاہؑ کو پیر صدرالدینؒ نے اپنے ملفوظات میں عراقی یعنی عراق عجم کے باشندے کی حیثیت سے متعارف کیا ہے اور انہیں صوفی شیعہ بھی بتلایا ہے۔

غزن خان الخانی کا قبول اسلام

اس زمانہ میں ایران میں غزن الخانی تاتاری حکومت کرتا تھا وہ مسلمان ہو گیا۔ اور ملاؤں کے اشتعال دلانے سے اسمٰعیلی کارندوں پر یہ نو مسلم بادشاہ نظر رکھنے لگا اور اسمٰعیلی دعات قتل کئے جانے لگے۔ حالات کو برعکس دیکھتے ہوئے حضرت امام نے دعوت کا رُخ بدل دیا اور تقیہ برتنے کی خواہش ظاہر کی۔

ہلاکو خاں کا تاتاری نام الخان تھا اور ان کی دلاد نے ایران میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی اس وجہ سے وہ الخانی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ غزن خان ہلاکو خان کا پڑپوتا تھا غزن خان نے ۷۰۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کے بعد اس کا بھائی الجیتو تخت نشین ہوا چونکہ اس کی ماں نصاری تھی اپنے لڑکے کے مراسم نصرانی طور سے ادا کئے۔ الجیتو کی اہلیہ مسلمان تھی اور اس نے بعد میں شوہر خاوند کو حلقہ بگوش اسلام کرایا۔ الجیتو بچپن سے خربندہ کے نام سے مشہور تھا اس کو بدل کر اس کا نام خدابندہ رکھا گیا۔ ۷۱۶ھ میں وہ فوت ہوتے ہی اس کا لڑکا ابو سعید ۷۱۶ھ میں سریر آرائے حکومت ہوا یہ امام قاسم شاہ کا ہم عصر تھا۔ ۷۳۶ھ میں ابو سعید نے انتقال کیا اس نے اپنا دستہدار آپا خان کو بنایا تھا۔ مگر اس کو اس کے بعد ایران میں پھر طوائف الملوکی چلی۔ ۷۴۲ھ میں مبارز الدین نے خاندان مظفر کی حکومت قائم کی اور اس نے طوائف الملوکی کو مٹا کے امن امان قائم کیا اور تبریز کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ علاقہ آذربائیجان میں امن امان قائم ہونے سے حضرت امام قاسم شاہؑ نے پھر دعوت کا سلسلہ جاری کیا اور خراسان۔ کرمان جرجستان کوہستان۔ آلموت۔ رَمی۔ دیلم۔ گیلان۔ کہک۔ الغرض سارے ایران میں اسمٰعیلی دعوت پھیل گئی۔ اور ہندوستان میں بھی اسمٰعیلی دعوت کا انتظام کیا گیا۔

اسمٰعیلی شاعر نزاری

حضرت امام قاسم شاہؑ کے زمانہ میں مشہور اسمٰعیلی شاعر نزاری گذرا ہے۔ جن کا بیان ذیل

میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کیا جاتا ہے۔

نزآری شاعر کی پیدائش کوہستان میں ۶۴۵ھ میں ایران علاقہ کے قائن شہر کے دکن میں مشرقی ایران کے برجند نامی گاؤں میں ہوئی تھی ان کا پورا نام نائم الدین بن جلال الدین ہے اس شاعر نے حضرت امام شمس الدین محمدؑ اور حضرت امام قاسم شاہ کی خدمت نہایت وفاداری سے کی ہے جس عصر میں بنی فاطمہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو جانے کے بعد امامت کے لئے اسمٰعیلیوں میں دو فرقے ہو گئے جس میں حضرت نزارؑ کے مریدوں کا حصہ نہایت کثیر تھا۔ اس شاعر نے اپنے تخلص میں ان کا پاک نام شامل کر کے عقیدتمندی کے اظہار کے لئے نزآری رکھا۔ نزاری ایک زبردست عالم تھا۔ اور زمانہ ماضی کے گذشتہ اسمٰعیلی شعراء حکیم ناصر خسرو حضرت امام قوی خاکی خراسانی اور ابن ہانی وغیرہ کے ناموں کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جاتا ہے تاہم ایرانی شاعروں کے سوانح عمری کے مصنفین اور مورخین نے عیسوی سن کے تیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں جو جو نامور شعراء گذرے ہیں ان کی فہرست میں ان کا نام شاذونادر ہی دکھائی دیتا ہے۔

نزآری کی تمام نظموں کا مجموعہ ان کی کلیات میں کیا گیا ہے۔ کلیات کا یہ مجموعہ رشیا کے پرانے دارالسلطنت سینٹ پیٹرسبرگ (لینن گراڈ) میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ اسی پرٹیلرنامی روسی محافظ نے پروفیسیل مین کے ادبی ذخیرہ میں سے نزآری کا دستورنامہ اور فارسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب مثنوی منظوم دستی تحریر کردہ دستیاب ہوئی ہے اس مثنوی میں ۵۷۶ ابیات میں نزاری کے حالات زندگی کے متعلق روسی سیاہ مسٹر ایوانوف لکھتے ہیں کہ منگولوں کے حملہ کے بعد ایرانی تہذیب و تمدن کی نشاۃ ثانیہ کے آثار نظر آنے لگے جس کو ماقبل کے مہلک واقعات نے پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اس تمدن کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے جس نے حصہ لیا اس میں سب سے پہلا نام برجندی شاعر نزاری نائم الدین بن جلال الدین کا نظر آتا ہے جو ایک امتیازی شان رکھنے والے قابل شاعر اور اسمٰعیلی مذہب کے پیرو تھے۔ ہمارے پاس اس کا زبردست ثبوت موجود ہے ان کے سچے مذہب کا علانیہ اظہار اس وقت کے زمانہ کے اقتضا سے چونکہ بالکل ناممکن تھا اس لئے انہیں نہایت سنبھل

کر اظہار خیال کرنا پڑتا تھا۔ مگر جنہیں اسمٰعیلی عقیدوں کا تھوڑا بہت بھی علم ہے انھیں ان کے نظم سے اس بات کا پورا ثبوت ملے گا کہ وہ مذہب اسمٰعیلی کے معتقد تھے۔

نزاری تخلص کی وجہ

شاعر نزاری نے آذربائیجان کی سیاحت کی تھی اپنی اس سیاحت کے دلچسپ واقعات کو اپنے منظوم سفرنامہ میں قلم بند کیا ہے ان کے کلام میں یہ سفرنامہ ایک امتیازی شان رکھتا ہے اس زمانہ سیاحت میں علاقہ آذربائیجان میں ائمہ اسمٰعیلیہ سکونت رکھتے تھے۔ اُس زمانہ کے امام حاضر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تاج دین شاہزادۂ عالم   قرۃ المعانی خسروِ معظّم

بو المعانی محمد ابن ادلے   میوۂ لطف باغ لم یزلی

یعنی   وہ مذہب کے تاج اور عالم کے شہنشاہ ہیں

دنیا کے شاہان اعظم کی آنکھوں کے نور علیؑ کے صاحبزادے (شمس الدین محمد) اسرار روحانی کے مالک اور باغ جاوید (خلد) کے میٹھے پھل ہیں۔

دولت شاہ سمرقندی تذکرۃ الشعرا نامی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ شاعر نزاری خلفا اسمٰعیلیہ کے ارادتمندوں میں سے تھے اسی سبب سے آپ نے فاطمی خلیفہ شاہ نزار کے نام پر اپنا نزاری تخلص رکھا تھا۔ آپ کے اشعار آپ کا اسمٰعیلی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔

پروفیسر براؤن اپنی ادبی ایرانی تاریخ میں نزاری کی نسبت لکھتے ہیں کہ نزاری کی تصنیف کردہ نظمیں مشہور اسمٰعیلی شاعر ناصر خسرو کے ہم پلہ اور ہمعصر شمار کئے جانے کے لائق ہیں نزاری کی جائے ولادت اور تخلص سے ان کے اسمٰعیلی مذہب کے ہونے کا ادعا محض زبانی نہیں بلکہ ان کی سوانح عمری لکھنے والے اکثر مورخین نے اس بارہ میں یہی لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے سے پہلے گذرے ہوئے امام نزارؑ کے نام پر اپنا تخلص نزاری رکھا تھا۔ بدامنی اور ظلم وستم سے محفوظ رہنے کے لئے اس زمانہ میں اسمٰعیلیوں کے لئے مضبوط قلعہ کے موافق شہر کوہستان تھا۔ اور اسی باعث شاعر نزاری نے



صوفی اعظم: حضرت شمس الدینؒ بن صلاح الدینؒ سبزواری عرف ملتانی

وہاں سکونت اختیار کی تھی -

قلعہ آلموت کو ترک کرنے کے بعد اسمٰعیلی اماموں نے اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت کوہ قاف اور آرمینیہ کے شہروں میں کی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے اور اس واقعہ کی مشہور مورخین تائید کرتے ہیں خود شاعر کے سفرنامہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بیرجند سے کوہ قاف اور آرمینیہ کی سیاحت کی ہے - اپنے اخلاق صالح اور اسمٰعیلی ہونے کا فخر کرتے ہوئے عمر خیام کے ساتھ مناسبت دکھلاتے ہوئے فرمایا ہے -

چوں چندیں برآمد ازیں نظر باز ھلالم دگر بارہ شد بدر باز
ضرورت علی الجملہ خیام وار گرفتم بکف برے خوشگوار

یعنی جب اس حد تک میں نے اپنی نظر دوڑائی تو مجھے خود ہلال ایک بدر کامل کی طور پر دکھائی دیا - فی الجملہ بہ اقتضائے ضرورت میں نے بھی خیام کی طرح میرے کف دست میں خوش ذائقہ شراب اٹھائی - نزاری اپنے عمر کے آخری حصے میں اورینٹیل بایوگرافیکل ڈکشنری کے مصنف کے بیان کے مطابق دنیا سے فارغ البال ہو کر زراعت کر کے تنہائی میں اپنی زندگی گزار کر امام زمان کی یاد میں ہر وقت مست و سرشار رہا کرتے تھے نزاری کی وفات ۷۲۰ھ میں ہوئی - اس وقت حضرت امام قاسم شاہؑ کا زمانہ تھا -

اسمٰعیلی مبلغ پیر شمس الدین سبزواری

ہندوستان کی اسمٰعیلی دعوت میں پیر شمس الدین سبزواری کا درجہ نمایاں ہے ان کا حال بیان کرنے کے قبل ان کے آبا و اجداد کے متعلق کچھ بیان کریں گے پیر شمس الدین سبزواری کے ایک خاندانی بزرگ سید ہاشم علی بن سید احمد ہادی نے ۴۰۸ھ میں یمن میں انتقال کیا تھا - سید ہاشم علی یمن سے قاہرہ گئے تھے - ان کی والدہ محترمہ کا نام خیر النسا تھا - جو سید ابراہیم کی صاحبزادی ہوتی تھی - وہ عارف و کامل تھے یہ سب بزرگ اسمٰعیلی سلسلہ میں منسلک تھے سید ہاشم نے بعد میں قاہرہ سے آکر ایران کے شہر سبزوار میں بود و باش اختیار کی تھی - صاحب

گلزار شمس تبریز لکھتے ہیں کہ سید ہاشم علی حضرت امام نزارؑ کے شاہزادہ حضرت امام ہادیؑ کے ساتھ قلعہ الموت میں آئے تھے۔ حضرت شمس الدین سبزواری تبریزی ان کے خاندان سے تھے۔

حضرت امام شاہ قاسمؑ کے زمانہ میں حضرت پیر شمس کو اپنے خدمت میں طلب کرکے اپنے وکیل بناکر یعنی داعی کا لقب عنایت کیا تھا اور ایران سے باہر دوسرے شہروں میں دعوت دینے کا حکم دیا تھا۔ اس کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت امام کی دست بوسی کا شرف حاصل کرکے روانہ ہوئے۔ جرکس کی راہ سے گذرتے ہوئے بدخشان آئے۔ آپ نے وہاں امام قاسم شاہ کی دعوت دینی شروع کی۔ اور تھوڑے عرصے میں ایک بڑی تعداد نے آپ کی دعوت قبول کی۔ واسماعیلی مذہب میں شامل ہوئے۔

دعوت کی ابتداء

بدخشان سے تبت کو جاتے ہوئے ... وہاں بھی چند روز قیام کرکے دعوت کا کام کیا۔ اسی طرح ... حضرت ... ہوتے ہوئے ہندوکش کے راستے سے پامیر کے ... ہوتے ہوئے کشمیر آپہنچے

ان تمام مقامات میں حضرت پیر شمس نے تبلیغ کا کام برابر جاری رکھا تھا۔ آپ کو سفر میں بعض اوقات اناج میسر ہوتا۔ اور اکثر اوقات فاقہ کشی میں گذارتے تھے بہت سے مقامات میں پانی بھی میسر نہ ہونے کے باعث آپ کو بہت سی جسمانی تکالیف اٹھانی پڑیں۔ لیکن ایسی بہت کچھ تکلیفیں اٹھاکر اپنے منزل مقصود پر آپہنچے اور وہاں اپنی سکونت اختیار کی۔ اور تبلیغ کا کام انجام دینے کے واسطے آپ نے کئی زبانیں سیکھیں

پیر شمس کے منظوم نصائح

ایک روز حضرت پیر شمس پھرتے پھرتے انل گاؤں آپہنچے اس زمانہ میں وہاں دسہرا کا تیوہار تھا اور ہندو ایکطرف گربے گا رہے تھے ان کے ساتھ شامل ہوکر حضرت پیر شمس

بھی گربی راگ گانے لگے ۸ ۲ گربیان پیر نے گائے جن میں اسلام کی روح پھونکی گئی تھی۔
ان گربیوں میں زمانہ کے امام حضرت امام قاسم شاہ کی دعوت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:-

بانو قاسم شاہ نور ... نافلو آل امام [illegible]

[illegible] نافلو ... [illegible]

[illegible] نافلو امامت ... قاسم شاہ [illegible]

[illegible] نافلو ... [illegible] پیر شمس [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گربی ... [illegible]

[illegible] گربی کے ... [illegible]

اس طرح ۲۸ گربیان ... پیر شمس نے گائیں ... [illegible] مانتے تھے
جو ہندو وہاں حاضر تھے وہ تکتے گئے۔ اس گربی میں جو ہندو نیر شامل ہوا تھا اس کو ہدایت ہوئی اور انہوں نے اپنے زنار یعنی جنیو کو اتار کر مذہب اسلام سے مشرف ہوئے اور پیر شمس الدین کے ہاتھ پر امام زمان قاسم شاہ کی بیعت کی۔ اس موقع پر اترے ہوئے زنار کا ایک ڈھیر لگ گیا۔

اس شہر میں ایک پارسا عورت امینا بائی نامی رہتی تھی اس نے حضرت پیر شمس کی ضیافت کی۔ پیر نے اس خاتون کے گھر جا کر ایک آزمائش کی۔
خاتون نے نہایت عزت سے لذیذ الوان نعمت تیار کر کے پیر کے سامنے پیش کیا۔ انہیں دیکھ کر پیر شمس نے کہا کہ ہم سے یہ پکوان نہ کھایا جائے گا۔ تم کچے سوت سے

دھاگے سے بندھے ہوئے کچے گھڑے میں کنویں سے تازہ پانی بھرلاؤ اور اس پانی سے پکایا ہوا کھانا ہم کھائیں گے۔

اینا بائی چونکہ پرہیزگار تھی اپنے پارسائی کے بل پر اس کام میں کامیاب ہوئی، پیر شمس اس خاتون سے نہایت خوش ہوئے اور دعائے خیر کرتے ہوئے طعام نوش کر کے وداع ہوئے

کشمیر میں اسمٰعیلی تبلیغ - چنگڑ اور چک لوگ

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ پیر شمس اپنے قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اس وقت چنگڑ نامی مشہور قوم کے ایک جنگلی گروہ نے پیر شمس اور ان کے قافلہ کو گھیر لیا ایسے مشکل وقت میں پیر شمس نے نہایت انکساری سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کی اور وہ لوگ سب تابع فرمان ہو گئے۔

پنجاب میں یہ قوم دو لاکھ کی تعداد میں بستی ہے۔ وہ سب پیر شمس کے مرید ہیں، پیر شمس کے کشمیر آنے کے بعد اہل کشمیر کی ایک بڑی تعداد ان کی مرید ہو گئی اور وہاں کے سلاطین بھی ان کے مریدوں کی جماعت میں شامل ہو گئے، تمام پہاڑی علاقہ تبت، کشمیر، گیلان، یارقند، اسکردو، پنجاب، ملتان وغیرہ میں مشن بڑا بڑا کام کر رہا تھا۔ اس زمانہ میں پیر شمس نے کئی منتخب اشخاص کو خداوندی راز کی ہدایت فرمائی۔

حضرت پیر شمس کے مریدوں میں کون کون سے لوگ داخل ہوئے تھے انکی مفصل کیفیت تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتی ہے اس میں لکھا ہے کہ آپ کے تمام مریدین ہندو تھے جس میں قوم چک کی زیادہ تعداد تھی اور لداخ اور زنسکر کی ذیادہ قوم بھی آپ کی مریدی میں داخل ہوئی تھی مصنف تاریخ فرشتہ رقمطراز ہیں کہ فتح خان آدم خان ۸۹۴ھ میں جب کشمیر کے تخت پر بیٹھا تو اُسنے فتح شاہ کا لقب اختیار کیا، سیفی ڈانکری نامی ایک شخص کو حکومت کے بڑے ذمہ دار... کام سپرد کر دیئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت امام قاسم شاہ بن حضرت امام شمس الدین محمد کی طرف سے نوربخشی مریدوں میں سے پیر شمس نامی ایک بزرگ شہر عراق سے کشمیر آئے انھوں نے اکثر لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ انھوں نے اپنی تمام مذہبی ملکیت اور عبادت خانے پیر شمس کو سونپ دیے

پیر شمس کے جو مریدین صوفی خیال کے تھے انھوں نے بت خانوں کو منہدم کرنے کا کام جاری کیا۔ ان کو کسی نے نہیں روکا۔ ان لوگوں میں چک فرقہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ انھوں نے صوفی شیعہ مذہب اختیار کیا تھا۔ مگر اس وقت پیر شمس کے مذہب کی باریکیوں کو بالکل سمجھتے نہ تھے۔ وہ تمام لوگ ان کی وفات کے بعد پھر بے دین ہو گئے۔

نوربختی مذہب۔ آھوتِ فقہ۔ شمسی مت

تاریخ فرشتہ میں ایسا بھی لکھا ہے کہ بادشاہ فتح خاں کی وفات کے ایک مدت دراز کے بعد یعنی ۹۹۵ھ میں اکبر بادشاہ کے ماتحت جب کشمیر آیا اس وقت مرزا حیدر نامی ایک ترک کشمیر کا حاکم تھا۔ حکومت کشمیر کا اختیار لینے کے بعد اس نے دیکھا کہ کشمیر کے تمام باشندے شیعہ نوربختی مذہب اختیار کئے ہوئے ہیں اور ان کی کتاب آھوتِ فقہ اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ جب اس نے اس کتاب کو پڑھا تو اپنے مذہبی طریقہ سے کچھ خلاف پایا۔ اس لئے اس نے حکم نافذ کیا کہ کشمیر کی رعایا میں سے یہ کتاب جس کے پاس ہو۔ وہ سب حاکم کے حوالہ کر دیں شاہی حکم کے موافق سب نے اپنی کتاب اسے سونپ دیں۔ میرزا حیدر چونکہ حنفی المذہب تھا۔ اس نے آھوتِ فقہ کو خوب غور سے پڑھا مگر سوائے فضائل اہل بیت اور کچھ بھی اس میں نہ پایا۔ بعد ازاں ایک کتاب دہلی روانہ کر دی اور دوسری نقول علماء کے پاس فتویٰ کے لئے بھیجی گئیں۔ علماء ہند نے اس کتاب کی نسبت کفر کا فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ میں ایسا لکھا تھا کہ اس کتاب کے ماننے والوں کو قتل کر ڈالو اور ان تمام کتابوں کو جلا دو۔ اس حکم کی تعمیل میں میرزا حیدر نے تمام کتابوں کو جلا دیا۔ اور اس کے ماننے والوں کو قتل کر دیا۔ اس زمانہ سے اکثر لوگ خوف کے مارے حنفی بن گئے۔ اور اکثر درویشی اختیار کر کے سلطنت کی حدود سے باہر چلے گئے۔

اس کے بعد پیر شمس کا اسمٰعیلی طریقہ بالکل ضعیف ہو گیا اور شمسیہ خاندان میں بہ سینہ بہ سینہ مخفی رہا۔ پیر شمس نے جو راستہ دکھایا تھا۔ اسے اہل ہنود شمسی مت کہتے ہیں۔ یہ اہل مذہب حضرت علیؑ کو مظہر ذات خدا مانتے ہیں۔

گزار شمس کی روایت کے بموجب حضرت پیر شمسؒ ہدایت کرتے ہوئے کراچی چلے گئے۔ یہاں بھی ان کی ملاقات کے لئے ہزاروں لوگ آتے تھے۔ اور ان کے بیچ میں بیٹھ کر آپ پند و نصائح کرتے رہتے تھے۔ زمانہ کے امام حضرت امام قاسم شاہؑ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے اور اس طرح تبلیغ کرتے کرتے آپ آہستہ آہستہ ملتان جا پہنچے۔

ملتان کی مسجد میں پیر شمسؒ کا ورود

ملتان میں پیر شمس نے ایک مسجد قدیم کے گوشہ میں جا قیام کیا جہاں لوگ نماز و عبادت کیلئے جمع ہو گئے تھے۔ اور پیش نماز نے نماز شروع کی۔ پیر شمس بھی صف میں کھڑے ہو گئے تھے مگر نماز کے درمیان بیٹھ گئے کیونکہ پیش نماز کے دماغ میں خیالوں کا ہجوم امنڈ رہا تھا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد تمام لوگ پیر شمس کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ پیر شمس نے انہیں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے لئے کہا۔ بعد ازاں آپ نے کہا کہ پیش نماز جب تک اللہ کی یاد میں تھا۔ تب تک ہم بھی اس کے ساتھ تھے مگر جب اس کا دماغ ہر چہار طرف پھرنے لگا۔ تو ہم بھی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ محو حیرت ہو گئے۔ اور خیال کیا کہ اس بھید کو بتانے والا کوئی مرشد کامل ضرور ہو گا۔ تمام لوگوں نے ان کے خیال سے متفق ہو کر عرض کی کہ آپ امام بنیں اور ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ پیر نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اس لئے سب وضو کرنے لگے۔ حضرت شمس وضو کرنے کے عوض ہاتھ بھر بھر کر پانی پینے لگ گئے یہ دیکھتے ہی تمام لوگ غضب ناک ہو گئے۔ اور لوگ انہیں کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ اس کے قبل انہوں نے اپنا تمام جسم ہلا کر سارا پانی قے کر دیا۔ پھر ہاتھ پاؤں دھو کر قبلہ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ تمام لوگ ان کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ نماز شروع ہوتے ہی لوگوں کے دلوں میں یک سنسنی سی پیدا ہونے لگی اور تمام لوگ جونہی سجدہ میں گئے۔ ویسے ہی مسجد کے تمام کنگورے بھی جھک کر سجدہ میں گئے۔ اس معاملہ کو دیکھتے ہی تمام لوگ نماز توڑ کر مسجد سے باہر نکل گئے پیر شمس نماز سے فارغ ہونے کے بعد باہر آ کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے یہ کرامت دیکھ کر

لوگوں نے عاجزی سے پوچھا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے پیر شمس نے فرمایا

من پیرا مصلّے اور اللہ میرا قاضی — کایا مسجد (مسجد بن) ہماری مستیاں

اندر بیٹھ میں نماز گذاروں — مورکھ کیا جانے طاعت ہماری

صوفیانہ کلام سُن کر حضرت پیر شمس کی وقعت تمام لوگوں پر چھا گئی اور کثرت سے لوگ پیر کی خدمت میں آنے لگے۔

بہاؤالدین زکریا درویش

حضرت پیر شمس کی شہرت بڑھنے سے بہاؤالدین زکریا نامی ایک درویش کو اپنی عزت کی نسبت ڈر پیدا ہوا۔ گلزار شمس کی روایت کے بموجب اس نے اپنے خاص مرید خان محمد سید حاکم شہید کو حکم دیا کہ پیر شمس ملتان آئیں گے تو ہمیں بھی ان کی طاعت کرنی پڑے گی اس لئے تمام کشتیوں کو ادھر سے لوٹا دو تاکہ وہ یہاں نہ ہوسکیں بہاؤالدین زکریا کے مرید نے اس پر عمل کیا۔ پیر شمس نے کنارہ پر آکے دیکھا تو ایک بھی کشتی نظر نہ آئی۔ یہ دیکھتے ہی انہیں بے حد غصہ آیا۔ ایک کاغذ کی کشتی بنائی اور اس میں خود بیٹھ گئے۔ اور کشتی کے ساتھیوں کو اپنی انگلی پکڑنے کے لئے کہا۔ سبھوں نے اس پر عمل کیا۔ کشتی اسی وقت ندی میں بہنے لگی۔ مگر چکر کھانے لگی۔ پیر شمس نے دریافت کیا کہ کسی کے پاس دنیوی مال و متاع ہے کیا؟

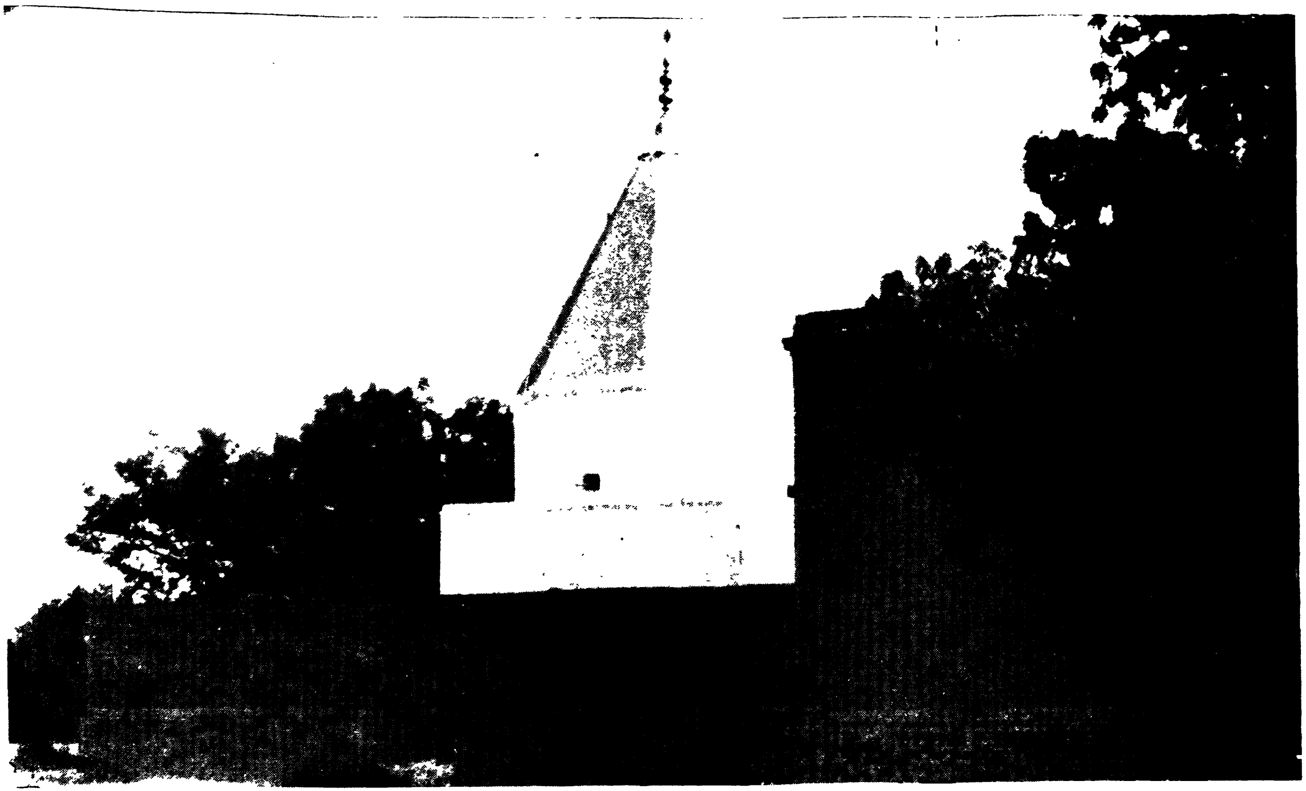
شاہزادہ محمد کو ان کی والدہ نے زاد راہ کیلئے چند زیورات دیئے تھے اس کو انہوں نے پیر شمس کے سامنے رکھدیا آپ نے اُن جواہرات کو دریا میں پھنکوا دیا دیتے ہی کشتی بھی ندی میں بہنے لگی۔ کشتی کے ندی کے بیچ میں آتے ہی بہاؤالدین کی نظر اس پر پڑی اور اس نے بدعادی اس لئے کاغذ کی کشتی وہیں رک گئی۔ پیر شمس الدین ہر چہار طرف نظر کرنے لگے کہ آخر بات کیا ہے؟ پیر شمس کی نظر بہاؤالدین پر پڑی جو کھڑکی میں بیٹھا تھا۔ انھیں معلوم ہوگیا کہ اس شخص نے میری کشتی روکی ہے۔ پیر شمس نے اس کی طرف جونہی نظر اٹھائی ویسے ہی بہاؤالدین کے سر میں دو سینگ پیدا ہوگئے۔ اور اس کا سر وہیں کھڑکی میں اٹک گیا۔ اس مصیبت سے وہ گھبرا گیا اور اپنے فرزند صدر

اور شیخ الدین کو معافی طلب کرنے کے لئے پیر شمس کی خدمت میں فوراً روانہ کیا۔ حضرت پیر شمس اس کے قبل ہی مسجد قدیم میں آ پہونچے تھے۔ وہاں پیر شمس الدین سے ان دونوں لڑکوں کی ملاقات ہوئی انھوں نے اپنے والد پر جو مصیبت پڑی تھی بیان کرکے آپ سے معافی طلب کی، آپ نے اُن کے حق میں دعا فرمائی اور بہاؤ الدین کو مصیبت سے نجات ملی۔ آج دن تک دونوں سینگوں کی نشانی اُن کے ذکور فرزندوں میں باقی ہے اور جس کھڑکی میں بہاؤ الدین بیٹھا تھا۔ وہ کھڑکی بھی ابھی موجود ہے ملتان شہر کے سیاحت کرنیوالوں کو یہ چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں جس زمانہ میں حضرت پیر شمس کی سکونت ملتان میں تھی اسی زمانہ میں بادشاہ کا لڑکا مر گیا چونکہ اس بادشاہ کا اکلوتا فرزند تھا اس نے بجد مغموم ہوا اور اس نے فقرا صوفیاء اور حکماء سے کہا کہ تمھارا دعویٰ ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی قربت حاصل کی ہے اور اس سبب سے میں تمہیں ہمیشہ بڑی بڑی رقمیں اور بخششیں عطا کرتا رہتا ہوں اس لئے آج جس طرح ممکن ہو چاہے حادثہ لے لو مگر میرے اس مردہ لڑکے کو زندہ کردو اور اگر خدا کے نزدیک تم سچے ہو تو ضرور اس کو عمل میں لا کر دکھاؤ گے اگر اس عمل میں تم ناکامیاب رہے تو تم سب کو میں کولہو میں پلوا دوں گا۔

قم باذن اللہ یا قم باذنی

یہ ماجرا سن کر تمام گھبرا گئے اور اپنی زندگی کی سلامتی کے لئے ان لوگوں کی نظر حضرت پیر شمس پر پڑی اور انھوں نے مشورہ کرکے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ صاحب کرامت شخص ہے لہٰذا اس کے پاس ہم چلیں اور عرض کریں یہ ارادہ کرکے سب لوگ پیر شمس کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے سر پر موت منڈلا رہی ہے اس لئے از راہ کرم ہمیں بچائیے اور بادشاہ کے فرزند کو اپنی کرامت سے زندہ کر دیجئے۔

پیر شمس نے اس مطالبہ کو منظور کر لیا اور مردہ فرزند کے پاس جاکر بادشاہ کے فرزند کی طرف نظر دوڑائی اور فرمایا کہ قم باذن اللہ یعنی خدا کے حکم سے اُٹھ" مگر وہ شاہزادہ نہ اٹھا۔ پھر آپ نے کہا۔ قم باذنی یعنی میرے حکم سے اُٹھ۔ اس کہنے کے ساتھ ہی فی الفور شاہزادہ انگڑائیاں لیتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے فرزند کو زندہ دیکھ کر بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ پیر شمس کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے



کیشو پری (ملتان) کا مشہور مندر جہاں حضرت پیر شمس الدینؒ نے نزول آفتاب کی کرامت دکھائی تھی۔

یہ لوگ جو سوت کے پنجہ میں پھنسے ہوئے تھے ۔ بے وفائی پر آمادہ ہو گئے اور پیر پر تہمت لگی کہ اپنے حکم سے بادشاہ کے فرزند کو زندہ کیا اس لئے شرعی حکم اس پر نافذ ہونا چاہیئے اور ان کی جسم کی کھال جیتے جی اُتار لینی چاہیئے ۔ پیر شمس نے جب دیکھا کہ تمام لوگ مخالف ہو گئے ہیں تو آپ نے اپنے جسم پر ایک کالی کمبلی ڈالی ۔ اور اپنے سر کے بالوں کو ہاتھ میں پکڑ کر تمام جسم کی کھال کھینچ کر علماء کے سامنے پھینک دیا انھوں نے یہ دیکھ کر کانپنا شروع کیا مگر چونکہ اپنے گنہگار سے کسی طرح کا تعلقات مذہبًا مانع ہے اس لئے ان حکام کے مطابق رعایا نے ان سے تمام کاروبار اور لین دین بالکل ترک کر دیا ۔ عرصہ دراز اسی طرح گذر گیا ۔ اور جب بھوک معلوم ہوئی تو آپ نے رعایا سے اپنے لئے کھانا مانگا ۔ مگر کسی نے کچھ نہ دیا ۔ اسی نا اُمیدی کی حالت میں ایک قصاب کو آپ پر رحم آیا اور اس نے خفیہ طور پر ایک گوشت کا ٹکڑا آپ کو دے دیا ۔ اب اسے پکانے کی فکر ہوئی ۔ اسی حالت پر غور کرتے ہوئے آپ شہر ملتان سے باہر چلے آئے اور سورج کی طرف نظر کر کے فرمانے لگے ۔

اے آفتاب اے آفتاب — گرمی مکن گرمے مکن
خود یک زماں خاموش شو — من عاشق دیرینہ ام
اے آفتاب تیز رو — گرمے مکن گرمی مکن
نرمک مکن آہستہ رو — من عاشق دیرینہ ام

یعنی اے آفتاب تیزی مت کر، اے آفتاب تیزی مت کر، تو ایک پل کے لئے تھم جا میں زمانہ قدیم سے تیرا عاشق ہوں اے تیز رو آفتاب تیزی مت کر تیزی مت کر اور گرم نہ ہو ۔ آہستہ چل، میں زمانہ قدیم سے تیرا عاشق ہوں ۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ یہ اشعار پیر شمس کی زبان سے تمام ہوتے ہی آفتاب نیچے اُتر آیا اور تمام ملتان شہر گرمی کی شدت سے بیچین ہو گیا ۔ کئی اشخاص دوڑتے ہوئے پیر شمس کے پاس آئے ۔ اور پاؤں پر گر کر معافی طلب کی ۔

اسی اثنا میں ایک لحظہ میں گوشت پک جانے سے سورج اپنی جگہ پر چلا گیا جس جگہ سورج اُترا تھا وہ جگہ اسٹیشن سے بہت قریب ہے ۔ ہر سال وہاں میلا لگتا ہے یہ جگہ سورج کنڈ کے نام سے مشہور ہے

اس جگہ کیشو پوری نامی فی زمانناایک مندر ہے جس میں پیر کے کرامت کی تصویر دیوار پر کھنچی ہوئی ہے
مورخین لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت پیر شمس کشمیر میں آئے تھے اس وقت وہاں ایک
قوم سورج کو پوجنے والی رہتی تھی جو سورج کی روشنی کے وقت نہایت خوف اور ڈر سے
زندگی بسر کرتی تھی - اور عبادت کے کاموں میں ان اوقات کو صرف کرتی تھی لیکن جب سورج
غروب ہو جاتا - اور زمین پر ظلمت شب چھا جاتی تو وہ تمام انواع کے گناہوں کی ارتکاب
سے بالکل نہ ڈرتی تھی - اس کا اعتقاد تھا کہ ظلمت کے وقت سورج سویا رہتا ہے اس لئے انسان
کے گناہوں کو دیکھ نہیں سکتا - اور اندھیرے کی بداعمالی گناہوں میں شمار نہیں ہوتی اس جاہل
قوم کو پیر شمس نے وعظ و نصیحت کرکے مذہب اسلام میں داخل کیا یہ فرقہ بعد ازاں شمسی نام سے متعارف
ہونے لگا - جن کے خاندان کے لوگ فی الحال پنجاب میں موجود ہیں -

پیر شمس الدین سبزواری ملتانی اور ان کی وفات

حضرت پیر شمس الدین کی پیدائش ایران کے سبزوار گاؤں میں ہوئی تھی اس زمانہ میں
سبزوار کا سلطان میرزا محمد یادگار تھا - حضرت پیر شمس الدین کی والدہ فاطمہ بنت سید عبدالہادی
نام سے متعارف تھیں پیر شمس الدین کی شادی آپکے ماموں سید جلال الدین کی لڑکی بی بی حافظہ جمال کے
ساتھ ہوئی تھی - دو سال کے بعد ان کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا - جو سید نصر زندہ پیر کے نام سے
لوگوں میں مشہور رہے ہیں -

حضرت پیر شمس الدین حضرت امام قاسم شاہؑ کی خدمت میں یک عرصہ دراز تک تبریز میں رہے تھے جس
کے باعث انہیں شمس الدین تبریزی بھی کہتے ہیں اور ان کی پیدائش سبزوار میں ہونے سے سبزواری
بھی کہتے ہیں - شام اور مصر کی عایا انکو شمس مغربی کہتی ہے اور کشمیر میں سکونت پذیر ہونے کے بعد شمس الدین
عراقی کے نام سے بھی پہ مشہور رہے -

حضرت پیر شمس الدین کی وفات ۷۵۷ھ میں ملتان میں ہوئی تھی ان کی وفات کی تاریخ ایک
فارسی شاعر نے ابجد کے حساب سے فارسی میں نظم کی ہے جس میں ان کا سال وفات نکل آتا ہے -



روضۂ پیر شمس الدینؒ ملتانی :۔ ملتان میں واقع ہے۔

ہجرت ہفت صد و پنجاہ و از ہفت — حساب حاسبان تاریخ در وقت

گجرات کے "نزاری مذہب" اور پنجاب کے شمسی مذہب لوگوں کی نسبت اسمٰعیلیوں سے آگے جاکر حضرت پیر شمس کے ہاتھ پر اسمٰعیلی مذہب اختیار کرنے والے مریدوں سے [illegible] زمانے کے سلاطین کے ظلم و [illegible] یا رعایا کی کثیر التعداد کے زور سے بہت سے لوگ اثنا عشری بھی ہو گئے تھے اور [illegible] کا بہت سا حصہ اہل سنت میں شامل ہو گیا تھا۔

حضرت پیر شمس الدین کا مزار ملتان میں ہے جس پر ایک سونے کا گنبد بنا ہوا ہے ملتان کی عام رعایا اسے نہایت احترام کی نظر سے دیکھتی ہے اہل علاقہ کے [illegible] میں ان کی عزت بھی کی جاتی ہے۔

گلزار شمس کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت پیر شمس سبزواری کا دوسرا بیٹا نصیرالدین اور حضرت پیر شمس کے دو فرزند [illegible] ملتان کی نگرانی میں [illegible] کیا گیا تھا جو [illegible] اسمٰعیلی خاندان [illegible] سے [illegible] شہر [illegible] [illegible] چند لوگ [illegible] اصفہان، خراسان، [illegible] بدخشان [illegible] اسمٰعیلی [illegible] [illegible] ان کے مرید بھی رہے۔

"تاریخ فرشتہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ قاسم شاہ انور الدین کے مرید اسمٰعیلیوں کے زمانے کے امام اثنا عشری تھے۔ پیر شمس ملتان والے ان کے مرید تھے۔

گلزار شمس میں بیان کیا گیا ہے کہ سید محمد زردوز **الملقب** بہ شمس تبریزی بن سید رکن الدین خورشاہؑ کے فرزند سید قاسم شاہ آذربائیجان میں رہتے تھے ان کی وفات بھی وہیں ہوئی تھی۔ انھیں وہیں دفن بھی کیا گیا ہے۔

امام کا شہر قاسم آباد

حضرت امام قاسم شاہؑ نے اپنی تمام زندگی درویشانہ طور پر بسر کی آپ کی سرپرستی میں اسمٰعیلی مشن اپنا کام برابر کر رہا تھا۔ اور اسمٰعیلی مذہب کے مریدوں نے ایک بڑی جماعت

میں شامل ہوکر قاسم آباد نامی ایک شہر بسایا تھا جس میں تمام اسمٰعیلی رہتے تھے۔ اس شہر کا نام امامؑ کے مبارک نام سے نامزد کیا گیا تھا۔

حضرت امام شاہ قاسمؑ کی وفات ۷۷۱ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ وہ ۶۱ سال تک تخت امامت پر مسند نشین رہے۔ آپ کے فرزندوں میں حضرت امام اسلام شاہؑ آپ کی وفات کے بعد امامت کے تخت پر متمکن ہوئے۔

حضرت امام اسلام شاہ (علیہ السلام)

سنِ امامت از ۷۷۰ہجری تا ۸۲۷ہجری

حضرت امام اسلام شاہؑ ۷۷۰ھ میں امامت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کا پورا نام سید احمد اسلام شاہؑ تھا۔ پیر صدرالدینؒ اور پیر حسن کبیرالدینؒ نے آپ کو اسلام شاہؑ کے نام سے متعارف کرایا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام "خلیفہ بی بی" تھا۔ گلزار شمس نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امام احمد اسلام شاہؑ کے پیر صدرالدینؒ خلیفہ اور پیر تھے جنھوں نے ہندوستان میں اسمٰعیلی دعوت کر کے سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں ایک مجمع کثیر ہندو اور خاص کر کے لوہانہ قوم کو اسلام سے مشرف فرمایا۔ اس زمانہ میں تمام اسمٰعیلی جماعتوں کو ایک ہی جماعت میں شامل کر کے ایک ہی نام سے معروف کرنے کے لئے حضرت پیر صدرالدینؒ نے نہایت زبردست کوشش جاری کر رکھی تھی۔

آثار محمدی نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امام قاسم شاہؑ کے بعد امام اسلام شاہؑ قائم مقام ہوئے تھے۔ حضرت امام مذکور کے زمانہ میں سید صدرالدینؒ کو ھدایت کی مسند پر تقرر کر کے ہندوستان میں سندھ کی جانب دعوت کے لئے روانہ کیا۔ سید صدرالدینؒ کا لقب "وصی محمد" بھی ہے۔

حضرت امام اسلام شاہؑ ایران کے "بابک" اور کوہک کے ضلع میں سکونت کرتے تھے کوہک شہر کو کیک شہر یا ویرجا شہر کے نام سے بھی پیر کے اقوال میں ظاہر کیا گیا ہے۔

حضرت امام اسلام شاہ (علیہ السلام) کے زمانہ کا ایران

حضرت امام اسلام شاہؑ جس زمانہ میں ایران میں رہتے تھے اس وقت سلطنت میں تمام

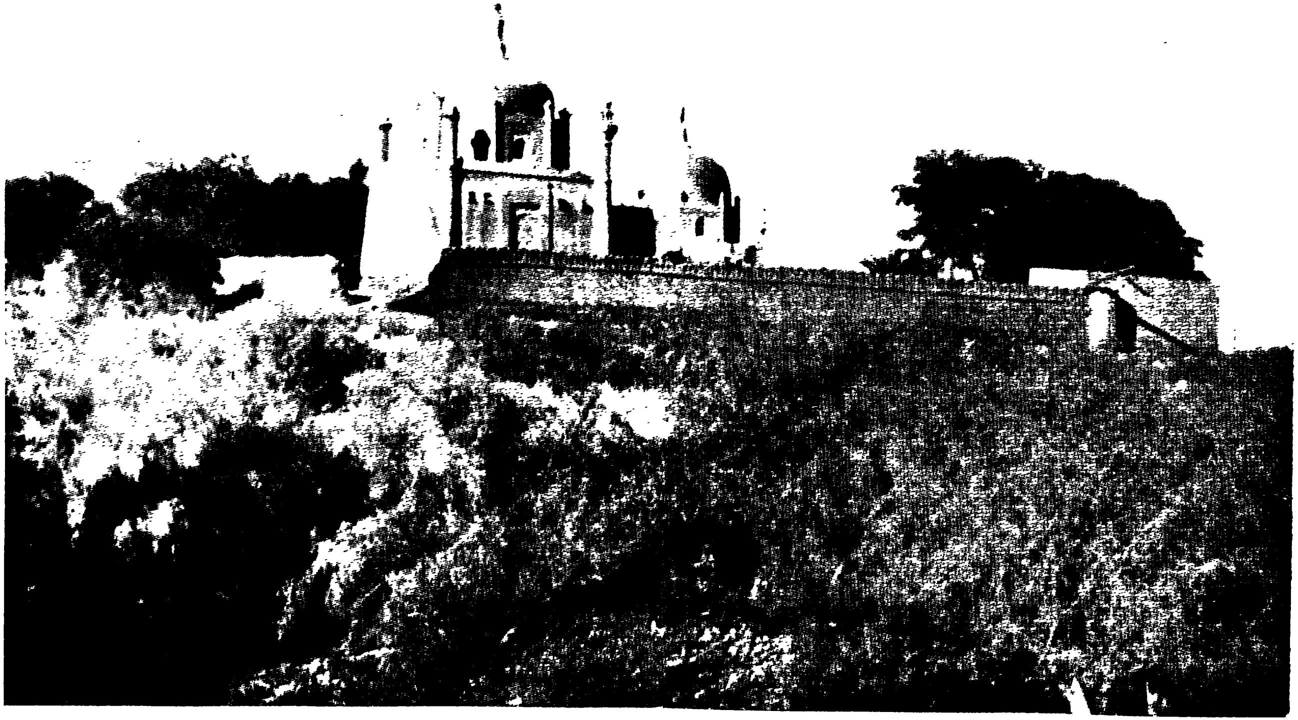
بدامنی اور ظلم وستم پھیلا ہوا تھا - ہر روز نئے بادشاہ اور نئی سلطنت کا قیام ہوتا تھا حضرت امامؑ کے طول وطویل زندگی [illegible] سلطنت میں عجیب عجیب انقلابات ہوئے تھے -

[illegible] مستقر [illegible] ہوئے [illegible] خاندان [illegible] [illegible] خراسان [illegible] [illegible] غیاث الدین تغلق [illegible] سلطنت [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] سلطنت [illegible] کے ساتھ [illegible] فتح کر لیا اور [illegible] [illegible] [illegible] سلطان [illegible] [illegible] تیمور لنگ [illegible] [illegible] [illegible] ہوا تھا -

حضرت امام [illegible] کے زمانہ میں [illegible] خاندان کے سلاطین فارس، کرمان اور کردستان پر سلطنت کرتے تھے - سلطان جلال الدین و سلطان منصور اس خاندان کے آخری حکمران تھے [illegible] تیمور لنگ نے شیراز فتح کرکے مظفری خاندان کے آخری بادشاہ کو قتل کیا اور اس کے بیٹے کی آنکھیں کو نکلوا دیا بعد ازاں صوبہ فارس کو تیمور لنگ نے اپنے فرزند عمر کو اور کرمان کی حکومت کو اپنے امیر شیخ میرزا کو سونپ دیا تھا -

حضرت امام سلامہ شاہؑ کے زمانہ میں ایک دوسرا ایرانی خاندان سلطنت کرتا تھا اس سلطنت کا بانی ایک شخص فضل اللہ نامی تھا - جو سلطان ابو سعید بلخان کے دربار میں سربداری کے عہدہ پر مامور تھا - اور اسی کے عہدہ کے لحاظ سے اسکا خاندان ایران کی تاریخ میں سربداران کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کا آخری سلطان خواجہ علی موید تھا - تیمور لنگ نے خراسان پہنچکر اس کی شان واقتدار کا اقرار کیا - اور اسے اپنا امیر بناکر اس کے علاقہ کو اپنی حکومت سے متصل کر دیا اس کے



مقبرۂ حضرت پیر صدر الدینؒ اچھ (پنجاب)

بعد امیر خواجہ علی مؤید کو کردستان کی طرف اپنی جانب سے لڑنے کے لئے روانہ کیا ۷۸۳ھ میں وہ چونکہ انتقال کر گیا۔ اس لئے اس خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

پیر صدرالدین (رحمۃ اللہ علیہ) کی ملاقات اور تبلیغ دعوت

تیمور لنگ نے [illegible] سے ۷۹۵ھ تک ایران کے تمام حصوں کو فتح کر لیا تھا اور تمام چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو ختم کر کے ایران کو ایک ہی سلطنت کے تحت کرنے میں وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے ایران کی سلطنت کے حصے کر کے اپنے وارثوں کو بخش دیئے۔ ایک بڑی بنی ہوئی سلطنت [illegible] ہو گئی اور اس کا فائدہ تیمور لنگ کی موت کے بعد قرہ قونیلو۔ اور [illegible] تاجیک [illegible] نے حاصل کر لیا تھا۔ ان دونوں ترکمانوں نے تیموری خاندان کے علاقوں پر حملہ کر کے ان کے [illegible] حصوں کو چھین لیا تھا۔ امیر تیمور لنگ نے ایران کو ایک سلطنت کے تحت لانے میں جو عظیم الشان کوشش کی تھی وہ سب ناکام [illegible] تیموری سلطنت کے [illegible] تباہ ہونے سے پھر وہاں [illegible] اسماعیل صفوی نے ایک بڑی عظیم الشان سلطنت قائم کی [illegible] اسی طرح [illegible] وہاں پہنچ گئے۔ ایران سے [illegible] تعلق [illegible] میں [illegible] حالات میں حضرت امام نے کسی طرح کا دخل نہ دیا۔ حضرت [illegible] مذہب کی دعوت کو نہایت شاندار طور سے [illegible] اپنی زندگی نہایت امن سے بسر کرتے تھے۔ حضرت پیر کبیرالدینؒ کی یہ نظم ہے۔

اے بھائی ورچیا شہر نے کیک نگری   تنیاں آپنو علی راج بیٹھے

اے بھائی آل علی ہی نے نواسا نبی جی   تے شری اسلام شاہ نام جھنایا جی

یعنی ورچیا شہر اور کیک نگری میں اپنے بادشاہ علی جلوہ افروز ہوئے جو علیؑ کی آل اور نبیؐ کے نواسہ ہیں وہیں شری اسلام شاہؑ کے نام سے دعوت کی۔

حضرت امام شاہ اسلامؑ کے زمانہ میں دعوت کے مخصوص داعی حضرت پیر صدرالدین صاحبؒ تھے۔ گلزار شمس میں آپ کا شجرہ اس طرح لکھا ہے:۔

پیر صدرالدین بن صلاح الدین بن صالح دین بن اسلام بن بن عبدالمومن خالق دین بن محب الدین بن محمد شاہ بن محمد بن ہاشم بن احمد ہادی بن مستنصر بن عبدالمجید بن غالب وین بن محمد منصور بن اسمٰعیل ثانی بن محمد عریضی بن حضرت اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؑ تک آپ کا سلسلہ پہنچتا ہے

حضرت پیر صدرالدینؒ کی پیدائش ۷۰۰ھ میں ۲ ربیع الاول دوشنبہ کے روز ایران کے شہر سبزوار میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد کا نام نور فاطمہ بنت سید ابراہیم سبزواری تھا۔ پیر صدرالدینؒ خراسان سے ہندوستان آئے تھے وہ پیر شمسؒ کے ہمراہ رہ کر اسمٰعیلی مذہب کی تعلیم سندھ، پنجاب اور کاشمیر میں پھر کر دورہ میں حاصل کی تھی پیر صدرالدینؒ کی دعوت کا بڑا مرکز سندھ کے کوٹڑی گاؤں میں تھا۔ ۸۱۹ھ ۱۲ رجب کو پنجاب کے ادچھ گاؤں میں آپ کی وفات ہوئی۔ ریاست بہاولپور کے ماتحت یہ گاؤں ہے۔ آپ کا مزار بھی وہیں ہے جن کے مزار پر سندھ کے اسمٰعیلیوں نے ایک عالی شان روضہ تعمیر کرایا ہے۔

جس وقت پیر صدرالدینؒ سندھ میں اسمٰعیلی مذہب کی دعوت کر رہے تھے اس وقت ان کی خواہش ہوئی کہ حضرت امامؑ کے دیدار سے مشرف ہوں اس لئے سفر کے لئے تیار ہوئے اور ایران کی طرف کوچ کیا۔ جب شہر اصفہان کے پاس پہنچے اس وقت آپ کی ملاقات بابا کوہی پہاڑ کے نزدیک چند درویشوں سے ہوئی۔

درویشوں نے پیر سے سوال کیا تم کہاں سے آئے ہو اور کیا خواہش رکھتے ہو؟

پیر نے جواب دیا کہ ہم ہندوستان سے آرہے ہیں اور زمانہ کے امام حضرت امام اسلام شاہؑ کی قدمبوسی کی خواہش رکھتے ہیں۔ درویشوں نے پیر کو کچھ اپنا راز نہ دیا مگر پیر صدرالدینؒ نے درویشوں کا پیچھا نہیں چھوڑا اس درویش کے گروہ میں سے ایک درویش اپنے مریدوں کو ہمراہ لئے ہوئے حضرت امامؑ کی طرف جانے کے لئے نکلا اس وقت پیر صدرالدینؒ کے آہ وزاری پر رحم کر کے درویشوں کا اعتبار ان پر قائم ہوا۔ اور درویش کبیر نے اپنے بھتیجے شیخ محمد کے ہمراہ پیر صدرالدینؒ کو بھی روانہ کیا۔ انھوں نے تین دن تک جنگل کے سخت و شدید راستہ کو طے کر کے ایک مقام پر آرام لینے کے لئے قیام کیا اور کچھ کھانا پکانے لگے اس اثنا میں حضرت امام اسلام شاہؑ

یکایک شکار کے لئے اس جنگل میں نکل آئے حضرت امامؑ کے ساتھ پیر صدر الدینؒ کی ملاقات ہوگئی آپ نے حضرت امامؑ کی دست بوسی کی اور تمام کیفیت آپ کے سامنے بیان کی درویش شیخ محمد نے بھی حضرت امامؑ کی دست بوسی کی۔ اور پھر تیار شدہ کھانا حضرت امام اسلام شاہؑ۔ پیر صدر الدینؒ اور درویش شیخ محمد نے تناول کیا۔ بعد ازاں حضرت امامؑ نے پیر صدر الدینؒ کو پیر کا مرتبہ نوازش کیا۔ اور ہندوستان میں دعوت کرنے کے لئے فرمان جاری کیا۔ پیر صدر الدینؒ ہندوستان واپس آ کر خود مختارانہ اسمٰعیلی مذہب کی دعوت نہایت زور سے کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین شہروں میں بڑی جماعتیں قائم ہوگئیں۔ پنجاب جماعت کے مکھی سیٹھ تلسی داس اور سندھ جماعت کے مکھی ترکیم کو قائم کیا اور ضلع سندھ کے شہر کوٹڑی میں پیر صدر الدینؒ کی حاضری میں پہلا جماعت خانہ تعمیر ہوا اور مال واجبات حضرت امامؑ زمانہ کے حق کو تمام جماعتوں سے وصول کر کے پیر صدر الدینؒ نے ایران میں امامؑ کی خدمت فیض درجت میں مریدوں کے ذریعہ بھجوایا ان کی زندگی میں حضرت امام اسلام شاہؑ کی ملاقات ظاہر میں صرف دو بارہ ہوئی۔

(قنادس الاخری تصنیف مرزا عرب سلمی بیگ)

قوم خواجہ کا وجود اور پیر صدر الدینؒ کے القاب

ہندوستان میں دعوت کا کام شروع کرنے کے قبل پیر صدر الدینؒ نے ہندو مذہب کے شاستروں کی معلومات حاصل کیں اور اس میں اسلامی فلسفہ شامل کر کے حکمت کے ساتھ پاک مذہب اسلام کی سچائی کے ساتھ امام زمان کا تعارف کرایا۔ جس میں وہ نہایت کامیاب ہوئے اور کسی طرح کی زبردستی بغیر ہزاروں آدمیوں کو کلمہ توحید پڑھایا۔ اس طرح اسلام میں داخل ہونیوالے تمام لوگوں کو ایک قوم بنا دیا۔ اور انکو خواجہ کا لقب دیا۔ لفظ خواجہ اصل میں خواجہ تھا۔ اس سے مخفف ہو کر خوجہ ہوا اس کے معنی تاجر معزز۔ صاحب خانہ وغیرہ بھی ہیں فی زمانا یہ قوم ہندوستان میں خواجہ کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

حضرت پیر صدر الدینؒ سیکڑوں گنان (مذہبی بیانات) منظوم کر کے اللہ دینی اور امام زمان کی معرفت کرائی اور راستی پر چلنے کے لئے لوگوں کو نصیحت کی۔ خواجہ قوم میں زیادہ تر حصہ لوہانہ اور بھاٹیوں کا ہی جن میں آج کسی چیز کی تمیز بغیر ایک جماعت قائم ہوگئی ہے۔ خواجہ شام کو رات کے پہلے حصہ میں ورد اِک م علی الصباح روزانہ دعا پڑھتے ہیں۔ جس کا اجراء پیر صدر الدینؒ نے کیا اور تاریخ سے

بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ پیر صدرالدینؒ ہندوستان کے اولیاء اللہ میں سید صدرالدین الحسینی کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے بارہ قبائل کے آدمیوں کو فہمائش کرکے امام زمان کا تعارف کرایا تھا۔ اس لئے انہیں بابا گرو بھی کہتے ہیں۔ مذہب ہنود کے قدیم وید شاستر کی خوب واقفیت تھی اس لئے پیر صدرالدینؒ، ہرشچند اور سوہ دیو یعنی بڑے درویش کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

پیر صدرالدینؒ نے سندھ کے علاوہ ملتان، پنجاب، کشمیر، گجرات، کچھ، کاٹھیاوار میں دعوت کا کام انجام دیا تھا۔

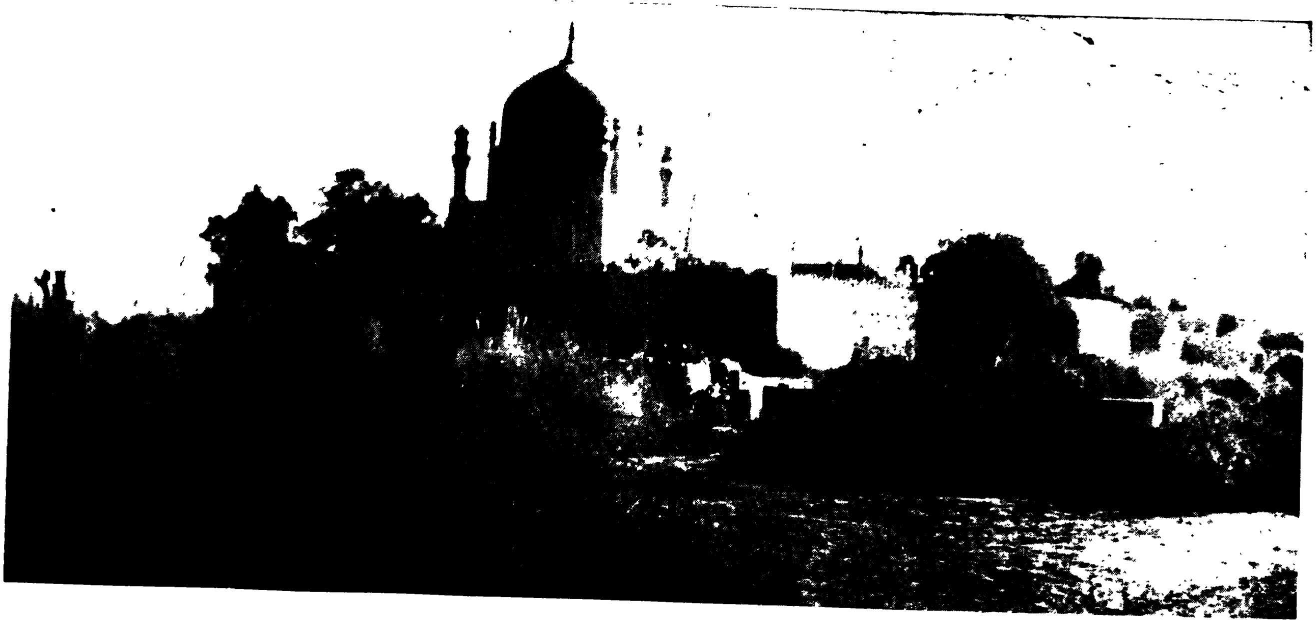
اسمٰعیلی مذہب والے علما کو بھی اپنے ہمراہ دعوت کے کام میں معاونت کے لئے چوطرف پھرتے تھے

پیر صدرالدینؒ کا قبیلہ اور اولاد

پیر صدرالدینؒ کے پانچ فرزند تھے (۱) سید ظاہرالدینؒ ان کا مزار جونپور میں ہے۔ (۲) سید صلاح الدینؒ آپ کا مزار غزنی میں ہے۔ (۳) پیر تاج الدین کا مزار سندھ میں حیدرآباد کے قریب ٹنڈو باگو سے ۲ میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں پیرو لشاری اسٹیشن سے جانے کا راستہ ہے انہیں سندھی خواجہ شاہ طریل کے نام سے پکارتے ہیں (۴) سید جمال الدین آپ کا مزار دہلی میں ہے۔ (۵) پیر حسن کبیرالدینؒ آپ کا مزار اوچھ میں ہے۔

حضرت پیر نورالدین عرف ستگور نور اور حضرت پیر شمس الدین سبزواریؒ نے مذہب کی اشاعت کر کے بیج بویا تھا۔ پیر صدرالدینؒ نے ان کی آبپاشی کرکے اسے ثمردار بنانے میں سعی کوشش کی اور ان کی جدوجہد سے ایک زندہ اسمٰعیلی قوم وجود میں آئی۔

حضرت پیر صدرالدینؒ کے چھ بھائی تھے (۱) سید رکن الدین (۲) سید بدرالدین (۳) سید شمس الدین ثانی (۴) سید نصیرالدین (۵) سید غیاث الدین اور (۶) سید ناصرالدین قلندر شاہ تھے جن میں سے آخری بھائی ۶۶۵ھ میں سبزوار سے ملتان میں آکر حضرت پیر شمسؒ کی خدمت میں رہے اور اسمٰعیلی دین کی دعوت کا حکم پاتے ہی آپ نے کوہ ہمالیہ کی حدود میں سرحد کے ملکوں میں جا کر سکونت اختیار کرکے اشاعت کا کام شروع کیا۔ پیر نصیرالدین کے فرزند سید کمال الدین سبزواری نے



مقبرہ حضرت پیر حسن کبیر الدینؒ :- ہندوستان کی اسمٰعیلی دعوت میں آپ کا بہت بڑا حصّہ ہے آپ کے بعد آپ کے اٹھارہ فرزندوں نے سلسلہ دعوت جاری رکھا تھا۔

سندھ کے نگرٹھٹا میں اپنے فرزندوں کے ساتھ سکونت کی تھی اور وہیں آس پاس کے ملکوں میں دعوت کرتے تھے سید کمال الدین کی وفات کے بعد انہیں دیپالپور میں دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار ہے۔ حضرت پیر شہاب الدین جنہیں پیر صاحب الدین بھی کہتے ہیں ان کے کل سات فرزند تھے جنمیں پیر صدرالدین اسمٰعیلیوں کے مخصوص پیر ہوئے اور دوسرے فرزندوں نے پیر شمسؒ کی نگرانی میں رہ کر اسمٰعیلی دعوت کی اور ان کا بیان اوپر لکھا جا چکا ہے پیر صاحب الدینؒ کی دو بیبیاں تھیں جن میں ایک نور فاطمہ جو پیر صدرالدینؒ کی والدہ اور دوسری خدیجہ بنت سید قاسم تھیں۔

پیر حسن کبیر الدینؒ کی دعوت

حضرت امام اسلام شاہؑ نے پیر حسن کبیر الدینؒ کو بھی پیری کا مرتبہ عنایت کیا تھا اور انہوں نے بھی دعوت کے کام میں عظیم الشان جدوجہد کی تھی۔ گلزار شمس میں لکھا ہے کہ سید السادات سید حسن کبیر الدین کفر شکن ابن سید محمود ثانی پیر صدرالدینؒ کی پیدائش ۷۴۲ھ ۲۲ شعبان یوم چہارشنبہ کو اوچھ گاؤں میں ہوئی تھی۔ آپ نے چالیس سال تک ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر عبادت کی تھی اور اپنی کرامت سے گنگا ندی کا پانی اوچھ گاؤں میں منگوا کر اس میں ہندوؤں کو اشنان کرواتے تھے جس کے باعث کثرت سے لوگ مذہب اسمٰعیلی میں داخل ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا کتاب میں اور آگے لکھا ہے کہ حضرت پیر حسن کبیر الدینؒ نے ایک مردہ بلوچ کو زندہ کر دیا تھا۔ آپ کی وفات ۸۵۳ھ ماہ صفر میں اوچھ میں ہوئی۔ اس زمانہ میں ملتان میں سلطان حسین لنگھا سلطنت کرتا تھا۔ آپ کا مزار اوچھ میں ہے۔

حضرت امام اسلام شاہؑ کے دیدار کے لئے پیر صدرالدینؒ ایران جا رہے تھے اس وقت پیر حسن کبیر دینؒ کی عمر بہت تھوڑی تھی مگر اپنے والد سے امام کی جناب میں لے جانے کی التماس کی مگر چونکہ صغر سنی کی وجہ سے خیال ہوا کہ راہ کی شدید و سخت مصیبتوں کو وہ برداشت نہ کر سکیں گے اس لئے پیر نے ان کو ہمراہ آنے سے منع کیا۔ اس حکم سے پیر کبیر الدینؒ کو نہایت افسوس ہوا اور انہوں نے امامؑ کے حضور میں التماس کرنی شروع کی کہا جاتا ہے کہ آپ نے آنکڑے جھاڑ کے پھول جمع کر کے اس میں سے روئی

نکال کر حضرت امامؑ کے لئے ایک عمامہ بن کر اور اس میں نہایت عاجزانہ، مودبانہ عبارت لکھ کر تیار کی۔ اس عمامے کے بننے میں..... چھ مہینہ اور چھ دن صرف ہوئے۔ چند مدت کے بعد پیر حسن کبیر الدینؒ اپنے والد پیر صدر الدینؒ کی اجازت سے حضرت امام اسلام شاہؑ کے حضور میں جانے کے لئے روانہ ہوئے کیک شہر میں پہنچتے ہی حضرت امامؑ سے ملاقات کی۔ حضرت امامؑ ایک تخت پر ننگے سر جلوہ گر تھے پیر حسن کبیر الدینؒ امامؑ کے قدموں پر عمامہ رکھتے ہی امامؑ نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اپنے سر پر باندھ کر اسے قبول فرمایا اور پیر حسن کبیر الدینؒ کو مرتبۂ پیر عنایت کیا۔ بعد ازاں ہندوستان میں پیر حسن کبیر الدینؒ تشریف لاکر ایک مستند داعی کے طور پر دعوت کرنی شروع کی جس میں انھیں بہت کامیابی حاصل ہوئی پیر حسن کبیر الدینؒ بہت سے مذہبی گنان یعنی تنبیہانہ نظم کر کے مذہب کی اشاعت کی جو خواجوں میں آج تک بھی جاری ہے حضرت امامؑ کا تعارف کراتے ہوئے ایک جگہ پر آپ فرماتے ہیں۔

نصیر الدین اھوا بزرگ کہئے   تینے کیک ہندوُ نے تاریا
تسکی آل پیر صاحب دین ھوا   ہوا دین رحمان

یعنی نصیر الدین نامی ایک ایسے بزرگ شخص ہوئے ہیں جنھوں نے ہندوؤں کو نجات بخشی ہے ان کی آل میں سے پیر صاحب دین ہوئے جس نے اللہ کے دین کی اشاعت کی۔

آشاجی ستیا نان ست شری اسلام شاہ لکھے   شر یود سوھے نر جی
اسینے ٹھامے جسے نر بیسے   تینے دیاڈ گیتوں لوکان

جو لوگ نیک چلن ہیں انکی امام اسلام شاہؑ دستگیری کرتے ہیں اور آپ ہی امامؑ (نر) کی طاعت بجا لاؤ۔ اور ان کی مسند پر جو امامؑ (نر) مسند نشین ہوا ہے زمانہ کے لوگ اُن ہی کی پیروی کرو۔

آشاجی شری اسلام شاہ تخت بیج بیٹھیا   تارے دین ہوا رحمان جی
سر بہ لئی گر دیے مستکے دیدھا   تارے سر اگھاڑ دکری نر بیٹھیا

اے لوگو جس دن سے امام اسلام شاہؑ مسند امامت پر بیٹھے اس دن سے خدا کے دین کا فیض اور بھی جاری ہوا پیر حسن کبیر الدینؒ نے جب امام کو عمامہ نذر کیا اس وقت آپ ننگے سر تخت پر بیٹھے تھے۔ پیر حسن کبیر الدینؒ نے اشعار مذکورہ میں امام کے طلب پر امام اسلام شاہؑ کی خدمت کرنے کی نصیحت

کی ہے اور اسی طرح اپنے بزرگوں کا بھی تعارف کرایا ہے۔

پیر حسن کبیر الدینؒ کی بی بیاں

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ پیر حسن کبیر الدینؒ کے جو بچے ہوئے تھے وہ سب تقریباً ۹۷۰ھ تک دعوت کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ سب علحدہ ہو گئے۔

پیر حسن کبیر الدینؒ کی سات بی بیاں تھیں۔ ان کے بطن سے اٹھارہ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ پہلی بیوی جیول بائی بنت سید رکن الدین کے بطن سے ۴ لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی (۱) سید اولیاء علی (۲) سید کبیر الدین (۳) سید علی گوہر نور (۴) سید عالم شاہ (۵) بلے بڑھائی۔

بی بی نور بی بی سکینہ بنت سید بدر الدین سے (۶) سید رحمت اللہ شاہ (۷) سید عاد ل شاہ (۸) اور سید جعفر شاہ ہوئے۔

بی بی عزت خاتون بنت سید شمس الدین ثانی کے بطن سے (۹) سید اسرائیل طیار غازی (۱۰) شاہباز غازی (۱۱) سبز علی پیدا ہوئے۔

بی بی حرمت خاتون بنت سید علاء الدین ابن سید کمال الدین کے بطن سے (۱۲) سید اسلام شاہ (۱۳) سید امام شاہ (۱۴) سید زمان شاہ ہوئے بی بی زھری بنت سید جلال الدین ابن سید کمال الدین کے بطن سے (۱۵) سید اسمٰعیل (۱۶) سید نور محمد پیدا ہوئے۔

بی بی حور بی بی بنت سید زین العابدین ابن کمال الدین کے بطن سے (۱۷) سید درویش علی (۱۸) سید لعل شاہ قلندر علی پیدا ہوئے۔

بی بی رحمت خاتون بنت سید جلال الدین بن سید کمال الدین کے بطن سے (۱۹) سید بالا شاہ بلند علی پیدا ہوئے۔

پیر حسن کبیر الدینؒ کا خاندان

حضرت پیر حسن کبیر الدینؒ کے اولاد کی مفصل کیفیت گلزار شمس میں اس طرح لکھی ہوئی ہے۔

سید اولیا علی کی پیدائش اوچھ مقام میں ہوئی تھی۔ آپکی عمر ۱۰۲ سال کی ہوئی تھی۔ آپ کا روضہ آگرہ میں جوڑی مسجد کے قریب ہی۔ اس زمانہ میں محمد تغلق کا صوبہ دار قوم الملک اس ملک پر حکومت کرتا تھا۔

سید کثیر الدین ابن پیر حسن کبیر الدینؒ کی ۹۲ سال کی عمر ہوئی تھی۔ آپ کا مزار اوچھ میں ہے۔

سید علی گوہر نور ثابت ابن پیر حسن کبیر الدینؒ آپ کو نر نام قلندر کے طور پر بھی پہچانتے ہیں۔ علم ظاہر میں پورا کمال حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کے پاس سے علم معرفت حاصل کر کے آپ کی اجازت سے دعوت کرنے کے لئے پنجاب میں لاہور شہر کے اندر گئے۔ وہاں سے جمع ہو کر کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں سے واپس ہوتے ہوئے محمد بوئی نامی جگہ میں لاہور کے قریب وفات پا گئے اور اسی جگہ آپ کا روضہ ہی۔

سید پیر عالم شاہ ابن پیر حسن کبیر الدینؒ ایک بزرگ کامل تھے۔ آپ کے کمال نے آپ کو آپ کے دادا حضرت پیر شمسؒ کے روضہ میں جگہ عطا کی۔ زیارت کو جانے والے پہلے سید عالم شاہ کو سلامی نذر کرتے ہیں اور یہ درجہ عالی اپنے والد کے فرمانوں پر عمل کرنے سے پایا ہے اس زمانہ میں ملتان میں سارنگ خان بادشاہ کی حکومت تھی۔

سید رحمت اللہ شاہ ابن پیر حسن کبیر الدینؒ اپنے والد کی نہایت حرمت کرتے تھے۔ علم ظاہری اور علم باطنی میں خوب استعداد حاصل کی تھی اور ان کی طبیعت میں صلاحیت کا مادہ بہت تھا۔ ان کی عمر کے آخری حصہ میں وہ گجرات کے کرٹی مقام میں رہتے تھے ان کا قبیلہ بہت بڑا تھا۔ سید عادل شاہ ابن پیر حسن کبیر الدینؒ کا مزار ڈیرہ غازی خاں میں ہے۔

سید جعفر شاہ ابن پیر حسن کبیر الدینؒ کی پیدائش اوچھ مقام میں ہوئی تھی اپنے والد کے حکم کے مطابق دکن، کاٹھیاوار کی طرف وہ دعوت کے لئے گئے تھے۔ آپ کا مزار کاٹھیاوار کے گنود گاؤں میں ہے۔

سید اسرائیل غازی ابن پیر حسن کبیر الدینؒ کی پیدائش اوچھ مقام میں ہوئی تھی۔ وہ ایک نہایت بہادر اور سخی شخص تھے۔ نصیر خاں بلوچ کے ساتھ گہرا اتحاد تھا۔ دہلی کے بادشاہ کے ساتھ جب لڑائی

شروع ہوئی اس وقت اس بلوچ کی معاونت کے لئے اپنے والد کے حکم سے اس کے ساتھ تھے۔ اور اسی لڑائی کے درمیان وہ شہید بھی ہوئے آپ کا روضہ باگناڈی ضلع سبی سندھ کے شمال میں پانچ میل پر ہے۔

سید شاہباز علی ابن پیر حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ میں ہوئی تھی آپ کا مزار بہاولپور میں آپ کے دادا شمس الدینؒ کے پڑوس میں ہے۔ اس زمانہ میں دہلی میں نصیرالدین تغلق سلطنت کرتا تھا۔

سید سبزہ علی ابن پیر حسن کبیرالدینؒ صاحب کرامات تھے اس زمانہ میں ملتان کی حکومت پر قوام الملک تھا آپ کا روضہ ٹنگمری میں مست آباد میں واقع ہے۔

سید اسلام شاہ ابن حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ میں ہوئی تھی آپ نے قندھار میں ۱۵۲ سال کی عمر میں وفات پائی جہاں آپ کا مزار ہے۔ ظاہری و باطنی علم دونوں کے آپ پورے ماہر تھے۔ ان کا قبیلہ بھی بہت بڑا تھا۔ افغان رعایا میں ان کی کرامت بہت تھی۔

سید امام شاہ ابن پیر حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۹۱۹ھ کی نویں محرم کو جمعہ کے روز ہوئی آپ کا مزار احمد آباد کے پیرآنہ میں واقع ہے۔

سید فرمان شاہ بن پیر حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ میں ہوئی ۹۹ سال کی عمر میں وفات پائی آپ کا مزار آپ کے والد کے ہی روضہ میں ہے آپ کا قبیلہ بھی بہت بڑا تھا۔

سید اسمٰعیل بن پیر حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ میں ہوئی اور ۷۲ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار بڑودہ کے قریب لکھے جنگل میں واقع ہے۔

سید نور محمد نورالحق بن پیر حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ مقام میں ہوئی تھی آپ کی وفات ۱۰۱ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کا مزار نوساری میں ہے آپ نے بھی اپنے بعد ایک بڑا قبیلہ چھوڑا۔

سید درویش علی بن پیر حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ مقام میں ہوئی۔ جس زمانہ میں دہلی کے بادشاہ محمد تغلق کی طرف اوچھ کا صوبہ دار قوام الملک تھا اور آپ کی وفات کے وقت میں ملتان کا بادشاہ حسین لنگھا تھا۔ آپ کا روضہ آپ کے دادا حضرت پیر صدرالدینؒ کے روضہ میں ہی ہے۔

سید لعل شاہ قلندر بن پیر حسن کبیرالدینؒ کی پیدائش اوچھ مقام میں ہوئی آپ بڑے صاحب کمال تھے

جس کے باعث ایک انبوہ کثیر کے پیشوا ہوئے تھے۔ وہ اپنے والد کے فرمان کے بموجب دعوت کیلئے دکن کے شہروں میں گئے تھے اور وہاں ایک ندی کو غرق کردیا تھا۔ جس کا سر آج تک زمین کے باہر ہے اور وہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔

سید بالا شاہ بلند علی بن پیر حسن کبیر الدینؒ کی پیدائش اوچھ میں ہوئی۔ آپ بڑے درجے کے ولی اور عالم تھے۔ آپ نے دعوت کے لئے بہت بڑا سفر کیا تھا۔ آپ کی وفات ڈیرہ غازی خاں کے قریب چوٹا مقام میں ہوئی آپ کا روضہ بھی وہیں ہے۔

تیمور لنگ کی حکومت اور وفات

جن ایام میں ہندوستان کے حدود میں اس طرح اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت ہو رہی تھی۔ اسی زمانہ میں ایران میں "کوہک" میں حضرت امام اسلام شاہؑ اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اور دعوت کا کام جاری کر رکھا تھا۔ اس وقت تیمور لنگ تاتاری نے ایران پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں اس نے مازندران سیستان اور خراسان کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بعد ازاں ۷۸۶ھ میں دوسرا حملہ کیا اس وقت تیمور لنگ نے آذربائجان سے آگے بڑھ کر عراق، عجم اور جیورجیا کو بھی فتح کر لیا شیراز پر بھی وہ دوسرے حملہ میں قابض ہو گیا۔ اس زمانہ میں عراق کے نام سے مشہور امام کے سکونت والے علاقہ کے مخصوص شہر اصفہان میں اس نے ۷۰ ہزار آدمیوں کو قتل کیا تھا تیمور کا تیسرا اور آخری حملہ ۷۹۰ھ میں ہوا۔ جس میں اس نے فارس فتح کیا تھا۔ اور اس وقت مظفری خاندان کا خاتمہ ہوا تھا۔ اس کے ہمراہی میں سبزوار کے سربدار سلطان کا اور ہرات کے کرت خاندان کے سلطنت کا بھی اسی زمانہ میں اسی کے ہاتھ پر اختتام ہو گیا۔ اس طرح تمام چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ختم ہو گئیں ۵ سال کی تیمور لنگ کی ریاست میں یہ تمام واقعات زمانے نے دیکھا تھا۔

تیمور لنگ کا اسمٰعیلیوں پر حملہ

سر جان ملکم اپنی ہسٹری آف پرشیا میں لکھتے ہیں کہ ۷۹۵ھ میں تیمور لنگ نے ایران پر تیسرا حملہ کیا اور مازندران کی راہ سے آگے بڑھا جہاں رودبار۔ گیلان کی سرحد پر الموت کے انہدام کے بعد ہلاکو خان کے



تیمور لنگ :- جس کی ایران و ہندوستان میں داستان کوچکان مشہور ہے

قتل سے باقیماندہ اسمٰعیلیوں کی آبادی کا ایک حصہ وہاں حکومت کرتا تھا۔ اس نے بار دیگر ان کا کشت و خون کیا اور مورخین کے بیان کے مطابق اس واقعے کے بعد اسمٰعیلیوں کا اس نے خاتمہ ہی کر دیا۔ مگر درحقیقت رود بار گیلان کے قربان شدہ اسمٰعیلیوں کے سوا خراسان اور کرمان کے بیشمار اسمٰعیلی اس کی تلوار سے بچ گئے تھے۔ جو آج تک بھی ایران میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اس کے ماسوا ناصر خسرو کی دعوت میں آئے ہوئے بدخشانی اسمٰعیلی بھی محفوظ رہ گئے تھے۔ تیمور لنگ کا گیلان کے اسمٰعیلیوں کا قتل و خون حضرت امام اسلام شاہؑ کے امامت کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اور اس وقت آپ کی امامت کا چوبیسواں سال تھا۔

ایران کے علاقہ دار سلطنتوں کا زمانہ

مندرجہ بالا تمام واقعات کے تاریخی سلسلہ کے مطابق مظفری خاندان کی استقامت ۷۴۱ھ سے اگر شمار کریں تو امامت کی مسند پر حضرت امام قاسم شاہؑ کے آنے کے تیئس سال بعد یہ مظفری خاندان قائم ہوا ۷۷۱ھ میں جب حضرت امام قاسم شاہؑ کی وفات ہوئی اس زمانہ میں بھی ایران کے کسی حصہ میں یہ خاندان سلطنت کرتا تھا۔ منگول کی ایلخانی خاندان کی ایک چھوٹی شاخ کے ماتحت حضرت امامؑ کا مخصوص مقام آذربائیجان تھا۔ حضرت امام اسلام شاہؑ کے زمانہ میں بھی مظفری خاندان کی حکومت جاری تھی مگر پیچھے سے امام کی زندگی ہی میں اس کا خاتمہ ہو گیا ۷۹۰ھ میں کرت خاندان کی آبادی بھی ہو چکی تھی۔ اس زمانہ میں امام اسلام شاہؑ زندہ تھے تیمور لنگ کی موت بھی ۸۰۷ھ میں اسی امامؑ کے زمانہ میں ہوئی۔

حضرت امام اسلام شاہؑ کے زمانہ میں ہندوستان میں دعوت نہایت زور پر ہوئی تھی۔ اور پنجاب کشمیر۔ سندھ۔ گجرات۔ دکن۔ کاٹھیاوار اور کچھ تک اسمٰعیلی مبلغین پہنچ گئے تھے یہ زمانہ ہندوستان میں ترقی کا تھا۔ جابجا اسمٰعیلی سادات امامؑ کی خدمت کر کے اسلام کی شان دوبالا کر رہے تھے۔

حضرت امام اسلام شاہؑ کی وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی اور آپ کی مسند امامت پر آپ کے فرزند امام محمد بن اسلام شاہؑ رونق افروز ہوئے۔

حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ

سن امامت از ۸۲۷ ہجری تا ۸۶۸ ہجری

حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ اپنے والد حضرت امام اسلام شاہؑ کی وفات کے بعد ۸۲۷ ہجری مطابق ۱۴۲۴ء میں امامت کے مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ گلزار شمس میں لکھا ہے کہ سید شاہ محمد بن اسلام شاہؑ ایران کے بابک شہر میں سکونت پذیر تھے۔ اور پیر صدر الدینؒ کے فرزند حسن کبیر الدینؒ کو اپنا خلیفہ یعنی پیر کے رتبۂ جلیل پر سرفراز کیا تھا۔

آپ کے زمانہ میں پیر تاج الدین پیر صدر الدینؒ ابن پیر صاحب الدین بن پیر نصیر الدین ابن پیر شمس الدین سبزواریؒ زندہ تھے اور ان کا شجرہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کے مکتوبات ہندوستان میں

حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ نے اپنے مقام سکونت بابک سے ہندوستان خطوط بھیج کر جماعت کے حالات کی تفتیش کرتے اور اپنی دعائے بابرکات اپنے پیر کی معرفت بھیجتے تھے۔ پیر اور ان کے ماتحت کارپرداز وکیل کی طرح دعوت کا کام نہایت زور سے چلا رہے تھے۔ پیر اسمٰعیلی مریدوں سے مال واجبات کے یعنی امامؑ کا حق وصول کر کے تمام رقوم حضرت امامؑ کے حضور میں ایران بھیجتے تھے اس زمانہ میں ہندوستان سے بہت سے مریدین امام کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے بابک جاتے تھے حضرت امامؑ نوازش کر کے اپنے دست مبارک کے مکتوب ان کو عنایت کرتے تھے۔ ایران کا سفر اس زمانہ میں نہایت سخت و دشوار تھا۔ بحری راستے سے

جانے کے لئے چھ مہینے گزر جاتے تھے۔

گلزار شمس کا مصنف لکھتا ہے کہ پیر صدرالدینؒ ایران آئے اور حضرت امامؑ کے دیدار سے مشرف ہو کر ہندوستان واپس پہنچنے تک ایک سال اور پانچ مہینے صرف ہوئے عام طور سے حضرت امامؑ کے دیدار سے فیضیاب ہو کر جو مرید ہندوستان اپنے وطن واپس آتا اسے درس یعنی ذمہ رس کے بڑے القاب سے عزت دی جاتی تھی۔

مریدوں کی دست بوسی

انگریزی مورخ میکڈونلڈ کینر کی تصنیف میں لکھا ہے کہ آلموت کے انہدام کے بعد ایران شہر کے نزدیک بہت سے .... اسمعیلی بستے تھے، اور وہ حسینی کے نام سے پہچانے جاتے تھے ایران کے اسمعیلیوں کے کو .. کے قریب سکونت کرنے والے ایک پیر مرد کو اپنا امام مانتے ہیں۔ وہ حضرت امام جعفر الصادقؑ کے فرزند مولانا اسمعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ پاک گنگا اور سندھو ندی کے کنارہ پر رہنے والے باشندے اسمعیلی مریدین ایران تک اپنے امامؑ کی دست بوسی کرنے جاتے تھے۔

سید رحمت اللہ شاہ کی دعوت

حضرت امام محمد بن سلام شاہؑ کے زمانہ میں سید امام شاہ ابن پیر حسن کبیرالدینؒ نہایت سن رسیدہ ہوگئے تھے اور آپ نے سنہ ۹۱۹ ہجری ۹ محرم کی تاریخ کو وفات پائی بعد ازاں سید امام شاہ کی بی بی نے مکھی کھیتا کو اوچھ گاؤں بھیج کر سید رحمت اللہ شاہ ابن پیر حسن کبیرالدینؒ کو بلوالیا اور اپنے قبیلہ کی شاہزادی کے ساتھ رحمت اللہ شاہ کی شادی کر کے جہیز میں مکھی کھیتا کے ہمراہ دو سو آدمیوں کی جماعت ان کو دی انہیں نے کر سید رحمت اللہ شاہ احمد آباد سے بیس کوس پر واقع شدہ گڑی گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ یہاں سے سید رحمت اللہ شاہ ابن پیر حسن کبیرالدین کی اولاد گڑی وال سید کے طور پر مشہور ہونے لگے۔ سید امام شاہ کی بی بی کی یہ خواہش تھی کہ حضرت امام شاہؒ کی مذہبی شہرت اور ان کے دستور العمل کو جاری کریں۔ مگر سید رحمت اللہ شاہ ایران میں کو .. ہک میں تشریف رکھتے ہوئے زمانہ کے امام کے ساتھ نسبت حاصل کرنے کے لئے اپنے فرزندوں اور مریدوں کو بھی امام کی خدمت کرنے کے لئے نصیحت کرتے تھے اور امام کا

حق جماعت سے وصول کر کے ایران میں امامؑ کے حضور میں پہنچاتے تھے ان کے فرزند بھی گجرات میں گشت کر کے اسمٰعیلی دعوت کرتے تھے اسکی کاروائی نے سید امام شاہؒ کے جانبداروں کو بہت نقصان پہنچایا۔

سید امام شاہ صاحب گجرات میں آکر سکونت پذیر ہوئے اس وقت گجرات کا بادشاہ احمد شاہ تھا اور آپ کا بے حد احترام و اکرام کرتا تھا۔

سید امام شاہ کی علیحدگی اور امام شاہی مذہب کی ابتداء

حضرت پیر حسن کبیر الدینؒ کی وفات کے زمانہ میں آپکی تمام اولاد آپ کے قریب حاضر تھی فقط سید امام شاہ چونکہ باہر گئے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ اپنی والد کی آخری ملاقات سے مشرف نہ ہوئے پیر حسن کبیر الدینؒ کے جنازہ کو قبرستان لیجا رہے تھے اس اثنا میں آپ پہنچے اور راستہ ہی میں جنازہ کو روک کر اپنے والد کے پاس سے کچھ مانگنے لگے اور ... اپنی حصہ داری کی طلب کی

پیر حسن کبیر الدینؒ کی وفات کے چالیس روز بعد سید امام شاہ سندھ کی طرف جوں گاؤں میں جاکر ایک جماعت خانہ میں قیام کیا وہاں خواجہ جماعت نے ان کی بے عزتی کی اس لئے تین دن کا روزہ رکھا اس کے بعد پھر پریم جی نامی ایک خواجہ سید امام شاہؒ کو اپنے گھر لے گیا اور وہاں ان کا روزہ بھی افطار کرایا گیا غصہ کی حالت میں حضرت امامؑ کی ملاقات کے واسطے کہک روانہ ہوئے جہاں بابا غلام محمد کی معرفت حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ سے ملاقات حاصل ہوئی۔ مگر چونکہ پیر تاج الدین ابن پیر صدر الدینؒ کو امام نے رتبۂ پیری عنایت کیا تھا۔ سید امام شاہؒ امام کے حضور میں سے نا امید ہو کر پھر ہندوستان کے گجرات ضلع میں تونا نامی گاؤں میں آکر ایک مسجد میں قیام کیا اور اسمٰعیلی اماموں کے خدمت سے انکار کر کے ایک نئے مذہب کا پایہ ڈالا۔ اس نئے مذہب کے اختیار کرنے والے ...... امام شاہی کہلائے اور زمانہ کے امام کے عوض سید امام شاہ کے فرزند سید محمد شاہ کو وہ لوگ نر محمد شاہ ماننے لگے۔ جبکہ واسطے "نر" طریقہ کا مرتبہ سید امام شاہ کی طرف سے ظاہر کیا گیا اس باعث امام شاہی مریدوں کا تعلق ایران میں تجلی فرمانروائے پاک امام سے ٹوٹ گیا اور تمام مریدین اپنا تمام تعلق سید امام شاہ اور سید محمد شاہ کے ساتھ رکھنے لگے۔

امام شاہی خاندان اور سید نور محمد شاہ

سید امام شاہ کی شادی عالم شاہ بادشاہ کے فرزند شاہ محمد بھکری کی دختر خدیجہ بی بی کے ساتھ ہوئی تھی اس کے قبل ان کے سید عالم شاہ نامی ایک فرزند تھے۔ بعدازاں سید علی شاہ۔ سید باقر شاہ اور سید محمد شاہ اور شمس خاتون نامی ایک لڑکی تولد ہوئی۔ ان اولاد میں سے سید محمد شاہ کے سوا تینوں فرزند اور لڑکی شمس خاتون بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ صرف سید محمد شاہ باقی تھے سید عالم شاہ عرف خالق شاہ کا روضہ گجرات میں کڑی گاؤں میں واقع ہے۔ سید باقر شاہ کا روضہ احمد آباد کے چار توڑا کے قبرستان میں ہی وہاں ایک مسافر خانہ بھی ہے۔ سید باز شاہ کا مزار کھمبات کے زنگر تالاب کے قریب ہی ان کے متصل ان کی بہن شمس خاتون کا مزار ہے ان سب مزاروں کو ماننے والے علیحدہ علیحدہ گروہ ہیں ان سب کی آمدنی گجرات میں بسر کرنے والے سادات استعمال کرتے ہیں۔

سید محمد شاہ کو نور محمد شاہ یا نر محمد شاہ بھی کہا جاتا ہے جن کی شادی بادشاہ محمد بیگڑا کی دختر بزرگ خاتون کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے دو فرزند (۱) سید محمد مصطفیٰ اور (۲) سید شہاب الدین تولد ہوئے ان کی جو اولاد ہوئی وہ امام شاہی سادات کے نام سے مشہور ہے سید محمد شاہ کا مزار ان کے والد سید امام شاہ کے ساتھ پیرانہ کے روضہ میں ہے۔

پیر تاج الدین کی ایران میں حضرت امام (علیہ السلام) سے ملاقات

حضرت پیر تاج الدینؒ بن پیر صدر الدینؒ کی وفات ۸۷۲ھ ۹ ذیقعدہ کو ہوئی آپ کا روضہ سندھ میں ٹنڈو باگو ضلع میں سندھ حیدرآباد کے قریب ہی انہیں اسمٰعیلی پیر شاہ طریکے نام سے بھی پکارتے ہیں تاریخی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایران میں حضرت امامؑ کی ملاقات کے لئے کئی وقت گئے تھے اور پیر حسن کبیر الدینؒ کے فرزند سید امام شاہ کو امام کی طرف سے پیری کا مرتبہ نہ ملا مگر پیر تاج الدین اس رتبہ سے سرفراز ہوئے اسی لئے سید امام شاہ نے اپنی بے عزتی سمجھ کر ایک نیا مذہب قائم کیا اور تمام مریدوں سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو اپنے ہی استعمال میں لاتے اس لئے آپ کے مریدین امام شاہی

کہے جاتے ہیں۔ پیر تاج الدین حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ کی اطاعت کرتے تھے اور امام کا حق مریدوں کے پاس سے وصول کر کے امامؑ کی خدمت میں بھجوا دیتے تھے۔ انھوں نے حضرت امامؑ کی بہت خدمت کی تھی۔ حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ جس وقت مسند امامت پر متمکن ہوئے اس وقت پیر تاج الدین صرف ۲۲ سال کے تھے اور امامؑ کے حضور سے پیری کے مرتبہ سے سرفراز ہوتے ہی ہندوستان چلے آئے تھے

حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ کے زمانہ میں تیمور لنگ کا خاندان مشرقی اور مغربی ایران میں سلطنت کرتا تھا۔ آق قوینلو اور قرا قوینلو نامی ترکمانوں کے زمانہ میں ایران میں مچا ہوا فتنہ و فساد بھی جاری تھا اور ادھر اندھیر نگری چوپٹ راج کا منظر تھا۔ یہ ظلم و ستم و بدامنی نویں صدی کی ابتدا تک جاری رہی اس کے بعد صفوی خاندان کے ایک ایرانی سلطنت کے ماتحت حکومت شروع ہوئی۔

حضرت محمد بن اسلام شاہؑ کی زندگی ہی میں ہندوستان میں ہر طرف اسمٰعیلی سادات پھیلے ہوئے تھے اور ایک مقام پر دعوت کا کام پر جوش طریقہ پر جاری تھا۔ تمام سادات کا مخصوص مرکز لاہور (پنجاب) میں تھا۔ جہاں پیر تاج الدین سکونت پذیر تھے۔ ایران میں بھی ایک بڑی تعداد اسمٰعیلیوں کی رہتی تھی۔ اور اس کے علاوہ جنگلوں کے مختلف شہروں میں وہ بھی تقسیم ہو کر آباد تھے۔ امامؑ کے زمانہ میں تمام دعوت کرنے والوں کے صدر پیر تاج الدین تھے حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ کی وفات کے بعد بھی پیر تاج الدین آٹھ سال تک زندہ رہے۔ آپ نے جب امامؑ کی جھولی لیکر ایران کی طرف حضرت امام مستنصر باللہؑ ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر ہندوستان سے لائے ہوئے مال واجبات کی رقم اور مریدوں کے طرف سے ملا ہوا ہندوستان کا تیار کردہ عمدہ کپڑا امامؑ کے حضور میں پیش کیا۔ اس وقت پیر تاج الدین سے حضرت امامؑ نہایت مسرور ہوئے اور ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑے آپ نے پھر تاج الدین کو عنایت فرمایا۔ جس کو خلعت بنا کر پیر تاج الدین خود پہننے لگے اور امامؑ کے حضور سے مراجعت کر کے ہندوستان آئے اس وقت جماعت نے دیکھا کہ جو کپڑا حضرت امامؑ کو نذر کرنے کے لئے ہم نے دیا تھا۔ اس کو پیر تاج الدین خود استعمال کر رہے ہیں اس لئے جماعت کو شبہ پیدا ہوا۔ پیر تاج الدین پر تہمت لگائی اور ان کو زد و کوب بھی کیا۔ جس سے پیر تاج الدین جماعت سے نہایت آزردہ خاطر ہو کر فوت ہو گئے۔ اس کی خبر جب امام مستنصر باللہ ثانی کو ملی

تو آپ بہت ناراض ہوئے اور جماعت کو نہایت ملامت کی اور ساتھ ہی اس ملامت کے "پند یات جوانمردی" نامی کتاب پیر تاج الدین کے بارے میں اظہار دلسوزی اور ہمدردی کے لئے اور اسمٰعیلیوں کو ایک تنذیر کی طرح بھیجی گئی - اس کتاب میں پیر کے متعلق پوری ہدایت اور نصیحت حاصل کرنے کا حکم امامؑ نے اپنے مریدوں کو دیا جس کو اسمٰعیلیوں نے بسر وچشم قبول کئے اور اس کی پابندی کی مگر اپنے ایک زندہ پیر کے بیٹھ کر نصیحت کرنے جیسی لذت اس میں حاصل نہ ہوتی تھی اس واقعہ کو اپنے بھول کی سزا شمار کر کے نہایت پچھتائے اور افسوس کرنے لگے۔ فی الحقیقت یہ واقعہ زمانہ آئندہ کے لئے نہایت مفید اور سبق آموز ثابت ہوگا - اور پیر کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے - یہ نصیحت انہیں سے حاصل ہوئی -

پیراج خاندان اور اس کا اختتام

پیر تاج الدین کا ہندو شاہی نام پرطھاد تھا - اس لئے ان کے فرزند پرطھاد (پیراج) خاندانی کہلاتے ہیں - یہ سوڈھا لوگوں کے ساتھ بستے ہیں ان کا قول ہے کہ پیر تاج الدین نے سوڈھی رانی کے ساتھ شادی کی تھی - آپ کے خاندان سے سوڈھی ہوئے ہیں دوسری طرف خوجوں کا یہ قول ہے کہ سوڈھی رانی پیر پر فریفتہ ہوگئی تھی - پیر تاج الدین کی درگاہ پر پرطھاد خاندان والے بیٹھتے تھے - اور آستانہ کی آمدنی لیتے تھے آمدنی زیادہ ہونے کی باعث ایک آستانہ پیر کی درگاہ کے قریب تعمیر کیا گیا - اس خاندان کے خالقند نامی شخص کی وفات کے بعد اس درگاہ پر کوئی پرطھاد خاندانی دکھائی نہیں دیا -

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

اسمٰعیلیوں کے ہاتھ میں اس زمانہ میں چونکہ کوئی سلطنت نہ تھی اس لئے زراعت اور کھیتی باڑی پر اپنی زندگی گذارتے تھے اور حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے اور دست بوسی کرنے کے لئے ایک انبوہ کثیر بابک شہر میں جمع ہوتا تھا - حضرت

امامؑ کے فرزند اور دعات نے تمام ایران میں آہستہ آہستہ دعوت کا کام جاری کر رکھا تھا۔
٨٦٨ھ میں حضرت امام محمد بن اسلام شاہؑ کی وفات ہوئی۔ اور مسند امامت پر آپ کے فرزند حضرت امام مستنصر باللہؑ ثانی متمکن ہو کر اسمٰعیلیوں کی ہدایت کی۔

حضرت امام مستنصر باللہ (علیہ السلام) ثانی

سن امامت [illegible] ہجری تا [illegible] ہجری

حضرت امام مستنصر باللہ ثانی [illegible] تخت امامت پر جلوہ افروز ہوئے [illegible]

[illegible] حضرت امام مستنصر باللہ [illegible]

[illegible] آپ کا اصلی نام [illegible] آثار محمدی سے [illegible] معلوم ہوتا ہے۔

آثار محمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام مستنصر باللہ ثانی [illegible] کرتے تھے آپ

[illegible] سے رہتے تھے [illegible] نوکروں کا [illegible] وسیع تھا [illegible]

اپنے آباء [illegible] سلطنت [illegible] فرزند [illegible]

کے مطابق [illegible] کی [illegible] اور اطراف کے حالات بھی [illegible] خیال کے

بالکل مطابق تھے آخر [illegible] نے [illegible] کو پسند کیا اور اپنے فرزند حضرت محمود کو عبد السلام کا جلیل خطاب

مرحمت فرمایا۔

پیر میٹھا کی دعوت

حضرت امام مستنصر باللہ ثانی کے زمانہ میں حضرت پیر حسن کبیر الدین کے فرزند سید اولیا علی کے فرزند سید نور بخش ثانی اپنے اہل و عیال کے ہمراہ دعوت کے لیے اور مال واجبات یعنی امام کا حق وصول کرنے کے لئے اوچ سے کشمیر [illegible] آئے تھے انہیں پیر میٹھا بھی کہتے ہیں اس زمانہ میں کشمیر کا سلطان [illegible] تھا۔ اس شہر میں جس جگہ پیر نے [illegible] آپ کا

اور آپکے فرزند اسمٰعیل سید شمس الدین ثانی کا روضہ واقع ہے وہاں پرتھوی ناتھ نامی ایک جوگی رہتا تھا چونکہ وہ جادو یعنی علم سحر میں نہایت کامل تھا اس لئے تمام شہر کی رعایا اور راجہ تک اس کے مسخر غلام بن گئے تھے سید نوربخش کو دیکھتے ہی اس کے دل میں عناد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ اپنے حریف کو آئے ہوئے دیکھ کر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے پاس یا کرامت کھانے کے لئے اپنے سحر کے زور سے وہ آسمان کی طرف اڑ گیا اس کو دیکھتے ہی سید صاحب نے اپنے کفش کو حکم دیا وہ بھی فوراً اڑ گئے اور جوگی کے سر پر تلیاں مارتے ہوئے نیچے لے آئے۔ اس کرامت کو دیکھتے ہی جوگی کف افسوس ملنے لگا اور سید نوربخش ثانی کی عداوت کو بالکل ترک کر دیا بعدازاں سید نوربخش ثانی اپنے فرزند اور بھتیجا سید علی گوہر نور صابر بن حسن کبیر الدین کے ساتھ کشمیر آئے۔ ان کے پاس صوفیہ فقہ نامی کتاب تھی۔ اس کے عقائد کے موجب وہ پند و نصائح کر کے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہوئے کشمیر میں اس جماعت کو خوب پھیلا دیا۔

سید نوربخش ثانی کے دو فرزند تھے (۱) سید پیر شمس الدین ثانی اور (۲) سید اسمٰعیل ان کی مزار آپ کے والد سید نوربخش ثانی عرف پیر مٹھیا شاہ کی درگاہ میں ہیں پیر مٹھیا ایک مرد کامل تھے تمام کوہستان کشمیر، تبت، کوہ چپ، بدخشاں، گلگت، یارقند، اسقرود وغیرہ میں جو اسمٰعیلی شیعہ مذہب ابھی تک جاری ہے وہ انہی کے ذریعہ سے ظہور میں آیا ہوا ہے۔ اس کے بعد سید پیر شمس الدین ثانی کے ہمراہ شمسی قافلہ والوں نے آ کر اوچھ میں مقام کیا اور وہاں کے اطراف کے شہروں میں نہایت عمدگی سے دعوت کا کام جاری کیا۔ اور گروہ کے گروہ مذہب اسمٰعیلی سے مشرف ہوئے اور حضرت امامؑ کی بیعت دی۔

نوربخشی مذہب

سید شمس الدین ثانی کی وفات ۸۹۰ھ میں ہوئی اور آپ نے ۱۱۵ سال کی عمر ..... پائی اس زمانہ میں امامت کی مسند پر حضرت امام مستنصر باللہؑ ثانی ایران کے بابک شہر میں جلوہ گر تھے۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ فتح خاں بن آدم خاں کے زمانہ میں سید پیر شمس الدین ثانی اپنے مذہب کی اشاعت کرنے کیلئے کشمیر میں آئے تھے وہاں کے کثیر التعداد لوگ آپ کے مذہب میں داخل ہوئے۔ گلزار شمس نامی کتاب کی روایت ہے کہ یہ لوگ خاندان اسمٰعیلیہ کے راہ حق کے داعی تھے۔ اور اپنے کو نائب امام یعنی پیر کہتے تھے ان کا اعتقاد امام قائم اور موجود ہونیکا ہے سید پیر شمس الدین ثانی نے کشمیر، ہندوکش اور کوہستان میں سید کمال الدین ثانی موجود دریا اور سید شہاب الدین ثانی مست دریا کے ساتھ مل کر نوربخشی طریقہ (مذہب) جاری کیا۔ ان کے مریدین اسمٰعیلی فرقہ سے نسبت رکھتے تھے۔ جہلم ضلع میں پنجاب کے چناب ندی کے کنارہ کے رامسر نامی گاؤں میں انھیں زہر دے کر شہید کیا گیا۔

پندیات جواں مردی

سید محمد شاہ ابن سید امام شاہ "مستوینی کی ویل" نامی کتاب میں زمانہ کے امام کی شناخت کراتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مستنصر باللہ پھیر ہوا امام — اس نے بہت کئے جگ میں کام
کتھیا پندیات عجمی ماں تھے — اور جوانمردی بھی کتھیا تا تھے

ناظرین کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت امام مستنصر باللہ ثانی کے زمانہ میں حضرت پیر تاج الدین وفات پا چکے تھے۔ اس وقت ہندوستان میں اسمٰعیلی سادات اور مرید دعوت کا کام کر رہے تھے۔ مگر چونکہ کسی ایک کے پاس بھی امامؑ کی سند نہ تھی اس لئے تمام مریدوں نے حضرت امامؑ کے حضور میں پیر کے لئے عرض کی اور حضرت امام مستنصر باللہؑ ثانی نے "پندیات جوانمردی" نامی کتاب تیار کی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیر تاج الدین کی جماعت کی بیحرمتی کے باعث وفات ہوئی تھی۔ اس ناراضگی سے امامؑ نے کسی کو پیر نہ بنایا اور اس کے عوض یہ کتاب عنایت کی۔ جو فی زمانہ آج بھی اسمٰعیلیوں میں جاری ہے اسی نسبت میں سید محمد شاہ ابن سید امام شاہ کی ستوینی نامی کتاب میں جو مضمون لکھا ہے اس میں سے مندرج ہیں۔

پندیات جوانمردی کی معنی سعادتمندی کے نصائح ہیں - یہ تمام کتاب فارسی زبان میں ہے اس کا ترجمہ بھی ہوا ہے اس کتاب کو اسمعیلی نہایت احترام سے پڑھتے ہیں۔

گلزار شمس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام مستنصر باللہ ثانی ایران میں بابک شہر میں سکونت پذیر تھے - اور وہیں وفات پائی -

زمانۂ حال میں ایران میں آبادشدہ اسمٰعیلی

اسمٰعیلی ٹیکا نامی انگریزی رسالہ میں لکھا ہو کہ ایران میں جو اسمٰعیلیوں کی بڑی تعداد آباد ہے وہ اس خیال سے کہ انہیں دوسرے مذاہب کے ظلم وستم اٹھانے نہ پڑیں - اپنے اعتقاد دوسرے لوگوں کو نہیں بتاتے آج کے ایران میں بہت سے اسمٰعیلی کرمان، سرجان اور جبل برزہ کے حدود میں زندگی بسر کرتے ہیں جہاں وہ خراسانیوں کے نام سے مشہور ہیں وہ فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں وہ ہرات اور نیشاپور ضلع میں آبادشدہ لوگوں کے خاندان سے ہونیکا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ نیشاپور میں آج بھی اسمعیلیوں کی بڑی بستی ہے یہ لوگ اصل افغانستان سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں - تمام خراسانی ایک ہی ذات کے ہیں تاہم وہ عمومی طور سے الگ الگ جماعتوں میں تقسیم ہوگئے ہیں ان تمام لوگوں کے طریقہ معاشرا در طرز زندگی میں کچھ بہت زیادہ فرق وامتیاز نہیں ہے ان تمام اسمٰعیلیوں کی مخصوص ۱۴ ذاتیں ہیں - جن میں باوردی حارث - میرزادہ - میرشاہی - جلالی - سرخ لوزی - جمشیدی - یعقوبی - تسکاری طاہری - معصوم دہی - سیاہ کوہی - گل ملکی اور سیائی ہیں - ان کا اکثر حصہ کسانوں کا ہے سلطان آباد ضلع میں بھی اسی طرح کے رسم ورواج رکھنے والے لوگ نظر آتے ہیں - یہ لونمیڈ (بدوی قوم) ذات کے ہیں وہ رلوری لوگوں کے درمیان رہتے ہیں - اسمٰعیلیوں کی نہایت قدیم آبادی ایران کے کاین اور برجند کے ضلعوں میں نظر آتی ہے ایران کا بلحاظ تجارت کے شاہراہ پر واقع ہے تاہم وہاں کے لوگوں میں قدیم زمانہ کا طریقہ معاش جاری ہے آخری جنگ عظیم کے بعد رفتہ رفتہ ان میں بھی کچھ انقلاب واقع ہوگیا ہے۔

دعوت کی اشاعت اور حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

حضرت امام مستنصر باللہؑ ثانی بابک شہر میں متمکن ہو کر اسمٰعیلی دعوت کی کارگزاریوں پر نگرانی کرتے تھے۔ اس زمانہ میں بھی پیر شمسؒ، پیر صدر الدینؒ اور پیر حسن کبیر الدینؒ کی اولاد ایران میں، افغانستان اور ہندوستان میں نہایت عمدگی و خوبی سے دعوت کا کام کر رہی تھی اور وقتاً فوقتاً امامؑ کے حضور میں جا کر امامؑ کا مال واجبات ادا کر کے دیدار و دست بوسی سے مشرف ہوتے تھے اور حضرت امامؑ کی جانب سے احکامات لے کر اسلامی دنیا میں پہنچاتے تھے۔

حضرت امام مستنصر باللہؑ ثانی نے ۸۸۵ھ میں ۱۲ سال امامت کی مسند پر جلوہ گر رہ کر وفات پائی۔ آپ کے بعد حضرت امام عبدالسلام شاہؑ تخت امامت پر رونق افروز ہوئے۔

حضرت امام شاہ عبدالسلام شاہ (علیہ السلام)

سن امامت ۸۸۰ھ ہجری تا ۸۹۹ھ ہجری

حضرت امام عبدالسلام شاہؑ ۸۸۰ھ میں امامت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ آثار محمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام عبدالسلام شاہؑ کا دوسرا نام محمود شاہ تھا۔ حضرت امامؑ نے تخت امامت پر متمکن ہوتے ہی اپنے آباء سلف کے قدم بقدم چل کر ھدایت میں مشغول ہوئے خواجہ جماعت کے لوگ تحفہ جات صدرایا عشر اور نذرانہ وغیرہ ایران تک جا کر پہنچا آتے تھے۔ اور اس کے جواب میں آپ ایک وارث یاردائی کے طور سے مریدوں کو خطابات بخش کر برکت کی دعا کے ساتھ ہندوستان کی جماعت کے واسطے پیغام اور فرامین روانہ کرتے تھے۔

خاکی خراسانی نامی ایک اسمعیلی شاعر نے اپنے رسالہ میں حضرت امام عبدالسلام شاہؑ کو شاہ سلام اللہ کے نام سے ذکر کرتے ہوئے: بایں معنیٰ کہ یہ امام علیؑ ہیں جن کا دوسرا نام عبدالسلامؑ ہے۔

روسی ادیب مسٹر ایوانوف لکھتے ہیں کہ حضرت امام عبدالسلام شاہؑ کرمان ضلع کے بابک گاؤں میں رہتے تھے۔ اور سندھ سے خواجوں کو لاکر کچھ اور ہالار میں بود و باش کر کے ان شہروں میں انہیں پھیلا دیا تھا۔

انقلاب سلطنت

حضرت امام عبدالسلام شاہؑ کے زمانہ میں دیزباد اور قاسم آباد میں بھی اسمعیلیوں کی تعداد



شاہ اسمٰعیل صفوی :۔ دولت صفویہ ایران کے بانی

ایک زمانہ قدیم سے رہتی تھی وہ نہایت صلح کل لوگ تھے۔ اور پڑوسی کے حق کو پہچاننے والے لوگ تھے ان کا بہت بڑا حصہ پولیس اور لشکر میں ملازمت کرتا تھا۔ سلطان ازن حسین نے اپنے کو جب ایران کے مختار کل شاہ ظاہر کرنیکے بعد اس پر اس نے حملہ کیا مگر ترک سلطان محمد ثانی کے ہاتھ سے شکست کھانے سے اس کی تمام اُمیدیں منقطع ہو گئیں۔ ۱۱ سال تک سلطنت کرکے ۷۰ سال کی عمر میں وہ وفات پا گیا۔ سلطان اُزن حسین کی وفات کے بعد اسمٰعیل صفوی نے اپنے خاندان کی سلطنت قائم کی اس عرصہ میں بہت کم ایسے واقعات ہوئے ہیں جو تاریخ میں لکھنے کے قابل ہوں سلطان ازن حسین کے لڑکے پوتے اور بھتیجوں کے درمیان سلطنت حاصل کرنے کی خواہش نے ان کا خاتمہ کردیا۔ اور دوسرے خاندانوں کو سلطنت قائم کرنے کا اس سے موقع ملا۔

رکن الدین خورشاہؒ کے بعد کی اولاد

غلام علی محمد بن محمد بن احمد دکھنی نے لمعات التاریخ نامی ایک کتاب لکھی ہے جو دہلی کے بادشاہ اورنگزیب کے نام سے معنون کی گئی ہے یہ کتاب صوفی اور شیعی عقاید کی تائید میں لکھی گئی ہے اس کے ضمیمہ میں مصنف نے اپنے مرشد سید شاہ پیر محمد شرف کا شجرہ دیا ہے جس میں ان کے ماقبل اسمٰعیلی اماموں کے نام شمار کئے ہیں ان ناموں میں چنداں فرق ہے مگر شاہ رکن الدین خورشاہؒ کے بعد اسمٰعیلی اماموں کا خاندان جاری رہا تھا۔ اس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے جس کی تائید مسٹر ایوانوو نے بھی کی ہے۔

پندیات جوانمردی کے چند نصائح

حضرت امام عبدالسلامؑ کے زمانہ تک پیر صدرالدینؒ کی نسل میں جو دعوت کا درجہ چلا آیا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا تھا اور پیر تاج الدین کی وفات کے بعد کپورا خواجہ کے ہمراہ تھوڑے سندھی خواجہ امام کا حق عشر یعنی حصہ دہم کی جھولی لیکر امامؑ کے حضور میں ایران جانے کے لئے روانہ ہوئے ......

...... امامؑ کے دربار میں پہنچکر حضرت امام عبدالسلام شاہؑ کے سامنے ہندوستان کے مریدوں کی حقیقت ظاہر کی اس وقت حضرت امام مستنصر باللہ ثانی

نے پندیات جوانمردی نامی نصیحت آمیز کتاب جو لکھی تھی وہ مریدوں کو بخشش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کتاب کا پیر کی طرح احترام کرنا۔ اور اسکی درس تدریس کرتے رہنا۔

یہ ساری کتاب فارسی زبان میں ہے۔ مثال اور نمونے طور پر چند فقرے یہاں درج کرنا مناسب ہوگا۔

مومن آں ہست کہ سخنش یکے باشد

(معنی) مومن وہ ہے کہ جس کا قول ایک ہو

مومن آں ہست کہ زبانش حق باشد وفحش نہ گوید وخلاف نہ گوید

(معنی) مومن وہ ہے کہ جس کی زبان حق کے واسطے گویا ہو وہ فحش نہ بولے اور خلاف یعنی جھوٹ نہ بکے۔

مومن آں ہست کہ جوانمرد باشد در ہر بابت کہ ہست

(معنی) مومن وہ ہے کہ مرد بہادر ہو اور ہر بات میں اسی طرح پیش آئے۔

مومن آں ہست کہ حق وناحق را بشناسد

(معنی) مومن وہ ہے کہ جو حق اور ناحق کو پہچانتا ہو۔

مندرجہ بالا قسم کے مضامین پندیات جوانمردی میں تمام پند ونصائح سے بھرے ہوئے ہیں اس کتاب کو امام کے پاس سے کپورا کے ہمراہ ایران گئے ہوئے سندھی خواجوں نے ہندوستان میں لاکر سب جماعتوں میں تقسیم کیا اس کے ساتھ امام عبدالسلام شاہ کا فرمان بھی جماعتوں میں ظاہر کیا گیا۔ اور اسکو ہر ایک اسمٰعیلی نے بسر وچشم قبول کیا۔ بعد میں اسمٰعیلی سادات او مبلغین پندیات جوانمردی پڑھ کر اس کی شرح کرکے لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کرتے تھے۔

ہندوستان کے اسمٰعیلی مریدین ایران میں

حضرت امام عبدالسلام شاہ کے زمانہ میں ہندوستان کے اسمٰعیلی مریدوں کا تعلق امام کے ساتھ نہایت گہرا تھا اور ان کی خدمت میں آمد ورفت کے راستے بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر کھلے تھے۔

حضرت امام عبدالسلام شاہ کی وفات ۸۹۹ھ میں ہوئی اور آپ کے فرزند حضرت امام شاہ غریب مرزا امامت کے تخت پر رونق افروز ہوئے۔ امام کا مزار شہر بابک میں واقع ہے۔

حضرت امام شاہ غریب مرزا (علیہ السلام)

سن امامت از ۸۹۹ھ ہجری تا ۹۰۲ھ ہجری

حضرت امام شاہ غریب مرزاؑ ۸۹۹ھ میں امامت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے حضرت امامؑ نے اپنے والد ماجد حضرت امام شاہ عبد السلام شاہؑ کا مقام بابک شہر میں تھا اسے تبدیل کر کے ایران کے کاشان ضلع میں انجودان میں سکونت اختیار کی۔ انجودان پہاڑی علاقہ میں واقع ہے اور محلات سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے یہ خاص کسانوں کا گاؤں ہے۔ وہاں بسے ہوئے اسمٰعیلی بھی زراعت کر کے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں یہ مقام آگے جا کر اسمٰعیلیوں کے لئے نہایت موزوں مقام ثابت ہوا۔

غریب مرزا لقب کیوں ہوا

حضرت امام غریب مرزاؑ کے نام سے مشہور ہونے اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کسی سلطنت کے معاملہ میں بالکل دخل نہ دیتے تھے اور آپ درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں اسمٰعیل صفوی نے سلطنت کی بنیاد ڈال دی تھی۔ ایرانی رعایا اسمٰعیل صفوی کو ایک بزرگ صوفی سمجھتی تھی اس کے لاکھوں مرید تھے اور ان ہی کی ہمت پر صفوی کو ناز تھا۔ دن بدن اس کی ترقی زیادہ ہو رہی تھی مگر اسے یہ خوف تھا کہ سلطنت حاصل کرنے میں شاید حضرت شاہ غریب مرزاؑ بھی ان کے مخالف ہو جائیں یہ بات جب امامؑ نے سنی تو اس کے لئے راستہ بالکل کشادہ کر دیا۔ اور اسمٰعیلیوں پر کوئی بلا یا آفت نہ آئے آپ نے انجودان جیسی محفوظ جگہ میں رہنا پسند کیا۔ گلزار شمس نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امام غریب مرزاؑ

کاشان شہر کے انجودان گاؤں میں جا کر سکونت اختیار کی اور شہر بابک کو ترک کر دیا۔

اس کتاب کے مصنف یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام شاہ غریب مرزاؒ کا دوسرا نام حضرت عباس تھا اور وہ غریب شاہؒ کے نام سے بھی مشہور تھے۔

خواجہ قوم کی تاریخ نامی کتاب میں بھی لکھا ہے کہ حضرت امام شاہ غریب مرزاؒ نے کاشان ضلع کے انجودان گاؤں میں جا کر سکونت اختیار کی۔

عباس شاہی خانقاہ اور نور آباد کی آبادی

آثار محمدی کا مصنف رقمطراز ہے کہ حضرت عبدالسلامؒ کے نیک بیٹے حضرت عباس شاہ نے امامت کی مسند پر جس وقت قدم رنجہ فرمایا تو ان کے اقبال و جلال کے زمانہ میں امامؑ کے جوان بھائی نورالدین نے ایک نیا شہر آباد کیا۔ اس شہر میں کئی قلعے اور عمارتیں تعمیر کرائی اور اس کو اپنی اقامت گاہ بنایا۔ اس جگہ کا نام نور آباد ہوا انجودان کے کھیتی باڑی والے حدود کے نزدیک ایک عمارت والا نور آباد نامی شہر واقع ہے۔ وہاں عباس شاہی خانقاہ یعنی درویشوں کے لئے منزل بھی ہے اس مقام میں اس جماعت کے درویش تنہائی میں ذکر و بندگی میں مشغول رہتے تھے۔ اور نہایت امن سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت شاہ غریب مرزاؒ بھی خود دنیوی کاروبار میں بہت کم وقت صرف کرتے تھے اس لئے انہیں لوگ غریب مرزا کہتے تھے۔ اس نام سے آپ نہایت خوش ہوتے تھے۔ معمولی درجہ کا ایک ملازم بھی آپ کی شیریں بانی کی وجہ سے جان دینے کو تیار ہو جاتا تھا۔

حضرت امام شاہ غریب مرزاؒ کا ذکر کرتے ہوئے سید محمد شاہ بن امام شاہ اپنی ستوینی کی دیل میں فرماتے ہیں۔

اس کا غریب مرزا ہوا نردھار سو نردیا وسنتے ماتھے سنسار
تین برس رہا نرا وتار آخر سورگ پوتا نردھار

حضرت شاہ غریب مرزاؒ کو غریب اللہ بھی کہتے تھے ان تمام القابات سے سادگی

اور درویشی ظاہر ہوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ انجودان کی رعایا امام کو علیحدہ علیحدہ القاب سے مخاطب کرتی تھی اس زمانہ میں حضرت امامؑ نہایت ہر دلعزیز ہو گئے تھے۔ جو اسمٰعیلی رعایا کاشان علاقہ کے بابک شہر میں آباد تھی۔ انھوں نے بادشاہ کی طرف سے بہت مصائب اٹھانے پڑتے تھے مگر انجودان میں کسی طرح کی اذیت یا مصیبت نہ تھی اور وہاں کے تمام اسمٰعیلی نہایت پُر امن زندگی بسر کر رہے تھے باوجودیکہ انجودان بھی کاشان علاقہ میں ہی واقع ہے تاہم یہاں کی فضا نہایت پُرسکون و پُرامن تھی۔

ایران میں صفوی خاندان کی بنیاد

"ہسٹری آف پرشیا" میں سرجان ملکم کی روایت کے بموجب نویں صدی کے اواخر میں یعنی جس صدی میں حضرت امام شاہ غریب مرزاؑ امامت کے تخت پر تھے اس زمانہ میں بار دیگر ایران میں بدامنی و بدانتظامی پھیلی ہوئی تھی ترک سرداروں میں قولون خاندان کے دعویدار مغربی حصہ میں جنگ کر رہے تھے۔ اور مشرقی ترکستان کے جنگلوں میں ازبکوں نے اُدھم مچا رکھی تھی یہاں تک کہ تیمور کے وارثوں کو خراسان سے نکال دیا تھا۔

اس زمانہ میں اسمٰعیل صفوی گیلان آ کر اپنے خاندان کی سلطنت قائم کرنیکے ارادہ سے یکے بعد دیگرے شہر فتح کرنے لگا۔ اسنے ترکمان اور تیمور کے وارثوں کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ اور تمام ایران و خراسان میں صفوی سلطنت قائم کی۔ یہ واقعہ ۹۰۷ھ میں ہوا۔

انجودان کا درخانہ (مرکز امامت)

حضرت امام شاہ غریب مرزاؑ کے زمانہ میں ہندوستان سے بہت اسمٰعیلی مریدین امامؑ کے دیدار کے لئے انجودان جاتے تھے۔ ان کو خاص درگاہ کی امامت کی مُہر کے ساتھ رقعوں کی نوازش کی جاتی تھی اس زمانہ میں ایران اور ہندوستان کے اسمٰعیلیوں کے درمیان تعلق پیدا ہو گیا تھا اور حضرت امامؑ کے دیدار سے مشرف ہو کر مراجعت کرتے وقت وہ امام کی طرف سے کارسازی کی رسید یا ھدایات کے کاغذات جماعتوں کے نام لے جاتے تھے۔ ان کے پڑھتے وقت ہندوستان کی جماعتوں میں عید کے جیسی

خوشی منائی جاتی تھی اور ان کا نذرات کی مبارک بادی آپس میں دی جاتی تھی۔

حضرت امام شاہ غریب مرزاؑ نے ۹۰۲ھ میں فقط تین سال کی امامت کے بعد انجودان میں وفات پائی حضرت امامؑ کا روضہ بھی اسی گاؤں میں ہے اور آج کل بھی وہاں اسمٰعیلی سکونت پذیر ہیں۔ حضرت امام شاہ غریب مرزاؑ کی وفات کے بعد ان کے فرزند ابوذر علیؑ یعنی شاہ بہودر علی امامت کی مسند پر رونق افروز ہوئے۔

حضرت امام شاہ ابوذر علی (علیہ السلام)

سن امامت از ۹۰۲ھ ہجری تا ۹۱۵ھ ہجری

حضرت امام ابوذر علیؑ ۹۰۲ھ میں امامت کی مسند پر متمکن ہوئے جس زمانہ میں ایران میں ایک انقلاب عظیم واقع ہو رہا تھا اور فی الحقیقت ایران ایک نئے دور میں داخل ہو رہا تھا۔

آثار محمدی کی روایت کے بموجب شاہ غریب مرزاؑ کے بڑے فرزند محمد ابوذر شاہؑ اپنے والد کی جگہ تخت امامت پر متمکن ہوئے۔ آپ کی زندگی چونکہ غایت درجہ کی درویشانہ تھی اس لئے ان کا نام ابوذر ہوا۔

گلزار شمس کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت امام ابوذر علیؑ کا دوسرا نام حضرت نورالدین بھی ہے۔ جو حضرت امام غریب مرزاؑ کے نسل سے ان کے فرزند ارجمند ہیں۔ شاہ مذکور کی شہرت و نامدری آگے جاکر حضرت امام شاہ نورالدین علیؑ اور شاہ خلیل اللہؑ کے سوانح حیات میں بیان کی جائیگی۔

سید محمد شاہ ابن سید امام شاہ اپنی تصنیف کردہ کتاب ست وینی کی ویل میں حضرت امامؑ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ

بھودر علی کا پھر آیا وارا   پنتھ پر رہیا سو برس بارا

حضرت امام ابوذر علیؑ کا نام مخفف طور پر بھودر علی لکھا جاتا ہے اور درحقیقت ابوذر علی کا مخفف نام ہندوستان میں ہی ہوا تھا۔

حضرت امام محمد بن سلام شاہؑ کے زمانہ سے ایران میں جو سلطنت کی بدانتظامیاں تیمورلنگ

کی موت کے بعد پھیلی ہوئی تھیں وہ حضرت امام شاہ غریب مرزا کے زندگی تک برابر جاری تھیں در حضرت امام ابوذر علیؑ جس وقت امامت کی مسند پر آئے ایرانی سلطنت کی حالت کچھ مبدل ہونے لگی یہاں تک کہ ۹۰۶ھ میں صفوی خاندان نے اپنی سلطنت کا پایہ ڈالا اور ایران میں ایک ہی چتر دار سلطان کی حیثیت سے اسمٰعیل صفوی تخت نشین ہوا۔ اس وقت حضرت امام ابوذر علیؑ کو امامت کے تخت پر آئے ہوئے پانچ سال گذر گئے تھے۔

اسمٰعیل صفوی کے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے چند ہی سال میں اپنی مملکت کا دائرہ جیحون (آکسس) ندی سے پورے ایران تک اور افغانستان سے فرات تک بڑھا دیا بغداد بھی اس نے فتح کر لیا تھا۔ اور آذربائیجان کو فتح کرکے تبریز کو اپنا پایہ تخت قرار دیا تھا۔

صفوی خاندان کی قدیم تاریخ

سر جان ملکم نے اپنی تصنیف "ہسٹری آف پرشیا" میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل صفوی کی حکومت کے آگے اثنا عشری مذہب والے اپنے مذہب کو مخفی رکھنے کے لئے تقیہ کرتے تھے مگر صفوی شیعی سلطنت کے مستحکم ہوتے ہی کھلم کھلا اپنے عقیدہ کا اظہار کرنے لگے۔

لیفٹیننٹ کرنل سائیکس نے اپنی تصنیف ہسٹری آف پرشیا میں لکھا ہے کہ صفوی خاندان کی اصل حضرت موسیٰ کاظمؑ ابن حضرت امام جعفر صادقؑ سے ہے۔ اور اس خاندان کے لوگ اردبیل نامی مقام میں ایک زمانہ دراز سے بسے ہوئے تھے۔ ایرانیوں میں صفوی خاندان نہایت عزیز مانا جاتا تھا اس خاندان کا مورث اعلیٰ صفی الدین نامی شخص کو شمار کرتے ہیں جس کے نام سے اس خاندان کا نام مشہور ہوا ہے۔ صفی الدین کے فرزند صدرالدین کا رعب و داب بہت بڑھا ہوا تھا۔ امیر تیمور لنگ سے دیار بکر سے پکڑے ہوئے ایک لاکھ ترکی قیدیوں کو رہا کرنے کے لئے صدرالدین نے کہا اور تیمور لنگ نے اس پر عمل کیا تھا بعد ازاں یہ تمام قیدی صدرالدین کے مرید ہو گئے تھے اور آزاد ہو کر گیلان میں بس گئے تھے۔ آگے حاکمران کی اولاد نے صفوی خاندان کے بزرگ خواجہ علی نے بہت سے سلاطین سے اپنا تعلق رکھا تھا۔ عرس کا لڑکا حیدر صفوی تھا۔ اور بعد ازاں سلطان علی اس خاندان کا سرپرست تھا۔ سلطان علی صفوی کے

بعد اسکا دوسرا بھائی ابراہیم میرزا کے انتقال سے حیدر صفوی کا تیسرا لڑکا اسمٰعیل صفوی باقی تھا جس کا گیلان میں بڑا مرتبہ تھا۔ اس نے اس جگہ ایک چھوٹا لشکر جمع کر کے شیرمان ضلع کے باکو اور شامیا نامی مقامات کو فتح کیا۔ اس فتح کے بعد اس نے ۱۶۰۰۰ آدمیوں کا ایک لشکر جمع کیا اور الوند کا سلطان تاتاری آق قونیلو کا خاتمہ کر دیا۔ بعد ازاں اس نے تبریز فتح کر کے خود وہاں کا بادشاہ بن گیا۔

صفوی سلطنت میں اسمٰعیلیوں کا درجہ

ہسٹری آف پرشیا میں سرجان ملکم لکھتے ہیں کہ صفی الدین کی اولاد ایران میں صوفی کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ سلطان اسمٰعیل صفوی کے اثنا عشری مذہب کو سلطنت کا مذہب قرار دینے کی وجہ سے حضرت امام ابوذر علیؑ نے اسمٰعیلیوں کو نہایت ہوشیاری سے رہنے کی سفارش کی تھی تاہم بعض موقعوں پر اسمٰعیلیوں کو تکالیف کا سامنا ضرور کرنا پڑتا تھا اور سلاطین سلف کی کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے صفوی حکومت کی پالیسی اور حکومت نہایت مہذب تھی اور پہلے کی بہ نسبت رعایا کو مشکلات کا سامنا چنداں کم کرنا پڑتا تھا۔ تاہم علما میں مذہبی تعصب سمایا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اسمٰعیلیوں کو نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے رہنا پڑتا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کا شاہ ایران سے تعلق

حضرت امام ابوذر علیؑ کے زمانہ میں سلطنت میں انقلاب ہونے سے حضرت امامؑ کو بھی اس میں حصہ لینے کے لئے اسباب پیدا ہو گئے تھے امامؑ کی بڑی خواہش مریدوں کو آرام پہنچانے کی تھی۔ کیونکہ اسمٰعیل صفوی کی وجہ سے ابتدا میں اسمٰعیلیوں کو متعصب عالموں کے باعث بادشاہ کے طرف سے اذیت پہنچی تھی۔ آخر حضرت امام ابوذر علیؑ نے بادشاہ سے براہ راست اپنا تعلق قائم کر لیا۔ اور صفوی سلطان نے حضرت امامؑ کی عقلمندی، دلیری، اور نیک دلی سے مسرور ہو کر سلطنت کی ایک شاہزادی صابرا خاتون کے ساتھ شادی کر دی تھی اس طرح صفوی بادشاہ اور امامؑ کے مابین رشتہ ناتہ شروع ہو گیا۔ اس زمانہ میں امام کے سکونت کے مقام انجدان میں اسمٰعیلی کثرت سے بھر گئے تھے

تاہم مذہبی دشمنی رکھنے والی رعایا کی کثرت سے ہوشیاری کے ساتھ رہنے کا دستور جاری رکھا تھا۔ اور ان حالات میں اسمٰعیلی امن و امان سے رہنے لگے تھے۔ لیکن امامؑ کے حکم کے مطابق نہایت ادب اور حوصلے سے انجودان کے اطراف کے پہاڑی ملکوں میں دعوت کی اشاعت کا سلسلہ برابر جاری رکھا تھا۔ خاص کر ہندو مریدوں کا تعلق بھی امامؑ کے ساتھ دن بدن ترقی پر تھا۔ اور امامؑ کے حضور میں ان کی آمد و رفت بھی بہت زیادہ تھی۔

سنہ ۹۰۵ھ میں حضرت امام شاہ ابوذر علیؑ کی وفات انجودان میں ہوئی۔ جہاں آپ کا روضہ بھی واقع ہے۔ آپ کے بعد حضرت امام شاہ مراد مرزاؑ امامت کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر اسمٰعیلیوں کی ہدایت کی لگام اپنے ہاتھ میں لی۔

حضرت امام شاہ مراد میرزا (علیہ السلام)

سن امامت از ۹۱۵ھ ہجری تا ۹۲۱ھ ہجری

حضرت امام شاہ مراد مرزاؑ ۹۱۵ھ میں مسند امامت پر متمکن ہو کر اسمٰعیلیوں کے امام ہوئے
حضرت امام شاہ مراد مرزاؑ انجدان میں رہتے تھے۔ اور وہیں سے اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کرتے تھے
ایران کے صفوی بادشاہ کے ساتھ اماموں کے تعارف سے آپ کے والد حضرت امام ابوذر علیؑ
کا گہرا تعلق تھا۔ اور اسی سبب سے ملکی امور میں بھی حضرت امامؑ کی طرف توجہ ہونے لگی تھی۔

حضرت امام مراد مرزا (علیہ السلام) کی والدہ محترمہ

آثار محمدی کی روایت کے بموجب حضرت امام شاہ مراد مرزاؑ کی والدہ محترمہ صفوی سلطان تہماسپ کی شاہزادیوں میں سے ایک صابرہ خاتون تھیں حضرت امام شاہ ابوذر علیؑ کو صفوی سلطان کی طرف سے امیر الامرا کا جلیل خطاب عنایت ہوا تھا جس کا ثبوت اس تحریر سے ملتا ہے جو آپ کے مزار پر سنگ مرمر کی تختی کے اوپر کندہ ہے آپ کے روضہ کے ساتھ فی زمانہ بھی موجود و محفوظ ہے۔ امام کی والدہ محترمہ اور مرحومہ والدہ صابرہ خاتون نے امام کا نام علی شاہ رکھا تھا۔ اس کے سوا آپ شاہ مراد اور مراد علی کے نام سے بھی متعارف ہیں۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاہ مراد مرزاؑ انجدان میں رہتے تھے اور وہیں آپ نے وفات پائی۔ سید محمد شاہ ابن سید امام شاہ اپنی تصنیف کردہ ستوپتی میں لکھتے ہیں کہ:-

پھر ہوا امراد مرزا سالار | اس نے بھی پنتھ کمایا نردھار
پانچ برس کی بادشاہی | صحیح حقیقی راہ چلائی

خاکی خراسانی نے اپنے قصیدہ ذریہ میں لکھا ہے کہ

علی در جامۂ مولا مراد است | خداوند زمین و عرش و آسماں

یعنی زمین و عرش و آسماں کے مالک امام شاہ مراد مرزاؑ کے بشری جامہ میں علیؑ ہیں۔

صفوی خاندان کی ترقی پذیر سلطنت

بادشاہ اسمٰعیل صفوی کے عہد سلطنت میں حضرت امام مراد مرزاؑ امامت کے تخت پر بیٹھے تھے۔

ہسٹری آف پرشیا میں سرجان ملکم لکھتے ہیں کہ ۹۱۷ھ میں ماوراء النہر سلطان محمد بن شیبانی نے خراسان پر بہت بڑا لشکر لئے ہوئے چڑھائی کی اسمٰعیل صفوی کے حملہ کرتے ہی وہ فرار ہو گیا۔ اور چھ ماہ تک بغاوت دبی رہا کثرت سے اس کے ازبک سپاہی مارے گئے۔ اور آخر وہ بھی قتل ہوا اس کے بعد خراسان ترکستان اور طبرستان میں اسمٰعیل نے صوفی خاندان کی سلطنت قائم کی اس فتح کے بعد افغانستان اور بدخشاں کے سلاطین نے اس کے ساتھ صلح اور اتحاد کا سلسلہ جاری کیا ....

.... اس زمانہ میں بدخشاں کا سلطان اویس اور کابل کا بادشاہ بابر تھا۔ انھوں نے اپنے ایلچیوں کو اسمٰعیل صفوی کے دربار میں بھیجا تھا۔

اسمٰعیلی مرید شاہی لشکر میں

ازبک لشکر نے خراسان میں بھی سرتابی کی۔ مگر اسمٰعیل صفوی نے بھی باردیگر ان کی سرکوبی کر دی۔ حضرت مراد مرزاؑ کے حکم سے اس زمانہ میں اسمٰعیلی کثرت کے ساتھ لشکر میں شامل ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کی معاونت کے لئے جانفشانی سے دشمنوں کے سامنے مورچہ پر رہ کر مقابلہ کرتے تھے اس وفاداری کے باعث کئی اسمٰعیلی سپاہیوں کو بادشاہ نے بڑے بڑے عہدوں سے ممتاز فرمایا تھا۔

عشرہ کی جھولی اور رائے کا خطاب

حضرت امام شاہ مراد مرزا کا زمانہ نہایت جاہ و جلال کا تھا۔ آپ کا پانچ سالہ امامت کا عہد اسماعیلیوں کے لئے باعث برکات تھا۔ ہندوستان میں کچھ۔ کاٹھیاواڑ۔ پنجاب۔ گجرات۔ سندھ اور ملتان میں اس زمانہ میں امامؑ کی طرف سے مقرر شدہ وکیل دعوت کا کام کرتے تھے۔ اور ان کا تعلق امامؑ کے ساتھ انجدان سے براہ راست تھا۔ ہندوستان کے خواجہ اسماعیلی بھی وقتاً فوقتاً امام کے حضور میں عشرہ یعنی دسواں حصہ لے کر ایران جاتے تھے اور حضرت امام کے حضور میں پہنچ کر امام کے دیدار سے مشرف ہو کر [illegible] سعادت حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت امام کے پاس [illegible] کی رسید اور فرمان تعلیقہ ذکر ہندوستان کی جماعتوں کے سامنے پڑھتے تھے جس کو اسماعیلی نہایت ادب سے سنتے تھے [illegible] کی [illegible] کا موزوں خطاب [illegible] کو [illegible] تھا۔

انجدان میں آخری یادگار

حضرت امام شاہ مراد مرزا کی وفات ۹۲۰ھ میں انجدان میں ہوئی۔ آپ کا گنبد [illegible] آج تک [illegible] کے پاس ہے۔ وہیں قریب سے اسماعیلی اماموں کی بھی آرامگاہیں موجود ہیں اور ان آثار قدیمہ سے [illegible] سادات کی بزرگی ہویدا ہوتی ہے۔ انجدان کا یہ مقبرہ ایران میں مشہور ہے [illegible] اس کو دیکھنے کے لئے خاص طور سے آتے ہیں۔

حضرت امام شاہ ذوالفقار علی (علیہ السلام)

سن امامت از ۹۲۱ ہجری تا ۹۲۳ ہجری

حضرت امام شاہ ذوالفقار علی نے ۹۲۱ ہجری میں امامت کی مسند پر جلوس فرمایا اور صرف دو سال تک امامت کی۔ آپ کی سکونت کا مقام بھی انجدان تھا۔ اس زمانہ میں انجدان تمام دنیا کے اسمٰعیلیوں کا ایک مرکز بن گیا تھا جہاں ہر اطراف سے اسمٰعیلی مریدین امام کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے آیا کرتے تھے۔ وہاں ان کی مہمان نوازی کے لئے تمام خورد و نوش اور آرام کے اسباب امام کی طرف سے مہیا کئے جاتے تھے۔

آثار محمدی کی روایت کے بموجب حضرت امام مراد مرزاؑ کے بعد شاہ ذوالفقار علیؑ امام ہوئے اور دو سال کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔ سید محمد شاہ ابن سید امام شاہ "ست ونی" میں فرماتے ہیں

ذوالفقار علی نر اوتار	دو برس رہیا انکے سنسار

گلزار شمسی کا مصنف لکھتا ہے کہ امام شاہ ذوالفقار علیؑ نے انجدان میں بود و باش اختیار کی تھی۔ آپ کی وفات بھی یہیں ہوئی۔ اور آپ کا روضہ بھی یہیں ہے۔

اسمٰعیلی شاعر شاہی خراسانی اپنے مشہور قصیدہ میں رقم طراز ہیں کہ:-

علی در جامۂ ذوالفقار است	خداوند دو عالم آشکار است

(یعنی) دونوں جہان کے مالک شاہ ذوالفقار علیؑ مشہور عالم ہیں۔



شاہ طہماسپ صفوی :۔ آپ نے اسمٰعیلی ائمہ سے سلسلہ قرابت قائم کیا تھا۔

اسمٰعیلی شاعر خاکی خراسانی

اماموں کی ذریّت کا بیان کرتے ہوئے ہم نے اس کے قبل خاکی خراسانی نامی اسمٰعیلی شاعر کے قصیدۂ ذریہ کی نظموں کو کسی جگہ پر لکھا ہے اس لئے شاعر مذکور کی مختصر سوانح عمری اس جگہ پر درج کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام ذوالفقار علیؑ کے زمانہ میں خراسان ضلع کے دیزباد میں ایک نامور شاعر اسمٰعیلی رہتا تھا یہ شہر مشہد طوس اور نیشاپور کے درمیان کے پہاڑ پر واقع ہے۔ شاعر کا اصل نام امام قولی یعنی امام کا غلام تھا۔ اس نے امام کی شان میں بیشمار غزلیں لکھی ہیں جس کو ایک دیوان میں اکٹھا کیا گیا ہے اور اس میں کئی قصائد بھی ہیں جس کو بمبئی کی اسلامک ریسرچ اسوسیئیشن نے شائع کیا ہے۔ خاکی خراسانی کے اس دیوان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ اسمٰعیلی کا پابند تھا۔ "تطلع الشمس" نامی مثنوی۔ نگارستان اور بہارستان نامی منظوم بھی اسی شاعر کی تصانیف ہیں۔ امام قولی دو اماموں کے زمانے سے فیضیاب ہوئے تھے۔ جن میں پہلے امام ذوالفقار علیؑ اور دوسرے امام شاہ نورالدین علیؑ جن کے متعلق اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

کیست ای ہرگو شاہ شاہان الغیاث — تو مدان جز شاہ مردان الغیاث
صاحب ناموس مولانا علیست — لطف و قہرش خلد و نیران الغیاث
شاہ نورالدہر ابن ذوالفقار — ہست مولائے فقیران الغیاث
گشتہ خاکی از سر صدق و صفا — جانفشان راہ جانان الغیاث

(معنی) شاہوں کے شاہ کون ہیں یہ مجھے کہو۔ شاہ مرداں حضرت علیؑ کے بغیر کسی دوسرے کو ایسا شہنشاہ مت شمار کرنا۔ حضرت مولا علیؑ نہایت محترم ہیں اور انہیں کی لطف و قہر کا ثمرہ جنّت و جہنّم ہے شاہ نورالدہر ابن ذوالفقار علیؑ فقرا کے مولا ہیں اور خاکی تہ دل سے راستی کا مرکز سمجھ کر ایسے محبوب کی راہ میں اپنی جان نثار کرتا ہے۔ خاکی خراسانی دوسری جگہ پر رقمطراز ہے کہ حضرت امام ذوالفقار علیؑ کا اصل نام خلیل یا خلیل اللہ بھی تھا اس کی نسبت وہ لکھتے ہیں

شنیدہ ام ذوالفقار شاہ دو سر داشت — کہ قدرت فعل و علمش در لسانست
بود خود فعل و قدرت قہر دوزخ — چوں علم و محبتش لطف و جنانست

بہ نورالدہر شاہ بن خلیل کہ خاکی معتقد کے باخرانست

یعنی تونے سنا ہی کہ ذوالفقار علی شاہؑ دو راز رکھتے تھے اوران میں کا (۱) کام کرنیکی قوت اپنی ذات میں رکھتے تھے اور (۲) علم ان کے زبان پر تھا۔ کام کی طاقت اور جہنم کا عذاب ان کے ہاتھ میں تھا ان کی علمی صحبت و لطف جنت کی طرف لے جائیگی نورالدین شاہ بن خلیل یعنی حضرت امام ذوالفقار علی شاہؑ کا مرید یہ خاکی ہے وہ کس طرح بے وقوف گدھوں کی پیروی کرکے ان کا معتقد ہوگا اس کے علاوہ اور بہت سے اشعار حضرت امام قولی کے دیوان میں دستیاب ہوتے ہیں اس شاعر کا مخصوص حال حضرت امام شاہ نورالدین علیؑ کے بیان میں آگے جاکر لکھا جائے گا۔

نور اور گُر کے اشارات

سید محمد شاہ ابن سید امام شاہ حضرت امام ذوالفقار علیؑ کے امامت کے زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی تصنیف کردہ "ستوینی اور ستوینی کی ویل" میں اپنے کو نر محمد شاہ کے طور پر تعارف کرایا ہے مگر اسمٰعیلی مذہب کے طریقے کے مطابق "نر" امام کو کہتے ہیں اور گُرو پیر کو کہتے ہیں ان دونوں میں سے ایک بھی لقب زمانہ کے امام کی طرف سے سید امام شاہؒ کے فرزندوں نے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ سید امام شاہؒ نے اسمٰعیلی مذہب کے خلاف اپنی طرف داری میں لوگوں کو لانے کے لئے اپنی اور اپنے فرزندوں کی فرمانبرداری کی تبلیغ و نصیحت کی اور لوگوں کو اس راہ پر چلانے کے لئے ایک پیغام سید محمد شاہؒ نے سندھ کے اسمٰعیلیوں کے نام بھیجا مگر اسمٰعیلیوں نے حضرت امامؑ کی خدمت قدس میں استصواب کیا بجواب اس کے حضرت امامؑ نے فرمان (تعلیقہ) بھیج کر سید محمود شاہ کو جماعت سے خارج کرنے اور اس کی پیروی سے پرہیز کرنے کا حکم نافذ کیا۔ اس زمانہ سے اسمٰعیلی اور امام شاہی دو الگ فرقے ہوگئے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

حضرت امام ذوالفقار علیؑ نے اسمٰعیل صفوی کے عہد سلطنت میں مسند امامت پر جلوس فرمایا جہاں حکم

لکھتے ہیں۔ کہ اس زمانہ میں اسمٰعیل صفوی پر ترکی سلطان سلیم دو لاکھ سواروں کے لشکر کے ساتھ آذربائیجان کے دارالسلطنت تبریز پر ۹۲۰ھ میں حملہ آور ہوا۔ اور شاہ اسمٰعیل صفوی سے ترکوں کی زبردست قوت کا سامنا نہ کر سکا اس لئے ایران کے اندرونی حصہ میں فرار ہو گیا۔ سلطان سلیم تھوڑے عرصہ تک آذربائیجان رہ کر پھر واپس استنبول چلا گیا۔

حضرت امام شاہ ذوالفقار علیؒ نے ۹۲۲ھ میں انجودان میں وفات پائی۔ ان کی لاش وہیں دفن کی گئی اور آپ کا مزار بھی آپ کے والد ماجد کے روضے میں ہے۔

حضرت امام شاہ نورالدین علی (علیہ السلام)

سن امامت از ۹۲۲ھ ہجری تا ۹۵۷ھ ہجری

حضرت امام شاہ نورالدین علیؑ نے ۹۲۲ھ میں امامت کے تخت پر جلوس فرمایا آپ کو نورالدہر سے بھی خطاب کیا جاتا ہے "فرزحق" اور "مردحق" "شاہ زمین وزمان" کے نام سے بھی وہ متعارف ہیں۔ گلزارشمس میں لکھا ہے کہ سید شاہ نورالدینؑ انجودان میں رہتے تھے اور وہیں آپ نے رحلت کی۔ آپ کا روضہ بھی انجودان میں ہے۔ سید محمد شاہ ابن سید امام شاہ خود اپنی تصنیف کردہ "ستوینی" میں لکھتے ہیں۔

پھر تو ہوا نورالدین علے امام — اس کا ہفاسو نورشاہ نام

اس نے کھیل رمت بھوؤ کری — سو سب اس جگ میں پھر دری

شاعر خاکی قصیدہ ذریہ میں لکھتے ہیں کہ

علی مولائے نورالدھر باشد — ز نورش جملہ اشیاست برما

(یعنی، علی مولا شاہ نورالدینؑ ہیں۔ ان کا نور تمام عالم پر چھایا ہے

شاعر خاکی کی اسیری اور شاعر کے فرزند کی ترقی

ایرانی حکومت جب صفوی خاندان کے بادشاہوں کے ماتحت تھی اور وہ صفوی خاندان کی اولاد ہو کر لوگوں میں ہر دلعزیزی حاصل کرنیکی کوشش کرتے تھے۔ ایسے زمانہ میں ایک اسمٰعیلی کو کتنی ہوشیاری رکھنے کی ضرورت تھی اس کا اندازہ خاکی کی سوانحمری سے ہو سکتا ہے لہٰذا ان کی سوانحمری کی نسبت مزید کیفیت

یہاں درج کی جاتی ہے۔

دیوان خاکی کے اگلے حصہ میں اس کتاب کے مصنف نے اپنی سوانح عمری بیان کرتے ہوئے آگے ذکر کیا ہے کہ خراسان ضلع کا دینر باد اس کا خاص وطن مالوف تھا اس کا نام امام قولی تھا۔ لفظ قولی ترکی زبان کا لفظ ہے مگر ایران میں صفوی خاندان کے عہد سلطنت میں روزمرہ کی گفتگو میں وہ برابر استعمال کیا جاتا تھا۔ اور بعد ازاں ایرانیوں کے نام کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ جو ترکی اور ایران کے اتصال کا ایک اثر تھا۔ امام قولی کے معنی امام کا غلام ہوتے ہیں وہ اپنی نظموں میں خاکی تخلص استعمال کرتا ہے اسمٰعیلی مذہب کے نزاری فرقہ سے وہ تعلق رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کے متعلق کچھ زائد معلومات نہیں حاصل ہوتی ہیں کیونکہ ایران میں اسمٰعیلی علماء کو سزا دی جاتی تھی۔ اس سبب سے خاکی کو ایشیائے وسط۔ افغانستان یا ایران کے جنوبی حصہ داروں میں کچھ شہرت حاصل نہ ہوئی۔ اور ان کی تصنیف کردہ نظموں کے متعلق ان کے ایرانی ہم مذہبوں کی تفصیل پر ان کی سوانح عمری کی حقیقت کے متعلق اعتماد کرنا پڑتا ہے ان کی آخری آرامگاہ دینر باد میں موجود ہے اور اسمٰعیلی سیاح اس کی زیارت کرتے ہیں۔ خاکی اپنے زمانہ کے شاہ عباس کا بیان کرتا ہے۔ مگر صفوی خاندان کے عباس نامی دو بادشاہ ہوئے ہیں۔ صفوی خاندان کے بادشاہ ہونیکی طرف سے شاعر خاکی کو بھی بہت کچھ اذیت پہنچی تھی۔ شاہ عباس دویم کے عہد سلطنت میں وہ قید خانہ میں ہی فوت ہوئے تھے شاعر کی زندگی کا بڑا حصہ قید خانہ میں ہی گزرا تھا۔ کیونکہ اس بادشاہ نے مذہبی تعصب کے باعث انہیں قید کر دیا تھا۔ ایک جگہ اس نے اپنی نظم میں امام کے اشتیاق اور ایک سچے مرید کی دلی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا،

خبر از صاحب الزمان خواھی — گفتمش رو ز نائباں بطلب

حضرت شاہ را نشان طلبی — این نشاں راز عارفاں بطلب

صادقی ور اگرنئی کاذب — شاہ دیں را در انجوداں بطلب

خاکیا۔ گرتو شاہ دیں جوئی — ای گدا۔ روز محرماں بطلب

یعنی صاحب زمانہ کی خبر کی اگر تجھے خواہش ہے تو میں نے اس سے کہا کہ "جا اور ان کے نائبوں (یعنی امام کے پیر یا وکیل) یعنی داعیوں سے تفتیش کر" امام کے نشان کی اگر تجھے تلاش منظور ہے تو عارفوں اور درویشوں سے اس بارہ میں سوال کر۔ اگر تو سچا ہے اور جھوٹا نہیں تو دین کے شاہ کو اپنے اندر

میں جا کر تلاش کر کے ڈھونڈ ھ نکال۔

اے خاکی تو شاہ دین کی تلاش میں ہے۔ تو اے خانہ بہ خانہ تلاش کرنے والے جا اور جو اس راز کو جانتے ہیں ان سے معلوم کر۔ خاکی خراسانی کے قید میں فوت ہو جانے کے بعد ان کے فرزند علی قولی نامی ور ایک لڑکا چھوڑا تھا وہ اپنے والد کی طرح شاعر تھے۔ تخلص ان کا رقمی تھا خاکی کی نظموں میں اسمٰعیلی خیالات اکثر جگہ نظر آتے تھے۔ ان کے زمانے میں حضرت امام شاہ خلیل اللہؑ کے نام آتے ہیں خاکی نے اپنی نظم میں پہلے وقت امام کی جائے سکونت انجودان لکھا ہے جو محلات ضلع میں واقع ہے اور ہم نے دیکھا ہے۔ اسی طرح حضرت امام شاہ نورالدین علیؑ صفوی خاندان کے عہد سلطنت کے درمیان انجودان میں رہتے تھے۔

اسمٰعیل صفوی کی وفات اور شاہ طہماسپ کی سلطنت

سرجان ملکم ہسٹری آف پرشیا نامی تاریخ میں رقم طراز ہیں کہ اسمٰعیل صفوی ... اپنا تمام وقت اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے اور سلطنت پر آئے ہوئے حملوں کو دفع کرنے میں صرف کرتا تھا۔ حضرت امام شاہ نورالدین علیؑ کی زندگی میں اسمٰعیل صفوی سنہ ۹۳۰ھ میں ۲۴ سال تک سلطنت کر کے فوت ہوا تھا۔ اس کی وفات کے وقت امامؑ کی مسند نشینی کا آٹھواں سال تھا۔ صفوی خاندان کا دوسرا بادشاہ شاہ طہماسپ گیارہ سال کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ چونکہ اس کی عمر نہایت کم تھی اس لئے اپنے وزیروں کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ اسکی صغر سنی کو غنیمت سمجھ کر عبیداللہ خاں نے چڑھائی کی مگر اس سے کچھ اسکو فائدہ نہ ہوا۔ شاہ طہماسپ نے سن بلوغ کو پہنچتے ہی آذربائیجان کے علاقہ کے شہر تبریز کو بدل کر قزوین کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اس کی صغر سنی کے باعث سلطنت میں جو بدامنیاں اور بدانتظامیاں پھیلی ہوئی تھیں ان کو اس نے رفع کر دیا مقام بسطام میں اس نے عبیداللہ اوزبک کو شکست دی۔ بعد ازاں عبیداللہ نے ترکستان اور افغانستان کے سلاطین کی معاونت سے بار دیگر شہر ہرات پر چڑھائی کی۔ مگر اس میں بھی وہ ناکام رہا۔ تیسری دفعہ پھر حملہ آور رہا۔ مگر اس وقت بھی اسے ہزیمت ہوئی۔ استنبول کے ترک سلطان سلیمان اول نے بھی شاہ طہماسپ صفوی پر چڑھائی کی تھی۔ مگر اسے بھی شکست کھا کر واپس جانا پڑا تھا۔ بعد ازاں شاہ طہماسپ نے افغانوں سے قندھار فتح کر کے قاچار قبیلہ کے ایک سردار کو وہاں کا

گورنر بنادیا۔ عبیداللہ اوزبیک نے اس کے بعد صلح کرلی۔ اس وقت سلطان سلیمان نے باردیگر ایران پر چڑھائی کی مگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ لہٰذا اسے واپس جانا پڑا۔ شاہ طہماسپ کی سلطنت اس فتح سے نہایت محکم بن گئی ۹۵۰ھ میں ہندوستان کا مغل بادشاہ ھمایوں پر شیر شاہ سوری نے حملہ کیا۔ مگر بدنصیبی سے شکست ہونے سے ھمایوں ایران بھاگ گیا۔ اور شاہ طہماسپ کے پاس پناہ گزین ہوکر مدد طلب کی۔ طہماسپ نے اسے دس ہزار بہادروں کا لشکر دے کر ہندوستان روانہ کیا۔ جس کی معاونت سے باردیگر ھمایوں نے ہندوستان فتح کرلیا۔ شیر شاہ کی شکست ہوئی اور ہمایوں پھر ہندوستان کی سلطنت پر قابض ہوگیا۔

امامؑ کی شاھی بی بی

حضرت امام شاہ نورالدین علیؑ کا صفوی خاندان کے ساتھ شاہزادی کی شادی کے سبب رشتہ ناتہ ہوگیا تھا۔ تاہم سلطنت کے کاروبار سے علیحدہ رہ کر اپنے مریدوں کی حفاظت اور اسمعٰیلی داعیوں کو انتظام میں مشغول رہ کر اپنا تمام وقت اس میں صرف کرتے تھے۔

حضرت امام نورالدین علیؑ کی وفات ۹۵۷ھ میں انجودان میں ہوئی اور آپکی لاش آپ کے جدامجد امام شاہ مرادمیرزا کے روضہ میں دفن کی گئی جہاں صفوی شہزادی کو بھی دفن کیا گیا ہے اور اس کا بیان اس کے قبل لکھا جاچکا ہے آپ کی وفات کے بعد آپکے فرزند حضرت امام سید خلیل اللہؑ نے امامت کی مسند پر جلوس فرمایا۔

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی (علیہ السلام) اوّل

سنِ امامت از ۹۵۰ھ ہجری تا ۹۹۳ھ ہجری

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی اول نے ۹۵۷ھ میں جب امامت کی مسند پر تمکن فرمایا تو ہندوستان سے خوجہ معتقدین مریدوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے گئی تھی آپ کی سکونت کا مقام انجودان تھا۔

گلزارِ شمسی و شمسی بنالی میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ اول انجودان میں رہتے تھے اور آپ کی آخری آرام گاہ بھی اسی مقام پر ہے۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی شان میں خاکی خراسانی کا قصیدہ

اسمٰعیلی شاعر خاکی خراسانی (عرف خاکی شاہ) بھی اپنے قصیدہ میں حضرت امام شاہ خلیل اللہ اول کی منبت لکھتے ہیں۔

علی خود بود شاہ خلیل اللہ ہمیں خود　　　اگر اورا خدا گویند اولیٰ

(یعنی) علیؑ ذات میں شاہ خلیل اللہؑ ہیں اگر انہیں خداوند کہیں تو بہتر ہے

شاعر خاکی خراسانی حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ اولؑ کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔ وہ حضرت امامؑ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

تو شاہِ حضرت مولیٰ گدایت جملۂ عالم　　　چوں برآنشیاں بود حکمت تو شاہ و میر و سلطانی

یعنی ای مولیٰ تو بادشاہ ہی اور تمام دنیا تیرے آستانہ کے چوکھٹ کی فقیر ہے یہ ایک چیز پر تیری حکومت
محیط ہی۔ تو امیروں کا شاہ ہی۔ بادشاہوں کا بادشاہ ہی۔

بوصلت لامکاں دانم ولیکن ظاہر و باطن — بہ باطن در ہمہ جائی بہ ظاہر ہم بہ ایرانی

یعنی تیرے ساتھ وصال کے مکان کو میں لامکان سمجھتا ہوں مگر ظاہر اور باطن کی نظر سے دیکھتے ہوئے باطن میں تو ہر جگہ پر موجود ہی اگرچہ ظاہر میں تو صرف ایران میں ہی ہو۔

مکان ظاہری داری اگرچہ در عراق ای شاہا — بہ ظاہر در عراق ہستی بباطن در خراسانی

یعنی اے شاہ [illegible] کہ عراق میں تیرا مکان ہو اور ظاہر میں تو عراق میں ہو مگر باطن میں تو خراسان (یعنی خراسانیوں کے ذہن میں رہتا ہی) [illegible] الگ الگ مقامات کا بیان کرتے ہوئے ایک سیاح کے [illegible] مقامات سے گزرنا [illegible] کے اپنے وطن یعنی طوس سے شروع کرکے [illegible] ہیں کہ:—

بشو مسعود [illegible] حضرت مولی [illegible] — چو خود [illegible] خود چراغی سو فرستانی

یعنی مولیٰ [illegible] متابعت کر اور اپنی [illegible] کس لئے یہاں [illegible] ٹھہرا ہے؟

ز مشہد چون روی بیرون نخستین منزلت با ہرست — زبعدش سبزوار است و مزینان مزینانی

یعنی جب تو طوس (شہر مشہد) سے باہر نکلے تو ایک منزل کے فاصلہ پر نشاپور واقع ہے اور اس کے بعد سبزوار اور مزینان کا مزینہ گاؤں ہے۔

چو بعد از مزینان شد منزلت میان دشت کن — کز آنجا زود تو باشد چو در بسطام و خرقانی

یعنی مزینان [illegible] کے بعد تیری منزل میان دشت نامی مقام میں ہو کر اور یہاں سے تیرا [illegible] سے ہو کر [illegible] جائیگا۔

تو چون چون ملک ری کنی بادیہ اندیشی — رہ آن راہ را اکسیر سازی اکسیر دامغانی

یعنی بعد ازاں تیرا رخ گر شہر ری کی طرف ہو تو تجھے اندیشہ کرنیکی کوئی بات نہیں اور اس طرح تو دامغان کے راستہ کو اپنی منزل کلی نہ بنانا۔

رسیدی چو بپرینِ بیدی برو در کام ساکن شو　　غلط باشد که واگفتن از قمی و کاشانی

یعنی تو جب اُس جگہ پر پہنچ جائے اس وقت قم میں اپنی سکونت کر کے قم اور کاشان میں تو دا امام ہے مگر ایسا صاف طور سے ظاہر کرنا۔ بالکل غلطی ہوگی۔

طہماسپ صفوی کی سیاسی کارروائی

جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے اس طرح جو خیالی شعرا سابق کو امام زمانہ کی تعریف و توصیف صوفیانہ رنگ میں لکھنے سے بہت کچھ مصائب اٹھانے پڑے۔

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی کے زمانہ میں شاہ طہماسپ صفوی حکومت کرتا تھا وہ امام کا قرابت کے لحاظ سے نانا ہوتا تھا۔

ہسٹری آف پرشیا میں سر جان ملکم لکھتے ہیں کہ ترکی سلطان سلیمان نے [illegible] ایران کا شاہ طہماسپ میدان جنگ میں اترا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا [illegible] [illegible] سلطان [illegible] شاہ طہماسپ [illegible] [illegible] ترکی سلطنت [illegible] [illegible] سلطان سلیمان کا لڑکا بایزید [illegible] والد سے بھاگ کر [illegible] [illegible] شاہ نے [illegible] [illegible] کے باعث [illegible] باپ کے پاس واپس کر دیا۔

شاہ طہماسپ کے پانچ لڑکے تھے سب سے چھوٹے لڑکے حیدر مرزا سے وہ نہایت محبت کرتا تھا۔ شاہ طہماسپ ۹۸۴ھ میں فوت ہوا اور اس کے بعد حیدر مرزا سریر سلطنت ہوا۔ مگر بعد میں شاہ کے دوسرے لڑکے اسمٰعیل مرزا نے علم بغاوت بلند کر کے حیدر مرزا کو قتل کر دیا اور محمد مرزا کے سوا سب بھائی قتل کر دیئے گئے۔ [illegible] ہو رہی تھی اس [illegible] اسمٰعیل مرزا فوت ہوگیا۔ شاہ طہماسپ کے خاندان سے محمد مرزا اور اس کا کنبہ محفوظ رہ گیا تھا اس موقعہ کو پا کر محمد مرزا نے زمام سلطنت ہاتھ میں لی ایک طرف ازبک اور ترکی نے سلطنت پر حملے کئے اور دوسری طرف امراء ایران نے ناخوش ہو کر اس کے لڑکے عباس مرزا کو شاہ ظاہر کیا محمد مرزا سلطنت سے دستبردار ہوگیا۔ وزیر سلیمان ان نازک حالات میں سلطنت کا انتظام بخوبی کرتا رہا۔



سیّد داؤد عرف پیر دادو کی درگاہ بچھن بُج ۔ آپ ایک اسمٰعیلی مبلّغ تھے۔

سید داؤد پیر کی وکالت ۔ پیری اور وکالت میں فرق

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے زمانہ میں سید داؤد پیر گزرے ہیں ان کو پیر صرف احتراماً کہا جاتا ہے کیونکہ امامؑ نے ان کو پیر کو دینہیں یا تھا وہ امام کی طرف سے وکیل کی حیثیت سے سندھ میں کام کرتے تھے۔ وکیل داؤد نے ۱۲۶۲ھ میں ایران کے انجودان گاؤں میں جا کر امام کی ملاقات کی تھی اور امام نے ان کو مال واجبات جمع کرنے کے لئے وکالت دی تھی۔ وہ مختلف اوقات جماعتوں میں عزت تبلیغی بھی کرتے تھے۔

... میں لکھا ہے کہ سندھ میں سید داؤد پیر ... کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ نہایت ہوشیار تھے اور دور زمانہ سے وکالت کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ اسمٰعیلی مریدان کو بہت چاہتے تھے آپ نے بہت سے مریدوں کا احترام کیا تھا ... نامی ایک شخص ... سے ... ہوا تھا اس کے اولاد نہیں تھی وہ ... آیا ... اور سلام پیر کے قریب آیا تھا۔ سید داؤد پیر سے اولاد طلب کی دعا کی ... کہا کہ اگر خدا ... ہو جاوے تو تم ... کیا ... سید داؤد پیر نے دعا مانگی اور مقصود ... کے یہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام لاکھا رکھا گیا۔ بھلو ... نے خواجہ ہو کر اسمٰعیلی مذہب اختیار کیا۔

سندھ کا ... سید داؤد ... نہایت ... رکھتا تھا کیونکہ ... کر ... یہاں اہل سنت ... نہایت مشکل ہو گیا تھا۔

سید داؤد پیر کی کچھ میں سکونت اور اماموں کی خدمت

اس زمانہ میں کچھ میں نہایت زبردست بھار مکھی سلطنت کرتا تھا سید داؤد پیر نے ایک خط لکھ کر کچھ میں بسنے آنیکی خواہش ظاہر کی اس نے ان کے مریدوں کے ساتھ آنیکی نہایت خوشی سے اجازت دی اور کچھ میں رہنے کی جگہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اجازت پا کر سید داؤد پیر چالیس قبیلوں کے ساتھ کچھ بھج کی طرف روانہ ہوئے جنمیں بھلو اور اس کا فرزند لاکھا بھی تھا دربار نے ان سب کا نہایت عزت سے استقبال کیا اور رہنے کی جگہ بھی انعام میں دی۔

سید داؤد پیر باوا ہاشم کی اولاد میں سے تھے۔ باوا ہاشم کا ہندوشاہی نام ہرچند تھا

باوا ہاشم کے بیٹے گل محمد ہوئے۔ اور ان کے فرزند تاج دین ہوئے۔ ان کو تو یا کے ہندو نام سے بھی خطاب کرتے
تھے ان کے فرزند خیر دین ہوئے اس کا ہندو نام خیراج تھا ان کے فرزند آس ہوئے جن کا ہندو نام چھیدیہ رکھا تھا
آس کے تین فرزند ہوئے (۱) آس دین (۲) جمال الدین (۳) داؤد۔ یہ تیسرے فرزند داؤد پیر کے نام سے داؤد ہوئے
اور بعد میں وہ سید داؤد پیر کے نام سے متعارف ہوئے۔

سید داؤد پیر کے آباؤ اجداد کا تعلق امام اسلام شاہ کے وقت سے نزاری اماموں سے تھا سید امام شاہ کے گنان
میں ایک بیان نظر آتا ہے کہ حضرت امام نور شاہ جن کا دوسرا نام امام اسلام شاہ تھا۔ ان کے ساتھ سید داؤد پیر کے
جد امجد یا ان کے والد محترم نے سید امام شاہ کی ملاقات کرائی تھی۔

سید داؤد پیر کے بھائی آس دین اور جمال الدین کو شہید بن شیخ بان میں مومنوں نے قتل کر دیا تھا ان دونوں
کو وہاں دفنا کر کے ایک مقبرہ تعمیر کیا گیا تھا یہ مقبرہ اب حکومت کی طرف سے تعمیر کیا گیا ہے۔ سید داؤد پیر کی وفات ۸۰۰ھ
میں ہوئی تھی اس وقت حضرت امام خلیل اللہ علیؑ کے فرزند حضرت امام شاہ نزار ثانی کی امامت کا پانچواں
سال تھا۔ سید داؤد پیر کا روضہ گھوٹکی کے پاس ... ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے یہ روضہ
بہت ہی عالیشان اور خوبصورت ہے یہ نواں نگر کے باشندہ دھرمسی خواجہ نے اسکی تعمیر کرائی تھی اور سیہ کے وقت
کچھ بار کی سواری پیر داؤد کے سلامی کے لئے آتی ہے۔

مریدوں کی حالت اور انجودان میں امام کی وفات

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے زمانہ میں اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت بہت زیادہ ہوئی اس زمانہ
میں سلاطین کے دباؤ سے کئی اسمٰعیلی خواجوں نے اہل تسنن کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور کئی اثنا عشری ہوگئے
تھے اس کا سبب خاص یہ تھا کہ پنجاب اور ملتان میں دعوت کا تبلیغی کام چنداں رک گیا تھا۔

حضرت امام خلیل اللہ علیؑ کی ۹۹۳ھ میں وفات ہوئی ان کی آخری آرام گاہ انجودان میں ہے
حضرت کی وفات کے بعد ان کے فرزند حضرت امام شاہ نزار (ثانی) امامت کی مسند پر تشریف
فرما ہوئے۔



حضرت امام شاہ نزارؑ اسمٰعیلیوں کے چالیسویں امام

حضرت امام شاہ نزار (علیہ السلام) (ثانی)

سن امامت از سنہ ۹۹۳ ہجری تا سنہ ۱۰۳۸ ہجری

حضرت امام شاہ نزارؑ ثانی امامت کی مسند پر ۹۹۳ھ میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت امامؑ اپنے والد محترم حضرت امام شاہ خلیل اللہؑ کی مسند پر آنے کے بعد اسمٰعیلیوں نے بہت ترقی کی تھی اور ایرانی رعایا میں آپ ایک بزرگ کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ایرانی بادشاہوں کے تعلقات آپ سے تھے۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاہ نزارؑ ثانی کو عطا اللہ بھی کہتے ہیں آپ نے کوہ بندی کے قریب ایک گاؤں بسایا تھا۔ جو کہ کہک شاہ نزار کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقام پر ہندوستان کے خواجہ مریدین امام کی ملاقات کو آتے تھے اس زمانہ میں اس جگہ کو درخانہ (مرکز امام) کہتے تھے بہت سے ہندوستانی خواجہ اور کرمانی (؟) کے بہت سے اسمٰعیلی اس جگہ پہلے سکونت پذیر تھے جو عطا اللٰہی کے نام سے معروف ہیں حضرت امام شاہ نزارؑ ثانی کی وفات کہیک میں ہوئی تھی۔

کھیک یا کہیک شہر

آثار محمدی میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاہ نزارؑ ثانی نے امامت کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد کوہ بندی کے قریب جو شہر بسایا تھا اس میں سنگ مرمر کی کانیں ہیں۔ اس گاؤں میں زراعت و کاشت کا نیا مرکز قائم ہوا تھا اور یہ شہر آغا نزار کے کہیک کے نام سے مشہور ہے۔ اس گاؤں میں ایک نفیس باغیچہ بنایا گیا تھا آج بھی یہ شہر اور

باغیچہ موجود ہے اس باغیچہ کا نام باغ تخت رکھا گیا ہے۔ اس باغیچہ میں سنگ مرمر کے ایک ہی ٹکڑے کا ایک تخت ہے اور اسی لئے اس باغ کا نام باغ تخت رکھا گیا ہے اس کے علاوہ وہاں بہت سی قدیم یادگاریں موجود ہیں۔ اور جس مقام میں کسان لوگ کام کرتے ہیں سے نزار آباد کہتے ہیں بہت سا حصہ اس کا ویران تھا۔ جسے کسانوں نے آباد کیا۔

مقام کھیک میں ایک عالی شان روضہ ہے جو متوفی اماموں کی آخری آرام گاہ ہے اور امام کے اولاد و قبائل کے مقابر بھی اس میں ہیں اس روضہ میں ہمیشہ گھی کا چراغ جلانیکی رسم ہے طرفہ یہ ہے کہ اگر دوسرا کوئی تیل ان چراغوں میں بھرا جائے تو چراغ جلتے ہی نہیں یہ بات کچھ مخفی نہیں ہے بلکہ بالکل آشکارا ہے تاہم جسے یقین نہ آئے وہ خود وہاں جاکر اسے دیکھ سکتا ہے حضرت امام شاہ نزار نے کئی غلام حبشیوں کو زراعت کے لئے ملازم رکھ کر خود بھی وہیں سکونت اختیار کی تھی یہ اسمٰعیلی مریدین یعنی عطاالٰہیان (عطاشاہیان) اپنے آقا کی خدمت میں ہمیشہ مشغول رہا کرتے تھے اور اپنا جان و مال قربان کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے یہ تمام عطاالٰہیان بہادر و شجیع تھے

کوہ بندی میں درخانہ

رشین سیاح مسٹر ایوانوف لکھتے ہیں کہ حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی (اول) کے فرزند حضرت امام شاہ نزار (ثانی) تھے آپ کی کریمانہ اور فیاضانہ سلوک سے لوگ آپ کو عطا شاہ بھی کہتے تھے صفوی خاندان کے خاتمہ تک وہ موجود تھے صفوی علما میں وہ ایک جلیل القدر مرتبہ رکھتے تھے شمالی ایران میں سرجن ضلع اور گرگان شہر سے اُن کا تعلق تھا جنوبی ایران میں آئے ہوئے خراسان ضلع میں گلہ کی تلاش میں پھرتے ہوئے (نومیڈ) بدوی لوگ اس ضلع میں آکر مقیم ہوئے تھے اور ابھی بھی یہ لوگ وہاں مقیم ہیں حضرت امام شاہ نزار (ثانی) نے اپنے مریدوں کے لئے کوہ بندی کے قریب ایک گاؤں آباد کیا تھا جہاں الگ الگ حصوں سے آئے ہوئے اسمٰعیلی آباد تھے۔ ایک اسمٰعیلی درخانہ بھی وہاں قائم کیا گیا تھا۔ آپ کے مریدین اس حصہ میں عطا شاہی کے نام سے معروف ہیں۔

صفوی خاندان کی خانہ جنگی کے زمانہ میں حضرت امام شاہ نزار (ثانی) امامت کی مسند پر تشریف رکھتے تھے آپ نے

اپنے والد ماجد کی سکونت کی جائے انجودان کو تبدیل کر کے کیک یا کوھک یا کہخت میں قیام کیا تھا۔

اسمٰعیلی شاعر قاسم امیری اور سیّد عبدالنبیؐ مبلّغ

شاہ عباس (اول) کے زمانہ میں عبداللہ ازبک پھر ہرات پر حملہ آور ہوا اور اس نے بہت سے قزلباشوں کو قتل کر دیا ہرات کا صفوی گورنر علی قلی خاں بھی اس میں مارا گیا ازبکوں نے چالیس دن محاصرہ جاری رکھا۔ اور آخر ہرات کو فتح کر لیا۔ اس نے تمام اثنا عشری پیرؤوں کو گن گن کر قتل کیا واپسی میں شاہ عباس نے ایک لشکر جرار کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ اور وہ مقابلہ سے ہمت ہار کر آخر فرار ہو گئے۔ چونکہ شاہ عباس مشہد کے مورچہ پر جنگ میں مشغول تھا۔ اور اس لئے ترکوں نے کاراباغ۔ ھمدان اور نہاوند پر اپنا قبضہ جمالیا۔ مشہد کی جنگ ختم ہونے کے بعد اپنے پایہ تخت قزوین میں شاہ عباس واپس آتے ہی ۹۹۹ھ میں ترکی سلطان سلیم کے ساتھ صُلح کی گفت و شُنید کی اور صلحنامہ ہو گیا۔ جس کی رو سے ترکوں کے حاصل کردہ تمام علاقے شاہ عباس کو واپس مل گئے۔ شاہ عباس نے اصفہان کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

۱۰۰۴ھ میں عبدالمومن بن عبداللہ نے خراسان میں آ کر لوٹ مچائی مگر بادشاہی لشکر کے آتے ہی وہ فرار ہو گیا۔ ۱۰۰۶ ہجری میں عبداللہ ازبک بخارا میں مرگیا۔ اور اس کا لڑکا عبدالمومن بھی لڑائی میں قتل کیا گیا شاہ عباس کو اپنی زندگی میں بہت سی جنگوں میں شامل ہونے کا موقع پڑا تھا۔ تاہم سلطنت کی آبادی میں نہایت وسعت پیدا کی اور ۱۰۳۸ھ میں انتقال کر گیا۔

حضرت امام شاہ نزارؑ ثانی کے زمانہ میں قاسم امیری نامی ایک اسمٰعیلی شاعر گزرے ہیں جنہوں نے امامت اور اسمٰعیلی فلسفہ پر قصائد لکھے تھے اس شاعر پر الحاد و کفر کا جرم رکھ کر ۹۹۹ھ میں شیراز میں دار پر چڑھایا گیا۔ اس شاعر کی آج بھی نظمیں پائی جاتی ہیں استاد شاعر خاکی خراسانی سے ان کی نظمیں نہایت سلیس اور پُر مغز قافیہ والی ہیں۔

حضرت امام شاہ نزارؑ (ثانی) کے زمانہ میں سید عبدالنبی نامی ایک مبلغ تھے۔ جس نے مختلف جماعتوں میں ہدایت کا کام سرانجام دیئے تھے۔ اور وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ سید عبدالنبی اپنی ایک نظم (گنان) میں لکھتے ہیں۔

اے جی قائم سوامی کیک مان میٹھا ———— نے علی روپے اوتار جی

پاتر ستو تیرا امام چالیس پیرتک شاہ نزار جی

یعنی قائم امام کیک میں بیٹھے ہیں جو علیؑ کے مانند (اوتار) ہیں حضرت پیر صدر الدینؒ کی تبلیغ کے لحاظ سے ستوتیر یاتر ہوئے ہیں۔ فی زمانہ چالیسویں امام مشہور اور موجود ہیں جو امام شاہ نزارؒ (ثانی) ہیں۔

نعمت اللہ شاہ صوفی اور عطا الٰہی مریدین

پروفیسر براؤن کی "لیٹریری ہسٹری آف پرشیا" اور لیفٹننٹ کرنل سائکس کی تصنیف "ایران میں آٹھ ہزار" کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شاہ نزارؒ ثانی صفوی خاندان کے سلطنت کے آخری ایام تک زندہ تھے وہ نعمت اللہ شاہ صوفی کی جماعت کے ایک جلیل القدر عہدہ دار تھے اور عطاء اللہ شاہ کے نام سے متعارف تھے حضرت امام شاہ نزارؒ (ثانی) کے مریدین پہلے خراسان ضلع میں آباد تھے۔ اور تمام مریدین اب حضرت امامؑ کے زمانہ میں کرمان ضلع میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ کہک نزار نامی گاؤں انہیں لوگوں کے لئے آباد کیا گیا تھا جہاں عطا الٰہی والے آکر آباد ہوئے تھے۔

نعمت اللہ شاہ صوفی کون تھے

ایران میں نعمت اللہ شاہ ایک جلیل المرتبت صوفی مشہور ہیں ان کا اصل نام نور الدین ہے حضرت امام محمد باقرؑ کی نسل سے ہیں۔ ان کا لقب سید ہے۔ اور وہ صوفی شیخ ہونے کے سبب شاہ کے نام سے مشہور ہیں کرمان کے قریب ماھوں نامی گاؤں میں وہ اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

ان کی پیدائش ۷۳۰ھ میں ہوئی تھی ان کا پورا نام "حضرت نعمت اللہ میر عبداللہ ہے پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ ان کا عہد شباب عراق میں گذرا تھا۔ چوبیس سال کی عمر میں وہ مکہ مکرمہ جاکر سات سال تک وہاں رہے۔ اسی اثنا میں مشہور صوفی اور مؤرخ شیخ عبداللہ یافعی کے وہ مرید ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں صوفی یافعیؒ کے مخصوص مرید بن گئے۔ بعد ازاں انھوں نے اپنی زندگی سمرقند۔ ھرات اور یزد میں گذاری۔

نعمت اللہ شاہ درویشوں کے بڑے شیخ تھے ۔ اس لئے ان کے نام کے پیچھے شاہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔ نعمت اللہ شاہ کی کئی اولاد کی شادی صفوی خاندان میں ہوئی تھی ۔ مسٹر ریو اپنے پرشین کیٹلاگ میں لکھتے ہیں کہ نعمت اللہ شاہ نے پانچسو سے زیادہ رسالے لکھے ہیں ۔ جس میں مخصوص غزلیات کا دیوان ہے ۔ ان کی نظمیں شاعر مغربی اور شمس تبریز کے ہم رنگ ہیں ۔

نعمت اللہ شاہ کی غزلیں زیادہ صوفیانہ مضامین اور وحدت الوجود کے عقائد میں رنگی ہوئی دکھائی دیتی ہیں وہ اپنی زندگی کے آخر عمر تک نظم کہتے رہے ۔ ان کی وفات ۸۳۴ھ میں ہوئی اور انتقال کے وقت ان کی عمر ایک سو سال کی تھی ۔

حضرت امام شاہ نزار ثانی نے نہایت رعب و داب کے ساتھ امامت کی شان کو قائم رکھا تھا ۔ اور ۱۰۳۹ھ میں وفات پائی ۔ ان کا مزار کہک میں ہے ۔ جس پر ایک عالی شان روضہ بنایا گیا ہے اور اسمٰعیلی مریدوں کا یہ بھی ایک عظیم الشان مرکز ہے

حضرت امام شاہ سید علی (علیہ السلام)

سن امامت از ۱۰۳۸ھ ہجری تا ۱۰۷۱ھ ہجری

حضرت امام شاہ سید علیؑ ۱۰۳۸ھ میں امامت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اس زمانے میں اماموں کا تعلق سلطنت کے ساتھ ہونیکی وجہ سے اماموں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور عام طور سے اس زمانہ میں عطاء اللہیوں کے نام سے مشہور ہیں ان کے مریدین لشکر اور پولیس میں ملازمت کرنے لگے۔

آثار محمدی کی روایت کے بموجب حضرت امام شاہ نزارؑ (ثانی) کے فرزند اسمٰعیل آغا حسن شاہ سید ابوالحسن بیگ جو حضرت امام شاہ سید علیؑ کے نام سے متعارف ہیں آپ امامت کی مسند پر آ کر مریدین کی راہبری کرنے لگے۔ آپ نے بابک اور کرمان میں اپنی سکونت کا مقام رکھا تھا اور صفوی سلطنت کی طرف سے کرمان کے گورنر ہونے کے بعد کرمان نے بہت ترقی کی یہاں تک کہ آپس میں قومی جھگڑے جو ہوا کرتے تھے ان کو بھی بالکل رفع کرنے کے لئے اسمٰعیلیوں کی طرف سے کوشش کی جاتی تھی لہٰذا اسمٰعیلیوں کی کرمان کی سکونت رعایا کے لئے باعث برکات بن گئی۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ حضرت امام نزارؑ (ثانی) کے فرزند امام سید علیؑ کو صفوی خاندان کے بادشاہ کی طرف سے کرمان کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اور آپ کی وفات بھی کرمان میں ہوئی تھی۔

شاہ صوفی اور عباس ثانی

حضرت امام شاہ سید علیؑ امامت کی مسند پر جس وقت آئے اس وقت شاہ عباس بستر مرگ پر پڑا تھا اس سے جب اس کے جانشین کے متعلق سوال کیا گیا تو اس وقت اس نے اپنے فرزند شاہ مرزا کو سلطنت کا تخت دینے کی سفارش کی، شاہ عباس کا فرزند صفی مرزا کا قتل اس سے پہلے ہو چکا تھا اس لئے ۱۰۳۸ھ میں شاہ مرزا تخت پر متمکن ہوا۔ اور اس نے شاہ صفی کا نام اختیار کیا۔ شاہ صفی نہایت ظالم تھا۔ اور ہر وقت شراب میں مست رہتا تھا اس کے باعث شہر در اکثر شہر میں بلوے ہوتے رہتے تھے نشہ کی دھن میں اس نے کئی بیگناہوں کو قتل کر دیا تھا۔ شاہ عباس نے اپنی زندگی میں بغداد فتح کیا تھا۔ اور قندھار کے صفوی گورنر نے ہندوستان کے بادشاہ شاہجہاں سے مل کر قندھار اسے سونپ دیا تھا۔ ۱۰۵۲ھ میں شاہ صفوی کے انتقال سے شاہ عباس (ثانی) وارث تخت و تاج ہوا۔ اس زمانہ میں حضرت امام شاہ سید علیؑ کو مسند امامت پر آئے ہوئے چودہ سال ہوئے تھے اسی عرصہ میں قندھار واپس فتح کیا گیا۔ بادشاہ شاہجہاں کے شاہزادہ داراشکوہ اور اورنگ زیب کے حملے اگرچہ برابر ہوتے رہے تاہم اس میں انہیں کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ شاہ عباس ثانی نے اپنی حکومت میں شراب بالکل ممنوع کر دی تھی۔ اور شرابی کو موت کی سزا دینے میں وہ دریغ نہ کرتا تھا اس نے ترکستان اور افغانستان کی طرف سے ایران پر حملے نہ ہوں اس لئے محافظت کا مکمل انتظام کیا تھا۔

عطا الٰہی اسمٰعیلیوں کا سلطنت میں اثر

حضرت امام شاہ سید علیؑ حاکم کے مرتبہ پر سرفراز ہونے کے باعث بھی آپ نے اپنے مریدوں کے ذریعہ سلطنت کی بہت کچھ امداد کی تھی اور آپ کی ھدایت کے ماتحت سلطنت کے کاروبار میں بہت سی اصلاحات بھی ہوئیں ہر قسم کے مسکرات کو سلطنت سے نیست و نابود کرنے کے لئے قاعدہ بنائے گئے اور باوجودیکہ حکومت کے مالک خود اثنا عشری مذہب رکھتے تھے تاہم بڑے بڑے شہروں میں جہاں مہذب باشندے رہتے

تھے وہاں مذہبی جھگڑا نہ تھا۔ اور ایران پر ہر چہار طرف سے حملہ آنے کے انسداد کے لئے اسمٰعیلی عطا شاہی (عطا الٰہی) اور ربدوی (نومیڈ) کی معاونت سلطنت کے لئے نہایت قیمتی اور بیش بہا ہونے کی وجہ سے حضرت شاہ سید علیؑ کو حکومت نے حاکم مقرر کیا تھا تاہم جہاں جہاں متعصب اثنا عشری رہتے تھے اور جہاں غیر تربیت یافتہ (نیم) ملاؤں کا زور تھا وہاں اسمٰعیلیوں کو قلت تعداد کی وجہ سے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا یہ ہوتے ہوئے بھی حضرت امام شاہ سید علیؑ کے زمانہ میں اسمٰعیلیوں کو چنداں آزادی حاصل ہوگئی تھی۔ اور ہندوستان سے بھی اسمٰعیلیوں کا ایک انبوہ کثیر کرمان اور بابک میں آمد و رفت کرتا تھا۔ اس سے حکومت کے محصول میں اضافہ ہوتا تھا۔ ان تمام امور کے پیش نظر امامت کا یہ زمانہ شاندار تھا ۳۲ سال تک نہایت حشمت و شوکت سے تخت امامت پر متمکن رہ کر حضرت امام سید علیؑ نے ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی لاش کو کرمان میں سپرد خاک کیا گیا۔



ایران کے اسمٰعیلی خانہ بدوش جو اپنی جنگ جویانہ طبیعت کے باعث ایران میں مشہور تھے۔

حضرت امام حسن علی شاہ (علیہ السلام) (اول)

سن امامت از سنہ ۱۰۱۱ ہجری سنہ ۱۱۰۶ ہجری

حضرت امام حسن علی شاہ (اول)، نزاری خاندان کے بیالیسویں امام ہوئے آپ کی پیدائش کوہک میں ہوئی تھی اور آپ سنہ ۱۰۱۱ میں امامت کے مسند پر جلوہ افروز ہوئے آپ سیاسی اور تبلیغی امور میں دلچسپی رکھتے تھے۔ امام کے اہل قبیلہ اور غلام بھی امام کے احکام کے بموجب دعوت کے سلسلہ میں اطراف کے شہروں میں گشت کرتے تھے۔ ہندوستان سے آئے ہوئے مبلغین بھی ایران کے الگ الگ اضلاع میں دعوت کر رہے تھے۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسن علی شاہ کی سکونت کوہک میں تھی آپ کی وفات بھی وہیں ہوئی تھی اور لاش شاہ نجف میں لے جا کر وہیں دفن کی گئی۔

پیروں کے سلسلہ پر روشنی — وکیلات کا زمانہ

آثار محمدی میں لکھا ہے کہ عطا اللہ یعنی حضرت امام شاہ نزار (ثانی) کرمان میں آ کر رہنے لگے تھے مگر آپ کے پوتے شاہ حسن علی جن کو حضرت باقر شاہ بھی کہتے ہیں ان کے زمانہ میں کرمان کا تعلق علیحدہ ہو گیا تھا اور انھوں نے اپنے آخری ایام محلات میں گذارے تھے۔ حضرت امام حسن علی شاہ کے زمانہ سے پیر (یعنی داعیوں کے پیر) محراب بیگ، پیر علی اصغر بیگ و پیر علی اکبر بیگ نام پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام نام ترکی وضع کے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں پیروں کے زمانہ میں امامت کی سکونت ایران کے (شمال و مغرب کے درمیان) کے شہروں میں

تھی جہاں کے لوگوں میں ترکی طرز معاشرت کا اثر زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ پیر مرزا باقر کا لقب "حاجب" تھا۔ حاجب کی معنی شاہ کا حضوری ہیں یہ لقب دوسرے پیروں کے لئے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اس سے صاف آشکارا ہے کہ حضرت پیر شمس کے زمانہ سے ہندوستان میں دعوت کا سلسلہ پیر تاج الدین تک قائم تھا اور ان کے بعد ہندوستان میں سادات اور کیلوں نے دعوت کا کام اٹھا لیا تھا۔ بعدازاں جو پیر یعنی داعی امام کی طرف سے مقرر ہوتے تھے وہ بہت زیادہ ایران اور ایران کے ترکستان والے حصہ میں دعوت کرتے تھے۔ پیر تاج الدین کے بعد مستند پیر کی حیثیت سے ہندوستان میں دعوت کا کام آگے چلانے کے لئے وقفہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ایک ہی امام کے زمانہ میں اپنے مریدوں میں ایک ہی امام کے مختلف القاب تاریخ میں پائے جاتے ہیں جس کو واضح کرنے کے لئے اور پیروں کے سلسلہ کے نام بھی تاریخوں سے تلاش کرنے پڑتے ہیں اور اس معاملہ میں نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

شاہ سلیمان صفوی کا عہد سلطنت اور آلموت کا قید خانہ

حضرت امام حسن علی شاہؑ کا ہمعصر ایران کا بادشاہ شاہ عباس صفوی ثانی تھا۔ ۱۰۷۷ھ میں اسکی وفات ہوتے ہی شاہ سلیمان صفوی (اول) بادشاہ ہوا مگر اتفاق سے وہ بیمار ہونیکی وجہ سے اسکی رسم تاجپوشی ملتوی کر دی گئی بیماری سے صحتیاب ہوتے ہی اس کی تاجپوشی ہوئی۔ یہ بادشاہ بہت ضعیف الخیال اور عیاش تھا۔ اس کی سلطنت میں شاید ہی کوئی دن ایسا گذرا ہو جس میں کسی درباری یا عہدہ دار کو اذیت نہ پہنچی ہو۔ اس کے زمانہ میں اوزبکوں نے خراسان کے طرف پھر حملے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اوڈرچ لوگوں نے ایران کے کشم کے جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اہل روس بھی گیلان اور مازندران میں گھس آئے تھے۔

شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں اسمٰعیلیوں کے سکنتہ آلموت کے قلعہ کو شاہی قید خانہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ تاتاری سلطان ہلاکو خاں نے اور شاہ تیمور نے آلموت اور اس کے علاقہ میں بسے ہوئے اسمٰعیلیوں کی قطعی بیخکنی کی۔ اس بات میں کتنی صداقت ہے وہ مضمون مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

ایران میں ملاؤں کا زور

آثار محمدی کی روایت کے بموجب ۱۱۰۵ھ میں حسین بن سلیمان کے تخت پر آتے ہی ابتدائی زمانہ میں حاسد ملاؤں کے فتوی سے صوفیوں پر وہ انتہائی ظلم و ستم کرنے لگا مگر چونکہ اسمٰعیلی لشکر اور پولیس میں بہ کثرت موجود تھے۔ اس لئے ان کے ساتھ اپنا تعلق بہتر رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے امام شاہ حسن علیؑ کو کرمان کے ملاقہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ بعد ازاں امام نے سلطنت کے کاروبار میں حصہ لینا شروع کیا۔ مگر اس حکومت پر صرف ایک ہی سال رہ کر ۱۱۰۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کی لاش شاہ نجف میں دفن کی گئی۔ اور آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت قاسم علی شاہ مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت امام شاہ قاسم علی (علیہ السلام)

سن امامت از ۱۱۰۶ہجری تا ۱۱۴۳ ہجری

حضرت امام شاہ قاسم علیؑ ۱۱۰۶ھ میں امامت کی مسند پر رونق افروز ہو کر لوگوں کی ھدایت وقیادت اپنے ہاتھ لی اور آپ نے سیاسی امور میں بھی حصہ لینا شروع کیا شاہ ایران پر ان کا اثر نہایت عمدہ تھا اکثر وقت اہم امور میں امام کے ساتھ مشورہ کرنے کے لئے شاہ ایران ضروری سمجھتا تھا۔ یہ زمانہ اسمٰعیلیوں کے لئے نہایت آرام کا تھا۔

آثار محمدی میں لکھا ہے کہ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے فرزند حضرت امام شاہ قاسم علیؑ قائم مقام ہوئے۔ حضرت امام شاہ قاسم علیؑ کے فرزندوں اور پوتے پوتیوں کا بڑا قبیلہ تھا۔ شاہی خاندان کے ساتھ بھی رشتہ داری نہایت قریب کی تھی۔ اور صفوی سادات کے ساتھ ان کے قبیلہ والوں کا بھی اتصال تھا۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ سید شاہ قاسم علیؑ اپنے والد ماجد کے بعد کرمان ضلع کے حکومت پر تعینات کئے گئے تھے۔ آپ کی پیدائش کہک میں ہوئی تھی اور آپ کی وفات کرمان میں ہوئی آپ کو اسی شہر میں دفن کیا گیا سید جعفر علی شاہ کے نام سے بھی آپ پہچانے جاتے تھے۔

شاہ حسین صفوی کا عہد سلطنت

آثار محمدی کی روایت کے بموجب آغا جعفر شاہ یعنی حضرت امام شاہ قاسم علیؑ کی والدہ ماجدہ کا نسب صوفی نعمت اللہ شاہ تک پہنچتا ہے جو ان کے خاندان کے نسل میں سے ہیں حضرت امام شاہ قاسم علیؑ کے زمانہ میں صفوی سلطان شاہ حسین بن سلیمان ۱۱۰۵ھ میں ایران کے تخت پر بیٹھا اس کے عہد سلطنت میں

ایران میں علمی ترقی ہوئی۔ صفوی سلطان نہایت علم دوست تھا اور علمی امور میں نمایاں حصہ لیتا تھا اس کا تعمیر کردہ کالج آج بھی اُس کی یادگار بنی ہوئی ہے اور یہ بھی قدرتی بات ہے کہ علم دوست بادشاہ کی محبت علوم کے اصل و منبع یعنی امام زمان کی طرف ضرور ہونی چاہیئے۔ اور اسی سبب سے آپ کا تعلق بادشاہ کے ساتھ نہایت عمدہ تھا۔

مشہور عالم نادر قولی افشاری کا بیان آگے جا کر حضرت امام شاہ ابوالحسن علی کی سوانحمری میں بیان کیا جائے گا۔ مگر صفوی خاندان کے آخری عہد سلطنت میں اس نے کیسی لوٹ مار مچائی تھی اس کی معلومات کے لئے اس کا بیان یہاں چنداں ضرورت ہے۔ جس میں صفوی خاندان پر بھی ایک سرسری نظر کی جائیگی۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ محلات میں رہتے تھے اور ضلع کرمان کے حاکم تھے ۱۱۳۳ھ میں میر اویس خان غلزئی نے قندھار کے قلعدار شاہ نواز خان کو قتل کر کے قلعہ مذکور اپنے قبضہ میں لایا اس کی وفات کے بعد اس کے فرزند محمود غلزئی نے ہرات پر اپنی حکومت قائم کی اور وہ سیستان کا بادشاہ ہوگیا۔ شاہ حسین صفوی نے نہایت بہادری سے اس کا مقابلہ کیا۔ اور ۱۱۳۵ھ میں کرمان ضلع اس نے فتح کر لیا۔ مگر شاہ حسین صفوی اس کے ساتھ جنگ میں گرفتار ہوگیا بعد ازاں محمود غلزئی نے اصفہان میں اپنی شان دکھائی مگر شاہ حسین صفوی کے فرزند شاہ طہماسپ صفوی ثانی نے مازندران کا ضلع اپنے تابع میں محفوظ رکھا اس موقع پر محمود غلزئی نے ملک محمد سیابانی کو سیستان کا گورنر بنایا اور نادر قولی کی امداد سے خراسان کے چند اضلاع فتح کئے۔ بعد ازاں غلزئیوں سے کسی سبب سے ناراض ہوکر شاہ حسین صفوی کے فرزند طہماسپ کے ساتھ نادر قولی شامل ہوگیا۔ اور ملک محمد سیابانی کو پکڑ کر اس کی حکومت کا خاتمہ کردیا نادر قولی کے اس ظاہر اتحاد و روابط و ضبط سے خراسان اور سیستان میں بھی بار دگر طہماسپ صفوی کی سلطنت قائم ہوگئی۔

نادر قولی کی اتنی کوششوں کے باوجود بھی محمود غلزئی کی حکومت مغربی ایران پر جاری تھی اس نے اپنے عناد کے باعث صفوی خاندان کے کئی شاہزادوں کو قتل کر دیا تھا۔ اور آخر ۱۱۳۷ھ میں وہ خود دیوانہ ہو کر انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ پر اشرف خان غلزئی آیا اور شاہ حسین صفوی کی نجات کے لئے اس زمانہ کے ترکی سلطان نے اشرف خان پر حملہ کیا مگر اشرف خان نے شاہ حسین صفوی کو قتل کیا اور اس نے ترکی سلطان کے ساتھ صلح کر لی۔

صفوی شاہ طہماسپ ثانی

سلطنت ایران ۱۱۲۶ھ میں ہر چہار طرف سے مصائب و آلام کا شکار بن گئی اور بالآخر خاندان صفوی کا اسی سبب سے خاتمہ ہوگیا۔ ہرات شہر میں ساروزئی افغانوں نے بلوہ کیا اور وہ خود مختار ہو گئے۔ ہمدان کے اطراف کے شہروں میں کرد لوگ بھی گھس آئے۔ اوزبکیوں نے خراسان کو تاراج کیا۔ اور مسقط کے عربوں نے بحرین کے جزیرہ کو فتح کر کے بندر عباس پر حملہ کرنیکی دھمکی دینے لگے الغرض چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا صفوی شاہ طہماسپ نہایت متفکر ہوگیا۔ اور اس نے ایران کے سارے علاقے اپنے قبضہ میں رکھنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہوا پرتگال کے فرنگیوں سے بحرین میں لشکر لیجا کر شاہ طہماسپ کو مدد دینا منظور کیا۔ مگر پرتگال کے فرنگیوں کو مسقط کے حاکم نے شکست دی اور انہیں ہندوستان کو واپس جانا پڑا۔

۱۱۲۷ھ میں روس کے شہنشاہ پیٹر اعظم نے شاہ طہماسپ سے قول و قرار کر کے افغانوں کو ایران سے نکالنے کا ارادہ ظاہر کیا اس کے معاوضہ میں درکھنت۔ باکو۔ گیلان۔ مازندران اور استر آباد روس کو ہمیشہ کے لئے حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ اقرار نامہ عمل میں آنے کے قبل صفوی خاندان کے بہت سے اہل قبائل قتل کئے گئے تھے اس کے باوجود ترکی سلطان کے ساتھ ایک چھوٹی سی لڑائی ہوئی اور اسکے ساتھ صلح ہوئی۔

نادر قولی کی کوشش و افشار خاندان کی حکومت قائم کرنے کا ارادہ

شاہ طہماسپ صفوی (ثانی) ان تمام مصائب کو برداشت کرنیکے بعد بھی ابھی زندہ تھا اور اندوہ غم کے بادل اب اس کے سر سے بکھرنے لگے اتفاق وقت سے اسکے نصیب کا ستارہ غروب ہوتے ہوتے بھی از سر نو چمکنے لگا۔ اسنے مازندران میں ایک لشکر جمع کیا اور قاچار خاندان کے ایک شجیع سردار فتح علی خاں کی اس نے معاونت حاصل کر لی۔ نادر قولی ایرانی صفوی شاہ طہماسپ (ثانی) کے ساتھ شامل ہوگیا اس نے اپنے دل میں کچھ الگ ہی بات ٹھان رکھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ایران میں اپنے خاندان کی سلطنت قائم کرے اور شاید اس میں یہ قاچاری

سردار اس کے مقصد میں حائل ہوا اس لئے اس نے فتح علی خاں قاچاری کو قتل کر دیا شاہ طہماسپ ثانی کو اس نے یہ سمجھایا کہ فتح علی خاں کا قتل شاہ کے لئے باعث برکت ہوگا اس کے بعد وہ شاہی لشکر کا سپہ سالار بن گیا۔ چونکہ محمود غلزئی کی قوت کو ضعیف کرنے میں نادر قولی شاہ طہماسپ کے لئے مفید ثابت ہوا تھا اس لئے بادشاہ اس سے نہایت خوش و مسرور تھا۔

شاہ عباس صفوی (سوم) اور صفوی خاندان کا خاتمہ۔ نادر شاہ تخت پر

ایرانی لشکر نے نادر قولی کی قیادت میں ترکی سلطنت کے مرکز بغداد کو فتح کر لیا۔ اور فارس کے گورنر محمد خاں بلوچ کو سزا دی۔ تاریخ اسلام کے مصنف کی روایت کے بموجب بغداد کی فتح کے بعد نادر قولی کی تجویز سے شاہ طہماسپ صفوی سوم کو نادر کے لڑکے رضا قلی نے قتل کروا دیا اور ۱۱۴۸ھ میں عباس صفوی سوم بھی گذر گیا۔ پھر ایران کے امراء کے انتخاب سے نادر قولی۔ نادر شاہ نام اختیار کر کے ایران کے تخت پر متمکن ہوا۔ ہندوستان میں محمد شاہ رنگیلا کے عہد سلطنت میں قتل عام کرنے والا نادر شاہ ایرانی اور تقدیر کے زور سے بادشاہ بن جانے والا یہی نادر قولی تھا۔

قاچاری سیاست اور امامؑ کی وفات

حضرت امام شاہ قاسم علیؑ کی زندگی میں تخت نشین صفوی شاہوں کا تاج ڈگمگا رہا تھا اور شاہی اقتدار کو فتح کرنے کے لئے قاچاری اور نادری حریف اپنے نصیب آزمانے کے لئے میدان میں آچکے تھے۔ اس زمانہ میں امامؑ کا ہر ایک گروہ سے گہرا تعلق تھا۔ امام شاہ قاسم علیؑ کے زمانہ میں صفوی خاندان کا قطعی خاتمہ ہو گیا تھا غلزئیوں نے صفوی خاندان کو دبا کر چند عرصہ کے لئے ایران میں اپنا ڈنکا بجایا مگر ان کا بھی چونکہ خاتمہ ہو چکا تھا اور نادر شاہی حکومت نہایت مضبوط ہو رہی تھی اس لئے اس کے ہاتھ میں ایران کی مرکزی طاقت آنے کے آثار نظر آنے لگے۔ حضرت امام قاسم علیؑ محلات میں سکونت کرتے اور دوسری طرف پھر ایرانی سیاست میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو رہا تھا۔

۱۱۴۳ھ میں حضرت امام قاسم علیؑ کی کرمان میں وفات ہوئی اور آپ کی لاش وہیں دفن کی گئی آپ کے بعد آپ کے فرزند شاہ ابوالحسن علیؑ نے امامت کی مسند پر رونق افروز ہوئے۔

حضرت امام شاہ ابوالحسن علی (علیہ السلام)

سن امامت از ۱۱۴۳ھ ہجری تا ۱۱۹۴ھ ہجری

حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؑ ۱۱۴۳ھ میں امامت کی مسند پر رونق افروز ہوئے اور سیاسی امور میں نمایاں حصہ لیا۔ ایران میں اس زمانہ میں صفوی خاندان کا خاتمہ ہو گیا تھا اور نادر شاہ ایران کی سلطنت پر قابض تھا۔

سید فتح علی شاہ نے ایک مذہبی نظم میں حضرت امامؑ کی نسبت لکھا ہے کہ

شاہ بیٹھا عجم دیس عجمی روپے جی — شاہ بولے چھے فارسی وان تیز دیپے جی
تینو شہر بابک مان ٹھام پرتک روپے جی — تینو شاہ ابوالحسن علی نام سندر روپے جی

حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؑ کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان میں دعوت کرنے کے لئے علمی مضامین لکھنے والے سید فتح علی شاہ آئے تھے۔ اور مریدوں سے امام کا حق مال واجبات جمع کر کے امام کی حضور میں جھولی پہنچاتے تھے۔ انہوں نے مذکورہ بالا اشعار میں امامؑ کا تمام تعارف کرایا ہے۔

نادر شاہ کی سلطنت میں امام (علیہ السلام) کی عزّت

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ امام شاہ ابوالحسن علیؑ کی پیدائش شہر بابک میں ہوئی تھی آپ سید شاہ محمد حسن شاہ یا حسن بیگ یا ابوالحسن علی شاہ کے نام سے بھی معروف تھے آپ ردگان اور جنجان کے وسط میں آئے ہوئے کیاب شہر میں سکونت پذیر تھے اور وہاں سے نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ آپ کو

نادر شاہ کی طرف سے کرمان کی گورنری ملی تھی ۔

مذاہب الاسلام نامی کتاب میں لکھا ہے کہ بعد میں آغا خان لقب اختیار کرنے والے بزرگ امام قائم مقام یعنی وارث تخت ہوئے ۔ آپ مدت دراز سے مرزا ابوالحسن خان قولی کے نام سے مشہور تھے ۔ زند خاندان کے بادشاہوں کے زمانہ سے آغا محمود قاجار نے ایران کی سلطنت حاصل کی اور اس وقت تک نامور دار آغا خان کے ایک بزرگ کرمان کی گورنری پر تعینات تھے ۔

آثار محمدی میں لکھا ہے کہ حسن بیگ کی طرح آغا محمد حسن شاہ مشہور ہو گئے تھے وہ عرصہ دراز تک کرمان کے حاکم رہے تھے ان کا محل اور مزار آج بھی وہاں موجود ہے ۔ ایران پر افغانوں کا خوفناک حملہ جب جاری تھا ۔ اس زمانہ میں رودخان اور جنجان کے درمیان میں عقباد اور دیبا نامی مشہور ندی کے کنارہ پر ایک مضبوط قلعہ کی عمارت کا پایہ آپ نے ڈالا تھا ۔ یہ عمارت تیار ہوتے ہی حضرت امام شاہ ابوالحسن علی نے وہاں ہی سکونت اختیار کی ۔ افشار کی خاندان کا ایران میں سکہ بٹھا دینے والا نادر شاہ جب کسی سلطنت پر حملہ کرتا ۔ تو حضرت امام شاہ ابوالحسن علی کو وہ اپنے ہمراہ رکھتا تھا ۔ کیونکہ امام کے پیرو ایران کی مختلف جماعتوں میں منقسم تھے اور ان کی تعداد کثیر تھی اس لئے لوگوں پر آپ کا بڑا اثر پڑتا تھا ۔ اور امام کے ساتھ اگر ان بن ہو جائے تو معاملہ بگڑ اٹھے اس کا خوف بھی نادر شاہ کو رہتا تھا ۔

ایک مرتبہ اتفاقاً نادر شاہ بھرے دربار میں بیٹھا تھا اور وہاں آپس میں ادھر ادھر کی گفتگو ہو رہی تھی ۔ امام شاہ ابوالحسن علی نے کہا کہ کے وکے اطراف کے علاقہ میں پانی بالکل سائبح بتاہ ہوا ان کے قریب پنج چال نامی ایک پہاڑ بھی ہے اس پہاڑ کے حدود کے جھاڑوں پر قرمزی رنگ کے پھول ہوتے ہیں اور اس وقت پہاڑ پر کا پانی برف ہو جاتا ہے ۔ یہاں کا منظر نہایت دلکش ہوتا ہے مگر نادر شاہ نے اس پر کچھ زائد خیال نہ کیا ۔ اور کہا کہ " یہ تو فقط باتیں ہی ہیں ۔

چند عرصہ گذر جانے کے بعد نادری قافلہ پایہ تخت اصفہان کی طرف جانے کے لئے نکلا ۔ اس وقت حضرت امام شاہ ابوالحسن علی نے نہایت باقاعدہ کباب میں نادر شاہ اور ان کے ہمراہیوں کی دعوت کی ۔ اور کہلا بھیجا کہ وہاں سے اصفہان کی طرف راضی ہو جائیں ۔

قرمزی رنگ کا معنے خیز قصہ

حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؒ نے جس دن موسم میں طغیانی آئی تھی اس وقت اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ شیشوں میں گلاب بھر کر پہاڑ پر لے جائیں۔ موسم ہونیکی وجہ سے پہاڑ پر اُگے ہوئے پھول قرمزی رنگ کے دکھائی دیتے تھے۔ پہلے سے کئے ہوئے انتظام کے مطابق [illegible] تمام شیشوں کو توڑ دیا گیا جو پانی شیشوں میں بھرا گیا تھا اور وہ شربت اور [illegible] کے پھولوں [illegible] تھا نادر شاہ اس پانی کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؒ نے [illegible] بات کے ثبوت کے لئے یہ ضیافت دی۔ تو نادر شاہ نے کہا آپ نے ہماری دعوت کر کے [illegible] کر دکھا ایسی بات میرے پاس کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی جس سے آپ کو اتنی بہت تکلیف گوارا کرنی پڑی۔ بعد ازاں نادر شاہ اصفہان کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچکر سلطنت کا کاروبار حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؒ کو تفویض کر کے واپس پھرا۔

امام پر جھوٹی تہمت

حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؒ نے اصفہان میں چند عرصہ تک سکونت کرنے کے بعد چند حاسدوں اور چغلخوروں کی سازش سے شہر کے بیشمار لوگ نادر شاہ کے دربار میں گئے اور آستان بوسی کر کے کہا کہ آغا حسن بیگ نے آپ کی واپسی کے بعد ہمارا تمام مال و اسباب چھین لیا۔ اور ہمیں تاخت و تاراج کر دیا ہے۔ اس فریاد کو سنتے ہی نادر شاہ نے امامؒ کو اپنے دربار میں طلب کیا مگر امامؒ نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ الغرض اسی طرح چھ قاصدوں کی واپسی کے بعد ساتواں قاصد آیا جو نہایت متکبر اور مغرور تھا اس نے امامؒ کی بزرگی کا ادب نہ کرتے ہوئے سردی کی وجہ سے جہاں امامؒ آگ سلگا کر تاپ رہے تھے وہاں اپنے کفش کے ساتھ دڑانہ چلا گیا اور بدتمیزی سے گفتگو شروع کی۔ امامؒ نے اسے جلا دینے کا حکم دیا۔ اور اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر نادری دربار میں جانے کے لئے نکلے۔ امامؒ پر جان نثار کرنے والوں نے



نادرشاہ افشاری :- دولت افشار کے بانی -

آپ کو جانے سے منع کیا۔ مگر چونکہ ارادہ کر چکے تھے اس لئے اس پر ثابت رہ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔

نادر شاہ کی ظلم تو تاریخوں میں مشہور ہے اور شاید ہی کوئی ایسا ہو کہ جس نے اس کے جابرانہ کارروائیوں کا حال نہ سنا ہو حضرت امامؒ جس وقت اس کے دربار میں پہنچے [illegible] وقت بارگاہ نادری [illegible] ۳۲ مجرم اس کے سامنے کھڑے تھے۔ انہی کی صف میں حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؒ کو بھی سپاہیوں نے کھڑا کر دیا۔ [illegible] صف بندی [illegible] ہو گئی تو [illegible] امامؒ بھی پہلے نمبر میں کھڑے ہوئے تھے نادر شاہ نے حکم دیا کہ ان مجرموں کو [illegible] مار کر جان سے ہلاک کر دیں [illegible] حضرت صفوی [illegible] [illegible] انتظام کر دیتے اس [illegible] آدمیوں [illegible] اور باقی [illegible] کے لئے سفارش کی گئی۔ [illegible] ہوتے ہی ان باقیماندوں کی جان بخشی ہو گئی مگر ساتھ ہی ایسا حکم نافذ ہوا کہ ان کی آنکھیں نکال لی جائیں۔ اور باوجودیکہ باقیماندوں کی [illegible] کے لئے بہت سی وجوہ بیان کی گئیں [illegible] نہ سنا گیا اور شاہی حکم برقرار رہا۔

حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؒ اپنے وطن کو واپس ہونے کے بجائے [illegible] کے ظلم وستم کی کہانی کو بادشاہ کے سامنے اول سے آخر تک سنانے کا موقع مل گیا۔ یہ سنتے ہی امامؒ کے فیاضی پر بہت خوش ہو کر بادشاہ تحسین آفرین کہنے لگا اور خود نے جو بدسلوکی کی تھی اس کے لئے معافی طلب کی۔۔ اور آپ کو آپکی ساری زندگی تک کرمان کے حاکم کے منصب پر بحال رکھا۔ حضرت امامؒ نے بھی وہیں دائمی قیام کیا۔

نادر شاہ کی زندگی کے حالات

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوالحسن علیؒ نادر شاہ کی طرف سے ہندوستان آئے تھے اور جو امرا ایران کے همراه تھے ان تمام کے امامؒ افسر مقرر ہوئے تھے۔

صفوی خاندان کی بدامنی اور بدانتظامی کے زمانے میں نادر شاہ نے کیسی سازش کی تھی اس کا

بیان آگے کیا گیا ہے۔ اور اس بدنظمی سے فائدہ حاصل کر کے اس نے کس طرح افشاری خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس کا بیان چنداں باقی رہنے سے نادر شاہ کی مختصر سوانح عمری کے سلسلہ میں اس زمانہ کے ایران کی حالت یہاں پیش کی جاتی ہے۔

نادر شاہ ترکمانوں کی ایک افشاری نامی قوم میں پیدا ہوا تھا اور اس کے آبا د اجداد تمام ترکستان میں رہتے تھے۔ منگولیوں کے زمانہ میں آذربائیجان میں وہ لوگ آئے تھے اور مشہد (طوس) کے شمال میں قوچان نامی مقام میں مقیم ہوئے تھے۔

۱۱۰۰ھ میں نادر قولی بیگ عرف نادر شاہ کی پیدائش ہوئی۔ ابتدا میں اس نے قزاق کے طور پر لوٹ مار شروع کر کے لیٹروں کی ایک ٹولی قائم کی اور دولت وافتدار جمع کرنے کے بعد جب صفوی خاندان کی حکومت غلزئی افغانوں کے حملوں میں چھن گئی تو اس نے سلطان حسین صفوی۔ شاہ طہماسپ ثانی) اور شاہ عباس (سوم) کی امداد کر کے صفوی سلطنت کا بڑا عہدہ دار بن گیا اور بعد از ان زمانہ کی مساعدت سے صفوی شاہ کو معزول کر کے ۱۱۴۸ھ میں وہ ایران کے تخت پر بیٹھا۔ ابتدا میں اس نے قندھار کو فتح کر کے محمود غلزئی کے بھائی حسین شاہ کو مقید کیا۔

بعد ازاں نادر شاہ نے شاہ دہلی محمد شاہ رنگیلے کے صوبہ دار سے کابل چھین لیا۔ اور ہندوستان پر حملہ کیا۔ کرنال کے قریب محمد شاہ کو ہزیمت دے کر وہ دہلی کے قلعہ میں داخل ہوا اور دہلی میں قتل عام اور غارتگری کی۔ بعد ازاں مغل بادشاہ کو بھی تخت پر بٹھا کر ہندوستان سے بے شمار مال و جواہرات لے کر وہ ایران واپس ہو گیا جنمیں برطانی سلطنت کے تاج کا بیش بہا قیمتی کوہ نور مشہور عام ہیرا اور مغلیہ سلطنت کا تخت طاؤس بھی شامل تھا اور اس وقت ایران کے شہنشاہ مذکور تخت پر رونق افروز ہوئے تھے ایران جا کر اس نے مشہد کو اپنا پایہ تخت بنایا اور روس اور ترک سے سرحد کے علاقہ کے ماسوا ایران کے کئی اور علاقے پر قبضہ کیا۔ افغانستان پر اپنے قبضہ کو مسلط کیا۔ خوارزم بخارا اور داغستان بھی اس نے فتح کر لیا۔ نادر شاہ کے عہد سلطنت میں اس کے ظالمانہ سلوک کے باعث لوگوں کی بے چینی اور بے صبری سے ہرات کا حاکم اور نادر شاہ کا خود بھتیجا علی قلی خان نے امرا کی منظوری

سے اس کو قتل کردیا۔ ۱۱۶۰ھ میں مشہد کے قریب اپنے خیمہ میں وہ قتل کیا گیا تھا۔

نادر شاہ کی وفات کے بعد ایران کی حالت

بادشاہ کی وفات کے بعد افغان و ترکمان لشکریوں میں اس کے مال و دولت کے نسبت لڑائی ہوگئی۔ اس لڑائی میں احمد شاہ ابدالی نامی اس کے ایک ہردلعزیز افغان سردار کی فتح ہوئی۔ وہ تمام مال متاع جمع کرکے قندھار چلا گیا اور وہاں خراسان اور ایران سے علیحدہ سلطنت قائم کی۔

اس واقعہ کے بعد آزاد نامی ایک افغان نے آذربائیجان میں اور علی مردان خان بختیاری نے اصفہان میں اور ایرانی سردار محمد حسن خاں قاچار نے کاسپین کے مشرقی کنارہ پر اپنی حکومت قائم کی۔ ...... چند ماہ تک نادر شاہ کا بھتیجا علیشاہ عرف عادلی ایران کا بادشاہ بنا رہا۔ بعد ازاں اس کا بھائی ابراہیم بادشاہ ہوا۔ اس نے بھی فقط چند ماہ سلطنت کی۔ اسی درمیان میں قید خانہ میں پڑے ہوئے نادر شاہ کے لڑکے شاہ رخ نے وہاں سے فرار کیا۔ اور ابراہیم شاہ پر حملہ کیا۔ ابراہیم کا تمام لشکر اپنے بادشاہ سے منحرف ہوگیا۔ اور وہ قتل ہوگیا۔ بعد میں علی شاہ بھی مارا گیا۔ افشاری خاندان کے یہ بادشاہ ہونے کے باعث شاہ رخ تخت نشین ہوا۔ مگر اس کی سلطنت بھی فقط تین یا چار مہینہ سے زیادہ نہ رہی اور خراسان کے سرداروں نے اسے پکڑ کر اندھا کردیا۔

شاہ حسین صفوی کے داماد مرزا محمد شاہ کو امیروں نے اس کے بعد تخت نشین کیا مگر آخر اس کو بھی اندھا کردیا گیا۔ اور پھر بار دیگر شاہ رخ افشار کو تخت سونپ دیا۔ نادر شاہ کی موت کے بعد صرف دو سال کی قلیل مدت میں کیا زبردست انقلاب ہوگیا تھا۔ شاہ رخ افشار نے ۱۲۱۰ھ تک سلطنت کی۔ نادر شاہ کی موت کے بعد ایرانی سلطنت میں شدید ضعف آنے سے اضلاعی سلطنتوں میں ایران تقسیم ہوگیا۔ یہ زمانہ حضرت امام ابوالحسن علیؑ کا تھا۔ اور آپ نابینا ہوکر بالکل یکسو زندگی بسر کرتے تھے۔ ایسے پرآشوب زمانہ میں استر آباد سے آذربائیجان تک تمام شمالی ایران پر محمد حسن قاچار نے اپنی شان و شوکت کی دھاک بٹھائی اور جنوبی ایران کو کریم خاں زند نے اپنے ماتحت کرلیا۔ اب صرف خراسان ضلع افشاریوں یعنی نادریوں کے ہاتھ میں رہ گیا۔ ۱۱۷۱ھ میں محمد حسن قاچار کے قتل ہوجانے سے کریم خاں زند تمام ایران کو اپنے تحت تصرف میں لے آیا۔ اس فتح سے

ایران میں زند قبیلہ کی سلطنت قائم ہوئی اور زند لوگوں کی پیدائش کس طرح سے ہوئی۔

کریم خاں زند کا عروج

ایرانی نسل کے بیشمار بہادر قبائل لورستان اور خوزستان ضلعوں میں آباد تھے۔ ان میں سے فیلیش نامی ایک قوم کرمان سے لیکر شیراز تک جو کوہستان آیا ہوا ہے وہاں یہ قوم کے دو لاکھ نفوس بستے ہیں سکندر اعظم کا جن پہاڑی لوگوں نے زبردست طور پر مقابلہ کیا تھا ان کی نسل میں سے یہ لوگ تھے اور بختیاری قوم کے نام سے یہ قبائل ایران میں مشہور ہیں یہ لوگ خود رستم و زال کی اولاد سے ہیں یا دعوی کرتے ہیں اور وہ نہایت زبردست سفید قلعہ کے مالک تھے ان قبائل میں زند نامی بھی ایک قبیلہ تھا جس میں کریم خاں نامی ایک شخص تعبد سردار کی حیثیت سے ان لوگوں میں ہر دلعزیز ہو گیا تھا اور نہایت شجیع اور بہادر لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا۔ کریم خاں نے تخت پر آتے ہی اصفہانیوں کو ظلم و ستم سے نجات دی ۱۱٦۴ھ میں فارس کی حکومت کی ذمہ داری بھی اس کے سر آئی اس زمانہ میں اس کے دو بڑے دشمن تھے ایک آذربائیجان کا افغان گورنر آسود خاں اور دوسرا قاجاری سردار محمد حسین خاں۔

کریم خاں اور حضرت امام (علیہ سلام) کی وکالت

کریم خاں زند نے ایک لشکر جرار کی سرداری میں عراق اور اصفہان سے ہوتے ہوئے ۱۱۷۰ھ میں شیراز کا محاصرہ کیا مگر ایسے دہاں بہت سے وجوہات کے باعث زندی لشکر اور گھوڑے سواروں کے ہمراہ تمام ایران کو چیرتے ہوئے مازندران تک ہٹ کر واپس آنا پڑا کریم خاں زند بھی چونکہ لشکر کے ہمراہ تھا اس لئے اصفہان میں پہنچتے ہی رعایا نے اس کا شاندار استقبال کیا اسی اثنا میں اس کا ہمراہی علی مردان خاں شمال کی جانب آگے بڑھ کر قاجاریوں کو سخت شکست دی اور اس کے سردار محمد حسین خاں قاجار کو قتل کر کے اس کے فرزند آغا محمد کو گرفتار کر لیا مگر فرمان اور کریم النفس کریم خاں نے محبت سے اپنے محل میں اسے نظر بند رکھا ۱۱۷۲ھ میں کریم خاں زند ایران کا بلا مقابلہ شاہ بن گیا۔ بعد ازاں اس نے رعایا کی بہبودی کی طرف توجہ کی تاریخ اسلام کے مصنف ذاکر حسین لکھتے ہیں۔ کہ



شاہ ایران کریم خان زند:- آپ دولت زندیہ کے بانی ہیں آپ اپنی ذات کو "وکیل امامت" کی حیثیت سے ہمیشہ پیش کرتے رہے اور اسمٰعیلی ائمہ سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔

کریم خاں زند نے کبھی اپنے آپ کو بادشاہ کے طور پر۔۔۔۔۔ نامزد نہیں کیا بلکہ وکیل امام العصر اپنے کو کہتا تھا۔ سلطنت کا کاروبار اس حسن انتظام اور خوش اسلوبی سے چلایا کہ تمام عوام الناس بلکہ خاص لوگوں میں بھی ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔

حضرت امام ابوالحسن علیؑ اور ان کے بھائی پیر مرزا محمد باقر کے بعد اور کریم خاں زند کو نہایت محبت و مروت کی اور تمام اسمعیلی کریم خاں زند کی طرفداری کرتے تھے۔ زند کے عہد سلطنت میں اسمعیلیوں کی ہر طرف کامیابی تھی اور اسمعیلی لشکر بھی بادشاہ پر قربان ہونے کے لئے تیار رہتا تھا۔

کریم خاں نے سلطنت میں بہت سے معقول اضافے اور اصلاحات کیں ۱۱۹۳ھ میں اس کی وفات ہوئی اور اس کے ایک سال بعد حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؑ نے بھی وفات پائی۔

حسن پیر

حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؑ کے زمانہ میں سید حسن پیر گزرے ہیں ان کا اصلی نام سید حسن شاہ تھا۔ وہ معمولی طور سے پیر کے نام سے متعارف ہیں۔ انہیں امام کی طرف سے مستند طور پر پیری نہیں ملی تھی مگر انہوں نے امام کی خدمت "وکیل" کے طور پر اپنی زندگی تک جاری رکھی۔ امام کی طرف سے جو پیغام آتے اسی طرح وہ دعوت کا کام انجام دیتے۔ سید حسن پیر نے گجرات میں آباد شدہ اسمعیلیوں کو گجرات سے باہر نکال کر جوناگڈھ کے تابع تھا نہ بیٹیہ گاؤں میں آباد کئے تھے ان اسمعیلیوں کا لباس مومن کے جیسا تھا وہ سید حسن پیر کی تبلیغ سے حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؑ کو زمانہ کا امام مانتے تھے۔ حضرت پیر حسن کبیرالدینؒ کے فرزند سید رحمت اللہ شاہ جو کڈیوال کے سید کہلاتے ہیں ان کی نسل سے سید حسن پیر اور سید مشائخ شاہ ہوئے ہیں مگر سید حسن پیر اور سید مشائخ شاہ دونوں علیحدہ خیالات کے ہونے سے سید مشائخ شاہ کے ماننے والے سنت والجماعۃ میں شامل ہو گئے اور سید حسن پیر کے پیرو اسمعیلی ہے جن سے مال واجبات کی جھولی جمع کر کے سید حسن پیر امامؑ کے دربار میں پہنچا دیا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں جوناگڈھ کے قریب گنود گاؤں کے پاس بادر ندی میں خیمہ ڈال کر سید حسن پیر نے منزل

کیا تھا جس میں یکایک طغیانی آئی اور حسن پیر اپنے رسالہ کے ساتھ اس میں غرقاب ہو گئے ان کی لاش باڑی اور گھوٹہ یا لوگوں کو باڈ ندی میں سے ملی اور اس کو گنبد کی مغربی جانب میں دفن کر دیا خواجوں نے اس پر ۱۱۰۱ھ میں دفنہ تعمیر کرایا جہاں ہر سال میلا ہوتا ہے روشنی وغیرہ کا خرچ پہلے دن چیدواہوں کی طرف سے دوسرے دن مومنوں کی طرف سے اور بعد ازاں خواجوں کی طرف سے کیا جاتا ہے کچھ مندرا میں بھی سید حسین پیر کا آستانہ ہے - یہاں بھی ہر سال میلا ہوتا ہے کچھ بیدرا۔ ناگلپر - ویرزان - رتیھا اور ماہیم میں بھی آپ کے آستانے ہیں سید حسن پیر امام کے خدمت گار ہونے کے باعث اسمٰعیلی ان کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں -

سید رحمت اللہ شاہ بھی تبلیغ کرتے تھے ان کی کتاب میں ایک مضمون اس طرح لکھا ہوا ہے -

اے - جی پورکھ پا پھم تھی علی آؤ سے   آؤ سے وشو کنواری نو کنتھ

مینڈی رنگ لاؤ سے ـــــ شیریں رنگ لاؤ سے

سید داؤد پیر کے فرزند سید صادق جی بھی حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؑ کے زمانہ میں موجود تھے - وہ امام کے زیارت سے مشرف ہونے کے لئے درخانہ گئے تھے اس موقعہ پر وکالت کی وراثت امام نے سید صادق جی کو عنایت کی تھی اور ان کے بعد داؤد پیر کی نسل میں یہ عہدہ قائم رہا -

پیر داؤد کا خاندان اور باواؤں کا زمانہ

سید داؤد پیر کی نسل باوا صادق جی کے فرزند میں باوا صاحب دین و باوا سلام دین دو نو توام فرزند پیدا ہوئے تھے ان دونوں بھائیوں کے خاندان میں کچھ غلط فہمی واقع ہو گئی تھی اس لئے باوا صاحب دین کی اولاد ہالار کی طرف چلی گئی - اور باوا سلام دین کچھ ہی میں مقیم رہے جن کی اولاد میں باوا امید علی پیدا ہوئے تھے -

سید داؤد پیر کے ہاتھ سے اسمٰعیلی شدہ بھالا لوہانا خاندان میں جیوا راجہ نے دربار کی نوازشات کے متعلق ایک مرتبہ باوا سلام دین سے ذکر کیا اور کہا کہ راجہ مجھ پر کچھ نوازش کرنا چاہتا ہے اس لئے میں اس سے کیا اور کون سا مطالبہ کروں ؟ -

باواسلام دین نے اسے ایسا مشورہ دیا کہ تمہیں خود تو مال وزر یا جاگیر کی کچھ حاجت نہیں لہذا ایسا مطالبہ کرو جس سے فائدہ حاصل ہو۔ اس لئے میرا ارادہ یہ ہو کہ پاڈیہ اور پوڑھاؤں کے محصول کو معاف کرالو اور قوم کے لاوارث مرنے والے کی ملکیت جماعت ہی کو ملنی چاہیئے ایسا اقرار کرالو۔

یہ دونوں باتیں طے کر کے اپنے والد وکیل بھانا کا دسواں کر کے خواجہ جیوا دربار میں گیا راجہ نے بھانا خواجہ کی وفاداری سے خوش ہوکر اس کے مطالبات کو منظور کیا۔ لاوارث کی ملکیت آپ نے جماعت کو بخش دی اور جماعت کے نام پر ایک پروانہ بھی لکھ دیا۔ محصول کو بھی اس نے معاف کر دیا۔ اس زمانہ میں کچھ دربار مہاراج شری گونجی اول تخت سلطنت پر تھے۔

امام (علیہ السلام) کی وفات

حضرت امام شاہ ابوالحسن علیؑ ۹۴ سال کے عرصہ دراز تک امامت کی مسند پر رہ کر ۱۱۹۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کی لاش شاہ نجف بھیجی گئی اور اسے وادی السلام میں دفن کیا گیا اور آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ (ثانی) امامت کی مسند پر متمکن ہوئے۔

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی (علیہ السلام) ثانی

سن امامت از ۱۱۹۴ھ تا ۱۲۳۳ھ ہجری

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ ثانی ۱۱۵۵ھ میں کرمان میں تولد ہوئے اور دو سال تک یہاں رہ کر اپنے والد ماجد حضرت امام شاہ ابو الحسن علیؑ کے پاس محلات میں رہنے چلے گئے دو سال کے بعد بی بی سرکار ماتا سلامت کی پیدائش محلات میں ہوئی آپ حضرت پیر مرزا محمد باقر کی لڑکی یعنی حضرت امام شاہ خلیل علیؑ کے چچا کی لڑکی تھیں بعد میں امامؑ کی شادی ان کے ساتھ ہوئی۔

آثار محمدی کی روایت کے موجب حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ ثانی نہایت بہادر اور شجیع تھے اور آپ کی فیاضی تمام دنیا میں مشہور تھی ایک وقت ایک درویش نے حضرت امامؑ کے سواری کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کچھ مطالبہ کیا۔ آپ نے وہ گھوڑا اس درویش کو دے دیا۔

صاحب گلزار شمس رقمطراز ہیں کہ سید شاہ خلیل اللہ علیؑ محلات کے حاکم تھے ابتدا میں آپ نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کی اور بعد ازاں آغا یمانی خان کی بہن سے شادی کی ۱۲۳۳ھ میں یزد میں جاکر اپنے دائمی سکونت اختیار کی۔ مذاہب الاسلام نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ ثانی، حضرت امام اسمٰعیل بن حضرت امام جعفر صادق کی اولاد میں سے ہونے کے باعث اسمٰعیلی لوگ ان کا نہایت احترام کرتے تھے۔

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ ثانی کی خدمت میں ایران توران اور ہندوستان سے اسمٰعیلی مذہب کے مریدین ملاقات کے لئے آتے تھے اور اپنے ساتھ دسم (عشر) حصہ کی جھولی لاتے تھے امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔



شاہ فتح علی شاہ قاچار :- آپ امام شاہ حسن علی شاہ (آغا خان صاحب اول) کے خسر تھے۔

یزد میں سکونت

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے یزد میں سکونت پذیر ہونے کے بعد آپ کے نوکروں و رفقہ نگر ازیں کے ساتھ ایک دکاندار کا جھگڑا ہو گیا۔ دکاندار نے اس بارہ میں صدر الممالک نواب مرزا سید جعفر کے پاس فریاد کی۔ نواب نے حضرت امام شاہ خلیل اللہ ثانی کے آدمیوں کو سزا کے لئے بلا بھیجا مگر وہ اپنی حفاظت کیلئے امام کے ظل عاطفت یہ محل شاہی میں پناہ گزیں ہو گئے۔ مرزا جعفر کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپ کو پکڑنے کے لئے سختی کی گئی۔ مگر حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ نے اپنے نوکروں کو دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ وہ میری پناہ میں ہے اس لئے میں ان کو اپنے یہاں سے باہر نکال نہیں سکتا۔

یزد میں بلوہ اور فتح علی شاہ قاچار

ملا حسین یزدی نامی ایک نواب کا حضوری تھا جو نہایت درجہ متعصب اور مجنون تھا وہ ۔۔۔۔ سرکاری سپاہیوں اور اپنے جیسے دیوانوں کا ایک مجمع لے کر حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی ثانی کے دردولت پہ ٹوٹ پڑا اور یہ دیکھ کر امامؑ کے آدمیوں نے محل کے دروازوں کو بند کر لیا ان لوگوں نے امامؑ کے مکان کی دیواروں کو توڑ دیا۔ اور اس بلوائی مجمع کے ساتھ ملا حسین محل کے اندر داخل ہو گیا۔ آخر ہاتھوں ہاتھ لڑائی ہوئی بہت سے آدمی مارے گئے اور حضرت امام خلیل اللہ علیؑ بھی شہید ہوئے۔

اس واقعہ کے بعد یزدی گورنر حاجی زمان خاں نے ان بلوائیوں کو قید کر کے تمام واقعہ کی اطلاع بادشاہ ایران کے فتح علی شاہ کے پاس بھجوا دی جس کے پہنچتے ہی ایران کے بادشاہ نے ملا حسین یزدی اور نواب مرزا جعفر کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ مرزا جعفر نے اپنے وسائل و ذرائع کے سبب ایک بہت بڑی رقم جرمانہ کی ادا کر کے نجات حاصل کی مگر ملا حسین یزدی کو قید کے عذاب میں رکھ کر خوب ستانے کے بعد قتل کیا گیا۔ امامؑ کی وفات کی خبر بجلی کی طرح تمام اسمٰعیلیوں میں پھیل جانے سے اشتعال پیدا ہوا اور جا بجا چھوٹی چھوٹی موٹھ بھیڑ ہوئی یہ دیکھ کر فتح علی شاہ نے حضرت امام حسن علی شاہؑ کو بلا کر امن قائم کرنے کے لئے کہا

حضرت امامؑ نے صلح کے لئے تمام مریدوں کو طلب کر کے سمجھایا کہ اب اپنے غصہ کو دبا دو اور اسطرح امن قائم ہو گیا

حضرت امام خلیل اللہ علی (علیہ السلام) ثانی کے زمانہ میں زند حکومت

زند خاندان کے بانی کریم خاں کی وفات کے ایک سال کے بعد حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ تخت امامت پر آئے تھے۔ اس زمانہ میں کریم خاں کے بھائی ذکی خاں نے حکومت کی لگام اپنے ہاتھ میں لیکر شاہزادہ ابوالفتح خان بن کریم خان زند کا شاھی اعلان کیا۔ اس زمانہ میں بھی ایران میں بدامنی اور بدانتظامی پیدا ہوئی اس وجہ سے زند کے شاھی محل میں قید شدہ آغا محمد خان قاچار کو فرار ہونے کا موقع مل گیا اور نہایت کامیابی سے اپنے خاندان کے مخصوص مرکز مازندران میں پہنچ گیا۔ استرآباد میں قیام کر کے اس نے اپنے بہادر قبیلہ والوں کی سرداری حاصل کر لی اور ایرانی بادشاہ کے مدمقابل ۱۱۹۳ھ میں اس نے اپنے کو ظاہر کیا۔

ذکی خان زند نے اپنے بھتیجے علی مراد خاں کو قاچاریوں کے مقابلہ میں لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ قاچاریوں سے مقابلہ کرنے کے عوض اس نے خود بلوہ کر کے اصفہان پر قبضہ کر لیا۔ اس کی مدافعت کے لئے ایک لشکر جرار لیکر ذکی خاں نے اصفہان پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کر کے شہر کے تمام اکابر پر بڑا جرمانہ ڈالا اور جب ان لوگوں نے جرمانہ کی رقم ادا نہ کی تو اس نے اٹھارہ آدمیوں کو کھڑکی سے ایک عمیق درہ میں پھنکوا کر نہایت بیرحمی سے مار ڈالا اس بے رحمانہ سلوک سے بلوہ کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی جس میں ذکی خاں خود مارا گیا اور اصفہان میں امن و امان پیدا ہو گیا۔

ذکی خاں کے موت کی خبر سنتے ہی اس کا بھائی صادق خاں زند فی الفور شیراز سے اصفہان آ پہنچا اور ابوالفتح کی آنکھوں کو پھوڑ کر سلطنت اپنے ماتحت کرنیکی تیاری کی اس زمانہ میں علی مراد نے شیراز پر حملہ کر کے اپنے تحت تصرف میں لے آیا۔ اور صادق خان کو قتل کروا دیا۔

اس کے بعد علی مراد نے ۱۱۹۹ھ ہجری تک ایران پر سلطنت کی اس نے آغا محمد خاں قاچار کو مازندران میں بسا اوقات شکست دی اور ان کے مخصوص مرکز طہران کو فتح کر لیا۔

لطف علیخاں کی بہادری

علی مراد زند کی وفات کے بعد اس کے تخت کا وارث جعفر خاں بن صادق خاں ہوا۔ اس نے بھی آغا محمد خاں کے خلاف بہت سی فتوحات حاصل کیں اس کا فرزند لطف علیخاں زند کو اس کے والد نے اپنی زندگی میں لار ضلع کی فتح کے کام کو اسے سونپا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ کم سن تھا تاہم شجاع زمانہ تھا اور سپاہیانہ خون اس میں بہ رہا تھا ۱۱۹۴ھ میں سید مراد اور قازرون کے گورنر حاجی علی نے ایک سازش کی اور جعفر خاں زند کو زہر دیکر اور اس کا سر کاٹ کر زند خاندان کے امیروں کے پایہ تخت شیراز کے شاہی محل کے صحن میں پھنکوا دیا اس موقع کو غنیمت سمجھ کر علی مراد نے بادشاہ ہونے کا دعویٰ کیا مگر حاجی ابراہیم چونکہ لوگوں میں ہر دلعزیز تھا اس لئے لوگوں نے اس کے ساتھ وفاداری کی اور علی مراد خاں کو قتل کر ڈالا۔

جوان لطف علی خاں زند اپنے والد کی وفات کی خبر سنتے ہی فوراً شیراز آ پہنچا جہاں رعایا نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ حاجی ابراہیم اس کا خصوصی مشیر بن گیا۔ اور شیراز کے ایک خاص رئیس مرزا حسین شیرازی کو وزارت پر قائم کیا۔ ۱۲۰۵ھ میں لطف علی خاں زند اپنا لشکر جمع کر کے اصفہان کی جانب قاچاریوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ مگر حاجی ابراہیم پر ایک مشیر ہونیکی حیثیت سے اس نے جتنا اعتماد رکھا تھا اتنا وہ سیاہ باطن ثابت ہوا۔ اور اس کے خلاف سازشیں شروع کیں آخر وہ آغا محمد قاچار کے ساتھ مل گیا۔

وزیر کی دغابازی اور قاچاریوں کی فتح

لطف علی خاں کے ساتھ دغابازی کرنے سے اس کا تمام لشکر پھر گیا صرف اس کے ۷۰ وفادار سپاہی اس کی خدمت میں رہ گئے اور وہ اپنے پایہ تخت شیراز کی طرف واپس ہو گیا۔ مگر وہاں بھی حاجی ابراہیم نے اس کے لئے شہر کے دروازہ بند کروا دیئے کیونکہ آغا محمد قاچار کے لئے وہ اس شہر پر قبضہ کر بیٹھا تھا اس حالت کو دیکھتے ہی لطف علی خان زند بوشہر کی طرف چلا گیا۔ مگر وہاں کے شیخ نے بھی اس کا مقابلہ کیا۔ لطف علی خاں اپنے چھوٹے رسالے کے ساتھ شہر پر ایکدم ٹوٹ پڑا اور قبضہ کر لیا اس کے عمدہ اخلاق و نیک

سیرت سے رعایا نے اس کی نہایت عزت کی بعد ازاں اس نے شیراز پر محاصرہ کیا ۱۲۰۶ھ میں قاچاری لشکر کو شکست ہوئی۔ آغا محمد قاچار خود لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آیا اور شیراز کے پاس دشت کے میدان میں [illegible] کے [illegible] لشکر [illegible] خیمہ ڈال دیا۔ لطف علی خاں زند اپنے چھوٹے لشکر کے ہمراہ نصف شب کو قاچاری چھاؤنی پر شب خون مار دیا۔ اس اچانک حملہ سے قاچاری گھبرا گئے مگر آغا محمد قاچار خیمہ میں ہمت کرکے خاموش بیٹھا رہا اور صبح اذان کے وقت اذان کا حکم دیا [illegible] قاچاری لشکر جمع ہو گیا [illegible] میدان جنگ چھوڑ کر وہ بھاگ گئے۔ آغا محمد قاچار [illegible] شیراز میں داخل ہوا اور اس نے [illegible] بنایا۔

زند خاندان کی حکومت کے ختم ہو جانے سے آغا محمد خاں قاچار ۱۲۱۱ھ میں ایران کے تخت سلطنت پر [illegible] قاچاری خاندان کی [illegible] سلطنت ایران میں قائم ہوئی۔

شیراز کی شکست کے بعد خراسان کے جنوب میں واقع شدہ طبس کے [illegible] کے لئے مشہور سردار کے یہاں لطف علی خاں زند نے پناہ لی۔ چند روز کے بعد طبس کے [illegible] اس نے [illegible] کے فارس کی طرف آگے بڑھا مگر باوجودیکہ جانفشانی کے ساتھ لڑنے سے بھی اسے شکست ہوئی بالآخر قندھار میں جا کر اسے پناہ گزیں ہونا پڑا۔ ۱۲۰۹ھ میں لطف علی خاں نے کرمان کی طرف کوچ کرکے کرمان پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانہ میں گومبرون اور ہرمز ایران کے مخصوص بندرگاہ تھے اور کرمان اس زمانہ میں ایک آباد بندرگاہ تھا۔

لطف علی خاں زند اسمٰعیلیوں کی پناہ میں۔ اور کرمان سے فرار

آثار محمدی میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی کے چچا اور خسر میرزا محمد باقر کرمان شہر میں تھے انھوں نے آغا محمد خاں قاچار کی پرواہ کئے بغیر زند خاندان کے شاہزادہ لطف علی کو کرمان کے قلعہ میں پناہ دی اور اپنے عطا اللہی اسمٰعیلی سپاہیوں کو کرمان کے قلعہ کی نگرانی سونپی۔ لطف علی خان کے کرمانی قلعہ میں پناہ لینے کی خبر سنکر آغا محمد قاچار نے ایک لشکر جرار ہمراہ لیکر کرمان کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور چھ ماہ تک محاصرہ



جنگجو نوجوان لطف علیخان زند آغا محمد شاہ قاچار سے پے در پے جنگ کے بعد آغا میر محمد باقر خاں کے ہاں پناہ گزیں ہوئے تھے۔

جاری رکھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

۱۲۰۸ھ میں سازش اور دغا بازی کے باعث شہر کے دروازے کھول دیئے گئے عطا الٰہی اسمٰعیلیوں نے اندر گھستے ہوئے قاچاری لشکر کا مقابلہ کیا۔ تین گھنٹے کامل شاہزادہ لطف علی نے نہایت بہادری سے مبرد آزمائی کی۔ مگر چونکہ قاچاری لشکر کی تعداد نہایت زیادہ تھی اس لئے اس کے واسطے اب کوئی نجات کا راستہ باقی نہ تھا۔ دیکھتے ہی وہ صرف تین سپاہیوں کے ساتھ قاچاری لشکر کو چیرتا ہوا باہر نکل گیا۔ آغا محمد خاں قاچار نے جب یہ دیکھا کہ حریف اس طرح اپنے ہاتھ سے فرار ہو گیا ہے تو اس نے غضب ناک ہو کر قتل عام اور کشت و خون شروع کر دیا۔ اور مقتولوں کی ستر ہزار آنکھیں ایک طشت میں بھر کر اس کے سامنے لائی گئیں اس نے خنجر سے ان کی تعداد کا شمار کیا اور وزیر حاجی ابراہیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر اس میں سے ایک بھی آنکھ کم ہوتی تو تیری آنکھوں سے اس کی تعداد پوری کر لی جاتی۔

پیر محمد باقر خاں محلات میں

تین دن تک قتل عام ہونے کے بعد لطف علی خان زند کے جانبداروں کو قید کر کے آغا محمد خاں قاچار کے سامنے پیش کیا گیا جن میں پیر مرزا محمد باقر بھی تھے۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ پیر مرزا محمد باقر کرمان کے گورنر تھے۔ وہ بابک محلات اور کرمان میں رہتے تھے کرمان کے آغا محمد باقر کے قبضہ میں آنے کے بعد لطف علی خاں زند کی مدد کرنے اور اس کو پناہ دینے کے جرم میں ان کی بھی آنکھیں نکال لی گئیں بعد ازاں پیر مرزا محمد باقر اپنے قبیلہ کے ساتھ کرمان کو ترک کر کے محلات جا کر رہنے لگے

آخری جنگ اور خاندان زند کا انہدام

کرمان سے فرار ہونے کے بعد لطف علیخاں زند نے بم شہر میں پناہ لی مگر وہاں کا گورنر آغا محمد قاچار کی دوستی حاصل کرنے کے لئے دغا کر کے ان کو گھیر لیا بہادر لطف علی نے اپنی جان پر کھیل کر خونریز جنگ کی۔ بم کے قلعہ دار کا لشکر بہت زیادہ ہونے کے باعث آخر میں لطف علی خاں گھائل ہو گیا اور قید کیا گیا۔ بعد ازاں سے قاچاری

چھاؤنی میں بھیجا گیا۔ آغا محمد قاچار اس کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کرتا رہا یہاں تک کہ اسے طہران بھجوایا۔ جہاں وہ قتل کیا گیا۔ موت کے وقت اس کی عمر صرف ۲۶ سال کی تھی اس آخری کامیابی کے بعد آغا محمد قاچار نے زند قبیلے کے ایک ایک آدمی کو چن چن کر قتل کیا۔

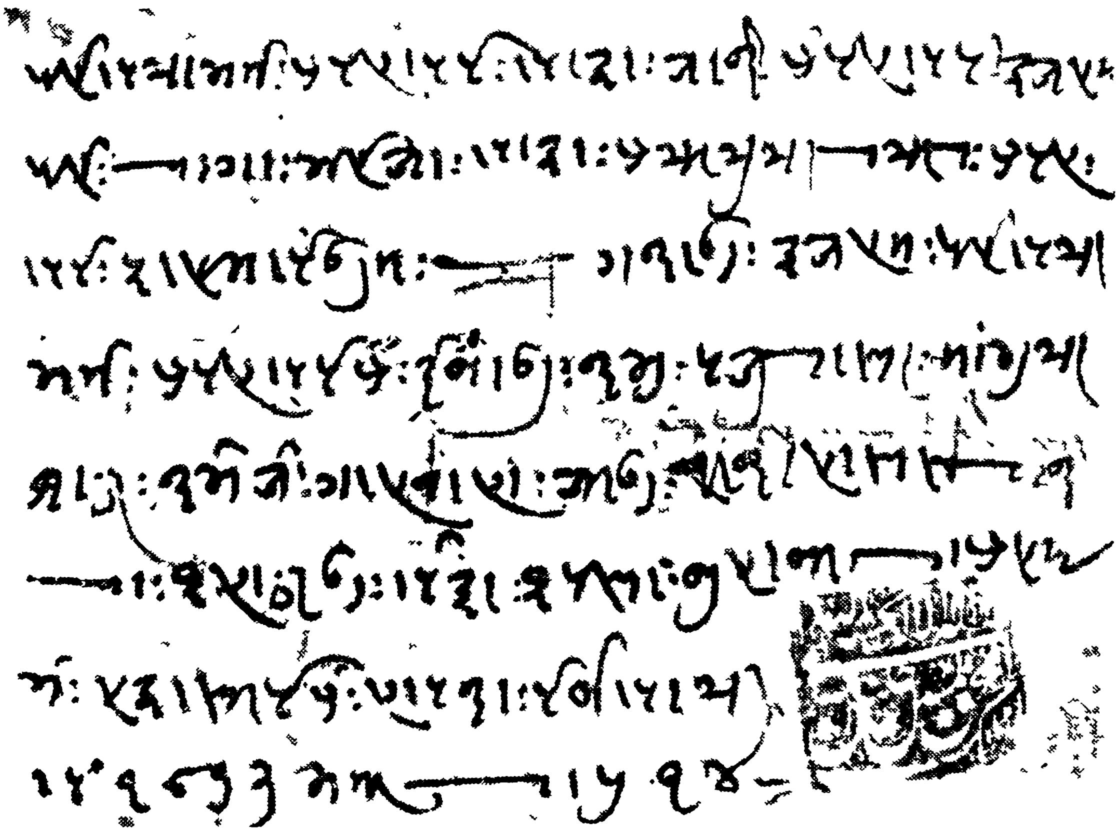
انیس ۱۹ سال تک سلطنت کرنے کے بعد جبکہ وہ روس سے جیوجیا کا ملک حاصل کرنے کے لئے برسرپیکار تھا۔ اسی اثنا میں ۱۲۱۲ھ میں کئی غلاموں نے خیمہ میں اسے قتل کیا اور قاچار خاندان کا دوسرا بادشاہ فتحعلی شاہ تخت پر آیا۔

امام کے دیدار کے لئے مریدوں کا قافلہ

جس وقت ایران میں ایسی جنگ ہو رہی تھی اس وقت دوسری طرف اگر نظر کی جائے تو امام شاہ خلیل اللہ علی کے حضور میں ہندوستان سے بہت سے خواجہ مریدین اپنے بخشا اور امام کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے تکالیف اور مصائب اٹھاتے ہوئے ایران میں آمد و رفت کرتے تھے اور امام کی جانب سے امامی مہر کے ساتھ رقعہ لیکر اپنے وطن مالوف کو روانہ ہوتے تھے اس میں سے ایک اصل نسخہ ہمارے پاس محفوظ ہے ۔ اور اسی طرح بہت سے خواجہ قبائل امام کے دیدار سے مشرف ہو کر آتے تھے ان لوگوں کو درسگاہ سفر خطاب دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ جب اپنے وطن واپس آتے تھے اس وقت وہاں کی تمام جماعت ان کے استقبال کے لئے جاتی تھی اور بعد ازاں رس کی ضیافت تمام سال تک جاری رہتی تھی۔

ہندوستان کے ایک شخص سید امام کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے گئے تھے ۔ اور وہاں انہوں نے ایک گنان (مذہبی نظم) میں فرمایا ہے۔

"گڑھ چکوانے قلع خلیل اللہ رے"
تیاں فتح علی شاہ نے میا کری نے بولا دیا
انت آشا پوری اماری نت صری نور اٹھیا



رقعہ درس حضرت ماسا جلیل اللہ علی کی ملاقات کو کچھ عرصہ کے ماسد ... سال کے قتل ... کیا گیا تھا ... کے نسلی بزرگ تھے

سیّد غلام علی شاہ اور ان کے قبیلہ والے

سید غلام علی شاہ کڑی والی سیدوں میں سے تھے ٹھٹھہ کا کیرا شہر انہیں نہایت محبوب تھا جہاں وہ سکونت پذیر تھے وہ سفید کپڑے پہن کر درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہندو لوگ بھی انہیں بہت مانتے تھے سید غلام علی شاہ کو انہیں پیر علمالی شاہ بھی کہتے ہیں۔ تمام اسمٰعیلی جماعتوں سے پھر کر امام کے حقوق یعنی دسوندھ جمع کر کے امام کی خدمت میں بھجوایا کرتے تھے۔ سید غلام علی شاہ نے بہت سے گنان لکھے ہیں جنہیں منہرنامی کتاب میں روحانی معلومات اور رموز بھرے ہوئے ہیں۔ اور یہ کتاب نہایت مشہور و معروف ہے۔

سید غلام علی شاہ کی بی بی ان بی بی بھی گنگوہ لبار ہنیق شخص یہ بھی ہندوؤں میں بہت محبوبہ تھیں۔ امام کی طرف سے یہ بھی دعوت کا کام کرتی تھیں۔ آپ کے ہاتھ پر بھی بہت سے ہندو اسمٰعیلی مذہب میں داخل ہوئے۔

پیر محمد شاہ دولہ کی آخری آرام گاہ

سنہ ۱۲۰۱ھ میں سید غلام علی شاہ فوت ہوئے اس زمانہ میں حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی ایران میں محلات میں سکونت پذیر تھے۔ امام کے ساتھ سید غلام علی شاہ کا براہ راست تعلق تھا۔ سید غلام علی شاہ پر سندھ کے پایۂ تخت کراچی شہر میں انتقال کر گئے تھے۔ مگر کچھ کیرا میں پسند کی ہوئی ایک ٹیکری پر ان کو دفن کیا گیا اور ایک شاندار روضہ تعمیر کیا گیا۔ سید غلام علی شاہ کے آرام گاہ کے جنوبی جانب کے صحن میں ایک ... ان کی ایک محترمہ بی صاحبہ تھیں ان کی وفات سندھ میں جوکل گاؤں میں ہونے سے پیر تاج الدین کے روضہ میں عورتوں کے قبروں کی صف میں دفن کی گئی۔

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علی نے سید محمد شاہ کو بعد ازاں کالت عنایت کی تھی۔ وہ بھی جماعت سے امام کی تحصیل وصول کر کے ایران بھیجتے تھے۔

سید محمد شاہ کو پیر محمد شاہ بھی کہتے ہیں جب وہ سفر کو نکلتے تھے تو ایک بڑا رسالہ اپنے ساتھ رکھتے تھے رسالہ میں گھوڑے، اونٹ، علم نشان وغیرہ کے ساتھ سواری نکالتے تھے نوکروں کا بھی ایک مجمع ساتھ رہتا تھا۔ اور امیرانہ شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

جمعدار فتح محمد نے کیرا گاؤں میں بڑے لشکر کے ساتھ آکر عید گاہ کے ٹیکرے پر مورچہ بندی کی اسوقت کیرا کے جاگیردار اور جمعدار کے درمیان صلح کرانے والے سید محمد شاہ تھے۔ سید محمد شاہ کا خیال سچے مذہب پر بہت مضبوط ہونے کے سبب وہ روحانی رسوم پر بہت زور دیتے تھے۔ حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے خدمت گار کے طور پر جماعتوں کو امام کے فرمان کے مطابق چلنے کے لئے نصیحت کیا کرتے تھے ان کی تبلیغ سے اسمٰعیلی مذہب میں داخل ہوکر بہت سے لوگوں نے امامت کی معرفت حاصل کرکے اسلام کے راستہ پر چلنے سے سعید بنے۔

ایک مرتبہ سید محمد شاہ کو ایک اسمٰعیلی نے آکے کہا کہ" میں علی الصباح دودھ لینے جاتا ہوں اس وقت راہ میں مجھے بھوت ستاتے ہیں۔

پیر نے جواب دیا۔ کہ اب تو اس راستہ سے جائے اس وقت کاجل ہاتھوں پر لگا کر جا اور بھوت اگر سامنے آوے تو اس کے منہ پر لگا دینا اس نے اسی طور سے عمل کیا مگر گھر جا کر آئینہ میں صورت دیکھتے ہی اسے معلوم ہوا کہ کاجل اس کے ہی منہ پر لگا ہوا ہے اور اسی کا منہ کالا ہوا ہے اس سے سید محمد شاہ نے اسے سمجھایا کہ انسان کے خیال میں ہی بھوت پریت ہیں۔ مگر عام طور سے دیکھو تو بھوت وغیرہ کوئی چیز نہیں۔

سید محمد شاہ نے بہت سے گنان (مذہبی نظمیں) لکھی ہیں۔ جس میں خاص کر جامہ یعنی زمانہ کے حاضر امام کی معرفت کا طریقہ بیان کیا ہے۔ سید محمد شاہ نے مومن جماعتوں میں بہت ... کام کیا۔ اور اہل السنن کے کوکنی لوگ بھی سید محمد شاہ کو اپنا پیر مان کر بہت احترام کرتے تھے۔

امام شاہ خلیل اللہ (علیہ السلام) کا خاندان ۔ امام کی وفات

گلزار شمس کی روایت کے بموجب سید پیر محمد ابن سید نور شاہ ابن سید سلطان احمد کی والدہ عظمت خاتون بنت سید چراغ شاہ تھیں۔ سید محمد شاہ کی درگاہ بھنڈی بازار کے قریب واقع ہے وہ اسمٰعیلی طریقہ کے مبلغ تھے۔

سید محمد شاہ کی وفات ۱۲۸۸ھ میں ہوئی۔ جن کو درگاہ محلہ میں دفن کیا گیا۔ اور ایک عالی شان روضہ بھی بنایا گیا۔



سیّد محمد شاہ

مہر علی اور سائیان خواجہ ۔ امام شاہی بھگت

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے زمانہ میں ایک مہر علی اور دوسرے سائیان نامی دو خواجوں نے اپنے آپ کو بھگت کے طور پر ظاہر کیا۔ وہ کچھ مندرا سے کنتھی میں گئے۔ جہاں انہوں نے چندر بھان اور سور بھان کے اوتار کے طور پر لوگوں کو بتایا۔ یہ دونوں شخص (چندر بھان اور سور بھان) خاص پیر شمس سبزواری کے مرید دینی سے تھے۔ بھگت مہر علی اور سائیان کا مقصد صرف یہ تھا کہ خواجوں کو امام شاہی حلقہ میں شامل کر لیں اور کچھ اسمٰعیلیوں کو انہوں نے امام شاہی بھی بنایا تھا۔

امامؑ نے اس خبر کو سنتے ہی انہیں ایران طلب کیا اور ہدایت کی۔ مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ برعکس اس کے انہوں نے ہندوستان میں آکر ایک نیا طریقہ تراشا کہ ایران میں امامؑ نے ہماری زبان کاٹ ڈالی ہے اور اپنی بات صحیح ثابت کرنے کے لئے انہوں نے چند روز تک ڈھونگ کر کے خود گونگے بن گئے۔ بعد ازاں سیدھی طرح سے بولنے لگے۔ اور ظاہر کیا کہ سید امام شاہ نے ان کو زبان دے کر یہ کرامت کی ہے اس بات سے لوگوں پر اثر ڈالکر کچھ خواجوں کو اس طرح اپنے عقیدہ میں شامل کر کے بہت سا روپیہ بھی جمع کر لیا جس میں سے کچھ مندرا میں امام شاہ کی درگاہ تعمیر کی۔ حضرت امام شاہ خلیل اللہؑ کو جب سبات کی اطلاع ہوئی تو ان دونوں فریب کاروں کو جماعت سے خارج کرنے کا حکم دیا۔ جسکی جماعت نے تعمیل کی یہ دونوں شخص آخر تک امام شاہی مذہب پر قائم رہے۔ جب ان کو جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ تو ان کے ہاتھ پر جتنے اسمٰعیلی خواجہ امام شاہی ہو گئے تھے وہ سب پھر اسمٰعیلی خواجہ ہو گئے۔ مہر علی اور سائیان کی قبریں مندرا میں بھوج والے ناکہ کے باہر سوالی کے تالاب کے مشرقی کنارہ کی طرف ہیں۔

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے چار فرزند اور دو لڑکیاں تھیں۔ (۱) آغا شاہ حسن علی شاہ جو بعد میں اپنے والد ماجد کی امامت کے مسند پر تشریف لائے۔ (۲) محمد تقی خاں (۳) سردار ابوالحسن خان۔ (۴) سردار محمد باقر خاں اور دختر (۵) شاہ بی بی (۶) گوہر تاج بیگم تھی۔ جنکی اولاد کثرت سے ہوئیں۔

حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ یزد میں تشریف لائے۔ یہاں مذہبی تعصب کا بازار نہایت گرم تھا۔

ملاموولویوں کا زور زور ہ تھا یعنی اسمٰعیلیوں کی وہاں سکونت دیکھ کر وہ لوگ گھبرا گئے اور انھیں خوف پیدا ہوا اگر انکی سکونت یہاں ہوگئی۔ تو ملا شاہی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا اس حالت کو دیکھ کر وہ لوگ ایسے مواقع ڈھونڈنے لگے جس سے تعصب کی آگ لوگوں میں مشتعل ہوگئی اور اسی سبب سے یزد میں کشت و خون بھی ہوا یہاں تک کہ مجنون الہٰی خبطی ملاؤں کے ہاتھ سے امامؑ کی وفات ہوئی اسمٰعیلیوں میں اس واقعہ سے نہایت جوش پیدا ہوا اور اپنے پاک امامؑ کے خون سے غصہ کی آگ کے شعلے ان کے سینہ میں بھڑک اٹھے۔ حضرت امامؑ کے خون کا انتقام لینے کے لئے سارے اسمٰعیلیوں نے سامان جنگ سے مسلح ہو کر لڑائی کی تیاری شروع کی۔ شاہ فتح علی شاہ اس واقعہ کی خبر سنکر نہایت ہراساں ہوگئے۔ انہوں نے خونی ملاؤں اور ان کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے طلب کیا ملا کو عریاں کر کے برف سے جمے ہوئے حوض میں ڈلوا دیا اور جب تک وہ مر نہ جائے اسے کانٹے اور کیل کی لکڑیوں سے مارنے کا حکم دیا۔ اس طرح اسے ہلاک کر کے اس کے ہمراہیوں کو شاہ فتح علی نے پھانسی دی۔ تاہم اسمٰعیلیوں کا غصہ فرو نہ ہوا اور شاہ کو خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ لوگ بلوہ کریں اس لئے انہوں نے حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے فرزند حضرت امام شاہ حسن علیؑ کو جن کی عمر اس زمانہ میں صرف تیرہ [۱۳] سال کی تھی بادشاہ نے اپنے دربار میں بلا کر نہایت احترام سے ان کو آغاخان کا خطاب دیا۔ نہایت محتاط سلوک کر کے ایک ممتاز عہدہ پر انہیں متعین کیا اس طرح شاہ کی نیک نیتی کا اظہار ہو جانے سے اسمٰعیلیوں میں امن و امان پھیل گیا۔ حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کی وفات ۱۲۳۲ھ میں ہوئی اور آپ کی لاش شاہ نجف میں دفن کی گئی۔

آغا امام شاہ خلیل اللہ علی (علیہ السلام) ثانی (وفات سنہ ۱۲۳۳ھ)

- گوہر تاج بیگم
- شاہ بی بی
- سردار محمد باقر خاں — وفات سنہ ۱۲۹۶ھ
- سردار ابو الحسن خان — وفات سنہ ۱۲۹۷ھ
- ٭ شاہ حسن علیؑ عرف محمد حسن الحسینی — وفات سنہ ۱۲۹۸ھ
- محمد تقی خاں (وفات سنہ ۱۲۷۳ھ)

بیگمات

(۱) سرو جہاں خانم ایران کی شاہزادی وفات ۱۲۹۹ھ (۱) فرزند آغا علی شاہ وفات سنہ ۱۳۰۲ھ (۲) بی بی صوما
(۳) بی بی تاج ماہ (۴) بی بی ملیک

(۲) بی بی خاتون کرم آرا وفات سنہ ۱۲۸۳ھ دختر (۱) بی بی گوہر

(۳) مریم خانم (لکھنباہی) وفات ۱۳۱۲ھ فرزند (۱) آغا جنگی شاہ وفات سنہ ۱۳۱۴ھ ۔ بی بی صاحبہ

(۴) حاجی بیگم (مہابای) وفات سنہ ۱۳۱۳ھ ...... فرزند (۱) آغا جلال شاہ وفات ۱۳۰۵ھ (۲) اکبر شاہ وفات سنہ ۱۳۲۲ھ

(۵) ایک قندھاری خاتون فرزند (۱) شاہ شجاع وفات سنہ ۱۲۸۲ھ (۶) خاتون بریجان (۷) بی بی سلطان

٭ بیبیوں سے ۵ لڑکے اور ۵ لڑکیاں ہوئی تھیں۔

حصۂ ہفتم

ہندوستان میں امامت

حضرتِ امام شاہ حسن علی شاہ آغا خان اول

" " " علی شاہ " ثانی

مولانا حاضر امام صاحب الزمان آغا سلطان

محمد شاہ آغا خان ثالث



ایک پُرانی یاد:۔ ہز ہائینس امام آغا حسن علیشاہؑ الحسینی (وسط میں)، جماعت بمبئی کے مکھی و کامڑیہ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

حضرت امام شاہ حسن علی شاہ (علیہ السلام) آغاخان اوّل

سن امامت از ۱۲۳۳ھ ہجری تا ۱۲۹۸ھ ہجری

حضرت امام حسن علی شاہ محمد حسن الحسینی محلاتی کے نام سے تاریخ میں مشہور ہیں آپ کی پیدائش ۱۲۱۹ھ میں ایران میں محلات نامی گاؤں میں ہوئی تھی آپ کا لقب آغاخاں تھا۔ اور اسی لقب سے آپ کے جانشین زمانہ حال میں بھی مشہور ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں مسند امامت پر آپ رونق افروز ہوئے۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ سید شاہ محمد حسن شاہ یعنی حسن الحسینی شاہ آغاخاں کے نام سے مشہور ہیں آپ کرمان کے حاکم تھے اور محلات کے مالک تھے۔ آپ کی پیدائش محلات ہی میں ہوئی تھی۔

بمبئی کا ایک پرانا اخبار اخبار سوداگر کے ۱۲۱۲ھ کے ایک نمبر میں شائع کردہ ایک مضمون میں لکھا ہے کہ آلموت کے ویران شدہ مقام میں اسمٰعیلی لوگ بود و باش کرتے ہیں انہیں حسینی کہا جاتا ہے یہ لوگ آغاخاں صاحب کو اپنا امام مانتے ہیں آپ کا پورا نام محمد حسن الحسینی ہے۔ ہندوستان سے ایران تک کے جوار میں اسمٰعیلی دعائے برکت کے لئے آتے تھے۔ جو تمام خواجہ جماعت کے تھے۔

کرمان کے حاکم

حضرت امام محمد حسن الحسینی عرف آغاخاں اوّل کے متعلق حکومت بمبئی کے دفتروں میں لکھا گیا ہے کہ ہز ہائینس آغاخاں محلاتی اسمٰعیلیوں کے مشہور امام اور نسل بہ نسل سرفراز ہوتے آئے ہیں اسمٰعیلیوں کے موجودہ مسند نشین خدا کے

فرستادہ حضرت علیؑ سے آخری ظاہر شدہ امام حضرت امام جعفر صادقؑ کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کے مستحق فی زمانہ ہز ہائینس آغا خاں نہایت بہادر دلیر شجیع معلوم ہوتے ہیں ان کے دادا حضرت امام ابو الحسن علی شاہؑ کرمان جیسے مشہور شہر کے زند بادشاہوں کے زمانہ میں حاکم تھے اور حکومت ترک کرنے کے بعد محلات ضلع میں جا بسے تھے۔ بعد ازاں ان کی اولاد نے محلات میں بڑی بڑی جاگیروں کا اضافہ کر کے ایک عرصہ دراز تک وہاں سکونت اختیار کی تھی اس لئے محلاتی کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت امام حسن علی شاہؑ کے زمانہ میں زند حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور آغا محمد خان قاچار خود تمام ایران کا بادشاہ بن گیا تھا۔ اسی زمانہ میں لطف علی خان زند کے فرزند خسرو کی آنکھیں نکال کر قید کر دیا تھا۔

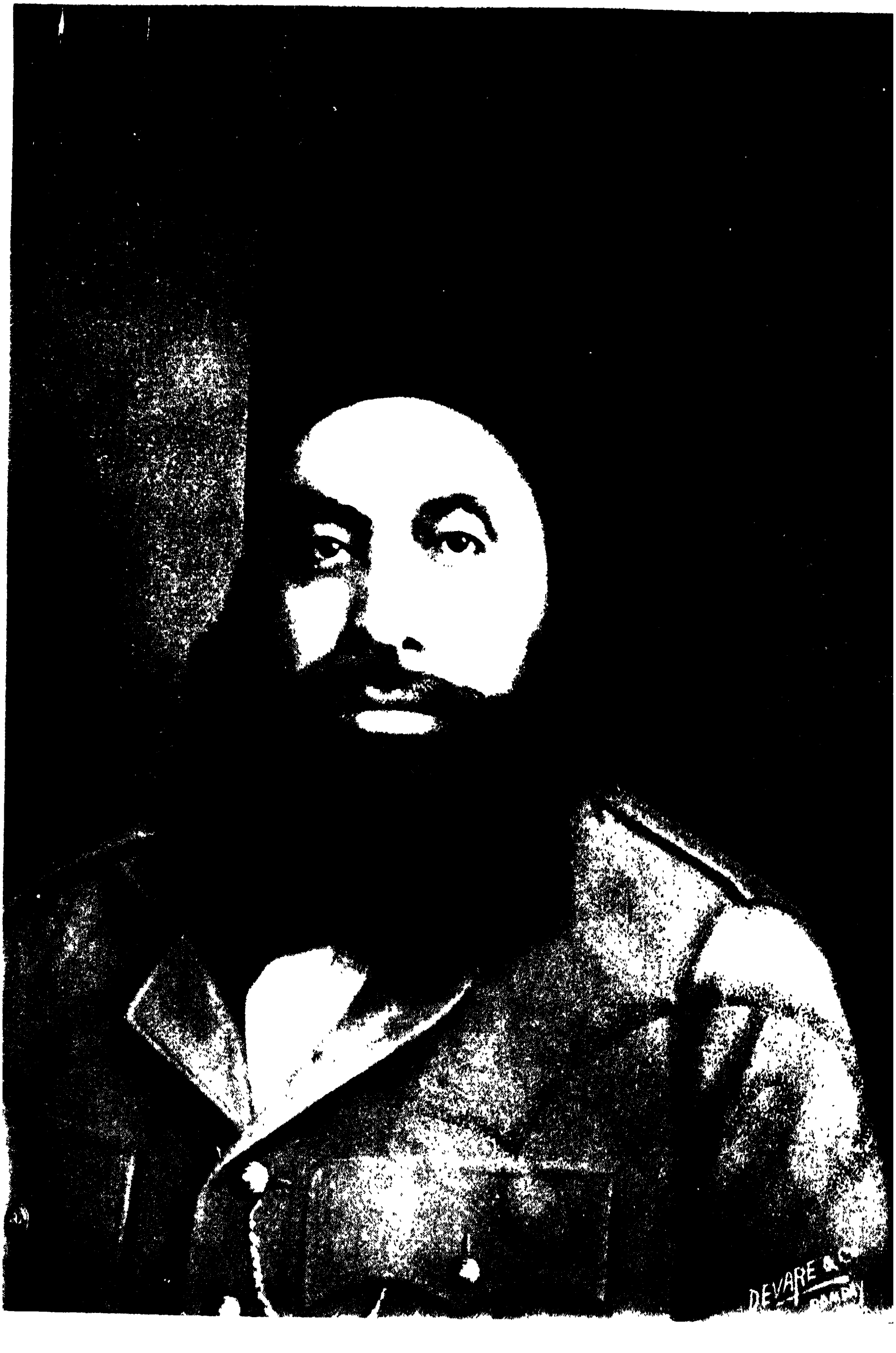
سنہ ۱۲۱۱ھ میں آغا محمد قاچار نے ایران پر پورا قابو کر لیا اور روس سے جیورجیا حاصل کرنے کے لئے وہ جنگ پر آمادہ تھا کہ اسی درمیان جبکہ وہ اپنی قیام گاہ میں سویا ہوا تھا کہ چند غلاموں نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس زمانہ میں ایران کا پایۂ تخت طہران تھا۔

فتح علی شاہ تخت سلطنت پر اور ایرانی حکومت میں روسی اثر

سنہ ۱۲۱۱ھ میں فتح علی شاہ بن حسن قلی خاں بن محمد حسن خان قاچار نے ایران کے تخت سلطنت پر آنے کے بعد محمد شاہ قاچار کے قاتلوں کو موت کی سزا دی ان کے سلطنت کے کاروبار کے ابتدائی زمانہ میں نادر شاہ کا پوتا مرزا نادر بن شاہ رخ نے خراسان میں بلوہ کیا مگر اسے پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ دوسری جانب محمد بن زکی خان زند نے شیراز میں بدامنی پھیلائی مگر بعد ازاں وہ بھی گرفتار کیا گیا۔ آغا محمد خاں قاچار کے ساتھ زند کے شاہ لطف علی کے دغاباز وزیر حاجی ابراہیم شامل ہو جانے سے آغا محمد نے سلطنت کو فتح کرنے کے بعد اسے اپنا وزیر بنایا تھا مگر سلطنت کے قانون میں دخل اندازی کرنے کی وجہ سے اسکو بھی قتل کیا گیا۔

سنہ ۱۲۲۸ھ میں روس نے طفلیس پر قبضہ کر کے عرا کا محاصرہ کیا اور فتح علی شاہ نے اس کے مقابلے کے لئے لشکر بھیجا اس جنگ میں روسیوں کی اس قدر خونریزی ہوئی کہ بعد میں ان کے سروں سے منارہ تعمیر کیا گیا

سنہ ۱۲۲۲ھ میں ہرات کے والی حاجی فیروز نے مشہد پر حملہ کیا۔ مگر اس میں شکست ہونے سے قاچاریوں نے



آغا خاں صاحب اوّل :- ہز ہائینس امام آغا حسن علی شاہ الحسینی اسمٰعیلیوں کے چھیالیسویں امام۔

اس سے دو سال تک خراج وصول کرنے کے بعد رہا کر دیا۔

اس سال میں فرانس کے شہنشاہ نپولین کا ایلچی ایران آیا اور اس نے فتح علی شاہ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ پہلے ایرانی اور فرانسیسی لشکر دونوں مل کر اہل روس کو نکال دیں پھر باہمی طاقت سے ہندوستان پر حملہ کریں۔ اس درمیان میں ۱۲۲۳ھ میں ایران اور روس کے درمیان صلح ہو گئی جس سے فرانسیسی مصلحت ضائع ہو گئی۔ اس سال برطانیہ کے ایلچی نے برطانی شہنشاہ کے طرف سے ایک بڑا ہیرا ایران کے شاہ کو نذر کیا اور دوستی پیدا کرنے کے لئے ایک اقرار نامہ کیا گیا۔ ۱۲۳۰ھ میں ترکی (روم) کے ساتھ ایران کی صلح ہوئی اور اسی سال میں اثنا عشری علماء کی ترغیب سے روس کے مقابلہ میں جہاد کیا گیا مگر ۱۲۴۳ھ میں فریقین میں پھر صلح ہو گئی۔

وہابیوں کی شکست اور فتح علی شاہ کی وفات کے بعد محمد شاہ کی تخت نشینی

فتح علی شاہ کے عہد سلطنت میں سعود بن عبدالعزیز وہابی نے کربلائے معلّی کو منہدم کر دیا اور حضرت امام حسینؑ کے روضۂ مبارکہ کو توڑ دیا۔ پانچ ہزار اہل کربلا کو قتل کر دیا۔ اور قتل و غارتگری کی۔ فتح علی شاہ نے اس کی سرکوبی اور لوٹے ہوئے مال کو واپس لانے کیلئے بغداد سے مراسلت کی۔ مگر بغداد کے والی سلیمان پاشا کی وفات سے ایرانی لشکر نے وہابیوں کو مسقط اور نجد میں شکست دے کر بیشمار نجدیوں کو قتل کیا۔

فتح علی شاہ ۱۲۵۰ھ میں ذات الجنب کی بیماری سے فوت ہو گیا اور امام حسن علی شاہؑ کو نہایت غم و اندوہ ہوا۔ کیونکہ مرحوم شاہ امامؑ کے خسر ہوتے تھے۔ اور ان دونوں میں نہایت خلوص تھا۔

۱۲۵۰ھ میں محمد شاہ بن عباس مرزا بن فتح علی شاہ ایران کے تخت پر آیا۔ اور حضرت امام حسن علی شاہؑ کی کوشش سے دوسرے مخالفین کا حق بالکل زائل ہو گیا تھا۔

محمد شاہ تخت پر آنے کے بعد ۱۲۵۳ھ میں گوریا فتح کر کے ہرات کا محاصرہ کیا۔ مگر برطانیہ کی سفارش سے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ یہ بادشاہ چودہ سال تک حکمرانی کر کے انتقال کر گیا۔ محمد شاہ کے عہد سلطنت کے آخری حصہ میں رعایا اور شاہی فرمانرواؤں میں بھی اختلاف پیدا ہونے کا وقت آ گیا۔

امام (علیہ السلام) کی صغیر سنی

حضرت امام حسن علی شاہؑ صرف چھ سال کے تھے اس وقت انہیں مدرسہ میں داخل کیا گیا آپ کو ملّا علی محمد تعلیم دیتے تھے اس مدرسہ کے فارسی زبان کے نصاب میں کئی صوفی شاعروں کے اشعار پڑھائے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شعر کا مطلب امامؑ نے ملّا سے دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ اس شعر کے ظاہری معنی سے دین کی تباہی اور شریعت میں گمراہی پیدا ہونے کا خوف ہے لہٰذا اس کی شرح کو مت پوچھو۔ امامؑ کی عمر جب سال کی ہوئی تو آپ اپنے والد ماجد امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کے ساتھ یزد میں آکر رہنے لگے ایران کے شاہ آغا محمد قاچار نے کرمان شہر کو ترک کر کے یزد میں آکر سکونت کرنے کیلئے حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ سے التماس کی اور امامؑ کی ملکیت کی تمام جاگیریں جو کرمان میں تھیں ان کے معاوضے میں یزد میں جاگیریں دیں اس وجہ سے امامؑ اور ان کا قبیلہ یزد میں جا کر سکونت پذیر ہوا۔ اس مقام میں ایمانی خاں فرحانی اس زمانہ میں سلطنت کا نائب تھا۔ اور محلات ضلع میں محمد علی نامی ایک شخص سلطنت کا ایک عہدہ دار تھا۔ جو ایمانی خاں کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ ایمانی خاں نے بھی محمد علی کو ختم کرنے کے لئے حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کی اہلیہ یعنی پیر سرکار ماتا سلامت کو ایک تحفہ بھیجا اور ان کو اپنے پاس آنے کے لئے لکھا۔

اس پر جب محمد علی کو سلامتی کا اطمینان ہو گیا۔ تو ایمانی خان کے یہاں روانہ کیا گیا مگر اس نے اپنے قول کا پاس بالکل نہ کیا اور محمد علی کو قید کر کے اپنے سپاہیوں کو بھیجکر اسکے گھر بار کو لوٹ لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی پیر سرکار ماتا سلامت نے محمد علی کی معاونت کے لئے فرحان میں آکر مقام کیا۔ ایمانی خان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنا مقام مشک آباد چھوڑ کر دوسرے کسی طرف چلا گیا۔ اس سبب سے پیر سرکار ماتا سلامت محلات چھوڑ کر قبیلہ کے ساتھ قم شہر میں آکر سکونت کی۔ اس زمانہ میں امام حسن علی شاہؑ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی قم میں بھی دشمنوں کی تعداد زیادہ ہونے سے انہیں امان نصیب نہ ہوا اور حضرت امام حسن علی شاہؑ کی عمر جب تیرہ سال کی ہوئی تو اس وقت دشمنوں نے آپ کے والد ماجد کو شہید کیا۔ اور اس پر بھی ان کو قناعت نہ ہوئی بلکہ ظلم و ستم جاری تھا متعصب ملاؤں کی چغلخوری سے کئی شاہی فرمانرواؤں کے دماغوں میں بھوسہ بھر دیا گیا تھا۔ اور اس بارہ میں دست و ستم کرتے تھے

یہ حالت دیکھ کر حضرت امام شاہ حسن علی شاہؑ کی والدہ ماجدہ بیبی سرکار ماتا سلامت قاچار خاندان کے پایہ تخت طہران کی طرف تشریف لے گئیں اور وہاں حرم میں شاہی قبیلہ کے ساتھ نہایت احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا گیا اور یہ حقیقت سب بعد ازاں فتح علی شاہ کو مفصل سنا دی گئی۔

ظل السلطان کی ریشہ دوانی

شاہزادہ ظل السلطان کی یہ سب ریشہ دوانیاں تھیں یہ سنکر شاہ کانپ گیا اور غضبناک ہو کر اپنے کمرے خنجر کھینچکر ظل السلطان پر ٹوٹ پڑے اور با آواز بلند کہا کہ آغا محمد خان قاچار نے کرمان کی جاگیر کے معاوضہ میں چار پانچ گاؤں حضرت امام شاہ خلیل اللہ علیؑ کو دیئے تھے۔ اس میں کس اختیار سے تم نے مداخلت کی آپکی طبیعت کو اس طرح برہم دیکھ کر بیبی بی سرکار ماتا سلامت نے ظل السلطان کی اس غلطی کو معاف کرنے کے لئے کہا اس سبب سے ظل السلطان موت کے پنجہ میں سے رہا ہو گیا۔ شاہ نے حضرت امام حسن علی شاہؑ کو ان کی جاگیر سب واپس کر کے ان کے قبیلہ کو اس بارہ میں جو مصائب اٹھانے پڑے تھے اسکو درگذر کرنے کے لئے کہا۔ اور اس بات کو بھولجانے کے لئے اپنی شاہزادی سرو جہاں خانم کو حضرت امام حسن علی شاہؑ کے ساتھ عقد کر دینے کے لئے اپنی خواہش ظاہر کی بیبی بی سرکار نے اپنی رضامندی ظاہر نہ کی مگر ایران کے شاہ فتح علی شاہ کے اسرار سے اس بات کو انہیں منظور کرنا پڑا۔

فتح علی شاہ نے بعد ازاں شاہزادی کی شادی کی تیاری کی اور تھوڑے عرصہ میں نہایت دھوم دھام سے شاہزادی کی شادی امام حسن علی شاہؑ سے کر دی۔ شاہزادی کو فتح علی شاہ نے شاہی خزانہ سے ایک لاکھ اور پندرہ ہزار روپیہ دیا۔ اور اس کے اسوا جواہرات بھی بہت سے دیئے۔ شادی ہو جانے کے بعد فتحعلی شاہ حضرت امام حسن علی شاہؑ کو تمام شاہزادوں سے زیادہ احترام کرتے تھے اور آل رسول کے خاندان سے قرابت ہونے پر فخر کیا کرتے رہے۔

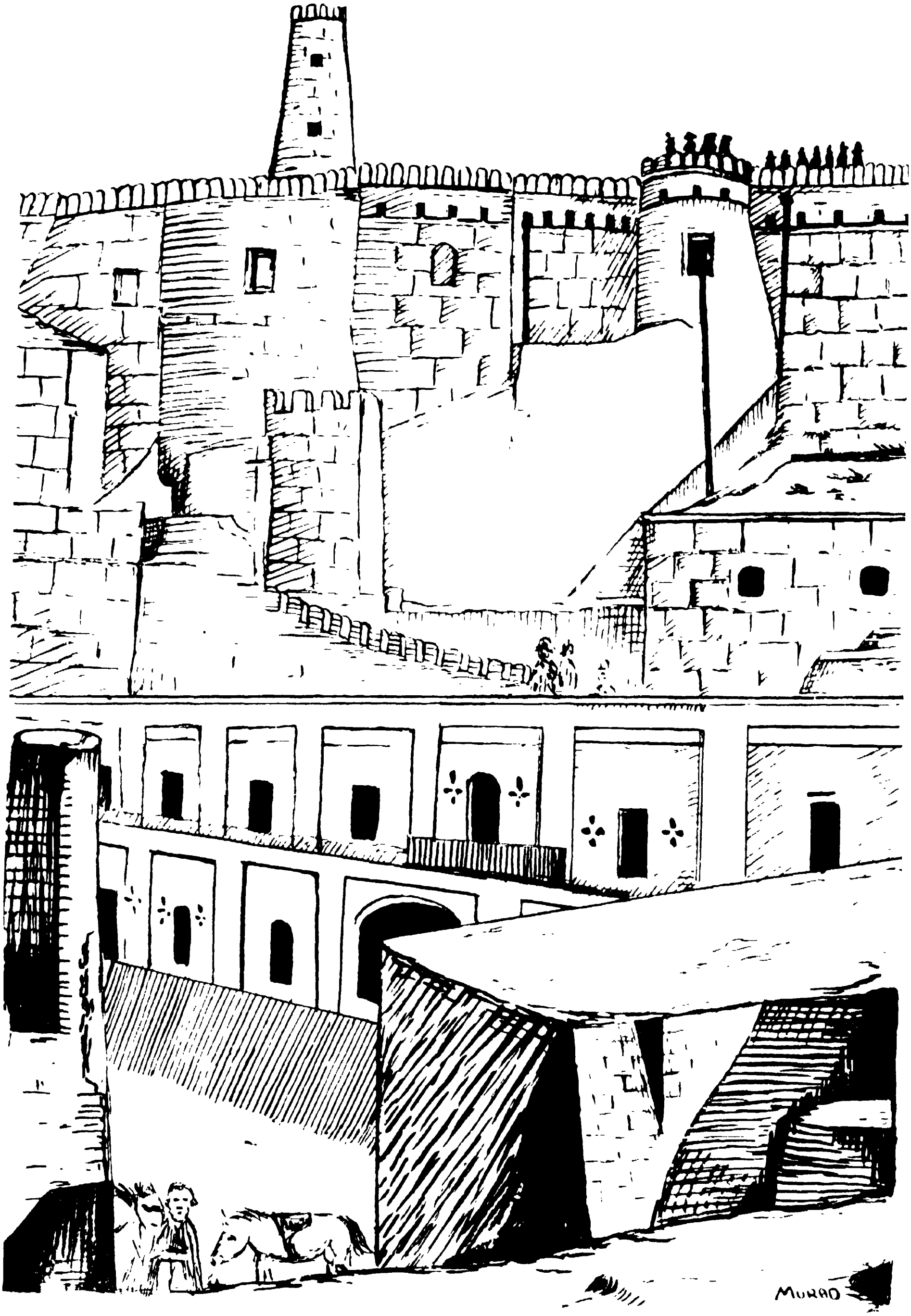
سلطنت میں بدامنی

فتح علی شاہ کی وفات کے بعد سلطنت میں بدانتظامی پھر پھیل گئی چند لوگوں نے کشت و خون اور لوٹ مار بھی شروع کر دی۔ تخت سلطنت کا مالک کس کو بنائیں یہ خیال رعایا کو الجھانے لگا آخر ایرانی سلطنت کے بادشاہ فتح علی شاہ نے اپنی زندگی میں شاہ عباس کی وفات کے بعد ان (عباس) کے فرزند محمد شاہ کو وارث تخت بنایا تھا اسکو بادشاہ کی مرضی کے مطابق تخت سلطنت کے لئے رعایا نے انتخاب کیا بادشاہ کے سپہ سالار غلام حسین کے ساتھ حضرت امام حسن علی شاہؑ رسم تاجپوشی کے لئے دربار میں تشریف لائے اور تاجپوشی نہایت شان و شوکت سے ہوئی بادشاہ نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی بعد ازاں جن لوگوں نے کشت و خون لوٹ مار مچائی تھی ان کو گرفتار کر کے سزا دی گئی۔ اس بدامنی کے زمانہ میں چند لوگ محلات جا کر حضرت امام شاہ حسن علیؑ کے پاس پناہ گزین ہو گئے تھے۔ وہ لوگ سب اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے گئے۔

حضرت امام حسن علی شاہؑ اور کرمان کے فتح کی تیاری

بادشاہ اپنی تخت نشینی کے بعد حضرت امام حسن علی شاہؑ سے نہایت خوش ہو کر انہیں دربار میں آنے کے لئے دعوت دی۔ اور آپ جب وہاں تشریف لے گئے۔ تو شاہ ایران اور وزیر مرزا ابوالقاسمؒ آکاشی دونوں نے متفق الرائے ہو کر بلوچ اور افغان کے تابع شدہ کرمان ضلع کے سلطنت کے ماتحت لانے کا کام ...
حضرت امام حسن علی شاہؑ کو سونپنے کے خیال سے بادشاہ نے امامؑ سے کہا کہ کرمان کی حکومت سے تمہارے آبا و اجداد کو جس طور سے نسبت تھی ابھی بھی اسی طرح آپکے ساتھ ہے۔ لہذا آپ لشکر اور جنگ کے تمام اسباب کے ساتھ کوچ کرو۔ اور کرمان کو زیر نگین کرو۔"

حضرت امام حسن علی شاہؑ نے جواب دیا کہ لطف علی خان زند جب کرمان میں ہماری پناہ میں تھے اسوقت ایک لشکر جرار اور زر کثیر خرچ کرنے کے بعد کئی مہینے میں آغا محمد قاچار نے شہر کو فتح کیا تھا۔ یہ کام آج ہمیں سونپا گیا ہے۔ اس کے معاوضہ میں ہمیں کسی تیاری کی بھی ضرورت نہیں ہم خود جنگ کرینگے



قلعہ بم : حضرت مولانا شاہ امام حسن علی شاہ الحسینی ایران کو ترک کر کے ہندوستان آ رہے تھے اس زمانہ میں یہ قلعہ آپ نے فتح کیا تھا

اور دشمنوں کو شکست دے کر کرمان کو سلطنت کے حوالہ کردیں گے بعد میں آپ کو جیسا مناسب معلوم ہو ویسا عمل کیجئے۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ اس کے بعد محلات کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں لڑائی کے تمام اسباب جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ جب ہر طرح پوری تیاری ہو گئی تو کرمان کی طرف کوچ کیا۔ دشمنوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے کرمان خالی کر کے نہایت محفوظ طور پر مقابلہ کرنے کے ارادہ سے بم اور نرماشیر کے قلعہ میں جا کر پناہ لی۔ دشمنوں کی چال فی الفور بھانپ کر اپنے بھائی سردار ابوالحسن خان کو خراسانیوں اور عطاالہیوں کی سرداری دیکر دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے امامؑ نے حکم نافذ کیا۔ اور اسمٰعیلی لشکر بم اور نرماشیر کی طرف کوچ کر گیا جب یہ راز مخالف چھاؤنی کو معلوم ہوا تو بم اور نرماشیر افغانی اور بلوچیوں کو سونپ کر شجاع السلطنت کے شاہزادے فرار ہو گئے۔

بم اور نرماشیر قلعوں میں خونریز جنگ

فتح علی شاہ کے عہد سلطنت میں گیارہ سال سے افغانی اور بلوچی کرمان کی آمدنی برابر ہضم کر رہے تھے ان کو خارج کرنے کے لئے سلطنت کے چالیس ہزار تومان خرچ ہو گئے تھے اور ہزاروں لشکری بھی مارے گئے تھے۔ تاہم دشمنوں نے کرمان کو نہ چھوڑا تھا۔ ان سب باتوں کا خیال کر کے سردار ابوالحسن نے لڑائی کی تمام تیاریاں کامل طور سے کرنے کے بعد چڑھائی کی تھی۔ بم اور نرماشیر کے حدود میں پہنچنے کے بعد فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ حضرت امام حسن علی شاہؒ بھی کرمان شہر کا بندوبست کرنے کے بعد اپنے بھائی سردار ابوالحسن کو معاونت کیلئے بم کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک سال تک معاملہ اسی طرح جاری رہا۔ اور حضرت امام حسن علی شاہؒ بم اور نرماشیر کو فتح کر کے چند مدت تک وہاں مقیم رہے۔ اور وہاں کا کامل انتظام کرنے کے بعد شاہی محصول اور جنگ کی تمام مفصل کیفیت شاہی دربار میں بیان کرنے کے لئے مرزا علی رضا کو طہران بھیجا۔ طہران میں آ کر اس نے بادشاہ کے سامنے یہ تمام کیفیت بیان کی۔ حضرت امام حسن علی شاہؒ کے جواب کے منتظر تھے کہ اتنے میں کسی درویش کا

خط انھیں دستیاب ہوا جس میں لکھا تھا کہ ایرانی سلطنت کے رنگ ڈھنگ اور وضع کیسے نرالے ہوتے ہیں یہ تمہیں معلوم ہے ایک وزیر کے زمانہ میں جو کاروبار ہوتا ہے وہ دوسرے وزیر کے زمانے میں برعکس ہو جاتا ہے آپ کے معاملہ میں بھی اگر ایسا ہی وقوع میں آوے تو کچھ تعجب کی بات نہیں سلطنت پر تو آپ کا بڑا احسان ہے۔ اور اس کا معاوضہ معمولی طور سے ادا نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو رد کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں اس خط کے آخری حصہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی مفصل کیفیت فرستادہ قاصد سے معلوم ہوگی۔

حاجی زین العابدین نعمت اللہ شاہی کا عروج و زوال

فتح علی شاہ کی زندگی میں ایران میں نعمت اللہ شاہی فرقہ کی تبلیغ کرنے والے حاجی زین العابدین شروانی خود مرشد ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اس نے حکومت کے رسوں کی نسبت بہت سے شاہزادوں کے لئے پیشین گوئیاں کی تھی۔

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت کے محمد شاہ قاچار کی بھی پیشین گوئی اسی طرح اس نے کی تھی اس لئے بادشاہ اس پر اعتماد کر کے اس کا مرید بن گیا تھا۔ شاہ کا وزیر حاجی مرزا آقاسی بھی نعمت اللہ شاہی تھا جس کے سبب سے حاجی زین العابدین شروانی کے سکھائے ہوئے کئی وردو وظائف بادشاہ پڑھتا تھا اس طرح حاجی زین العابدین شروانی کا اثر یہاں تک بڑھ گیا کہ اس نے محمد شاہ کے دربار میں آمدورفت شروع کر دی اور اس کے بعد تو وہ نہایت زبردست خوش نصیب آدمی ہو گیا تھا۔ محمد شاہ کے جد فتح علی شاہ کے زمانہ میں جب بدامنی پھیلی تھی تو اس وقت شروانی نے اپنے جان و مال کی حفاظت کے واسطے حضرت امام حسن علی شاہؑ کی متابعت طلب کرنے سے امامؑ نے اپنے آباد کردہ دولت آباد نامی گاؤں میں سے پناہ دی تھی۔ اور کئی سال کے بعد حسب معاملہ راہ راست پر آ گیا۔ تو اس وقت وہ طہران واپس گیا۔ اس کے بعد وہ امام حسن علی شاہؑ کا دوست ہو گیا تھا۔ اور سلسلہ دوستی کو جاری رکھا تھا۔ ایک مرتبہ شاہی سواری جرجان کی سرحد پر آتے ہوئے ایران کے شاہ نے حاجی زین العابدین شروانی

کے یہاں مقام کیا اس اثنا میں تنہائی کا موقع ملتے ہی اس نے بادشاہ سے کہا کہ " میں آغا خاں جیسے مرید رکھتا ہوں جس کے مریدین اکثر شہروں میں ہیں - حاجی زین العابدین اس بات سے شاہ کے اوپر اپنا تسلط جمانا چاہتا تھا - مگر صحیح بات تو کچھ اور تھی -

حضرت امام حسن علی شاہ ایرانی بادشاہ کے کھانے کے لئے پانچسو تومان اور وزیر مرزا کے کھانیکے لئے ایکسو تومان ماہانہ نوازش کرتے تھے ایک مرتبہ ۶ ماہ کی رقم شاہ رخ خاں نے اپنے حضوری کی معرفت جرجان میں حاجی زین العابدین کے ذریعہ بھیجی در شاہ اور وزیر کو یہ توم بھجوا دینے کی اس میں سفارش کی مگر اس نے اتنیں سیاسی امور میں خلل اندازی کرتے تھے اس سبب اس رقم کو روک کر اپنے پاس رکھ لیا اور وزیر مرزا آکاشی کو اپنا آلہ کار بنا کر اپنی مطلب برآوری کے لئے اس کو استعمال کرنے کا ارادہ کیا - اور اس کے مطابق وزیر اور امرا کے ساتھ شامل ہو کر ایک دستاویز حاجی زین العابدین نے تیار کرا کے وزیر کی معرفت شاہی حضور میں پہنچایا - جسکو پڑھ کر ایران کے بادشاہ نے حاجی زین العابدین کو واپس بھیجنے کے لئے وزیر کو سونپا - جس نے وزیر خارجہ مرزا مسعود کے ساتھ ضیا سلطنت کی شادی کا اشارہ نہ ہونے کا طنز کیا - اور حاجی زین العابدین کی تمام سازشیں تشت از بام ہو جانے کی وجہ سے اس کو دربار سے خارج کرنے میں آیا تھا - جبکی سواری کے لئے سلطنت نے ایک سو گھوڑے عنایت کئے تھے مگر اس وقت وہ بالکل محتاج کے طور پر جنگل میں بھٹکنے لگا تھا -

ہرات کو فتح کرنے کیلئے امام کی درخواست

حاجی زین العابدین نعمت اللہ شاہ کے مرید حضرت امام حسن علی شاہ ہیں اس بات کو وزیر مرزا آکاشی نے صحیح سمجھا - کیونکہ اس نے دستر خوان کے وظائف بھیجے تھے فقط یہی بات وزیر کے اطمینان کے لئے کافی تھی - اس لئے اس کے دل میں حضرت امام حسن علی شاہ کے طرف سے عناد پیدا ہو گیا - ایک مرتبہ محمد شاہ قاچار جرجان سے ہرات پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کی خبر حضرت امام حسن علی شاہ کو ..... ہوتے ہی بادشاہ کو خط لکھا کہ آپ کے پیر میں شدت درد کی وجہ سے تشویش ہوئی

ہے اور سفر میں اس وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اگر ہرات فتح کرنے کے لئے مجھے پانچ دستے فوج سونپے جائیں تو میں فتح کر کے آپ کو سونپ دوں گا۔

وزیر مرزا آکاشی کا عناد اور سہراب خاں کی چڑھائی

حضرت امام حسن علی شاہؑ کا ایسا سعید ارادہ دیکھ کر ایران کا بادشاہ محمد شاہ بہت خوش ہوا اور ایک دن جبکہ دربار میں رسم سلامی جاری تھی بادشاہ نے علانیہ ظاہر کر دیا کہ اگر آغا خان جیسا ایک بھائی میرے پاس ہوتا تو نہایت چین سے فتح کے نشان لہرایا کرتا اور بہت آرام سے زندگی بسر کرتا۔"

اس واقعہ کے بعد وزیر مرزا آکاشی کو اپنی وزارت کے چلے جانے کا خوف پیدا ہوا۔ اس سبب سے وہ حضرت امام حسن علی شاہؑ کا کانٹا درمیان سے نکالنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہا۔ امامؑ کے ساتھ شاہ کو اتحاد و مودت ہونے سے کسی قوی اور مضبوط ثبوت بغیر وزیر کے لئے کچھ بھی کرنا ممکن نہ تھا اس نے اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جد و جہد شروع کی۔ حضرت امام شاہ حسن علی شاہؑ کی طرف سے شاہی دربار میں مرزا علی رضا آئے ہوئے تھے وزیر نے اس کے کان بھر کر اپنا آلۂ کار بنا دیا۔ اور شاہ کے پاس چغلی کرنے میں وہ کامیاب ہو گیا اس نے بادشاہ کے دل میں یہ جما دیا کہ امام حسن علی شاہؑ کو صرف کرمان کی حکومت ہی نہیں چاہئے بلکہ ایران اور توران کی سلطنت بھی اپنے تحت تصرف میں لانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے اس تراشی ہوئی بات کو سچ سمجھ کر سہراب خان کی سرداری میں کرمان لشکر روانہ ہوا۔ اس کی اطلاع حضرت امام حسن علی شاہؑ کو بم میں معلوم ہوئی مگر اس خیال سے کہ بلوچ شہر کو تباہ و برباد کریں گے لہٰذا سہراب خاں سے کرمان میں جا کر ملاقات نہ کر سکے اور قاصدوں کے ذریعہ خط بھیج کر اس خیال کا اظہار کر دیا مگر اس کا کچھ خاطر خواہ انجام نہیں آیا۔ بعد سہراب خاں کے بم پر حملہ آور ہونے کی خبر سنی۔ امامؑ نے اپنے بھائی سردار ابو الحسن خاں کو بلوچستان سے اور دوسرے بھائی سردار محمد باقر خاں کو شور سے طلب کر لیا۔ اور باوجود اس کے جنگ کا ارادہ بالکل نہ تھا مگر سردار محمد باقر خاں کو شاہی لشکر نے راستہ میں گھیر کر گرفتار کر لیا۔ حضرت امام حسن علی شاہؑ کے بھتیجے محمد باقر

جنہیں کرمان کی نیابت سونپی گئی تھی انہیں بھی لشکر نے قید کر لیا۔ بعد ازاں سہراب خاں نے شاہی لشکر کے ساتھ بم کا محاصرہ کیا۔ دشمنوں کے ایسے فاسد خیالات سے مطلع ہو کر امامؑ نے اپنی حفاظت کیلئے قلعہ کے دروازوں کو بند کر لیا۔ محاصرہ چودہ ماہ تک رہا حضرت امام حسن علی شاہؑ کی یہ خواہش تھی کہ مجھ پر جو الزام عائد کیا گیا ہے اسے دُور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً بادشاہی دربار میں یا ایران کی سرحد کو چھوڑ کر دوسری کسی جگہ پر چلے جانے کے لئے مطالبہ کرتے تھے مگر سہراب خاں کسی مطالبہ کو منظور کرنے سے صاف انکار کرتا رہا حضرت امام حسن علی شاہؑ اگر چاہتے تو سہراب خاں کے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے مگر بادشاہ کی محبت کی وجہ سے آپ اس سے باز رہتے تھے اور دوسری بات یہ تھی کہ جن لوگوں کے ذریعے یہ الزام آپ پر عائد ہوا تھا۔ ایسا کرنے سے ان لوگوں کی کامیابی ہوگی۔ وہ لوگ اپنے مطالب میں پوری طرح ان پر فتح پائیں گے اس لئے آپ نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیا تھا۔ حضرت امام حسن علی شاہؑ نے اس معاملہ کو درست کرنے کے لئے شیراز کے گورنر جنرل نواب فریدوں مرزا کے پاس اپنے بھائی سردار کو بھیج کر اطلاع دی کہ اگر ہمیں فارس جانے کا موقع ملے تو ہم تمام کیفیت بادشاہ کے سامنے بیان کریں گے۔

وزیر آقا کاشی کا اظہار افسوس

شیراز کے گورنر نے ایران کے بادشاہ کے بھتیجے محمد صادق خاں کو امامؑ کے پاس بھیجا۔ صادق خاں بم کے قریب پہنچتے ہی عباس قلی خاں کے ساتھ مشورہ کر کے قلعہ میں داخل ہوئے اور حضرت امام حسن علی شاہؑ کی ملاقات کرنے کے بعد کہا اگر آپ اپنے خاندان کے ساتھ ایران چھوڑ دیں تو کسی طرح کی کوئی حرکت نہ کی جائیگی۔

یہ سُنکر حضرت امام حسن علیشاہؑ نے قلعہ کو خالی کرنے کی تیاری کی اور اسمٰعیلی لشکر باہر نکلنے لگا مگر شاہی عملداروں نے اپنے قول کی پابندی نہ کی بلکہ خلاف ورزی کی اور اسمٰعیلی لشکر کو پکڑ کر ان کا مال و اسباب لوٹ لیا اور بعد ازاں رات کے وقت انہیں کرمان لے گئے۔ یہ خبر ہرات میں ملتے ہی حاجی زین العابدین نعمت اللہ شاہی کے معاون نواب محمد رضا مرزا نے وزیر اعظم مرزا آقا کاشی کو دسترخوان کے رتم کی صحیح

بات بتائی۔ اور اس کو سن کر اپنے غیر منصفانہ طرز عمل پر اسے نہایت افسوس ہوا۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آٹھ مہینہ تک شاہی لشکر کی نگرانی میں رہے اس اثنا میں شاہی سواری عراق سے طہران آئی۔ گورنر جنرل محمد مرزا نے تمام بات کہہ دی اور حضرت امام حسن علی شاہؒ طلب کئے گئے۔ وزیر اعظم مرزا آقاسی بھی امامؑ کو بالکل بے قصور ماننے لگا۔ طہران میں امام حسن علیشاہؒ کے پہنچتے ہی ان کے ساتھ نہایت احترام سے سلوک کیا گیا۔ تاہم کرمان میں جو ناشائستہ سلوک کیا گیا تھا اور کرمان کے بارہ میں جو قول و قرار ہوئے تھے اس کی نسبت کسی طرح کا تذکرہ ہوئے بغیر آپ کو نہایت عزت سے وہاں سے رخصت کیا گیا۔

حاجی عبدالمحمد محلاتی کی چغلخوری اور اسمٰعیلی لشکر میدان جنگ میں

حضرت امام حسن علیشاہؒ نے طہران سے روانہ ہوکر تبدیل آب و ہوا کے لئے چند روز قم میں مقام کیا۔ بعد ازاں اپنے وطن محلات میں سکونت اختیار کی اور اس سکونت کے درمیان امامؑ نے حاجی عبدالمحمد محلاتی کی ملاقات وزیر اعظم سے کرادی اور وہ وزیر کا محبوب اور گہرا دوست بن گیا وزیر کی وجہ سے محمد شاہ قاچار بھی اس پر اعتماد رکھتا تھا۔ اس باعث اب وہ شاہی دربار کا ایک مشہور رکن ہوگیا۔ مگر باطن میں اس کے اخلاق و عادات ٹھیک نہ تھے۔ کیونکہ حضرت امام حسن علی شاہؒ کے خاندان کے ساتھ قرابت قائم کرنے کا اسکا ارادہ تھا۔ لہٰذا وہ محلات میں کچھ عرصہ تک رہنے کے لئے طہران سے آیا۔ مگر چونکہ وہ سفلی درجہ کا تھا اس لئے اس کی یہ اُمید بر نہ آئی۔ اور وہ نا اُمید ہوکر واپس طہران چلا گیا۔ اسی باعث اس کے دل میں آپ کے لئے عناد کی آگ بھڑکنے لگی۔ موقع ملتے ہی اس نے ایران کے بادشاہ محمد شاہ قاچار سے یہ کہا کہ حضرت آغا خان بہت لشکر جمع کر رہے ہیں یہ میرا چشم دید واقعہ ہے اور چند عرصہ میں یہ افواہ تمام ایران میں منتشر ہوگئی حقیقت واقعہ کی تحقیقات کے لئے ایران کا بادشاہ خود محلات کی طرف روانہ ہوا۔ پانچ فرسنگ کے فاصلہ پر ایک مقام میں اپنی چھاؤنی ڈالی اور وہاں سے تنہا سوار ہوکر محلات سے صرف ایک فرسنگ کے فاصلہ پر آب گرم مقام میں انتظار کرتا رہا چونکہ حضرت امام حسن علی شاہؒ اس زمانہ میں شکار کو گئے ہوئے تھے اس لئے

بادشاہ وہاں تین دن تک منتظر رہ کر دلیجان واپس ہوا شکار سے واپس آنے کے بعد حضرت امام حسن علی شاہؑ نے وزیر اعظم آکاشی کو طہران میں خط لکھ کر اطلاع دی کہ اگر ہمیں ایران میں رہنے دینا منظور نہ ہو تو اس کی سرحد چھوڑ کر ہمیں چلے جانے دو۔ اس کے جواب میں وزیر نے لکھا کہ "تمہارا کتنا لشکر ہے اور کیا ارادہ رکھتے ہو ان سب کی مجھے اطلاع ہے مگر آپ جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو" ۱۲۵۶ھ میں چوتھی رجب کو امامؑ اپنے قبیلہ کے اہل کو کربلا کی طرف روانہ کیا اور خود اپنے بھائی بھتیجوں کے ساتھ ملک جانے کی تیاری کی روانگی کے قبل سلطنت کی طرف سے حکم نافذ کر دیا گیا تھا کہ انہیں راستہ میں سامان خورد و نوش نہ دیا جائے اس سے سلطنت کی علانیہ عداوت امامؑ پر ظاہر ہو گئی تھی اور نتیجہ بھی ایسا ہی ہوا انہوں نے جیسے ہی کرمان چھوڑ کر رات کو یزد کی سرحد میں مقام کیا کہ شاہی لشکر نے ان پر شب خون مارا اور بندوقوں کی آوازیں آنے لگی۔ جنگ کرنے کے بجائے صرف صلح کی خاطر امامؑ نے وہاں سے کوچ کر کے یزد کے شہر کے گاؤں کے قریب آکے شہر کے ..... باہر چھاؤنی ڈالی۔ وہاں بھی امامؑ کے آمد کی خبر سنتے ہی انہیں گرفتار کرنے کے ارادہ سے فوراً ایک ہزار گھوڑے سوار لشکر اور دو ہزار پیدل سپاہی لیکر قاجاری گورنر بہمن مرزا ایزد میں داخل ہوا مگر اس کا مطلب پورا نہ ہوا تا قافلہ نے قاجاری لشکر کا مقابلہ کر کے آدھ گھنٹہ تک لڑائی کی بعد ازاں امامؑ کے لشکر نے قلعہ فتح کر لیا۔ کئی شاہی سپاہیوں کو امامؑ نے قید کر لیا۔ اور صبح ہوتے ہی انہیں رہا کر دیا بعد ازاں امامؑ نے قالبند جاکر وہاں کے قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر باغیچہ والوں سے گراں قیمت پر سامان خورد و نوش خریدا۔ امامؑ نے خود نشیبی حصہ میں کھڑے رہ کر سامنے بلندی پر تمام جنگل میں شاہی لشکر بھرا ہوا دیکھا سردار محمد باقر خاں تحقیقات کے لئے گئے۔ اور ان کے شاہی لشکر کے سردار سے ملاقات کرنے کے قبل لشکر نے توپ اور بندوق چلانا شروع کر دیا معاملہ کو یہاں تک پہنچتے ہوئے دیکھ کر امامؑ نے اپنے دوسرے برادر ابوالحسن خاں کی سرداری میں شاہی لشکر کا مقابلہ کیا۔ شاہی لشکر چار ہزار آدمیوں سے مرتب تھا سردار ابوالحسنؒ نے نہایت بہادری سے ان پر حملہ کیا۔ شاہی لشکر بھاگ گیا۔ اس حملہ میں سردار نے پانچسو لشکریوں کو قید کیا دو سو گھوڑے اور اونٹ ہاتھ آئے میدان جنگ میں جو تھوڑے بہت لشکری رہ گئے تھے ان کا محاصرہ کیا گیا۔ شام ہوتے ہوتے ہاتھوں ہاتھ لڑائی شروع ہوئی اور آخری تمام شاہی لشکر نے متابعت کی

جن کو حضرت امامؑ نے آزادی بخشی اور ان کا سامان خوراک بھی انہیں واپس کر دیا اس جنگ میں حضرت امام حسن علی شاہؒ کے لشکر میں سے نصراللہ خاں عطا الٰہی اور دوسرے چار غلام مارے گئے تھے۔

بابک کی طرف کوچ اور بابک کے قلعہ کا محاصرہ

اسی اثنا میں وزیر اعظم آکاشی کا بھتیجا اور دستاب کا گورنر علی محمد خاں مرزا حسن آپہنچا اور شاہی لشکر کی ابتر حالت دیکھ کر مغموم ہوا۔ مگر اس درمیان میں تو اسمٰعیلی لشکر بہت آگے کوچ کر گیا تھا۔ حضرت امام حسن علی شاہؒ صبح ہوتے ہی ایک کنویں کے قریب مقام کیا۔ اور اپنے ایک حضوری مرزا عبدالغنی کو انار نامی گاؤں سے سامان خورد و نوش خرید کرنے کے لئے روانہ کیا۔ یہ شخص سامان خرید کر واپس آرہا تھا کہ شاہی لشکر نے راستہ میں تمام اسباب اس کا لوٹ لیا اس مٹھ بھیڑ میں چند اسمٰعیلی سوار قتل ہو گئے۔ حضرت امام حسن علی شاہؒ کو دشمنوں کی اس ناشائستہ حرکت کی خبر ہوئی تو ان کے اس فتنہ انگیز کام پر حقارت کا اظہار کیا اور اپنے سفر کا راستہ بدل کر اپنے بزرگوں کا آباد کردہ بابک شہر کی طرف کوچ کیا۔ بابک کے قریب آتے ہی قندھاری سردار کندل خاں۔ خدا رحم خاں اور مہر دل خاں نے قلعہ کے دروازوں کو بند کر لیا۔ بایں ہمہ کہ اس وقت وہ لوگ تمام امامؑ کے ملکیت کے گھروں میں رہتے تھے اور قلعہ کے برجیوں سے ان نمک حرام سرداروں نے اسمٰعیلی لشکر پر گولیاں چلانی شروع کیں یہ حالت دیکھ کر قلعہ پر محاصرہ کرنے کا حکم امام حسن علی شاہؒ نے نافذ کیا۔ تین دن کے محاصرہ بعد قندھاری سردار بیزار ہو گئے اور سردار کندل خاں نے کہلا بھیجا کہ میرا اسمٰعیلیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ نہیں ہے شاہی لشکر نے مجھے اور میرے فرزند عمر خاں کو آپ کا راستہ روکنے کے لئے حکم دیا تھا اس لئے مجھے یہ ناگوار فرض بجا لانا پڑا۔ شہر اور گھر بار آپ کا ہے۔ ہمیں مہمان سمجھ کر یہاں اگر رہنے دو گے اور محاصرہ اٹھا لو گے تو آپ کا بڑا احسان ہوگا۔

شرجان کی لڑائی اور اسمٰعیلیوں کی شجاعت

اس کے بعد محاصرہ فی الفور اٹھا لیا گیا۔ سردار محمد باقر خاں کے ساتھ مرزا اسحاق آغا محمد باقر اناری۔ خان بابا خاں۔ عباس قلی خاں اور دوسرے کئی سواروں کو حضرت امام حسن علی شاہؑ نے شرجان کی طرف سامان سفر خریدنے کے لئے بھیجا۔ اور اپنے خاندان کے ساتھ رُوم کا راستہ لیا۔ چار دن کے بعد سردار محمد باقر خاں کی طرف سے قاصد آیا کہ قاچاری سردار فضل علی نے پانچ دستے پیدل اور توپخانہ پانچ رسالے کے ساتھ ہمیں گھیر لیا ہے۔ لہٰذا جلد امداد روانہ کرو۔

حضرت امامؑ نے اپنے قبیلہ کو راستہ میں چھوڑ کر سردار اور لشکر کے ساتھ سردار محمد باقر خاں کی امداد کو روانہ ہوئے اور صبح ہوتے ہی شرجان کے زند آباد قلعہ کے قریب شاہی لشکر کے مقابلہ میں آ کھڑے ہوئے۔ دونوں فریق کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ اور باوجودیکہ ایسی دور و دراز سفر سے تھکا ہوا تھا تاہم اسمٰعیلی لشکر نے اس بہادری سے جنگ کی کہ شاہی لشکر کو ہزیمت ہوئی اس موقع کو دیکھتے ہی سردار محمد باقر خاں قلعہ سے باہر نکل آیا اور اسمٰعیلی لشکر کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس جنگ میں امامؑ کے بھتیجے محمد جعفر خاں اور دوسرے کئی لشکری مارے گئے مگر اسمٰعیلیوں کو محاصرہ سے باہر لانے کا مطلب جب تمام ہو گیا تو لشکر نے آگے کوچ کرنا شروع کیا۔ شاہی لشکر نے ان کا تعاقب کیا۔ مگر اس میں انہیں ناکامی ہوئی۔ اس لئے وہ واپس پھر گئے

فضل علیخاں گشش گوئی کی جہان نوازی اور سوغاں میں قیام

راستہ میں ایک قلعہ آنے سے وہاں انہوں نے منزل کی۔ سامان خوراک اور دوسری اشیاء لینے کے لئے اپنے آدمیوں کو قلعہ کی طرف بھیجا مگر قلعہ والوں نے دروازہ بند کر لیا اور اس کہنے کے باوجود کہ ہم زر دے کر مال خریدنے آئے ہیں انہوں نے نہیں مانا۔ آخر اسمٰعیلیوں نے لڑ کر قلعہ پر قبضہ کیا اس مٹھ بھیڑ میں زخم رسیدہ آدمیوں کو راحت ملنے کے خیال سے راستہ بدل کر فارس کی طرف اسمٰعیلی لشکر نے

کوچ کیا۔ یہاں حاجی فضل علی گیشگوئی نے اسمٰعیلیوں کا استقبال کیا اور قلعہ میں لے گیا۔ چند روز وہاں آرام کیا اور بعد۔۔۔ زخمیوں کو معالجہ کے لئے بندر عباس بھجوا دیا۔

بعدازاں حضرت امام حسن علی شاہؒ نے سوغان کی طرف کوچ کیا اتنے میں خبر ملی کہ قلعدار حیدر خاں نے قلعہ کی ناکہ بندی کرکے راستہ روک رکھا ہے۔ اسمٰعیلی لشکر اس پر ایک دم ٹوٹ پڑا اور سوغان کا قلعہ فتح کرلیا بعدازاں انھوں نے قلعدار حیدر خاں و اس کے ہمراہیوں کو معافی دے کر خوش کیا۔ حضرت امام حسن علی شاہؒ کو سامان خوراک نہ دینے کا حکم ہونے کے باوجود بھی ان کو ضروری اشیا ملتی رہتی تھی۔ سوغان سے کوچ کرنے کے آگے سردار سفید خاں بلوچ رودباری کی طرف سے کئی سواروں نے آکر اپنے شہر تک امام کے ساتھ چلنے کی خواہش کی۔ بعدازاں امام نے بہینوں تک سفر جاری رکھا۔

شاہی لشکر سے جنگ اور اسمٰعیلیوں کی فتح

آگے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسن علی شاہؒ نے اپنے قبیلہ کو جنگل میں چھوڑا تھا۔ ان کا مال اسباب فضل علی خاں نے لوٹ لیا تھا اس لئے بندر عباس سے مال منگا کر فارس کے علاقہ میں رودبار جانے کے راستہ میں قریب کے نرگس باغ کے احاطہ میں لکڑیوں کے مکان بنا کر تمام قبیلہ والوں کو جمع کرکے امام وہاں رہنے لگے مگر یہاں کا قیام چنداں موافق نہ آنے سے اپنے اہل قبیلہ کو پہاڑی شہروں کی طرف روانہ کردیا۔

۱۲۵۷ھ میں دو توپ کے رسالے دستیاب کرکے حضرت امام حسن علی شاہؒ دشمنوں کے درمیان سے گذرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اتنے میں ایسی خبر ملی کہ کرمان کے بیلربیگ (گورنر) فضل علی خاں کی معاونت کو علی خان لاری کرمان میں آپہنچا ہے جس سے ذرا توقف ہوا۔ تاہم دستاب فتح کرنے کے لئے سردار ابوالحسن خاں کو ایک سو سواروں کے ساتھ امام نے روانہ کیا۔ دستاب کی فتح کی خبر ملتے ہی حضرت امام اسفندیار خاں کی طرف روانہ ہوئے۔ جسکی خبر سنتے ہی فتح علی خاں وہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے قلعہ کے پاس ایک باغ میں مقام کیا۔ اور فتح علی خاں کو سمجھا کر اسے اپنے پاس لانے کے لئے امامؑ نے

آدمیوں کو روانہ کیا۔ ویسے ہی خبر ملی کہ فتح علی کا بھائی اسفندیار خاں چار ہزار سوار اور پیدل کے ساتھ دستاب پر حملہ کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ اس بات کو سنتے ہی امامؑ۔۔۔ اپنے بھائی کی معاونت کے لئے روانہ ہوئے۔ اسفندیار نے اس وقت دربند نامی پہاڑی احاطہ میں قیام کیا تھا۔ اس جگہ جانے کا راستہ نہ تھا تاہم اسمٰعیلی لشکر کے دستے نے دشمنوں پر یکے بعد دیگر پانچ حملہ کر کے نہایت بہادری سے لڑے مگر چونکہ دشمن کا قیام ایک اونچے ٹیلے پر تھا۔ اس لئے نصر اللہ عطا الٰہی امام قلی خاں قاچاری اور دوسرے چھ سوار کل آٹھ آدمی مارے گئے اور سردار محمد باقر خاں سخت زخمی ہوئے اس پسپائی کے بعد اسمٰعیلی لشکر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ یہ لوگ صرف بتیس ۳۲ آدمی تھے۔ اور دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جنگ کے درمیان بادشاہ کے لشکر کے سردار اسفندیار خاں کو گولی لگنے سے گھوڑے سے گر پڑا۔ جس کو دیکھتے ہی پہاڑ کا شاہی لشکر اپنے مقام کی طرف بھاگ کر چھپ گیا اور اسمٰعیلیوں کے ہاتھ میں یہ ٹیلا آ گیا۔ جہاں انہوں نے اب خوب مورچہ بندی کی۔ کچھ عرصہ کے بعد توپ خانہ اور دوسرے لڑائی کے سامان کے ساتھ اسمٰعیلی لشکر بھی آ پہنچا نصف شب کو اسمٰعیلی لشکر نے توپ کے گولے چھوڑنے شروع کئے۔ اور شاہی لشکر اپنے زخمی سردار اسفندیار خاں کو لے کر بھاگ گیا۔ اس فراری کے درمیان کئی شاہی سردار قید کر لئے گئے اور بعد ازاں انہیں وہاں سے دستاب لے گئے۔ چونکہ وہ وطن کا تھا اس لئے ان سرداروں کو احترام کے ساتھ انعام دے کر حضرت امام حسن علی شاہؑ نے خوش کیا۔

دستاب کا شاہی عمل اور امام (علیہ السلام) مشیز میں

چند عرصہ کے بعد یہ خبر ملی کہ فارس کے لشکر کے ہمراہ علی خاں لاری دستاب کی طرف آ رہا ہے برنجان میں قاچاری سردار عبد اللہ خاں منزل کر کے پڑا ہوا تھا۔ وہ علی خان لاری کے لشکر سے آملے اس کے پہلے سردار محمد باقر خاں کی حفاظت کے لئے مرزا حسین خاں و سلیم خاں کو پچاس سوار دے کر اس جگہ روک کر۔ اسمٰعیلی لشکر نے قیدیوں کو ساتھ لیکر برنجان کی طرف کوچ کیا۔ اور قلعہ کے حدود میں داخل ہو کر پکڑے ہوئے سرداروں کو اسمٰعیلیوں نے اپنے لشکر کی سرداری دے کر پہاڑ کے الگ الگ جگہ پر مورچہ بندی کی۔

جنگ کا حکم ملنے تک ہر ایک سردار کو اپنا مورچہ سنبھالنے کا حکم تھا۔ حضرت امام حسن علی شاہؒ نے دوسرے لشکر کے ساتھ قلعہ کے سامنے مقام کیا۔ اور گھوڑے سوار اور پیدل لشکر کے حصے کر کے قلعہ کے تین طرف دھاوا کرانے کا حکم دیا۔ عبداللہ خاں بھی ان کے سامنے میدان جنگ میں مقابلہ کے لئے آیا فریقین کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی۔ شاہی لشکر توپ کے گولے اور بندوق چلا رہے تھے۔ پہاڑ کے اسمٰعیلی لشکر کو حکم ملتے ہی اسنے شاہی لشکر کی جانب توپ کے گولے برسائے اس اچانک حملہ سے دشمنوں کو بہت ذلت ہوئی بہت سے شاہی لشکری قید کئے گئے اور بہت سے قلعہ میں جاکر چھپ گئے۔

دوسرے صبح کو شاہی لشکر کے سردار عبداللہ خاں نے حضرت امام حسن علی شاہؒ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر جنگ بند کردی جائے تو آپ اور بادشاہ کے درمیان نہایت مفید صلح کے لئے آپ بھی اپنی کوشش فرمائینگے بعدازاں ایک دن رہ کر محمد علی بیگ فرغانی کو دستاب سے ایک قاصد کی حیثیت سے مرزا علی خاں لاری نے بھیجا۔ اس کے ساتھ قرآن شریف کا ایک نسخہ تھا جس کے صفحۂ اول پر مرزا علی خاں کی صحیح شدہ مہر تھی۔ اور جس میں لکھا تھا کہ میرے والد اپنا وطن ترک کر کے اپنے قبیلہ کے ساتھ آپکے ہاں پناہ گزیں ہوئے تھے اور اس زمانہ میں آپ نے پانچ سال تک ہماری خاطر تواضع کی تھی۔ میں اور میرا برادر نصیر خاں آپ ہی کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم آپ کے نمکخوار ہیں۔ آپ کے یہ تمام احسانات ہمارے مدنظر ہیں آپ مشیز تشریف لاکر بہیں زندگی بسر کریں۔ آپ پر سلطنت نے جو تہمتیں لگی ہیں ان کو دور کرنے کے لئے مجھ سے جتنا ممکن ہوگا اس میں دریغ نہ کروں گا۔ سابق کی طرح کرمان کی حکومت شاہی حکم سے آپکے اختیار میں سونپی جائیگی۔ اس تحریر کی نسبت آپکے اور میرے درمیان خدا تعالیٰ شاہد ہے۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ نے دوسرے دن مرزا احمد کو مرزا علی خاں لاری کے پاس بھیجا اور اس کے ہمراہ محمد علی بیگ کو دستاب کی طرف روانہ کیا۔ تاکہ وہاں جاکر امامؒ کے بھتیجے سید حسین خان کو ہمراہ لے کر مرزا علی خاں کے ساتھ دوبدو گفتگو کرے۔ دوسری طرف عبداللہ خاں کے ساتھ جو بندوبست ہوا تھا اس کے لحاظ سے امام مشیز کی طرف روانہ ہوئے۔

اس اثنا میں علی خاں لاری کے وہاں سید حسن خان اور مرزا احمد پہنچ گئے۔ دوسرے دن صبح کو

شاہی لشکر میں کوچ کا ڈنکا بجتا ہوا سُن کر مرزا احمد نے اس بے وقت لشکر کی تیاری کا سبب علی خاں لاری سے پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ "لشکر کوچ کر رہا ہے" مرزا احمد نے پھر بار دیگر سوال کیا کہ "کس طرف کوچ ہے" اس نے کہا کہ "دستاب کی طرف" مرزا احمد نے کہا کہ دستاب میں سردار محمد باقر خاں نے ایک بڑے اسمعیلی لشکر کے ساتھ چھاؤنی ڈالی ہے اور اُن کے جسم میں جہاں تک جان ہے وہاں تک وہ تمہیں راستہ نہیں دیں گے۔ فتح و شکست کس کے نصیب میں ہے وہ ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ مگر تمہارے قول و قرار اور رسول اللہ اور کلام اللہ کے حلف اور قسم کا کیا بھروسہ"۔ علی خاں نے کہا کہ "اس بارے میں مَیں کچھ نہیں کر سکتا۔ احمد بیگ یوزباشی اس سازش کا بانی ہے گفتگو اس رازی وضع پر ہونے سے احمد اس کے داؤ پیچ کو تاڑ گیا۔ علی خاں کے پاس ۶ ہزار اور احمد بیگ یوزباشی کے پاس ۶ ہزار کل جملہ بارہ ہزار شاہی لشکر تھا۔ توپ خانہ بھی ساتھ تھا اور یہاں دستاب میں سردار محمد باقر خاں کے ماتحت صرف پچاس اسمعیلی لشکر کا ایک دستہ تھا۔

علی خاں لاری نے مرزا احمد بیگ فرغانی کو ایک ہزار کا ایک لشکر دے کر آگے سے دستاب خالی کرانے کے لئے بھیجا تھا۔ یہاں آتے ہی سے خبر ملی کہ سردار محمد باقر خاں کی طبیعت ناساز ہونے سے وہ صاحب فراش ہو گئے تھے اور اسمعیلیوں میں مقابلہ کی تاب نہ تھی اس لئے دستاب خالی کر کے وہ لوگ مشیز کی طرف روانہ ہوئے اور دس دن کے سفر کے بعد سردار محمد باقر خاں دران کے ہمراہی مشیز آ پہنچے حضرت امام حسن علی شاہؑ نے ان کو دستاب خالی کرنے کا حکم فرمایا۔ مرزا احمد نے کہا کہ علی خاں کے دل میں دغا ہونے کے باعث ایسا کرنا لازمی ہوا۔ اور پیچھے سے یہ بات صحیح بھی ثابت ہوئی۔ بم کے لڑائی میں توپ کے گولے سے ایک پاؤں گم کردہ زلف علی نے راستہ میں دو سوار دیکھے تلاشی لی تو ان کے پاس کاغذات نکل آئے ان دونوں کو امامؑ کے حضور میں کھڑا کیا۔ ان خطوں کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ احمد بیگ یوزباشی اور علی خاں لاری نے جنرل فضل علی خاں کو خبر دی تھی کہ حضرت امام حسن علی شاہؑ کو اور ان کے لشکر کو ہم نے مشیز میں روک رکھا ہے۔ عبداللہ خاں اور قندھار کے سردار لشکروں کے ساتھ وہاں جمع ہوں ایسی تم تجویز رکھنا۔ ہم مشیز سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر اپنا قافلہ اتار دیں گے اور پھر تین طرف سے محاصرہ کر کے ایک ہی وقت میں حملہ کریں گے۔

پھر بم کے قلعہ میں

یہ اطلاع بروقت ملتے ہی حضرت امام حسن علی شاہ نے رات کا کھانا نوش کرنے کے بعد اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بم پہنچکر مضبوط قلعہ بندی کا ارادہ تھا اور بم کے قلعہ سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ہی مرزا ابوالحسن خاں نے پچاس سواروں کے ساتھ آگے جاکر قلعہ فتح کر لیا تھا۔

بم۔ نرماشیر کا علاقہ ۸۰ میل طویل اور ۴۸ میل عریض ہے اس کے جنوبی جانب پہاڑوں کی ایک قطار ہے جن کی چوٹیاں ہر وقت برف سے ڈھکی ہوئی رہتی ہیں اس علاقہ کی زمین کے اثر سے پھل پھول اور میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں سے بہتے ہوئے پانی کے آب شائے شہروں کی نہایت عمدگی سے آبپاشی کرتے ہیں اس علاقہ کے پایہ تخت بم کے ماسوا کروک۔ ریگان اور دوسرے شہر بھی اس سے وابستہ ہیں۔ شہر کے چاروں طرف مٹی کی دیواریں ہیں اور بلوچیوں کے لوٹ مار کے ڈر سے گاؤں کے چوپایوں کو رات کے وقت اندر رکھا جاتا ہے۔

بم کے قلعہ کی دیواریں اونچی ہیں اور اس کے اطراف میں کوٹھے تعمیر کئے گئے ہیں اور قلعہ کے ہر چہار طرف خندقیں کھودی گئی ہیں اس کا دروازہ صرف ایک ہے قلعہ کی دیوار کے باہر بازار ہے جہاں ودعہ کھجور اور دوسرے متعدد اقسام کے میوہ جات مل سکتے ہیں۔ نرماشیر کا یہ حصہ نہایت زرخیز ہونے کے باعث کسان نہایت جوش سے کھیتی کرتے ہیں اس کے چاروں طرف ویران جنگل اور پہاڑ واقع ہیں۔

راگان قلعہ کی فتح

مرزا ابوالحسن خاں نے بم کا قلعہ فتح کرنے کے بعد جب تمام بندوبست ہوگیا تو حضرت امام حسن علی شاہ بھی قلعہ میں آپہونچے۔ بم کے قلعہ کا پہاڑی مرکز ایرانی اور عرب توپچیوں کے ہاتھ میں رہنے سے نہایت مضبوط تھی حضرت امام حسن علی شاہ بم میں بائیس دن تک مقیم رہے اس اثنا میں یہ خبر ملی کہ دو فرسنگ کے فاصلہ پر چوبیس ہزار کا ایک شاہی لشکر چھاؤنی ڈال کر پڑا ہے اور اسمٰعیلی لشکر کی تعداد نہایت قلیل تھی اس لئے نرماشیر کی طرف کوچ کیا۔ نرماشیر میں بھی بہت سے قلعے واقع ہیں جن میں سب سے بڑا راگان کا قلعہ ہے چونکہ اس قلعہ میں

بھی شاہی لشکر کثرت سے تھا اس لئے اسمٰعیلی لشکر اس میں داخل نہ ہو سکا باہر چھاؤنی ڈال کر لڑائی کی تیاری کی اور دوپہر کے بعد حملہ کر کے قلعہ فتح کر لیا اس حملہ میں چھ اسمٰعیلی لشکری مارے گئے اور کئی زخمی ہوئے اس واقعہ کے بعد سردار محمد باقر خاں کو بلوچ آزاد خاں کے پاس روانہ کر دیا گیا۔

جنگ گریز

حضرت امام حسن علی شاہؑ کا مقابلہ کرنے کے لئے چودہ دن کے بعد شاہی لشکر آ پہنچا۔ آدھا فرسنگ آگے آ کر اسمٰعیلی لشکر نے مقابلہ کیا اور ایک تیر جہاں تک پہنچتا اتنے فاصلہ پر دونوں لشکر کے جمع ہونے سے مٹھ بھیڑ شروع ہوئی اور بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ حضرت امام حسن علی شاہؑ کے گھوڑے کو گولی لگنے سے وہ گر گیا اور اسمٰعیلی سپہ سالار سردار ابوالحسن خاں لڑائی میں علیحدہ ہو گئے۔ اسمٰعیلی لشکر بھی اس جنگ میں بہت سا قتل ہوا۔ اور صرف سات آدمیوں کے ساتھ امامؑ ہزاروں کا مقابلہ کر سکیں یہ ممکن نہ تھا اس لئے ایک جگہ پر مورچہ بندی کر کے لڑنے کے عوض موقع ملتے ہی حملہ کرنے کی جنگ گریز یا گریلا جنگ کی قسم جاری کی گئی اور شاہی لشکر کی صفوں کو وہ چیر کر نکل گئے۔

شام ہوتے ہی ایک ٹیکری پر حضرت امامؑ پہنچے جہاں سردار ابوالحسن خاں اور دوسرے سردار چھاؤنی ڈال کر پڑے تھے۔ وہاں اسمٰعیلیوں نے گھوڑے تبدیل کئے اور بعد ازاں اسمٰعیلی لشکر نے دو پہاڑوں کے درمیان کا ایسا تنگ راستہ حاصل کر لیا کہ شاہی لشکر ان کا تعاقب نہ کر سکے۔ اور دو فرسنگ پر اپنی چھاؤنی ڈالی۔ رات کو بارش خوب ہونے سے اسمٰعیلی لشکر اپنی حفاظت کیلئے منتشر ہو گیا۔ صبح میں ناشتہ کے وقت سب پھر جمع ہو گئے اور ایک دن بچے اور وسیع قلعہ کی حفاظت میں آ پہنچے۔ اس وقت دشمنوں کا لشکر ان کے تعاقب میں تھا۔

تنگ شامل کے گھاٹی میں

اسمٰعیلی لشکر آگے بڑھ کر تنگ شامل کے راستہ پر آ پہنچا۔ اس وقت انہوں نے سوچا کہ ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے بندر عباس کی راہ سے ہندوستان جانے کا امامؑ نے ارادہ کر لیا۔ شاہی فوج تنگ شامل کے راستہ سے باہر آ گیا تھا اور اب اسمٰعیلی لشکر اس میں داخل ہو چکا تھا۔ تنگ شامل کی گھاٹی کی لمبائی ۶ فرسنگ کے قریب تھی

اس کے دونوں سروں پر شاہی لشکر آراستہ ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں اسمٰعیلی لشکر کے لئے پریشانی ہوئی دوسرے طرف شاہی محافظین نے مہتاب اور بندر عباس کے راستوں کو بھی روک دیا تھا۔ آخر... تنگ شاہل کی گھاٹیوں میں پھنسے ہوئے اسمٰعیلیوں کا سامان خوراک بھی بالکل کم ہو گیا شام کا وقت ہو رہا تھا کہ نوری نامی ایک فقیر نے آکر امام کے حضور میں عرض کی کہ تمہیں جن اشیا کی ضرورت ہو وہ مجھ سے کہہ دو۔ میں لا دیتا ہوں ورضرورت کی تمام اشیاء کی ایک فہرست بنا کر اسے دی گئی نوری فقیر نے تمام اشیاء خچر پر لاد کر تھوڑے عرصہ میں حاضر کر دیں۔ اسمٰعیلی جب تک اس گھاٹی میں ہے تب تک یہ فقیر تمام اسباب بہم پہنچاتا رہا۔

ایک پیشین گوئی

حضرت امام حسن علی شاہؑ کے بھائی سردار ابوالحسن گھاٹی میں رہنے سے بالکل بیزار ہو گئے تھے انہوں نے عرض کی کہ "یا تو شاہی لشکر کا مقابلہ اپنے جانوں پر کھیل کر کے کرنا چاہیئے یا ہمیں نزدیک کے پہاڑوں میں منتشر ہو جانا چاہیئے اس کے سوا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے لہٰذا آپ جو حکم فرمائیں اس پر عمل کیا جائے۔

امامؑ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں بالکل مفید نہیں ہیں، تم ذرا صبر کرو۔ پرسوں کے روز دو سوار خط لیکر آئیں گے اُن کے آنے کے بعد ہم باہر نکلیں گے۔ ایک پیشین گوئی کے طور پر یہ بات کہی گئی تھی جس کو سُنکر سردار ابوالحسن اپنے خیمہ میں چلے گئے دو دن گذر جانے کے بعد ابوالحسن اپنے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں پکڑے ہوئے امام کے پاس آئے۔ ان کو دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا "تم ٹھیک وقت پر آئے ہو" پھر آپ نے ملی بیگ سے فرمایا کہ ذرا بلندی پر چڑھ کے دیکھو تو سہی کہ کوئی سوار آتے دکھائی دیتا ہے چند لمحہ نہ گزرے تھے کہ دو سوار آکر سامنے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے امامؑ کو خط دیا جس میں لکھا تھا کہ کرمان کے سردار اور دوسرے معززین نے جمع ہو کر ایسا ارادہ کیا ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو کر آپ کی معاونت کریں اور جنرل افضل علیخاں اور علیخاں لاری کے لشکر پر آپ کی سرداری میں ان پر حملہ کریں۔

کوبنان میں قیام

امامؑ نے کرمان کے سرداروں کی بات پر بھروسہ نہ کر کے گھاٹی چھوڑ کر ساتویں دن جرمج پہنچے۔ وہاں کئی روز رہ کر راول کی طرف گئے۔ علی رضا خان راولی نے اسمٰعیلی لشکر کو کوبنان میں چھاؤنی ڈالنے کے لئے اجازت دی۔

بعد ازاں سبھوں نے کوبنان میں جا کر قیام کیا۔ اس اثنا میں شاہی لشکر توپخانہ کے ساتھ طہران سے فضل علیخان کی معاونت پر یزد آ پہنچا۔ علی رضا خان راولی نے راول کی محافظت کے لئے تین ہزار کا شاہی لشکر جمع کر کے روانہ کرنے کا علی رضا خان راولی کو حکم دیا گیا

بعد ازاں ہر روز تھوڑا تھوڑا شاہی لشکر کوبنان میں آنے لگا۔ اس کو دیکھ کر سردار ابوالحسن نے کہا کہ اس بارے میں بھی فریب معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں یہ شک یقین کو پہنچنے لگا۔ جس سے اسمٰعیلی لشکر آگے کوچ کرنے لگا۔ دوسرے دن شام کو یزد کی سرحد میں آ پہنچا۔ مرزا علی رضا خان راولی کا قاصد ملا۔ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا اور ان کے چلے جانے پر افسوس ظاہر کرنے لگا۔ اس کی بات پر اعتماد کر کے امامؑ نے واپس کوبنان جانیکا ارادہ کیا۔ قاصد نے کہا کہ اگر تمہیں وہاں چلنے سے خوف معلوم ہوتا ہے تو آپ چاہے وہاں جا سکتے ہیں۔ اب یہاں اختلاف ہو گیا۔ سردار ابوالحسن کے ساتھ کئی سوار علیحدہ ہو گئے بعد ازاں امام حسن علی شاہؑ نے کوبنان کی طرف کوچ کیا۔ جہاں ایک رات رہ کر دوسرے دن صبح کو راول کے قلعہ میں پہنچے اور اس جگہ پر مرزا رضا علیخان راولی کے والد مرزا شفیع خان راولی نے نہایت عمدگی سے مہمان نوازی کی۔ اپنے نئے باغ میں آپ کے لئے سکونت کی جگہ دی یہاں اسمٰعیلی بہت دن تک آرام سے رہے۔ دس دن گذر جانے کے بعد سردار ابوالحسن خان صرف چار ہمراہیوں کے ساتھ کوبنان واپس آئے ان کے دوسرے ساتھی قید اور کئی مجروح ہو گئے تھے۔ ان تمام کو چھوڑ کر ان کو پھر یہاں واپس آنا پڑا۔

بعد ازاں امام حسن علی شاہؑ نے کوبنان سے کوچ کیا اور لوط کے لق ودق میدان میں داخل ہوئے یہ میدان ایران اور خراسان کے درمیان میں واقع ہے۔ کئی راہبر بھی قافلہ کے ساتھ تھے میدان

کے سفر کے درمیان پانی نہ ملنے سے کئی جانور پیاس کی شدت سے مر گئے۔ شام کے پہلے یہ قافلہ لوٹ کے میدان کو طے کرنے کے بعد نائب ولی ان سے بھیجا ہوا پانی لشکر کے لئے نئی زندگی کا باعث ہوا۔ جہاں سے وہ کائن کی طرف گئے۔

قندھار کے جانب سفر

حضرت امام حسن علی شاہؒ نے عبداللہ خاں کائن کے وہاں منزل کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر شاہی لشکر سے وہ خائف ہونیکی وجہ سے کائن کا راستہ بدل کر امام سرخیش کے طرف روانہ ہوئے۔ وہاں امیر عبداللہ خاں کائنی کی پھوپھی نے اسمٰعیلی قافلہ کی نہایت عمدگی سے مہمان نوازی کی۔ یہاں تھوڑے دن آرام کر کے اسمٰعیلی قافلہ قندھار گیا۔ افغان سرحد کے قریب آتے ہی اس شہر کے حاکم سردار پسند خاں کو امام حسن علی شاہؒ نے اپنے رسالہ کے ساتھ آمد کی اطلاع کروائی۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تم بارہ کوس دور رہو ہم وہاں آکر۔۔۔ تمہاری ملاقات کریں گے۔ یہ جواب چنداں مشکوک معلوم ہوا۔ مگر امامؑ نے کچھ بھی خوف کئے بغیر سردار پسند خاں کے اطلاع کے مطابق بارہ فرسنگ پر واقع شدہ اس کے ملکیت والے مکان میں مقام کیا۔ یہ مکان نہایت نفیس تھا۔ تمام ضروریات کی اشیاء اس مکان میں رکھی گئی تھیں۔

دوسرے دن سردار پسند خاں اپنے خویش و اقربا کے ساتھ نہایت دبدبہ و شوکت سے آکر امامؑ۔۔ اور تمام اسمٰعیلی قلعے پر جا کر مقیم ہوئے۔ بارہ دن تک ان مہمانوں کی خدمت ہونے کے بعد سردار پسند خاں نہیں جو وہیں وداع کرنے کے لئے ہمراہ رہا۔ اور بہت سے ھدایا اور سوغات پیش کیں اور اپنے ایک عملدار عبدالقادر خاں کو چند فاصلہ تک چھوڑ کر آنے کے لئے کہا۔ اسمٰعیلی قافلہ گرشک پر آتے ہی شاہزادہ محمد تیمور اور قندھار کے کلکٹر میجر رالنسن کو اپنے آمد کی خبر امام نے کہلا بھیجی۔ شہر سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر قندھار کے امراء اور سردار بڑے جلوس کے ساتھ آپکے استقبال کے لئے آئے۔ ۱۲۵۷ھ ستائیسویں ذی قعدہ کے روز حضرت امام حسن علیشاہؒ اپنے قافلہ کے ساتھ قندھار میں داخل ہوئے یہاں قیام کا نہایت عمدہ بندوبست کیا گیا تھا سلطنت کی طرف سے قلندر خاں مہمانوں کی مہمان نوازی کیلئے مقرر ہوا تھا

اس کی نگرانی میں تین دن تک مہمان نوازی جاری رہی۔

افغانستان کی پالیسی

حضرت امام حسن علی شاہؑ نے ایران کی تمام حقیقت شاہزادہ تیمور سے کہی۔ اس نے یہ تمام حقیقت لارڈ میکناٹن اور کابل کے امیر شاہ شجاع کو لکھ کر روانہ کی امامؑ نے بھی ایک خط لکھا اس خط کا جواب بھی نہایت مشفقانہ ملا۔ بعدازاں ایسا انتظام ہوا کہ برٹش لشکر کے معاونت سے ہرات کا قلعہ اسمٰعیلی فتح کریں یہ تجویز ابھی تو ابتدائی مرحلہ میں ہی زیرغور تھی کہ کابل میں بلوہ اٹھا۔ اور قندھار کے سردار بھی برٹش سے منحرف ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت امام حسن علی شاہؑ اور اسمٰعیلیوں نے برٹش کی مدد کی۔

اس واقعہ کے چند ایام بعد صفدر جنگ اور محمد عمر خاں بھی برٹش حکومت کے مخالف ہو گئے اور امراء و سرداروں نے اپنے صحیح امضاء کے ساتھ ایک درخواست امام حسن علی شاہؑ کے پاس روانہ کی۔ جس میں لکھا تھا کہ اس بلوہ میں وہ بھی اپنے کو شامل کریں مگر امامؑ نے بلوائیوں کو ذرا بھی سہارا نہ دیا۔

اس بلوہ کا انجام یہ ہوا۔ کہ کابل کا امیر شاہ شجاع بلوائیوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ بعدازاں برٹش سپہ سالار نے قندھار خالی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور تمام مال و اسباب جنگ وغیرہ جلا دیا گیا۔ شاہزادہ صفدر جنگ کو قندھار سونپ کر برٹش قافلہ شہر سے باہر نکل آیا۔ بعدازاں شاہزادہ کو مشورہ دینے کے لئے برٹش لشکر چھاؤنی ڈال کر باہر ٹھہرا رہا۔ چند ایام کے بعد برٹش سپہ سالار کابل چلا گیا۔ حضرت امام حسن علی شاہ نے قندھار میں شیر دل خاں کے یہاں منزل کی یہاں شاہزادہ صفدر جنگ اور دوسرے سردار امامؑ کی روزانہ ملاقات کیا کرتے تھے۔ سرحد کے اسمٰعیلی مرید بھی یہاں امامؑ کے حضور میں آتے تھے۔

سندھ کی جنگ اور سر چارلس نیپیر

بعدازاں مصلحت کی بنا پر سردار ابوالحسن خان کو قندھار کے شاہزادہ کے پاس چھوڑ کر حضرت امام حسن علی شاہؑ خود قندھار سے رخصت ہوئے راستہ میں افغان سردار سالو خاں کے مہمان ہوئے۔

اور تیسرے دن سیالکوٹ جا پہنچے۔ اس شہر کا حاکم نصیر خاں قلاتی تھا۔ اس کا نائب محمد حسین خاں اور دوسرے بڑے سرداران امامؑ کے استقبال کے لئے آئے۔ اور نہایت احترام سے شہر میں لے گئے۔ جہاں نہایت شاندار مہمان نوازی کی گئی۔ وہاں سے حضرت امام حسن علی شاہؑ بالو کے راستہ سے سندھ کی طرف اسمٰعیلی قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ اس زمانہ میں سر چارلس نیپئر اور میجر آؤٹ رام سندھ میں تھے۔ سندھ شہر میں پہنچنے کے بعد حضرت امام حسن علی شاہؑ کی میر نصیر خاں مرحوم نے نہایت عزت کی۔ میر اور انگریزوں کے درمیان سن مانہ میں تکرار جاری تھی۔ انگریز کراچی طلب کر رہے تھے۔ میر نصیر خاں اس بات کو منظور نہ کرتا تھا۔ اسی کے درمیان ... یہ خواہ پھیلی کہ جنرل چارلس نیپئر نے میر علی مراد خیر پوری کے ساتھ کچھ بند و بست کیا ہے جس سے معاملہ نہایت نازک ہو گیا حضرت امام حسن علی شاہؑ نے دونوں فریق کے درمیان صلح ہو جانے کے خیال سے ایسی تجویز کی کہ "میر نصیر خاں انگریزوں کو کراچی سونپ دے مگر اس کا تمام محصول میروں کو ملے۔" اس تجویز پر بھی بہت کچھ بحث و مباحثہ ہوا مگر کچھ انجام نہ ہوا۔ میر نصیر خاں نے انگریزوں سے لڑنے کے لئے حیدرآباد میں چھاؤنی ڈالی۔ مگر تاہم صلح کی گفت و شنید جاری رہی۔

آخر میر نصیر خاں نے ظاہر کر دیا کہ کل انگریز تالپوریوں کی تلوار کا مزہ چکھیں گے اور اس بابت صلح کے پیغام بند ہو گئے۔

مشہور تاریخی جھرکہ

دوسرے دن حضرت امام حسن علی شاہؑ حیدرآباد سے جھرکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چند ایام گزرنے کے بعد انگریزوں نے حیدرآباد پر قبضہ کیا اور اس واقعہ سے بلوچ سرداروں نے بلوہ کیا۔ بلوائیوں کا سردار شیر محمد خاں تھا حضرت امام حسن علی شاہؑ نے میر اور انگریزوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے نہایت کوشش کی اور میر شیر محمد خاں کو سمجھانے کے لئے ایک وفد بھیجا گیا۔ مگر اس وفد کے تمام رئیسوں کو ان بلوائیوں نے قتل کر دیا اور انگریزوں پر چڑھائی کی۔ جنرل سر چارلس نیپئر نے ان کا مقابلہ کیا امامؑ کے بھائی سردار محمد باقر خاں بھی ایک چھوٹے قافلے کے ساتھ اس کے ہمراہ گئے اس درمیان میں کراچی سے جھرکہ تک کے حدود کو بلوائیوں سے دور رکھنے کے لئے حضرت امام حسن علی شاہؑ کو تعین کیا گیا۔ اس زمانہ میں امامؑ بیس لشکریوں کے ساتھ جھرکہ میں تھے اور اسمٰعیلی جماعت کے دو ہزار آدمی بھی جھرکہ

میں آ گئے تھے۔

حضرت امام حسن علی شاہؑ ہندوستان میں تشریف لائے اس وقت جھرکہ کی بستی صرف تین سو آدمی کی تھی یہ گاؤں دریا سندھ کے کنارہ پر واقع ہے۔ حضرت امام حسن علی شاہؑ کے رہنے کا مقام اور دوسری اسمٰعیلی یادگاریں ابھی تک اس گاؤں میں موجود ہیں اس لئے اسمٰعیلی تاریخ میں جھرکہ شہر ایک مخصوص مقام شمار کیا جاتا تھا۔ سندھ میں پہلے پہل درخانہ (اسمٰعیلی مرکز) جھرکہ میں قائم کیا گیا۔ جھرکہ میں محلات نامی جگہ اسکی یادگار ہے یہ عمارت نہایت اعلیٰ شان کی پرانی کاریگری کے وضع پر بنائی گئی ہے اس زمانہ میں گاؤں میں سب عمارتوں سے اسکی شان نہایت اعلیٰ تھی۔

میر شیر محمد خاں نے چونکہ علم بغاوت اٹھایا تھا اس لحاظ سے سندھ اور بلوچستان کے سردار ہر طرف سے اس کی معاونت کو آپہنچے تھے اور اکثر ان میں سے میر شیر محمد خاں کے جانبدار تھے

لڑائی کی تیاری کامل ہونے کے بعد شیر محمد خاں نے جھرکہ پر پہلا حملہ کیا۔ دوسری جانب محمد خاں خٹک نے دو ہزار کے لشکر کے ساتھ نگر ٹھٹہ پر چڑھائی کی اور دس اسمٰعیلی لشکری مارے گئے جھرکہ میں بھی ستر اسمٰعیلیوں کو میروں نے قتل کیا۔ اس وقت امامؑ آرام میں تھے۔ مگر خلفشار ہونے سے چونک کر اٹھ گئے۔ اور فی الفور گھوڑے پر سوار ہوتے ہی دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اس وقت امامؑ کے جسم پر شب خوابی کے ایک سوتی پیراہن کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا اس حالت میں اس بہادری سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مخالفوں پر حملہ کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن قلعہ کی طرف فرار ہو گئے۔ ان کے تعاقب میں آپ قلعہ پر دھاوا کرتے ہوئے آگے بڑھے اتنے میں ان کا گھوڑا لغزش کھانے سے زمین پر گر پڑا اس کے زمین پر گرنے سے حضرت امام حسن علی شاہؑ کے چار دانت شہید ہو گئے۔ اور امامؑ بے ہوش ہو گئے۔ اس اثنا میں اسمٰعیلی مریدین دشمنوں پر تلواریں چلاتے رہے تھے۔ جب ان کو خبر ہوئی تو اپنے امامؑ کے پاس دوڑے آئے اور امامؑ کو اٹھا کر جھرکہ سے حیدرآباد لے گئے اس اتفاقی حادثہ کی وجہ سے امامؑ نے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چھوڑ دیا اس درمیان میں بلوچی.... امامؑ کا تیئس[۲۳] لاکھ کا مال و اسباب اٹھا لے گئے۔ اسمٰعیلی مریدوں کو اور اہل جھرکہ کو بھی اتنی رقم کا نقصان ہوا۔ تاہم بلوچی کامیاب ہوئے اور انگریزی لشکر کے حملہ کے سامنے انہیں پیچھے ہٹنا پڑا یہاں تک کہ میر شیر محمد خاں شکست

کھاکر فرار ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اور لوٹ کا تمام مال اسباب اپنے معتمد سرداروں کو سونپ کر وہ فرار ہو گیا۔
اسی رات کو حضرت امام حسن علی شاہؒ حیدر آباد کی چھاؤنی میں جا پہنچے اور وہاں کئی روز تک تیاریاں کرنے میں مشغول رہے اس اثناء میں سر چارلس نیپیر بھی لڑائی سے فارغ ہو کر واپس آ گئے۔

بار دیگر بم کا قلعہ

حضرت امام حسن علی شاہؒ نے اپنے بھتیجے محمد جعفر خاں۔ مرزا احمد اور دوسرے کئی لشکریوں کو بھیج کر روانہ کر کے وہاں کی جماعت اور زخمیوں کو حیدر آباد لے آئے اور وہاں ان کی تیمارداری کی گئی۔ جنرل سر چارلس نیپیر نے لوٹے ہوئے مال کی فہرست طلب کی جو انہیں دی گئی سر چارلس نیپیر کا ارادہ تھا کہ لوٹا ہوا مال بلوچیوں سے وصول کریں مگر آخر یہ طے پایا کہ اگر بلوچی برٹش سے سلسلۂ اتحاد قائم کریں تو یہ رقم معاف کر دی جائیگی اور امام حسن علی شاہؒ کو یہ رقم کمپنی سرکار سے دلادی جائیگی اس طرح ان شرائط پر صلح ہونے سے سندھ اور بلوچستان میں امن پھیل گیا۔ یہ حدود برٹش سلطنت میں آ جانے کے بعد سر چارلس نیپیر اور حضرت امام حسن علی شاہؒ کے نام محمد علی خاں بلوچ کے نائب نقیر محمد بم سے خط لے آیا جس میں لکھا تھا کہ یہاں کے بلوچ سردار میرے ساتھ عناد رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کے کسی بھائی کو یہاں بھیجا جائے تو بم کا قلعہ انہیں سپرد کیا جائے گا۔ خط لانے والے محمد علی خاں کے والد کے حکومت کے ماتحت بم کا قلعہ تھا اس کی وفات کے بعد محمد علی خاں بلوچ کے مطالبہ کو منظور کر کے قلعہ مذکورہ پر قبضہ کرنے کے لئے سردار ابو الحسن خاں روانہ کئے گئے ایرانی حکومت کا* درمیان سلسلۂ اتحاد قائم ہو جاتا۔

*بلکہ اس مطالبہ سے کسی طرح کا نقصان نہ تھا بلکہ ہز ہائینس سر آغاخان صاحب اور ایرانی حکومت کے

اس ارادہ سے حضرت امام حسن علی شاہؒ نے ۱۲۶۰ھ میں سردار محمد باقر خاں کو تمام لڑائی کے سامان کے ساتھ روانہ کیا وہاں سردار محمد باقر خاں کی ملاقات میر محمد علی خاں کے ساتھ ہوئی اس نے کہا کہ پہلے میرے دشمنوں کو پکڑ کر مجھے سونپو اس کے بعد میں تمہیں بم پور کا قلعہ تفویض کر دوں گا اس کے اندرونی مطلب کو آپ تاڑ گئے۔ اور سردار محمد باقر خاں بم پور سے واپس ہو گئے اس موقع پر سالار مالک اور میر احمد خاں بلوچ نے سردار محمد باقر کی متابعت قبول کر کے بیپ کا قلعہ انہیں سونپ دیا۔ یہ تمام حقیقت حضرت امام حسن علی شاہؒ کو لکھی گئی آپ نے اپنے ساتھ محبت سے سلوک کرنے والے سرداروں کو صدا یا وغیرہ بھیج کر ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں

اور اپنے دو مریدوں کو انتخاب کر کے ایک کو کراچی اور دوسرے کو بیپ کی طرف روانہ کر دیا۔

بیپ کے قلعہ کی طرف جس اسمٰعیلی مرید کو روانہ کیا تھا اس نے سردار محمد باقر خاں سے کہا کہ اگر دس لاکھ روپیہ تک خرچ کرنے کے بعد بھی بم پور کا قلعہ فتح کیا جا سکتا ہے تو اس میں بالکل کوتاہی نہ کرنا۔ میرے ذریعہ سے یہ حکم بھجوا دیا گیا ہے۔

سردار ابوالحسن خاں کی بہادری

ان کے بھائی سردار ابوالحسن خاں مکران کے راستہ سے ہو کر چاہ بہار نامی گاؤں میں آئے وہاں ان کی نہایت عزت کی گئی تدبر سے انہوں نے بم پور کا قلعہ فتح کیا۔ ۱۲۶۰ھ میں شاہی لشکر نے بم کا محاصرہ کیا۔ اپنے مٹھی بھر سپاہیوں سے سردار ابوالحسن نے شاہی لشکر پر شبخون حملہ کیا بہت سے شاہی توپچیوں کو قتل کیا۔ اور کئی زخمی بھی ہوئے قلعہ فتح ہونے کے بعد قلعہ میں داخل ہوئے اس وقت وہاں بہت شور و غوغا مچا ہوا تھا۔ اس سے انہوں نے ایسا سمجھا کہ پھر شاہی لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا ہے ایسا خیال کر کے سردار ابوالحسن خاں نے اپنے خدمت گاروں کے ساتھ قلعہ کے دکن جانب روانہ ہوئے بعد میں ان کے خدمت گاروں نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔ ایسی حالت میں انہیں ایک شاہی لشکر کے چھوٹے دستے نے پکڑ کر ایران کے شاہ کے دربار طہران میں پیش کیا شاہ ایران ان کے ساتھ نہایت احترام واکرام سے پیش آیا۔ بعد ازاں بابک جا کر انہوں نے قیام کیا۔ اور اپنی زندگی کے آخری ایام وہیں گذارے۔

آج بھی ایرانی رعایا ان کو ایک شجیع شمار کرتی ہے۔ کیسی بھی ابتر اور نازک حالت ہو وہ بالکل نہ گھبراتے تھے۔ اور ہر حالت میں ہمت مردانہ سے کام لیتے تھے۔

افغانی اور بلوچی واقعہ کے بعد

لیفٹیننٹ کرنل سائیکس اپنی تصنیف "ایران میں آٹھ ہزار میل کا سفر" میں لکھتے ہیں کہ قندھار اور بلوچستان کے واقعات کے بعد سردار ابوالحسن خاں اپنے وطن واپس آئے۔ اسوقت بابک شہر میں اسمٰعیلیوں نے

بڑی خوشیاں منائیں ۔ ہزہائینس آغاخان صاحب کے آباواجداد کا ایک شہر نہایت مخصوص مرکز تھا ۔ جہاں کے باشندے عطاالٰہی اور بدری اسمٰعیلی آج بھی عشر یعنی دسواں حصہ امام کو دیتے ہیں ایک دوسری جگہ لکھا گیا ہے کہ شاہ ابوالحسن علی (محلاتی) آلموت کے سلاطین کے خاندان میں سے ہیں انہوں نے کئی سال تک کرمان ضلع میں حکومت کی تھی اور وہاں ایک عالی شان محل تیار کیا تھا جسمیں آپ خود قیام فرماتھے اور بعدازاں وہ سفارت خانہ بن گیا ۔

لیفٹیننٹ کرنل سائیکس اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہزہائینس آغاخان صاحب بلوچستان کے راستہ سے ہندوستان آئے ۔ اور برٹش کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرنے سے انہیں ہزہائینس کا خطاب نسل بہ نسل دیا گیا ۔ اور ان کے لئے دائمی پنشن بھی مقرر کی گئی ۔

آغاخان لقب کی ایک یاد

رشیس سیاہ پروفیسر آیونیہ نیود لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن علی شاہؑ کی عمر جب ۳ س سال کی تھی اس وقت فتح علی شاہ قاچار تخت سلطنت پر تھے اس بادشاہ نے ان کا بہت احترام کیا ۔ اپنی شاہزادی کے ساتھ ان کی شادی کر کے انہیں آغاخان کا لقب عنایت کیا ۔ اسی طرح جہیز میں ایک جاگیر دی ۔ اور کرمان کا حکم بھی سنا دیا مگر سیاسی امور کے لحاظ سے وہ اس عہدہ پر عرصہ تک قائم نہ رہ سکے ۔ اسی اثنا میں فتح علی شاہ کی وفات ہوگئی بعدازاں محمد شاہ قاچار تخت سلطنت پر آیا ۔ اس زمانہ میں امامؑ کو اپنی جاگیر محلات میں جاکر سکونت کرنی لازم ہوئی ۔ اور وہاں سے مکہ مکرمہ گئے ۔ ایران واپس آتے وقت انہوں نے ایران کو زمانہ کی گردش میں پڑا ہوا دیکھا ۔ اس زمانہ میں فتح علی شاہ کے ایک فرزند ظل السلطان نامی کے جانبداروں نے تخت سلطنت کے وارث سلطان محمد شاہ قاچار کے سامنے مسلح بلوہ اٹھایا تھا ۔

کچھ ۔ کاٹھیاوار کی سیاحت اور بمبئی میں قیام

حضرت امام حسن علی شاہؑ حیدرآباد سندھ سے کراچی آئے ۔ اور سنہ ۱۲۶۰ھ بروز جمعہ تاریخ ۲۶ رمضان کو

بحری راستہ سے کراچی سے کچھ تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ مانڈوی میں اتر کر کچھ بھوج کی جماعت کی ملاقات کو گئے۔ اس زمانہ میں کچھ کے راجہ مہاراؤ شری دیسلجی تھے۔ وہ نہایت عقلمند اور بہادر تھے انہوں نے پہلے مانڈوی آکر امام حسن علیشاہؑ سے ملاقات کی۔ اور بعد میں پایہ تخت بھوج میں انہیں ساتھ لے گئے یہاں بھی آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ راجا کی طرف سے ایک شاھی نفیس بنگلا آپ کے رہنے کے لئے دیا گیا۔ اور نہایت شاندار مہمان نوازی کی گئی۔ امام حسن علی شاہؑ وہاں ایک مہینہ تک مقیم رہے اور کچھ کی تمام جماعتوں کو اپنی ملاقات کا شرف بخشکر وہاں کی تمام کارروائی کو انجام دیا۔ وہاں سے انجار کے طرف روانہ ہوئے۔ یہاں بھی بہت بڑی تعداد جماعت کی حاضر تھی آپ نے تمام جماعت کی کارروائی کو انجام دے کر ھالار کاٹھیاوار کی طرف روانہ ہوئے۔

۱۲۶۱ھ میں حضرت امام حسن علیشاہؑ جام نگر تشریف لائے۔ یہاں نامدار جام صاحب شری رنملجی اپنے شاھزادہ وزراء اور سرداروں کے ہمراہ دھواڈ گاؤں تک استقبال کے لئے آئے تھے اور شاہانہ شوکت واحترام کے ساتھ امام حسن علی شاہؑ جام نگر میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کو توپ کی سلامی سے بھی شرف بخشا گیا۔

حضرت امام حسن علی شاہؑ نے ایک سال تک ہالار اور کاٹھیاوار کی جماعتوں سے ملاقات کی اور ان کی کارروائی کو انجام دیا وہاں سے ۱۲۶۲ھ میں سورت آکر دمن تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں چونکہ ریل گاڑیاں نہ ہونے کی وجہ سے امامؑ نے بحری راستہ سے سفر کیا تھا وہاں سے بمبئی تشریف لاکر مقام کیا اور تمام اسمٰعیلی جماعت سے ملاقات کی۔

کچھ میں باوا محمد علی

حضرت امام حسن علی شاہؑ کے زمانہ میں سید پیر ہاشم شاہ کے خاندان کی اولاد باوا کے نام سے کچھ کاٹھیاوار میں پہچانی جاتی تھی۔ انہیں امامؑ کی طرف سے کچھ شرف دیا گیا تھا۔ جس سے وہ خواجہ مریدوں میں نسبت رکھتے تھے اس باعث دیسی ریاستوں میں ان کا اثر تھا

۱۲۴۱ھ میں کچھ علاقہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا عمل ودخل تھا کیونکہ اس زمانہ میں مہاراؤ شری بھار ملجی ثانی برسر تخت تھے۔ ان کے عہد حکومت میں خواجہ جماعت میں کچھ تکرار پیدا ہوئی اور امامؑ کی طرف سے وکیل کا دعویٰ کرنے والے باوا خضر خاں سے خواجہ علیحدہ ہوگئے۔ تاہم باوا کے ساتھ بھی چند لوگ مل گئے تھے اس میں جماعت کا مرکزی مانک بھی اُن کے ہمراہ رہا۔ اور جماعت نے اس کی بھی مخالفت کی۔ یہاں جماعت سے خلاف شدہ فریق نے سنی مسلمانوں کے قبرستان میں سیدداؤد پیر کی زمین موقوفہ داخل کرنے کی تجویز کی اور سنی مسلمان بھی اسے اپنے قبضہ میں لینے کے لئے تیار ہوگئے اس زمانہ میں امید علی نے برٹش ایجنسی میں دستاویزات داخل کئے اور سید داؤد پیر کی زمین کو اپنے قبضہ میں واپس لے آئے۔ ۱۲۵۰ھ میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی ایجنسی اٹھا کر مہاراؤ شری دیسلجی کو اس کی سلطنت سونپ دی اور باوا امید علی اب ایک مخصوص کارکن کی حیثیت سے مقرر ہوئے انہوں نے سلطنت کے زور سے تمام کچھ کی خواجہ جماعت پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے ظلم کرنا شروع کیا۔ اس کی اطلاع حضرت امام حسن علی شاہؑ کو ہوتے ہی آپ نے اپنے بھتیجے آغا محمد جعفر کو کچھ روانہ کیا۔ مگر ان کے ساتھ بھی باوا امید علی نے کچھ اچھا سلوک نہ کیا اور شاہی کارکن ہونے کی حیثیت سے اپنا رعب داب دکھانے لگے یہ دیکھ کر حضرت امام حسن علی شاہؑ نے کلکتہ میں اسکی رپورٹ کرتے ہی لارڈ ایلنبرو نے کچھ کے پولیٹکل ایجنٹ کو خط لکھا اس حکم سے باوا امید علی کے پاس جتنے جماعت کے حساب کتاب کے دفتر تھے وہ سب حاصل کئے گئے۔ اور باوا کے جماعت سے سب طرح کا لین دین بند کیا گیا یہاں تک کہ امامؑ کی طرف سے وکالت جو باوا کو دی گئی تھی اسے بھی حضرت امام شاہؑ حسنعلی نے منسوخ کردیا۔

۱۲۷۰ھ میں حضرت امام حسن علی شاہؑ کو بار دیگر کچھ کے بھوج شہر میں کیرا کے خلاف جو مقدمہ چلتا تھا۔ اس کی تحقیقات کے لئے جانے کی ضرورت ہوئی۔ اس وقت مہاراجہ شری دیسلجی کے ساتھ مرصع کرسی پر آپ رونق افروز ہوئے۔

بمبئی میں درخانہ (مرکز جماعت) کا قیام

حضرت امام حسن علی شاہؒ کی ہمدردی محمد شاہ قاچار کی جانب تھی مگر آخر سازشوں کے باعث ایران کو ترک کر کے ہندوستان میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ امامؑ کی سکونت اب ہندوستان میں شہر بمبئی میں ہونیکی وجہ سے درخانہ سے معروف ہے اور اسے ہی درخانہ (یعنی مرکز جماعت) بنایا گیا۔

بمبئی میں سکونت اختیار کرنے سے پیشتر امام حسن علی شاہؒ نے چند عرصہ کے لئے کلکتہ میں بھی قیام کیا تھا۔ اور ایران کے بادشاہ کے خوف کو دور کرنے کے لئے یہ انتظام کیا گیا تھا۔ چونکہ اس وقت کلکتہ برٹش سلطنت کا پایہ تخت تھا اس لئے آپ کو القاب اور پنشن سے بھی وہیں سرفراز کیا گیا تھا اور جماعتوں کو بھی اپنے ملاقات کا شرف یہیں آپ دیا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ایلنبرو تھے ان سے سر چارلس نیپیر نے حضرت امام حسن علیشاہؒ کی نہایت تعریف کی تھی۔ سندھ کی جنگ کے بعد اپنے بڑے بھائی سر ہنری نیپیر کے نام سر چارلس نیپیر نے اپنے وطن مالوف میں جو خط بھیجا تھا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ ایرانی امیر ہز ہائینس آغا خان مجھ سے میرے بڑے دوست ہو گئے ہیں آپ میری زیر حفاظت نہیں رہتے بلکہ میں انہیں سالانہ دو ہزار پونڈ کا وظیفہ دیتا ہوں۔ آپ تو ایک الٰہی فرشتہ کے مثال ہیں ان کی آمد بھی بیشمار ہے آپ نہایت مدبر اور فرزانہ ہیں۔ میں تمہیں یہ سب صحیح حقیقت لکھتا ہوں ورا گر تم خدا کے بندہ ہو تو ضرور یقین کرنا کہ اس کے مریدوں سے جو کچھ وہ مانگیں اس کے دینے سے انکار کی نہیں کبھی ہمت نہیں ہوتی۔ آپ چاہیں تو میری جان بھی لے سکتے ہیں۔ اُف آپ کے منہ سے ایک لفظ نکلتے ہی آپ کا کوئی بھی مرید آنکھ کی ایک پلک جھپکتے ہی یہ کام بجا لا سکتا ہے۔

ہز ہائینس کا خطاب

حضرت امام حسن علی شاہؒ کی نسبت آگے اور اضافہ کرتے ہوئے سر چارلس نیپیر لکھتے ہیں کہ ہندوستان

میں آنے کے بعد ہز ہائینس آغا خان صاحب کو سندھ میں مالی مشکلات کی ذرا بھی تکلیف اٹھانی نہیں پڑی۔ اس تجربہ کار جنگجو سردار کو سندھ کے اور ہندوستان کے الگ الگ حصہ میں رہنے والے معتقدین اور مشرقی جانب کے مریدین ہر طرح کی ضروریات سے ان کی خدمت کرتے تھے۔ ان تمام ذرائع سے یہ سب انہیں دستیاب ہوتے ہوئے وہ ایک لائٹ ہارس (سادے ہتھیار سے آراستہ گھوڑے سوار) پلٹن کی ایک دستہ تیار کر کے اور اس کے اخراجات کے کفیل ہو سکتے ہیں۔ جو افغان جنگ کے درمیان قندھار میں جنرل نوٹ کی سرداری کے ماتحت تھی۔ اور جن کو بعد ازاں کرنل رولنسن نے حق الجیبی بھی عنایت کی تھی۔ کرنل رولنسن نے بھی اسمٰعیلی مذہب کے اس رہبر یعنی حضرت امام حسن علی شاہؑ کی صد درجہ تعریف و توصیف کی ہے۔

حضرت امام حسن علی شاہؑ کی تعریف میں ایک خط جنرل نوٹ نے پارلیمنٹ کے عہدہ داروں کو لکھا تھا۔ جس سے متاثر ہو کر آپ کی قابل قدر خدمات کے معاوضہ میں برٹش حکومت نے "ہز ہائینس" کے شاہی خطاب کے ساتھ ماہانہ تین ہزار روپیہ کا وظیفہ بھی آپ کو آپ کے نسل بہ نسل ہر وارث کو دینے کے لئے ہندوستان کے وائسرائے کو حکم صادر کیا تھا۔

امام (علیہ السلام) کی ملاقات کیلئے برطانی شاہزادوں کی آمد

بمبئی میں آپ کے دائمی قیام کے بعد جماعت خانہ میں ہر سنیچر اور تعطیل کے دنوں میں تشریف لاکر اہل جماعت کو اپنے دیدار سے مشرف کرتے تھے۔

ملکہ وکٹوریہ کے فرزند پرنس آف ویلز اور ڈیوک آف ایڈنبرو جب ہندوستان کی سیاحت کو آئے تھے اس اثنا میں بمبئی میں ان کے قیام کے درمیان ان دو نو شاہزادوں نے حضرت امام حسن علی شاہؑ کے بنگلہ پر ان کی ملاقات سے شرف اندوز ہونے کے لئے گئے تھے۔






قوم کے حاتم دل (مرحوم):-

(۱) سیٹھ پیر بھائی خالقداڑنہ (۲) سیٹھ محمد بھائی ردجی۔
(۳) سیٹھ شریف بھائی گانجی اور (۴) سیٹھ ابراہیم بھائی محمدجی۔

بمبئی اور مسقط کے واقعات

سنہ ۱۲۳۷ھ میں یعنی سنہ ۱۸۲۹ عیسوی میں حضرت امام حسن علی شاہؑ ایران میں سکونت کرتے تھے بہوقت بمبئی میں ماتم کا حق دھم دینے کے حبیب بھائی ابراہیم نے انکار کیا اور اپنے خیال کے کئی دوسرے لوگوں کو متفق کر کے روپے کے زور سے ایک چھوٹی جماعت قائم کر لی چونکہ یہ بات اسمٰعیلی مذہب کے خلاف تھی لہٰذا امامؑ نے ایران سے پیر سرکار ماتا سلامت مریم خاتون کو مرزا ابوالقاسم کے ہمراہ ہندوستان روانہ کیا۔ ایران سے جب وہ لوگ ہندوستان آئے اسی وقت ابتدا میں جھرک میں تشریف لائے تھے حضرت امام حسن علی شاہؑ کے مقابلہ میں بلوچیوں کی جو جنگ ہوئی تھی جس میں ۷ اسمٰعیلی خواجہ مرید مارے گئے تھے اور ان کی لاشوں کو ایک ہی جگہ دفن کیا گیا تھا اسجگہ کو اسمٰعیلی گنج شہیداں کہتے ہیں۔

وہاں سے بمبئی میں آنے کے بعد پیر ماتا سلامت نے جماعت خانہ میں جماعت کی ھدایت کیلئے ایک وعظ کیا اور جماعت کے لوگوں کو مخالفین کے وساوس سے بچالیا۔ بعدازاں پیر سرکار ماتا سلامت مسقط اور دیگر اسمٰعیلی شہروں کی سیاحت کر کے تمام جماعت خانوں میں وعظ کا شرف بخشا اور اسمٰعیلیوں کی رہنمائی کی۔

سنہ ۱۲۶۵ھ میں مسقط کے خواجوں میں کچھ تکرار پیدا ہوئی۔ اور دو فرقے ہوگئے۔ جاگن حاجیانی کے جانبداروں نے جماعت کے خلاف ہو کر جماعت خانہ میں سے جماعت کے استعمالی چیزوں کو اٹھا کر خفیہ طور سے دریا میں پھینکدیا ان دونوں فرقوں میں صلح کرانے کے ارادہ سے امام حسن علی شاہؑ نے آغا جعفر خاں کو مسقط روانہ کیا مگر مخالفین صلح پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بلکہ مخالفت میں ہتھیار اٹھائے جس کے باعث وہ قید کئے گئے اور انہیں جرمانہ کی سزا ہوئی تاہم وہ اپنے اصرار سے باز نہ رہے اور جماعت خانہ کو ترک کر کے اثنا عشری بن گئے۔ اور بعضے اہل تسنن میں شامل ہوگئے تھے۔

سنہ ۱۲۷۱ھ میں جماعت خانہ میں ایک کدورت پیدا ہوئی اس لئے حضرت امام حسن علی شاہؑ نے ایک سرگشتی کاغذ پھرانے کا حکم نافذ کیا جسمیں لکھا تھا کہ خواجہ جماعت ہمارے شیعہ امامی اسمٰعیلی مرید ہونے کی وجہ سے









فخرِ قوم (مرحوم)

(۱) سر کھاریا بھائی ٹوپن (۲) سر کریم بھائی ابراہیم بیرونیٹ

(۳) سیٹھ جیراج بھائی پیر بھائی جے۔پی اور (۴) خانبہادر ڈاکٹر سلیمان حاجی

ان کے شادی غمی کی رسوم اپنے مذہب کے طریقہ پر ہونی چاہیئے اور اپنے ہم مذہبوں کی ماتحتی میں ہونی چاہیئے۔ اسکی پابندی تمام مریدوں نے با خوشی کی مگر چند خود نما تاجروں نے اسکی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ خواجہ جماعت اصل سنی المذہب ہیں۔ لہذا ان کی شادی غمی کے رسوم سنی ملاؤں کے ہاتھ سے یعنی اہل السنن کے رواج کے مطابق کی جائیگی اس سبب سے شیعہ اسمٰعیلی مقاموں میں انکی آمد بالکل منع کی گئی۔

ملک کچھ میں بھی مذکورہ بالا سرگشتی کاغذ پھرایا گیا۔ ان کے تمام خواجہ جماعت نے اس امامی حکم کو بسر و چشم منظور کیا۔ مگر کچھ کیرا کے خواجوں نے اس کی مخالفت کی ۱۲۷۴ھ میں حضرت امام آغا علی شاہ اپنے والد ماجد کے حکم سے اس اختلاف کی مفاہمت کے لئے کچھ تشریف لائے۔ مگر چونکہ کیرا کے باشندے اپنے ارادے پر ڈٹے رہے اور رقابت سے صلح پر آمادہ نہ ہوئے۔

آخر ۱۲۹۱ھ میں حضرت امام حسنعلی شاہ کے حضور میں مصالحت ہوگئی۔ مذکورہ سرگشتی کاغذ کاٹھیاواڑ میں بھی بھیجا گیا۔ اور وہاں کے تمام اسمٰعیلی مریدوں نے اس بات کو منظور کر لیا صرف مھووا میں بعض قبیلوں نے مخالفت کی۔ کیونکہ ان کی نسبت بمبئی کے بار بھایا خواجوں کے ساتھ تجارتی تعلق تھا۔ اس لئے انہوں نے امام کا حکم نہیں مانا اور جواب میں کہا کہ ہم شیعہ تو ہیں مگر شادی کے رسوم سنیوں کے طور پر کریں گے۔

بار بھایا کا جماعت سے اخراج اور ۱۸۶۶ء کا آغاخان کا مقدمہ

۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء کے ۱۶ اگست کو مکھی اللہ رکھیا بھائی سومار اور کامڑیا خاکی بھائی پدمسی کی سرپرستی میں بمبئی کے جماعتخانہ میں جماعت کا جلسہ کیا گیا۔ جسمیں حبیب بھائی ابراہیم کے فرزند احمد بھائی اور دوسرے تمام شخصوں کو جو جماعت کے مخالف ہوئے تھے بلائے گئے وہ لوگ چونکہ حاضر نہ ہوئے اس لئے احمد بھائی حبیب اور دوسروں کو نوٹس دیا گیا۔ کہ جماعت کے قانون کے مطابق اگر تم چلو گے تو تمہیں جماعت میں رکھیں گے۔ اور اس کے لئے تمہیں اکیس ۲۱ دن کی مدت دی جاتی ہے اس مدت کے بعد پھر جماعت جمع ہوئی۔ مگر وہ لوگ نہ آئے اس لئے انہیں دوران کے دوسرے ہمراہیوں کو جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ اس حالت ابتر کے درمیان کچھ میں کیرا کاٹھیاواڑ میں مھووا اور مسقط کی جماعتوں میں کئی



اسمٰعیلی امیر:- وزیر اسمٰعیل بھائی گانگجی مرحوم آپ جوناگڈھ ریاست کے جامدار خانہ اور دارالضرب کے افسر اعلیٰ تھے۔

خواجے حضرت امام حسن علی شاہؒ کی ناراضگی کے موجب ہو گئے

بمبئی کی ہائی کورٹ میں سرجوسف آرنالڈ کے سامنے آغا خاں کیس کے نام سے مشہور ایک مقدمہ چند خواجوں نے ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں دائر کیا یہ مقدمہ دائر کرنے والے ڈایا محمد۔ محمد سانیان۔ پیر محمد قاسم اور فاضل غلام حسین نام کے اشخاص تھے ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ہز ہائینس آغا خاں حسن علی شاہؒ کے ساتھ ہمیں کوئی نسبت نہیں۔ اور جماعت کی ملکیت پر ہز ہائینس آغا خاں کا کوئی حق نہیں۔ جماعت کی جو ملکیت اور آمدنی ہے اس میں سے ہز ہائینس آغا خاں کو کچھ بھی ملنا نہ چاہیئے۔ بلکہ کاٹریا کو لازم ہے کہ جماعت کو حساب دیں اور ان کے درمیان ہز ہائینس آغا خاں آئیں تو انہیں منع کرنا چاہیئے پیر صدرالدینؒ نے ہمیں ہندو مذہب سے اسلامی مذہب میں داخل کیا۔ آپ خود بھی سنی تھے اور ہم بھی سنی المذہب مبدل ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو سنی المذہب نہیں ہیں۔ ایسے خواجوں کو خواجہ جماعت میں رہنے کا حق نہیں ہے اور خواجہ جماعت کے ساتھ انہیں کوئی تعلق نہیں ہے۔"

دوسرے فریق کا یہ کہنا تھا کہ پیر صدرالدینؒ قطعی سنی نہ تھے بلکہ شیعہ اثناعشری اسمٰعیلی مذہب کے معتقد تھے اور آپ ہز ہائینس آغا خاں کے آباؤ اجداد کے داعیوں میں سے تھے خواجہ جماعت ہمیشہ امامی اسمٰعیلی تھی اور اب بھی ہے خواجہ جماعت ہز ہائینس آغا خاں کو اور ان کے آباؤ اجداد کو ہمیشہ امام مانتی چلی آئی ہے اور ان کو اپنا مرشد تسلیم کرتی ہے۔

دونوں فریق کا مقدمہ عرصہ دراز تک کورٹ میں جاری رہا اور آخر سر جوزف آرنالڈ جج نے ہز ہائینس آغا خاں کی طرف میں فیصلہ دیا۔ فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا تھا کہ خواجہ جماعت کے لوگوں نے اپنے مذہب کے مرشد کی فرمانبرداری اور اطاعت کے سوا دوسرے کسی کی تعظیم و فرمانبرداری نہیں کی اس لئے دعویداروں کی درخواست یعنی طلب کردہ حکموں کو مسترد کیا جاتا ہے۔ یعنی فریادیوں نے جس طرح عرض کی ہے اس طرح حکم کرنے کے لئے مجھے کوئی سبب نظر نہیں آتا۔

اس مقدمہ کی نسبت کورٹ کو کس طرح حکم کرنا چاہیئے وہ بالکل ظاہر ہے اور اسی طور سے ہوا کہ پہلے مدعا علیہ ہز ہائینس آغا خاں۔ بلکہ اللہ رکھیا سوما اور ان کے ہمراہ جوابدار مدعا علیہ آسو گانگجی کا تمام خرچ فریق مخالف

پڑ ڈال کر یہ مقدمہ خارج کرتا ہوں - اور دوسرے مدعا علیہم پر سے بھی یہ مقدمہ بغیر خرچ دیئے خارج کرتا ہوں -

اس طرح حضرت امام حسن علی شاہؒ کی جانب میں پوری طور سے فیصلہ ہونے کے بعد جس خواجہ فریق کی شکست ہوئی تھی انھوں نے بار بھائیوں کے نام سے اپنی ایک علیحدہ جماعت قائم کی ۔ بار بھایا مقدمہ میں پنجہ بھائیوں نے امام کی گراں پایہ خدمت انجام دی تھی - مخالف فریق متمول ہونے کی وجہ سے اپنی دولت کے اثر سے جماعتوں میں فتنہ برپا کرتے تھے ۔ نیز مقدمہ میں جو حصہ لیتے تھے ۔ اسے دھمکیاں دیتے اور رشوت دینے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے ۔ اس حالت میں پنجہ بھائیوں نے اسمٰعیلی سپاہیوں کی حیثیت سے اپنا فرض بجالاتے ہوئے مقدمہ کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ نے جماعتوں کا باقاعدہ نظم و نسق کیا اور اپنے مریدوں سے ان کا تعلق اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک مشفقانہ اور محبتانہ رہا آپ ہمیشہ جماعتوں کے درمیان دربار بھر کر بیٹھتے تھے اور ہدایات دیا کرتے تھے ۔ برٹش سلطنت میں ان کا جو اثر تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر سرکاری حلقوں میں اپنے مریدوں کی ترقی ہو اس لئے نہایت دلچسپی لیتے تھے ۔ لہٰذا ہندوستان میں آپ کا ورود مسعود ہونے کے بعد خواجہ قوم ترقی پذیر ہوتی گئی ۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ سن رسیدگی کے باعث آرام لینے لگے ۔ اور پرسکون زندگی بسر کرنے لگے حضرت امام حسن علی شاہؒ نے مکھی لاڈک بھائی حاجی کو بمبئی کے درخانہ جماعت کے مکھی کا معزز خطاب عنایت کیا تھا ۔ ۱۸۶۲ء میں کھڑک کے جماعت خانہ میں اس خطاب کی نوازش کی گئی تھی ۔ ان کے قبل مکھی حسن بھائی جماعت کے مکھی تھے مگر ان کا کسی مجنون نے خون کر دیا تھا ۔

مکھی لاڈک بھائی حاجی کچھ کیرا کے باشندہ تھے ۔ حالت افلاس میں کچھ سے بمبئی آئے تھے اور چند عرصہ میں اپنی عقلمندی سے بہت زیادہ دولتمند بن گئے تھے ۔ بمبئی کے اطراف کے ساحلی مقامات اور علی بلاغ کے لکڑی کے جنگل کا اجارہ سرکار سے حاصل کر لیا تھا ۔ اور وہ اس سبب سے لکڑی کے بااثر واحد تاجر بن گئے تھے ۔

مکھی لاڈک بھائی حاجی نے حسن آباد کے لئے سولہ ہزار گز زمین خرید کر امام کی خدمت میں پیش کی تھی انھوں نے اپنی زندگی کے آخر دم تک جماعت کے مکھی رہ کر امام کی بیجد خدمت کر کے جماعت میں ہردلعزیز ہو گئے تھے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں ان کا انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر اسّی سال کی تھی۔

حضرت امام حسن علی شاہؑ کے زمانہ میں کاٹھیاوار سورٹھ کے پایہ تخت جوناگڈھ میں وزیر اسمٰعیل بھائی گانگجی سکونت کرتے تھے وہ جوناگڈھ ریاست میں جامدارخانہ اور دارالضرب کے محکمہ کے افسر تھے اور تمام کاٹھیاوار کی اسمٰعیلی جماعتوں میں بھی وہ ایک بزرگ مانے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں جماعت نہایت معتقد تھی۔ وزیر صاحب کا جماعتوں پر اچھا اقتدار تھا۔ ریاست میں بھی ان کا بہت بڑا اثر تھا۔ تاہم وہ کبھی کبر و نخوت سے پیش نہ آتے تھے۔ حضرت امام حسن علی شاہؑ ایران ترک کرنے کے بعد ۱۲۵۱ھ میں پہلے کاٹھیاوار تشریف لے گئے تھے۔ اور اس زمانہ میں جوناگڈھ بھی تشریف لے گئے۔ اس وقت اسمٰعیل بھائی گانگجی کو وزیر کا اعزازی مرتبہ عطا کیا گیا تھا۔ ان کے ماتحت عشر یعنی امام کا حصہ جمع کرنے کا بڑا اہم کام سونپا گیا تھا۔ اور ان کے ہی ماتحت کامڑیا ندر علی کام کرتے تھے جو بہت سی جماعتوں کی کیفیت و تفاصیل سے واقف تھے بمبئی میں سر جوسف آرنالڈ کے سامنے کے بار بھائی کیس کے مشہور مقدمہ میں کامڑیا سبزاعلی بھائی دامانی نے امامؑ کی طرف کے ایک مخصوص شاہد کے طور پر زبانی دیگر کورٹ میں کاٹھیاوار کے جماعتوں کے دفتروں کو پیش کیا تھا۔ ان پر وزیر کی نگرانی تھی اس کے ماسوا وزیر اسمٰعیل بھائی گانگجی خود ہر روز جماعت خانہ میں آکر جماعت کو اسمٰعیلی مذہب کی خوبیاں سمجھا کر تبلیغ کیا کرتے تھے اگرچہ وہ حکومت میں بڑے مرتبہ پر ممتاز تھے۔ تاہم جماعت خلیفۃ امامؑ کی متابعت کر کے اپنے کو ایک ناچیز ادنیٰ شخص تصور کرتے تھے۔ جماعت کے تمام صغیر و کبیر کے ساتھ اپنی محبت ظاہر کر کے ہر ایک شخص کو اپنے قبیلے کے طور پر شمار کرتے تھے۔ اس زمانہ میں کاٹھیاوار کی سیاحت کے دوران میں حضرت امام حسن علی شاہؑ نہایت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی تھی۔ ۱۳۰۰ھ ماہ شوال مطابق ۱۸۸۱ء ماہ اگست میں وہ اس دنیا سے انتقال فرما گئے۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ کے زمانہ میں محمد بھائی ردجی جے۔ پی۔ ایک مضبوط عقیدہ کے شخص تھے۔ جماعت کے کام میں وہ دل سے حصہ لیتے تھے۔ ان کی پیدائش بمبئی میں ۱۸۳۰ء میں ہوئی تھی ان کی تجارت چین کے ساتھ تھی۔ جس میں انہیں بے حد منفعت ہوئی ۱۸۸۳ء میں انہوں نے بہت سے قومی بہبودی کے ادارے جاری کئے۔ ان میں کا ایک بغیر کرایہ کا ایسا مکان اپنے غریب قومی بھائیوں کے لئے بنایا جس میں پچاس قبیلہ رہ سکیں ۱۸۹۰ء میں خواجہ یتیم خانہ کا افتتاح کیا۔ ۱۸۹۶ء میں پونہ میں اپنے قومی بھائیوں کے لئے تبدیل ہوا کی غرض سے ایک سینیٹوریم تعمیر کیا۔ اس لئے جماعت کے طرف سے انہیں اعزازی تہنیت نامہ پیش کیا گیا تھا۔ اس موقع پر امامؑ نے بھی انھیں ایک جبہ خلعت کے طور پر عنایت کیا۔ انہوں نے ۱۸۹۸ء ماہ مئی کی پہلی تاریخ کو وفات پائی۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ کے ہندوستان آنے کے بعد جماعت کے واقعات میں بار بھایا مقدمہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اس زمانہ میں جماعت کی خدمت کرنے کے لئے بہت سے اکابروں نے امامؑ کی حضور میں حاضر ہو کر نہایت بیش بہا خدمت بجالائے۔ جن میں سر تھاریا ٹوپن نے بھی جلیل القدر حصہ لیا تھا ان کا سرکاری دربار میں بھی بڑا اعزاز تھا۔ انہیں سرکار کی طرف سے سرنائٹ کا خطاب عنایت ہوا تھا امامؑ کی درباری خدمت سے انہیں وزیر کا خطاب عنایت ہوا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے عرصۂ دراز تک آفریقہ سے تجارت کر کے خوب دولت جمع کی تھی۔ جماعت کے ہر ایک کام میں اور امامؑ کے تمام حرکات سکنات میں اپنی طرف سے خدمت بجالانے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرتے تھے۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ کے زندگی کے آخری دس بارہ سال نہایت تنہائی اور خاموشی میں گذرے ہیں۔ بار بھایا جماعت کے خارج ہونے کے بعد جماعت میں جو چند نااتفاقیاں تھیں وہ بھی مفقود ہو گئیں۔ جماعت کے لوگ آپس میں میل جول رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے ہمدردانہ پیش آتے تھے اور امامؑ کے ظل عاطفت میں رہ کر اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

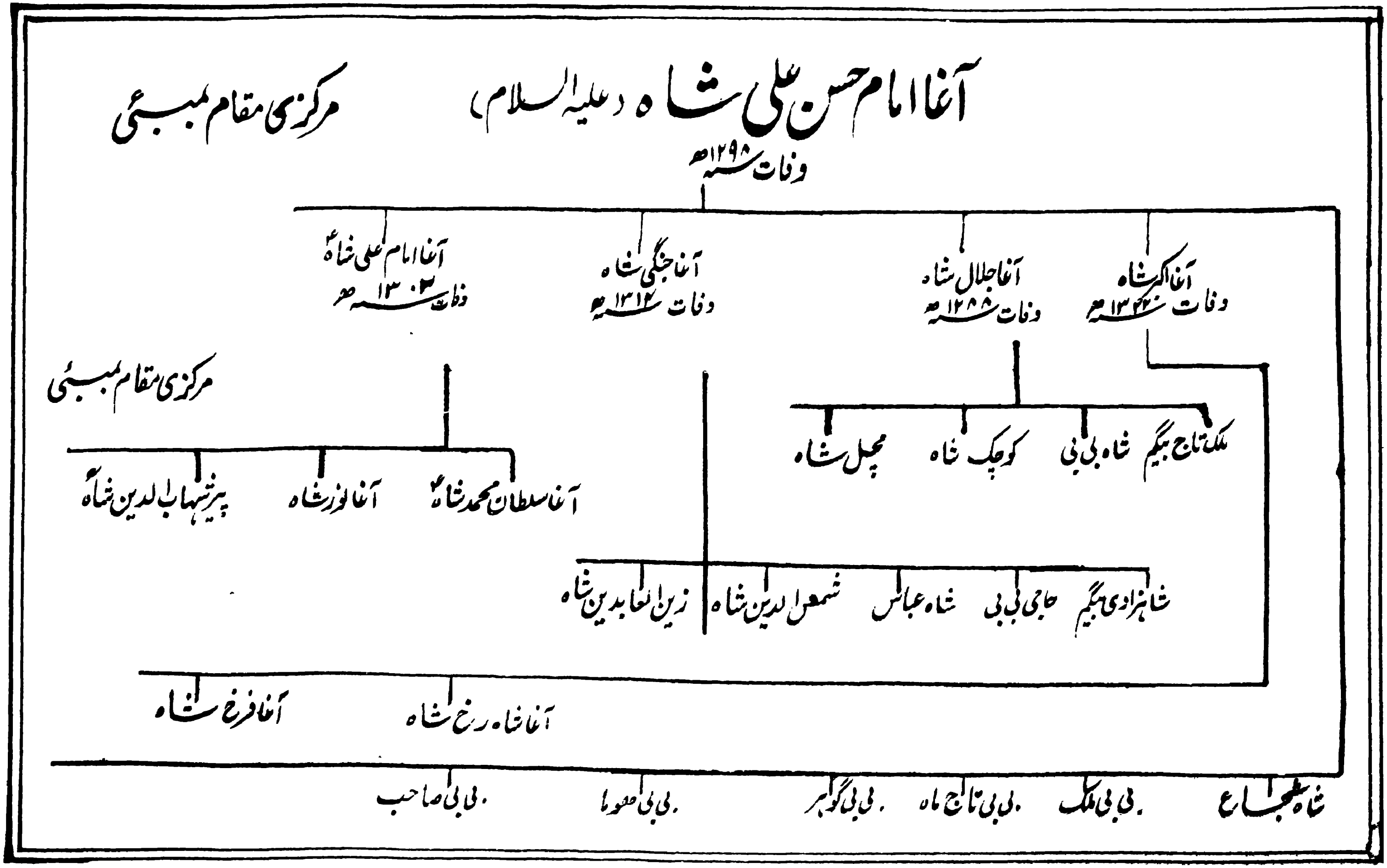
حضرت امام حسن علی شاہؒ نے ۱۲ اپریل ۱۸۸۱ء مطابق ۱۲۹۸ھ رات کو پونے دس بجے وفات



مقبرۂ الحسینی :- امامی اسمٰعیلیوں کے چھیالیسویں امام حضرت امام حسن علی شاہ الحسینی (آغاخان جہاں اوّل) کا مقبرہ بمقام مجگاؤں بمبئے

پائی۔ آپ کی لاش کو پہلے کربلائے معلیٰ بھیجنے کا ارادہ ہوا۔ مگر اکثر مریدوں کی رائے سے بمبئی میں ہی دفن کرنا طے پایا اور ایڈن ہال نامی جگہ خریدی گئی جسکی قیمت ادا کرنے کے لئے جماعت کی ایک بہت بڑی مجلس بلائی گئی۔ اور ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کا فنڈ جمع ہوا ایک لاکھ روپئے حضرت امام علی شاہؒ نے عنایت کیا۔ بعدازاں ایڈن ہال کی جگہ میں تاج محل کے نقشہ کے طور پر ایک روضہ تعمیر کرنے کے لئے انتظام کیا گیا۔ اور کام بھی شروع ہوا۔ اس کام کی نگرانی میں جماعت کے عملداروں نے بہت جوش دکھایا اس روضہ کا کام اکثر سنگ مرمر اور نفیس کاریگری سے بنایا گیا تھا۔ اس کے منارہ کی اونچائی ۹۰ فٹ ہے۔ اس روضہ کے تیار ہونے میں تقریباً ۳ سال صرف ہوئے اور کم از کم تین لاکھ روپے اس پر خرچ کئے گئے۔ پہلی جولائی کو ۶ ہزار آدمیوں کے مجمع کے جلوس کے ساتھ جماعت خانہ سے صندوق کو اس جائے پر لے آئے تھے۔ بعد میں اس روضہ کا نام حسن آباد رکھا گیا۔ حضرت امام حسن علی شاہؒ کو آخری احترام پیش کرنے کے لئے ایرانی اور ترکی ایلچیوں کے علاوہ یوروپین۔ پارسی اور مسلمان بھی حاضر ہوئے تھے آپ کے بعد امامت کی مسند پر آپ کے فرزند امام حضرت علی شاہؒ رونق افروز ہوئے۔

حضرت امام حسن علی شاہؒ کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ۱۸۸۲ء مطابق ۱۲۹۹ھ میں آپ کی اہلیہ محترمہ اور ایران کے شاہؒ کی شاہزادی فتح علی شاہ قاچار کی دختر سرو جہاں بیگم فوت ہوئیں۔ امامؑ نے اپنے بعد دو فرزند آغا جنگی شاہ اور آغا اکبر شاہ کے علاوہ ایک بڑا کنبہ چھوڑا تھا۔


آغا امام حسن علی شاہ (علیہ السلام)
وفات سنہ ۱۲۹۸ھ
مرکزی مقام بمبئی
آغا اکبر شاہ
وفات سنہ ۱۳۲۲ھ
آغا جلال شاہ
وفات سنہ ۱۲۸۸ھ
آغا جنگی شاہ
وفات سنہ ۱۳۱۴ھ
آغا امام علی شاہؑ
وفات سنہ ۱۳۰۲ھ
ملک تاج بیگم
شاہ بی بی
کوچک شاہ
مچل شاہ
مرکزی مقام بمبئی
آغا سلطان محمد شاہؑ
آغا نور شاہ
پیر شہاب الدین شاہؒ
شاہزادی بیگم
حاجی بی بی
شاہ عباس
شمع الدین شاہ
زین العابدین شاہ
آغا شاہ رخ شاہ
آغا فرخ شاہ
شاہ شجاع
بی بی ملک
بی بی تاج ماہ
بی بی گوہر
بی بی صغرا
بی بی صاحب



آغا خان صاحب ثانی:- ہز ہائینس امام آغا علی شاہؒ الحسینی اسمٰعیلیوں کے سینتالیسویں ۴۷ امام۔

حضرت امام علی شاہ داتا (علیہ السلام)

سن امامت ۱۲۹۸ھ تا ۱۳۰۲ھ ہجری

آغا خاں ثانی

حضرت شاہ امام علی شاہ داتا امامت کی مسند پر ۱۲۹۸ھ میں رونق افروز ہوئے آپ تمام عوام الناس میں ہز ہائینس سر آغا خاں ثانی کے نام سے معروف تھے۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ امام شاہ علی شاہ کی پیدائش ۱۲۴۶ھ میں ایران کے شہر محلات میں ہوئی تھی آپ کی والدہ ماجدہ کا نام شاہزادی سرو جہاں بیگم تھا۔ جو ایران کے سلطان فتح علی شاہ کی شاہزادی تھیں۔ رائل ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں مرقوم ہے کہ شاہ ایران محمد شاہ قاچار نے سیاسی سازش میں آ کر امام حسن علی شاہ کی مخالفت کی۔ امام اپنے تحفظ اور شاہ کے دل سے بدگمانی دور کرنے کے لئے اس سازش کے مقابلہ میں دوبارہ کھڑے ہوئے تھے اس زمانہ میں حضرت امام علی شاہ ... اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ عراق تشریف لے گئے تھے۔ آپ کو شکار کا بہت شوق تھا اس لئے ایران کا شاہ صرف چالیس دن تخت پر بیٹھ کر سلطنت کرنے والا ظل السلطان اور دوسرے جلاوطن شدہ ایرانی شاہزادوں کے ساتھ کربلائے معلیٰ سے تا بغداد شکار کھیل کر اپنے اوقات نہایت خوشی و خرمی سے گذارتے تھے۔

حضرت امام علی شاہؒ کی پہلی شادی عراق میں ایک خاندانی قبیلہ کی لڑکی کے ساتھ آپ کی والدہ نے کرادی تھی۔ جن کا نام مریم سلطان تھا۔ آپ کے بطن سے دو فرزند ہوئے۔ جن کو ساتھ لیکر حضرت امام علی شاہؒ ہندوستان تشریف لائے اور اپنے والد ماجد کے ساتھ مجگاؤں میں رہتے تھے

حضرت امام علی شاہؒ نہایت عمدہ نشانچی اور پکے شکاری تھے۔ آپ نے بہت سے زیادہ شیروں کا شکار کیا تھا اور یہ تمام شکار بغیر مورچہ باندھے خوفناک جانوروں کے سامنے کھڑے رہ کر کیا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی ولیعہدی

ہندوستان میں امامؑ کے سکونت اختیار کرنے کے بعد جا بجا اختلاف پیدا ہو گئے۔ ان کی صفائی کے لئے اپنے والد ماجد حضرت امام حسن علی شاہؒ کے ارشاد کے موافق کچھ، کاٹھیاوار اور سندھ کی جماعتوں کو اپنی ملاقات کا شرف بخش کر امامؑ کے ولی عہد کی حیثیت سے ہدایت اور نصیحت کرتے رہتے تھے۔ آپ کی عقلمندی اور ہوشیاری سے جماعتوں میں اتحاد اور ارتباط کا سلسلہ ہر طرف جاری ہو گیا۔ اور آپ حضرت امام حسن علی شاہؒ کے ہمراہ آکر بھی جماعتوں کو ملاقات کا شرف عطا فرماتے تھے۔

خاندانی قبیلہ

عراق سے وارد شدہ آپکی اہلیہ مریم سلطان کی وفات کے بعد حضرت امام علیشاہؒ نے بمبئی میں مقیم شیرازی خاندان کی ایک لڑکی سے دوسری مرتبہ شادی کی وہ بھی چند عرصہ میں فوت ہوگئیں بعد ازاں نواب عالیہ شمس الملک مرزا علی محمد خان نظام الدولہ بن عبداللہ خان ابن الدولہ ولد حاجی محمد حسن خان اصفہانی جو شاہ ایران فتح علی شاہ کے وزیر اعظم تھے۔ ان کی شاہزادی کے ساتھ تیسری بار شادی کی۔ نوابہ صاحبہ شمس الملک عالی درجات خورشید تولاہ کی دختر تھیں



پیر آغا شہاب الدین شاہؒ عرف شاہ خلیل اللہؒ: ہز ہائینس امام آغا علی شاہؒ الحسینی کے عہد میں آپ اسمٰعیلیوں کے پیر بزرگ تھے۔

جن کی والدہ کا نام تاج آلدولہ اصفہانی تھا اور عبدالوہاب خان نشاط اصفہانی معتمد الدولہ کے ہاتھ پر تربیت پائی تھی۔ دربادشاہ فتح علی شاہ کی بیگمات میں سے ایک تھیں نوابہ عالیہ شمس الملک کے بطن سے ایک فرزند موجودہ ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہؒ آغاخان (ثالث) کی پیدائش ہوئی۔

حضرت امام علی شاہؒ کی کل پانچ بی بیاں تھیں اور کل تین فرزند تھے پیر شہاب الدین شاہؒ عرف پیر خلیل اللہ شاہؒ۔ آغا نور شاہ اور مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ

پیر شہاب الدین شاہؒ

سب سے بڑے شاہزادے پیر شہاب الدین شاہؒ کو حضرت امام حسن علی شاہؒ نے پیری عنایت کی تھی۔ وہ بہت بڑے عالم اور صاحب درجات تھے انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے "رسالہ در حقیقت دین" نہایت پر مغز کتاب ہے آج بھی اسمعیلی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

اسمعیلی جماعتوں میں جو تین وقت کی دعا پڑھی جاتی ہے اس میں بھی امامؑ کے حکم سے آپ نے کی جگہ اصل صحیح تلفظ کا انتظام کر کے بہت کچھ اس میں صحت کی تھی یہ دعا اصل میں پیر صدرالدینؒ نے تصنیف کی تھی۔ اور وہ آج کے دن تک اسمعیلیوں میں پڑھی جاتی ہے بمبئی میں سکونت کے درمیان پیر شہاب الدینؒ شاہ کی ملاقات بڑے بڑے علما وقتاً فوقتاً کیا کرتے تھے۔ اور دوسرے بہت سے اسلامی بھائی بھی آپ کے ذریعہ بہت سے علمی منفعت اٹھاتے تھے آپ صرف ۳۲ سال کی عمر میں عنفوان شباب میں ۱۳۰۲ھ ماہ رجب مطابق ۱۸۸۴ء ماہ مئی میں پونہ میں فوت ہوئے تھے تین مہینہ کے بعد آپ کے والد حضرت امام علی شاہؒ بھی وفات پاگئے۔ پیر شہاب الدین شاہؒ کی لاش بمبئی میں لاکر چند دنوں تک حسن آباد میں رکھ کر کربلائے معلیٰ روانہ کی گئی۔ جہاں وہ دفن کی گئی۔

نور شاہ کی وفات

آغا نور شاہ حضرت امام علی شاہؒ کے دوسرے شاہزادے تھے آپ پیر شہاب الدینؒ سے

عمر میں تین سال چھوٹے تھے۔ آپ نہایت زیرک اور اپنے والد ماجد کی طرح بڑے شکاری تھے ایک مرتبہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر باہر گئے۔ جہاں کچھ حادثہ کے باعث زبردست چوٹ لگنے کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی پیر شہاب الدین شاہؒ کی وفات کے تین مہینہ بعد یہ بھی تیس برس کی عمر یعنی عنفوان شباب میں انتقال کر گئے۔ ان دونوں فرزندوں کی چند عرصہ میں ہی وفات ہونے سے امام شاہ علی شاہؑ کو نہایت رنج ہوا جس سے آپ ہر وقت بے چین رہا کرتے تھے۔

حکومت سے امام (علیہ السلام) کو اعجاز

حضرت امام علی شاہ (بمبئی) کے ...... گورنر رائٹ آنریبل سر جیمس فرگیوسن (۱۸۸۰-۸۵ء) کے زمانہ میں حکومت کے کاروبار کے لئے جدید قائم شدہ امپیریل کاؤنسل نامی شاہی مجلس میں اعزازی رکن کی حیثیت سے تشریف رکھتے تھے آپ اپنے اوصاف حمیدہ سے کاؤنسل کے لئے ایک مفید کارآمد رکن ثابت ہوئے۔ بمبئی کے محمڈن نیشنل اسوسی ایشن کے آپ صدر رہے اور آپ اپنی زندگی تک اس عہدہ پر فائز رہ کر بمبئی کے مسلمانوں کی قیادت کرتے رہتے تھے۔

حضرت امام علی شاہؑ نے اگرچہ مغربی تعلیم پوری طور سے حاصل نہ کی تھی۔ تاہم تعلیمی امور میں پورا حصہ لیتے تھے اور وقتاً فوقتاً نہایت فیاضی سے امداد بھی کرتے تھے۔

مریدوں کے بارہ میں نمایاں جدوجہد

حضرت امام علی شاہؑ اپنے اسمٰعیلی مریدوں کی تعلیم و تربیت کے بارہ میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں خواجہ اسمٰعیلی بچوں کی تعلیم کے لئے پہلا مدرسہ قائم کیا گیا۔ لاچارخود ان کی آپ نہایت ہمدردی سے فیاضانہ طور پر معاونت کرتے تھے۔ آپ کے اکثر مرید تناسخ کے معتقد تھے۔ اس بارہ میں دنیا کے سامنے آپ نے پہلی مرتبہ تشریح کی تھی۔ ہندوکش کے مولائیوں کے متعلق جو تفتیشات کی زندگی میں ہو رہی تھی۔ اس میں آپ کی بیشمار کوششوں کے ذریعہ مولائی امام کے دیدار سے مشرف

ہوتے تھے

حضرت امام علی شاہؑ کی خواجہ اور ایرانی مریدوں کے علاوہ ایشیا اوسط اور افغانستان میں بھی ...... مرید کثرت سے رہتے ہیں اس پر بھی آپ نے روشنی ڈالی تھی۔ ہلاکو خاں کی قتل سے اسمٰعیلی صفحۂ ہستی سے قطعیٔ مٹ گئے ہیں۔ ایسا خیال فضلائے یورپ کے دماغوں میں بھرا ہوا تھا۔ اس کو دور کرنے کی پہلی مرتبہ آپ نے کوشش کی تھی۔

یارقند میں انگریزی مشن۔ اور مولائی مریدوں کا سکونت کا مقام

حضرت امام علی شاہؑ دلیعہد تھے اسوقت ۱۸۶۹ء سنہ میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ میئو نے یارقند میں سرڈگلاس فورسیتھ کی سرکردگی میں جو وفد بھیجا تھا اس کو پورا اطمینان ہوگیا کہ ہز ہائینس آغاخاں کو اپنے روحانی سردار کی حیثیت سے ماننے والے اسمٰعیلی مذہب کے مریدوں کی ایک بہت بڑی تعداد ترکستان اور افغانستان سے دور شمالی شہروں میں اپنے سُنی بھائیوں کے درمیان زندگی بسر کرتی ہے اور امامؑ کے سرینگر (کشمیر) کے ایجنٹ کی معرفت باقاعدہ اپنی عشر کی رقم بھیجا کرتی ہے امامی اسمٰعیلی شیعہ کے طور پر وہ اپنے کو تعارف کراتے تھے۔ فی زمانہ بھی ان کی اولاد اس شہر میں آباد ہے کسی مقرر ندی کے کناروں پر اور پامر (دنیا کے سقف) کے نام سے مشہور علاقوں میں واقع شدہ بے شمار خندقوں کے سخت وشدید راستوں میں بھی یہ لوگ آباد ہیں۔

چترال اور گلگٹ میں بھی وہ متمول طور پر اپنی زندگی نہایت آرام وچین سے بسر کرتے ہیں۔ کافرستان اور بدخشاں کے دّرات میں وہ بستے ہیں وہاں بھی نہایت عمدہ حالت میں ہیں سرڈگلاس کے وفد نے اس کا بھی اعتراف کیا تھا کہ آفریقہ کے دریا کنارہ کے بندروں میں اور موزامبک افریقہ کے مقاموں میں بھی وہ لوگ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ایسا ہی واسکوڈی گاما نے دیکھا تھا آفریقہ کے درمیانی لیک، بدخشاں اور ایشیا اوسط کے لعل ویاقوت کی کانیں دیکھنے جانے والے شائقین سیاحوں نے بھی ان شہروں میں ہز ہائینس آغاخاں کے مریدوں کو دیکھا تھا اور آج بھی دیکھتے ہیں۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی وفات

باوجود یں ہمہ کہ حضرت امام علی شاہؒ نے صرف چار سال تک امامت کی مسند پر تجلی کی۔ تاہم مریدین کی ترقی کے لئے آپ نے بہت سی کوششیں کی تھیں۔ بمبئی کے مسلمانوں نے سلطنت کے کاروبار اور ظاہری زندگی کے اسباب میں نمایاں ترقی کی تھی ۱۸۹۵ء میں آپ پونہ میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں طبیعت ایک دم نادرست ہونیکی خبر بمبئی میں پھیلجانے سے بہت سے خواجہ عملدار پونہ گئے۔ اور آپ کے آخری دیدار سے مشرف ہوکر اپنے آنکھوں کے نور میں فزائش کی۔ ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں اگست کی ۱۷ر تاریخ پیر کے روز شام کو ساڑھے پانچ بجے پونہ میں اپنے بنگلے میں وفات پائی۔

آپ کی نعش اسپیشل ٹرین کی معرفت منگل کے روز ۱۸ تاریخ کو بمبئی میں لائی گئی۔ حسن آباد میں ایک صندوق میں ۴۶ دن تک رکھنے کے بعد کربلائے معلیٰ کی طرف پرشیئن اسٹیم نیویگیشن کمپنی کے اسٹیمر موبیلو کو چارٹر کرکے اس میں شام کے وقت نہایت شان و شوکت سے ایک شاندار جلوس کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ اس نعش کو الوداعی احترام دینے کے لئے لکھمی داس کھیم جی۔ جسٹس اللہ بخش بھائی حاجی۔ کامریا محمد بھائی جوتھہ۔ کھمبات کے نامدار نواب۔ میجر جنرل۔ صبو ویٹ۔ سیٹھ مانک جی خورشید جی شراف۔ مسٹر تقار یاٹوپن۔ مسٹر کریم بھائی ابراہیم۔ مسٹر حاجی بھائی لالجی۔ مسٹر ورسرام بھائی ابراہیم۔ سیٹھ جیراج بھائی پیر بھائی سیٹھ شریف بھائی گانجی۔ سیٹھ اسمٰعیل بھائی جیراج وغیرہ وغیرہ حاضر تھے۔ تمام خواجہ جماعت نے اس روز اپنا سارا کاروبار بالکل بند رکھا تھا۔

حضرت امام علی شاہؒ کی نعش کے کربلائے معلیٰ پہنچنے کے بعد وہیں دفن کی گئی آپ نے اپنے بعد اپنی اہلیہ نوابہ عالیہ شمس الملک ماتا سلامت اور تقریباً آٹھ سال کے ایک شاہزادہ سلطان محمد کو چھوڑ گئے تھے۔ جو اپنے والد ماجد کے بعد مسند امامت پر تشریف لاکر تمام اسمٰعیلی دنیا کے امام ہوئے۔



سر آغا خان صاحب:- مولانا حاضر امام ہز ہائینس رائٹ آنریبل سر آغا سلطان محمد شاہؒ الحسینی۔

حضرت مولانا حاضر امام۔ صاحب الزمان سر سلطان محمد شاہؑ
آغا خان ثالث

ہز ہائینس رائٹ آنریبل مولانا حاضر امام آغا خاں سلطان محمد شاہؑ ۱۳۰۲ھ ذیقعدہ کی ۶ تاریخ مطابق ۱۸۸۵ء اگست کی ۱۷ تاریخ پیر کے روز مسند امامت پر جلوہ گر ہوئے۔ اس زمانہ میں آپکی عمر صرف سات سال نو مہینے اور سولہ دن کی تھی آپ آغا خاں ثالث کے نام سے دنیا میں مشہور ہیں اسمٰعیلی جماعت آپ کو "امام زماں۔ حاضر امام صاحب الامر۔ ہادی المہدی۔ دھنی سلامت داتار۔ حاضر جو میجو دھنی۔ امام العصر۔ امام مبین۔ قائم المقام وغیرہ" ناموں سے خطاب کرتے ہیں۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی ولادت ۱۲۹۴ھ ماہ شوال کی ۲۵ تاریخ بمطابق ۱۸۷۷ء ماہ نومبر کی دوسری تاریخ جمعہ کے روز سندھ کے پایہ تخت کراچی شہر میں ہوئی آپ کی جائے ولادت "حسن علی" کے نام سے لوگوں میں مشہور ہے آج بھی سیاح اس جگہ کے معائنہ کے لئے جاتے ہیں جس سے ایک تاریخی حیثیت اسے حاصل ہو گئی ہے۔

عہد طفولیت کے کھیل و تفریح

مولانا حاضر امام آقا سلطان محمد شاہؑ کی جب دو سال کی عمر ہوئی تو آپ مختلف کھیلوں میں حصّہ لیتے تھے۔ صغیر سنی سے ہی آپ کو گھوڑوں کے ساتھ بیحد محبت تھی اور کاٹھ کے گھوڑوں پر سواری کر کے نہایت خوش ہوتے تھے۔ بچپن سے ہی آپ بڑے ذکی تھے۔ حیوانوں کے ساتھ نہایت ہمدردی رکھتے تھے۔ آپ ہرن۔ سابر۔ ٹٹو اور دوسرے ایسے جانوروں کو گھاس چارہ کھلا کر ان کی گردن میں رسّی پہنا کر نہایت محبت سے ہانکا کرتے تھے۔ صغیر السن ہمجولیوں کی صحبت بھی انہیں نہایت پیاری تھی۔ وقتاً فوقتاً اپنے صغیر السن ہمجولیوں کو جمع کر کے ان کے سردار بنتے اور طرح طرح کے کھیل و تفریح میں مشغول رہتے۔ آپ چھوٹی بندوق یا تلوار وغیرہ کندھے پر رکھ کر یا کمر میں باندھ کر اپنے جدِّ امجد حضرت علیؑ کے جلالت اور شجاعت کے جوہر کی یاد دلاتے تھے آپ کی والدہ ماجدہ ہز ہائینس لیڈی علی شاہ سی۔ آئی آپ کے بچپن کی تمام ناز برداریاں کرتی تھیں کھیل و تفریح کے لئے جو ہمجولی جمع ہوتے تھے۔ ان کے خورد و نوش اور دیگر اقسام کے سامان مہیا کئے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ تمام ہمجولی آپکے ہمراہ ہر وقت رہا کرتے تھے۔

مولانا حاضر امام آقا سلطان محمد شاہؑ ابھی پانچ سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ کے جد حضرت امام حسن علی شاہؑ کی وفات ہو چکی تھی۔ اور ابھی آٹھ سال کے نہ ہوئے تھے کہ آپکے والد ماجد حضرت امام علی شاہؑ کی وفات ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں آپکے قریب کوئی برادر و خواہر نہ تھے۔ صرف آپکی والدہ ماجدہ تھیں آپ کو اپنے فرزند کے ساتھ بیحد محبت و شفقت تھی اور آپکے آرام و چین کا شب و روز خیال کرتی تھیں۔

حضرت امام علی شاہ داتا (علیہ السلام)

سن امامت ۱۲۹۸ھ تا ۱۳۰۲ھ ہجری

آغاخاں ثانی

حضرت شاہ امام علی شاہ داتاؑ امامت کی مسند پر ۱۲۹۸ھ میں رونق افروز ہوئے آپ تمام عوام الناس میں ہز ہائینس سر آغاخاں ثانی کے نام سے معروف تھے۔

گلزار شمس میں لکھا ہے کہ امام شاہ علی شاہؑ کی پیدائش ۱۲۴۶ھ میں ایران کے شہر محلات میں ہوئی تھی آپ کی والدہ ماجدہ کا نام شاہزادی سرو جہاں بیگم تھا۔ جو ایران کے سلطان فتح علی شاہ کی شاہزادی تھیں۔ رائل ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں مرقوم ہے کہ شاہ ایران محمد شاہ قاچار نے سیاسی سازش میں آ کر امام حسن علی شاہؑ کی مخالفت کی۔ امامؑ اپنے تحفظ اور شاہ کے دل سے بدگمانی دور کرنے کے لئے اس سازش کے مقابلہ میں دوبارہ کھڑے ہوئے تھے اس زمانہ میں حضرت امام علی شاہؑ ... اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ عراق تشریف لے گئے تھے۔ آپ کو شکار کا بہت شوق تھا اس لئے ایران کا شاہ صرف چالیس دن تخت پر بیٹھ کر سلطنت کرنے والا ظل السلطان اور دوسرے جلا وطن شدہ ایرانی شاہزادوں کے ساتھ کربلائے معلیٰ سے تا بغداد شکار کھیل کر اپنے اوقات نہایت خوشی و خرمی سے گذارتے تھے۔

حضرت امام علی شاہؒ کی پہلی شادی عراق میں ایک خاندانی قبیلہ کی لڑکی کے ساتھ آپ کی والدہ نے کرادی تھی۔ جن کا نام مریم سلطان تھا۔ آپ کے بطن سے دو فرزند ہوئے۔ جن کو ساتھ لیکر حضرت امام علی شاہؒ ہندوستان تشریف لائے اور اپنے والد ماجد کے ساتھ محگاؤں میں رہتے تھے

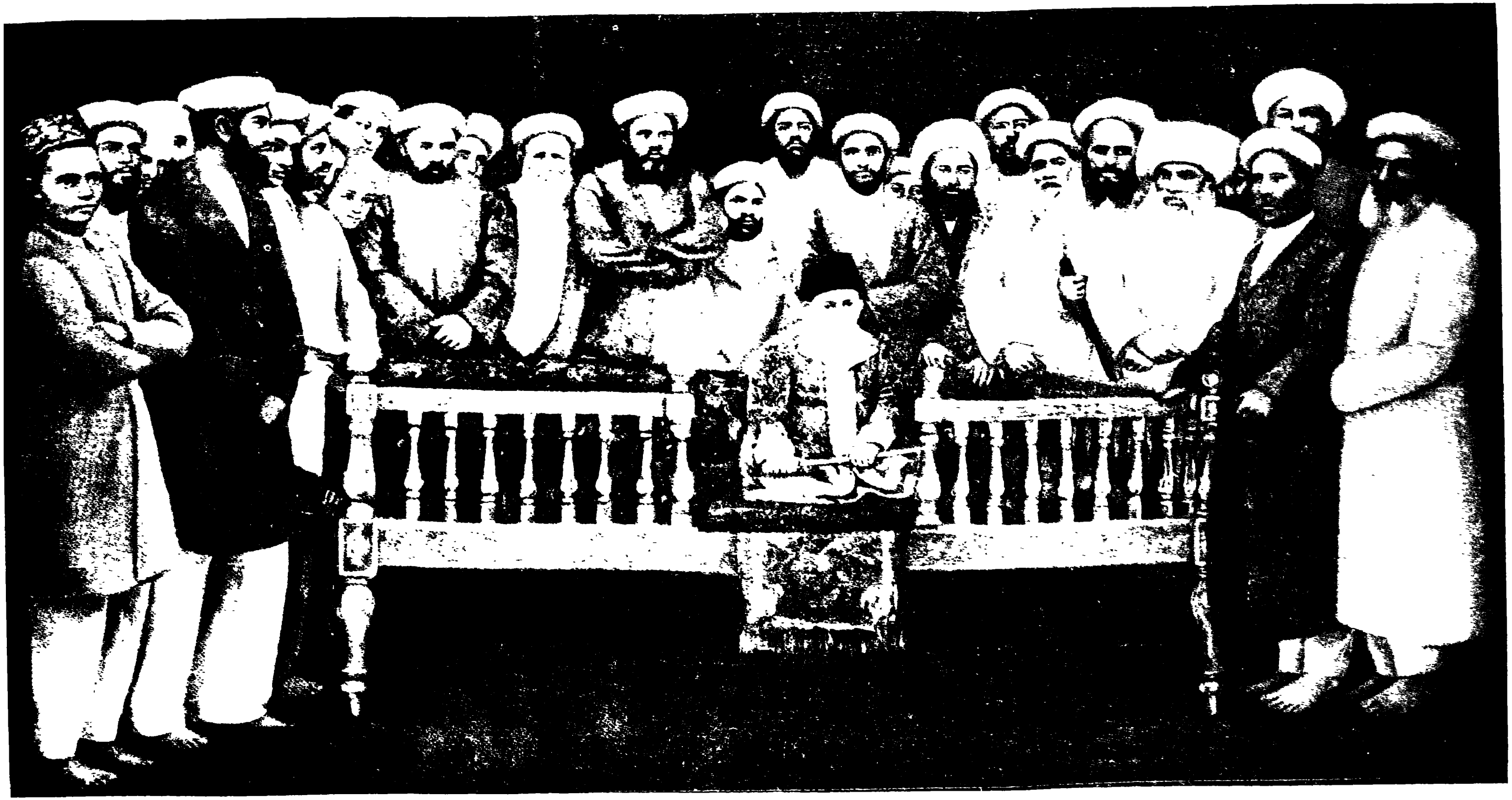
حضرت امام علی شاہؒ نہایت عمدہ نشانچی اور پکے شکاری تھے۔ آپ نے بہت سے زیادہ شیروں کا شکار کیا تھا اور یہ تمام شکار بغیر مورچہ باندھے خوفناک جانوروں کے سامنے کھڑے رہ کر کیا تھا۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی ولیعہدی

ہندوستان میں امامؑ کے سکونت اختیار کرنے کے بعد جا بجا اختلاف پیدا ہو گئے۔ ان کی صفائی کے لئے اپنے والد ماجد حضرت امام حسن علی شاہؒ کے ارشاد کے موافق کچھ۔ کاٹھیاوار اور سندھ کی جماعتوں کو اپنی ملاقات کا شرف بخش کر امامؑ کے ولی عہد کی حیثیت سے ھدایت اور نصیحت کرتے رہتے تھے۔ آپ کی عقلمندی اور ہوشیاری سے جماعتوں میں اتحاد اور ارتباط کا سلسلہ ہر طرف جاری ہو گیا۔ اور آپ حضرت امام حسن علی شاہؒ کے ہمراہ آکر بھی جماعتوں کو ملاقات کا شرف عطا فرماتے تھے۔

خاندانی قبیلہ

عراق سے وارد شدہ آپکی اہلیہ مریم سلطان کی وفات کے بعد حضرت امام علیشاہؒ نے بمبئی میں مقیم شیرازی خاندان کی ایک لڑکی سے دوسری مرتبہ شادی کی وہ بھی چند عرصہ میں فوت ہو گئیں بعد ازاں نواب عالیہ شمس الملک مرزا علی محمد خاں نظام الدولہ بن عبداللہ خاں ابن الدولہ ولد حاجی محمد حسن خان اصفہانی جو شاہ ایران فتح علی شاہ کے وزیر اعظم تھے۔ ان کی شاہزادی کے ساتھ تیسری بار شادی کی۔ نوابہ صاحبہ شمس الملک عالی درجات خورشید تولاہ کی دختر تھیں



مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی مسند نشینی امامت۔ تخت کے اطراف اسمٰعیلی عمائد کھڑے ہیں۔

وآلہ وسلم کے خاندان میں سے براہ راست نسلاً بعد نسلاً ہوں۔ دو کروڑ مسلمان مجھے امام مانتے ہیں وہ میری بندگی کرتے ہیں اور مجھے ہدایا اور سوغات بھی نذر کرتے ہیں چونکہ میری رگوں میں پیغمبر صلعم کا خون جاری ہے۔ ہدایا کے معاوضہ میں میں دعا دیتا ہوں اور ہر جمعہ کے دن وہ لمحہ آتا ہے۔ میں اگر بہت سے کاموں میں مشغول رہا کرتا ہوں تو شاذونادر ہی عبادت گاہوں میں جا سکتا ہوں۔ اور جب مجھے بن پڑتا ہے تو ووکنگ (لنڈن)، یا پیرس کی عبادت گاہوں میں اپنی حاضری دیتا ہوں ان کے سوا میں جہاں رہتا ہوں وہاں ضرور عبادت کرتا ہوں۔ لنڈن میں رہوں یا پیرس میں ہوں۔ ملنٹے کارلو میں ہوں یا یورپ کے کسی ریلوے میں سفر کرتا رہوں۔ جنیوا کی کسی جھیل کے کنارہ پر رہوں یا کسی باغیچہ میں تاہم میں اس وقت دنیا کے تمام افکارات و پریشانیوں کو بھول جاتا ہوں۔

آپ اپنے زمانہ بلوغیت سے ہی عزلت نشینی و تنہائی کو پسند کرتے تھے۔ گھنٹوں تک آڑے سو کر دونو پاؤں کے بیچ میں ایک چھوٹی سی لکڑی لیکر اس طور سے گھماتے تھے کہ کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے اس طرح لکڑی گھمانے کے لئے سخت دقت اٹھانی پڑے اس زمانہ میں آپ مطالعہ کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ یا خیالوں میں ہمہ تن محو ہو جاتے تھے۔

اسلامی تہذیب اور امام وعترت

اسلامی شان کا اظہار کرتے ہوئے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ نے نہایت پر درد لہجہ میں فرمایا کہ چاہے جتنا تم دوسروں پر اعتماد کرو۔ مگر وہ اسلام کی معاونت نہ کرے گا۔ ہمیں خود اپنے ہی پاؤں پر کھڑے رہنا چاہیئے اور ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنے عقب میں اپنی تہذیب ہے پھولوں کے گچھے پر نظر کرو۔" گنڈے میں رکھے ہوئے گلاب کے تازہ پھول کی طرف دیکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ان پھولوں پر نظر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ حسن، جذبات اور رجحان رکھتے ہیں مگر چند عرصہ کے بعد سب کھلا کر زائل ہو جائیں گے۔ یہ پھول کی مثال اس کے آخری انجام کے سوا، اسلامی تہذیب پر بالکل صادق آتی ہے پھول پژمردہ ہو جاتے ہیں مگر اسلام اور اس کی تہذیب کبھی پژمردہ نہیں ہو سکتی جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلامی

تہذیب پژمردہ ہوجاتی ہے وہ اسلام کی ترقی کی تاریخ اس کی قدیم روایات اور مذہب کے صلی آثار سے بالکل نابلد ہیں" دنیا کے سطح پر سکونت پذیر اسمٰعیلی اس اصلی آثار سے امام اور اس کی عزت مراد لیتے ہیں۔

بلبلوں کی آزادی

آزادی کی نسبت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ کو ان کے ایک دوست نے گاتے ہوئے بلبلوں کی ایک نفیس جوڑی ھدیتہً بھیجی اس واقعہ سے ان کی صدری صاف صاف نظر آتی تھی اس دوستانہ ھدیہ کو منظور کرکے آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ ایک دوسرے موقع پر وہی دوست آپ کی ملاقات کو آیا اور بلبلوں کی یاد دہانی کرتے ہوئے آپ جس دیوانخانے میں تھے اس کا دریچہ کھول دیا اور باہر نظر کی بغیچہ کے عمدہ تاڑ کے درخت اپنا سر ہلا رہے تھے اور دوسری جانب یگدار زمین پر دریا گونجا ہوا لہرا رہا تھا اس میٹھی آواز کے سرود کو سنتے ہوئے آپ نے اپنے دوست سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بلبل مجھے حافظ شیرازی کی یاد دلاتے ہیں یہ کہہ کر آپ نے ایرانی وضع سے ایک شعر کہتے ہوئے پنجرے میں سے ایک بلبل کو جسے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا ایک مصرعہ ختم ہوتے ہی اپنی مٹھی کی انگلیوں کو ڈھیلا کر دیا اور بلبل اڑ گئی۔ دوست نے یہ دیکھ کر کہا "یہ پرندہ آپ کے ہاتھ سے کیسے اڑ گیا" آپ نے دوسری بلبل کو ہاتھ میں لے کر اڑا دیا اور جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح اڑ گیا یہ واقعہ بالکل حافظ کے شعر کے مضمون کے مطابق ہے اس شاعر نے ایک پرندہ دوسرے پرندہ کے عقب میں اڑاتے ہوئے اور اپنی نجات دہندہ کے توصیفی گیت گانے کی معنی خیز تشریح کرتے ہوئے آپ نے نہایت موثر لہجہ میں فرمایا کہ اگر کچھ نہیں تو ان بلبلوں کو اپنا رہین احسان تو ہو لینے دو۔" یہ آپ کی پرندوں کے آزادی کے ساتھ محبت کا ایک نمونہ ہے اور انسانی آزادی تو آپ کے زندگی کا اصول ہے۔

حضرت امام آغا شاہ علی شاہ (علیہ السلام)

وفات سنہ ۱۳۰۲ھ

مولانا حاضر امام آغا
سلطان محمد شاہؑ

آغا نور شاہ
سنہ ۱۸۸۴ء میں وفات

ملک سلطان بیگم — شاہ سلطان بیگم — قاسم شاہ — ہاشم شاہ

حاضر امام کے بیگمات کے نام

(۱) شاہزادی بیگم - شادی بمقام پونہ سنہ ۱۸۹۶ء
(۲) پرنسیس تھیریسا - شادی بمقام مصر سنہ ۱۹۰۸ء
(۳) اینڈری جوسوفائن کیرون بیگم آغاخان
شادی بمقام فرانس سنہ ۱۹۳۰ء

پیر شہاب الدین شاہؒ
وفات سنہ ۱۸۸۴ء

پیر ابوالحسن
چھ ماہ کے بعد انتقال کر گئے
سنہ ۱۸۸۵ء میں وفات

چھ لڑکیاں ہوئیں

اہلیہ امام علی شاہؑ

(۱) مریم سلطان پیر شہاب الدین اور آغا نور شاہ کی والدہ
(۲) شمس الملک مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی والدہ
(۳) سارہ خانم
(۴) گوہر جان
(۵) خان قاضی

پرنس صدر الدین تیسری اہلیہ سے

پرنس علی شاہ دوسری اہلیہ سے

تخت نشینی اور پہلی دست بوسی

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کے مسند امامت پر آنے کے بعد چند عرصہ میں جماعت کے درمیان تخت نشینی کی گئی یہ رسم مجگاؤں میں نسبٹ روڈ کے آغا ہال مشہور باغ میں ادا کی گئی تھی بمبئی درخانہ جماعت کے لکھی کامڑیا ۔ عملدار اور پنجہ بھائی رئیسوں نے امام کی دست بوسی کی تھی اس موقع پر جماعت کے کئی سرداروں کے چہروں سے خوشی ظاہر ہوتی تھی ۔ اور دوسرے جانب نگیر بھی کھائی دیتے تھے کیونکہ وفات شدہ امام کی بھی یاد ابھی تازہ تھی اسکو دیکھ کر مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے فرمایا کہ آپکی جماعت کا امام بذات خود آپکے درمیان موجود ہے اور رنج وملال کی کوئی وجہ نہیں ہے امام کی صغر سنی اور یہ کلام بزرگانہ سنکر اہل جماعت کو بہت خوشی ہوئی اور اپنے غم واندوہ کو انھوں نے فراموش کردیا ۔

بڑے اسمٰعیلی داعی حکیم ناصر خسرو کا مقولہ ہے کہ دنیا کی سطح پر ایک ایسی قوم آباد ہے جس کے سامنے ایک ہی وقت میں غم اور خوشی ہوتی ہے ایک امام جامہ تبدیل کرے اس کا غم اور اسی لمحہ میں دوسرا امام جامہ پہنکر مریدوں کے درمیان نئی حاضری بخشے اس کی خوشی قدرت نے انسانی جذبات کا یہ ایک عجیب وغریب مرقب پیدا کیا ہے ۔

حضرت امام (علیہ السلام) کی والدہ ماجدہ

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کی والدہ ماجدہ ایران کے ایک شاہی خاندان کے مشہور فلسفی نظام الدولہ کی عزیز دختر ہیں ۔ خود چونکہ تعلیم وتربیت یافتہ تھیں اس لئے اپنے فرزند ارجمند کو عربی، فارسی ۔ انگریزی وغیرہ تعلیم کے لئے آپ نے خاص انتظام کیا مولانا حاضر امام کا حافظہ نہایت تیز ہونے کے باعث انہوں نے بہت جلد تعلیم حاصل کر لی ۔ اس اثنا میں آپ جماعت کو بھی یاد فرماتے تھے ۔ ہر سنیچر کے روز جماعت خانہ میں تشریف لا کر ان کے درمیان بیٹھ کر فرمان جاری کرتے رہتے اور جماعت کو دست بوسی کا موقع دیتے اس کے علاوہ امام کی حیثیت سے ہر دوسری کار روائیوں پر بھی



مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی والدہ محترمہ نوابہ عالیہ

شمس الملک کراؤن آف انڈیا۔

نظر کرتے رہتے تھے ایک خورد سال امامؑ کے دست مبارک سے صرف اہم اور بزرگانہ کام ہی نہ ہوتے تھے بلکہ آپ کے خویش واقربا میں بھی آپ بزرگ کی حیثیت رکھتے تھے اور آپکے خاندان کے سب پیرد بر نہ امامؑ کے ظل عاطفت میں رہکر اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

یوروپین زبانوں کی تعلیم

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ عہد طفولیت میں نہ تو کسی اسکول میں گئے نہ اپنی پڑھائی میں انہیں کسی نے کبھی روز مشغول دیکھا یہ آپ کے قوت حافظہ کے کمال کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

حضرت امام علی شاہؑ نے اپنی وفات کے قبل جماعت کے درمیان تشریف لاکر کئی امامی رسوم مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کے دست مبارک سے ادا کروائی تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ "تیری تجلی تیرے ایام کے مطابقت کے طور پر ترقی کرے گی۔ یہ پیشین گوئی اس زمانہ کے جماعتوں میں ایک نئی زندگی پھیلاتی ہے اور زمانہ جیسا گذرتا گیا۔ فی الحقیقت اسی طور سے اس تجلی نے اپنا ظہور کیا۔

آپنے اردو، فارسی، عربی علوم کی تحصیل کے بعد انگریزی اور فرنیچ زبان میں کافی مہارت حاصل کر لی ہے اس کے علاوہ اور دوسری یوروپین زبانوں کا علم بھی آپ رکھتے ہیں۔

اسپورٹنگ کا شوق

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ علم ادب کی تدریس میں ایسے محو رہتے تھے کہ اہل قبائل اسی میں حصہ لیں یا دیکھنے کے لئے ہمیشہ خواہشمند رہتے تھے کیونکہ تعلیم کے وہ زبردست حامی ہیں اور شاہانہ جدید طرز کے اسپورٹس کے بیحد دلدادہ ہیں گھوڑے کی سواری کو آپ نہایت اہم سمجھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے جد کو جو سواری کا شوق تھا وہ مجھے وراثت میں ملا ہے اسی شوق پر اکتفا نہیں دیگر اسپورٹس میں بھی آپ نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ بمبئی کے اس زمانہ کے گورنر لارڈ ہیرس جو ایک چالاک اور تیز کھلاڑی تھے وہ بھی حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی نسبت رطب اللسان تھے۔ اور ہمیشہ آپ سے نہایت محبت رکھتے

تھے۔ آپ گولف اور ہاکی کے بہایت شائق ہیں، ہندوستانی لوگوں میں اسپورٹس کے متعلق دلچسپی پیدا کرنیکے لئے ہر سال کھلاڑیوں کو دو کپ آپ کی طرف سے دیئے جاتے تھے ایک کپ طالبعلموں کو اور دوسرا کپ ل ملٹری والوں کو دیا جاتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان میں ان اسپورٹس کی ترقی ہو رہی ہے۔ وہ صرف آپ کے ہی مرہون منت ہے۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کو سفر و سیاحت کا بہت شوق ہے اور دنیا کے قدیم آثار و اشیاء کے دیکھنے کی ہر وقت خواہش رہا کرتی ہے زمانہ کے اثر سے آگے بڑھتی ہوئی تاریخی تحقیقات کے مطالعہ کا بھی آپ کو بہت شوق ہے۔

عزیٰ ہمہ گیری اور مریدوں کی ترقی میں دلچسپی

آپ کا کتب خانہ اعلیٰ درجہ کے ناموروں کی سوانحمری اور علم الہیات کی فلسفیانہ کتب سے بھرا ہوا ہے۔ انگلینڈ کے نامور شعراء و مصنفین مثلاً شکسپیر ملٹن۔ میکالے۔ اسکاٹ اور دیگر نامور مصنفین کی کتب بینی میں آپ ہمیشہ مشغول رہتے ہیں۔ اور مشرقی شہروں کے قدیم علوم و فنون کے جہان بین کا بھی آپ کو شوق ہے سیاسی مجلسوں میں بھی آپ کی آمد و رفت ہے۔ اتنی زبردست مشغولیتوں کے ساتھ بھی آپ اپنے مریدوں کی ملاقات کے لئے شہر بشہر جاتے رہتے ہیں۔ عراق۔ پرشین گلف (بحر عمان) پنجاب۔ سندھ کچھ۔ گجرات۔ کاٹھیاوار۔ بنگال۔ دکن۔ مدراس اور افریقہ کے دور دراز ملکوں میں سفر کرکے اسمٰعیلیوں کو اپنے دیدار سے مشرف کرکے ساتھ ہی ساتھ نصائح سے انہیں بہرہ ور کرنے میں تمام شہروں میں اسمٰعیلی مریدوں کے فرزندوں کے لئے اسکول قائم کرکے ان کے اخراجات کے لئے ہر سال اپنی طرف سے لاکھوں روپے کا وظائف (گرانٹ) عرصہ دراز سے جاری کیا ہے جس کے باعث ہزاروں طالب علم مفت تعلیم و تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ کے ذریعہ سے اسمٰعیلی جماعت آباد و معمور ہے جس کے لئے جماعت ان کی مرہون منت ہے۔



ورزش کا شوق

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ کو ورزش کا بھی بے حد شوق ہے اپنے مریدوں کی جسمانی ورزش کی نسبت آپ ہر وقت خیال رکھا کرتے ہیں۔ جسمانی ورزش آپ کے منتخب مشاغل میں سے ہی مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ صاحب کی صحبت میں رہنے والوں کو بخوبی تجربہ ہے کہ یورپ کے شہر پیرس کے رٹینر ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں ایک آدمی کو روزانہ باقاعدہ ورزش کرتے ہوئے دیکھ کر اسی ہوٹل میں رہنے والے دوسرے کاہل آدمیوں کو اپنی سستی کے لئے شرم پیدا ہوتی ہے بعض موقعوں پر ایک فرانسیسی ورزش دان کے ہمراہ معمولی چھڑی کے ساتھ طول وطویل راستہ کو طے کر کے اپنے صبح کے کام کو پورا کرتے ہوئے لوگوں نے ضرور آپ کو دیکھا ہوگا یہ چست چالاک شخص ہز ہائینس آغا خان صاحب ہیں۔ جو اسمٰعیلی مذہب کے ایک مشہور امام ہیں۔ یوریین اخبارات کے مضامین سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو ورزش کے ساتھ کس درجہ کی دلچسپی ہے۔

افریقہ کے پہلے سفر کے درمیان مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خاں کو زنجبار کے باشندے کمزور دلاغر دکھائی دیئے اور خصوصًا ہندیوں کو وہاں کی آب وہوا کے ناموافقت کے باعث پژمردہ سے دکھائی دیئے اس کے علاوہ کم سنی کی شادی اور ایک ہی جگہ بیٹھ کے اپنے اوقات گزارنے سے ہندی لوگوں کے چہرے پھیکے اور زرد ...... دکھائی دیتے تھے بعضوں کے چہرے سے تپ دق اور سل کے مرض کی علامت بھی نظر آتی تھی۔ اگر انہیں صاف ہوا میسر ہو اور ورزش کے لئے کشادہ جگہ کا انتظام کیا جائے تو وہ مہلک امراض سے ضرور محفوظ رہ سکیں اس خیال سے آپ نے اپنا ایک کشادہ مکان معہ ایک باغ کے اہل زنجبار کے لئے مرحمت فرمایا۔ اور ورزش کا شوق پیدا کرنے کے لئے سامان مہیا کر دیئے۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ نے جس وقت سیلون کی سیاحت کی تھی اس وقت گیلی فیس ہوٹل میں کولمبو آبزرور کے نامہ نگار سے ملاقات میں انگلینڈ جانے والی کرکٹ ٹیم کی تائید کے ضمانت فنڈ میں ۳۰۰ پونڈ عطا کر کے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور اسی طرح بمبئی کے موٹر سٹوں کے شرط

کے مقابلہ میں بازی لے جانے والے کو ایک کپ اپنی طرف سے عنایت کرنے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان میں موٹر بالکل ایک شے جدید ہے اس کو رواج دینے کے لئے انعامات کا اظہار کرنے سے لوگوں میں ایک شوق پیدا ہوگا۔ اور اس لحاظ سے ملک میں ایک نئی صنعت کا سنگ بنیاد پڑے گا۔

روحانی طاقت کی نشو ونما

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ فرانس میں ڈوول شہر کے نارمنڈی ہوٹل کے باغیچہ میں باکسنگ (مکہ بازی) جاری کی تھی ان تمام کھلاڑیوں میں آپ کا کھیل غیر معمولی تھا۔ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ جسمانی ورزش سے اپنی طاقت بڑھاؤ۔ زیادہ مطالعہ کرکے اپنی دماغی قوت میں اضافہ کرو۔ اور اسی طرح بندگی اور صداقت سے روحانی قوت کو درجۂ کمال تک پہنچاؤ کسی وقت آپ بے کار بیٹھ کر وقت ضائع نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ دورہ کیا کرتے تھے بندگی کی نسبت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ اپنے پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو لوگ مجھے سیاستدان اور رہنما کی حیثیت سے پہچانتے ہیں وہ لوگ میرے لئے شاید کچھ اور خیالات رکھتے ہوں۔ میں جنیوا گیا تھا اور ہندی نمائندوں کے وفد کا میں صدر تھا۔ اور ہندستان کے مستقبل کے اصلاح و بہبود کے لئے میں نے سیاسی امور میں برسوں تک زحمتیں اٹھائی ہیں۔ اور اس بارہ میں اپنی پہلی کوششوں کی کامیابی کے خوش نصیب موقع بھی دیکھے ہیں۔ مگر ہر جانب کے لئے ایک تشفی بخش فیصلہ ہوگیا ہے یہ میں جب سنوں گا تو وہ میری سیاسی زندگی میں ایک زریں وقت ہوگا۔ اور جو لوگ ایسا گمان کرتے ہیں کہ میں سیاسی امور میں بالکل مشغول ہوگیا ہوں سراسر غلطی پر ہیں میری زندگی کی مبارک ساعت نہ شرط کے میدان میں ہے نہ سیاسی امور میں ہے۔ میری زندگی کا بیش بہا لمحہ ہر ہفتہ میں صرف ایک ہی وقت آتا ہے اور وہ یوم الجمعہ ہے اور ہمیشہ جسقدر امکان ہوتا ہے وہ دوپہر کے بعد کی ہی گھڑی ہے۔ ہر مسلمان کی طرح جمعہ کے دن میں بھی کچھ لمحے عبادت میں مشغول رہتا ہوں اور یہی گھڑی میری زندگی کی انمول گھڑی ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ



آرمسٹس ڈے:- جنگ عظیم کے بعد برطانیہ میں مقتولین جنگ کی دعائے خیر کیلئے جو دن منایا جاتا ہے اسکی تقریب میں جارج پنجم آنجہانی کیساتھ مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب

وآلہ وسلم کے خاندان میں سے براہ راست نسلاً بعد نسلاً ہوں۔ دو کروڑ مسلمان مجھے امام مانتے ہیں وہ میری بندگی کرتے ہیں اور مجھے ہدایا اور سوغات بھی نذر کرتے ہیں چونکہ میری رگوں میں پیغمبر صلعم کا خون جاری ہے۔ ہدایا کے معاوضہ میں میں دعا دیتا ہوں اور ہر جمعہ کے دن وہ لمحہ آتا ہے۔ میں اگر بہت سے کاموں میں مشغول ہوا کرتا ہوں تو شاذ و نادر ہی عبادت گاہوں میں جا سکتا ہوں۔ اور جب مجھے بن پڑتا ہے تو ووکنگ (لنڈن)، یا پیرس کی عبادت گاہوں میں اپنی حاضری دیتا ہوں اس کے سوا میں جہاں رہتا ہوں وہاں ضرور عبادت کرتا ہوں۔ لنڈن میں رہوں یا پیرس میں ہوں۔ مانٹے کارلو میں ہوں یا یورپ کے کسی ریلوے میں سفر کرتا رہوں۔ جینوا کی کسی جھیل کے کنارہ پر رہوں یا کسی باغیچہ میں تاہم میں اس وقت دنیا کے تمام افکارات و پریشانیوں کو بھول جاتا ہوں۔

آپ اپنے زمانہ بلوغیت سے ہی عزلت نشینی و تنہائی کو پسند کرتے تھے۔ گھنٹوں تک آڑے سو کر دونو پاؤں کے بیچ میں ایک چھوٹی سی لکڑی لیکر اس طور سے گھماتے رہتے تھے کہ کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے اس طرح لکڑی گھمانے کے لئے سخت دقت اٹھانی پڑے اس زمانہ میں آپ مطالعہ کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ یا خیالوں میں ہمہ تن محو ہو جاتے تھے۔

اسلامی تہذیب اور امام وعترت

اسلامی شان کا اظہار کرتے ہوئے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ نے نہایت پر درد لہجہ میں فرمایا کہ چاہے جتنا تم دوسروں پر اعتماد کرو۔ مگر وہ اسلام کی معاونت نہ کرے گا۔ ہمیں خود اپنے ہی پاؤں پر کھڑے رہنا چاہیئے اور ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنے عقب میں اپنی تہذیب ہے پھولوں کے گچھے پر نظر کرو۔ ” گنڈے میں لگے ہوئے گلاب کے تازہ پھول کی طرف دیکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ان پھولوں پر نظر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ حسن، جذبات اور رجحان رکھتے ہیں مگر چند عرصہ کے بعد سب کمھلا کر زائل ہو جائیں گے۔ یہ پھول کی مثال اس کے آخری انجام کے سوا، اسلامی تہذیب پر بالکل صادق آتی ہے پھول پژمردہ ہو جاتے ہیں مگر اسلام اور اس کی تہذیب کبھی پژمردہ نہیں ہو سکتی جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلامی

تہذیب پژمردہ ہو جاتی ہے وہ اسلام کی ترقی کی تاریخ اس کی قدیم روایات اور مذہب کے اصلی آبشار سے بالکل نابلد ہیں" دنیا کے سطح پر سکونت پذیر اسمٰعیلی اس اصلی آبشار سے امام اور اس کی عترت مراد لیتے ہیں۔

بلبلوں کی آزادی

آزادی کی نسبت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کو ان کے ایک دوست نے گاتے ہوئے بلبلوں کی ایک نفیس جوڑی ہدیتہً بھیجی اس واقعہ سے ان کی ہمدردی صاف صاف نظر آتی تھی اس دوستانہ ہدیہ کو منظور کر کے آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ ایک دوسرے موقع پر وہی دوست آپ کی ملاقات کو آیا اور بلبلوں کی یاد دہانی کرتے ہوئے آپ جس دیوانخانے میں تھے اس کا دریچہ کھول دیا اور باہر نظر کی بغیچہ کے عمدہ تاڑ کے درخت اپنا سر ہلا رہے تھے اور دوسری جانب یگدار زمین پر دریا گونجا ہوا لہرا رہا تھا اس میٹھی آواز کے سرود کو سنتے ہوئے آپ نے اپنے دوست سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بلبل مجھے حافظ شیرازی کی یاد دلاتے ہیں یہ کہہ کر آپ نے ایرانی وضع سے ایک شعر کہتے ہوئے پنجرے میں سے ایک بلبل کو جسے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا ایک مصرعہ ختم ہوتے ہی اپنی مٹھی کی انگلیوں کو ڈھیلا کر دیا اور بلبل اڑ گئی۔ دوست نے یہ دیکھ کر کہا "یہ پرندہ آپ کے ہاتھ سے کیسے اڑ گیا؟" آپ نے دوسری بلبل کو ہاتھ میں لے کر اڑا دیا اور جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح اڑ گیا یہ واقعہ بالکل حافظ کے شعر کے مضمون کے مطابق ہے اس شاعر نے ایک پرندہ دوسرے پرندہ کے عقب میں اڑاتے ہوئے اور اپنی نجات دہندہ کے توصیفی گیت گانے کی معنی خیز تشریح کرتے ہوئے آپ نے نہایت موثر لہجہ میں فرمایا کہ اگر کچھ نہیں تو ان بلبلوں کو اپنا رہین احسان تو ہو لینے دو۔" یہ آپ کی پرندوں کے آزادی کے ساتھ محبت کا ایک نمونہ ہے اور انسانی آزادی تو آپ کے زندگی کا اصول ہے۔

خواجہ کمال الدین کا خواب

اسلامک ریویو کی صوفی ڈائری میں "خواجہ کمال الدین کا خواب اور ایچ ایچ سر اے کی ملاقات کے عنوان کے ماتحت خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ کسی خاص عارضہ کی وجہ سے میں بیرس اور لنڈن میں کئی ڈاکٹروں کے زیر علاج رہا اور مہینوں تک علاج جاری رکھا بالآخر "ٹرکش باتھ" لینے کی مجھے صلاح دی گئی تو بھی اس نے میرے مرض کو کچھ فائدہ نہ دیا اور صحت حاصل کرنے کے لئے خدا کی عبادت کرنے کا ایک ہی علاج باقی رہا تھا اور اس طرح میں ہفتوں تک نہ عاد عبادت کرتا رہا اسی سال کے ماہ نومبر کی ایک شب کو ایچ۔ ایچ سر اے" مجھے خواب میں دکھائی دیئے اور ہندوستان کے ایک پہاڑی علاقہ کی ایک قسم کی کھٹول (دال کا دانہ) منگوا کر مجھے کھانے کے لئے فرمایا اور فوراً مجھے ہندوستان خط لکھنے کے لئے کہا۔ نیز کھٹول کس طرح استعمال کرنا چاہیئے اس کی بھی فہمائش کی۔ اس کے بعد میرا خط ہندوستان پہنچا اس اثنا میں یورپ میں چونکہ میرا بھتیجا آنے والا تھا اس نے خواب کی ہدایت کے مطابق کا دانہ اپنے ساتھ لایا اور میں ایچ۔ ایچ سر اے" کے فہمائش کے مطابق عمل کر کے چھ مہینہ میں کامل طور پر صحت یاب ہو گیا۔ سر موصوف نہ حکیم ہیں نہ ویدک علم میں کسی طرح کا حصہ لیتے ہیں۔ چند ایام کے بعد پھر ایچ۔ ایچ سر اے" کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اور اس بات کا ذکر نکلتے ہی انھوں نے انجان پن کا اظہار کر کے اس کو بھلا دیا۔ تفصیل لکھتے وقت خواجہ صاحب کو ایچ۔ ایچ۔ سر اے" کا نام صاف طور پر لکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

سادہ طعام — اور سادہ زندگی

ہز ہائینس آغا سلطان محمد شاہؒ کی خوراک بالکل با قاعدہ اور اوسط ہے دوسرے اہل دول کی طرح لذیذ اور مقوی الوان تیار کر کے شکم سیری نہیں کرتے۔ ایسے شخصوں پر آپ نام دار رحم کرتے ہیں۔ آپ کو تازی مچھلی اور میوہ جات بہت مرغوب ہیں چھاچھ پینے کا بھی بیحد شوق ہے اس طرح بالکل سادہ زندہ گی آپ بسر کرتے ہیں آپ علی الصباح اٹھتے ہیں۔ فرانس کے مشہور مرکز ایکس لا بینس میں یا ڈوویل کے

دریا کنارہ پر عام طور پر لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر تفریح کرتے ہوئے آپ دکھائی دیتے تھے اس وقت جب سب لوگ اپنے سویرے کے ناشتہ میں مشغول رہتے ہیں آپ گولف کے میدان میں نظر آتے ہیں اور بعض وقت ٹوول کے ایک ہوٹل میں ٹویڈ کی سادہ پوشاک میں کھانا کھانے کے لئے جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ایران کے زرتشتیوں کی حمایت

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے ایران میں بسے ہوئے زرتشتیوں پر جو سلطنت کی طرف سے ظلم ہوتا ہے اس کو دفع کرنے کی کوششیں کیں۔ ان لوگوں کو وہاں کے عوام الناس کافر سمجھتے تھے ایران کے اس زمانہ کے ایرانی قاچاری شاہ سے فرانس میں ملاقات کر کے امامؑ نے کہا کہ تمہاری سلطنت میں رعایا کے ایک بہت بڑے حصہ پر ظلم ہوتا ہے۔ . . . . . بادشاہ نے کہا "وہ کونسی رعایا ہے"۔ امامؑ نے کہا کہ وہ زرتشتی رعایا ہے اور ان لوگوں کی حالت ایران میں قابل رحم ہے شاہ نے اس کی نسبت اپنی ناواقفیت ظاہر کی مگر ایران جا کر اس کے تدارک کا بادشاہ نے وعدہ کیا بادشاہ جب ایران گئے اسوقت ان کی اصلاح کے لئے بہت کچھ کوشش کی اور مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے بھی معاونت کے طور پر زرتشتی قوم کے لئے کئی مدرسہ قائم کروائے اور اپنے خرچ سے ان کی کفالت کے ضامن ہوئے آپ جرمنی کا سفر تمام کر کے فرانس میں آئے اس وقت پیرس میں شاہ ایران سے بھی ملاقات ہوئی اور دو ہفتہ تک آپ نے آسٹینڈ میں اقامت کی۔

مریدوں کے ساتھ ہمدردی

اپنے مریدوں کے ساتھ آپ کی اتنی گہری ہمدردی ہے وہ اس سے ظاہر ہوگی کہ مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کے افریقہ جانے سے پہلے جرمنی کے سامنے عربوں نے بلوہ کیا اور جرمن حکام کو یہ شک ہوا کہ ان عربوں کے ساتھ اس بلوہ میں آپکے خواجہ مرید . . . . بھی شامل ہیں اس باعث سلطنت کی نگاہ عتاب اسمٰعیلیوں پر ہونے لگی۔ اس حالت کو دیکھ کر آپ جرمنی پہنچ گئے اور جرمن قیصر کی ملاقات کر کے اسمٰعیلیوں پر جو شک تھا اسکو



مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب فرانس کے پایہ تخت پیرس میں جوہری کا پیشہ کرنے والے سورت کے نومسلم اسمٰعیلی مریدوں کے ساتھ

بالکل مٹا دیا اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ آپ نے دوسری مراعات بھی دلوائیں ۔ اور افیجی کے زرخیز ساحلی علاقہ میں چاول کے غلہ کی کاشت کی پروانگی کے لئے جو اسمٰعیلی جرمن سلطنت میں کوشش کر رہے تھے اس کی اجازت بھی اسی وقت مریدوں کو دلادی ۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ سچ سے جھوٹ کو تمیز کرنے کا عجیب و غریب علم رکھتے ہیں اس لئے آپ کی آنکھیں چہار طرف روئے زمین پر پھرا کرتی ہیں ان کے وسیع نظروں سے کسی کا جھوٹ جانا ناممکن ہے۔

اسلام میں خدا تعالےٰ کی ہستی

زمانہ حال کے روسی لامذہبوں کی نسبت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ اسلام کے تمام خیالات کے ساتھ خدا کی ہستی (وجود) کا مخصوص عقیدہ ہے اور خدا تعالیٰ کو جلا وطن کرنے کے لئے آج کے زمانہ میں اہل روس پر ہمیں افسوس کرنا چاہیئے جو اپنے دل کی خیالی اصنام کی عبادت میں گر کر اپنے ہی کو دھوکہ دیتے ہیں ۔ یہاں اس بات کا اظہار کرتے ہوئے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ گہوارہ اسلام میں وحدانیت کا عقیدہ ہو اور مسلم اسکا معتقد ہے ایسی توقع کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے ۔ عالم اسلام کے مستقبل پر جب تاریکی چھاجاتی ہے آپ اس کو سلجھانیکی جدوجہد کرتے ہیں ۔ آپ نے اس جدوجہد میں اپنی ساری عمر گزاری ہے اور ہر وقت اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس بارے میں بے حد کوشاں رہے ہیں ۔

جماعت کے کاموں کی نگرانی اور کامڑیہ اسمٰعیل بھائی کا تقرر

۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۰ھ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی اس صغیر سنی میں آپ چھوٹی بڑی جماعتوں میں اپنے اقتدار سے تمام کاموں کی نگرانی کرتے رہتے تھے ماسوا جماعت کے عہدداروں کا تقرر بھی کرتے تھے اس زمانہ میں بمبئی کے درخانہ کی جماعت کے بڑے کامڑیا محمد بھائی چوتھہ فوت ہوئے اور مجگاؤں کے حسن آباد میں ایک زبردست مجلس کے سامنے نئے کامڑیا سیٹھ اسمٰعیل بھائی قاسم جے پی کو مقرر کرکے انہیں تمام اختیارات سونپ دیئے ۔

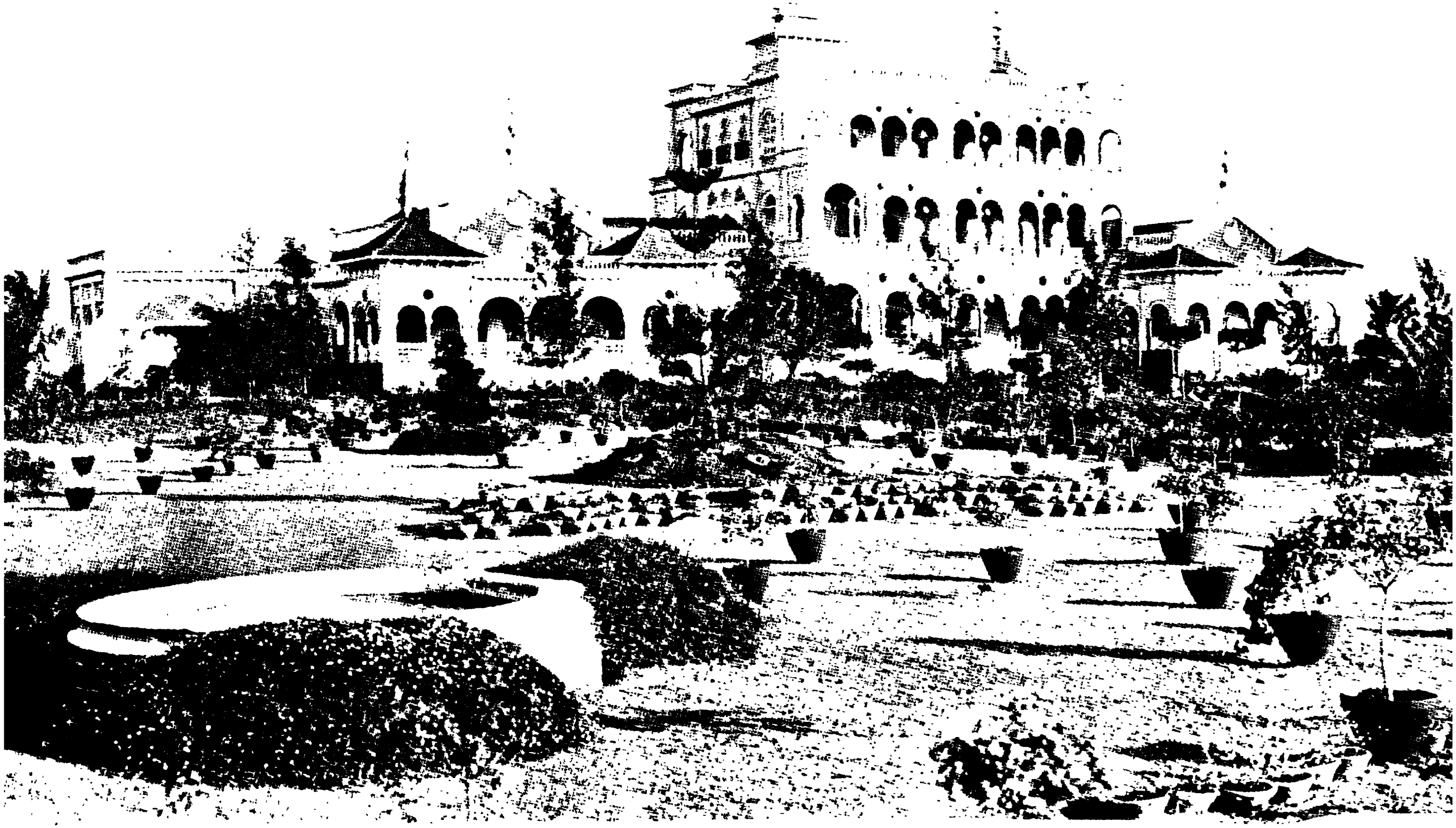


مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب افریقہ میں بود و باش کرنے والے گجرات کے نومسلم اسمٰعیلی مریدوں کے ساتھ۔

بمبئی میں دنگہ اور قحط سالی کے موقع پر شاندار خدمات

۱۸۹۳ء مطابق ۱۳۱۱ھ میں بمبئی میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کم نصیبی سے خونریز فساد ہوگیا۔ اس وقت آپ نے اپنے مریدوں کو بالکل فساد میں حصہ لینے سے روک دیا اور اپنی امکانی کوششوں سے دونوں فرقوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے احکام نافذ کئے اس وقت آپ کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے آپ کس قدر حامی تھے اور مختلف اقوام سے عناد کو دور کرنے کیلئے جو جو تجاویز آپ نے عمل میں لانے کیلئے کہا تھا۔ وہ تمام آپ کے قول سے واضح ہوتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قدیم ہندو تہذیب میں جو عمدہ ہے اس کو سمجھنے کے لئے اور ہندو مذہب اور اس کے خیالات کے اظہار اور اس کے اصل کو نہایت عمدہ طور سے تمیز کرنے کے لئے اور اسی طرح اپنے شہر کے ہموطنوں کے ساتھ تحمل صبر اور محبت پیدا کرنے کے لئے ان کے وضع اور ڈھنگ کو سیکھنے کے لئے ہمارے نصاب تعلیم میں سنسکرت اور دوسری زبانوں کو بھی ضرور شامل کرنا چاہیئے۔ آپ کی اس بہترین صلاح کو انسانی زندگی کے مدارج حیات میں برد تسلیم کریں تو بجا ہے۔

۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں قحط سالی نے ہندوستانی رعایا کو اپنا سیاہ منہ دکھایا اور دوسری طاعون کی وبا پیدا ہوئی۔ ان دونوں بلاؤں سے تمام لوگ مشکلات میں گھر گئے۔ حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے ان کی ہر طرح امداد کی اور قحط سالی میں پھنسے ہوئے لوگوں کی زندگی بچانے کے لئے بغیر کسی قومی امتیاز کے غلہ تقسیم کیا۔ اسی طرح دوپہر کو کھانا کھلانے کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں آفت میں مبتلا شدہ کسانوں کو اناج۔ دانہ۔ چوپائے اور کھیتی باڑی کے اوزار بھی عنایت کئے جاتے تھے۔ ننگوں کے لئے کپڑے کا انتظام بھی تھا۔ بمبئی کے حسن آباد اور پونہ میں یہ امداد کئی مہینوں تک برابر جاری رہی اس کے ماسوا پونہ میں یرودڈہ کی وسیع جگہ میں یرودڈہ پیلس (محل) کا کام خاص قحط میں مبتلا شدہ لوگوں کی امداد کے لئے شروع کیا گیا۔ وہاں پر کام کرنے والے ہزاروں مرد و عورت اور بچوں کی اس طرح کفالت کی گئی یہ یرودڈہ محل آج کل رہائش کا ہندوستان کا خاص مقام کہا جاتا ہے اس کے سیاحت کے لئے اکثر لوگ یہاں سے اور باہر کے شہر سے آتے ہیں اور اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں۔



یروڈا پیلیس پونہ



[illegible]

مرض طاعون کا علاج اور ڈاکٹر ھافکن کی امداد

بمبئی میں مرض طاعون کے بڑھنے سے ڈاکٹر ھافکن نے اس کو نابود کرنے کے لئے ایک سیرم ایجاد کی۔ حکومت ہند نے انھیں بمبئی بھیجا اور انہوں نے رعایا میں انجکشن دینے کا کام شروع کیا مگر یہ ایک بالکل نئی چیز ہونے سے لوگ گھبرا کر ڈرنے لگے اور ہزار طرح کے شکوک لوگوں میں پھیل گئے۔ اس باعث بہت سے لوگ اسے رکھنے سے ہچکچاتے تھے۔ بلکہ اس کو مہلک سمجھتے تھے۔ اور اس لئے علانیہ اس کی مخالفت کی گئی۔ اسمٰعیلی قوم میں بھی اس کی نسبت شکوک پیدا ہو گئے۔ اس لئے آپ نے لوگوں کا شک دور کرنے کے لئے خود اپنے یہاں رسی رکھوائی۔ اور مریدوں کو بھی رکھنے کا حکم نافذ کیا۔ اس حکم کے اثر سے لوگوں کا ہجوم وہاں ہونے لگا اور اس ہجوم کے انتظام کے لئے آغا ہال متصل خسرو لاج میں اس کا بندوبست کیا گیا۔ جہاں ایک لیبورٹیری بھی قائم کی گئی یہ بنگلہ کرایہ کے بغیر خاص رعایا کے زندگی کے تحفظ کے لئے آپ نے مفت حوالہ کر دیا تھا۔ بعد ازاں ھافکن کے پاس ہزاروں لوگ آ کر رسی رکھوانے لگے اور ان کے شکوک دفع ہو گئے ایک مہینہ تک خسرو لاج میں رسی کا کام جاری رہا بعد ازاں اس جراثیم کے ماہر ڈاکٹر ہافکن نے آپ کا احسان مانا اور نہایت تواضع کی۔ علمداروں کو بھی یہ معاونت نہایت بیش بہا دکھائی دی اس لئے حکومت برطانیہ نے بھی آپ کو انسانی ہمدردی کے صلہ میں (نائٹ کمانڈر آف دی انڈین ایمپائر) کے سی آئی ای کا اعزازی خطاب عنایت کیا۔

ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی ڈائمنڈ جوبلی

ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی ڈائمنڈ جوبلی ۱۸۹۷ء مطابق ۱۳۱۵ھ میں ہوئی تھی اس زمانہ میں اس کو کامیاب بنانے کے لئے بمبئی کے باشندوں نے آپ کو اپنا لیڈر انتخاب کیا تھا اور آپ کے زیر صدارت مظفر آباد ہال میں ایک زبردست شاندار جلسہ بمبئی کے باشندوں کا منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر آپ کی تقریر کے سبب سے ایک بڑی رقم جمع ہو گئی تھی خود آپ نے بھی ایک بڑی رقم اس فنڈ میں دینے کا وعدہ فرمایا تھا بعد ازاں

ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ روانہ کرنے کا ارادہ ہوا اور اس وقت بھی وائسرائے ہند لارڈ ایلگین کو سپاسنامہ سپرد کرنے کے لئے بھی آپ ہی کو شہریوں نے اپنا نائب بنایا اور آپ سپاسنامہ پہنچانے کے لئے شملہ تشریف لے گئے تھے۔ اس سپاسنامہ کو وائسرائے کی خدمت میں پیش کر کے آپ چند روز وہاں مہمان رہے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کی عمر صرف ۱۹ سال کی تھی

پہلی شادی

۱۸۹۷ء کے ماہ جنوری کے ۱۶ سے ۲۱ تاریخ تک مطابق ۱۳۱۴ھ ماہ شعبان کی ۱۲ سے ۱۷ تاریخ تک یعنی پانچ دن تک شادی کے رسوم کے مطابق دعوت نامے درخانہ کے مکھی کامڑیا اور جماعت کی طرف سے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی طرف سے تقسیم ہوئے تھے۔ ایشیا مائنر۔ آفریقہ۔ برما اور ہندوستان کے تمام شہروں کے جماعتوں کے لوگ پونہ آئے ہوئے تھے اور پونہ میں جہاں شادی ہوئی تھی وہاں تقریباً تیس ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ ابتدائے شادی سے ہی جماعتوں میں بے حد مسرت پھیلی ہوئی تھی تمام عورتیں امامؑ کی تعریف میں نظم خوانی کرتی تھیں۔ اور مرد قسم قسم کے کھیلوں سے مہمانوں کے دلوں کو مسرور کر کے شادی کے خوشی میں اضافہ کرتے تھے۔ مختلف قسم کے کھانے تیار کئے گئے۔ مولانا حاضر امامؑ کی یہ شادی اپنے نامدار چچا آغا جہانگیر شاہ کی لڑکی شاہزادی بیگم سے ہوئی تھی۔

یورپ کا پہلا سفر

۱۸۹۸ء مطابق ۱۳۱۵ھ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ یورپ کے سفر کے لئے روانہ ہوئے تھے اور لنڈن میں ملکہ وکٹوریہ نے آپ کو دعوت دے کر نہایت احترام کے ساتھ اپنے یمین میں اعزازی کرسی پر سرفراز فرمایا تھا جو فی الحقیقت ایک اعزازی نشست ہے اور اس کے علاوہ ملکہ وکٹوریہ نے آپ کو اپنے ساتھ طعام نوش کرنے کے لئے ونڈسر قلعہ کے محل میں ایک دن شب باشی کرنے کی بھی خواہش ظاہر کی۔ اس زمانہ میں آپکی عمر صرف ۲۰ سال کی تھی مگر آپ دنیا کے عظیم اور وسیع سلطنت



افریقہ کے ڈوڈوما اسٹیشن پر حکومت ٹانگانیکا کی طرف سے مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب کا شاہانہ خیر مقدم



شاہانہ خیر مقدم :- مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب افریقہ کے سفر کو گئے تھے اس موقعہ پر آپ کا بمقام ممباسا خیر مقدم کیا گیا تھا۔

کی ملکہ وکٹوریہ کے دلپر اس چھوٹی سی عمر میں اپنی دانشمندی سے تسلط جمانے میں کامیاب ہوئے جو تاریخ عالم کا قابل فخر واقعہ ہے۔

اس موقع پر انگلینڈ کے وزیر اعظم لارڈ سالسبری۔ ہندوستانی وزیر لارڈ جارج ھیملٹن اور شاہزادہ ڈیوک آف کوناٹ نے آپ کا شاندار استقبال کیا تھا۔ اس زمانہ میں آپ شاہی مجلسوں کے معزز مہمان ہو گئے تھے اور برٹش رعایا میں آپ ایک خوش نصیب شخص مشہور ہو گئے تھے اس واقعہ کے بعد آپ اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان تعلقات کا سلسلہ نہایت مضبوط و مستحکم ہو گیا۔

افریقہ کا سفر

۱۸۹۸ء مطابق ۱۳۱۶ھ میں حاضر امام سلطان محمد شاہ آغا افریقہ کی طرف روانہ ہوئے اور زنجبار۔ باگامویا۔ دارالسلام۔ اور دوسرے شہروں کی جماعت سے ملاقات کی۔ اسی طرح دوسرے لوگوں کی صحبت کا بھی موقع ملا۔ متعدد شہریوں کی طرف سے آپ کو تہنیت نامہ دیئے گئے تھے دارالسلام میں تخت پر رونق افروز ہو کر جماعت سے۔۔ مخاطب ہوتے ہوئے آپ نے مذہب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو صوفی نہیں ہیں ان کی امیدیں ٹھیک نہیں ہیں ان کی ایسی خواہش ہے کہ بہشت میں جائیں گے لذیذ طعام۔ بہتر پوشاک اور کثرت سے عورتیں ملیں گی یہ خیال شرعی ہے یعنی بہشت بھی دنیا کے مثل ہے۔ روح کی اصل امید ہی وہ دوسرا جوہر ہے مولانا رومی نے لکھا ہے کہ میں پتھر تھا۔ پھر جھاڑ میں پیدا ہوا اس میں سے تبدیل ہو کر چیونٹیوں میں آیا۔ بعد ازاں جانوروں میں آیا۔ وہاں سے بوزینہ (بندر) کی شکل اختیار کی اس میں سے مبدل ہو کر انسان ہوا ہوں انسان سے ملک بن کر اور بھی اعلیٰ درجہ پر جاؤں گا تم خیال کرو۔ فنا ہونے کے لئے جو چاہے اور کوشش کرے وہ وہاں پہنچ سکتا ہے مگر تمہارے گناہ تمہیں وہاں پہنچنے نہیں دیتے اس لئے تم یہاں زنداں میں پڑے رہو اس قید خانہ میں تمہیں جھوٹ بولنے کی عادت ہو گئی ہے تمہاری بہشت اور روحوں کی امیدیں اچھے میوے اور لذیذ خوراک کی آرزوؤں نے تمہیں مقید کر دیا ہے مگر روح زنداں میں رہنے سے کبھی خوش نہیں۔ دیکھو خیال کرو کہ کسی بلبل یا پرندہ کو پکڑ کر پنجرہ میں اگر تم قید کر دو اور اسے عمدہ پانی اور بہتر غذا کھانے کے لئے دو تا ھم

وہ پرندہ پنجرہ میں رہنے سے خوش نہ ہوگا وہ ہوا میں اُڑ جانے کے لئے بیچین ہوگا۔ روحانیت کی نسبت آپ کی یہ ایک عجیب اور بیش بہا نصیحت ہے۔

ایران میں اسمٰعیلی مریدوں کے شہر

میجر سائیکس نے ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۱ء تک ایران میں سیاحت کی تھی اور اس نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ ایران کے دکن جانب کے پہاڑی شہروں میں واقع شدہ کائن اور بیرجند کے درمیان کے مضافات میں قریہ نامی ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ وہاں ہز ہائینس آغاخان کے مریدوں سے آباد ایک شہر ہے وہاں اسمٰعیلی جماعت کے مکھی مراد مرزا ایک خوبصورت اور سجیلے جوان تھے وہاں تقریباً ایک ہزار اسمٰعیلی قبیلے آباد تھے وہ لوگ اپنی کمائی میں سے عشر آغاخان ثالث کو بھیجدیتے تھے۔

پنجے بھائی کلب کی بناء

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں ۲۸ رمئی کو پنجے بھائی کلب مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کی سرپرستی میں قائم کی گئی جس سے یہ مقصد تھا کہ وہاں پنجے بھائی ہوا خوری کے لئے جمع ہوں اور شام کے وقت ساف سپورٹس اور باہمی ملاقات میں اپنے وقت کو صرف کریں اس کلب کو قائم کرنے کا مخصوص مقصد یہ تھا کہ پنجے بھائیوں میں سلسلہ اتحاد زائد ہو اور باہمی محبت میں اضافہ ہو اس کے اخراجات اور کفالت کے لئے ہز ہائینس آغاخان صاحب نے نہایت فیاضی سے چھتیس سو روپیہ کی رقم سالانہ اپنی طرف سے عطا فرمائی اسی سال کے فروری مہینہ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ سندھ کی سیاحت کے لئے روانہ ہوئے واپسی میں کاٹھیاواڑ میں جام صاحب کے یہاں مہمان رہے اور وقتاً فوقتاً وہاں جماعتوں سے ملاقات کر کے عمدہ نصیحتوں سے سب کو بہرہ ور فرماتے رہے۔

ملکہ وکٹوریہ کا انتقال

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء جنوری کی ۲۲ تاریخ کو ملکہ وکٹوریہ فوت ہوئیں اس زمانہ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد



مولانا حاضر امام اعلیٰ حضرت سر سلطان محمد شاہ الحسینی الملقب بہ آغا خان (سوم) آپ نے شہنشاہ
جارج ششم کے دربار تاجپوشی میں شرکت کی تھی اس وقت آپ نے یہ شاہی پوشاک زیب تن کیا تھا

شاہؒ آغاخاں جرمنی میں تھے آپ کو خبر ملتے ہی نہایت صدمہ ہوا۔ اور جنازہ میں شامل ہونے کے لئے فوراً لندن چلے آئے دفن کی تاریخ دوسری فروری مقرر ہوئی تھی آپنے ملکہ کے جنازہ پر ایک نفیس طرہ ہدیہ کیا تھا جو تمام دیگر طروں سے عمدہ تھا۔ ہندوستان کی تمام اسمٰعیلی جماعتوں کو تین دن تک تعزیت کا حکم دیا گیا تھا۔

اثنا عشری خواجوں کی علیحدگی

خواجہ اسمٰعیلی جماعتوں میں اس زمانہ میں اثنا عشری ملا۔ کربلائی اور دیگر مولویوں کا رسوخ بہت جم گیا تھا اسلئے اسمٰعیلیوں کے خلاف نہایت بے دلی پھیل گئی تھی۔ آخر ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں کئی خواجہ قبائل نے علیحدہ ہوکر اثنا عشری جماعت قائم کی۔ اسمٰعیلی جماعت کے ساتھ تعلقات موقوف کردیئے۔ بار بھایا جماعت وجود میں آنے سے تیس سال بعد یہ نیا فرقہ خواجوں میں قائم ہوا تھا۔

شہنشاہ کی تاج پوشی

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم تخت نشین ہونے سے قبل بیمار ہوگئے تھے جس کے لئے ان کی رسم تاجپوشی جو ۲۶ جون ۱۹۰۲ء کو مقرر ہوئی تھی ملتوی کردی گئی اور جسوقت آپریشن کیا گیا۔ اسوقت کے مخصوص مشیر ہز ہائینس آغاخاںؒ وہاں حاضر تھے اور آپریشن کے وقت بھی جس طرح گھر کا فرد دکھڑا رہتا ہے اسی طرح آپ بھی وہاں کھڑے تھے۔ یہ واقعہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں ہوا تھا۔ ایڈورڈ ہفتم کو جب اس سے شفا ہوگئی تو ۱۹۰۲ء ماہ اگست کی دوسری تاریخ کو رسم تاجپوشی ادا کی گئی اس جشن میں بھی خاص مہمان کی حیثیت سے آپ وہاں حاضر تھے۔

برٹش شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے زمانہ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ نے انگلینڈ کی تیسری بار سیاحت کی تھی۔ اس وقت رسم تاجپوشی میں شامل ہونے کے لئے آپ کو شہنشاہ کی طرف سے خاص دعوت دی گئی تھی۔ اس وقت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ نے اپنے دنیا میں بادشدہ الگ الگ حصہ کے مریدوں کے طرف سے کئی تہنیت نامے جاتے وقت پیش کئے تھے ان تمام تہنیت ناموں کو رکھنے کے لئے پندرہ ہزار روپیہ کے خرچ سے ایک صندوق بنایا گیا تھا جس میں یہ تمام تہنیت نامے رکھ کر شہنشاہ کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے۔

- - - - - - - - - - - تاج پوشی کے دن کے اگلی شام کو بادشاہ کے بکنگھم محل میں شاہی پارٹی میں بھی حاضر ہونے کے لئے آپ کو دعوت دی گئی تھی مہمانوں میں ڈیوک آف کاناٹا۔ پرنس۔ کرسچین آف سیلس وگ ہولسٹین وزیراعظم اور وزیر نوآبادیات وغیرہ سب حاضر تھے آپ کو شہنشاہ نے اگلے دن ملاقات سے شرف بخشا تھا اور شہنشاہ اور ملکہ کے ساتھ آپ نے طعام تناول فرمایا تھا۔

۱۴ جون کو لندن میں سول سروس کی ضیافت طعام میں آپ نے جو تقریر کی تھی اس میں آپ نے فرمایا تھا کہ ہندوستان میں الشرائے شاہی خاندان سے ہونا چاہیئے اور وہ ایک عرصہ دراز تک وہاں رہ کر انگلینڈ اور ہندوستان کے سلسلہ اتحاد کو مضبوط کرے۔ دوسرے دن پرنس آف ویلز نے اپنے لشکری قواعد کی پریڈ کراتے وقت ہز ہائینس آغا خان صاحب کو اپنے ہمراہ رہنے کی بھی دعوت دی تھی۔

اس موقع پر چونکہ بہت سے راجا و نواب و سلاطین وہاں حاضر ہوئے تھے اور چونکہ مولانا حاضر امام کی ذات گرامی خاص دلکش تھی اس لئے بڑے بڑے حکومت کے عملدار آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے اس لئے آپ کی مصروفیت بڑھی ہوئی تھی۔

مسلمانان ھند کی رہنمائی

۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء ماہ دسمبر کے ۲۷ سے ۲۹ تاریخ تک دہلی دربار کے موقع پر مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے ایک خاص معزز مہمان کی حیثیت سے حصہ لیا تھا اس زمانہ میں وہاں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ بھی منعقد ہوا تھا اس کے خطبہ صدارت میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے ایک طول طویل تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مذہبی خیال کے مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اسلام آج ان سے کیا مطالبہ کرتا ہے عبادات کے اوقات کا ایک حصہ حج کے طویل سفر کا تحفظ اور زمانہ ماقبل کے مشہور اسلامی شہدا کی یادگاریں جو رقوم خرچ کی جاتیں ہیں ان کا ایک حصہ اسلامی نوجوانوں کی تعلیم کے پیچھے صرف کرنا چاہیئے۔ اپنے پیغمبر اعظم اور ... خلفاء راشدین کی مثال سے انکو سمجھنا چاہیئے کہ ایک مسلم کا پہلا فرض اپنے ملک کی بہبودی میں حصہ لینا ہے نہ کہ تنہائی میں فقط اپنے اوقات کو بندگی میں صرف کرنا۔ میں جانتا ہوں کہ متعدد مدارس اور مکاتب میں زمانہ



اللہ اکبر



نمازِ عید :- اماموں اسمٰعیلیوں کے امام اقدس حسن آباد (مجگاؤں) کے میدان میں نمازِ عید پڑھا رہے ہیں۔

سلف کے طور پر طوطے کی مانند قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا۔ مگر طلبا کو بچپن سے اصلاح کرنے یا اپنے مذہب کی نسبت بڑے بڑے احکامات کو سمجھانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی جاتی۔ معمولی قاعدہ کے طور پر نماز یاد کرادی جاتی ہے اور جب وہ پڑھی جاتی ہے اس وقت بچے ذرہ برابر یہ نہیں سمجھتے کہ کس ... لئے پڑھتے ہیں۔

ایک آدمی اپنی پیٹھ کے پیچھے ہاتھ باندھ کر نہیں تیر سکتا اسی طرح حال کے سخت مصائب کے زمانہ میں سب سے عظیم الشان مذہبی و اخلاقی طاقت کے بغیر ایک قوم کی کامیابی کی کم توقع ہے فی زمانہ ہماری تباہی کا دوسرا سبب عورتوں کی پردہ پوشی کی رسم ہے۔ جس کے باعث اسلامی عورتوں کی حالت قابل رحم ہے ایام جہالت میں جنگلی عرب اور خاص کر مکہ کے رؤسا نہایت فاجرانہ اور فاسقانہ زندگی بسر کرتے تھے فتح مکہ سے قبل نوجوانان قریش اپنے فراغت کے اوقات کم نصیب اور بدبخت عورتوں کے ساتھ گذارتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کے ساتھ شادی بھی کرلیتے تھے۔ الغرض فتح مکہ کے قبل عورتوں کی حالت نہایت بدتر تھی ان تمام شرمناک رسم و رواج کو بڑے مضبوط اور زبردست ہاتھوں سے حضرت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیست و نابود کردیا اور اس کے علاوہ پابندیاں رکھ کر نامحرم عورتوں اور مردوں کے تعلقات کو شائستہ بنادیا۔ اسلامی عورتوں نے بدر اور حنین کی جنگوں سے کم از کم قادسیہ اور یرموک کی جنگوں کے زمانہ تک مجروحین کی تیمارداری میں حصہ لیا تھا۔ رسم پردہ کے متعلق جو معنی آج لئے جاتے ہیں اس کا خیال تک حضرت پیغمبر صلعم کے جنگجو متاہر کو نہ تھا صاحب عقل کے لئے یہ ثبوت کافی ہے ایرانی رسم و رواج کی تقلید پہلے عباسیوں نے کی تھی اس کی مطابقت میں ہم اس رواج کو چلنے دیں تو ابتدائے اسلام کے ایام جہالت کی ایک متابعت ہوگی اور موجودہ زمانہ سے بالکل برعکس ہے۔

اس کانفرنس میں آپ نے مصر، ایران اور ترکی میں اسلام کے اخلاقی اور ذہنی زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی تھی اور دلائل سے ثابت کردیا تھا کہ ان ممالک میں اور ہندوستان میں ایک ذہنی مرکز کا سنگ بنیاد ڈالنے کی از حد ضرورت ہے کہ جس سے تمام دنیا کے مسلمان بیدار مغزی اور رہبری حاصل کرسکیں۔ جب تقریر کی گئی اس وقت ایسا زمانہ تھا کہ جب تعصب زوروں پر تھا۔ تاہم اس زمانہ کے مخصوص لیڈر نواب وقار الملک اور محسن الملک نے اپنی فراخ حوصلگی سے مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان جیسے صاحب اقبال ہونہار نوجوان کو سن رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں پر زیادہ اہمیت دی تھی۔ اور انہوں نے جو ان سے اُمیدیں رکھی تھیں وہ پوری

ہوتی تھیں مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان نے کانفرنس میں کرسیٔ صدارت پر سے جو خیال کا نہایت بے باکانہ اظہار کیا تھا اس سے آپ کی دلیری ثابت ہوتی ہے۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کو برٹش گورنمنٹ کی طرف سے ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء ماہ جون کی ۲۶ تاریخ کو گرانڈ کراس آف دی انڈین امپائر (جی سی۔ آئی۔ ای) کا معزز خطاب عنایت ہوا تھا۔

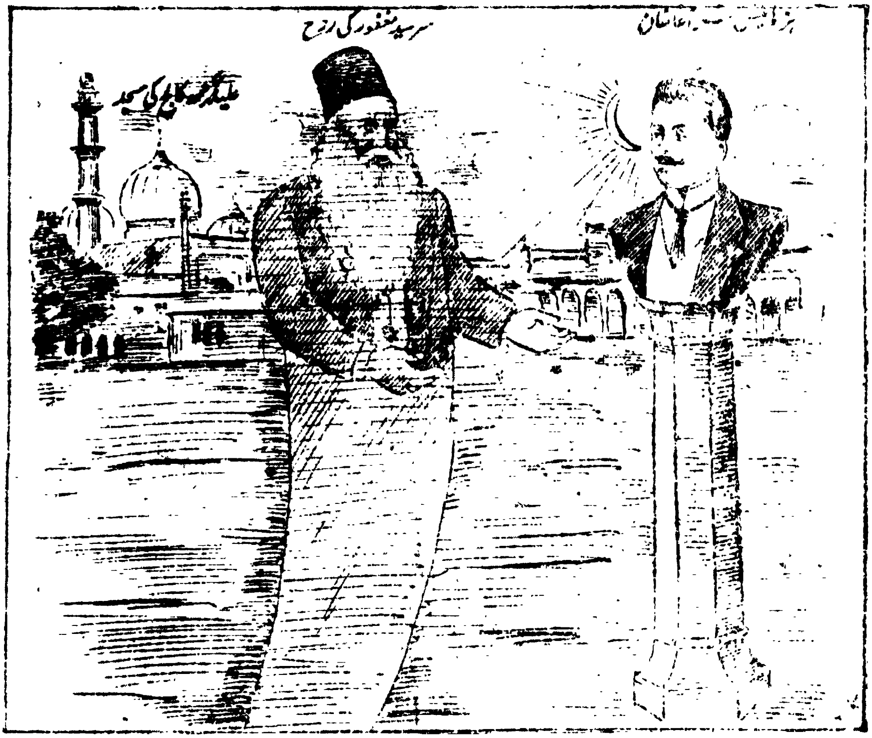
امپیریل لیجسلیٹو کونسل

۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے اپنے مریدوں کی جماعت کی ملاقات کے لئے سفر کیا۔ آپ سورت۔ احمد آباد۔ سدھپور۔ وڈھوان۔ راج کوٹ۔ منجیوڑی۔ جام نگر ہو کر وہاں سے کچھ تشریف لے گئے اس درمیان میں راجہ مہاراجوں نے آپ کا نہایت شاندار احترام کیا تھا۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ۱۹۰۳ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔ رعایا میں جبری تعلیم اور ریاستوں کی امپیریل سروس میں جو سپاہی ملازم ہیں ان کے مساوی حقوق دینے کی تجاویز کونسل میں آپ نے پیش کی تھی۔ آپ کی کوشش سے نمک کے محصول میں تخفیف کی گئی تھی۔ انکم ٹیکس کے بارہ میں آپ نے اس بات پر زور دیا تھا کہ ہزار روپیہ کے آمدنی والے لوگوں پر یہ لگان جاری کرنے سے متوسط حال کے طبقہ کو تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔ لہٰذا اس سے زیادہ آمدنی والوں پر ٹیکس لگانا چاہیئے اس بات پر آپ نے پُرزور اپیل کی۔

ہندوستانی بچوں کی بڑی تعداد ابتدائی تعلیم سے محروم رہ جاتی ہے یہ کوئی منصفانہ طرز عمل نہیں ہے صرف برطانیہ اور آسٹریلیا کی حکومت ہی نہیں بلکہ جرمن، فرانس، آسٹریلیا۔ ھنگری۔ اٹلی اور امریکہ کی بڑی بڑی حکومتیں ہی نہیں بلکہ جاپان میکسیکو، پیرو، پورٹوگل، اسپین، رومانیا، سرویا، اور بلگیریا جیسی چھوٹی چھوٹی حکومتوں نے بھی جبری اور مفت تعلیم کا انتظام کیا ہے۔

۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے حساب سے ہندوستان میں غیر تعلیم یافتوں کی تعداد ۲۴۶۵۷۶۱۷۶ تقریباً تھی اور تعلیم یافتہ یعنی لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد صرف ۱۲۰۹۷۵۲۰ تھی۔ اس کو دیکھتے ہوئے ہز ہائینس



علیگڈھ کالج کو ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کرنے کیلئے۔

"مردے از غیب برون آید و کاری بکند" سر سید احمد خاں مرحوم کی اس

پیشین گوئی کو مولانا حاضر امام سر

آغا خاں صاحب نے پورا کیا

ممالک میں لازمی تعلیم کا سلسلہ جو منظور کیا گیا ہے کیا اس کے مساوی طور پر ہندوستان میں بھی سلسلہ جاری کرنیکا وقت نہیں آیا؟ انگلینڈ میں غربت و افلاس کے متعلق بہت سے بحث و مباحثہ ہوئے ہیں مگر افلاس کا خاص باعث لوگوں کے اکثر حصہ کی صرف جہالت ہے میں نہایت جرأت اور باوثوق طور پر کہتا ہوں کہ الٰہی معجزہ سے صلح کا فرشتہ اگر افریقہ اور امریکہ کا تمام سونا یہاں ہندوستان میں اگر گھسیٹ لائے لیکن جب تک رعایا جاہل رہے گی تب تک صرف چند ہی سال میں حالت ایسی ہو جائیگی کہ یہ تمام قیمتی سونا پھر زیر زمین ہو جائے گا۔ اور لشکری اخراجات سے بچی ہوئی رقم بڑا خول زرروشنی کے دھوئیں کی طرح ہوا میں اڑجائیگی۔

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی۔ اور اسکی تشریح و تفصیل

اسی سال مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے مسلم یونیورسٹی کی تحریک کو کامیاب بنانے اور اسکو عملی جامہ پہنانے کے لئے بیشمار کوششیں شروع کیں ملی دربار میں بڑے بڑے نامور و مشہور صاحب حاضر تھے جس میں آپ بھی ایک نہایت محترم و معزز مہمان تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے سپہ سالار لارڈ کچنر اور بمبئی کے گورنر لارڈ نارتھ کوٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں حاضر تھے اس جلسہ میں آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

کہ جن لوگوں نے یورپ کے وسطی حصہ میں تعلیم کا چراغ جلایا تھا اور قرطبہ اور بغداد میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی بنیاد ڈالی تھی۔ آج جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ نے اہل علیگڈھ کو زور دیتے ہوئے کہا کہ اب اس مقصد کی تکمیل کے لئے بیدار ہو کر ایک عظیم الشان علیحدہ یونیورسٹی کی بنیاد جلد از جلد ڈالنی چاہیئے۔ پردہ کی مہلک رسم سے عورتوں کی ذہنی ترقی رک گئی اور تارک الدنیا ہو کر عبادات بجالانے کا طریقہ رواج پانے سے اور جو قسمت میں لکھا ہوگا وہ ہوگا اس عقیدہ سے جو موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا زوال ہو رہا ہے اس کے تدارک کے لئے اور اسلام میں از سر نو زندگی پیدا کرنے کے لئے ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی نہایت ضرورت ہے اور ایک کروڑ روپیے کے چندے سے اپنی یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے ملت اسلامیہ میں متذکرہ بالا جو خرابیاں آج دکھائی دیتی ہیں اس کو ہم اس ذریعہ سے دور کر سکیں گے۔

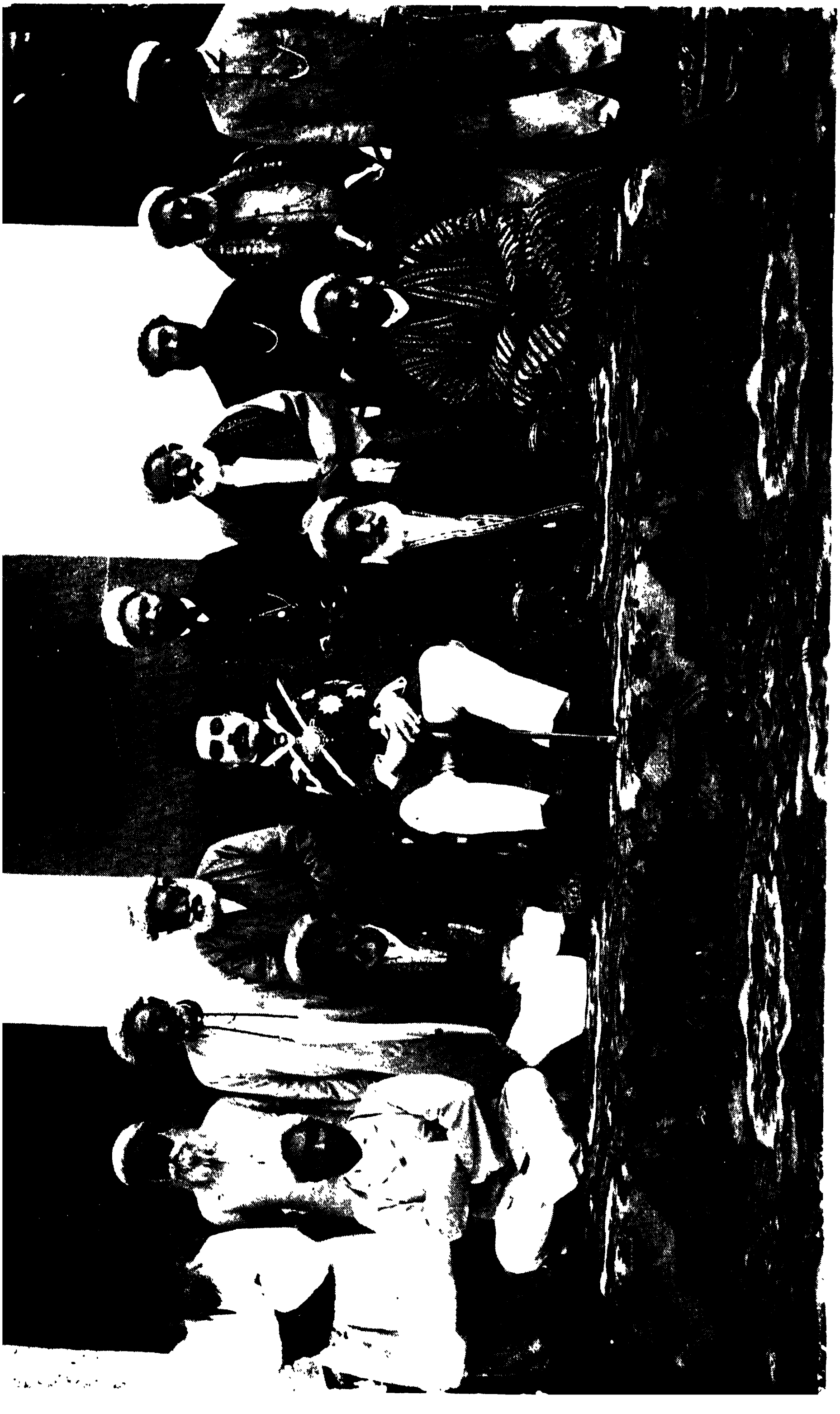
آخر میں آپ نے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم اس تجویز کو پورا نہ کر سکیں گے تو پہلا سبب یہ ہوگا کہ ہمارے قلب میں چھپے ہوئے خود غرضی کے شیطان نے ہماری ملکوتی سیرت کو بالکل نابود کر دی ہے اور دوسرا سبب یہ ہوگا کہ ہمارے مذہب اور پیارے نبی صلعم کی جو عظمت ہم رکھتے ہیں وہ صرف زبانی تھی یا ہم اپنے جلیل القدر مذہب کے گزشتہ جاہ وجلال کو واپس لانے کے لئے اتنی چھوٹی سی قربانی بھی نہیں کر سکتے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی ہی مسلم آئیڈیل بنا سکتی ہے

اس خوف سے کہ اسلامی دارالعلوم اگر وطنی تحریک سے علیحدہ رہا تو انجام بہتر نہ ہوگا۔ ہندو بھائیوں نے مخالفت شروع کی آپ نے مسلم نمایندگی حیثیت سے ۱۹۰۳ء مطابق ۱۳۲۱ھ میں بمبئی میں ماہ دسمبر کے اندر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (استقبالیہ کمیٹی) کے صدر کی حیثیت سے انہیں دنداں شکن جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر امام نے کہا تھا کہ "میں خیال کرتا ہوں کہ بہت سے مسلمان، بنارس ہندو یونیورسٹی کے لئے مبارکباد دیں گے اور اسی طرح مدراس اور بنگلور یونیورسٹیوں کو بھی عزت کے الفاظ سے یاد کریں گے مگر یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ ہندو انتظام والی یونیورسٹی کی خواہش انہیں نہیں ہوگی اور اسی سبب سے ہمیں علی گڈھ میں ایسی یونیورسٹی قائم نہ کرنے دیں گے۔ جسکی شاخ سارے ہندوستان میں ہو تو بالکل بے ہودہ بات ہے ایک مشین کے طور پر انتظام کر کے یورپ کا نمونہ بنانے میں اپنی عظمت گم نہ ہو جائے۔ اس لئے اوسط درجہ کی یونیورسٹی کی ہمیں ضرورت ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ ہماری تاریخ ایسی ہے جس میں تمام وسیع الاخلاق اور بہادر اشخاص بہت ہیں ہمارے گزشتہ جاہ وجلال ور شجاعت و بہادری کے واقعات تاریخ میں ایسے ہیں کہ اس کی امداد سے بہایت قریب کے زمانہ میں ہمارے فرزندوں کا مستقبل سنبھل جائے گا اور جانفشانی و صداقت اور زندگی کی خود مختاری کے اسباق انہیں بچپن سے ہی حاصل ہو جائینگے جو بغیر تعلیم و تہذیب کے بالکل رائگاں ہے۔ شاید ایسا بھی کہا جائے کہ ایسے نامور و مشہور اشخاص روم اور یونان کی تاریخ میں بھی پائے جاسکتے ہیں پھر ان عربوں کی تاریخ سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سچ ہے مگر انگریز اور فرنچ رومن رعایا کے اولاد میں سے ہیں وہی فی الحقیقت سمجھ سکتے ہیں کہ رومن تاریخ



عالیجاہ شوجی حاجی پاردہ جنھوں نے ہندوستان ور یورپ کے باشندگان کیلئے مشرقی افریقہ میں تجارت کی بنیاد ڈالی۔



کے جلیل القدر اصحاب انہیں کے آبا و اجداد تھے اس ملک کے مسلم نوجوان اس طرح نہیں سمجھ سکتے ان کے بڑے بڑے اشخاص دور و دراز شہر کی تصویروں کے طور پر انہیں دکھائی دیں گے جو بالکل ظاہر ہے اور اس لئے اسلامی تاریخ کے بہادر اشخاص کے سوانحعمری سے ہمارے اخلاق سدھریں گے۔ معاویہ اور ولید حکومت کے امور میں سیزر اور آگسٹس سے کم نہ تھے۔ یورپ اور ایشیا کے دوسری رعایا کی تاریخ میں عمر۔ عبدالعزیز اور ہشام سے بڑھ کر محترم بادشاہ دوسری جگہ نہ مل سکیں گے۔ ایسے اولوالعزم اصحاب کے حالات کا مطالعہ کرنے سے ہمارا ۔۔۔۔ مستقبل ضرور سدھر جائے گا۔ جو ہم پڑھنے کو ہی تعلیم شمار کریں اور امتحان میں کامیابی کو علم سمجھیں تو ہماری سب سے بڑی بدنصیبی شمار کیجائیگی۔ ایسی تعلیم سے وہ خودسری کرنے والے بنیں گے اور ہم جن رسموں و رواجوں سے پیچھے پڑ گئے ہیں ان کو ہم دور نہیں کر سکیں گے اور یقین نہیں ایسی اُمید رکھنا چاہیئے۔

ہم لوگوں کو مضرت رساں بیکڑوں رواج مذہبی رسوم کے ساتھ ایسے مل گئے ہیں کہ بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان بھی حضرت محمد صلعم کے احکام اور نبوی رسوم کے رموز کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور اسی لحاظ سے اسلام کو ان رسموں کے باعث غلطی سے جواب دہ قرار دیتے ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد کی غرض سے آپ نے بنارس ہندو یونیورسٹی میں پانچہزار روپیہ کی ایک نادر رقم دربھنگا کے مہاراجہ کی وساطت سے ھدیہ کیا اس کے بعد دوسرے پانچہزار کی رقم کا عطیہ بمبئی میں مادھو باغ کی مجلس میں تشریف لاکر دیا تھا۔

افریقہ کے مریدوں کے لئے آپ کی مساعی جمیلہ

افریقہ کی ایک فرینچ مملکت ماڈاگاسکر میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخاں کے کثرت سے مرید آباد ہیں ۱۹۰۵ء میں وہاں کی عدالت میں خواجوں کا دعویٰ جاری تھا۔ اس وقت بمبئی کے پہلے مسلم جج آنریبل جسٹس سر بدرالدین طیب جی نے بمبئی کے فرینچ کونسل کو ایک سرٹیفکیٹ لکھ کر دیا جس میں اسمیلی خواجوں کے بابت جو وہاں غلط فہمی پھیلی تھی اسے دور کیا۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

سمرسیٹ ہاؤس۔ کمبالا ہل بمبئی ۵ مارچ ۱۹۰۵ء مونشیور لوئی پیئر دوشونی۔ فرینچ کاؤنسل بمبئی۔

عزیزم

ہزہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خاں کے جانبداروں کی بابتہ خواجہ مذہب کی نسبت ایک پیچیدہ سوال ماڈاگاسکر میں پیدا ہوا ہی ایسا مجھے معلوم ہوا ہے۔ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ مذکورہ جماعت اہل اسلام سے نہیں ہیں بلکہ ہندو یا بودھ مذہب کے ہیں اس لئے میں نہایت خوشی کے ساتھ سرٹیفکیٹ دیتا ہوں۔ مذکورہ خواجے جس طرح ہندو نہیں ہیں اسی طرح مذہب بودھ کے بھی پابند نہیں ہیں بلکہ وہ شیعہ اسمٰعیلی جماعت کے مسلمان ہیں اور ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خان جو اس جماعت کے سردار ہیں آپ نبی محمد مصطفیٰ صلعم کے داماد اور خلیفہ علیؑ کی اولاد میں سے نسلاً بعد نسلاً اتر آئے ہیں۔

ہاں یہ بات فی الحقیقت صحیح ہے کہ سینکڑوں سال قبل یہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں اکثر ہندوانہ رسوم و رواج جاری تھے۔ مگر ان رسوم اور مخصوص طور پر وراثت کے قواعد کے سوا یہ لوگ ہر طرح اسلام کو سچے طور سے ماننے والے تھے۔

میں ہوں آپ کا مخلص

دستخط بدرالدین طتیب جی

پرشین گلف کی سیاحت

۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۳ھ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ پرشین گلف کی سیاحت کو روانہ ہوئے تھے اس زمانہ میں گوادر کی جماعت کی ملاقات کر کے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنی عبادت برابر جاری رکھو اگر تم کبھی بستر علالت پر بھی ہو تو بھی عبادت کو ترک نہ کرو۔

مسلم سیاسی معاملات

۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے ہندی مسلمانوں میں پہلی بار سیاسی امور میں شامل ہو کر سیاسی زندگی کی روح ڈالی اس کے قبل سر سید احمد کے سیاسی امور میں مداخلت نہ کرنے کی نصیحت نے مسلمانوں کو اس سے روک

Somerset House.
Kumballa Hill
Bombay
5th March /15

From

The Hon'ble Mr Justice
Budruddin Tyabji

To

Monsieur Louis Pierre [illegible]
French Consul General
Bombay

Dear Sir,

I understand that a question has arisen in Madagascar as to the Religion of the Khojâs belonging to the Party of H H Sir Sultan Mahomed Aga Khan. I am informed that it has been asserted in some quarters, that these people are not Mussalmans but are Hindus or Buddhists. I have therefore much pleasure in certifying that the Khojâs in question are neither Hindus nor Buddhists but are true

Mussalmans belonging to the Shia Ismaili Sect. H. H. Sir Sultan Mahomed Aga Khan who is the head of this sect is a direct male descendant of Ali the Kaliph & Son-in-law of the Prophet Mahomed

It is true that the Khojâs even after their Conversion to Islam kept up some of the customs which had prevailed amongst them before their Conversion several hundred years ago. But except in regard to these Customs & especially those relating to Succession & Inheritance they are in every other respect true followers of Islam.

I have the honor to be
Sir
Your most obt servt.

Budruddin Tyabji

رکھتا تھا۔ مگر چونکہ ہندوستان کی حیثیت یا بہت کچھ ترقی کر رہی تھی اور آپ چونکہ زمانہ کے اثر کو پوری طرح سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ اس طرح مردہ زندگی میں پڑے رہنے سے انجام برا ہو گا اس لئے ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نام کی ایک سیاسی جماعت آپ نے قائم کی۔

مسلم لیگ کا قیام اس طرح ہوا کہ ۱۹۰۶ء میں آپ علیگڈھ تشریف لے گئے تو ملکی سیاست میں اسلامی آواز پیدا کرنے کی خاطر ایک اسلامی سیاسی جماعت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی آپ نے علیگڈھ میں نواب محسن الملک سے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ نواب محسن الملک سر سید کی تحریک کے بڑے مؤید تھے اور ان کی وفات کے بعد علیگڈھ کالج کی اور اس کے تمام کاروبار کے وہ مخصوص ناظر تھے نواب محسن الملک نے اس خیال کو منظور کر کے اس کے اہتمام کی تیاری شروع کی۔ اسی اثناء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو کے پاس مسلمانوں کے سیاسی مطالبات پیش کرنے کے لئے ایک وفد مولانا حاضر امام کے ماتحت گیا۔ لارڈ منٹو پر اس کا اثر نہایت اچھا ہوا۔ اور مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کو انھوں نے منظور کیا۔ یہ زمانہ مارلی منٹو کی اصلاحات کا تھا اور ہندوستان کو سیاسی اصلاحات حاصل ہونے کا ابتدائی زمانہ تھا جس کے بعد لیگ وجود میں آئی اور کراچی میں اس کا جلسہ منعقد ہوا۔ اس وقت یہ تجویز منظور کی گئی اور آپ صدر بنائے گئے اس زمانہ میں ہندوستان کی قانونی مجلسوں میں مسلمانوں کی طرف سے خاص نیابت منظور کی گئی۔ اور مسلمانوں نے اس طرح سیاسی امور میں مداخلت شروع کی۔

دوسرے سال لیگ کے قوانین بھی بنا دیئے گئے ابتداءً اس پر نکتہ چینی کر کے لوگ اپنی بے وقوفی سے اس تحریک پر ہنستے تھے اور تمسخر سے کہتے تھے کہ اب مسلمان بادشاہ بن جائیں گے مگر ان الفاظ کی بالکل پرواہ کئے بغیر آپ اپنا کام برابر کرتے رہے کیونکہ آپ خود لیگ کی عظمت سے پوری طرح واقف تھے۔ آپ خود بہ نفس نفیس ترقی کر رہے تھے اور مسلمانوں کو بھی ترقی کے مدارج پر لے جا رہے تھے۔

علی گڈھ کالج کا گرانٹ

علیگڈھ کالج میں آئندہ نہایت بیش بہا ہیرے تیار ہوں گے اس اُمید پر مولانا حاضر امام نز ہائینس آغاخاں

نے اسے سالانہ چھ ہزار روپیہ کا عطیہ عطا فرماتے رہے اور اسکو اضافہ کر کے بارہ ہزار کر دیا تھا۔ بمبئی کی انجمن اسلام کو سالانہ پانچ ہزار روپیہ عطیہ مرحمت فرماتے تھے۔ پرنس آف ویلز کے طور پر شہنشاہ جارج پنجم جب ہندوستان تشریف لائے اُس وقت آپ نے پرنس آف ویلز اسکول آف سائنس کا پایہ ڈال کر ایک شاہانہ رقم کا عطیہ دیا اور اپنے مریدوں کے پاس سے بھی دو لاکھ روپے وصول کر کے مرحمت فرمائے اس کے علاوہ اس اسکول سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا.... جو یورپ جائیں ان کی معاونت کرنیکے خیال سے سالانہ تین ہزار کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ جس میں سے پہلی امداد حال کے بڑے قانونی مجلس کے مسلم رکن ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کو ملی تھی۔

اسمٰعیلی کونسل کا قیام

بمبئی میں دخانہ جماعت کے مکھی لاڈک بھائی حاجی کی وفات تک مکھی کامڑیا ہر اتوار کو جماعت کو جمع کر کے جماعت کے کاروبار یا جماعت کے متعلق جھگڑے وغیرہ کے فیصلہ کرنے کے لئے جبتی بھرتے تھے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے جبتیوں کو برخاست کر کے ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں شیعہ امامی اسمٰعیلی کونسل قائم کی جسمیں جماعت کے مکھی کامڑیا کے علاوہ جماعت کے کاروبار اور معاشرتی جھگڑوں کا اکثریت سے فیصلہ کرتے تھے۔

حاجی بی بی کا کیس (مقدمہ)

۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ میں آغا جنگی شاہ کی بیوہ حاجی بی بی نے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ اور دوسرے تیرہ اشخاص پر بمبئی کی ہائیکورٹ میں وراثت کے بارہ میں مقدمہ دائر کیا جسٹس رسل کی کورٹ میں ۱۳۲۶ھ پہلی ماہ محرم مطابق ۴ فروری ۱۹۰۸ء کے دن یہ مقدمہ پیش ہوا حاجی بی بی کا یہ دعویٰ تھا کہ ہز ہائینس آغا خان اول کی وفات کے بعد ان کے وارث مشترکہ طور پر قبائل کے سب رکن ہیں اور موروثی حصہ قاعدہ کے مطابق مال و ملکیت میں تقسیم شدہ نہیں ورنہ اس میں کسی وارث کو وراثت کے طور پر



گولڈن جوبلی کمیٹی کے صدر :- سر ابراہیم بھائی رحمت اللہ جی - بی - ای، کے - سی - ایس - آئی، سی - آئی - ای



سیٹھ غلام علی جی مرچنٹ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ جے۔پی آپ بمبئی کی امامی اسمٰعیلیہ کونسل کے صدر ہیں۔

علیحدہ ملکیت ملی اس لئے اس طرح ملکیت کا انتظام آنریبل کورٹ کے طرف سے ہو اور اس دعویٰ میں جو
دعویدار ہیں ان کے حصہ اور حقوق مقرر کرنے اور انہیں قبضہ دلانے کے درمیانی مدت میں ہز ہائینس آغاخان
کو حکم دیا جائے کہ اس کا (حاجی بی بی کا) ماہانہ مشاہرہ نوکروں کی تنخواہ، خوراک، سامان، رہائشی مکان
سواری گاڑی وغیرہ کا انتظام برابر جاری رکھے۔ نیز ہر سال ۲ ٹکے کے حساب سے ۹۰۱۰ روپیہ
کی رقم ادا کرے اور اس دعویٰ کے خرچ کا انتظام بھی کرے۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ نے دعویٰ کی مخالفت میں بیان کیا کہ یہ مقدمہ جس کی وجہ
سے چلایا گیا ہے استغاثہ میں جو اسباب دکھائے گئے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں بلکہ
برعکس ہیں مستغیثہ کو آغا جنگی شاہ کے وارث کے طور پر مقدمہ دائر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ جنگی شاہ
کی ملکیت ایڈمنسٹریٹر کے ماتحت ہے۔ ہز ہائینس آغاخان اول امام کے طور پر برابر وارث اور قبیلہ
کے سردار تھے آپ ایک بزرگ مسلمان کی حیثیت سے اپنے حقوق کا عمل کرنے میں خود مختار تھے ٹیٹولر ہیڈ (نام
نہاد بزرگ) کے طور پر ان کو ظاہر کرنے میں کیا مطلب ہے میں سمجھ نہیں سکتا ہوں۔

ہز ہائینس آغاخان اول کو ان کے مریدوں کی طرف سے راضی خوشی سے پیسوں کی چھوٹی بڑی رقم
ملا کرتی تھی اس کے علاوہ انہیں ہندی سرکار کی طرف سے پہلے تین ہزار اور بعد میں ایک ہزار کی رقم کا خاص
وظیفہ ملتا تھا۔ ان رقوم کی آمدنی خاندانی ملکیتوں کا ایک حصہ ہے اسے قبول کرنے سے میں انکار کرتا ہوں
اور مستغیثہ کا کسی طرح کا حق نہیں ہے۔ میں جن ملکیتوں کا مالک ہوں اس کا اکثر حصہ میرے مریدوں کی
طرف سے مجھے بخشش بھی ملتی ہے میرے والد علی شاہ کی ذاتی ملکیتیں بھی ہیں۔ آغاخان اول اپنی
زندگی میں ۲۹ سال تک خواجوں کے پیر تھے اور خواجوں کی طرف سے انہیں صدایا ملتے تھے۔ میرے
اور میرے والد کی ملکیت میں مستغیثہ کو کسی طرح کا حق نہیں ہے۔

آپ نے آگے چلتے ہوئے کہا کہ ہمارے خاندان کی مختصر تاریخ یہاں بیان کرنے کی ضرورت
ہے جس سے اس مقدمہ کی کیفیت پوری طرح سمجھ میں آ جائے گی۔ اہل اسلام دو قوم میں تقسیم ہیں ایک شیعہ
اور دوسرے سنی۔ شیعوں میں بھی الگ الگ فرقہ ہوتے ہیں۔ جن میں ایک اثنا عشری اور دوسرا

اسمٰعیلی ہے ان کے درمیان میں کچھ مذہبی اختلافات ہیں فرق ہے۔ چار سو سال کے پیشتر میرے ایک جدِ امجد امام شاہ اسلام شاہ نے پیر صدر الدین کو مبلغ کی حیثیت سے ہندوستان روانہ کیا تھا۔ اور ہندوؤں میں سے خواجوں کو اسلامی مذہب میں متبدل کیا تھا پہلے انہوں نے سندھ کے لوگوں کو خواجہ بنایا بعد ازاں کچھ کاٹھیاوار گجرات اور بمبئی میں یہ کام جاری رہا ان اتمام کو خواجہ جماعت میں لانے کے بعد وہ ایران کے الگ الگ حصوں میں زیارت کو جاتے تھے جہاں میرے آباؤ اجداد امام تھے اور وہاں رہتے تھے ابتداء سے یہ خواجہ لوگ میرے آباؤ اجداد کو روپیوں کے ہدایا پیش کرتے تھے۔ وہاں ان کے پاس خواجوں کی طرف سے ہدایا اور روپیوں کی رقم چمڑے کی تھیلی میں ڈال کر ملازموں کی وساطت سے بھیجی جاتی تھی بعد ازاں ہنڈی کے طور پر رقم آیا کرتی تھی اور وہ انکی خود کی ملکیت شمار کی جاتی تھی

آخر میں مولانا حاضر امام نے اپنی مدافعت نامہ میں دوسری کئی باتیں بیان کرنے کے بعد دعویٰ خارج کرنے کی درخواست کی۔

فاضل جج رسل نے ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء سنیچر کے روز بیان کیا کہ مقدمہ کی تحقیقات مختصر کرنے کے لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ کمیشن کا لیا ہوا بیان اور کورٹ کا بیان میں نے دو مرتبہ نہایت غور سے پڑھا ہے اور دوسرے سوالوں کو ایک کنارہ پر رکھ کر میں ان کی نسبت یہ رائے قائم کرتا ہوں کہ جو ہدایا کئے جاتے تھے وہ صرف ہز ہائینس آغاخان کے حق میں کئے جاتے ہیں وہ اہل قبیلہ کے لئے نہیں کئے جاتے

ہز ہائینس آغاخان کے مشیر قانون مسٹر انویرارٹی نے کہا کہ ایک سوال کا ایک وقت آخری فیصلہ چاہتا ہوں اور اس کے لئے میں نے اس کی نسبت سارے بیانات تو نہیں مگر اس کا بہت سا حصہ پیش کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔

جسٹس رسل کا یادگار فیصلہ

یہ مقدمہ عرصہ دراز تک جاری رہا تھا اور دونوں جانب کے بہت سے گواہوں نے بیانات دیئے تھے۔ اس اثنا میں حاجی بی بی کے مشیر قانون مسٹر بہادرجی کورٹ چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کے



مادر کا چشم و چراغ: پرنسیس تھیریسا مرحومہ اپنے فرزند دلبند کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔
پرنس علی سلمان خان کے ایام طفولیت کی ایک دل کش یادگار۔

بعد جسٹس رسل نے ایکس پارٹی مقدمہ چلاکر فیصلہ کردیا اس کا فیصلہ ۶ شعبان ۱۳۲۶ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۰۸ء کو دیا گیا تھا۔

اس مقدمہ کی نسبت میں مستغیثہ کی زبانی اور اس کی مخالفت میں ہز ہائینس آغا خان کے طرف سے پیش کردہ مضبوط دستاویزات کے ثبوت کو پیش نظر رکھ کر جج نے کہا کہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اکثر اوقات ہز ہائینس آغا خان کو ان کے مریدوں کی طرف سے جو نذرانہ ملا کرتا تھا۔ ان کے خاص استعمال اور منفعت کے لئے ہی تھا اور یہ نذرانے ان کی طرف نہایت عقیدت اور احترام کے طور پر دیئے جاتے تھے ان ہدایات کے دینے میں ان کا مطلب یہ تھا کہ نذرانہ آپ قبول فرماویں اور ان کے معاوضہ میں انہیں روحانی اور دینوی مسرت حاصل ہو۔ اگر میں اس کے برعکس خیال پر آجاؤں تو تمام دنیا کے حصوں میں منتشر شدہ ایک بڑی قوم کے مذہب کی سخت مخالفت کا ملزم قرار دیا جاؤں گا۔ حالانکہ اس بارہ میں اس خیال پر آنے کے لئے ایسے بیانات بھی نہیں دیئے گئے ہیں۔

فیصلہ کے آخر میں فاضل جج نے کہا کہ یہ مقدمہ میں خرچہ کے ساتھ خارج کرتا ہوں اور اس کا تمام خرچ مستغیثہ حاجی بی بی۔ کوچک شاہ اور شاہ بی بی پر ڈالتا ہوں۔ اس خرچ میں متفرق کمیشن میں جو اخراجات ہیں وہ اور مسٹر موسیٰ کا خرچ بھی اسی میں شامل کرتا ہوں۔

پرنسیس تھیریسا کے ساتھ شادی

۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ میں مصر میں ہائی کمشنر کے عہدے پر لارڈ کچنر مقرر تھے اس زمانہ میں حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی شادی پرنسیس تھریسا کے ساتھ وہیں ہوئی تھی۔ یہ شادی بغیر کسی دھوم دھام کے نہایت سادگی سے ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کی عمر صرف ۳۲ سال کی تھی اس شادی کا انجام نہایت مبارک تھا۔ اسی سال آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے فنڈ میں ۱۵۰۰ روپئے دیئے تھے۔ بمبئی میں ڈپریسڈ کلاسز (پسماندہ اقوام) کے مفاد کے لئے ...... مس کلارک نے ایک جلسہ موسیقی کیا تھا اس میں آپ نے پانچ سو روپیہ عنایت کئے تھے۔

تاریخ ۱۶ رجمادی الاول ۱۳۲۷ھ مطابق ۵ رجون ۱۹۰۹ء کو مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کو پرنس آف ویلز نے کھانے کی دعوت دی تھی۔ اور ۲۵ رجون کو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی سالگرہ کی خوشی میں لیڈی لینسڈاؤن نے ایک عالیشان دعوت دی جس میں آپ ایک اعلیٰ درجہ کے ممتاز مہمان کی حیثیت سے بلائے گئے تھے۔

لندن کی مسلم لیگ

لندن میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ تاریخ ۲۴ رجون کو کیکسٹن ہال میں منعقد ہوا تھا اس کی صدارت مولانا حاضر امام نامدار آغا خانؑ نے فرمائی تھی اور ایک موثر تقریر کی تھی بعد ازاں جسٹس امیر علی نے آپ کی بے انتہا تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ اسی سال ۶ رجولائی کو ویسٹ منسٹر کے کیکسٹن ہال میں سر کرزن وائلی اور ڈاکٹر لال کاکا کے خونیوں پر اظہار نفرت کے لئے جو زبردست جلسہ کیا گیا تھا۔ اس کی صدارت بھی آپ ہی نے کی تھی۔

ہندوستان میں عزت

۱۳۲۷ھ ۱۰ ذی الحجہ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۰۹ء کو یورپ سے آپ جب ہندوستان آئے تو آپ کے استقبال کے لئے علیگڑھ کالج اور انجمن اسلام بمبئی کا ایک وفد آیا تھا ان کی طرف سے ایک سرکشتی خط بھی اس مضمون کا شایع کیا گیا تھا کہ ہمارے ادارے کے ایک بڑے مربی یورپ سے بمبئی آرہے ہیں جو مسلم قوم کے لئے ریفارمز سکیم کے متعلق شاندار جدوجہد کر رہے ہیں اس لئے آپکے استقبال کے لئے ہر ایک رکن کو مول اسٹیشن پہ بروقت حاضر ہوجانا چاہیئے اس زمانہ میں آپنے آل انڈیا مسلم لیگ کے فنڈ میں چار ہزار روپے عنایت کئے تھے۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۱۰ء پہلی جنوری کو کھڑک کے جماعت خانہ میں تشریف لاکر عید غدیر خم کی مبارکباد تمام جماعت کو دی اور اس کے بعد دعائے برکت فرمائی۔ وہیں پر

درخانہ کے لئے لکھمی سیٹھ پیر بھائی رحیم پینوالے اور کامڑیا سیٹھ جعفر بھائی پردھان جے پی کا تقرر ہوا تھا۔ مرحوم لکھمی کامڑیا کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے آپ نے دعائے مغفرت فرمائی۔ ساتویں تاریخ کو پونہ میں بہت بڑی مجلس منعقد کی گئی تھی وہاں آپ تشریف لے گئے تھے اسوقت چھوٹے بڑے تمام سات ہزار اسمٰعیلی مرید وہاں جمع تھے اور آپ نے تخت نشین ہوکر لوگوں کو نصیحت کی تھی۔ بعد ازاں ۲۳ تاریخ کو پنجاب میل سے علیگڈھ روانہ ہوئے اور کالج کا معائنہ کیا۔ علیگڈھ کالج کے ٹرسٹیوں نے آپ کو تہنیت نامے پیش کئے اس وقت آپ نے کالج کے سالانہ عطیہ میں چار ہزار کا اضافہ کرکے پورے دس ہزار کر دیئے۔ جس پر ٹرسٹیوں نے مولانا حاضر امام آغاخان صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اور آپ نے ۲۷ تاریخ کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ کا افتتاح کیا۔

بمبئی کونسل کے پہلے صدر

بمبئی میں شیعہ امامی اسمٰعیلی کونسل آپ نے ۱۹۰۰ء میں قائم کی تھی جس کا دستور یہ تھا کہ کثرت رائے سے جماعتی کاروبار کو انجام دیا جائے اس کے پہلے صدر ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۱۰ء ماہ جنوری میں سیٹھ ابراہیم بھائی محمد وجی جے پی کا تقرر ہوا تھا۔ بعد ازاں اس کے سکریٹری کے عہدہ کا تقرر کیا گیا تھا۔ اس طرح کونسل کے قیام کے بعد عام عدالت گاہوں کے طور پر باضابطہ اسمٰعیلی قوم میں بھی کارروائی جاری ہوئی۔

کاٹھیاوار کے علاقہ جوناگڈھ میں وارث قاسم وارث اسمٰعیل کی وفات کے بعد مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے ان کے فرزند حبیب بھائی قاسم کو وزیر کا مرتبہ کاٹھیاوار کے راجکوٹ مقام پر نوازش کیا تھا۔

انجمن اسلام کا سپاسنامہ

۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء ماہ مارچ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کو ایک بڑی مجلس جو انجمن اسلام بمبئی میں منعقد ہوئی تھی ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا اس کے جواب میں آپ نے کہا کہ علیگڈھ کالج کو مسلم یونیورسٹی میں مبدل کردینا چاہیئے۔ ابھی لفٹننٹ گورنر نے جو صلاح دی ہے وہ نہایت قیمتی ہے۔ مسلمانوں کو انگریزی اور عربی کے ماسوا سنسکرت کی بھی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ اسلام تعلیم کی مخالفت نہیں کرتا ہے ہمارے نبی کریم صلعم نے

اپنے پیروؤں کو عربستان سے ہندوستان اور چین جیسے دور دراز ملکوں میں معلومات حاصل کرنے کے لئے تاکید فرمائی ہے۔

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ صرف انگلینڈ میں ہی نہیں بلکہ مملکت فرانس اور جرمنی کے وسیع شہروں میں جانفشانی کرنے والے کثرت سے ہیں یہ قوت ایثار صرف نصاریٰ یا یہودیوں میں ہی ہے ایسا نہیں بلکہ مسلمانوں میں بھی اس اوصاف کے خزانہ بھرے ہوئے ہیں۔ اگر یہ قوت از سر نو زندہ کی جائے تو مسلمانوں کی آج جو حالت ہے اس سے بالکل علیحدہ حالت دکھائی دے گی۔ بعد ازاں حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ یورپ تشریف لے گئے۔

۲۶- ربیع الآخر کی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء، ۶ مئی کو ساڑھے گیارہ بجے شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم انتقال کر گئے۔ اس کی نسبت ایک تار پیرس سے آپ نے بمبئی کے جماعت کو روانہ کر کے تمام جماعت کو تعزیتی رسم میں شامل ہو کر اپنا بیوپار وغیرہ بند کر کے مذہبی رسم ادا کرنے نیز نئے بادشاہ جارج پنجم کو مبارکباد دینے اور دعا کرنے کے لئے حکم فرمایا تھا۔ ایڈورڈ ہفتم کی تجہیز و تکفین کے رسوم میں خود آپ وہاں آ کر شامل ہوئے تھے

سر کریم بھائی پہلے مسلم بیرونٹ

مولانا حاضر امام سر سلطان محمد شاہؑ کے پہلے مرید اور ملوں کے مشہور مالک مرحوم سر کریم بھائی ابراہیم کو برٹش سرکار کی طرف سے بیرونٹ کا معزز خطاب ۱۳۲۸ھ ۲ رجادی الآخر مطابق ۱۹۱۰ء ۲۴ جون کو عنایت کیا گیا تھا۔ ہندوستان کے کروڑوں باشندوں میں یہ معزز خطاب حاصل کرنیوالے سر کریم بھائی پہلے مسلمان ہیں مولانا حاضر امام نے یورپ سے انہیں مبارکباد کا تار بھیجکر اپنی بیحد خوشنودی ظاہر کی تھی۔

مولانا حاضر امام نے یورپ کے دوسرے سفر کے درمیان جرمنی کی سیاحت کی تھی جرمن قیصر شہنشاہ ولیم نے آپکی بیحد عزت کی تھی۔ اس موقع پر جرمن شاہی خاندان میں جو خطابات دیئے جاتے ہیں اسی طرح ایک اعزازی خطاب یعنی آئرن کراس آف دی ایگل آپ کو جرمن قیصر نے عنایت کیا تھا۔ جرمنی حکومت کی طرف سے کسی باشندے کو اگر ایسا معزز خطاب ملا ہے تو اس میں سب سے پہلے حاضر امام ہیں۔



سر رحمت اللہ جہر علی چینائی، نائیٹ امامیہ اسمٰعیلیہ جماعت کے ایک جوشیلے اکابر گولڈ گرانٹ کمیٹی کے رکن۔



سرکریم بھائی ابراہیم بیرونیٹ سوم۔ ایچ۔ ایچ دی آغاخان آل انڈیا گولڈن جوبلی کمیٹی کے آپ ایک رکن تھے۔

بڑے بڑے سلاطین سے ملاقات

سلطان عبدالحمید خاں کی ملاقات مولانا حاضر امام آغاخان صلعم نے ترکی کے پایۂ تخت قسطنطنیہ میں کی تھی اور بڑی دیر تک آپس میں گفتگو ہوئی اسلامی دنیا میں اس ملاقات سے نہایت حیرت ہوئی اس کے علاوہ آپ نے کنٹربری کے آرچ بشپ اور روم کے پوپ سے باضابطہ ملاقات کی تھی اور تمام لوگ محو حیرت ہو گئے تھے کیونکہ سلطان.. اہل تسنن کے خلیفہ تھے اور ہز ہائینس آغاخان شیعوں کے نسلاً بعد نسلاً امام تھے اس واقعہ کو اسلامی دنیا نے کچھ معنی خیز سمجھ لیا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ دنیا کے دو بڑے فرقوں کے عظیم اختلاف کو دور کرنے والی یہ یادگار ملاقات ہوگی۔ ترکی کے اس سفر کے درمیان سلطان نے ہز ہائینس آغاخان کو "اسٹار آف ٹرکی" کے معزز خطاب سے نوازا تھا۔

شاہ ایران کی ملاقات کے درمیان آپ نے شاہ ایران کو ایران میں زرتشتیوں کی مشکلات کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جو بادشاہ ایران نے تمام دور کر دیں اس کے لئے بمبئی کے پارسیوں نے مولانا حاضر امام کا تحریری تشکر و امتنان ادا کیا تھا۔ شاہ ایران کی طرف سے بھی شمس العمایوں یعنی اسٹار آف پرشیا کا معزز خطاب مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخان کو عنایت ہوا تھا۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے افریقہ کا بھی سفر کیا۔ اور وہاں اکثر رعایا سے ملاقات کی۔ اسی طرح زنجبار کے سلطان کے مہمان ہوئے۔ اور سلطان زنجبار نے بریلینٹ اسٹار آف زنجبار کا خطاب دیا۔ الغرض اسی طرح دنیا کے تمام سلاطین اور فرمانرواؤں سے آپ نے ملاقات کی اور معزز خطابات الگ الگ حکومتوں کی طرف سے آپ کو ملے۔

مارلی - منٹو اصلاحات

مارلی منٹو اصلاحات کی تحریک جاری تھی اس وقت ہندوستان سے ایک مسلم وفد وزیر ہند کی ملاقات کے لئے گیا تھا۔ مگر وفد کی ملاقات عرصہ دراز تک نہ ہو سکی۔ اور وزیر ہند کی طرف سے ملاقات کا وقت

نہ مل سکا جس سے وفد بیزار ہو گیا اور مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ سے ملاقات کی۔ آپ کو بخار کی شکایت تھی لیکن وفد کی تمام شکایتوں کو سُن کر فی الفور کھڑے ہو گئے اور کوٹ زیب تن کئے ہوئے باہر نکلنے کی تیاری کرنے لگے۔ طبیب نے کہا کہ باہر جانے سے سردی کے حملہ کا خوف ہے۔ مگر آپ نے طبیب سے کہہ دیا کہ یہ میرا مذہبی کام ہے اس کے سامنے مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں ہے اور یہ کہتے ہی وفد کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ وزیر ہند لارڈ مارلی کے ساتھ وفد کی ملاقات کروائی اور کہا کہ مہربانی کر کے ان کی تمام باتوں کو بغور سنیئے۔ میری طبیعت درست نہیں ہے اس لئے رخصت ہوتا ہوں اور یہ کہہ کر آپ وہاں سے وداع ہوئے۔

مسلم لیگ کے جلسہ میں تقریر

۱۹۱۰ء میں دہلی میں مسلم لیگ کے جلسہ میں ہز ہائینس آغا خان نے اصلاحات کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کئے تھے اور اس بارے میں مسلمان مصیبت پیش کر رہے اس لئے آپ نے ہوشیار رہنے کے لئے کہا کہ "مجھے صاف ظاہر کرنے دو کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو کوئی لائق منافع حاصل نہیں ہوا ہے اور جتنا وعدہ کیا گیا تھا اتنا بھی نہیں دیا گیا مگر ان تمام باتوں کے باوجود جو اصلاحات ملے ہیں ہم شکریہ کے ساتھ منظور کرتے ہیں اس لئے کہ ہمارے مناسب مطالبات قبول کئے گئے ہیں اور اصلاحات پوری حالت میں ظاہر کئے گئے ہیں اب جبکہ عمل کرنے کی تیاریاں شروع ہو رہی ہیں تو ہمیں بھی تہہ دل سے انہیں منظور کرنا چاہیئے شہنشاہ کی وفادار رعایا اور ہندوستان کے باشندہ ہونے کی حیثیت سے اصلاحات سے عمدہ نتائج برآمد ہوا ایسی ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔ مجھے نہایت اطمینان سے کہنے دو کہ اصلاحات جو عمل میں لائی گئی ہیں ان کو تہہ دل سے قبول کرنے کا کام ہندو، پارسی، مسلم، نصاریٰ اور مجموعی طور پر تمام ہندوستانیوں کا فرض ہے۔ عمدہ باشندوں کے طور پر حکومت اور کونسل میں اپنے نائبین کے ذریعہ ہندوستان کے بہترین کام انجام دیئے جا سکتے ہیں اگر اس موقعے سے بہتر طریق سے پوری منفعت حاصل کی گئی۔ تو مستقبل میں سوراج کے لئے ہمیں زیادہ حقوق دستیاب ہوں گے سوراج اب ہمارے قریب آرہا ہے تمام شہروں میں رعایا کی حکومت یعنی کمشنر رویشن کے مرکز تحفظ اور ڈیویلپ مینٹ

یعنی اصلاحات کا بڑا اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا گیا ہے اس کا استعمال کئے بغیر موجودہ اصلاحات کو ہماری اتحاد کے لئے ایذا رساں شمار کریں گے تو جیا دن کے بدرات پیدا ہوتی ہے اسی طرح ہم اپنی اپنی اُمیدوں کو برلانے والی طاقت کو غلط راستہ میں صرف کر دیں گے۔ ان دو باتوں کے تحفظ حکام کی جانب سے ہونا ضروری ہے۔ ان دو باتوں کو مضبوط ارادہ سے ہم برقرار رکھیں تاہم ہم سے زیادہ حکام کی یہ خواہش ہونی چاہیئے کہ اس طرز عمل کے مطابق ان کو چلنا چاہیئے اور موجودہ سیاسی حکمت عملی کا اصول برٹش حکومت کے ماتحت اصلاحات کرنے کا ہے ان کی تائید کرنے والی ہندوستان کی تمام اقوام کے اتحاد عمل کے ساتھ اس ترقی پسند کام کو پورا کرنا چاہیئے جس کے سبب سے ملک کی معاشرتی اور اقتصادی ترقی کرنے میں باہمی تعاون کے لئے جو مشکلیں بعض اوقات پیش آتی ہیں وہ دور ہو جائیں گی۔ اور قومی اختلاف بھی ایک حد تک دور ہو سکیں گے۔ ہندوستان کے ملی آئین کی بنیاد ان مشکلوں سے مضمحل ہو جاتی ہے چونکہ عرصہ دراز کے بعد یورپ اور امریکہ میں جو کچھ ہوا ہے اس طرح یہ مشکلیں حل ہو جائیں گی اگر یہ نہ ہو سکا جب بھی ایک دوسرے کے کاموں میں تعاون اور مجموعی مفاد کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کام کرنے کا اعلیٰ نمونہ پیش نظر رکھیں گے اور صبر و ضبط سے کام لیں گے تو ہندوستان کے مستقبل کیلئے مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب نے ایک عالمانہ صدارتی خطبہ دیا تھا اور اس کانفرنس میں لارڈ کچنر۔ ارل آف بیمبروک بمبئی کے ایک سابق گورنر لارڈ نارتھ کورٹ، سینٹرل پراونس کے گورنر سر جیمس لاٹوش، سر ڈونالڈ رابرٹس۔ سر ڈیوڈ۔ سر سنجی جی بھاؤ نگری وغیرہ آپ کا یہ خطبہ سنکر نہایت مسرور ہوئے تھے۔ بعد ازاں خارطوم میں مسلم کالج قائم کرنے کے لئے لارڈ کچنر کی معاونت و کوشش سے ایک لاکھ پونڈ جمع کرنے میں آپ کامیاب ہوئے۔

نامدار آغا خان صاحب کی سخاوتیں

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے جسٹس سید امیر علی کے نام سے

علیگڈھ کالج میں اکانومکس اور سائنس کے درجہ کے طالبعلموں کے لئے اسکالرشپ فنڈ میں دس ہزار روپیہ کا گراں بہا عطیہ دیا تھا۔ اسی سال خادم وطن گوکھلے کی معرفت ٹرانسوال فنڈ میں چار ہزار روپے بھیجے تھے۔ بمبئی پریسیڈنسی مسلم لیگ کے فنڈ میں پندرہ سو روپے اور ندوۃ العلما لکھنؤ کے فنڈ میں ۵۰۰ روپے ہندوستان سے انگلینڈ کھیلنے جانے والی انڈین کرکیٹ ٹیم کے خرچ کے لئے ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا تھا۔ مطلب یہ کہ اس طرح مولانا حاضر امام نامدار آغاخان کی سخاوتوں کا دریا موجزن رہا کرتا ہے آپ کی سخاوتیں ہمیں بنی فاطمہؑ کی سخاوتوں کی یاد دلاتی ہے۔ وہ زمانۂ ماضی ان کے حکومت کا تھا اور اب حال میں تو آپ عام لوگوں کی نظروں میں ایک باشندہ کے طور پر ہیں۔

خواجہ مِتر کا اجرا۔ اور پرنس علی شاہ کی ٹورین میں ولادت

اسی سال میں خواجہ متر نامی ایک پندرہ روزہ اخبار جاری ہوا تھا۔ خواجہ سفت ور دھک نامی ماہوار رسالہ بھی اسی سال شایع ہوا تھا۔ اس زمانے کے کاروباری نہایت چالاک تھے۔ مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ بھی قومی کاموں کو مدد اور تقویت دینے کے لئے ھدایت فرماتے تھے تاہم جماعتوں کی بے پرواہی کے سبب یہ دونوں اخبارات چند عرصہ تک جاری رہ کر بند ہو گئے۔

مولانا حاضر امام کی بیگم پرنسیس تھیریسا کو ۱۳۲۹ھ ۱۵ ربیع الآخر مطابق ۱۳ جون ۱۹۱۱ء منگل کے روز اٹلی کے ٹورین گاؤں میں پرنسیس تھیریسا کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا جن کا پیارا نام علی رکھا گیا۔ شاہزادہ کا پورا نام "پرنس علی سلمان خان ہے۔

جرمن پرنس کو کڑکا سا جواب اور ریڈ کریسنٹ میں گراں قدر رقم!

۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں جرمن ولیعہد شاہزادہ ولہیلم کی ہندوستان میں تشریف آوری کے درمیان مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخان صاحب کے ساتھ بلیرڈ کھیلتے ہوئے ایک مرتبہ جرمن پرنس نے غرور کے ساتھ آپ سے کہا کہ "ہم برٹش کے ساتھ لڑیں گے اس وقت آپ اور ہندی



ولیعہد کی شادی خانہ آبادی :- (۱) مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب (۲) ایچ - ایس - ایچ ولیعہد پرنس علی سلمان خان (۳) پرنس صدرالدین (۴) پرنسس علیخان (۵) لیڈی ویسل (۶) بیگم آغا خان صاحبہ



ہزسیرین ہائینس ولی عہد شہزادہ علی سلمان خان آپ مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کے بڑے شہزادہ ہیں۔

ریاستیں کیا کریں گے؟

آپ نے فوراً جرمن پرنس کو ٹکا سا جواب دیا اور کہا کہ "ہم بھی تمھارے ساتھ لڑیں گے۔ اور لشکر کے ساتھ تمھارے ملک میں داخل ہو جائیں گے۔ جرمن شاہزادہ یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب نے افریقہ کے ایک شہر زنجبار میں ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں شہنشاہ جارج پنجم کی رسم تاجپوشی کی یادگار قائم رکھنے کے لئے تین ہزار روپیہ کی بخشش کی تھی اسی سال ٹریپولی کے ریڈ کریسنٹ فنڈ میں مسلم لیگ کی معرفت چھ ہزار روپیہ کی نوازش کی تھی۔ اور بمبئی ریڈ کریسنٹ سوسائٹی کی معرفت ترکی ریڈ کریسنٹ فنڈ میں دس ہزار روپے عنایت کئے تھے۔

ترکی ریڈ کریسنٹ سوسائٹی کا یہاں بیان کرتے ہوئے حب انسانی رکھنے والی ایک اور انجمن کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ یہ انجمن برٹش ریڈ کریسنٹ سوسائٹی ہے تمام دنیا کے مسلمانوں میں جب کبھی امداد کی ضرورت پیش آئی ہے اس انجمن نے ان کی امداد کی ہے اور آج کے دن تک وہ خدمت جاری ہے انجمن مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان اور رائٹ آنریبل امیر علی کی کوشش سے جنگ کے مجروحین اور لاچار مسلمانوں کی تیمارداری کے لئے ۱۹۱۱ء میں قائم ہوئی تھی مسٹر عبد علی، شیخ محمد انیق اس کے اعزازی خازن ہیں۔ مسلم اور برٹش مردوں اور عورتوں نے اس انسانی ہمدردی کے کام میں اپنی طرف سے بڑی امداد عطا کی ہے اس سوسائٹی کو ہر سال مولانا حاضر امام ایک سو پاؤنڈ کا عطیہ دیتے ہیں آپ اس سوسائٹی کے دائمی صدر ہیں۔ اسلامی دنیا پر جب کوئی ایسی مصیبت کا وقت آتا ہے اس وقت آپ اپنے جیب خاص سے مالی امداد کے علاوہ سوسائٹی کی معرفت خود مرد میدان بنکر مسلم حاجت مندوں کی معاونت کرتے ہیں ہز ہائینس پرنس علی سلمان خان شاہزادہ اس سوسائٹی کے ایک وائس پریسیڈنٹ ہیں۔

مرحوم شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے یادگار میں لنڈن میں تعمیر ہونیوالی مسجد کے فنڈ میں پچھتر ہزار ۷۵۰۰۰ روپے اور پرنس آف ویلز اور مرحوم شہنشاہ جارج پنجم کی یادگار میں علیگڈھ کالج میں مسلم سائنس درجہ قائم کرنے کے لئے پینتیس ہزار روپے مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خاں نے عنایت فرمائے تھے علیگڈھ کالج کو مسلم یونیورسٹی میں مبدل کرنے کے لئے جو تحریک اسی سال ہو رہی تھی اس کے فنڈ میں ابتداء

میں آپ نے ایک لاکھ پچیس ہزار ۱۲۵۰۰۰ کی شاہی رقم عنایت کی تھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسلام کے حمایتی کے طور پر ہندوستان کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک گھر گھر درویش کے طور پر آواز دے کر تیس لاکھ ۳۰۰۰۰۰۰ کی غیر معمولی رقم جمع کی تھی۔

مرحوم سرسید احمد نے کہا تھا کہ ایک بہادر غیب سے آئے گا اور اس کام کو تمام کرے گا جو ذیل کے درج شدہ مصرع میں یہ مضمون صاف نظر آتا ہے۔

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو شہنشاہ ہند کی طرف سے مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب کو آپکی خدمات کے صلہ میں جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا معزز و ممتاز خطاب عنایت کیا گیا تھا۔

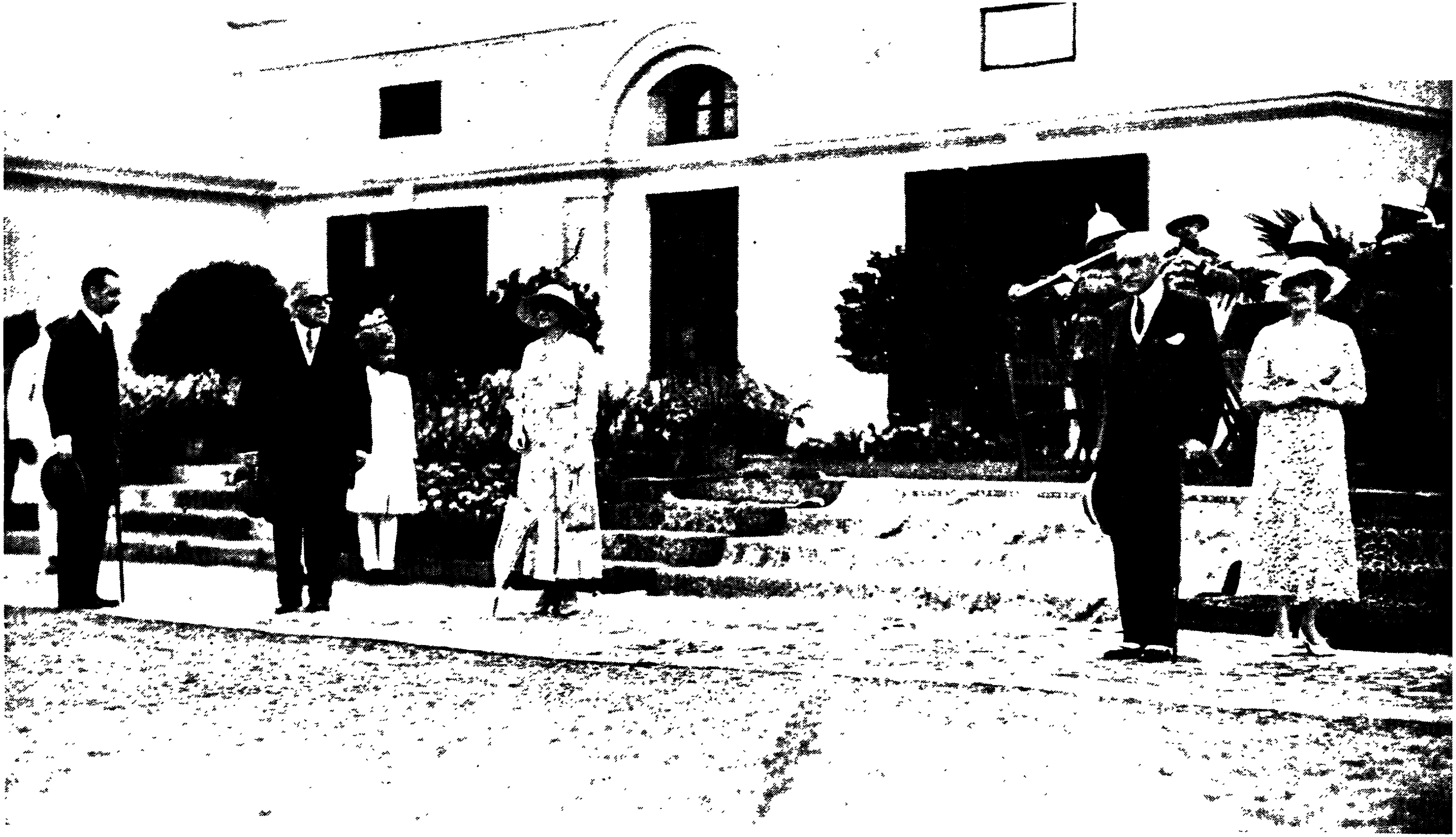
ہندو مسلم اتحاد اور بنگال کی تقسیم

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی کوششوں سے الہ آباد میں ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں ہندو مسلم کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں جمع شدہ ہندو مسلم لیڈروں میں مسٹر سرنید رناتھ بنرجی۔ پنڈت مالویہ۔ سر ابراہیم رحمۃ اللہ۔ نواب وقار الملک مسٹر مظہر الحق۔ مسٹر محمد علی جناح اور دوسرے اشخاص کی ایک کمیٹی مقرر ہوئی تھی۔ اس وقت آپ نے کہا کہ ایک نہ ایک دن باہمی سخت ضرورتوں کو محسوس کرتے ہوئے ہندو مسلمانوں کو اپنے اختلافات بھول جانے پڑیں گے۔ اور باہمی مفاد کے لئے انھیں آپس میں مل جل کر کے کام کرنا ہوگا دونوں اقوام ایک ہی جہاز میں سفر کر رہی ہیں ان کو ایک ہی ساتھ تیرنا اور ڈوبنا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ انتخاب کی ضرورت پر توجہ دلائی اور بہت سے ہندو لیڈروں کی ناراضگی کے باعث ہوئے۔ مسلم ضروریات کے سوال پر جب آپ کچھ بیان کرتے تھے تو مسٹر گوکھلے جیسے باہوش سیاسی لیڈر بھی کشمکش و پیچ میں پڑ جاتے ہز ہائینس آغا خانؑ سیاسی امور سے کسی طرح اسرار کرتے ہوئے نہیں کھائی دیتے بلکہ اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے



ہندوستان میں پرنس آف ویلس کی آمد کے موقع پر مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب گورنر سے گفتگو کر رہے ہیں۔



کہا کہ برادران وطن کے دلوں کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچے ایسا کوئی کام ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ لارڈ کرزن سیاسی طور سے بنگال کی تقسیم پر آمادہ ہوئے ان کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی بنگال کی حکومت مسلمانوں کے زیر اثر ہو۔ مگر بنگالی ہندوؤں نے خفا ہو کر کہا کہ لارڈ کرزن کے اقدام سے بنگال کے ہندوؤں کو نہایت صدمہ پہنچا ہے اور بنگال کے اکثر ہندوؤں میں بدامنی و بے دلی پھیل گئی۔ بالآخر لارڈ مارلی پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں بنگال کی تقسیم کی تجویز مسترد کر دی گئی اس وقت مسلمانوں کے دل کا حال بدل گیا۔ اس وقت نہایت زیرکی سے اس جدید تجویز کو منظور کرنے کے لئے مسلمانوں کو آپ نے سمجھایا تھا ایسی صلاح دی کہ تقسیم کی تجویز کو مسترد کر دینے سے بنگالیوں کو ہی اطمینان ہوا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ تمام اہل ہند کے لئے یہ ایک خوشی کا موقع ہونا چاہیئے اور میرے خیال میں تو اس کار عظیم کے لئے لارڈ ہارڈنج کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ ان کے اجتہاد سے شہنشاہ کی ہندی رعایا کی بہت زبردست زحمت دور ہوگئی۔ مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ہندو مسلم اتحاد کو تقویت دینے کے لئے بہت سے اداروں کو بغیر کسی فرق و امتیاز کے امداد فرماتے تھے اور ایسے اداروں میں کنگ ایڈورڈ کونٹینل سوسائٹی بھی شامل ہے

شہنشاہ کی منوار پر ملاقات

شہنشاہ جارج پنجم ۱۹۱۲-۱۹۱۱ء میں ہندوستان تشریف لائے تھے اس زمانہ میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خانؑ کراچی (سندھ کے پایۂ تخت) میں تھے۔ شہنشاہ کی روانگی کے وقت آپ کو کراچی میں پیغام بھیجا گیا تھا۔ اسوقت آپ کی انگلی میں درد تھا۔ تاہم آپ شہنشاہ کی ملاقات کے لئے بمبئی میں آگئے تھے۔ اور کنارہ پر اتر کر سیدھے شاہی "منوار" پر چلے گئے۔ جہاں شہنشاہ موجود نہ تھے بلکہ گورنمنٹ ہاؤس میں کھانا کھانے کیلئے گئے ہوئے تھے۔ جس وقت شہنشاہ آئے آپ نے ان سے ملاقات کی اور دیر تک گفتگو ہونے کے بعد آپ واپس ہوئے بعد ازاں جماعتوں کے باقیماندہ کارروائیوں کو تمام کرنے کے لئے کراچی تشریف لے گئے۔

رشیا کی سیاحت اور سخاوتوں بے شمار اضافہ

مولانا حاضر امام آغا سر سلطان محمد شاہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں یورپ کی سیاحت میں تھے اس زمانہ میں لندن میں ۱۲ر جون کو کیپٹن جے۔ بی بائیڈ نے بیرونجات کے علاقوں کے نائبین ڈیوک آف آرگائل۔ ڈیوک اور ڈچیس آف نورفوک۔ ناروے کے وزیر اعظم کی ضیافت کی تھی اس موقع پر آپ کو بھی معزز مہمانوں کے طور پر دعوت دی گئی تھی۔ لندن میں ۲۴ر جون ۱۹۱۲ء مطابق ۸ر رجب ۱۳۳۰ھ کو کاؤنٹیس آف جرسی نے آسٹرلی پارک میں ایک گارڈن پارٹی دی تھی۔ جس میں مولانا حاضر امام بھی ایک مہمان کے طور سے شامل تھے۔ اسی سال ۱۲ر اگست کو ڈوول سے ایکس لا بیبن جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ ایکس لا بیبن امریکن سیاحوں کی نہایت عزیز جگہ ہے۔ اس مقام پر ایک مشہور یورپین مہمان کے ہمراہ آپ بھی ایک معزز مہمان ہوئے تھے۔

اسی سال حاضر امام ہز ہائینس آغا خان نے رشیا کی سیاحت کی۔ اس اثنا میں آپ رشیا کے زار اور زارینہ کے موسکو کے شاہی محل میں شاہی مہمان کی حیثیت سے فروکش ہوئے تھے۔ یہاں سے سیدھا ترکوں کو برٹش ریڈ کریسنٹ کی معرفت تیس ہزار روپے روانہ کئے تھے اور ہندوستان میں اپنے مسلمان بھائیوں سے امداد کرنے کے لئے اپیل کی تھی۔ آپ ۱۳۳۱ھ کے ماہ محرم مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کو بمبئی آپہنچے تھے بعد ازاں ۲۶ تاریخ کو مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے اور آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس میں آپ نے حصہ لیا تھا۔ مسلم یونیورسٹی کے سوال کی نسبت وائسرائے سے ملاقات کے لئے جو مسلم وفد گیا تھا اس کے صدر آپ ہی تھے اسی سال لیڈی ہارڈنج جنرل ہاسپٹل کے امدادی فنڈ میں چار ہزار روپے کی نادر رقم آپ نے مرحمت فرمائی تھی لندن ریڈ کریسنٹ سوسائٹی کی معرفت ایک ہزار روپیہ ٹریپولی میں مجروح سپاہیوں کے فنڈ میں آپ نے دیا تھا پونہ میں فرگیوسن کالج کے امفی تھیٹر عمارت کی بلڈنگ فنڈ میں آپ نے پانچ ہزار روپیہ عنایت کئے تھے۔

اچھوت اقوام کی اصلاح

آپ نے ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں اسمٰعیلی دھارمک لائبریری کا معائنہ کرتے ہوئے کتب خانے کے صدر ڈاکٹر علی محمد اسرکرسی نے آپ کا استقبال کیا تھا۔ جہاں آپ نے لائبریری ہال میں نشست فرمائی اور کہا کہ اچھوت اقوام کو ہندو لوگ بالکل چھوتے نہیں۔ انہیں سیدھا راستہ دکھا کر ان کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرنے کی سفارش کرتا ہوں یہ نئی بات سن کر حاضرین مجلس میں خاموشی پھیل گئی تھی مگر بعد میں اس پر عمل بھی ہونے لگا تھا اس کے بعد نصاریٰ ہندو اور مسلمانوں میں اس بات کا چرچا ہوا اور جابجا اچھوتوں کا ہی تذکرہ ہونے لگا۔

جنوبی افریقہ کے ہندیوں کا سوال

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ یورپ کے طویل سفر سے ۵ دسمبر کو بمبئی کے کنارہ پر قدم رنجہ ہوئے۔ دسویں دسمبر کو بمبئی کے ٹاؤن ہال میں جنوبی افریقہ کے سوال کی نسبت جو مجلس منعقد کی گئی تھی اس کی صدارت آپ نے فرمائی اس عظیم الشان جلسہ میں آنریبل سر فیروز شاہ مہتا۔ سر جمشید جی جی جی بھائی بیرونٹ۔ سر دوراب اور لیڈی ٹاٹا۔ سر دینشا پیٹٹ سر کاؤس جی۔ سر این بی چنداورکر۔ آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ۔ سر پی۔ ڈی ٹھاکر سی۔ سر اسٹانلی ریڈ۔ مسٹر دینشا واچھا۔ ریورنڈ ڈاکٹر اسکاٹ۔ آنریبل وٹھل بھائی پٹیل۔ آنریبل سر للو بھائی شاملداس۔ سیٹھ من موہنداس رامجی۔ سیٹھ حاجی یوسف، حاجی اسمٰعیل سوبانی وغیرہ بھی حاضر تھے۔ تمام ہال بالکل اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔

مجلس کے آغاز میں ہز ہائینس گائکوار۔ سر کریم بھائی بیرونٹ (اول) چینوبھائی مادھولال بیرونٹ مہاراجہ کچھ بہار۔ ٹھاکر صاحب آف دانسٹرا۔۔۔۔ رانی صاحبہ بنا۔ وغیرہ کے بیانات آنریبل سر پیٹٹ نے پڑھ کر سنائے۔ بعدازاں مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب نے ظاہر کیا کہ ہز ہائینس گائکوار نے جنوبی افریقہ کے ہندیوں کے فنڈ میں پانچ ہزار روپے عنایت کئے ہیں۔ اس وقت سر فیروز شاہ مہتا نے کہا کہ مجلس کے صدر آغا خان صاحب نے بھی مذکور فنڈ میں دس ہزار روپیہ...... عنایت کئے ہیں کچھ بہار کے مہاراجہ اور بھاؤنگر کے مہاراجہ

ہر ایک نے ایک ایک ہزار روپیہ دیئے۔ اور وانسٹرا کے ٹھاکر صاحب نے پانچسو روپے دیئے۔

آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ جنوبی افریقہ کے ہندیوں پر جو مصیبتوں کی بارش اس وقت ہو رہی ہے اس کے لئے سلطنت کے جانب سے دوسرے جانب تک عام بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس کو ظاہر کرنے کا کام اس جلسہ عام کے صدر کی حیثیت سے میرے حصہ میں آیا ہے جنوبی افریقہ کے غضبناک اور پُر ملال واقعات نے ہندیوں کی جتنی دلشکنی ہوئی ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے ایسا اگر کہا جائے تو اس میں کسی طرح کا مبالغہ نہیں ہے ان سب سے بڑھ کر نہایت سخت سوال کی نسبت جو ہم دیکھتے ہیں وہ ہمارے تمام خیالات کو پریشان کرتی ہیں اور وہی ہمارے تمام خیالات کے بانی ہیں اس مجلس کو منعقد کرنے کے لئے تشریف مبئی کی درخواست پر تمام قوم کے نمائندوں نے دستخط کئے ہیں اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ جنوبی افریقہ میں ہمارے برادران وطن کے ساتھ نہایت ظالمانہ اور سخت سلوک کیا گیا ہے اور اس بارہ میں تمام اہل ہند بالکل متفق الرائے ہیں کسی ملک میں اگر کہیں انگریز کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا تو جنگ چھڑ جانے کا باعث شمار کیا جاتا۔ دسرائیلی۔ گلڈسٹن۔ پامرسٹن یا برائیٹ اگر آج زندہ ہوتے تو انصاف کے لئے مشہور شدہ انگلستان کے دامن پر یہ دھبہ نہ لگے اس لئے انگلینڈ میں ایک تحریک اٹھا کر کے تہلکہ ڈال دیتے۔ وفادار صابر اور خاموشی سے محنت کرتے ہوئے ہندوستانی اُمید رکھتے ہیں کہ چونکہ وہ لوگ شہنشاہ کی رعایا ہیں وہ یہی ان کے تمام حقوق کے حفاظت کے واسطے کافی ہے جنوبی افریقہ کے ہندی لیڈر منظور کرنے کے لئے تیار ہیں تاہم انسان کے طور پر انہیں انصاف دیا جائے اس کے راہ میں مشکلات کو سد راہ نہ ہونا چاہیے اس معاملہ میں شہنشاہی حکومت بالکل بری الذمہ ہے ایسا کہا جاتا ہے مگر اہل ہند اس کو تسلیم نہیں کر سکتے ہیں۔

گجرات و کاٹھیاواڑ میں احترام سورت و بمبئی میں استقبال

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء ماہ جنوری میں جماعتوں سے ملاقات کرنے کے لئے سورت کی طرف روانہ ہو کر وہاں دوپہر کو پہنچے۔ اسٹیشن پر نواب صاحب سچین کی طرف سے شاہی گاڑی اور گھوڑے سوار روانہ کئے گئے تھے جس میں بیٹھ کر آپ تشریف لے گئے۔ اور جماعتوں سے ملاقات کی تھی۔ شام کو

آنریبل سر دار سید علی ادروس نے ایٹ ہوم کا جلسہ کیا تھا اور آپ کو تہنیت نامہ پیش کیا گیا جس میں بلکن کے زخمی غازیوں اور ان کے یتیم بچوں اور بیواؤں کے ساتھ آپ کی دلسوزی و ہمدردی کا ذکر کیا گیا ہے نیز آپ کے شاہی خاندان کے نسل میں سے ہونے اور اسلامی حقوق کے لئے حمایتی ہونے کا جابجا بیان کیا گیا تھا یہ تہنیت نامہ ایک نفیس صندوقچہ میں پیش کیا گیا تھا۔ تہنیت نامہ کا جواب آپ نے یکر شورت سے سید صبور گئے تھے۔ جہاں دو روز رہ کر لیمبڑی کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ لیمبڑی کے اسٹیشن پر ٹھاکر صاحب۔ شاہزادہ دیوان صاحب اور دوسرے حکومت کے عمائد اور مولانا حاضر امام آغا خان صاحب کے استقبال کے واسطے حاضر ہوئے تھے آپ نے ٹھاکر صاحب پرتاب سینھ جی کے شاہی محل میں مہمان کی حیثیت سے قیام کیا تھا۔ دوسرے دن لیمبڑی میونسپلٹی کی طرف سے آپ کو تہنیت نامہ عنایت کیا گیا۔ اس تہنیت نامہ کو مسٹر گنیش جی جیٹھا بھائی نے پڑھ کر سنایا تھا۔ بعد ازاں اسے ایک نفیس صندوقچہ میں رکھ کر دیوان صاحب نے پیش کیا تھا۔ لیمبڑی کے ٹھاکر صاحب نے اس وقت تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہز ہائینس آغا خان صاحب صرف خواجہ اور مسلمانوں کے ہی لیڈر نہیں ہیں بلکہ تمام ہندوستان کے آپ لیڈر ہیں آپ کی تشریف آوری کی یادگار قائم کرنے کے لئے ٹھاکر صاحب نے ہندو مسلم یونیورسٹی میں لائق طالب علموں کے لئے پانچ ہزار روپیہ کا اسکالرشپ مقرر کیا۔

لیمبڑی سے ۱۲ جنوری کو آپ ویرپور آئے جہاں اسٹیشن پر ٹھاکر صاحب سورسینھ جی۔ شاہزادہ ولیعہد ہمیر سینھ جی اور دوسرے شاہزادے دیوان صاحب اور سلطنت کا عملہ آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا تھا۔ بعد ازاں ٹھلیا دربار کے مولو داڑا نے حاضر امام کو اپنی ریاست میں تشریف لانے کے لئے درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ اور وہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت ہار اور طروں سے آپ کو عزت دی گئی تھی۔ اور دھوم دھام سے جشن منایا۔ وہاں سے جام جودھپور روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر جونا گڈھ ریاست کی نفیس گاڑی آپ کو لینے آئی تھی۔ پوربندر کی ریاستی بینڈ نے سلامی بجائی اور اسٹیشن پر آپ کا سیلون آتے ہی جماعت نے نہایت پرجوش استقبال کیا۔ آپ نے مجلس ہال میں داخل ہونے کے بعد دھوراجی اور سوپیٹری اسٹیشنوں پر جماعتوں کی طرف سے ہار طرہ قبول کیا۔ وہاں سے ویرم گام تشریف لے گئے۔ یکم فروری کو احمد آباد پہنچے جہاں "پریما بھائی ہال" میں ایک عظیم الشان جلسہ سر چنی لال مادھولال بیرونٹ کی صدارت میں

منعقد ہوا تھا۔ اور انجمن اسلام اور لنگ ٹنس محمڈن ایسوسی ایشن کی طرف سے تہنیت نامے پیش کئے گئے تھے بعد ازاں بڑودہ کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی اسٹیٹ بینڈ نے استقبال کیا تھا۔ اور ریاست کی طرف سے جلوس نکالنے کے لئے ہاتھی، گھوڑے، نشان اور لشکر وغیرہ اسٹیشن پر حاضر کیا گیا تھا۔ مگر چونکہ یہ ظاہری دھوم دھام آپ کو پسند نہ تھی۔ اس لئے آپ موٹر میں سیدھے اپنے مقام پر تشریف لے گئے تھے دوسرے دن شاہی محل کے باغیچہ میں ایک عالیشان گارڈن پارٹی ہوئی اور آپ نے اس میں شرکت فرمائی اس سفر میں ہر ایک جماعت سے ملاقات کر کے ان کے کاموں کو انجام دیا تھا۔

ہندی درسگاہوں کی امداد

۱۲ فروری کو بمبئی کے مادھو باغ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر ہندو یونیورسٹی سے آئے ہوئے وفد میں مہاراجہ سر امیشور سینگھ جی بہادر اور پنڈت مدن موہن مالویہ نے چندہ دینے کے لئے اپیل کی تھی مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان بنا وہاں خود تشریف لے گئے تھے اور ہندو یونیورسٹی میں پانچ ہزار روپے اور پونہ فرگیوسن کالج میں پانچ ہزار روپے اور سنڈ ہام کالج میں دس ہزار روپے مرحمت فرمایا تھا۔

لاہور مسلم لیگ میں

سنہ ۱۹۱۴ء مطابق سنہ ۱۳۳۲ھ میں آپ کو گیارہ توپ کی سلامتی کا اعزاز ہندوستان میں سلطنت کی طرف سے دیا گیا تھا۔ یہ سرفرازی حاصل کرنے والے تمام برٹش سلطنت میں آپ صرف اکیلے ہی ہیں اسی سال آپ پنجاب کی مسلم لیگ میں تشریف لے گئے تھے جہاں آپ کا بیحد احترام کیا گیا تھا اور لاہور میں آپ کی گاڑی کے گھوڑوں کو نکال کر خود پبلک نے گاڑی کھینچکر شامیانہ تک پہنچائی تھی۔ آپ کو دیکھنے کے لئے لوگوں کا راستہ میں زبردست اجتماع تھا۔ راستوں کو ہر طرح مزین کیا گیا تھا۔ اور ناکہ ناکہ پر پھاٹک بنائے گئے تھے جنمیں آپ کی تعریف و توصیف کے بڑے بڑے بورڈ لگائے گئے تھے اس زمانہ میں لاہور میں باہر کے بہت سے لوگوں کا

اجتماع ہوگیا تھا اور عید کے طور کا منظر وہاں دکھائی دیتا تھا یہاں منعقد شدہ آل انڈیا مسلم لیگ میں مولانا حامز امام ہز ہائینس آغاخاں صاحب کے خوش آمدید کے موقع پر اپنی خوشیوں کا اظہار کرتے ہوئے ذیل کا قصیدہ پڑھا تھا

خیر مقدم

خیر مقدم سرور حشمت مآب　　ای برافلاک جلالت آفتاب
خیر مقدم حامئی اسلامیاں　　خیر مقدم سرگروہ نامیاں
خیر مقدم پیشوائے اہل دیں　　ای اُمید جملہ ارباب یقیں
خیر مقدم مقتدائے باشکوہ　　آیدست ملجائے اسلامی گروہ
خیر مقدم ای پرنس مقتدر　　دین اسلام از وجودت مفتخر
مرحبا اے آبرو بخش وطن　　چارہ ساز دارد و آلام کہن
ای خلف فرزند با نام و نشاں　　بر تو نازد مادر ہندوستاں
خیر مقدم ای ضیا بخش بصر　　خاک پایت سرمۂ صاحب نظر
خیر مقدم ہادئ حسن عمل　　محو ساز اختلافات ملل
ای دلت آئینۂ مہر و وفاق　　رہنمائے شاہ راہ اتفاق
ای تو دافع ظلمت جہل وانا　　از تو یونیورسٹی یابد بنا
از فلک پیہم ہمی آید صدا　　مرحبا" اہلاً وسہلاً" مرحبا
ہند ممنون از عطائے عام تو　　تاقیامت زندہ ماند نام تو
سایۂ تو کم نباشد در جہاں　　زندہ باد و باد زندہ آغاخاں

خوش آمدید ہمارے دلوں کو فتح کرنے والے ای باحشمت سردار۔ آپ اس دنیا کے روئے زمین پر مثل آفتاب درخشاں ہیں۔ اہل اسلام کے محافظ۔ نامور سرداروں کے لیڈر۔ دینداروں کے راہبر۔ اہل ایمان کی اُمید آپ کی سعادت اور رہنمائی کے لئے اسلامی جماعت آپکے دروازہ کی چوکھٹ پر منتظر ہے۔ وطن کی عظمت بڑھانے والے اے

بزرگ۔ قدیم مصائب اور مشکلات کے معالج ۔ عالی نسب اور معزز خاندان کے خوش خلاق شہزادہ آپ پر مادر ہند قربان
ہوتی ہے آپ کے قدموں کی خاک کے سرمہ میں سے دیوتاؤں کی آنکھیں روشن ہیں ۔ نیک کاموں کی راہ دکھانے
والے ۔ مذہبی فرقوں کے اختلافات کو مٹا دینے والے خوش آمدید۔ آپ کا دل محبت اور اتحاد کا آئینہ ہے ۔ اتحاد کے
راستہ پر ہمیں چلانے والے آپ ہمارے راہبر ہیں ۔ جہالت اور غم کے ظلمات کو دور کر کے یونیورسٹی کا پایہ ڈالنے میں
آپ ضرور کامیاب ہوں گے ۔ آسمان سے خوش آمدید کے الفاظ سنائی دیتے ہیں تمام ہندوستان آپ کا مرہون منت
ہے آپ کا نام قیامت تک باقی رہے گا ۔ آپ کی پناہ دنیا میں کبھی کم نہ ہوگی ۔ آغا خان صاحب آپ ہمیشہ زندہ رہیں۔

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب نے ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں لنڈن کے مسلم قبرستان
میں چھ سو پونڈ دیئے تھے ۔ کنڈیگل شہر کے مسلم یتیم خانہ میں دو ہزار کی گرانقدر رقم عطا کی تھی رنگون اور
برما انٹر اسلامک فنڈ میں پانچ ہزار روپیہ مرحمت فرمائے تھے ۔

جنگ عظیم کی ابتدا اور انگریزی اخبار ومدح سرائی

۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء یورپ میں جنگ عظیم شروع ہوگئی اس وقت مولانا حاضر امام افریقہ کے شہر زنجبار میں
تھے ۔ یورپ سے سیکڑوں پیغام آتے ہی برٹش حکومت کی معاونت کے لئے یورپ چلے گئے بعد ازاں لڑائی کے
وقت لندن میں اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ مجھے نہایت رنج ہوتا ہے کہ میں سپاہیانہ
تعلیم حاصل نہ کر سکا ۔ تاہم ادارہ جنگ میری خدمات کو منظور رکھے تو جنگ کے کسی مورچہ پر جا کے اسکو حاصل کرنے
کے لئے اور کچھ بھی کام کرنے کے لئے مجھے نہایت مسرت ہوگی ۔ اگر مجھے ایک بھی موقع دیا جائے گا تو
برطانیہ عظمیٰ کے لئے میرے خون کا آخری قطرہ تک میں بہا دوں گا ۔

"لنڈن میل" نامی انگریزی اخبار نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آپ برٹش سلطنت کے سچے
وفادار ہیں جو شخص آنکھ کے اشارہ پر دو کروڑ آدمیوں کو اپنے زیر اثر رکھ سکتا ہو اس کا خیال کرتے ہوئے
ان کی وفاداری کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے ۔ آپ حضرت پیغمبر صلعم کی نسلاً بعد نسلاً اولاد میں سے ہیں
ہندوستان اور مشرقی افریقہ کے لوگ آپ کو ایک مظہر قدس کی حیثیت مانتے ہیں ۔

لندن ڈیلی میل نے لکھا ہے کہ ترکی کی ظاہر کی ہوئی لڑائی کی مخالفت میں ان کی جنبش سے تمام مسلمانوں نے اتحادی سلاطین کی جانبداری اختیار کی تھی اور جو مذبذب خیال کے تھے وہ تمام وفادار ہو گئے۔ ونڈسر میگزین نے لکھا تھا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان جو فاصلہ ہے اسکو پُر کرنے کے لئے صرف ہز ہائینس آغا خان کی ایک ہی ذات گرامی ہے ہمیں آپ کی طرف سے غیر مترقبہ اور غیر معمولی معاونت ملی ہے۔ آپ کے برٹش حکومت کی طرفداری میں کھڑے ہونے سے دشمنوں کے کلیجے تھرتھرا گئے ہیں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں سوئیزرلینڈ میں بنی ہوئی مزموم سازش کا واقعہ ہر ایک اسلامی نے لرزتے ہوئے دل سے ضرور پڑھا ہے آپ کی جان لینے کی یہ سازش تھی تاہم آپ برٹش سرکار کے طرفدار رہیں

ایک روز مسٹر لائڈ جارج برٹش بہادروں کو تقویت دیتے ہوئے تقریر کر رہے تھے اس اثنا میں حضرت محمد صلعم کے بارہ میں نکتہ چینی کرتے ہوئے کچھ زیادہ سخت الفاظ آپ کی شان میں کہہ دیئے تھے جس باعث تمام اسلامی عالم میں ایک کھلبلی مچ گئی تھی۔ اس موقع کی یاد دہانی کرتے ہوئے مولانا حاضر امام آغا خان صاحب نے ایک مجلس میں اپنے دلی خیالات نہایت بے باکانہ طور پر ظاہر کئے تھے برٹش گورنمنٹ کے ذمہ دار لوگوں کو بہت سنبھال کر بات کرنی چاہئے۔ اور ایک ایسے نازک وقت پر دشمنوں کے ہتھیار بنجانے کے خوف سے بہت ہی ہوشیاری کے ساتھ سنبھل کر رہنا چاہئے۔ حضرت محمد صلعم کے نسبت جو نکتہ چینی کی گئی ہے وہ بالکل ناشائستہ ہے۔ تمام مسلمان حضرت محمد صلعم کو اپنا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی عزت حرمت کے تحفظ کے لئے مسٹر جارج کو چاہئے کہ اپنے الفاظ واپس لیں اور اس پر افسوس کا اظہار کریں۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں اس تقریر نے اپنا اثر کیا اور وزیر اعظم مسٹر اسکویتھ کی صدارت میں اسی طرح عمل کیا گیا۔ آپ کی اس خدمت نے اسلامی دنیا پر بہت زبردست اثر کیا۔ اسی سال آپ نے لندن میں پرنس آف ویلز ریلیف فنڈ میں پندرہ ہزار روپے اور کوئین فنڈ میں ساڑھے سات ہزار روپے نیز دکھنی انڈین فیلڈ ایمبولینس کور کے فنڈ میں تین ہزار روپے دیئے تھے۔

بمبئی کا نیا جماعت خانہ ست پنتھ پرکاش اور ستارہ

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ۱۳۳۳ھ ۵ صفر مطابق ۱۹۱۵ء کے ۲۲ جنوری جمعہ کے روز یورپ کے سفر سے ہندوستان تشریف لائے تھے اور بمبئی میں قدم رنجہ ہوئے۔ اس ثنا میں بڑے جماعت خانہ کا بہت سا نیا حصہ تعمیر کرکے ایک عالیشان عمارت بنادی گئی تھی۔ یہ کام وزیر مکھی میگ جی بھائی مورجی کے نگرانی میں ہوا تھا جماعت کے ایک عظیم الشان جلسہ میں مولانا حاضر امام نے اسکا افتتاح کیا تھا۔ بمبئی کے جماعت کو دعائے برکات کے ساتھ وزیر مکھی میگجی بھائی کی خدمات کی قدر شناسی کی۔

اسمٰعیلی ست پنتھ پرکاش ماہواری رسالہ بھی اس سال جاری تھا جو جماعت میں نہایت ہردلعزیز ہوگیا تھا۔ اس ماہوار رسالہ کے بانی مرحوم مکھی لالجی بھائی دیوراج تھے مگر بعد ازاں ------ ان کی طبیعت میں چنداں ضعف کے باعث دوسرے اشخاص کو یہ کام سونپا گیا تھا جو عرصہ دراز تک جاری رہکر بند ہوگیا۔ اسمٰعیلی ستارہ نامی ایک دوسرا رسالہ بھی کئی سال تک اسمٰعیلیوں میں ہردلعزیز رہا مگر وہ بھی کسی سبب سے بند ہوگیا۔

گوکھلے آنجہانی سے خوشگوار تعلقات

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے اسی سالمیں جی سکے۔ گوکھلے میموریل فنڈ میں آٹھ ہزار ۸۰۰۰ روپے اور آل انڈیا میموریل فنڈ میں تین ہزار ۳۰۰۰ روپے دیے تھے۔ سیاسی امور میں آپ کے خیالات نہایت تعریف وتوصیف کے لائق تھے۔ سرفیروزشاہ مہتا کی یادگار میں منعقد شدہ لنڈن کے ایک جلسہ میں آپ نے کہا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ یہاں تعلیم یافتہ جوان جب اپنے وطن مالوف میں جاتے ہیں اس وقت ان کے دل میں سیاسی امور میں حصہ لینے کی اور مجلس قانون ساز میں عزت حاصل کرنے کی نیز شہر کے رئیس کے طور پر مشہور ہونے کی اُمنگیں ہوتی ہیں۔ مگر ان امیدوں میں بہت ہی کم اشخاص کامیاب ہوتے ہیں۔ انگریز اپنی ملکی زندگی کو نظر غائر سے دیکھتے ہیں وہ لوگ ملکی خدمت بے لوث کرتے ہیں۔ اور یہی جذبہ مسٹر گوکھلے اور سرفیروزشاہ مہتا نے حاصل کیا تھا۔ مسٹر گوکھلے نے فرگیوسن کالج میں صرف برائے نام کچھ تنخواہ لے کر کئی سال تک بنے کام کو محنت



شاندار ٹاور:- امامیہ اسمٰعیلیوں کا مرکزی جماعت خانہ (درخانہ) کھڑک بمبئی

اور شوق سے انجام دیا تھا۔ سر فیروز شاہ مہتا اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک ملکی مفاد کے لئے اپنی قوت تقریر سے شیر ببر کی طرح گرجتے رہتے تھے۔

لیوسرن کی خونی سازش

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کے موسم گرما میں لیوسرن میں سوئزر ہوف نامی ہوٹل میں مقیم تھے آپ جنگ کے مخالف ہونے سے آپ کو ڈاکٹر حافظ کی ہندی باغی جماعت نے زہر دینے کی سازش کی تھی۔ بعد ازاں بردوتینی نامی شخص کی معرفت ڈاکٹر حافظ نے ایک خط بھیجا تھا جسمیں ہز ہائینس آغاخان صاحب کو یہ دھمکی دی تھی کہ اگر آپ انگلستان کے ساتھ وفادار رہیں گے تو آپ کی جان لی جائیگی اس کے بعد سوئزرلینڈ میں کچھ ایام گذار کر آپ لنڈن آئے۔

اٹلی میں جرمنی کا خوف پیدا کرانے والی ایک جماعت کی طرف سے معاونت اور امداد سے کام کرتے ہوئے بردوتونی اور دوسرے فتنہ پرداز جرمن سازش کے دلدادہ دکھائی دیتے تھے۔ اور دونوں ہندی فتنہ پرداز ڈاکٹر حافظ اور چٹوپادھیا جرمنی کے نیشنل ایجنٹ ہیں یہ باوثوق طور پر معلوم ہونے سے ان میں سے پہلے کو چار سال کی قید بامشقت اور اسی پاؤنڈ کا جرمانہ اور دوسرے کو دو سال کی قید اور ۴۰ پونڈ جرمانہ کی سزا دی گئی تھی ان قیدیوں کو سوئزرلینڈ سے جلاوطن کردیا گیا تھا ان کے ساتھ بگومورینو کو بھی اٹھارہ مہینہ کی سزا ہوئی تھی۔ اس کا فیصلہ زوریچ شہر میں سازش بم کے مقدمہ میں ہوا تھا۔ اس مقدمہ میں ثابت ہوا تھا کہ جرمن جنرل کا اسٹاف فتنہ پردازوں سے نسبت رکھتا تھا اور باغیوں کو اپنا آلۂ کار بنا رکھا تھا نیز جرمن حکومت کا تسلط جمانے کے لئے آتشگیر معدنیات واشیا سوئزرلینڈ کے جرمن ایلچی کو دفتر میں قاصد کی معرفت پہنچائے جاتے تھے جرمنی کے طرف سے جب جنگ کی ابتدا ہوئی تھی اس وقت اٹلی کے بالکل مورچہ پر بغاوت پھیلانے کے لئے یہ انتظامات کئے گئے تھے اور فرانس میں بھی باغیوں کے رسوخ کی امداد اس جماعت نے پہنچائی تھی۔ ایسے باغیوں کی سازش کے درمیان بھی مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخان صاحب نے اپنے اتحاد کے سلسلہ کو برٹش سے بالکل محفوظ اور جاری رکھا تھا۔ اس بارہ میں اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے عہد اور وعدہ کے

پاس سے وفاداری کا سبق سیکھا ہے۔ ان دونوں نے بھی سلطنت کی جانبداری میں اپنے اقتدار کا استعمال کیا تھا۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کے لئے مجھ سے جتنا ممکن ہوتا ہے اتنا احتیاج کرتا ہوں مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ یہ میرے گھر کا دستور العمل ہو گیا ہے، اس طور سے کرنا ہی چاہیئے بلکہ دور دراز ملکوں کے تجربات اور کتب بینی کے بعد میرے سیاسی خیالات کی تشکیل ہوئی ہے۔ اور میں اسی پر اپنے گزرتا ہوں ——

سلطان مصر کی تخت نشینی

دریا میں ٹورپیڈو اور سبمرینوں کی حکمرانیاں جاری تھیں رات کے وقت اسٹیمر یا کارگو بوٹ اندھیرے میں سفر کرتی تھیں۔ ایسے پُر آشوب زمانہ میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب مسٹر عباس علی بیگ کے ہمراہ مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں مصر کے حاکم عباس حلمی پاشا تخت سے معزول ہو کر ترکستان چلے گئے تھے جن کے بعد پرنس حسین کمال پاشا مصر کے سلطان ہوئے انکی رسم تخت نشینی میں شرکت کے لئے آپ حاضر ہوئے تھے۔ جہاں سے واپس ہوتے وقت "اسمعیلیہ" میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب نے لشکری قواعد دیکھی تھی) اور وہاں میں برٹش ہندی لشکر جو خندقوں میں پاسبانی کرتا تھا وہاں تشریف فرما کر ملاقات کی تھی ایک صاحب نیپال ہندی شخص کو دیکھ کر لشکر نے ... نعرہائے تحسین بلند کئے۔ اور تالیوں سے آپ کو مبارکبادی دی آپ نے بھی انہیں وفادار رہنے کی تاکید فرمائی۔

بادشاہ اور رعایا میں مصالحت رکھنے کی نصیحت

۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں آپ نے برطانوی شہنشاہیت اور ہندی رعایا کی نسبت پہلے ہی کہا تھا۔ کہ اس جنگ کے تمام ہونے کے ساتھ شاہ و رعایا کے مابین کی غلط فہمیاں بھی اگر دور ہو جائیں تو بہتر ہے ہم اپنا حساب پھر سے ایک سادہ تختی پر شمار کریں تو بہت بہتر ہوگا آگے سے جو کہا گیا ہے اسکے مطابق شاہزادی گلر ڈیمیا نے اپنی برائی یا غرور سے شاہ لیر کے ساتھ وفاداری کی۔ اس لئے دونوں کا انجام خراب نکلا اسیطرح

بادشاہ و رعایا دونوں میں سے کوئی بھی مستقبل میں غرور و تکبر نہ رکھے اور دونوں میں زیادہ عرصہ تک غلط فہمی نہ رہے تو بہتر ہے۔ کیونکہ جنگ کے لئے جو بھی کچھ ہو۔ اور اس میں اس ملک کو اگر نقصان ہوگا تو ہندوستان کی اُمیدیں اور ہندوستان کا مستقبل برباد ہو جائے گا۔ برٹش شہنشاہیت کے لئے لشکر کے علاوہ روپے اور دوسرے سامان مہیا کرنے کے لئے ہندوستان میں بیشمار خزانہ موجود ہے۔

جنگ کے درمیان خدمات

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صلعم نے لڑائی میں جانے کے لئے کہا تھا کہ میری ایک مختصر اور پسند آمیز بات سنو۔ تمہاری طرح میری طبیعت زیادہ جنگجویانہ نہیں ہے۔ تاہم انٹرپریٹر (ترجمان) کی حیثیت سے تمہارے ساتھ اگر ہو سکا تو چلوں گا۔ میں انگریزی فرانسیسی جرمنی اور ہندوستانی زبانیں جانتا ہوں اور میں نہیں خیال کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ کہ تمہیں اس بارہ میں مجھ سے بڑھ کر اور کوئی مفید آدمی مل جائے۔ الگ الگ زبانیں بولنے والوں کے درمیان رہ کر میں تمہارے ترجمان کی طرح کام کروں گا۔ اور خود اپنی ذات سے کما کر گذران کروں گا۔ اگر تمہارے ہمراہ نہ آؤں تو وہ باہر کے ممنوعات کے لحاظ سے ہوگی میری کوئی کمی کی وجہ سے نہیں۔

لڑائی کے زمانہ میں آپ سلطنت میں لشکریوں کو تقویت دے کر آگے بڑھنے کی نصیحت کرتے تھے۔ اور اس کے ماسوا ذاتی طور سے جو کچھ ممکن تھا وہ برابر کرتے رہتے تھے۔ آخر کار زیادہ محنت کرنے کے باعث آپ کی طبیعت پر زبردست اثر ہونے لگا تھا۔ اور طبیبوں نے آپ سے کہا تھا کہ آپکو اب آرام لینے کی نہایت ضرورت ہے۔

انڈیا ان ٹرانزیشن یعنی تبدل ہند

۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کی طبیعت ناساز ہونے سے طبیبوں کے اس مشورہ کے مطابق کہ ہندوستان نہ جائیے بلکہ یورپ ہی میں رہ کر آرام فرمائیے۔ آپ بکنگھم پیلیس

ہیں رہے ۔ چند عرصہ بعد حکماء حاذق نے اصلاح سے لکھنے پڑھنے کی اجازت ملی عرصہ دراز سے آپ کے دل میں ہندوستان کے تبدل پر ایک کتاب لکھنے کا مصمم ارادہ تھا۔ اس وقت فرصت ملنے پر آپ نے اس کام کو شروع کیا یہ تصنیف "انڈیا ان ٹرانزیشن (تبدل ہند) کے نام سے مشہور ہے ۲۴ جون کو اس کے مطبوعہ نسخے بازار میں آئے یہ کتاب ایسی ہر دلعزیز ہوئی کہ تمام کتب فروشوں کے یہاں یکدم اس کی نقلیں تمام ہوگئیں ۔ اس کتاب میں سلطنت کے مختلف امور پر تقریباً ۳۱ فصلوں میں بحث کی گئی ہے ۔ اور اس میں مختلف سلطنتوں کے انتظامات اور ہندوستان کے متعلق صداقت آمیز باتوں نے یورپ اور ہندوستان کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ شاہ و رعایا دونوں کے موافق خیالات اس میں خاص طور سے ظاہر کئے گئے ہیں۔ سلطنت کے امور کی اصلاح کی تجویزیں ہندوستان کے اضلاع اور ریاستیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ ہر ایک ضلع کو خود مختار سلطنت سونپنا جس میں شاہ کی طرف سے نائب کے طور پر گورنر کا عہدہ ہندیوں کے لئے بھی جائز رکھنے کے لئے بہت زور سے لکھا ہے ہندوستان میں اس طرح کی سلطنت ہونے سے ایران، افغانستان اور عربستان کی سلطنتوں کا بھی خیال اس طرف ضرور ہوگا لشکر ملی اور بحری بیڑا تیار کرنے کی تجاویز بھی اس کتاب میں دکھائی گئی ہیں۔ اس کے عمل سے ہندوستان شہنشاہت کا ایک مساوی شریک بنجائیگا ۔ اور اس کی شان بہت بڑھ جائیگی ۔ اس بارہ میں نہایت طول طویل بحث کی گئی ہے آج بھی یہ کتاب ہر دلعزیز ہے

عورتوں کے حقوق کی حمایت

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخان صاحب نے سفارش کی تھی کہ میونسپلٹی اور دوسرے شعبوں میں ہندوستانی عورتیں جو حقوق رکھتی ہیں ان کا بہتر استعمال پردہ نشین عورتیں بھی کر سکتی ہیں ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء کے جدید اصلاحات کے بل میں اس طرح کے ہندی عورتوں کو نمائندگی کے حقوق ملنا چاہیئے اور اضافہ میں آپ نے نکتہ چینی کی تھی کہ لارڈ ساؤتھبرو جیسے آزادی کے خواہشمند امیر اور سر جیمس میسٹن جیسے مہذب خیالات کے سیویلین کہتے ہیں کہ ہندی عورتیں کونسل کے حقوق



سربرآوردہ قومی خادم :- سیٹھی وزیر سیٹھی بھجی بھائی مو



شاہی ضیافت: ۔ مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب اور مہاراجا آف بیکانیر دلچسپ گفتگو کر رہے ہیں

ابھی حاصل کرنے کے لائق نہیں ہوئی ہیں یہ ایک عجیب بات ہے اور یہ بات ہندوستانی عورتوں کے حقوق چھین لینے کے مشابہہ ہے۔

اسی سال کے ۲۳ رنومبر کو ۱۳۳۶ھ کے ۲۸ ماہ صفر کو ہندی کسانوں کے حقوق اوران کے منفعت کے تحفظ کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا جس کے صدر لارڈ کارمائیکل۔ مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخان صاحب اور سر منچر جی بھاؤ نگری نائب صدر اور اعزازی سکریٹری مسٹر ایچ۔ ایس پولک مقرر ہوئے تھے۔

۱۹۱۹ء کے اصلاحات

۱۹۱۹ء میں ہندوستان کو دی ہوئی اصلاحات پر مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا سلطان محمد شاہ نے تقریر میں کہا کہ اب اصلاح کی حد آگئی ہے اور ہندوستان کو اس سے زیادہ شاہراہ ترقی پر لے جانے کے لئے ذرا بھی دریغ نہیں کیا گیا ہے اصلاحات کے ذریعہ رئیسوں کو (لیڈروں کو) عوام الناس کے سامنے پہنچ جانے کا موقع مسٹر مونٹیگو نے دیا ہے۔ اگلے زمانہ میں مسٹر دادا بھائی نوروز جی۔ مسٹر گوکھلے جسٹس راناڈے۔ سر فیروز شاہ مہتا۔ سر سید احمد۔ آنریبل جسٹس مسٹر امیر علی آنریبل جسٹس مسٹر بدرالدین طیب جی اور میرے جیسے ذرائع دار گنوں نے) مقرر شدہ لیڈروں کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ مگر حال میں معاملہ بدل گیا تھا اور لیڈروں کے عوض ہندوستان کی سیاسی ترقی کا بوجھ لوگوں کے حلقہ ہائے انتخاب اپنے سر پر اٹھانے کے لئے مستعد ہیں یہ بات آپ نے مسلم اسٹوڈنٹس یونین کے صدارتی خطبہ میں کہی تھی۔

ہندوستان کے حقوق کی حمایت

۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے ترکی صلح کے شرائط پر اپنا تمام وقت صرف کر کے ایک کار نمایاں کیا تھا۔ جس کو دیکھ کر اہل دنیا محو حیرت ہو گئی تھی ایشیا مائنر کی برٹش

حکومت کی نسبت اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے ایشر رپورٹ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ جو مسلک آج اختیار کیا گیا ہے وہ بالآخر ہندوستان کو نوآبادیات کے حقوق دلوائیگا اور برطانیہ نے اس سے جو وعدے کئے ہیں ان پر ہندوستان میں اعتبار ضرور کیا جائے گا۔ میسوپوٹیمیا (عراق) کے بارہ میں برطانیہ کو غیر جانبدار رہنا چاہیئے۔ اور ان ملکوں پر برٹش اور ہندی لشکروں نے قبضہ حاصل کیا ہے اس سے انہیں نجات ملنی چاہیئے۔ ایران کی نسبت بھی برطانیہ ہندوستانی لشکر کی کارروائی سے ہی مداخلت کرتا ہے۔ اس طرح نہ ہونا چاہیئے۔

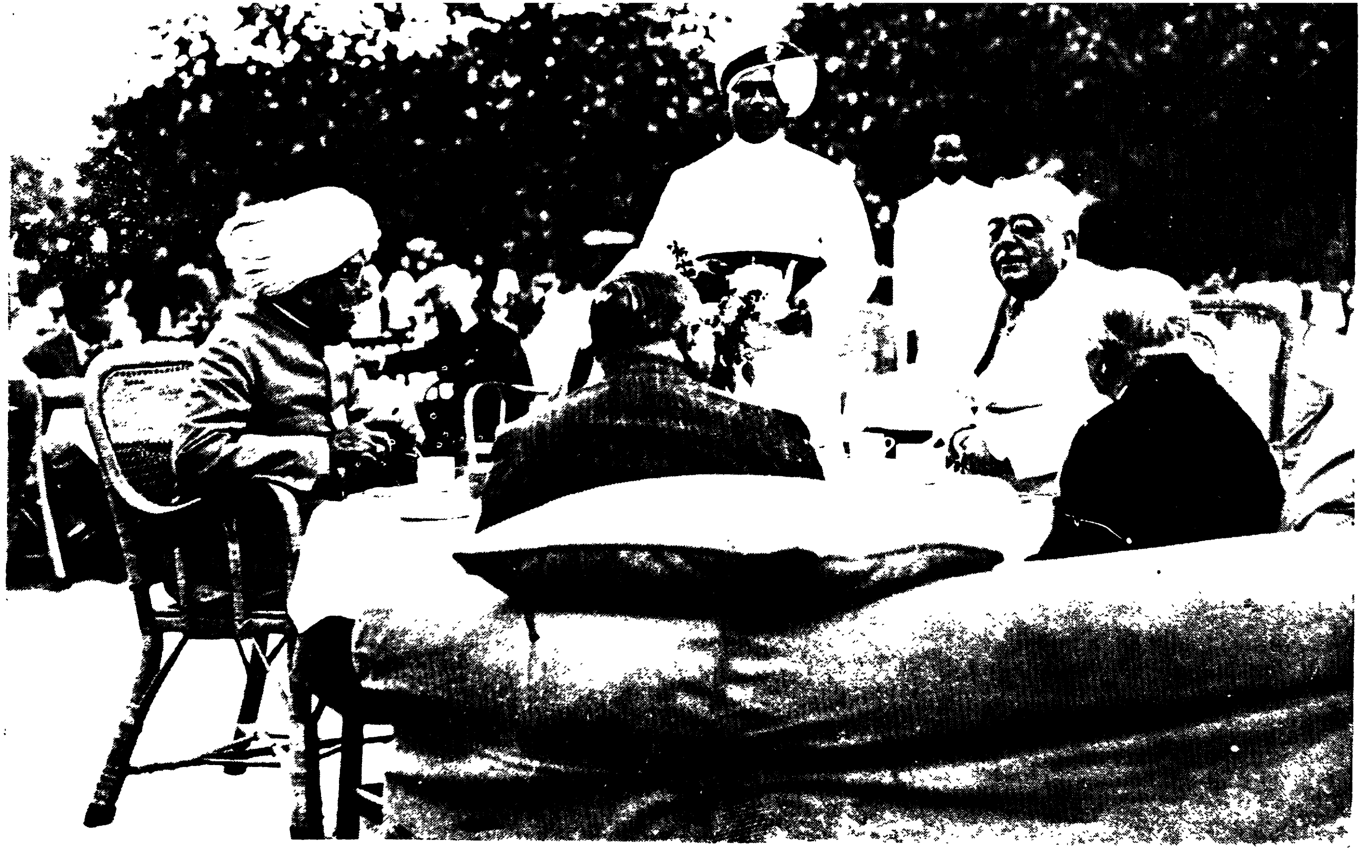
برطانی اخبارات کی رائیں

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ہندوستان سے روانہ ہو کر یورپ پہنچ گئے۔ اس وقت مختلف مشہور اخباروں نے آپ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کئے تھے ان میں سے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۰ مارچ ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۳۹ھ ۲۹ جمادی الآخر کے "لیڈس مرکیوری" نے اپنے اخبار میں لکھا تھا کہ مشرقی شہروں کے سوالوں کے بارہ میں اتحادیوں کے مشیر کی حیثیت سے ہز ہائینس آغا خان صاحب یورپ آپہنچے ہیں۔ آپ بہت سے ملکوں میں اثر رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیڈر ہیں جنگ عظیم جب شروع ہوئی۔ اس وقت اپنے مریدوں کو وفادار رہنے کے لئے آپ نے فرمایا تھا۔

"ناٹی ایکسپریس" تاریخ ۱۱-۳-۲۱ء کی اشاعت میں بیان کرتا ہے کہ آپ میسوپوٹیمیا میں ہندوستانی لشکر کی سکونت کے مخالف ہیں آپ انگلستان اور ایران کے درمیان سیاسی اور تجارتی تعلقات جاری کرنے کے طرفدار ہیں طول وطویل سیاحت کے وسیع تجربہ کار ہندو اور مسلمانوں کے ۴۵ سال کے عمر کے لیڈر یہاں شہنشاہ کی دعوت پر تشریف لائے ہیں۔ آپ ترکی سلطان کے ساتھ قول وقرار کے معاہدہ پر پھر سے غور کرنے کے کام میں ایک مشیر کی حیثیت سے خدمت انجام دیں گے۔

"ڈیلی ایکسپریس" رقمطراز ہے کہ ہز ہائینس آغا خان صاحب سلطنت کے لیڈروں میں سے ایک ہیں۔ لاکھوں اسمٰعیلی آپ کو "پوپ" کی حیثیت سے مانتے ہیں آپ ایک ایسے سلطان ہیں جن کی



شاہی ضیافت :- مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب مع کچھ کے مہاراؤ اور دیگر ممتاز اشخاص کے [illegible]ز ہیں۔



سلطنت کی وفاداری بالکل یقینی ہے لاکھوں مسلمانوں کی بہبودی جس میں سمائی ہوئی ہو ایسی کوئی بھی کانفرنس میں ایسے زبردست شخص کی حاضری سے عمدہ نتائج نکلیں ۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

لارڈ ریڈنگ کی ضیافت

۱۳۳۹ھ کے پہلی رجب مطابق ۱۱ر مارچ ۱۹۲۱ء کو لارڈ اور لیڈی ریڈنگ کو سیووائے ہوٹل میں ہندوستانیوں کی طرف سے وداع کی ضیافت دی گئی تھی جس میں آپ بھی ایک معزز مہمان کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے۔ ہز ہائینس آغا خان صاحب نے جلسہ کے صدر کی حیثیت سے ہندوستان کے مشکل کاروبار کو اپنے سر پر اٹھا کر لارڈ ریڈنگ نے کیسی ہمت اور استقلال دکھائے تھے۔ اس کی آپ نے نہایت تعریف کی تھی۔ ڈیوک آف کناٹ نے پنجاب کے بدنصیب واقعات کو بھول جانے اور درگذر کرنے کی جو اپیل کی تھی اسکے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ برٹش سلطنت و رعایا ملکی معاملہ میں مساوی ہیں۔ اس بات کو منظور ہونے کی ضرورت ہے۔ جنگ کے بعد کے زمانہ میں ہند کے باشندوں کو پہلے اور دوسرے درجہ کے حصوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے۔ ہندوستان یہ نہیں چاہتا ہے میں آپ کو پورے شریک کے طور پر شمار کیا جاتا ہے کہ نہیں ہم کی سوئی ترکی کے ساتھ انگلینڈ کیا رخ اختیار کرتا ہے اس سے دیکھا جائے گا ہندوستانی تمام متفق الرائے ہو کر سیورس کے قول و قرار میں قطعی تبدل و تغیر کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں

ڈیلی ہیرلڈ، فری پریس اور ڈیلی ایکسپریس کے خیالات

ہیرلڈ ان فری پریس نے تاریخ ۴-۳-۲۱ء کو مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ؑ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کوئی قانون دان نہیں ہیں تاہم مشرقی افریقہ، وسط ایشیا کے اسمٰعیلی مسلمانوں کے امام ہیں آپ نے اس سے بھی آگے زور دے کر کہا ہے کہ سوراج صرف ہندی رعایا کا ذاتی طور سے برٹش سلطنت کا باہمی اور آخری مقصد ہے جنگ عظیم کے درمیان ہز ہائینس آغا خان صاحب نے اتحادیوں کی نہایت عمدگی سے خدمات بجا لائی تھیں۔ اور اس کے سلسلے میں آپ نے جو مضامین لکھے ہیں ان سے

اس کا ثبوت ملتا ہے۔

آپ نہایت دور بینی سے ساری دنیا کے معاملات پر غور کرتے ہیں اور اصلی معاملہ کو سمجھ لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کی رائے باوثوق ہوتی ہے

تاریخ ۲۷ر شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۶ر مئی ۱۹۲۱ء کے ڈیلی ایکسپریس اخبار کے نامہ نگار نے حاضر امام ہز ہائینس آغا خانؑ کی ملاقات کی تھی اسوقت آپ نے فرمایا تھا کہ ۴ کروڑ ۲۰ لاکھ کی آبادی والا نارتھ سی میں واقع شدہ ایک چھوٹا سا جزیرہ یعنی برٹن سات ہزار میل پر آیا ہوا ۳۲ کروڑ کی آبادی والے ہندوستان پر سلطنت کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ کو ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہیئے۔ ہندوستان میں مسلم آبادی چھ کروڑ ہے اور وہ سلطنت کے خاص دوست ہیں۔ ہندوستان میں یہ لوگ بالکل اقلیت میں ہیں مگر اب برٹش سلطنت کی حکمت عملی کے سبب سے وہ علیحدہ ہو گئے ہیں۔ ہندوستان کی خواہش ہوگی وہاں تک ہی آپ (انگریز) ہندوستان میں رہ سکتے ہیں مگر ایک کو خطابات دیکر اور دوسرے کو جیل میں بھیج کر آپ سلطنت نہیں کر سکتے۔ سرکار انگلستان اگر آپ کے خلاف ہو تو آپ اُس کو نکال سکتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں جو ہر دلعزیز نہیں ہے۔ ایسی سرکار کو نکالنے کا ایک واحد علاج بغاوت ہے۔ ترکی معاملہ پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ترکی اور یونان کے مسئلہ کا حل تُرکی کو ایڈریا نوپل دینے سے ہی ہوگا۔

خلافت کمیٹی کے صدر کو پیغام

ہندوستان کی خلافت کمیٹی کے صدر کو، ۱۷ر محرم ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کے دن لندن سے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے کمیٹی کے صدر میاں محمد حاجی جان محمد چھوٹانی کو ایک پیغام روانہ کیا تھا اس میں اطلاع دی تھی کہ یہاں سے آپ کے جانے کے بعد معاملہ بدل گیا ہے۔ اس وقت میدان جنگ میں جو سپاہی معروف جنگ تھے ان کی بیوائیں اور یتیم بچوں کے لئے مالی امداد کی ضرورت تھی مگر یونانیوں پر اپنے ہم مذہبوں کی دوسری فتح ہونے سے یونانی لشکر پیچھے ہٹ رہا ہے وہ لوگ اتحادیوں سے یا مجلس اقوام (لیگ آف نیشنس) کی معرفت صلح کا مطالبہ ضرور کریں گے مونشیر گونارس کی لندن میں آنے کی توقع ہے۔ یہاں شیئر بزار یعنی بلین اور اسٹاک ایکسچینج میں بھی صلح کی اُمید



ایشیائی ترکستان کے نامی اسمٰعیلی مرید اپنے امام اقدس کے حضور میں بمقام بمبئی۔



پنجاب کے نومسلم اسمٰعیلی جمعیت کے ساتھ اعتمادی مشنری سبزعلی بھائی رمضان علی

رکھی جاتی ہے میں نے اپنی ساری زندگی کے درمیان جن باتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کی بنا پر میں ایک اسلامی ہونیکی حیثیت سے اپنے موالاتی اور غیر موالاتی ہم قوم بھائیوں سے نیز اپنے خیر طلب ہندو بھائیوں سے بھی عرض کرونگا کہ وہ اپنے اثر اور اصرار سے حکومت ہند پر دباؤ ڈالے کہ مجلس اقوام میں نیز اتحادیوں کی کونسل میں جب صلح کا مسئلہ پیش آئے اس وقت کم از کم ایک ہندو اور ایک مسلمان نمایندہ رکھا جائے گذشتہ جنگ عظیم میں جو قربانیاں کی ہیں اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمکو یہ حق ملنا چاہیئے اور دور اندیشی سے اس کام میں اقدام کرنا چاہیئے۔

ترکی کے متعلق اظہار خیال

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ یورپ سے بمبئی تشریف لائے اسوقت اخبار کرانیکل کے ایک نمایندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ لندن میں ہم نے ترکی قوم پرور وں کے جذبات کے متعلق غور کرنے میں بہت وقت صرف کیا ہے۔ میں نے صرف ایک ہی بات پر توجہ کی ہے اور وہ خلافت کا مسئلہ ہے ہندوستان کے دوسرے سوالات بھی نہایت اہم ہیں۔ مگر آج یہ سوال ہند کے سات کروڑ مسلمانوں کی بہبودی کی نسبت ہے وہ اُن کے مذہبی جذبات کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کی خدمت میں مجھے مشغول ہونا چاہیئے اور میں نے اس سوال کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ فی الحال میری حالت ایک بڑی جھیل کو وسط میں تیرنے والے اور اس پار پہنچنے کے لئے کوشش کرنے والے کے مثال ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم بالکل اطمینان سے سامنے کے کنارہ پر پہنچیں گے اور اسی طرح میں نا اُمید ہوں ایسا بھی نہیں کہتا صرف اتنا ہی کہوں گا کہ اسی سوال پر مشغول رہو۔ اور اپنے صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ مگر اپنی خواہشوں کے درمیان قومی عناد کو داخل نہ ہونے دو۔ بلکہ یقین رکھکر کام کرتے رہو۔

مسٹر مونٹیگو کے بارہ میں میں کہوں گا کہ آپ نے اس کام میں جتنی مدد کی ہے ویسی مدد دوسرے کسی سے کبھی نہیں ہوسکتی۔ اس مقام پر گاندھی ہوتے تو وہ بھی اتنا نہ کر سکتے۔ لارڈ جیمس فرڈ نے بھی بہت کوشش کی ہے مگر ان کی تمام کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں اور ناکامیاب بھی نہیں ہوئیں۔ عوام انگلستان مخالف ترکی ہوگئے ہیں۔ اور اکثر تمام فریق اپنی طرف ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ فرانس میں بھی

ترکستان کے سوال پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے۔ وہاں بھی مخالفین ہوں گے تاہم وہاں کی عوام اکثر ترکی کی جانبدار ہے ان کے سامنے مخالفوں کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔ اس وقت میں ہندوستان میں بدل ناخواستہ آیا ہوں اور سب معاملے ہو جانے کے قبل میں وہاں واپس چلا جاؤں گا۔ مبادا میں تنہا رہ جاؤں تو بھی مجھے وہاں حاضر رہنے کی ضرورت ہے۔

۱۹۲۲ء کے اواخر میں ترکستان میں صلح ہو کر امن و امان قائم ہوگا کیونکہ ترک قوم پروروں کا نقطۂ نظر سادہ اور پاکیزہ ہے۔ اس میں شہنشاہیت کی بو نہیں ہے۔ مگر ان میں ملی آزادی کے جذبات بھرے ہوئے ہیں۔ ترک کبھی محکوم نہیں ہونگے۔ کیونکہ وہ دوسروں پر کبھی حکومت چلانا نہیں چاہتے۔ اسپین اور سویڈن کے مانند وہ آزادی کے طلب گار ہیں اگر ترکستان کو بیس سال تک سکون حاصل ہو۔ تو وہ ایشیا اور یورپ کی بھی تہذیب کو معاونت کرنے والی سلطنت ہو جائے اور مشرق و مغرب کو ہموار کرنے والے پل کے مانند ہو جائے افغانستان ایران وغیرہ ملکوں پر بھی اس کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا یہ فیصلہ کرنے میں ہم نے بہت کوشش کی ہے ایسا میں دعوی سے کہتا ہوں۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے پہلے چانسلر

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۲۲ء کو کلکتہ پہنچے تھے جماعتوں کی ملاقات کرنے کے بعد ۲۴ تاریخ کو رنگون تشریف لے جا کر جماعتوں کے کام میں مصروف رہے تھے رنگون و برما کے تمام مسلمانوں کی طرف سے ایک عظیم الشان جلسہ میں آپ کو سپاسنامہ دیا گیا تھا جس میں آپ کی نہایت تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ برٹش حکومت میں آپ ہندوستان کے ایلچی ہیں۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ۱۳۳۹ھ ماہ رجب مطابق اپریل ۱۹۲۱ء میں علیگڑھ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر مقرر کئے گئے تھے۔

لوناؤلا سینیٹوریم

۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء ماہ مارچ میں لوناؤلا میں تشریف لے جا کر مکھی بیگی مورجی کے اہلیہ مکھیانی آجبائی



مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب ۱۹۰۲ء میں علیگڈھ تشریف آور ہوئے اس موقعہ پر استقبالیہ جلوس کا ایک شاندار منظر



مولانا حاضر امام سرآغاخان صاحب (وسط میں) نواب وقارالملک (دائیں جانب) اور علیگڈھ کالج کے ارکان کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔

کے نام سے سینیٹوریم کی رسم افتتاح ادا کی وہاں سے حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔ واپسی میں احمد نگر پونا کی جماعتوں کی ملاقات کر کے ۹ مارچ کو بمبئی تشریف لائے تھے۔ اور ۱۵ کو اسٹیمر لاسا میں سندھ کی طرف تشریف لے گئے وہاں کراچی میں تمام جماعتوں کی ملاقات کرنے کے بعد بمبئی واپس آئے تھے۔

پرنسیس تھیریسا ہندستان میں اور بواھر کی طرف سے عزت

۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء کی ابتداء میں یورپ سے ہو کر ہندوستان آنے کے بعد آپ کی بیگم پرنسیس تھیریسا اور ہز سیرین ہائنس پرنس علی سلمان خان ماہ جنوری میں بمبئی آئے تھے۔ اور دو ہفتہ تک بمبئی اور پونہ میں رہنے کے بعد پرنسیس تھیریسا اور پرنس علی سلمان خان ماہ فروری کی دوسری تاریخ کو یورپ تشریف لے گئے تھے۔ چوتھی فروری کو مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ جب تشریف لائے تو حاتم بھائی غلام حسین نامی بیوپاری تاجر کے شیخ علی پیلیس میں قیام فرمایا۔ اور سیٹھ حاتم بھائی کی طرف سے ایک پارٹی دی گئی جس میں سلطنت کے عملدار اور شہر کے لیڈروں کو دعوت دی گئی تھی۔

آنند کے مسلمانوں کی طرف سے استقبال

۵ فروری کو مولانا حاضر امام نے آنند آشرم میں اپنے مریدوں کے جماعت کی ملاقات کی تھی۔ اسوقت کھیڑہ ضلع کے تمام مسلمانوں کی طرف سے سپاسنامہ دیا گیا تھا اسوقت ایک ہزار سے زیادہ مسلمانوں کی طرف سے مجمع نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرہ لگائے تھے۔ سپاسنامہ کے جواب میں آپ نے کہا تھا کہ جزیرۃ العرب کے لئے ابھی بہت کچھ کارروائی باقی ہے اور اچھوت قوم کے بچوں کی تعلیم کے لئے نہایت ضرورت ہے اس کار صواب میں ثابت کو مطلق آنے نہ دینا چاہیئے۔ ایسی خواہش کا آپ نے اظہار کیا تھا۔

بعد ازاں کھیڑا ضلع کے طالبعلموں کے لئے ۱۵۔ ۱۰۔ ۷۔ ۵ روپے کا ماہوار چار اسکالرشپ دینے کا آپ نے وعدہ کیا۔

راج کوٹ کا میلہ

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ۶ رتاریخ کو راج کوٹ تشریف لے گئے تھے۔ جہاں جماعتوں کا بہت بڑا میلہ لگا تھا اور تین ہزار مریدوں نے شمولیت کی تھی اس میلہ میں کاٹھیاواڑ کی سپریم کونسل اور ڈسٹرکٹ لوکل کونسلوں کو طلب کر کے ان کے ساتھ مشاورت کی تھی آپ نے کونسل کے کام کاج میں تسہیل ہو ایسی صلاحات کردی تھی۔ راجکوٹ کے یتیم خانہ کا معائنہ کر کے دو ہزار روپیہ مرحمت فرمائے تھے وہاں سے اُپلیٹا تشریف لے گئے تھے۔ جہاں مسلم برادروں کی طرف سے مسلم مدرسہ میں ایک سپاسنامہ دیا گیا تھا۔ بھایاودر اور جام جودھپور کی جماعتوں سے صرف اسٹیشن پر ہی ملاقات کا موقع ملا۔ بڑی پانیلی جماعت خانہ میں جماعت کو ملاقات سے مشرف فرمایا۔ وہاں سے پوربندر تشریف لے گئے اس وقت اسٹیشن پر مہارانہ صاحب اپنے رسالہ کے ساتھ اور مسلم لیڈر نیز رعایا کے دوسرے عمائد اسٹیشن پر آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی ٹرین پہنچتے ہی اسٹیٹ کی طرف سے توپ کی سلامی دی گئی۔ بعد ازاں رانا صاحب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ وہاں ریاست کی طرف سے ایک عظیم الشان پارٹی دی گئی تھی آپ ریاست کے مہمان رہے تھے کئی مہاجنوں کے عرض کو عزت دے کر آپ نے پانجراپول میں تشریف فرما کر جیو دیا (انجمن حب الحیوان) منڈل کو پانچسو روپیہ کا عطیہ دیا تھا۔

لیمبڑی میں مہمانداری

۲۱ فروری کو آپ لیمبڑی تشریف لے گئے۔ ٹھاکر صاحب نے آپ کا خیر مقدم کیا اور توپوں کی سلامی بھی دی گئی تھی بعد ازاں شاہزادہ اور ریاست کے دوسرے عملداروں کے ہمراہ آپ روانہ ہو کر ٹھاکر صاحب کے محل میں ریاست کی طرف سے مہمان کی حیثیت سے مقیم ہے یہاں بھی پانچہزار مریدوں کی جماعت کو اپنے دیدار سے مشرف کیا۔ جماعتوں کے کارروائیوں کو تمام کر کے آپ ۲۶ رتاریخ کو بمبئی تشریف لائے تھے۔



وزیر رحیم لسبریا مرحوم :- ایک متموّل تاجر ہوتے ہوئے بھی آپ نے اپنی ساری زندگی اپنے امام اقدس اور مذہب کی خدمتیں بسر کی تھی -

خلیل آباد میں سپاسنامہ

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ۲۳ ۱۹ء ۴ مارچ مطابق ۱۴ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو مدراس میں تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں کی طرف سے ایک سپاسنامہ خلیل شیرازی کے خلیل آباد میں دیا گیا تھا۔ دوسرا سپاسنامہ ایرانیوں نے دیا تھا۔ جو مسٹر اصفہانی نے پڑھا تھا۔ اس سپاسنامہ میں ترکی سلطنت کی سلامتی کا سوال اور برٹش سلطنت کو لڑائی کے وقت میں آپ نے جو بیش بہا خدمات انجام دی تھی ان کا بیان کیا گیا تھا۔ آپ نے ترکی کے لئے جو بیش بہا کوشش کی تھی اس کی یورپ کے اخباروں نے مدح سرائی کی تھی اس کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔

جی۔ سی۔ وی۔ او۔ کا خطاب

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان صاحب نے ۷ اپریل کو سٹیمر مالٹا سے یورپ روانہ ہوتے وقت انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ میکسیکو۔ بلگیریا۔ برازیل اور افغانستان کے مانند ترکی بھی ایک خود مختار ملک ہے خوش نصیبی سے برٹش کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور ہمارے وائسرائے نے مقدمہ برابر پیش کیا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں ہندو لیڈروں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ لوگ مسلم سوال کو مسٹر گوکھلے اور مسٹر گاندھی کے مانند دیکھیں اور مسلمان ہندوستان کو جسٹس مسٹر بدرالدین طیب جی کی نگاہ سے دیکھیں تو پھر دونوں اقوام کے مابین بالکل کسی بات کا جھگڑا نہ رہے گا۔

لندن میں ۱۳۴۱ھ ۱۴ شوال مطابق ۱۰ مئی کو ہز ہائینس آغا سلطان محمد شاہ نے شہنشاہ اور ملکہ کی ملاقات کی تھی آپ کو شہنشاہ کی سالگرہ کی تقریب میں "نائٹ گرانڈ کراس آف دی وکٹورین آرڈر" کا نہایت معزز خطاب عنایت کیا تھا۔

نئی مسلم دنیا پر خیالات

۱۲ دسمبر کے ایڈنبرو ریویو میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے نئی مسلم دنیا کے عنوان سے

ایک مضمون لکھا تھا کہ "لوسین کے قراروں سے مسلمانوں کو تشفی ہوئی ہے دوسرے ممالک سے زیادہ برطانیہ پر ترکی کا بھروسہ ہے معمولی اصلاح کی گرہ سے ترکی۔ افغانستان اور مصر ایران اور عربستان ممالک ہیں اگر ان کے حکومت کا سامنا یورپین نہ کریں تو پھر کسی سلطنت کے سامنے مقابلہ کی ضرورت نہیں رہتی برٹن کو ایک مضبوط عربستان بنانا چاہیئے۔ مکہ اور مدینہ کو تعلیم و تربیت کے مرکز مخصوص بنا کر ان کے ساتھ شام اور بیت المقدس کو ملحق کر دینا چاہیئے۔ اس سے انصاف کے آئین کی پابندی ہوگی اور امن پھیل جائے گا۔ عربستان دوسرے مسلم حکومتوں کے ساتھ اتحادیوں کی طرف سے نہیں۔ مگر مجلس اقوام کے (لیگ آف نیشنس) رکن کی حیثیت سے تعلقات رکھے گا۔ عربستان کے مسئلہ کو اس طرح سے طے کرنے سے برٹن اور فرانس کے مابین اور برٹش اور اہل اسلام کے مابین مخالفت کا خوف ہرگز نہیں رہے گا۔

چھ کروڑ مسلمانوں کے سردار

۱۷ ستمبر کے خاص مضمون میں لنڈن.. ٹو ٹیڈس لکھتا ہے کہ چھ کروڑ نفوس کے روحانی سردار ہز ہائینس آغاخاں صاحب برٹش لشکر کی صف میں ایک سادہ شخص کی مانند بخوشی جنگ کرنے کو آمادہ تھے آپ نے خود شاہزادہ، پیر اور پیشین گو مرشد جیسے تین مرتبے کے مالک ہونے کے باوجود بھی نہایت عمدہ معاونت کی تھی۔ اسمٰعیلی مسلموں کے سردار کی حیثیت سے آپ کے ارشاد سے آپ کے لاکھوں مرید ایشیا اور افریقہ میں ہمارے معاون ہو گئے تھے۔

ترکی بیکسوں کی امداد

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کو ایک ترکی ایم۔ فواد نامی قومی خادم نے آپ کی طرف سے ملی ہوئی غیبی مدد کے جواب میں لکھا تھا کہ ترکستان کے بچوں کے مستقبل کے لئے اصلاحی مجلس نامی ایک انجمن قائم کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جن فرزندوں کے محافظین جنگ میں مارے گئے ہیں ان کی معاونت کریں اس انجمن میں آپ کو شامل کرتے ہوئے ہمیں نہایت خوشی حاصل ہوتی ہے۔



لندن میں میلادالنبی :- لندن کے ووکنگ مسجد میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کی زیر صدارت جو جلسہ ہوا تھا اس کا منظر۔ آپ کرسی صدارت پر نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر ناہید رسول بے۔ جو لامیین سے واپس آئے ہیں انھوں نے اس انجمن کو ۲۰۰۰ ترکی پونڈ اور ۶۰ پیاسٹر یعنی پنتیس ہزار فرنچ فرانک آپ کی طرف سے عنایت کئے ہیں۔ ہم آپ کا بیحد شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس موقع پر ہم اس بات کی اطلاع کرنے کے لئے آپ سے اجازت چاہتے ہیں دو لاکھ یکس ترکی بچے اس دارہ سے منفعت حاصل کرتے ہیں ان کا مستقبل اہل سلام کی معاونت پر ہی ہے ہم آپ کی طرف سے اس فیاضی اور سخاوت کے باعث بچوں کے امداد میں اضافہ کرسکیں گے۔

۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء آپ نے شملہ کی لیڈی ریڈنگ ہاسپٹل فنڈ میں پانچ ہزار روپے کا عطیہ دیا تھا۔

خلیفہ کے درجہ کیلئے جدوجہد

لندن سے ۱۸ تاریخ کے خط میں عباس علی بیگ مرحوم ہز ہائینس آغا خان نیز رائٹ آنریبل جسٹس مسٹر امیر علی ترکی حکومت کے مخلص و معاون ہونے کے باوجود انگورا سرکار ہیں ان کے سامنے جو غیر منصفانہ برتاؤ کیا ہے اس پر اظہار تاسف کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ "ایسے اقدام سے ترکوں سے ہندوستانیوں کی جو دلسوزی ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور عالم اسلام کی طرف سے دنیا کے ہر خطہ سے وقتاً فوقتاً ترکوں کی جو اخلاقی تائید ہوتی رہی ہے وہ کم ہو جائے گی مذہبی اصول اور ماقبل کی روایات کے مطابق خلیفہ کا درجہ ہونا چاہیئے۔

ترکی میں جو کھلبلی ہوئی تھی اس کو فرو کرنے کے لئے ہز ہائینس آغا خان اور جسٹس مسٹر امیر علی نے غازی کمال پاشا کو ایک خط لکھا تھا جس کا ترجمہ یہاں درج ہے:۔

"ترکی کے سچے محب اور اس کے لئے بخوشی جان لڑا دینے والے مجلس ملی کے رکن اور جمہوریت کے صدر کے نام"

نہایت مودبانہ طور سے ہماری عرض کی طرف غور کرنیکی ہم درخواست کرتے ہیں۔ ہم اس بات کو پورے طور سے جانتے ہیں کہ ترکی کی طرف سے خلافت کو نکال دینے سے اسلام کا بہت بڑا مذہبی

نقصان ہوگا۔ کئی وجوہ کے باعث ہم یہاں مثال دینے سے باز رہتے ہیں۔ مگر یہ خالی گمان ہی نہیں بلکہ بالکل سچی حقیقت ہے۔ اس خط کی اشاعت کرنے کے لئے پانچ ترکی صحافیوں کو ترکستان میں سزاء قید دی گئی تھی اس خط کے متعلق مزید روشنی ڈالتے ہوئے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے لکھا تھا کہ قسطنطنیہ کے مذبذب معاملہ کے سبب سے کچھ زیادہ توقعات رکھنے والے اشخاص مسند خلافت پر نئے حریفوں کو بٹھانا چاہتے ہیں لیا ہمارے سننے میں آیا ہے اس بات کو صحیح تسلیم کر کے ہم نے عصمت پاشا کو بھی ایک خط لکھا تھا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا اعتقاد ہے کہ ترکی میں ایک مستحکم خلافت کا وجود ساری دنیا کے مسلمانوں کے حق میں ضروری ہے اس درجہ کے لئے کسی خاص شخص کو دکھانے کا میرا یا امیر علی کا ارادہ بالکل نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ ہم اہل تسنن سے نہ ہونے کے باعث ہم کوئی خاص گزارش نہیں کر سکتے۔ تاہم ترکی کے قدیم معاون کی حیثیت سے ایک مستحکم خلافت کی حمایت کرنا ہمارا فرض ہے اٹالی کے پوپ کا سوال اہل ملیا خود مقرر کر لیتے ہیں۔ اسی طرح خلافت کی تشکیل کے لئے خصوصاً ترکی نیشنل اسمبلی کو ہی صرف حق ہے یہ خط ترکی اخباروں میں شائع ہوا تھا۔ کیونکہ ہمارے اکثر خطوط حسب معمول اخباروں میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ خط بھیجا گیا اسوقت میں لندن سے باہر ہونے کے باعث برطانیہ کی یہ کوشش ہے ایسا تعبیہ کیا گیا تھا ہمارا مقصد یہ تین الفاظ پر معمول ہے کہ "ترکوں کو اطلاع دینا"

وزیر اعظم کو آپکا جواب۔ یونانیوں کو بزور شمشیر باہر نکالنا

ترکی معاملہ کی نسبت ایک مسلم وفد نے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی صدارت میں وزیر اعظم لوئیڈ جارج سے ملاقات کی تھی۔ اور سمیرنا میں ترکوں پر یونانی جو مظالم کر رہے ہیں۔ اس پر بحث کرتے ہوئے وزیر اعظم نے جواب دیا کہ یونانی تلوار کے زور سے اس مقام پر قابض ہیں انہیں سمیرنا سے کون باہر نکال سکتا ہے یہ سنتے ہی وفد نے خاموشی اختیار کی۔ مگر مولانا حاضر امام آغا خان سلطان محمد شاہؑ سے برداشت نہ ہو سکا آپ نے فوراً استادہ ہو کر اپنا دست مبارک دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ مسٹر پرائم منسٹر! یونانیوں کو ہم پر چھوڑ دو۔ بایں ہمہ کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں مگر جب میں تلوار لے کر جاؤں گا تو ضرور اسلامی ملکوں



مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب کاٹھیاوار کے سفر کو گئے تھے اس موقع پر آپ کا بمقام جامنگر ریاست کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا تھا۔

ہیں سے یونانیوں کو نکال دوں گا اور ہم اپنے جہازوں کا بندوبست کر لیں گے۔ ایسا پرجوش جواب ملتے ہی وزیر اعظم انگشت بدنداں ہو گئے۔

نوبل پرائز (انعام)

اس سال کے نوبل پرائز کے لئے کئی اخبار والوں اور معزز اشخاص نے سفارش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "صلح کا نوبل پرائز حاصل کرنے کے لئے دوسرا کوئی شخص ہز ہائینس آغاخان صاحب سے بڑھ کر مستحق نہیں ہے۔ ورسیلز کے قرار امن قائم نہ رکھ سکیں گے۔ لہٰذا اسے ملتوی کرنے اور نئی جنگ بھڑک نہ اٹھے اس کام میں آپ مصروف ہوئے تھے۔ آپ ہی کی کوشش سے لوسن میں قطعی کامیابی ہوئی تھی ترکی کا معاہدہ ہو رہا تھا اس وقت جو ظاہرا کارروائی ہوئی تھی اس کے پس پردہ آپ نے نہایت بہترین کوششیں کی تھیں اس حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نوبل پرائز آپ کو ملنا چاہیئے اور ہم امید کرتے ہیں کہ ناروے میں اس کے متعلق جو بحث ہوگی وہ آپ کے حق میں ہونی چاہیئے۔

نوانگر اسکول اسکالرشپ سید پور میں پوھرنکی ضیافت

اسی سال نوانگر اسکول کے جلسہ کی صدارت پر مولانا حاضر امام سرسلطان محمد شاہؒ رونق افروز ہو کر سالانہ ایک ہزار روپیہ کا اسکالرشپ منظور فرمایا اس موقع پر جام صاحب بیمٹری کے شاہزادہ اور سرآرتھر پریسٹلی بھی شریک جلسہ ہوئے تھے اور آپ کا جام صاحب نے شکریہ ادا کیا تھا۔

سیدپور کی طرف ۶ فروری ۱۹۲۷ء کو روانہ ہو کر مومن جماعت کی ملاقات کی تھی۔ سیدپور کے بوہرہ متوطن ملا محمد علی شیخ۔ شرف علی ہرروالا نے آپ کے اعزاز میں ایک عظیم الشان پارٹی دی تھی جس میں تمام فریق کے روسا اور امرا کثرت سے حاضر ہوئے تھے۔

وارث مولیڈینا میگجی

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کچھ بھی اسی زمانہ میں تشریف لے گئے تھے جہاں بھوج کیمپ میں (چھاؤنی) جماعتوں نے مقام کیا تھا۔ چار ہزار اسمٰعیلی وہاں جمع ہوگئے تھے۔ مولانا حاضر امام ریاست کے بنگلہ میں مہمان تھے۔ اور صبح شام تشریف لاکر جماعت کا کام انجام دیتے تھے۔ ایک روز راؤ کھنگار جی بھی آپ کے ساتھ تشریف لاکر جماعت کی تکالیف اور سہولیت کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔ اس وقت وہاں وارث مولیڈنا میگجی حاضر تھے۔ انہوں نے کہا کہ "بابا آپ کے طفیل سے سب سہولتیں ہمیں حاصل ہیں۔ تمام جماعت خوش و خرم ہے مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخان صاحب کے ساتھ شکار کو بھی دو مرتبہ گئے تھے چار دن کچھ میں رہنے کے بعد مولانا حاضر امام بمبئی کی طرف روانہ ہوئے۔

مسجد اقصیٰ کا وفد

۱۳۴۲ھ کے ۱۵ رجب مطابق ۲ مارچ ۱۹۲۴ء کو مسجد اقصیٰ کی مرمت کے لئے فلسطین سے وفد آیا تھا اس سے آپ نے اپنے بنگلہ پر ملاقات کی تھی۔ انجمن اسلام ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ اس سلسلہ میں منعقد کیا گیا تھا۔ جس کی صدارت مولانا حاضر امام آغا سلطان شاہؑ نے فرمائی تھی اس موقع پر آپ نے اپنی طرف سے چالیس ہزار روپے کی نادر رقم مرحمت فرمائی تھی۔

ریکری ایشن کلب میں تقریر

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے ۱۲ مارچ کو دی ریکری ایشن کلب کا معائنہ کیا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ گذشتہ سال میں نے تمہیں ایک فارسی مقولہ سنایا تھا۔ آج "ورک نو ورڈز" (یعنی باتیں نہیں کام کرو) کا مقولہ سناتا ہوں یہ کام روح کی ترقی اور دوسروں کی بہبودی کے لئے ہے اگر تم خود



مشاہر قوم ۔ (۱) الحاج قاسم علی جیراج بھائی جے۔ پی خواجہ پنچ بھائی کلب کے صدر (۲) میجر علی نمدار۔ مکلائی جے۔ پی اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کے صدر (۳) عالیجاہ اسمٰعیل محمد جعفر جے۔ پی ریکریئیشن کلب انسٹی ٹیوٹ کے صدر اور (۴) سیٹھ حاجی محمد جمع جان محمد بی۔ اے اسمٰعیلیہ کوآپریٹیو بینک بمبئی کے سرنشین ۔









عساکر قوم:- (۱) جنرل نادر خان جو افغان لشکر کے ایک افسر اعلیٰ ہیں (۲) کرنل غلام حسین لالانا صوبہ سندھ کے اسمٰعیلیہ والنٹیر کورن
کے ایک افسر اعلیٰ ہیں (۳) میجر پیر محمد دی مادھانی جو ایچ. ایچ دی آغا خان بامبے والنٹیر کور کے عہدہ دار ہیں اور (۴) اسکاؤٹ
ماسٹر حسین علی غلام حسین کانڈی محلہ اسکاؤٹ ٹروپ نمبر ۱۶ کے افسر۔

اپنا ہی بھلا کرنے کے لئے مشغول رہو گے تو کبھی تمہیں آرام نصیب نہ ہوگا۔

اسی ماہ میں شیعہ امامی اسمٰعیلی آغاخان فری سکول کا معائنہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مجھے اسوقت تشفی ہوگی کہ جب تمام اسمٰعیلی لڑکے محنت کرکے اپنی معاش جتنا کما سکے اتنا ہی علم حاصل کرلے۔ لڑکے تو تجارت کے لئے باہر جائیں گے۔ مگر لڑکیاں تو باہر نہیں رہیں گی۔ اس لئے اگر تم لڑکیوں کو برابر تعلیم نہ دو گے تو مستقبل میں تمہیں بہت سے مصائب کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ بالغ ہونے کے بعد انہیں تعلیم و تدریس کا وقت نہیں ملیگا لڑکیوں کو اس مدرسہ میں نرسنگ (تیمارداری) اور فرسٹ ایڈ (مجروح کی فوری امداد) کی تعلیم دیجاتی ہے یہ دیکھ کر میں نہایت خوش ہوا ہوں۔ جس سے وہ تکالیف کے اوقات میں خود اپنے اور اپنے بچوں کی اچھی طرح سے حفاظت کر سکیں گی۔ اس سکول کو آپ سالانہ ۲۴۰۰ روپیہ کا عطیہ دیتے ہیں۔

مولانا حاضر امام زنجبار میں

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ آفریقہ کی طرف فرنیچ سٹیمر "دنیا" کی معرفت روانہ ہوئے اور ۱۳۴۳ھ ۴ رجب مطابق ۱۹۲۵ء ۹ فروری کے علی الصباح ساڑھے ۶ بجے زنجبار پہنچے تھے۔ بندر پر شاہی دبدبہ سے شامیانہ نصب کیا گیا تھا۔ جہاں زنجبار کے سلطان ریزیڈنٹ اور پرائیویٹ سکرٹری کے علاوہ زنجبار کے دیگر رؤسا اور جماعت کے لیڈروں نے آپ کا عالیشان استقبال کیا تھا آپ کے کنارہ پر اترتے ہی تحسین و آفریں کے نعرے بلند ہوئے تھے۔ زنجبار میں آپ نصف ماہ رہے تھے اس اثنا میں جماعت خانہ میں ہر روز تشریف لاکر جماعت کا کام انجام دیتے تھے۔ پنجہ بھائی کلب میں نوجوانوں نے اسپورٹس کا ایک جلسہ منعقد کیا تھا اس میں بھی آپ برابر تشریف لے جاتے تھے ۱۹ تاریخ کو زنجبار کے سلطان کی صدارت میں زنجبار کے انڈین ایسوسی ایشن کی طرف سے مولانا حاضر امام آغا سر سلطان محمد شاہؑ کو سپاسنامہ دیا گیا تھا ایک ہی جلسہ میں وہاں کے ہندوستانی باشندے یورپین اور سرکاری عملدار مجموعی طور پر جمع ہوں ایسا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ ۲۰ تاریخ کو زنجبار کے سلطان نے آپ کو ضیافت (ڈنر پارٹی) دی تھی۔ جس میں سرکاری افسر۔ عہدہ دار عرب اور کئی مشہور خواجے اور دوسرے ہندوستانی حاضر تھے۔ سلطان زنجبار آپ کے استقبال کے لئے

دروازہ تک احتراماً آئے تھے۔ زنجبار کے برٹش ہائی کمشنر نے بھی آپ کو ایک ڈنر پارٹی دی تھی۔

ناموافق فرنچ

۲۳ فروری کو آپ چیمپولیٹو نامی اسٹیمر میں ماڈاگاسکر تشریف لے گئے تھے۔ چار دن تک ماڈاگاسکر کی جماعت میں رہ کر دارالسلام آئے تھے۔ ۲۰ مارچ کو انڈین ایسوسی ایشن کی طرف سے آپ کو ایک سپاسنامہ دیا گیا ٹانگانیکا ٹیری ٹری کے گورنر نے دارالسلام شہر میں آپ کو ایک عظیم الشان ڈنر پارٹی دی تھی دوسرے دن آپ کو باشندگان شہر اور سرکاری عملداروں نے "کینز ہومیں" ایٹ ہوم دیا تھا جس میں گورنر کے علاوہ یوروپین۔ ہندوستانی عرب اور اہل شہر ملکر تین سو آدمیوں کا مجمع تھا۔ دارالسلام اور اس کے اطراف میں رہنے والے ہم وطنوں کو آپ نے کھانے کی ضیافت دی تھی۔ اس ایٹ ہوم کے دن شہر میں تعطیل منائی گئی تھی۔ دارالسلام سے آپ ڈوڈوما گئے تھے راستہ میں آتے ہوئے اسٹیشنوں پر اسمٰعیلی جماعتوں سے اور ہندوستانی لیڈروں سے ملاقات کی تھی۔ وہاں سے فرنچ میل "دنیا" میں آپ روانہ ہوئے تھے آپ مومباسہ میں قیام کرنے والے تھے۔ مگر بخار کے سبب یورپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سفر کے درمیان جماعت کے قاعدہ قانون میں چونکہ اصلاحیں کرنی تھیں وزیر رحیم بھائی بصریا مشتری حسینی بھائی پیر محمد اور افریقہ جماعت کے عملداروں کو ساتھ لئے تھے۔ آپ کی طبیعت ناساز تھی لیکن راستہ میں جماعت کے کاروبار میں نہایت اُمنگ سے مشغول رہتے تھے۔

مارسیلز میں پہنچنے کے بعد آپ نے ایک اخبار کے نمائندہ سے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ فرنچ شہر ماڈاگاسکر میں میرے مرید آج سات سو برس سے بستے ہیں۔ فرنچ سرکار ہندوستانیوں کو معاونت کرنے کے لئے بالکل مستعد ہے یہ بڑی خوشی کی بات ہے لوگ یہاں آکر آباد ہوں تو تونگر بن سکتے ہیں مگر جب تک ہنڈی کا تبادلہ مساوی نہ ہوگا وہاں تک آبادی میں اضافہ ہونے کی اُمید بہت کم ہے۔ ۳ رمئی کو یہاں سے نیس کی طرف آپ تشریف لیگئے

سر ویلنٹائن شرول اور لندن میں مسلم قبرستان

ٹائمز کے مشہور عالم سرونجات کے نامہ نگار سر ویلنٹائن شرول نے مولانا حاضر امام سر سلطان محمد شاہؑ کی نسبت



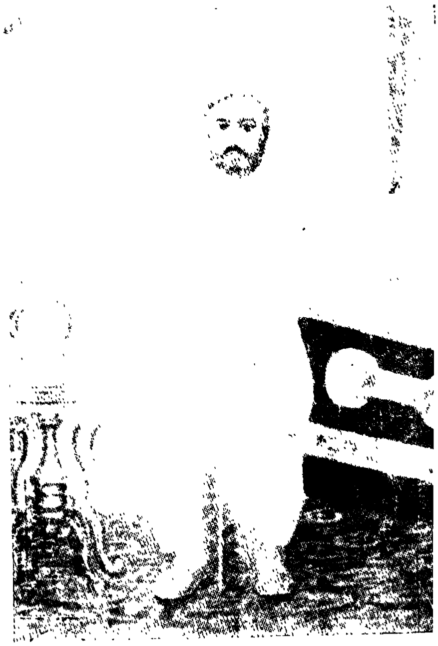




افریقہ کے اسمٰعیلی عمائد:- (۱) کاؤنٹ عبداللہ بھائی شریف (۲) کاؤنٹ غلام حسین
بھائی جیندانی اور (۳) بیرن عبداللہ دابجی ہیرجی









اکابر قوم (مرحوم) (۱) لکھی لاڈک بھائی حاجی (۲) کامڑیہ اسمٰعیل بھائی قاسم جے پنی
(۳) وزیر علیڈینہ وسرام اور (۴) فدائی اسمٰعیل بھائی خیراج

بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ... ہز ہائینس آغا خان صاحب نے ہندوستان کی الجھنوں کی آخری کلید بتادی ہے کہ سفید فام کی سرداری یا مغربی تہذیب کی عظمت ہندوستان اب منظور کرنے والا نہیں۔ چند عرصہ تک ہندوستان اس عظمت کو قبول کرے گا۔ مگر ہمیشہ کے لئے تو بالکل نہیں کیونکہ آپ کا یہ نظریہ صرف ہندوستان کے لئے ہی نہیں بلکہ مراکش کی پہاڑیوں سے لیکر مشرق کے بحر باسفک تک تمام مشرقی دنیا کے لئے ہے۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ رائٹ آنریبل سر سید امیر علی اور مسٹر اے۔ ایس عتیق کی معاونت سے ۱۹۲۵ء میں بیکس و بینوا مسلمانوں کی تجہیز و تکفین کے لئے قبرستان کا انتظام کیا تھا جس کیلئے سالانہ پچاس پونڈ دینے کی آپ نے رضا مندی ظاہر کی تھی۔

اسمٰعیلیہ شہر کی سیاحت اور جاپان کی صنعت و حرفت

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ۱۳ر جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ مطابق ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو سٹیمر مالوجا میں پورٹ سعید میں انگلینڈ کے وزیر اعظم رامزے مکڈونلڈ کے ہمراہ آگئے تھے وزیر اعظم کی تینوں لڑکیاں بھی ہمراہ تھیں انہوں نے مصر کے مشہور شہر اسمٰعیلیہ کی ملاقات کی تھی اور پھر مالوجا سٹیمر میں سوار ہوکر ہندوستان کی طرف تشریف لے گئے۔

۱۹۲۶ء ۸ر جنوری مطابق ۲۲ جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ جمعہ کے روز بمبئی میں آگئے۔ اور ایک اخبار کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جاپان کی تجارت کی حالت نہایت عمدہ ہے جس کے سبب سے وہ ایک دم مال بھر کر ہندوستان کی تجارت کو توڑ سکتا ہے اٹھارہویں صدی میں جو ہندوستان کی حالت تھی اس میں وہ لاکے اسے ڈال دے گا۔ اور ایک صدی کے کام کو اکھیڑ دے گا۔

حجاز کا معاملہ

ایک دوسرے اخبار کے نمائندہ نے حجاز کے معاملہ پر سوال کیا تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ سلطان نجد ابن سعود ایک بڑے مدبر اور جنگجو ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ ان کے حکومت کے ماتحت حجاز کی اصلاح ہوجائے گی۔

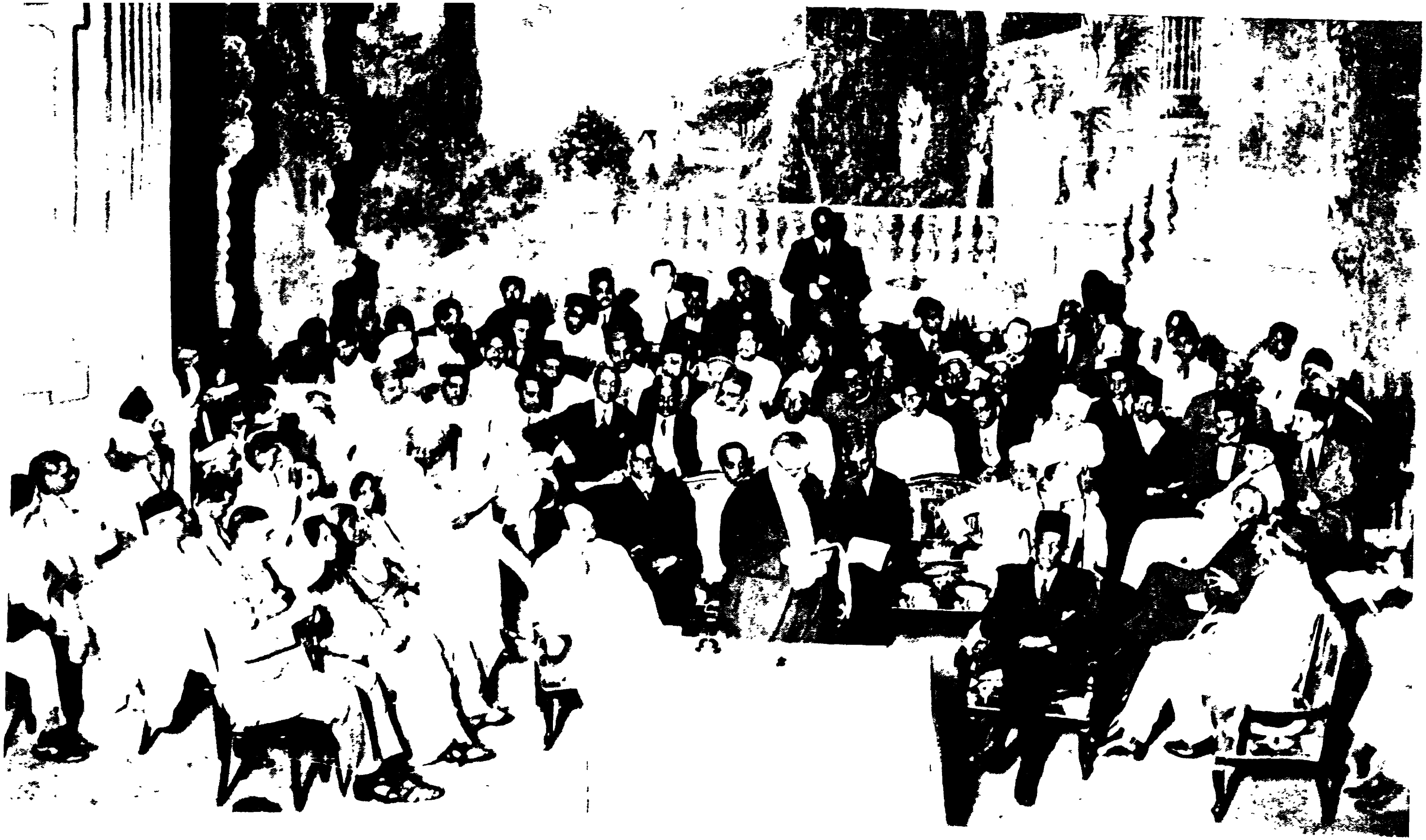
حاجیوں کو شریفوں کے زمانہ میں جو دقتیں اٹھانی پڑتی تھیں ۔ اب ابن سعود کے زیر حکومت اچھا انتظام ہوجائے گا۔ اور حجاز بھی سلطان نجد کے حکومت میں شامل ہوجائے گا۔

شاہ ایران رضا شاہ کی تخت نشینی

ایران کے شاہ رضا شاہ پہلوی تخت سلطنت پر آئے اسوقت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے مبارک باد کا ایسا پیغام بھیجا تھا کہ کریم خاں زند کے مانند رعایا کی ہر دلعزیزی حاصل کرنے میں اور شاہ عباس اعظم کے تدبر سے ایران کی حکومت چلانے کے لئے آپ کامیاب ہوں ایسی میری دلی خواہش ہے ایک اخبار کے نمائندہ نے اس کی نسبت آپکی ملاقات کی تو آپ نے فرمایا کہ ایران میں اب دور جدید جاری ہوا ہے۔ رضا شاہ جیسے بہادر سپاہی اور جلیل القدر مدبر کی حکومت میں ایران بہت زیادہ ترقی کرے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اپنی والدہ کی طرف سے میں خود ایران کے شاہی خاندان کا ایک فرد ہوں اس لئے ایران کی ترقی کے متعلق میں دلچسپی لیتا ہوں۔

جنوبی افریقہ کا مسئلہ

۲۹ رجمادی الآخر ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۵ ارجنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ بوقت چھ بجے شام کو امپیریل انڈین سٹیزن شپ ایسوسی ایشن دی انڈین مرچنٹس چیمبر اینڈ بیرو بمبئی پروونشیل کانگریس کمیٹی سنٹرل خلافت کمیٹی، سوراج پارٹی ۔ بامبے مسلم لیگ دی بیوپنل نیشلیسٹ پارٹی راسٹریا سبھا ۔ ہوم رول لیگ ۔ پارسی راجکیا سبھا ۔ نیشنل ہوم رول لیگ ۔ برٹش انڈین کلونیل ۔ مرچنٹس ایسوسی ایشن ۔ دی بامبے پرگریسیو ایسوسی ایشن اور دوسری مجلسوں کی سرپرستی میں ایک عظیم الشان جلسہ ایکسلیسیر تھیئیٹر میں افریقہ کے ہندوستانیوں کے ساتھ جو نامنصفانہ سلوک کیا جاتا ہے اس کے خلاف صدائے احتجاج اٹھانے کے لئے ایک جلسہ بلایا گیا تھا اس کی صدارت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے فرمائی تھی اس جلسہ میں یہ رزولیوشن پاس ہوا۔ امیگریشن اور رجسٹریشن بل جو دزیر داخلہ ڈاکٹر میلن نے ظاہر کیا تھا وہ



مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی زیر صدارت ایکسلسیئر تھیئیٹر میں اہالیان بمبئی کی طرف سے ایک جلسہ کیا گیا تھا جس جلسہ میں آپ صدر کی حیثیت سے جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے حقوق کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔

۱۹۱۹ء کے سمجھوتے کے خلاف ہے اور اس کا مقصد ہندوستانیوں کو بالجبر الگ رکھ کر ان کی تجارت، ملکیت آراضی، حقوق چھین لینے کا ہے اہالیان ہند اس کی طرف نظر عتاب سے دیکھتے ہیں یہ تجویز اس جلسہ میں متفق الرائے سے پاس ہوئی تھی۔

اس موقع پر مولانا حاضر امام نے ہندیوں کے دعویٰ کے نسبت تقریر کرتے ہوئے کہا کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حکومت عرب کا زوال ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ صحرا نشین عربوں نے اپنے جھگڑوں کو پرنیز سے لیکر دیوار چین تک لے گئے تھے اسی طرح کیا ہندوستانی ہندو مسلم جھگڑے، قومی کشاکش کو جنوبی افریقہ میں لے گئے ہیں؟ (قہقہہ)

۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء کے ۱۰ مارچ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ... آفریقہ کے سفر کو تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں نیروبی میں ایک عالیشان مسجد کا سنگ بنیاد ڈالا تھا۔ اور اس کے فنڈ میں تیس ہزار شلنگ کی آپ نے نوازش کی تھی۔ رسم افتتاح کے وقت نیروبی اور اطراف کے مسلم لیڈرں نے حاضری دی تھی۔ آپ کا حاضرین نے تہ دل سے شکریہ ادا کیا تھا۔

پرنسیس تھیریسا کی وفات

مولانا حاضر امامؑ کی اہلیہ ہز ہائینس پرنسیس تھیریسا کی طبیعت علیل ہونیکی وجہ سے فرانس کے نویان کے نرسنگ ہوم میں آپ کو عمل جراحی کے لئے کہا گیا تھا جہاں دفعتہً ان کی وفات ہوئی تھی ۱۳۴۵ھ ۲۵ جمادی الاول مطابق ۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کو یہ غمناک حادثہ وقوع میں آیا تھا مرحومہ کی نعش کو تدفین کے لئے مونیکو لے گئے تھے اور حار دن ڈیس بلائیبرو کے قریب کی مسجد میں نہایت شان شوکت سے مذہبی رسومات ادا کئے گئے۔ مرحومہ کے جنازہ کو آخری عزت دینے کے لئے مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خاں صاحب کے ساتھ ایران کے ایلچی بھی شامل ہوئے تھے۔ نعش کو تعزیت کے علامات کے ساتھ بذریعہ ریلوے ٹرین میں لے گئے تھے اور آخری رسوم کے بعد بنہایت غمگینی سے مرحومہ کو سپرد خاک کیا گیا تھا۔

مسلم لیگ کو سیاسی پیغام

۱۳۴۶ھ ماہ جمادی الاول مطابق نومبر ۱۹۲۷ء میں مسلم لیگ کے کونسل کے ارکین کے انتخاب کی نسبت غور کرنے کے لیے جو مراسلت ہز ہائینس آغا خاں صاحب کے ساتھ جاری تھی اس کے جواب میں آپ کی طرف سے تاریخ ۸، ۹ کو ملے ہوئے خطوط کو شائع کرنا مسٹر محمد علی جناح نے مناسب سمجھا تھا۔ اس بارہ میں آپ نے اطلاع دی تھی کہ میں ۲۵ نومبر کو ہندوستان آنے والا ہوں میں لیگ میں ضرور شامل ہوں گا۔ اپنے نقطۂ نظر سے لیگ کی صدارت لینے کے لئے مجھے مسرت ہوگی۔ مگر سات کروڑ نفوس کو پہلے سے آزاد کر لینے سے قبل ہماری مجموعی قومی حکمت عملی ہے یا نہیں اور صدر کی حیثیت سے اس حکمت عملی کی تائید ہو سکتی ہے یا نہیں یہ مجھے پہلے معلوم ہونا چاہیئے۔ ہندوستان میں میں بذات خود آؤں وہاں تک اس بارہ میں کوئی رائے کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ اور سات کروڑ نفوس کی بہبودی کے لیے یہ صدارت قبول کئے جانے سے قبل لیگ کی پالیسی کے بارہ میں مجھے پورا اطمینان ہونا چاہیئے۔ بعد ازاں ۱۳۴۶ھ ۱۴ جمادی الآخر مطابق ۱۹۲۷ء ۹ دسمبر کو یورپ سے دو سال بعد آپ بمبئی تشریف لائے تھے۔

مسلمانان ہند کے نام اظہار نامہ (مینفیسٹو)

۲ رجب ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کو مولانا حاضر امام نے ہندوستان کے مسلمانوں کے طرف ایک اظہار نامہ میں ظاہر کیا تھا کہ ہمارا آئین وضع کیا جا رہا ہے اس وقت ایک مستند عالم ادارہ کی نہایت ضرورت ہی اور ایسے آئین کے قوانین کے ہمراہ جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اس میں ایک علیحدہ ملی لشکر کے ماتحت جو سوالات پیش آتے ہیں اس میں لشکر ملی ایک خاص درجہ رکھتا ہے ہندوستان ہوم رول کی خواہش کرے اس قبل ہندوستان کی حفاظت فرزندان ہند سے ہی ہو ایسا کوئی ذریعہ ہونا چاہیئے۔ اور جب تک ایسی صورت پیدا نہ ہو وہاں تک ہوم رول خیال خام ہے۔ ایسی حکومت ہم حاصل نہ کریں وہاں تک مجالس قوانین میں کثرت رائے سے منتخب شدہ نمائندہ کی بنی ہوئی ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا خیال کرنا بے سود ہی۔

رشیا میں حکومت زار کے اختتام کے بعد اور مسٹر لوئیڈ جارج کی مخالف اسلامی حکمت عملی سے ترک کئے جانے کے بعد ترکی، ایران، افغانستان، عراق، مصر، اور عربستان چنداں صحیح پیمانہ پر خود مختار حالت میں ہیں۔ ہمارے بیرونجات کے قومی بھائیوں کی حالت اس طرح مضبوط ہونے سے اب مسلمانان ہند کو صرف اپنے ذاتی سوالوں پر متوجہ ہونا چاہیئے۔

سید غلام بھیک نیرنگ اور ہز ہائینس آغا خان صاحب کیلئے اعلیٰ درجہ کا احترام

سید غلام بھیک نیرنگ بی۔اے ایڈوکیٹ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ خاتم النبینؐ اور عربستان کے پیغمبر اعظم کی محبوبہ اور عزیز شاہزادی کے نسل میں سے پیدا شدہ ہز ہائینس آغا خان صاحب ایک عظیم الشان تاریخی مرتبہ کے وارث حضرت علیؑ کے فرزند حضرت امام حسینؑ نے ایران کے قدیم شاہوں کے خاندان کی ایک شاہزادی سے شادی کی تھی اور ہز ہائینس آغا خان صاحب نے قدیم خاندان کے دستور کو جاری رکھا ہے امامی خاندان میں مشہور حضرت امام جعفر الصادقؑ کے فرزند حضرت امام اسمٰعیلؑ کے خاندان کے پیدا شدہ مصر کے فاطمی خلفا کے نسل میں سے ہونیکی ہز ہائینس آغا خان صاحب میں سب سے بڑی صفت ہے۔ اس طرح آپ کی رگوں میں علیؑ اور فاطمہ علیہا کے خاندان کا پاکیزہ خون نیز ایران کا شاہی خون اور بنی فاطمہ کے خلفا کے سلاطین کا خون دوراں کر رہا ہے۔

افغانستان کے امیر امان اللہ خاں کو وائسرائے نے گارڈن پارٹی دی تھی۔ اس موقع پر شاہی جماعت کے مہمان کی حیثیت سے مولانا حاضر امام آغا خاں سلطان محمد شاہؑ بھی تشریف فرما تھے۔

مسٹر مانٹیگو سے سفارش

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خاں صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں کی جو خدمات کی ہیں۔ اسکی تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے۔ ہندوستان کی فیاضانہ اصلاحات میں مسٹر مورلی کو متاثر کرنے میں مسٹر گوکھلے کا خاص حصہ تھا۔ مگر مسٹر مانٹیگو پر ہز ہائینس آغا خان صاحب کا اثر اس سے بھی زیادہ تھا

ترکی کے سوال کی نسبت مسٹر مان ٹیگو نے جو تائید کی تھی اس سے آپ کے اثر کا پتہ چلتا ہے اور اسی وجہ سے ہندوستان کے ایک بڑے دوست کا زوال ہوا تھا۔ لارڈ ہارڈنگ، لارڈ ولنگڈن اور مسٹر مان ٹیگو کو ہز ہائینس آغا خاں صاحب نے جو خطوط لکھے تھے وہ انمول دستاویزات کے طور پر مشہور ہوں گے۔ ہندوستانی اصلاحات کے بارہ میں جب آپ انگلینڈ میں تھے اس وقت گوکھلے کے تیار کردہ سیاسی قرار کے ساتھ ہی آپ کی دستاویز تھی۔ جب تک کہ اس کی اشاعت نہ ہوگی تب تک اس کا حال پبلک کو معلوم ہوگا۔

پرنس آف ویلز کا مجسمہ

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے اپنے خرچ سے پرنس آف ویلز کا مجسمہ تیار کر کے بمبئی کے باشندوں کو ۲۵ رجمادی الآخر ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۲۷ء میں صدیہ کیا تھا اس کے افتتاح کی رسم گورنر سی ولسن نے کوپریج کے میدان میں کی تھی۔ گورنر اور ان کی اہلیہ اور نو مسلم لارڈ ہیڈلی کے آنے پر مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خاں صاحب نے ان کا استقبال کیا تھا۔ اس کے بعد مجسمہ کے افتتاح کی رسم ادا کرتے ہوئے گورنر نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہز ہائینس آغا خاں جناب برٹش سلطنت کے ایک وفادار دوست ہیں اور شہنشاہ اور ان کے شاہزادے کے ساتھ جو ذاتی تعلقات ہیں آپ میں سے اکثر کو اس کا علم ہے اس بارہ میں بالاختصار اس نیک کام کی مبارک باد انہیں دی جاتی ہے۔

مسلم سیاسی مجلس کی تجویز

۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کے نام ایک اظہارنامہ (مینیفسٹو) شائع کیا تھا۔ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ لارڈ مورلی وزیر ہند مقرر ہوئے تھے اور لارڈ منٹو وائسرائے تھے اس وقت مسٹر گوکھلے نے بنارس میں ظاہر کیا تھا اس طور سے لارڈ کرزن کی عملداری حکومتوں کے بہرا اہل لیاقت کے کارروائیوں کی شب دیجور بھی تمام ہوئی اسوقت ہمارے سامنے نئی حالت آکے کھڑی ہوئی پرنس آف ویلز علیگڈھ یونیورسٹی کے معائنہ کو آئے تھے۔ اسوقت مرحوم نواب محسن الملک کو ہم نے سلمانوں



سابق شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم پرنس آف ویلس کی حیثیت سے ہندوستان آئے تھے اس کی یادگار میں مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب نے اہالیان بمبئی کو ان کا مجسمہ مرحمت فرمایا تھا۔

کے لئے ایک سیاسی جماعت کی نسبت ایک خاکہ لکھ کر دیا تھا۔ ان کو اور ان کے احباب کو مجموعی طور سے کانگرس نے شرکت کر کے اپنے اثر سے کام لینے یا الگ رہ کر سرکار پر دباؤ ڈالنا تھا۔ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کی سیاسی زندگی کو از سر نو تازہ کرنے کے لئے اور ملکی کاروبار میں مسلمانوں کا کافی اثر پیدا کرنے کے لئے یہ دونوں علاج بہتر اور مساوی ہیں۔"

اردو ادب اور ہندی صحافت کی ترقی

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے ماہ شعبان ۱۳۴۶ھ مطابق فروری ۱۹۲۸ء میں انجمن اخوت اسلامیہ ایرانیہ کے منعقد شدہ ایک خاص جلسہ میں مسلم تعلیم و تہذیب وغیرہ کی اشاعت اور اسلامی دنیا کی ترقی اور بہبودی کے لئے قائم شدہ دکن اورنگ آباد کی انجمن ترقی کو اردو زبان میں اصلاح و اضافہ کے لئے دس ہزار ۱۰۰۰۰ روپے کا عطیہ دیا تھا۔ اس کے شکریہ کی تجویز پاس کر کے جلسہ کے صدر شیعہ عالم حاجی محمد عبدالرحیم سے درخواست کی گئی تھی کہ اس کی پکی نقل خدمت میں روانہ کر دیں۔ بمبئی کے جرنلسٹ ایسوسی ایشن آف انڈیا کو بھی سالانہ پندرہ ۱۵ ہزار روپیہ کا وظیفہ آپ نے منظور فرمایا تھا۔

نظامیہ مسجد

لندن مسجد فنڈ کے صدر جسٹس مسٹر امیر علی نے ایک ملاقات کے درمیان کہا تھا کہ سرکار نظام پانچ لاکھ روپے دینا چاہتی ہے اور یہاں سے فنڈ کے ٹرسٹیوں میں سے ایک نائب ہندوستان بھیجا جاتا ہے اس مسجد کا نظامیہ مسجد نام رکھا جائے گا۔ ابھی تک اس کے ٹرسٹی ہز ہائنس سر آغا خاں صاحب، لارڈ امپتھل، لارڈ لیمنگٹن ہیں اور رائٹ آنریبل امیر علی اور سر محمد رفیق کا انتقال ہو گیا۔ ان کی طرف سے وصول شدہ رقم بنک آف انگلینڈ میں جمع ہے۔

نہرو رپورٹ۔ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس

دہلی میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خاں کی صدارت میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کا جلسہ منعقد ہونے والا تھا۔ اس کی نسبت مولوی سر محمد یعقوب نے کانفرنس کے بارہ میں غلط فہمی نہ پیدا ہو اس لئے خلاصہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خاں تشریف لانے والے ہیں اس کانفرنس کے منعقد کرنے والے "نہرو رپورٹ" کی وقعت کو گھٹانا نہیں چاہتے مگر مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ان کے تمام دفعات پر غور کرکے جو اصلاح ضروری معلوم ہو گی اس کی ترمیم کرنے کا ان کا ارادہ ہے۔

مسلمانان ہند میں سیاسی امور میں جو اختلاف ہے اس سے مسلمانوں کی بہبودی کے خیال سے نقصان کو دیکھ کر اپنی طبیعت ناساز ہوتے بھی مذکورہ کانفرنس میں تشریف لاکر مسلم سیاسی کشتی کو سلامتی سے پار اتارنے کے لئے مولانا حاضر امام آغا خاں صاحب کتنے مشتاق تھے۔ اس کا ثبوت لندن سے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے کارکنان پر آپ نے جو پیغام بھیجا تھا۔ اس سے مل جاتا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں کہ "تمہیں ناامید نہ ہونے کے لئے میری طبیعت با ایں ہمہ کہ ناساز ہے تاہم میں آرہا ہوں۔ بمبئی یا دہلی میں استقبال منظور کرنے کے لائق میری طبیعت نہیں ہے۔ تمہاری ہمدردی کے لئے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دہلی میں استقبال

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ۷/۱۳۴ھ ۱۵ رجب مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو ایس ایس راجپوتانہ میں بمبئی پہنچے تھے آپ کا معمول اسٹیشن پر مسلمانوں اور اسمٰعیلی جماعت کی طرف سے ۔۔۔ استقبال کیا گیا تھا۔ ۲۲ تاریخ کو اپنے خاص سیلون میں رونق افروز ہو کر پنجاب ایکسپریس سے دہلی روانہ ہوئے تھے۔ دہلی اسٹیشن پر پہنچتے ہی آپ کے استقبال کے لئے ہزاروں آدمیوں کا ہجوم تھا۔ علیحدہ علیحدہ اسلامی



آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی کا اجلاس: مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب صدارتی خطبہ دے رہے ہیں۔



آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی میں مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب صدر کے جلسہ [illegible]

مجلسوں کی طرف سے "دنکے نشان" بینڈز (باجے) والنٹیرس اور اسکاؤٹس تمام جمع ہو گئے تھے۔ ٹرین سے تشریف رکھتے ہی آپ کو سبھوں نے سلامی دی، سارا اسٹیشن تکبیر کے نعرے سے گونج گیا تھا۔ سیلون میں سے اُتر کر آپ پلیٹ فارم پر تشریف لائے اسوقت نعرۂ تکبیر گونج گیا تھا۔ گلاب کے پھولوں کی بوچھاریں ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گلاب کے پھولوں کا ہی فرش بچھایا گیا ہے اس طور سے پلیٹ فارم تمام رنگین ہو گیا تھا۔ آپ کے شامیانہ میں تشریف لانے سے سبھوں نے کھڑے رہ کر آپ کی محبت سے تعظیم کی جب آپ اپنے نشست پر بیٹھ گئے اس وقت تمام لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ کانفرنس کی کارروائی جاری ہوتے ہی تمام جماعتی لیڈروں کو بلاکر انہیں کافی موقع دیا گیا۔ تجاویز پر متعدد ترمیمیں پیش کی گئیں اور مختلف اشخاص نے اپنے خیالات علیحدہ طریقوں سے اپنی طبیعت کے موافق تقریر کے ساتھ ظاہر کیں۔ دو دن تک کامل تقریر رد مباحثہ ہونیکے بعد ایک طویل تجویز تیار کی گئی۔ اس کی تمام جماعتوں نے تائید کی اور اتفاق کلی سے پاس ہوئی۔ کانفرنس کا کام تمام ہونیکے بعد اسی رات کو آپ بمبئی روانہ ہوئے تھے۔ روانگی کے وقت دہلی کے غربا میں تقسیم کرنے کے لئے دو ہزار روپے مسٹر فاضل بھائی ابراہیم رحمت اللہ جنرل سکریٹری کو دیتے گئے تھے۔ بمبئی تشریف لانے کے بعد تیسرے دن یورپ روانہ ہو گئے۔ فقط ایک ہی ہفتہ آپ نے صرف کیا تھا۔ تاہم کانفرنس کا کام نہایت کامیابی سے انجام کو پہنچا تھا۔

ہمیں تو صرف ہز ہائینس آغاخاں کی ضرورت ہے

مذکورہ کانفرنس میں مولوی سر محمد یعقوب نے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کی نسبت اپنی تقریر میں بیان کرتے ہوئے ایک ضعیفہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ خلیفہ مامون کے دربار میں قیمتی اشیاء تمام آراستہ کر کے رکھی تھیں اور اس میں سے جسے جو شئے پسند ہو وہ لیجانے کے لئے حکم کیا گیا تھا۔ حاضرین میں سے ہر ایک نے اپنے مذاق کے مطابق اشیاء لے کر چلدیے مگر آخر میں ایک ضعیفہ رہ گئی تھی۔ اس سے خلیفہ نے سوال کیا تو کیوں کھڑی ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے ان تمام اموال اشیاء سے کوئی شئے پسند نہیں ہے۔ مجھے تو صرف تیری ضرورت ہے۔ آج ہم بھی اسی طور سے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں صرف ہز ہائینس آغاخاں چاہئے

ہی کی ضرورت ہے۔ اور اس قصّہ کے آخر میں آپ نے یہ شعر پڑھا۔

آفاقہا گردیدہ ام - مہر بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام - حقا تو چیزے دیگرے

معنی:- بہت سے دُنیا کے مقامات میں پھرا ہوں معشوقوں کی محبت سے بھی واقف کار ہوں بہت سے معشوقوں کو میں نے دیکھا ہے مگر تو کچھ اور ہی چیز ہے۔

برٹش ریڈکریسنٹ سوسائٹی ـ زراعت ایک بہترین پیشہ

مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغاخاں صاحب (صدر) لارڈ لمنگٹن (نائب صدر) پرنس علی ایس خان (نائب صدر) مسز ایسابیل میر علی - کرنل نواب ملک سر عمر حیات خاں ٹیوانا - وارث امیر علی (نائب سر نشین) اے - ایس - ایم - عتیق آنریری خزانچی ان مندرجہ بالا عہدہ داروں کی برٹش ریڈکریسنٹ سوسائٹی کی مجلس عاملہ میں ماہ اپریل ۱۹۲۹ء مطابق ماہ شوال ۱۳۴۷ء میں قائم ہوئی تھی فلسطین میں عربوں پر ظلم و ستم کی خبر ملتے ہی ہز ہائینس آغاخان صاحب نے اس سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے اسلامی عالم میں مصیبت زدگان بیت المقدس کے لئے فنڈ کی اپیل کی تھی۔

۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۲۹ء کو امام نے ڈیون ویلے سے سکھر بیرج کے مستقبل ترقی کی نسبت اپنے اسمٰعیلی مریدوں کو ایک پیغام بھیج کر اطلاع دی تھی کہ سندھ میں زراعت کا حال سنکر میں بہت خوش ہوا ہوں سب سے بہترین پیشہ زندگی کے معاش کا زراعت اور کاشتکاری ہے۔ نہروں کے اجراء سے دنیوی مال ومتاع میں بھی اصلاح ہوگی - اسے بھول نہ جائیں اس لئے میں سب اسمٰعیلیوں کو تاکید کرتا ہوں۔ سندھ میں نیا اضافہ کرنے کے لئے جماعت کی کوششوں سے اسمٰعیلیوں کو بھولنا نہیں چاہیئے۔

ہندو مسلم سوال اور امریکہ میں مؤثر براڈکاسٹ

لندن سے ۲۸ دسمبر کو امریکہ میں آپ نے براڈکاسٹ کیا تھا جس میں کہا تھا کہ جرمنی میں

.........۲۰و۶ نفوس کی بہ نسبت مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں ....۵۰۲۴۲ ہیں ....۵۰۰۰۷ ہے بچاس سال قبل ہندوستانی آبادی کے حصہ پنجم جتنے مسلمان تھے۔ حال کی مسلم آبادی چوتھے حصہ میں ہے ہمارے فرزند بلوغت میں آئیں گے اس کے قبل ان کا حصہ ایک تہائی ہوگا۔ ہندوستان کے مسلمان ہندوستان کو بیرونجات کے ہیں ایسا تم خیال نہ کرنا۔ وہ لوگ صدیوں سے اس ملک میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس میں نوے فیصدی تو نورمنون کو انگلینڈ میں جتنا طول عرصہ ہوا ہے اتنے قدیم زمانہ سے ہندوستان میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مگر رعایا کے ایک گروہ کو دوسروں سے علیحدہ کرے لیسے بہت سے امور میں ہندوستانی مسلمان ہندوؤں سے بالکل نرالے ہیں رسم ورواج میں، عادات میں، قوانین میں، اور ان کے علاوہ خوراک و پوشاک میں بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ اور دیگر یہ ہے کہ وہ خود اپنی تہذیب اور اقتصادی نقطۂ نظر میں بھی علیحدہ پڑتے ہیں۔ ہندوستان میں چھوت چھات موجود ہے حالانکہ سب انسان یکساں پیدا کئے گئے ہیں ایسی تعلیم اسلام دیتا ہے یعنی ان کے نزدیک کسی انسان کو اچھوت سمجھنا بڑا گناہ ہے۔ مذہب اسلام ہر فرد و بشر کو بالکل مساوی طور پر خدا کے زمین پر سیدھا چلنے کا اختیار دیتا ہے۔ اسی طرح عورتوں اور مردوں کو ہمارا مذہب مساوی حقوق بخشتا ہے۔ آئرلینڈ میں پروٹسٹنٹ اور کیتھلکس کے مابین اور کناڈا کے فرینچ اور اہل کناڈا کے انگریز کے مابین جو امتیاز ہے ان کے مقابلہ میں مذہب اسلام سود خوری کی نہایت مخالفت کرتا ہے تو سرمایہ داروں کی غلامی سے غریبوں کو بچانے کے لئے یہ قانون جاری کیا گیا ہے ہندوؤں کو، سرمایہ پر سود لینا جائز ہے مسلمانوں میں اکثر ایسے ہیں جو آج بھی سود نہیں لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمانہ نے ہندوؤں کو اہل دول بنا دیا ہے اور اہل اسلام بچارے مزدور پیشہ یا کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں

+ ہندوستان [illegible]

فلسطین کا احتجاج

مولانا حافظ امام کے زیر صدارت ایک عظیم الشان مسلمانوں کا جلسہ لندن میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں ڈاکٹر اسمرادردی اور سر ذوالفقار علی خاں نے نہایت جوشیلی تقریریں کی تھیں گریٹ بریٹن نے بیت المقدس کے عربوں کے بارہ میں جو کارروائیاں اختیار کی تھیں ان کے لئے اظہار تاسف اور

یہودیوں کی مخالفت کی گئی تھی۔ اسی طرح بالفور کا اعلان مسترد کرکے ہندی لشکر کو وہاں سے بلانے کے لئے ایک تجویز پاس کی گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے برٹش سلطنت میں مسلم آبادی نہایت کثرت سے ہونے کے باعث اس کا انجام ایذارساں ہوگا۔ ایسی اطلاع دی گئی تھی۔

ھُنزا کے اسمٰعیلی حاکم

دُنیا کی پُشت پر ھُنزا کے حاکم ایک اسمٰعیلی ہیں۔ مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کی فرانس میں ہونیوالی شادی کی خوشی خبری سن کر انہوں نے تہہ دل سے اظہار کرتے ہوئے ایک پیغام بھیجا تھا کہ نہایت خوشی اور شکر کے ساتھ دعاؤں کے مُعیت میں، میں خود اور میری جماعت شادی کی خوشخبری سے نہایت مسرور ہوئی ہے اس نیک شگون کے دن میں میرے علاقہ میں خاموشی سے بندگی اور روشنی کرکے خوشیاں منانے کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔ مولانا حاضر امام کو میں اپنی اور جماعت کی طرف سے تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ آپ کے کرم سے مظہر اقدس کے دیدار سے مشرف ہوکر آپ کی عنایات سے ھدایت کو حاصل کرکے دنیوی افکارات سے بری ہو جائیں۔

ہندوستان کے مستقبل کیلئے تجاویز پر نکتہ چینی

ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ارون نے ایک اعلان میں ظاہر کردہ ہند میں برٹش سیاست کی نسبت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے لندن ٹائمز میں ۱۰ نومبر میں لکھے ہوئے ایک مضمون میں ہندوستان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ دیسی ریاستوں کی نوآبادی کا قیام کرنے کے لئے ایک سچے مُدبر کو بیدار ہوا ایسا استقلال مستقل مزاجی اور تدبر کی ضرورت ہے برطانیہ کی قیادت کے بغیر یہ کام کامیابی سے نہیں انجام دیا جاسکتا۔ اور کیا برما، ہند کا آئرلینڈ ہونے والا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ برٹش ہند میں برما کی شمولیت کے غیر انصافی کا ہمارا تدبر معاوضہ دیگا۔ اور اس کے لیڈر جو کامل آزادی طلب کرتے ہیں۔ وہ اس کی رعایا کو دیں گے برطانوی کامن ویلتھ



نکاح خوانی:۔ مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی رسمِ نکاح فرانس کے شہر ایکس لا بینس میں مراکشی قاضی ادا کر رہے ہیں۔



میں ہندوستان ایک نوآبادی بنے تو میں خود اس کے لئے تقویت اور تائید کروں۔

مولانا حاضر امام آغاخاں صاحب نے تار کے ایک پیغام کے ذریعہ سے آل انڈیا مسلم کانفرنس کو دس ہزار روپیہ کا عطیہ دیا تھا وہ بھی اسی سال کے واقعات میں سے ہے۔

ہز ہائینس آغاخاں صاحب کی میڈموئزیل کیرون سے شادی

۷ جنوری ۱۹۳۰ء مطابق ۶ شعبان ۱۳۴۸ھ کے ڈیلی میل کا پیرس کا نامہ نگار اپنے ایک پیغام میں لکھتا ہے کہ مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ کی شادی کے شاہد پیرس کی مسجد کے امام بنیں گے پہلے سول شادی ہونے کے بعد اسلامی قانون کے بموجب امام صاحب اس جوڑے کا نکاح پڑھیں گے رسم شادی نہایت مختصر ہوگی۔ رسم شادی کا بیان کرتے ہوئے مذکور نامہ نگار لکھتا ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے دولتمند ہز ہائینس آغاخاں صاحب اور میڈموئزیل اینڈری جوسیفائن میری لیونی کیرون کی شادی کے رسم ادا کرنے میں ایکس لابین کے میر مونشیر ہنری کلارک نے صرف ۶ منٹ لئے تھے۔

مذکور اخبار کا نامہ نگار اس شادی کی نسبت عوام کے نکتہ نظر سے لکھتے ہوئے فرانس میں اس واقعہ کو شہزادہ کے ساتھ ایک کوہستانی خاندان کی لڑکی کے ساتھ حیرت انگیز شادی بیان کرتا ہے مگر میرے نکتہ نظر سے مشرق و مغرب کی یہ ایک نادر کڑی ہے۔ باہر جمع شدہ لوگوں کے مسرت کے نعرے اور آسمان کے بادل کی گرج ایسے شور و غل میں ایک شاہزادہ نوشا بنکر آرہا ہے۔ بیگم اسکے قبل ہی شاہزادی بن چکی تھیں۔ ان کے جہیز میں دس ہزار پاؤنڈ دیئے گئے تھے۔ ان کی انگشتری ہی بے شمار قیمت کی تھی۔ کیونکہ ان کی ایک انگلی میں ایران کے سلاطین کے شاہی جواہرات کا ایک ٹکڑا جگمگا رہا تھا۔ ہز ہائینس آغاخاں صاحب کے تحائف میں سے یہ بھی ایک تحفہ تھا۔

قریب کے ایک دیوانخانہ میں دو پیش نماز ایک الجیرین سید علی اور دوسرے ابن حسن مراکشی حاضر تھے وہ اپنے مذہبی عماموں سے آراستہ تھے۔ سید علی نے اہل اسلام کے طور پر خطبہ نکاح نہایت رعب دار آواز سے پڑھ کر مراسم نکاح ادا کیا۔ جس کا مختصر خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

شادی کا خطبہ

حمد و ثنا اس خدا کے لئے ہے جس نے مرد اور عورت کو شادی کی گرہ سے منسلک کرنے کے لئے ازل سے مقرر کیا۔ انسان کو اس دنیا میں مسرت جنت حاصل کرنا لازمی امر ہے خدا لے جانتا ہے اور وہ اپنے کرم سے انسان کو اپنی شادی کرنے کے لئے ارشاد کرتا ہے۔ "ہم شاھد ہیں کہ اللہ ایک ہے کہ جس نے دنیا پر اپنی رحمت کاملہ نازل کی ہے" اس موقع پر پیش امام نے ہز ہائینس آغا خاں صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے بلند آواز سے کہا کہ ہم شاھد ہیں کہ ہمارے مالک نیکی کا راستہ اور حق کی جانب دکھانے کے لئے اس کے نبی اور خدا کے نائب ہیں ان پر ادران کے تمام خاندانی فرزندوں پر خدا تعالیٰ اپنی برکات نازل کرے اور رحمت کی بارش برسائے آمین۔

شادی تو پیغمبر کی سنت پاکیزہ ہے اور خدا کی طرف لے جانے کا ایک نفیس اور عمدہ راستہ ہے۔ ہمارے نبی صلعم نے ہمیں جو مذہبی فرائض سکھائے ہیں۔ اس کا اکثر حصہ شادی کرنے سے ادا ہوتا ہے خدا کی نظروں میں وہ انسان بہترین ہے جو شادی کے بعد عمدہ ترین شوہر بنتا ہے۔ یہ تعلیم ہمارے نبی صلعم ۔۔۔ کی ہے۔ اسے ہم نے اچھی طرح سے بیان کیا ہے نکاح کے خطبہ کا اختتام ہونے تک باشندگان شہر کا (مرد و عورت) جو جمع ہوا تھا اسنے خطبہ کو سکون کے ساتھ سنا تھا۔

فریمن آف دہلی سیٹی

شادی کے رواسم تمام ہونے کے بعد ہز ہائینس مولانا حاضر امام آغا خاں صاحب ٹاؤن ہال سے باہر آکر سبیر کی معرفت نو لاکھ پچیس ہزار فرانک ایکس لابنیس کی سخاوت میں استعمال کرنے کے لئے بخشش کئے تھے۔ بعد ازاں آپ کو فریمن آف دہلی سیٹی کے حقوق دیے گئے تھے اس شہر نے اپنے مشہور عالم متبنیٰ فرزند کے شادی کے جوش میں بارش کی ذرا بھی پرواہ کئے بغیر

لڑکی کے جماعت کے "سیوویاڈ" لوگ ناچ کود کر خوشیاں منا رہے تھے۔

خواجہ حسن نظامی کی نصیحت کہ ہز ہائینس آغا خاں صاحب کو لیڈر مانو

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کے لئے دہلی والے مشہور صوفی خواجہ حسن نظامی نے اپنے "منادی" نامی اردو اخبار کے سرورق پر چند مندرجہ ذیل مضمون شائع کیا تھا۔

مسلمانوں کی فرقہ بندی سے تمام قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ جس کے باعث سیاسی امور میں کبھی ان کا کوئی لیڈر نہیں۔ اور جو لیڈر ہیں بھی تو اتنے بہت سے ہیں کہ پھر تمام قوم ان میں سمائی جاتی ہے یعنی تمام لیڈر رہی لیڈر بن گئے ہیں۔ یوپی کے گورنر سر مالکم ہیلی نے علیگڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "مسلمانوں کا کوئی لیڈر نہیں ہے"۔ اس تقریر کے بعد دہلی میں قانونی مجلس میں مسلم ممبروں نے جلسہ منعقد کر کے ظاہر کیا تھا کہ ہز ہائینس آغا خاں صاحب ہمارے سیاسی لیڈر ہیں یہ نہایت عمدہ خیال تھا۔ جو بروقت ظاہر کیا گیا تھا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میری رائے سے متفق ہو جانے والے تمام مسلمان مسجدوں میں جمع ہو کر جلسہ منعقد کر کے اس میں اس بات کا اظہار کریں کہ تمام مسلمانوں کے لیڈر ہز ہائینس آغا خاں ہیں اور ہم آپ پر پورا اعتماد رکھتے ہیں۔ اس طرح عمل کرنے سے ہماری سیاسی زندگی میں ہم کچھ کام کر سکیں گے۔ ورنہ ایسا سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم ایسے ہی غوطے کھاتے کھاتے ورطۂ ہلاکت میں ڈوب جائیں گے۔

فن پرواز کی ترغیب و تقویت۔ "آغا خاں مسجد"

۲ محرم ۱۳۴۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۰ء کے روئٹر کے ایک پیغام کے مطابق مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے ہندوستان کے مقام سے ہوا بازوں کے لئے طیارہ پر اڑ کر چار روز میں کیپ ٹاؤن پہنچنے والے ہندوستانی کو پانچ سو پاؤنڈ کا انعام دینے کا اعلان کیا تھا اس میں بھی خاص ہندی ہوابازوں کو تقویت ملے اس لحاظ سے آپ نے اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور یہ انعام کراچی کے ایک پارسی ہوا باز مسٹر ایس

ڈربی کی (ریس) میں آپ کا گھوڑا بلینہیم کے کامیاب ہونے پر شہنشاہ نے مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ سے ملاقات کر کے آپ کو مبارک باد دے کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا تھا۔ یہ شرط لندن میں چوتھی ماہ جون کو ہوئی تھی۔

ویسٹرن اسلامک ایسوسی ایشن نے کارڈف میں جو مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا تھا۔ اس کے نیک شگون کے طور پر اس کا نام آغا خان مسجد رکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

پرنس علی سلمان خان شام میں

پرنس علی الیس خان کو ۹ ۱۳۴۹ھ ربیع الاول مطابق اگست ۱۹۳۰ء میں مولانا حاضر امام نے شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ عراق میں ایک ہفتہ صرف کر کے سلمیہ اور خوابی میں اسمٰعیلی عرب جماعتوں کی ملاقات کر کے اپنے والد ماجد کا مندرجہ ذیل پیغام سنایا تھا۔

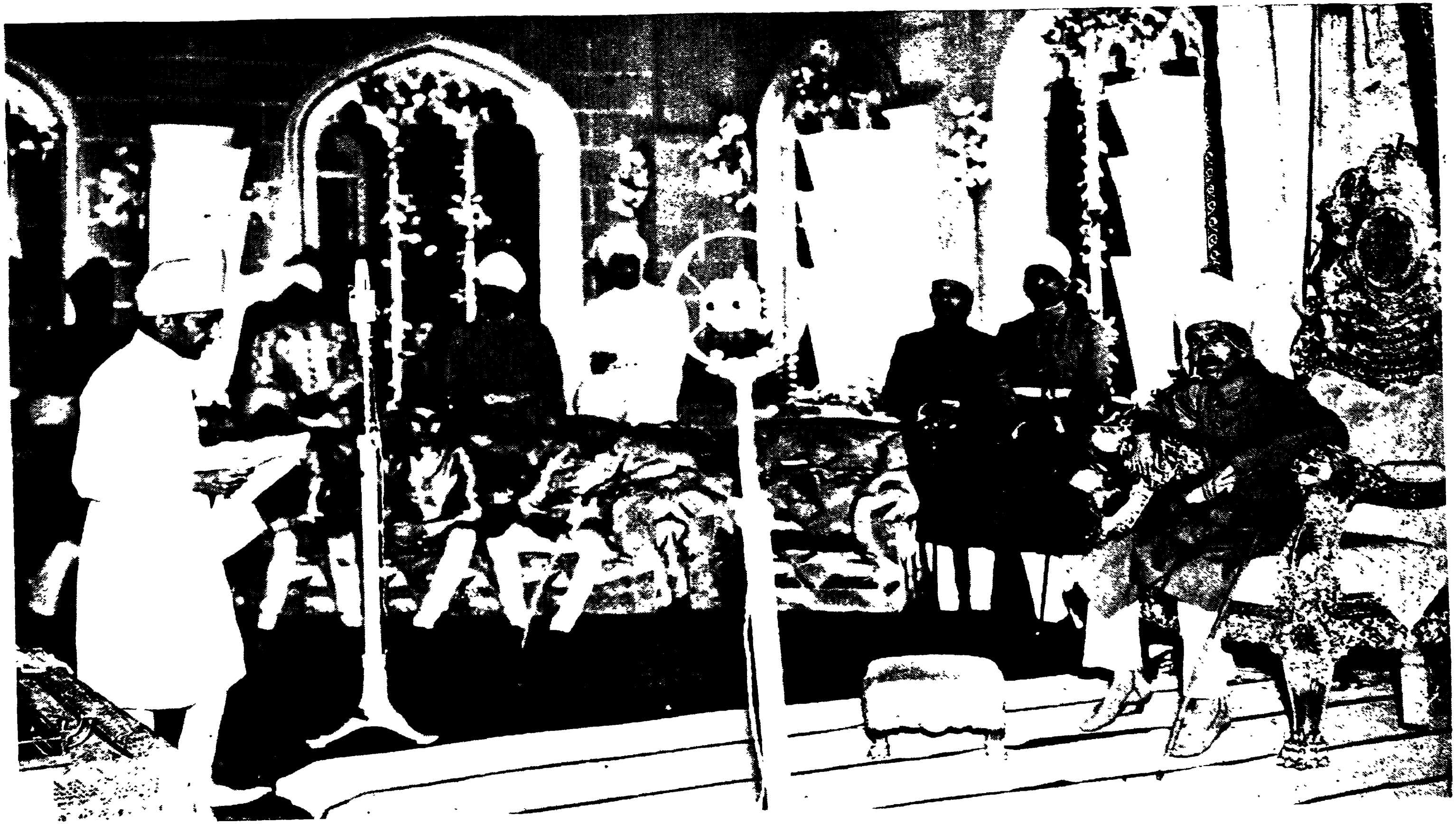
ہم اپنے فرزند کو تمھاری طرف روانہ کرتے ہیں سکو تم ہمارے آنے کے برابر سمجھنا ہم (شاہزادے) کو اپنے ولی عہد کی حیثیت سے روانہ کرتے ہیں۔

یہ پیغام پڑھے جانے کے بعد عرب جماعت میں صلوٰۃ کے نعرے بلند ہوئے، اور اسمٰعیلی عرب آپس میں ایک دوسرے کو مبارکبادی دیتے تھے۔

نیروبی مسجد اور سائمن کمیشن

۱۹۲۶ء میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ افریقہ کی سیاحت کو گئے تھے اسوقت نیروبی کی مسجد کے لئے تیس ہزار شلنگ کا عطیہ دیا تھا۔ بعد ازاں یکم اگست ۱۹۳۰ء مطابق ۵ ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ کو تار کے ذریعہ دوسرے پانچ ہزار روپیہ بھیجنے کا اعلان کیا تھا۔ افریقہ میں مسلمانوں کی یہ ایک عالیشان مسجد ہے۔

رجب ۱۳۴۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۰ء کے مہینہ میں ٹیڈ نبرد کے لارڈ بر وڈ وُسٹ کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ مولانا حاضر امام ہز ہائینس آغا خان جناب بھوپال کے نواب اور رائٹ آنریبل شری نواس شاستری کو شہر کی زادی کے



اعلیٰ حضرت حضور نظام کی سلور جوبلی کے موقع پر جو سپاسنامہ دیا گیا تھا اس جلسہ میں ایچ - ایس - ایچ پرنس علی سلمان خان پرنس آف برار کے ساتھ بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔



ولیعہد پرنس علی سلمان خان عربی لباس میں ملبوس ہیں (شام)

حق دیں اس بات کی بحث میونسپل کونسل کی آیندہ نشست میں ہو گی۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے سائمن کمیشن کے تقریر اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ برطانیہ حکومت مرکزی حیثیت رکھنے والی اور طاقتور ہے۔ سائمن کمیشن جو سفارشات کرے گا وہ کیا ہو گی اسکا مجھے علم نہیں ہے مگر ہندوستان کے خود مختار ریاستوں کے مجموعی فیڈریشن سے علیحدہ اصول پر کمیشن اپنی رائے قائم کرے گا تو خدا اس کی مدد کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے نمک کے لئے میٹھا پانی گھولنے کے مشابہ ہوگا

نیس میں ڈیلی اکسپریس کے ایک نمائندہ کی ملاقات کے وقت آپ نے فرمایا کہ انڈین فری اسٹیٹ یا فیڈریشن کے قوانین کے لحاظ سے سائمن کمیشن ہندوستان کے قوانین اگر بنا نہ سکے گا۔ تو اس کی تمام محنت برباد ہو جائیگی ہندوستان کے قوانین رعایا کے طرز عمل کے طور پر بنانے کا وقت اب آگیا ہے۔ برٹش سلطنت میں ہندوستانی اسٹیٹوں کا فیڈریشن سمایا ہوا دیکھنے کی ہمیں خواہش ہے مگر اس فیڈریشن کا درجہ سلطنت کے دوسرے حصوں کے درجوں کے برابر ہونا چاہیئے۔ اقتصادی اور لشکری آزادی کے ہمراہ ہر ایک اسٹیٹ میں ایک ایک برٹش گورنر اور تمام فیڈریشن پر نگرانی کرنے والا وائسرائے ہو ایسے تمام ملکر ۲۰ یا ۳۰ ہندوستانی آزاد اسٹیٹس ہونگی۔ ایسا عظیم انقلاب کرانے کے لئے نہایت زبردست بہادر اور باہوش شخصیت کی ضرورت ہے۔

۱۴ شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کے اسمٰعیلی اخبار میں لیا بیان کیا گیا ہے کہ ہز ہائینس آغاخاں صاحب نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ترکی ہمارے خلاف میں تھا۔ اس وقت لڑائی کے مابین میں نے اتحادیوں کی جانبداری کیوں کی ہو گی؟ ایسا سوال مجھ سے کئی شخصوں نے کیا تھا۔ میں لیا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے دو دنیا کے ساتھ تعلق ہے اور میں ان دونوں کے مابین وصل کرنے والی کڑی ہوں۔ میرے خاندان کا عربی اور ایرانی دونوں خاندان سے تعلق ہے۔

آغاخاں پولیس کلب

۷ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۳۱ء کو ممبئی کے گورنر سر فریڈرک سائکیس نے ممبئی کے آغاخاں کلب کے ایک عظیم الشان جلسہ میں میدان کی پولیس کورٹ کے صحن میں پولیس کلب کا افتتاح کیا تھا اور

مولانا حاضر امام کی تعریف کی تھی" وائسرائے آف انڈیا" نامی اسٹیمر کے ذریعہ اپریل ۱۹۳۱ء میں وائسرائے لارڈ ولنگڈن ہندوستان پہنچے تھے۔ سلطنت کے اعلیٰ درجہ کے لیڈر س اور راجہ مہاراجہ وغیرہ نے آپ کا استقبال بندر پر کیا تھا۔ بعد ازاں لارڈ اور لیڈی ولنگڈن دونوں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کے ملبار ہل کے بنگلہ پر آپ کی والدہ ماجدہ سرکار ماتا صاحبہ ہز ہائینس لیڈی علی شاہ سے ملنے گئے تھے ہز ہائینس آغا خان صاحب یورپ میں مشغول رہکر بہت سا کام کاج کرتے ہیں اور آئندہ سال ہندوستان آئیں گے یہ خبر بھی وائسرائے نے دی تھی۔

فلسفۂ انفرادیت

۱۹۳۱ء کے ماہ جون کی دسویں مطابق ۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ کے دن انگلستان میں فلسفوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس میں ڈین انج ایل۔ پی جیکس۔ چارلس ادمان سر جوشیا اسٹانلی۔ ڈاکٹر نکولس مرے جیسے فضلاء نے اس میں شرکت کی تھی۔ اس جلسہ کے مقرر خصوصی ہز ہائینس آغا خاں صاحب تھے جلسہ کی صدارت سر ہیوج بیل نے کی تھی۔ سر ہیوج بیل نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ اگر ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی جائے جب بھی میں خیال نہیں کرتا کہ " انڈوِ ترڈیلزم " یعنی فلسفہ انفرادیت کے نظریہ پر بغیر ہز ہائینس آغا خاں صاحب سے کوئی اور زیادہ وثوق کے ساتھ اور مستند طور پر اس کی تائید کر سکے۔ کیونکہ فلسفہ انفرادیت کا ان کا مطالعہ گہرا ہے اور آپ اس کی تہہ تک پہنچے ہوئے ہیں۔

ہز ہائینس آغا خاں صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ جسکا علم سہج ہو سکتا ہے ایسے وجود کو ہر انسان جانتا ہے اور یہ اپنے خود کا نفس اور اپنی عنانیت کا (ایگو) احساس ہے لیکن یہ نرالا وجود عالم دنیا کے تعلقات میں موجود رہ سکتا ہے زمانہ گذشتہ کی عنانیت کا خیال نہ ہو سکے۔ ایسی تعداد کا نتیجہ اپنی اندرونی عنانیت ہی اپنے اسلاف کی ایک دراز قطار کی معرفت ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ عنانیت، پیدا کردہ ذہنی روحانی اور دوسری طاقتیں ہم نے ترکہ میں پائی ہیں وہ علیحدہ علیحدہ نکتہ نظر پر منحصر ہے ایسا یہ ایک ذریعہ ہے کہ جو ایسے نظریہ رکھنے والے فرد بشر سے مساوی طور پر نرالا بھی ہے اور مسلسل موجود بھی ہے دوسروں کی عنانیت سے



ہر ہائینس بیگم آغا خاں صاحبہ کے ساتھ پرنس صدرالدین بنگلہ کے زینہ پر۔

گھرے ہوئے ہونے کے باوجود فرد کی ذاتی عنانیت کی دنیا میں اس کا درجہ ہے اور ہر فرد عنانیت سے وجود میں آئے ہوئے فردی مرکزوں کی برتراری پر انحصار رکھتا ہے۔ شب کی تاریکی میں جہازات چلتے ہیں اس طرح یہ تعلق ہمعصر وجودوں کی ایک ستادہ تشکیل (پیرڈیس) نہیں ہے۔ جب ہم انسانی زندگی کے مجموعی عناصر کی طرف نظر کرتے ہیں تب ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی قوت عمل کا تعلق زندگی کے اتفاقیہ واقعات پر ہے۔ دنیا درجہ بدرجہ وسیع ہوتی گئی۔ اس طرح سے تہذیب تمدن کا ارتقاء ہوتا گیا۔ اور زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہر فرد کی شخصیت عالم تشریح میں آتی گئی۔

پرنس علی رضی شام میں۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس

ولیعہد پرنس علی سلمان خان شام میں ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء کے اگست میں بار دیگر آئے تھے تمام سرب جماعتوں کو اپنے والد ماجد کے طرف سے دعائے برکت دینے کے بعد شہر فوابی میں ایک ہفتہ تک قیام کیا۔ جہاں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے ایک عالی شان عمارت تیار کرا کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینے کے لئے ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس مدرسہ سے تمام اسلامی قومیں فائدہ حاصل کرتی ہیں۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ۲۳ ربیع الآخر مطابق ۷ ار دسمبر کو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے پہونچے تھے۔ بھوپال کے نواب صاحب، سر اکبر حیدری۔ سر محمد شفیع۔ سر سلطان احمد۔ ڈاکٹر شفاعت احمد۔ سر اے۔ پی۔ جی دادا بھائی۔ ڈاکٹر امبیڈکر۔ مسٹر لطیفی اور دوسرے لیڈروں نے آپ کا استقبال کیا گیا۔

ہز ہائینس آغا خاں کے براڈ کاسٹ کی مسلم تائید

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ لندن کے رمٹیز ہوٹل میں رہتے تھے۔ وہاں گاندھی جی اور مسٹر نائیڈو کے ہمراہ مسلم ڈیلیگیٹوں کی ایک کانفرنس ۱۵ جمادی الاول مطابق ۲۸ ستمبر کے روز منعقد

ہوئی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر انصاری کو اقلیت کمیٹی میں داخل کرنے پر مباحثہ ہو رہا تھا۔

۲۹ ستمبر کو شملہ سے مجلس قوانین سے ارکین کے دستخط کے ساتھ ایک یادداشت شائع کی گئی تھی جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ ہز ہائینس آغا خاں صاحب نے اہل اسلام کے مطالبات اور اس کے متعلق مسلمانوں کے خیالات کے مطابق جو تقریر براڈکاسٹ کی تھی اس کی ہم تہ دل سے پورے طور پر تائید کرتے ہیں اور آپ پر ہمارا اعتماد کلی ہے۔ ایسا ظاہر کرتے ہیں۔

رٹینر ہوٹل کی مصالحت

لندن ۳۰ ستمبر کو رٹینر ہوٹل میں گاندھی جی اور مسز نائیڈو حاضر ہوئے تھے۔ مسلم ڈیلیگیٹوں نے مولانا حافظ امام کی صدارت میں ہندو مسلم مفاہمت کے سوال میں ڈاکٹر انصاری کی حاضری پر گاندھی جی نے زور دیا تھا۔ اہل سلام نے کہا تھا کہ گاندھی جی کانگرس کے نمائندہ کی حیثیت سے اہل سلام کے شرائط کو قبول کریں اور فرقہ وارانہ سوالات کا فیصلہ کر دیں۔ تو ڈاکٹر انصاری کی حاضری کے لئے وہ خود ممکن طور پر کوشش کریں گے اس کے سوا کوئی بھی چیز کرنے میں اہل سلام لاعلاج ہیں۔ یہاں اب یہ کارروائی موقوف ہوئی تھی۔

لندن ۱۵۔ اکتوبر مطابق ۲ جمادی الآخر کے شب کو رٹینر ہوٹل میں ڈاکٹر مونجے کی یادداشت ہز ہائینس آغا خاں صاحب مسٹر جناح اور دوسرے مسلم نمائندوں کے ہمراہ گاندھی جی نے گفتگو کی مصالحت شروع کی۔ ڈاکٹر مونجے نے یادداشت میں ثالث کے تین اشخاص کی کمیٹی کے ممبروں کے تقرر کو قبول کیا تھا جبکہ مہاسبھا کے پیغام کے بموجب غیر جانبدار اور فرقہ وارانہ مسئلہ چھوڑنے کا مطالبہ ایک تحریری خط کے ساتھ مولانا حافظ امام ہز ہائینس آغا خاں صاحب کے پاس گاندھی جی لے آئے تھے۔ اس وقت ٹریبونل میں لارڈ سنکی جسٹس سلیمان اور جسٹس شادی لال جو لندن میں تھے ان کے تقرر کی کوشش کی گئی۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے بارہ میں مولانا حافظ امام ہز ہائینس آغا خاں صاحب کی ملاقات کے بعد مسٹر مشیر حسین قدوائی نے تجویز کی تھی کہ ٹریبونل سے قومی مسئلہ کو حل کرنا چاہیئے۔ اور



راؤنڈ ٹیبل کانفرنس:۔ مہاتما گاندھی مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب اور مسز نائیڈو مسئلہ اقلیت پر گفتگو کرنے کے بعد

اس میں لارڈ سنکی ایک ہندو۔ ایک مسلم اور ایک سکھ، اس طرح ہر قوم کے ایک ایک نمائندہ کو منتخب کیا جائے۔ اور اس امر کے لئے ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب گاندھی اور سردار اُجل سینہا انتظام کریں لیتے بہت سے تجاویز ہوتے ہوئے بھی ہندو، مسلم اتحاد نہ ہونے سے اس امر کو وزیر اعظم پر چھوڑا گیا تا کہ وہ اس کا فیصلہ کر دیں۔

شہنشاہ کی طرف سے پارٹی

شہنشاہ کے بکنگھم محل میں ۵ نومبر مطابق ۲۳ رجمادی الآخر بروز پنجشنبہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں اور دوسروں کی ایک آفٹر نون پارٹی "شہنشاہ اور شہنشاہ بانوں کی طرف سے دیگئی تھی۔ جس میں مشہور مہمانوں کو دعوت دی گئی تھی۔ ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب، ہر ہائینس بیگم آغا خاں صاحبہ اور پرنس علی سلمان خان خاص معزز مہمانوں میں سے تھے۔

نیشنل لیگ کی طرف سے ۱۲ ردسمبر کی شام کو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے ممبروں کے احترام میں آخری ملاقات کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ اس وقت مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب نے کہا تھا۔ کہ ہم سورج کے سایہ میں کامل اور لائق جگہ پر رہنا چاہتے ہیں۔ اہل اسلام نے خلوص دل سے اپنے ہاتھ کو دراز کیا۔ اور اب انہیں منظور کرنا یا نہ کرنا اس فیصلہ کا کام انگلینڈ کی رعایا کا ہے ہم دوسری رعایا اور قوموں کے ہمراہ پورے احترام سے عمدہ تعلقات اور اتحادانہ سلسلہ سے رہنا چاہتے ہیں

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے برٹش ڈیلیگیٹوں کو بہتر ہمدردی کے اظہار کے لئے ایک ضیافت دی گئی تھی۔ جس میں صدارت کی کرسی مولانا حاضر امام آغا خاں صاحب کو دی گئی تھی۔

سندھ اور نارتھ ویسٹ فرنٹیر صوبہ جات کے سوال کے بارہ میں راؤنڈ ٹیبل کے مسلم ڈیلیگیٹوں کے ایک وفد سے ملاقات کرنے کے لئے ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب نے وزیر ہند سر سیموئیل ہور سے التماس کی تھی۔

لندن ۲۴ ردسمبر مطابق ۱۴ شعبان کو کیپٹنز ہوٹل میں ملی ہوئی ایک مجلس میں وزیر اعظم رامزے میکڈانلڈ

لارڈ ریڈنگ اور وزیر ہند سر سیموئل ہور کے نام ہز ہائنس سر آغا خان نے اپنی درخواست کے بارے میں کہا تھا کہ لوگ ایسا سمجھنے لگے ہیں کہ مسلمان برٹش حکومت کے ہتھیار کے طور پر کام کرتے تھے کہ جو برٹش سرکار اپنے خاص اقتدار سے علیحدہ ہونے کے لئے بالکل ناخوش ہے۔ اور ان کے لئے مسلمان جلانے کے لئے لکڑے چن ڈالیں، ایسا مانتے ہیں مگر ظاہر رعایا کی رائے کے معینوں پر اگر کوئی جلا ہو تو وہ صرف مسلم ڈیلیگیشن ہے اور مسلم ڈیلیگیشن جب ہندوستان جائے گا اسوقت اس کے رعایا کی تمام نکتہ چینیاں اور ذلت کی تمام بدنامیاں ان کے سر تھوپی جائے گی۔

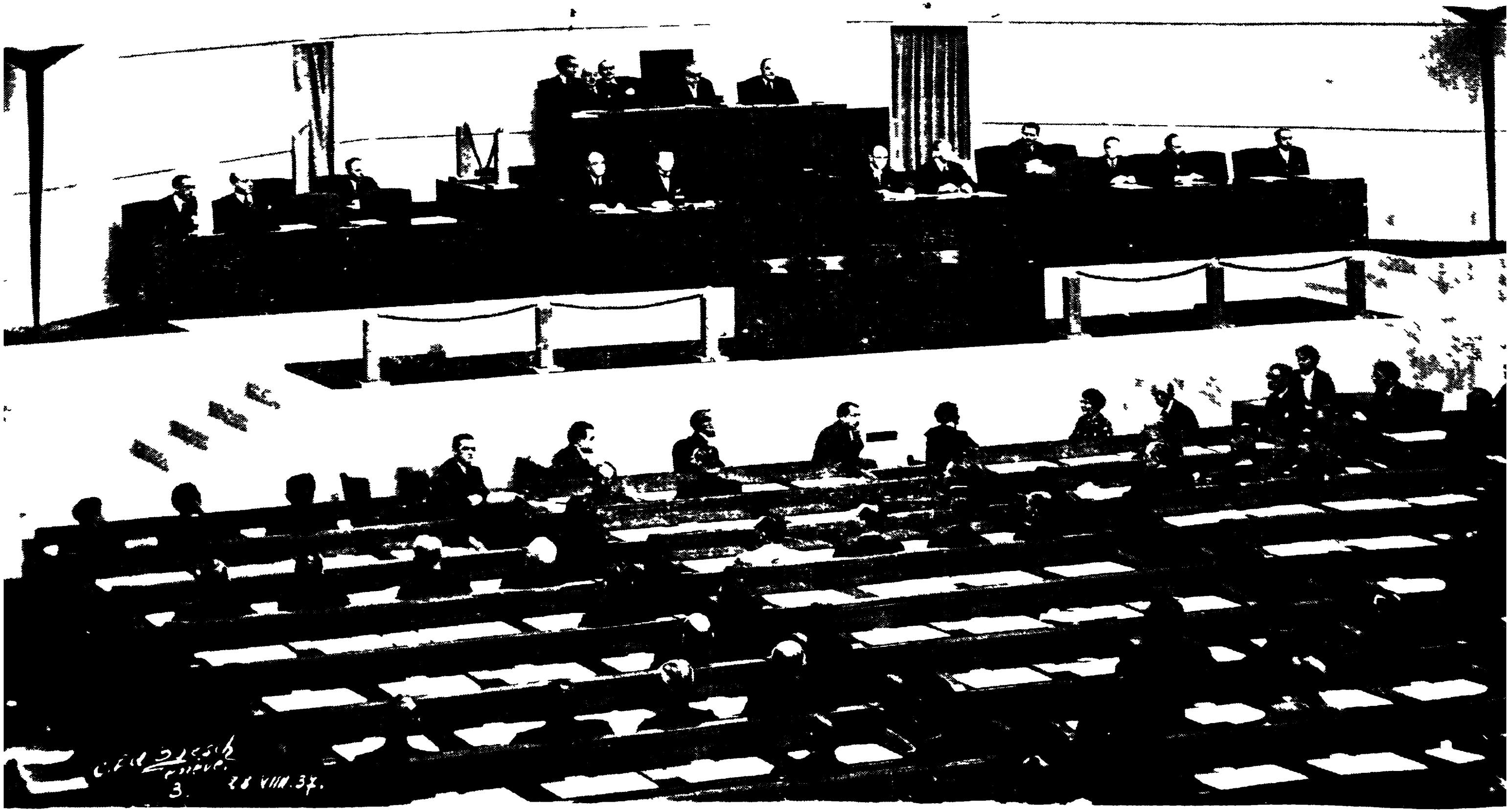
لندن میں سالگرہ کی پارٹی

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان کی سالگرہ لندن میں ولیعہد پرنس علی سلمان خان نے ۱۷ر نومبر کو ضیافت سے منائی تھی۔ بہت سے مشہور لوگوں کو اس ضیافت میں عوت دی گئی تھی اور اس کی مسرت کے اظہار میں بہتر طعام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسٹریٹن اسٹریٹ کے مالمیسونامی شاہی مکان میں مذکور پارٹی دی گئی تھی۔

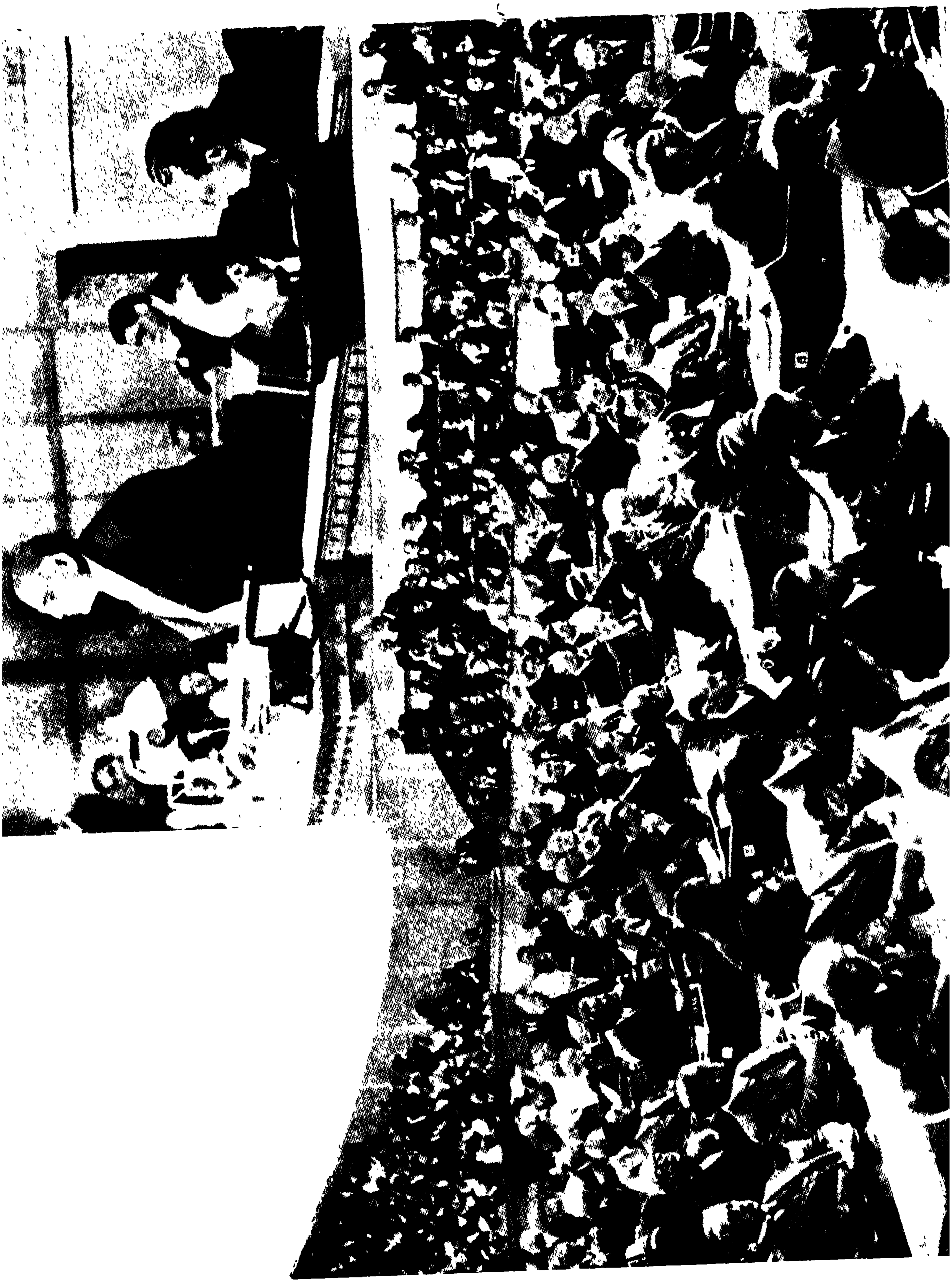
اگر میں دنیا کا ڈکٹیٹر بن جاؤں؟

ولایت کے ایک مشہور اخبار نے زمانہ حاضرا کے مشہور سائنسدان اور مدبروں کے خیالات کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے "اگر میں دنیا کا ڈکٹیٹر بن جاؤں تو" کے جاری کردہ مضمون کے عنوان پر مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ تمام مضمون نگاروں سے . . . سبقت لے گئے تھے۔ اپنی ڈکٹیٹرشپ کے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام لشکر اور بحری بیڑوں کو بالکل مٹا کر دنیا کی دوسری جنگ کو بالکل ناممکن بنانے کا میرا پہلا فرض ہونا چاہیئے اور ڈکٹیٹر کی معاونت کے لئے لیگ آف نیشنز (انجمن اقوام) جنیوا کے بجائے تمام دنیا کی ایک پارلیمنٹ قائم کروں۔

۱۳۵۰ھ ماہ ذی الحجہ مطابق اپریل ۱۹۳۲ء میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے چین جاپان



مجلس اقوام کی صدارت :- مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب مجلس کے نئے عالیشان محل میں منعقد شدہ جلسہ میں کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہیں۔



مجلس اقوام کا اجلاس:- مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب جنیوا میں منعقد شدہ مجلس اقوام میں تقریر کر رہے ہیں۔

کی لڑائی کے متعلق لیگ آف نیشنز میں نہایت پُر زور طریقہ پر کہا تھا کہ لڑائی کا خاتمہ بہت جلد کر دینا چاہیئے۔

کراؤن آف انڈیا کا "ماتا سلامت" کو خطاب

اس سال میں ماتا سلامت ہر ہائینس لیڈی علی شاہ کو لنڈن میں جسوقت شہنشاہ نے ایک دربار کیا تھا۔ جس میں اپنے دست مبارک سے "کراؤن آف انڈیا" کا معزز لقب عنایت کیا تھا۔ اس لقب کو پورے طور سے امپیریل آرڈر آف دی کراؤن آف انڈیا کہا جاتا ہے "موسٹ ایمینٹ آرڈر آف دی انڈین ایمپائر" (جی۔سی۔آئی۔ای + کے۔سی۔آئی۔ای وغیرہ کا خطاب) کے طور پر ۱۸۷۸ء سے اس کی ابتداء ہوئی تھی۔

جون ۱۹۳۲ء میں مولانا حاضر امام نے لندن کے ٹائمز میں لکھے ہوئے ایک خط میں ہندوستان کے جدید تجاویز کا کام فی الحال بند کرنے کے متعلق جو بحث ٹوری لیڈر بمبئی کے فساد کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس کو آپ مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بمبئی میں جو ناخوش گوار واقعات ظاہر ہوئے تھے۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ مستقبل کی تجاویز مذبذب ہے قومی سوال کا وقتی فیصلہ کر کے برٹش وزارت کو چاہیئے کہ فوراً نئی تجاویز کو عملی جامہ پہنائے۔

لیگ آف نیشنز میں ہندوستان کی نمائندگی

لیگ آف نیشنز کی مجلس کے سپٹمبر کے اجلاس میں آپ ہندوستان کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے تشریف رکھتے تھے۔

دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے وقت لندن میں ثالثوں کی حیثیت سے مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغاخاں صاحب اور گاندھی جی کے نام پیش کئے گئے تھے۔ اگر سکھ لوگ گاندھی جی پر اعتماد رکھنے کے لئے تیار ہیں تو اس آخری گھڑی میں بھی اس قومی فیصلہ کو ان پر چھوڑ دیں۔ انکا فیصلہ تمام اہل ہندوستان منظور کریں گے۔ ایسا خیال کیا گیا تھا۔

بار دیگر ہندو مسلم اتحاد کا سوال

۱۳۵۱ھ ماہ جمادی الآخر مطابق اکتوبر ۱۹۳۲ء میں بنگال کے مسلمان لیڈر مسٹر اے۔ایچ غزنوی اور ڈاکٹر سہروردی نے ایک بیان شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ "ہندو مسلم اتحاد کے فیصلہ کو دیکھنے کے لئے وہ نہایت خوش ہیں۔تاہم لکھنؤ کانفرنس سے اس کا فیصلہ ہرگز نہیں ہوسکتا گاندھی جی اگر اس کا باقاعدہ فیصلہ کرنا چاہتے ہوں تو مولانا شوکت علی یا پنڈت مالویہ سے مصلحت نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہزہائینس سر آغاخاں صاحب سے مشورہ کرنا چاہیئے۔کیونکہ مسلمانان ہند کے تسلیم شدہ آپ لیڈر ہیں۔ اور اس لئے لکھنؤ میں کوئی کام درست نہیں ہوسکتا۔

جماعتوں کو پیغام اور ولیعہد پرنس علی سلمان خان

لندن سے ۲۶ رجب مطابق ۲۶ نومبر کو مولانا حاضر امام نے بمبئی کے شیعہ امامیہ اسمٰعیلی کونسل کے صدر کو تار کے ذریعہ ایک پیغام بھیجا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ ہم یہاں ہیں اس کے درمیان ہندوستان یعنی سیاسی صلح وامان قائم کرنے میں اور بعین جنیوا میں تخفیف تحدید اسلحہ کانفرنس کی آخری نشست کے نتیجہ سے ہم سب امید رکھتے ہیں کہ دنیا کا اقتصادی معاملہ سلجھے گا۔ اور بنی نوع انسان نیز میرے روحانی فرزندوں کے لئے بھی نہایت تکلیف دہ کساد بازاری کا بھی خاتمہ ہوجائے گا۔

آپ نے ایک دوسرا پیغام ولیعہد پرنس علی سلمان خاں کے ذریعہ بمبئی میں بھجوایا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہندوستان آنے کے لئے میں نہایت خوش ہوں مگر میرے بجائے اپنے پیارے فرزند کو روانہ کرتا ہوں۔کیونکہ اس وقت اسلام کا مستقبل خطرہ میں ہے اور اسلام کے ساتھ اسمٰعیلیوں کا بھی مستقبل متصل ہے اور ایسے وقت میں تھوڑی بھی غلطی ہو جائے تو وہ نہایت خطرناک ثابت ہوگی جس طرح حضرت پیغمبر صلعم کی وفات کے بعد حضرت علیؑ نے ایثار کیا تھا اسی طرح سے میں اسلام کے لئے قربانی ادا کرتا ہوں۔ میں ہندوستان ماہ نومبر میں آؤں گا۔ مسلمانوں اور اسلام کا جب تک فیصلہ نہ ہوگا۔ میں



ایچ۔ایس۔ایچ پرنسیس تاج الدولہ علیخان اپنے فرزند دلبند پرنس کریم آغا کو آغوش میں لئے ہوئے۔

اس وقت تک انگلینڈ میں رہوں گا۔ تمام خودمختار سلاطین نے تجدید اسلحہ اور لشکر کے اصلاح کے بارہ میں مجھ سے عرض کی ہے اس کی نسبت جینوا میں حاضر رہ کر جب تک فیصلہ ہوگا تب تک یہاں میں مشغول ہوں، آج کل دنیا کی حالت نہایت ابتر ہے کانفرنس فروری میں منعقد ہوگی وہاں میرا حاضر ہونا لازمی ہے۔ دنیا کے اقتصادی حالت پر بحث و مباحثہ ہو رہا ہے اور بنی نوع انسان بہترین حالت میں آ سکے۔ اس کے لئے میں آخری کوشش کر رہا ہوں۔

پرنس صدرالدین کی ولادت

رمضان ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۳۳ء کو پیرس سے ایک تار مولانا حاضر امام کو "کان" میں دستیاب ہوا جس میں لکھا تھا کہ ہز ہائینس بیگم صاحب کی طبیعت نہایت اچھی ہے۔ شاہزادہ نہایت خوبصورت ہے بعد ازاں آپ پیرس کی طرف روانہ ہوئے اور امریکن میٹرنیٹی ہوم میں بیگم صاحبہ اور شاہزادہ سے ملاقات ہوئی۔ شاہزادہ کا نام مولانا حاضر امام نے صدرالدین رکھا۔

پرنس علی سلمان خان کی شادی اور پرنسیس علیخان

ولیعہد پرنس علی سلمان خان کی شادی لارڈ چیسٹرٹن بیرن سوم جون یارڈ بلر سے تاریخ ۱۸ مئی ۱۹۳۶ء کے روز پارس کی مسجد میں اسلامی طریقہ سے ہوئی تھی۔ شادی کی رسم نہایت سادگی سے ادا کی گئی تھی۔ اور دلہن و نوشاہ سادہ پوشاک میں ملبوس تھے۔ فرانسیسی قاعدہ کے مطابق شادی کی سول رسم ٹاؤن ہال میں میئر نے ادا کی تھی۔ مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ نوشاہ کے وکیل تھے۔ بیگم آغاخان اور شاہزادہ صدرالدین حاضر تھے۔ نکاح کے بعد دلہن و نوشاہ پارس سے وداع ہوئے۔

دلہن کے والد کا نام جان ریجینالڈ لوپیر یارڈ بلر جو انگلستان کے بڑے امیر تھے آپ نے حکومت برطانیہ کی بڑی بڑی خدمات کی تھیں اور حکومت سے اعزاز و احترام و خطابات حاصل

کے گئے تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے یعنی پرنس علی خان کے بڑے بھائی رچرڈ فرانیس وجریارڈ ملکر اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو ابھی حیات ہیں۔ آپ ۱۹۱۰ء میں تولد ہوئے تھے۔ پرنسیس علیخاں کی ایک ہمشیرہ بھی ہے۔ جن کا نام آنریبل پرمروز یارڈ بلر ہے اور ان کی شادی بھی انگلستان کے ایک ارل سے ہوئی ہے۔

آنریبل جون یارڈ بلر پرنسیس علی ایس خان کے نام عام طور سے پہچانی جاتی ہیں اور آپ کا اسلامی نام پرنسیس تاج الدولہ ہے گذشتہ سال اپنے شوہر پرنس علی ایس خان کے ساتھ ہندوستان آئی تھیں اپنے حسن اخلاق، ملنساری اور ذہانت سے اسمٰعیلی خواتین کے حلقوں میں اور اجلاس میں شامل ہو کر اسمٰعیلی مستورات کی ترقی اور بہبودی کے لئے بیش بہا ہدایات کی تھیں۔ ہندوستان کے دوسرے سفر میں اسمٰعیلی خواتین کی ترقی کے کام کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے کوشش کرنے کا اپنا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

پرنس کریم آغا کی ولادت

پرنسیس علی ایس خان کے بطن سے ۱۱ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو پارس کے ایک نرسنگ ہوم میں شہزادہ کریم آغا تولد ہوئے تھے اور ولادت کے بعد آپ کا ختنہ ہوا۔ ہندوستان میں یہ خبر جنیوا سے ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو آنے کے بعد پرنس علی ایس خان کو ہندوستان کے اسمٰعیلی مرید اور مختلف قومی اداروں کی طرف سے مبارک بادی کے ہزارہا تار بھیجے گئے تھے۔ اور آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا

سندھ کی علیحدگی

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے سندھ کو بمبئی علاقہ سے علیحدہ کرنے کے لئے بہت کوشش کی تھی۔ اور بالآخر اسے صوبہ بمبئی سے علیحدہ کیا گیا۔ سندھ کی علیحدگی کے باضابطہ اعلان کے قبل مسلمان لیڈروں کو اس کے بارہ میں شک تھا۔ لہٰذا آپ نے اس شک کو رفع کرنے کیلئے لکھا تھا کہ صوبہ بمبئی جب تک خود مختار علاقہ نہ ہو جائے وہاں تک سندھ ایک علیحدہ صوبہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اس بات میں مشکوک ہونیکی کوئی ضرورت نہیں ہے ہز ہائنس سر آغا خاں نے اسکی

تائید میں ایک برقیہ بھی بھیجا تھا جس میں صوبہ سندھ کی قطعی علیحدگی کے متعلق اہل سندھ کو مبارک باد دی تھی۔ اور واضح کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ وزیر ہند سر سیموئیل ہور بھی مسلمانان ہند کی اس خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ سندھ کی علیحدگی کے لئے آپ نے کتنی بیش بہا کوششیں کی تھیں وہ اس سے ثابت ہوتا ہے

ہندوستان کا نظریہ عدم تشدد

تحدید اسلحہ کی کانفرنس کی جنرل کمیٹی کی مجلس میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے تحدید اسلحہ کی برٹش تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہندوستانی رعایا کے عادات و اخلاق تشدد کے خلاف ہیں اور اس سے بین الاقوامی خطرہ پیدا ہونے کا بھی امکان ہے لہٰذا اسلحات کی تحدید کا فیصلہ کرنے کے لئے میں کانفرنس سے درخواست کرتا ہوں۔ اقوام مشرق اخلاقی اور روحانی حیثیت سے فوقیت رکھتی ہے۔ یہ بات اقوام مغرب ماننے کے لئے تیار نہیں ہے زمانہ حاضرا میں یورپ کے سامنے دو باتیں غور طلب ہیں یا تو بنی نوع انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کرے یا اسکو نیست و نابود کی تعلیم دے کر ایشیا کے معلم کی حیثیت سے تاریخ عالم میں اپنا نام جلی حرفوں سے لکھوائے۔

رٹیز اور ڈارچیسٹر ہوٹل کی ضیافتیں

مولانا حاضر امام اور ہر ہائینس بیگم صاحبہ آغا خان نے ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۳ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء کو رٹیز ہوٹل میں ایک شاندار دعوت کا جلسہ کیا تھا۔ آراستگی اور زینت نہایت عمدہ طور سے کی گئی تھی اور کھانے کی میزوں پر سرخ اور سبز اسمٰعیلی رنگوں کے دستر خوان بچھائے گئے تھے۔ ہز ہائینس آغا خان صاحب بیگم آغا خان صاحبہ اور کاؤنٹیس آف ویلنگڈن آنے والے مہمانوں کا استقبال کرتے تھے۔

دیسی رجواڑے اور راؤنڈ ٹیبل کے ہندوستانی ڈیلیگیٹوں کی طرف سے ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کے احترام میں ایک جلسہ ڈارچیسٹر ہوٹل میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس موقع پر رجواڑوں کی طرف سے سر اکبر حیدری اور ہندوستانی ڈیلیگیٹوں کی طرف سے سر تیج بہادر سپرو نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جن کامیابیوں سے

کارروائیاں کی ہیں فی الحقیقت وہ تحسین و آفرین کے لائق ہیں آپ . . پوری طرح تمام ہند کو موافق آئے اس طرح قومی مطالبات کے فیصلہ کو بر روئے کار لانے کی کوششیں کرتے آئے ہیں ۔ آپ مسلم ڈیلیگیشن کے صدر رہیں، تاہم خاص یاد رکھنے کے لائق یہ بات ہے کہ آپ کو برطانوی ہندوستان کے ڈیلیگیشن کے صدر کی حیثیت سے منتخب کیا گیا ہے ۔ حاضر امام نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا تھا۔

نیشنل لیگ اور اسلام کے تجارتی فروغ کی تجویز

ربیع الآخر ۱۳۵۲ھ مطابق اگست ۱۹۳۳ء میں مولانا حاضر امام نے نیشنل لیگ کے ایک جلسہ میں اسلام اور تجارت کی نسبت تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے پیغمبر صلعم نے بھی اپنی زندگی ایک تاجر اور بیوپاری کی حیثیت سے شروع کی تھی اور الٰہی پیام ملنے تک آپ مکہ کے ایک نامور تاجر تھے یہ بات معمولی طور سے عام فہم نہیں ہے مگر قرآن شریف میں بے شمار ایسے جملے ہیں جنمیں یاندار اور مومنین کے دلوں پر تجارت اور صنعت و حرفت کی صرف اہمیت ہی نہیں بتائی گئی بلکہ ان کے منافع بھی بیان کئے گئے ہیں۔

شرطیں اور نہیں لگاتے

مولانا حاضر امام کو گھوڑوں کا نہایت شوق ہے اور ان سے نہایت محبت رکھتے ہیں یورپ میں سب سے عمدہ ترین گھوڑے رکھنے اور ان کے پیدائشی سلسلہ کا آپ کے نزدیک ایک خاص مقصد ہے یورپ کی شرط کے میدان میں ہر ایک جیتنے کے لائق کلاسک (مخصوص درجہ والی) شرطیں آپ نے جیتی ہیں ۔ شرط کے ہر موسم میں انعام کی رقم ۴۰٫۰۰۰ سے ۵۰٫۰۰۰ پونڈ تک آپ نے حاصل کئے ہیں ۔ سال گذشتہ ۵٫۷۷۸ کی قیمت کی ۲۸ شرطیں آپ کے گھوڑوں نے جیتی تھیں ان کے سب سے نزدیک کے حریف لارڈ روزبری سے آپ نے ۴۰٫۰۰۰ پاؤنڈ کی زائد رقم حاصل کی تھی کو را شہر کے آپکے اصطبل میں سب سے عمدہ گھوڑے ہیں ۔ یہاں جو بچے اس سال پیدا ہوئے ہیں اس میں سے بیس بچے ایسے ہیں جنمیں سے ہر ایک کی قیمت ہزار روپونڈ سے بڑھ کر ہے یہ ایک سونے کی کان ہے تاہم آپکے مخصوص

مطلب ہے اسے کچھ نسبت نہیں۔ آپ کبھی داؤ نہیں لگاتے یہ نہ مانی جائے ایسی بات ہے مگر یہ بات فی الحقیقت صحیح ہے آپ جواری نہیں ہیں نہ کبھی آپ تھے اپنی اس شعبدہ کار روائی کے ساتھ شرط جیتنے والے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آپ واپس لاتے وقت کسی رقم کو جیت لیا ہے اس خیال پر آپ مصر نہیں ہوتے

نصف سلطنت کی قیمت کا کرتہ

مولانا حاضر امام کے گھوڑوں کی نسبت کے سلسلہ میں ایک دوست سے آسکٹ کے میدان ... میں ملاقات ہوتے ہی آپ نے پوچھا کہ کیا تم ٹوٹ کا چکر دیکھ رہے ہو۔ یا کسی گھوڑے پر داؤ لگانے کی تیاری میں ہو؟ جواب میں اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے کوئی مضبوط ٹپ دیں گے تو میں اپنے کرتہ کی ذمہ داری اٹھا لوں گا۔

آپ نے ہنستے ہوئے گردن ہلا کر کہا اپنا کرتہ اپنے ہی پاس رہنے دو۔ شاید ایک بادشاہ کی نصف سلطنت کی قیمت کا یہ آپ کا کرتہ ہو۔ اس بات کی تائید میں اس شخص کو ایک حکایت سناتے ہوئے کہا کہ ایک مریض بادشاہ کو شفایاب کرنے کے لئے حکمانے ایسی صلاح دی کہ جو شخص محض تندرستی سے آرام کی زندگی بسر کرتا ہو ایسے تندرست اور مطمئن شخص کا کرتہ لانے والے کو بادشاہ اپنی نصف سلطنت بخش دے گا۔

بادشاہ کے تمام اہلکار ایسے ایک تندرست آدمی کی تلاش میں بغداد سے استنبول تک کی خاک چھان ڈالی مگر فارسی میں جسے دردِ جگر کہتے ہیں اس درد سے مبتلا شدہ ایک روز شاہی محل کے باہر کے شاہراہ پر ایک شخص بہت ہنستا ہوا دکھائی دیا۔ لوگ بھی اُسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ پھر چند اں توقف کرکے اس سے پوچھا کہ "تو کیوں ہنستا ہے" اس نے جواب دیا کہ "دنیا میں مجھے ایک بھی غم نہیں اس لئے میں ہنس رہا ہوں" لوگوں نے اس کو سب سے زائد تندرست سمجھ کر اس کے کرتہ کے عوض میں نصف مملکت دینے کی درخواست کی اس کو سنتے ہی وہ شخص زیادہ ہنسنے لگا۔ تب لوگوں نے کہا کہ بیوقوف تو کیوں ہنستا ہے اس شخص نے کہا کہ "میں تو تمہاری بے وقوفی پر ہنستا ہوں میرے بدن پر کرتہ ہی

کہاں ہے، ہمیں کرتے سنبھال رکھنا چاہیئے۔ شاید ایسا موقع تمہارے لئے کسی وقت آجائے۔

جرمن انجنیر کی نا اُمیدی

ایک مرتبہ مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کھانا کھا رہے تھے کہ وہاں ایک جرمن انجنیر اپنی ایک ایجاد لے آیا۔ آپ نے اس شخص کے ایجاد کی حقیقت سُنکر سوال کیا کہ تمہاری یہ ایجاد اگر کامیاب ہو جائے تو تم دنیا میں سب سے زیادہ مال دار بن جاؤ گے ایسا ہی ہے کیا؟

بیشک جناب، ان الفاظوں کے ساتھ انجینیر نے تائید کی اور اس نے خیال کر لیا۔ میری ایجاد کی باتوں میں آپ دلچسپی لے رہے ہیں۔ مگر وہ اس خیال میں نا کامیاب رہا۔ چونکہ آپ نے اس انجینیر سے کہا کہ آپ کا شکریہ آپکے کہنے کے موجب اگر میں اتنا دولتمند بنجاؤں تو میرا ہاضمہ خراب ہو جائے اور بیمار ہو جاؤں تو لوگوں کی خدمت سے محروم ہو جاؤں گا۔

ہز ہائینس سر آغا خاں کے دل پر اپنے اعتبار کو جمانے کی حکمت آزما کر امید رکھنے والے ٹھگ کو آپ کی ملاقات حاصل ہونے سے خوشی ہوتی ہے اور پھر کچھ متعجب ہو کر وہ سمجھ جاتا ہے کہ زیرک سنجیدہ تجربہ کار عقلمند شخص سے اسے معاملہ پڑا ہے اور آپ نے اس کے کچے چٹھے کو اچھی طرح سے معلوم کر لیا ہے اسکے معلوم ہوتے ہی اسے سیدھا دروازہ کا راستہ دکھا دیا گیا۔

مسٹر چرچل اور فیڈریشن

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی جوئنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے مسٹر ونسٹن چرچل زبانی دے رہے تھے۔ مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں نے گفتگو کے درمیان ایک سوال کرتے ہی چرچل نے جوابدیا۔ کہ "ہندی راجاؤں پر بہت زبردستی کی جاتی ہے اور اس بارہ میں بہت سی باتیں ان کے جاننے میں آئی ہیں۔ اس سلسلہ میں جام صاحب آنجہانی کی مثال انہوں نے پیش کی تھی سر سیمویل ہور نے اس کے جواب میں مسٹر چرچل کی غلط فہمی ہوئی ہے ایسا بتلا کر کہا۔ کہ فیڈریشن کا بیان اسوقت بے محل تھا۔ اس لئے

وائسرائے نے جام صاحب کو روکا تھا" مگر مسٹر چرچل کو اس سے تشفی نہ ہوئی تھی۔

ترک موالات کیوں ہوا

گراس وینیلر ہوس میں سر سیموئل ہور اور لیڈی ہور کے احترام میں لندن میں دی ہوئی ضیافت کے موقع پر ہندوستان کو بار دیگر متحد کرنے والی حکمت عملی کے بانی کی حیثیت سے سر سیموئل ہور کا نام تاریخ میں زندہ رہے گا۔ اور قرطاس ابیض (وائیٹ پیپر) کی تجویز تیار کرنے میں سر صمور نے جو جانفشانی کی تھی اسکے لئے سر ہری سنگھ گور نے اس کی مدح سرائی کی ہے۔ بعد ازاں سر ہری سنگھ کی سلامتی کی التماس کے وقت مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب اس مقصد مخصوص پر نہایت زور دے کر کہا کہ رانا ڈے، گوکھلے اور تلک جیسی ہستیوں کی زندگی دراز ہوتی تو ہندوستان میں ہرگز ترک موالات ترقی نہ کر سکتا۔

ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کا عظیم الشان کام نیشنلسٹ اخباروں کی تعریف

۱۸ شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء بروز پنجشنبہ ہز ہائینس سر آغا خان صاحب اور ہز ہائینس شاہزادہ ولیعہد علی سلمان خان اجمیر راجپوتانہ میں یورپ کے سفر سے ہندوستان واپس آئے تھے اور بمبئی کے بندرگاہ بیلرڈ پیر پر قدم رنجہ فرمائے تھے۔ جہاں آپ نے تشریف لاکر جماعتوں کو دعائے برکت فرمائی تھی۔ تقریباً آٹھ ہزار اسمٰعیلی شامیانہ میں حاضر ہوئے تھے۔

اس وقت ایک نیشنلسٹ اخبار نے لکھا تھا کہ آخری تین سال میں ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب نے پہلے ہی وقت میں ہندوستان کے حال کی تاریخ میں ہندو، مسلمان، سکھ اور دوسرے اقوام کے تمام ڈیلیگیٹوں کو متحد کر دیا ہے اور ڈیلیگیٹوں نے بھی اپنے صدر کی حیثیت سے آپ ہی کا انتخاب کیا ہے اور آپ پر ان کا پورا اعتماد ہے

ایک شکایت اور اس کا تشفی آمیز جواب

گاندھی جی کے انگلینڈ سے آنے کے بعد برٹش سلطنت کے وزراء اور وزیر ہند کی طرف سے پہلی اور

دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں کئے ہوئے وعدوں پر کئی اُمور کے متعلق پانی پھر گیا تھا یعنی ایفائے وعدہ نہ ہوئے تھے۔ ایسی فریادیں کئی ایکسٹریمسٹ کے طرف سے آئی تھیں۔ جن کی نسبت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے فرمایا تھا کہ ہندی ڈیلیگیشن اور وزیر ہند کی معاونت سے ہی "وائیٹ پیپر" کی اشاعت ہوئی ہے۔ ابھی بھی مجلس قوانین کے نمائندے سرہری سنگ گور، سر عبدالرحیم اور سر ابح گڈنی کے ماتحت انگلو انڈین اور سکھ نمائندوں کی جانب سے مجموعی بیان جمع کرنے میں آئے تو اسکا انجام نہایت تشفی بخش ہوگا۔

فیڈریشن کا مسودہ

یورپ میں ایک سے زیادہ شہروں نے ایسا نصیحت آمیز سبق سیکھا ہے کہ سلطنت کے امور کے کارروائی کرتے ہوئے رعایا کے تجربہ کار شخصوں کو یکایک معزول کرکے ان کی جگہ پر دیگر لائق اشخاص کو ڈھونڈھا جائے مگر یہ امر مشکل ہے میں اپنے ابنائے وطن سے اپیل کرتا ہوں کہ انہیں سایہ کے لئے اصل چیز کو پھینک دینا چاہیئے۔ درخواست میں ترمیم کرانے کے لئے نہایت زور سے تحریک ہوسکتی ہے۔ اپنے سیاسی حقوق کے لئے کھڑے ہوسکتے ہو۔ اور وائیٹ پیپر کے نقائص پر نہایت شائستگی اور مستقل مزاجی سے نکتہ چینی کرکے دلیل کا دلیل کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر تم ہندوستان سے محبت رکھتے ہو۔ اور تمہارے دل میں اس کی محبت ہے تو خدا کے لئے شاہراہ ترقی کو کچل نہ دو اور ایک دوسرے کے ساتھ عناد نہ رکھو۔ خاموشی سے شاہ راہ ترقی کو مضبوط پکڑے رہو، ماضی کو بھول کر مستقبل کی طرف نظر کرو۔ تمہارے ملک کے سامنے پیش کردہ فیڈریشن کی تجویز میں ضعف ہے، نقائص ہیں۔ مگر یاد رکھو۔ کہ ہندوستان کی تاریخ میں بالکل نازک اور نہایت تنگی کا یہ زمانہ ہے سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ کامل تحفظ میں دستیاب ہوسکے اور جس کی کم سے کم مخالفت ہوسکے ایسی تجویز ہندوستان کی سیاسی ترقی اور اتحاد کے متعلق ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا صاحب نے فرمائی تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ اجتہاد کیا۔ میں عویٰ سے کہتا ہوں کہ تیس ۳۰ سال کے عرصے میں میری سیاسی ترقی کی نسبت میری محنت رائگاں نہیں ہوئی۔

خواجہ حسن نظامی اور ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب کا حلیہ

دہلی والے مشہور صوفی بزرگ خواجہ حسن نظامی نے مولانا حاضر امام کی جسمانی اور اخلاقی قد و وضع کا اندازہ کرتے ہوئے منادی اخبار میں آپ کے حلیہ کی نسبت اس طرح لکھا ہے۔

نام محمد شاہ ۔ لقب ہز ہائینس حاضر امام ۔ وعفی سر آغا خاں ۔ نسل حسینی سید ۔ قوم مسلمان ۔ عمر پچاس سے زائد ۔ قد میانہ ۔ رنگ سُرخ ۔ سفید خوب گورا ۔ جسم موٹا اور بھاری ۔ چہرہ گول ۔ آنکھیں بڑی بڑی اور چمکدار ۔ آواز بلند اور گرجدار ۔

سر آغا خاں صاحب ڈپلومسی (زمانہ سازی) میں انگریز ۔ دولتمندی میں امریکن ۔ قوت ارادی میں جرمن ۔ ایثار میں افغان ۔ ۔ ۔ بذلہ سنجی میں ایرانی ۔ پروپیگنڈا میں روسی ۔ فرقہ پرستی میں ہندوستانی ۔ اور غرض مندی میں عرب ہیں ۔

آپ دیکھنے میں بدیشی یورپین ۔ برتنے میں سودیشی مسلمان ۔ اپنے ہندو اُمت کے لئے دشنو کے اوتار ۔ ملک شام کے دروزیوں کے لئے خدا ۔ ایران، ترکستان، آفریقہ، عرب اور ہندوستان کے اسمٰعیلیوں کے لئے حاضر امام ۔ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے لئے مسولینی اور ہر ہٹلر، بدھی، برطانیہ کے لئے عصائے پیر ۔ یورپ کے ہوٹلوں کے لئے سنہرے مہمان، گھوڑ دوڑ کے لئے کامیابی کا نمبر ۔ اپنے فرقہ اور برٹش گورنمنٹ کے لئے کچھ ہی ہوں مسلمانوں کی پراگندہ قوم کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا ان کو مدت سے شوق ہے ۔ ہر وقت خوش اور ہنس مکھ نظر آتے ہیں ۔ دنیا کے تمام غم آپ کی خندہ زن صورت دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ ہم نہیں ہیں اور یہاں بس خوشی ہی خوشی ہے ۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ ہندوستان آنے کے بعد ۔ بیکانیر کے مہاراجہ کے قدیم دوست ہونے کے باعث ان سے ملنے گئے تھے ۔ روانگی کے وقت مہاراجہ اور ان کا اسٹاف آپکو اسٹیشن پر وداع کے لئے آئے تھے بیکانیر کی پولیس فرانسر آپ کے ہمراہ چھوڑنے کے لئے پکو تملہ تک گئے تھے۔

ریاست کپورتھلہ میں زبردست احترام

کپورتھلہ کے اسٹیشن پر مسلم سرداروں کا ایک وفد آپکے استقبال کے لئے حاضر ہوا تھا مولانا حاضر امام کے تشریف لاتے ہی آپ کو حاضرین وفد نے ہار طرہ پیش کیا اور احترام کے ساتھ کہا کہ ہندوستان کی سیاسی کشتی کے ناخدا آپ ہی اکیلے ہیں اور اسے آپ سلامتی کے راستہ پر لئے جارہے ہیں اس کے لئے ہم آپکے شکر گزار ہیں۔

اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی ایک موٹر میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغاخان صاحب کپورتھلہ کے ولیعہد شاہزادہ، ہر ہائینس بیگم صاحبہ کی بہن مَیڈم ڈورُجر۔ دوسری موٹر میں مہاراجہ کپورتھلہ۔ ہر ہائینس بیگم آغاخان۔ مہاراج کمار میجر امرجیت سنگھ اور مہاراج کمار جیت سنگھ بیٹھے تھے۔ ان کے عقب میں مملکت کے وزیر اعظم سر عبدالحمید خان اور سلطنت کے دوسرے عملدار تھے۔ یہ تمام کپورتھلہ کے شاہی محل میں دس بجے پہنچے تھے۔

دوسرے دن مہاراجہ نے مولانا حاضر امام کو ضیافت طعام دی تھی جس میں پانچسو مشہور اشخاص حاضر ہوئے تھے۔ اس موقع پر مہاراجہ نے ظاہر کیا کہ ہز ہائینس سر آغاخان کو پچیس سال سے اپنے بھائی کیطرح مانتا ہوں۔ آپ ہندو مسلم لیڈر ہیں۔ اور اسمٰعیلی مسلمانوں کے امام ہیں اس سوال کو ایک جانب رکھ کر آپ ایک انٹرنیشنل لیڈر ہیں۔ اسی سبب سے جنیوا کانفرنس میں برٹش سرکار نے آپ کو اپنے ایک نمائندہ کی حیثیت سے مقرر کیا ہے۔ میری سلطنت اور میں خود فخر کرتا ہوں کہ ایسے عظیم الشان اور شہرۂ آفاق ہستی نے میری سلطنت میں تشریف آوری کی عزت بخشی۔

مولانا حاضر امام نے اپنے متعلق ظاہر کردہ عمدہ خیالات کے جواب میں کہا کہ مہاراجہ کپورتھلہ ایک زیرک سنجیدہ حاکم اور اسی طرح ایک ہوشیار سیاست دان ہیں۔ میں مہاراجہ کا اس لئے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آخری جنگ عظیم کے وقت دشمنوں کا مقابلہ کرکے آفریقہ کے بیر ذنجات میں رہنے والے میرے مریدوں کو جرمن کے ہاتھ سے بچایا تھا۔ اور ان کی حفاظت کی تھی۔

مجھے شاہ اورنگ زیب کے زمانہ کی یاد آرہی ہے لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کے دشمن تھے یہ بات جھوٹ ہے کیونکہ اورنگ زیب نے اپنے ہندو راجپوت سپہ سالاروں کو گولکنڈہ اور بیجاپور فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اگر وہ ہندوؤں کے دشمن ہوتے تو ایسا ہونا بالکل ناممکن ہے۔ اسی سیاسی امور کے لئے انہوں نے اسلامی سلطنتوں پر چڑھائی کی تھی۔

کپورتھلہ ریاست کے وزیر اعظم سر عبدالحمید خاں کے یہاں آپ کو ضیافت طعام دی گئی تھی اسوقت تقریر کرتے ہوئے سر عبدالحمید نے کہا کہ آپ مسلمانوں کے نہایت عظیم الشان لیڈر ہیں۔ آپ کا ثانی کوئی نہیں۔ اسلام کے لئے آپ ایک مضبوط پشت پناہ ہیں۔ انگلینڈ میں جب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس وقت اگر آپ تشریف فرما نہ ہوتے تو اس میں کسی کام کا ہونا ناممکن تھا۔ راؤنڈ ٹیبل کو کامیاب بنانے والے صرف ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغاخان صاحب ہی ہیں۔

جمعہ کا دن تھا۔ اس دن آپ سرخ فیض ٹوپی اور لمبا کوٹ پہن کر شاہی موٹر میں لٹرراٹس میں تشریف رکھ کر کپورتھلہ کی جامع مسجد میں جانے کے لئے روانہ ہوئے آپکے ساتھ سر عبدالحمید سر عبدالقادر۔ مسٹر لطیفی اور مسٹر احسان الحق تھے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی حاضرین مسجد نے کھڑے ہو کر آپ کی تعظیم کی آپ آگے بڑھ کر پیش امام کے بالکل بازو میں بیٹھ گئے۔ جب دوسروں نے دس فٹ جگہ درمیانی چھوڑ کر صف بندی کی تھی۔ پہلی صف میں سلطنت کے دیوان اور دوسرے عملدار تھے۔ ابتدا میں مسجد میں پیش امام نے قرآن شریف کے ایک سورہ کی تلاوت کرنے کے بعد تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں۔ تم جانتے ہو کہ آج ہمارے درمیان کون شخص تشریف لائے ہیں جن کے ہمراہ تم آج عبادت کرنے والے ہو یہ صاحب دنیا میں مرتبۂ عظیم کے مالک ہز ہائینس سر آغاخان صاحب ہیں جن کے کروڑوں مرید ایشیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ان کے مرید نہیں۔ آپ حضرت علیؑ کے اڑتالیسویں وارث فرزند اور امام ہیں۔ ایرانی شاہزادہ ہیں۔ لاکھوں اشخاص آپ کو شری کرشن اوتار کی حیثیت سے پوجتے ہیں۔ کروڑوں لوگ آپ کے دیدار کے اشتیاق میں بے چین رہتے ہیں۔ شہر کشمیر کے اس جانب میں ایشیا میں بہت سے سلاطین

وحکام بھی آپ کے مرید ہیں۔ خوشا نصیب کہ آج ہم ایک سید اعظم کے ہمراہ نماز میں شامل ہیں گے ہمیں آپ کے دیدار سے زیادہ منفعت حاصل ہوئی ہے لوگوں نے یہ سنکر تکبیر کے نعرہ سے مسجد کو گونجا دیا۔

بعد ازاں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ نے کہا کہ میں تمہیں نہایت پر زور نصیحت کرتا ہوں کہ تم علم سیکھو۔ ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا نماز سے بڑھ کر واجب ہے لیکن نماز فرض ہے۔ توجہ کے ساتھ اگر علم نہ پڑھوگے تو مسلمانوں کی ترقی نہ ہوگی۔ علم ہی خود قوم کی سلامتی اور آبادی کا باعث بلکہ اس کا مسکن ہے اس لئے ہر ایک مسلمان کو ضروری علاج دستیاب کرنا چاہیئے۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس اور ہز ہائینس سر آغا خان صاحب بطور ڈکٹیٹر

نیو دہلی میں ۱۳۵۲ھ ماہ شوال مطابق فروری ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا۔ جس میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کو "ڈکٹیٹر" مان لیا گیا تھا اور اسی لحاظ سے آپ نے عہدہ داروں میں تبدیلی کی تھی جسکو کانفرنس نے بسر و چشم قبول کیا تھا۔

بمبئی کے ولنگڈن کلب میں اسی سال مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؒ کے احترام میں سردار سلیمان قاسم مٹھا نے ایک ضیافت طعام کی تھی۔ جس میں بہت سے مشہور اصحاب نے حصہ لیا تھا۔ اس مجمع میں تقریر کرتے ہوئے سردار سلیمان قاسم مٹھا نے مولانا حاضر امام کی نہایت بلاغت سے تعریف کرنے کے بعد کہا کہ اسلام اور اہل اسلام کے لئے آپ کی خدمات کے لئے ہم آپ کے نہایت شکر گزار ہیں۔ اور بے خوف و خطر ہم کہہ سکتے ہیں کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں آپکی ذاتی کوششوں اور سفارشوں سے ہی مسلم نمایندے ایک ٹیم کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے کامیاب ہوتے تھے۔

بمبئی کے مجلس قوانین کے صدر آنریبل سر علی محمد خان دہلوی کے خیالات

بعد ازاں بمبئی کی مجلس قانون ساز کے صدر سر علی محمد خاں دہلوی نے کہا کہ ہم آپ کے خاموشی سے

تعریف کرنے والوں میں سے ہیں۔ آپ ہمارے سب سے بڑے لیڈر ہیں آپکی صلاح اور راہبری کی ہمیں خاص ضرورت ہے۔ آپ کے لئے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں مگر ۱۹۰۲-۱۹۰۳ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں ڈاکٹر نذیر احمد نے آپکے شان میں جو جملے کہے تھے۔ انہیں میں یہاں دہرانا چاہتا ہوں وہ جملے یہ تھے۔ "آپ دوسرے لیڈروں سے بالکل علیحدہ ہی ہو" جس پر ہمیں بلا کم وکاست نہایت وثوق کے ساتھ اعتبار ہے۔

اسی سال مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کو پریوی کونسل کا اعزاز شہنشاہ نے عنایت کیا تھا۔ پریوی کونسل کے اراکین کے ناموں کے ہمراہ "رائٹ آنریبل" احتراماً لگایا جاتا ہے۔

بنگالی مسلمانوں کی طرف سے احترام

بنگال مجلس قانون ساز کے اراکین کی طرف سے آپ کے احترام میں ایک ضیافت کی گئی تھی جس میں سے ایک رکن مسٹر قاسم نے ظاہر کیا کہ دنیا میں پھیلی ہوئی شہنشاہیت کے بغیر تاج کے بادشاہ کی مانند بے نظیر و بے مثال ہونے کے باعث آپ تمام مسلمانوں کے مسلمہ لیڈر فیلسوف اور خیر خواہ ہیں۔

کلکتہ میں آپ تشریف لائے تھے اس وقت بنگالی مسلم رعایا کی طرف سے آپ کا استقبال کیا گیا تھا۔ اس موقع پر بنگال کے ایک مسلم روزانہ اخبار نے آپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے مقالہ میں لکھا تھا۔ ہند کا ایک سفیر اعظم کا بنگال میں ورود مسعود ہوا ہے آپ نہ تو ایک سیاسی حکیم نہ تو علیحدہ علیحدہ فریق کے ڈکٹیٹر اور نہ الگ الگ گروپ کے لیڈر کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے بلکہ جو عوام کی طرف سے آپ کام کرتے رہے ہیں اس عوام کے ساتھ اپنا تعلق براست راہ رکھنے والے برطانیہ عظمیٰ کے ایک سفیر کی حیثیت سے ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب تشریف فرما ہوئے ہیں۔ خوش آمدید آغا خاں صاحب۔

رنگون کے رعایا کی طرف سے احترام

۱۳۵۲ھ کے ذیقعدہ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۴ء میں آپ رنگون تشریف لے گئے تھے وہاں ایک سپاسنامہ آپ کو دیا گیا تھا جس میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں برٹش انڈین ڈیلی گیشن کے صدر کی حیثیت سے آپ نے جو خدمات بجا لائی تھیں۔ اور دنیا میں امن وغیرہ قائم رکھنے کے لئے آپ کی مساعی جمیلہ کی تعریف و توصیف پر یہ سپاسنامہ مشتمل تھا۔

رنگون میں روٹری کلب کے ایسٹ ہوم کے جلسہ کی تقریر میں دنیا کے معمولی انقلابات کا بیان کرنے کے بعد برما کے چاول کی تجارت کے لئے نہایت عمدہ مستقبل کی امیدیں دلائی تھیں اور آخر میں یہ بھی کہا تھا۔ کہ آگے کبھی نہ ہوئی تھی ایسی حالت اس وقت دنیا کی خراب ہے" بعد ازاں ۱۶ر مارچ کو اسٹیمر گلوسٹر شیر کی معرفت رنگون سے وداع ہوئے تھے۔ لوگوں نے نہایت شاندار طریقہ سے آپ کو رخصت کیا تھا۔

سینھالی مسلمانوں کو حب الوطنی کی صلاح

مولانا حاضر امام سر آغا سلطان محمد شاہ اور ہر ہائینس بیگم آغا خاں صاحبہ رنگون سے وداع ہو کر ۲۰ر مارچ کو کلمبو آئے۔ اس موقع پر اہل سیلون کی طرف سے آپ کے احترام میں ایٹ ہوم کا جلسہ کیا گیا تھا آپ نے اس جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ سینھالی مسلمان کا لفظ ہم نے خاص اس لئے استعمال کیا ہے کہ تم ہندوستان و عربستان سے جہاں سے بھی آئے ہو، مگر تم سینھالی بھی ہو ایسا تمہارے خیال میں آئے ایسی میری خواہش ہے جس ملک میں تم بود و باش کرو وہاں کے لئے تمہیں فخر کرنا چاہیئے

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے کولمبو کی مسلم ایسوسی ایشن میں پانچسو روپے اور بہار زلزلہ فنڈ پانچ ہزار روپے کی گرانقدر رقم بخشش کی تھی۔

لیگ آف نیشنز میں افغانستان

جینوا میں ۱۳۵۳ھ ۱۷رجمادی الآخر مطابق ۲۷ستمبر کو لیگ آف نیشنز اسمبلی کے اجلاس میں افغانستان کو رکن کے طور پر بالاتفاق داخل کرنے کا رزولیوشن آتے ہی اُس کی تائید میں مولانا حاضر امام نے کہا تھا کہ :-

اس تاریخی موقع پر کوئی ہندوستانی مسلمان یا کوئی ایشیا کا باشندہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک ایسا وقت تھا کہ جب ایک حکومت کی حیثیت سے دنیا کے سوالوں سے اپنے کو علیحدہ رکھنے میں افغانستان مطمئن اور مستقل مزاج تھا آج افغانستان میں خوشگوار انقلاب ہوا ہے مدت دراز سے میں محسوس کر رہا تھا کہ مجلس اقوام ہمہ گیر اور خاطر خواہ وسیع ہو جانے کے بجائے ایک ہی کریڈ کی نمائندگی کرنے والے ممالک مغرب کی ایک سیاسی مجلس بن جانے کا مجھے اندیشہ رہا کرتا تھا۔ مگر آج مجلس اقوام میں ایک دوسری اسلامی حکومت کی شمولیت سے میرے جیسے ایک مسلمان کے لئے ایک مسرت کا موقع حاصل ہوا ہے مجلس اقوام میں افغانستان کی شمولیت سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نئے خیالات اور نئے نکتہ نظر سے غور کرنے کا موقع ملے گا۔ اور وہ زیادہ مستحکم و طاقتور ہوگی۔ ممالک مغرب سے اپنا سیاسی درجہ منوانے کے لئے ہندوستان کوشش کر رہا ہے تاہم اپنے مشرقی خون زبان و تہذیب و تمدن پر فخر کرتے ہوئے اپنے کو مشرق کا ایک سچا فرزند ہندوستان سمجھتا رہا ہے۔ افغانستان کے ساتھ ہندوستان ہر امور میں شریک رہا۔ اور ہندوستان کی ۷ کروڑ مسلم آبادی افغانستان کے ساتھ اسلام کی عظیم الشان برادری کی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔

اسلامی دنیا کی جدید تعمیر

۱۵ شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۳۴ء کو مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب شہنشاہ کے شاہزادہ ڈیوک آف کینٹ کی شادی میں لندن گئے تھے۔ آپ نے اسلامی عالم کی تعمیر جدید کے بارہ میں

ایک پیغام دیا تھا جس میں کہا تھا کہ اسلامی عالم اپنے تاریخی انقلاب کے زمانہ پر آپہنچا ہے۔ اب اسلام کو یا تو آگے بڑھنا چاہیئے یا سطح ہستی پر جو قوم اپنا تاریخی وقار کھو چکی ہے اس کے مشابہ ہو جانا چاہیئے مسلمانوں کو اب نیند سے ہوشیار ہونا چاہیئے۔ حضرت پیغمبر صلعم کی پاک زندگی کی تعلیموں کی اب مثال لیکر اسلامی تعلیمات پر اپنی روحانی اور مذہبی تعمیر کرنی چاہیئے اور سائنس۔ علم فنون اور سیاست میں آگے بڑھ کر بنی نوع انسان میں عظیم الشان وقار رکھنے والی ترقی پسند اقوام کی طرح معاشرتی ترقی کرنی چاہیئے۔ قادر مطلق کے پیغام کو اپنے اتحاد کا ذریعہ بنانا چاہیئے ایک مرتبہ مستحکم پیمانہ پر اپنی روحانی نشو و نما ہونے کے بعد جذبۂ ایثار بلند حوصلگی اور عملی کام سے بے خوف و خطر آگے بڑھ کر مسیحی یورپ اور امریکہ کے مساوی طریقہ پر سائنٹفک اقتصادی سیاسی اور معاشرتی بلند درجہ حاصل کرنا چاہیئے۔

اسلامی نظریہ کا مسیحی دنیا کو پیغام

نصاریٰ اپنے مذہب کو کچھ علیحدہ ہی مانتے ہیں۔ اس کی نسبت مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ نے ایک پیغام میں کہا تھا کہ "مذہب یہ کچھ خاص اور معمولی زندگی سے علیحدہ ہے اس طرح انگلینڈ کے مسیحی فرقے سکھاتے ہیں۔ لہٰذا مذہبی جذبات رکھنے والا آدمی بھی اسے خاص موقع کے لئے علیحدہ رکھ دیتا ہے اور روزانہ زندگی کے معاملات کو مذہب سے علیحدہ طریقہ پر بسر کرتا ہے۔ جب کہ اسلام مذہب کو ہمیشہ ہر پل اور ہر آن اپنے سانس کے ساتھ ہی متصل رکھتا ہے اور اسی میں ایک مسلمان کی زندگی سمائی ہوئی ہے اور اس کی حرکات و سکنات جاری ہتی ہے اللہ رزاق ہے اور وہ ہمیشہ اور ہر مقام میں ہمارا محافظ ہے اسلام کا ایک معتقد فرزند اس صداقت کو ہرگز فراموش نہیں کرتا اور اپنے معاملات سے فراغت پا کر اپنے قادر مطلق سے براہ راست لگاؤ رکھتا ہے اور اس کی بندگی میں مشغول رہتا ہے۔ میں ایک مثال دوں اور وہ یہ ہے کہ ایک نہایت پُر فضا تہوار کے روز یورپ کا ایک کوچ میں گر باغیچہ میں جا کر تفریح کرتا ہوگا۔ اس وقت اس کے نزدیک مذہبی باتیں کروگے تو وہ ضرور بیزار ہو جائیگا اور اسکو یہ محسوس نہ ہوگا کہ اس دنیا اور اس کے اطراف کا ماحول اور یہ خوشگوار منظر کے لئے خدا کا شکریہ

اداکرنے میں اپنا وقت اُسے صرف کرنا چاہئیے کیونکہ اسکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا آسمان میں کہیں دور بیٹھا ہوا ہے اور یہی سبب ہے کہ اپنی روزانہ زندگانی کے معاملات میں مسیحی اپنے مذہبی جذبات کو دخل انداز ہونے نہیں دیتے۔

میں اگر گولف کھیلتا ہوں اور اگر وقت ہو گیا ہو تو میں بندگی کرلوں اسمیں مجھے ذرا بھی نمائش کرنی نہ چاہئیے۔ لامذہب جس بات میں اپنی کم نصیبی تعبیر کرتے ہیں اس میں رضاءالٰہی" اور جو کچھ ہوتا ہے اس میں بہتری ہے اسکو میں مسرت بخش مانتا ہوں ہمارا کتنا بھی بھلا ہو یا نقصان مگر ایسی ہی خدا کی خوشی تھی اس طور سے یقین کرکے ایک مسلمان آرام کو فراموش نہیں کرتا ہم مسلمان اسے "رضاالٰہی" کہتے ہیں اور یہ بھی فراخ دلی سے نہیں بلکہ اپنے پاکیزہ جذبے سے اس طرح تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا آغا سلطان محمد شاہ حاضر امام "کم نصیبوں کو دلاسا" کے عنوان سے ایک پیغام میں لکھتے ہیں "انکو حقیقت ابدی سے لگاؤ پیدا کرنا چاہئیے جسکو میں خدا کہتا ہوں اور آپ جسکو "گاڈ" کہتے ہو یہ انسانی ہستی کا دوہرا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ ایک ہی ساتھ اپنے خود کے لئے ہونا اور ساتھ ہی ساتھ ذات ابدیت میں ایک ہو جانا۔ اس دنیا کو ایک انسان اپنی حقیقی آنکھ سے دیکھتا ہے اسے یہ دنیا ایک قید خانہ نہیں بلکہ ایک گلستان ــ گلستان الٰہی دکھائی دیتا ہے۔ دل کو غیر معمولی تروتازگی دینے والی دنیا کی ندیاں، سمندر، ایک وسیع جھاڑنی ہیں گویا خیمے ڈالے گئے ہوں ایسا سہانا کوہستان لشکر کا پرچم لہراتا ہو۔ ایسے گھٹادار صحرا۔ وسیع اور کشادہ میدان۔ آفتاب کا طلوع و غروب آسمان کی محراب، دنیا کی یہ سب غیر معمولی منظر حسین سے اپنی آنکھوں کو تروتازہ کرنے کے لئے میں اپنے وارثوں کو متوجہ کرتا ہوں جس کی آنکھیں ہاتھ، اور دل وسیع اور کشادہ ہیں ایسے انسانوں کو قدرت کی طرف سے جو نعمتیں ملی ہیں مگر یہ دیکھنے کے لئے آنکھیں کثافت کی آلودگی سے پاک و صاف ہونی چاہئیے ہاتھ اور جگر طاقتور ہونا چاہئیے تندرست و توانا رہنے کی ہمت میں ان کو سمجھتا ہوں اگر وہ اپنے تندرستی کے لئے غفلت کریں گے۔ تو وہ دنیا سے لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔

گھوڑے سواری کا شوق

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ گھوڑے سواری کے ہنر کو سب سے بہترین شمار کر کے کہتے ہیں کہ نصف انسان اور نصف گھوڑے کی قدیم کہانی مشہور رہے وہ صرف خیالی نہیں کیونکہ انسان اور وہ نفیس جانور ایک ہی ہے۔ اس کے تمام اعضا متحرک ہوتے ہی وہ ایک دم دوڑنے لگتا ہے اس کے بدن کی برقی طاقت اس کے سوار کے بدن میں سرایت کر جاتی ہے اور راکب و مرکوب دونوں کو آرام معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد عالم میں ابتدا سے تمام عمر گھوڑے کی سواری کرتے آئے ہیں۔ اس لئے ہم ایسا کیوں نہ مانیں کہ گھوڑا بھی انسان کے ساتھ ابتدائے خلقت سے ہی تھا۔ عربستان سے جلاوطن شدہ جانور انگلینڈ میں پرورش پانے سے اڑتے ہوئے فرشتوں کی طرح شرطیں دوڑتے ہیں۔ اس وقت ہم گھوڑے سواری کرنے والوں کی مسرت میں اضافہ معلوم ہوتا ہے۔

انسانی زندگی کی بہترین مسرتوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ مسرت کا ذکر کرتے ہوئے انسانی زندگی کی مسرت جاودانی کے سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ "زندگی کی حسب معمول ذمہ داری جو اپنے سر اٹھاتے ہیں۔ وہ خفیف سی تکلیفیں الجھنیں اور مصیبتیں جھیلنے سے نہایت درد و غم محسوس کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی مسرتوں کو آزاد مسرت نہیں کہتا۔ مگر وہ لوگ اپنے پروردگار سے تعلق پیدا کر لیں۔ اور اس کے خیال میں محو ہو جائیں اور اپنی زندگی مردانہ وار بسر کریں۔ تو غم کے عارضی لباس کے پس پردہ اگر وہ کتنا ہی سخت ہو جب بھی تسکین قلب محسوس کر سکتے ہیں۔

کچھ جماعتوں کے قاعدہ

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کے کچھ جماعت کے لئے قوانین تیار کر کے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم اب قوانین کے مطابق عمل کرنا جسم میں گوشت و پوست بھی قاعدے سے منسلک ہیں



اسمٰعیلی درویش:- سیٹھ کالبنجی بھائی رامجی مرحوم کچھ سانگوگا والا۔ آپ ایک معتقد اسمٰعیلی تھے اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

اگر علیحدہ ہو جائے تو انسان مردار بن جائے۔ اور جہاں کچھ بھی نوشتہ اور قاعدہ نہیں وہاں مطلق العنانی پیدا ہو جاتی ہے مگر قوانین ہوں اور اُس پر عمل نہ کیا جائے تو ایمان اس کا خراب ہوتا ہے۔

بروده کے مسلمانوں کا احترام

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب ۲۵ رمضان ۱۳۵۳ھ مطابق فروری ۱۹۳۵ء کو دہلی روانہ ہوئے اسوقت بروده اترے تھے۔ جہاں آج محل میں شاہی مہمان کی حیثیت سے فروکش ہوئے تھے۔ مہاراجی کے ساتھ آپ نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ بروده کی مسلم کانفرنس اور انجمن اسلام کے سپاسنامے منظور کئے تھے۔ مسلم لیڈروں کے علاوہ ریاست کے عملدار اور دوسری قوموں کے عمائدین کل چھ ہزار آدمی اس جلسہ میں شامل تھے شام کو نظرباد گئے تھے۔ جہاں میونسپلٹی اور نظرباد کے مسلمانوں کا سپاسنامہ وکٹوریہ گارڈن میں قبول کرکے نومسلموں سے ملاقات کی تھی جنکی تین ہزار کی تعداد وہاں موجود تھی۔ ان کے بچّوں کو ہر سال ایک ہزار روپیہ کا اسکالرشپ آپ نے مرحمت فرمایا تھا۔ وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔ چوتھی تاریخ کو دہلی آتے ہی ہزاروں باشندے استقبال کے لئے آئے تھے۔ وائسرائے کے اے۔ ڈی۔ سی بھی حاضر ہوئے تھے جن کے ساتھ وائسرائے لاج میں معزز مہمان کی حیثیت سے موٹر میں روانہ ہوئے تھے۔ اور ہر مقام میں پولیس کا انتظام نہایت عمدہ تھا۔

آپ وائسرائے کے مہمان کے طور پر دہلی گئے ہوئے تھے چھٹی تاریخ کو وائسرائے کے اے۔ ڈی۔ سی کے ہمراہ اسمبلی میں حاضری دی تھی۔ اس وقت وہاں مسٹر آصف علی تقریر کر رہے تھے۔ صرف پندرہ منٹ تشریف رکھی تھی۔

دہلی ٹاؤن ہال میں ایٹ ہوم

۷ تاریخ کو نواب صاحب آف چھتاری نے مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب

کے احترام میں دہلی کے ٹاؤن ہال میں ایٹ ہوم" کا جلسہ منعقد کیا تھا۔ اور مجلس قوانین کے مسلم اراکین کی طرف سے نویں تاریخ کی شب کو کونسل ہاؤس کے ڈائننگ ہال میں ایک ضیافت ہز ہائنس سر آغا خاں صاحب کو دی گئی تھی۔ جس میں کانگرس پارٹی کے لیڈر بھی حاضر تھے صدارت کی کرسی پر مجلس قانون ساز کے صدر مسٹر عبدالرحیم تشریف رکھتے تھے۔ ابتداء میں سر محمد یعقوب نے کہا تھا کہ آپ بالکل فرقہ وارانہ نکتہ نظر نہیں رکھتے۔ ہندوستان جب قومی جھگڑوں سے متزلزل ہو رہا تھا۔ ایسے زمانہ میں برٹش انڈین ڈیلیگیشن کے صدر کی حیثیت سے آپ کا انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ بات صرف آپ کے مخصوص اوصاف حمیدہ کا ثبوت ہے اور آپ کی سیاسی عقلمندی اور خردمندی کا ایک بین ثبوت ہے

اس موقع پر مسٹر غزنوی نے جو تعریف و توصیف کے الفاظ آپ کی خدمات کے متعلق بیان کیا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے کہا کہ مسٹر غزنوی نے ٹروجن کے گھوڑے کا بیان کیا ہے۔ گھوڑے کی کوئی بھی وضع دیکھنا میرے لئے باعث خوشنودی ہے میری زندگی کا ابتدائی زمانہ میں نے مہاراشٹرا میں گذارا ہے۔ اور اس کے شہر کے ایک حصہ میں میں نے ایک ہر دلعزیز دیو مورتی دیکھی ہے اسکی تصویر اس وقت میرے سامنے ہے۔ مختلف طول و طویل اور مختلف قد و قامت کے ہاتھوں کے ہمراہ ایک زبردست موٹا جسم اس مورتی کا تھا۔ میں نہایت خلوص سے مانتا ہوں کہ صرف ہندوستان کی ہی خاطر نہیں۔ بلکہ اس کی تہذیب و تمدن اور انسانیت اور انہی کے مطابقت میں ان کے حصوں کے ساتھ ایک نمونہ کے طور پر اس دیو مورتی کے برابر ہندوستان کو رہنا چاہیئے کہ جس نمونہ کے متعلق مختلف تہذیب و تمدن والوں کے طور پر سب کو رہنا چاہیئے اور سب ایک ہی والدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

آج میں تمھارے سیاسی امور سے دور رہوں گا بلکہ تمھارے سامنے "ہند ماتا" کے دیو مورتی کا پتہ لا پیش کر دوں گا۔ اور تہذیب کی علیحدہ علیحدہ اقسام کے لئے فخر کرنیکی تمہیں نصیحت کرتا ہوں گا۔



ناظم قوم :- (۱) بمبئی درخانہ جماعت کے چیف مکھی عالیجاہ حسن بھائی لالجی دیوراج (۲) بمبئی درخانہ جماعت کے چیف کامڑیہ خان بہادر عالیجاہ
قاسم علی حسن علی جوہری (۳) وزیر اسمٰعیل بھائی ویر جی جے۔ پی کاٹھیاوار اسمٰعیلیہ سپریم کاؤنسل کے صدر (راجکوٹ) اور (۴)
سیٹھ حسین بھائی تیجا رمضان سندھ اسمٰعیلیہ سپریم کونسل کے صدر۔






قومی ترقی کے رُوحِ رواں:- (۱) سیٹھ فاضل بھائی ابراہیم رحمت اللہ سماعیلیہ قوم کے "اکانامک ایڈوائزر" (مشیر مالیات) (۲) وزیر محمد بھائی ابراہیم روجی جے۔ پی آل اسمعیلیہ کونسل کے جنرل ایڈوائزر (مشیر آئین) (۳) سیٹھ حسین علی ایم رحمت اللہ اسمٰعیلی بمبی ہیلتھ کمیٹی کے صدر، اور (۴) اعتمادی مشنری سر علی بھائی رمضان علی افریقہ کے اسمٰعیلی اسپیشل کمشنر اور سیاح۔

معنی خیز سوالات !!

دہلی والے خواجہ حسن نظامی کو مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے "وائسرائے لاج" میں ملنے کا وقت دیا تھا مگر مشغولیت کے سبب سے ملاقات ہو نہ سکی، رات کو ڈنر میں دونوں کی ملاقات ہوتے ہی آپ نے فرمایا کہ "آج مجھے آپ سے ملاقات کرنی نہایت ضروری تھی۔ مگر کام کاج کی زیادتی سے بایں ہمہ کہ دن تمام ہوتے بھی ملاقات نہ ہو سکی، اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی کہ خدا تعالیٰ اگر سورج کو دو ساعت غروب ہونے نہ دے تو میں اپنے باقی کام کو بھی پورا کر لوں اور آپ کی ملاقات بھی ہو جائے۔

خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ آپ کے دادا حضرت علی صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم نے سورج کو غروب ہونے سے روکا تھا۔ اسی طرح آپ بھی دعا مانگتے تو ظہور میں آتا اور آفتاب دو ساعت بعد غروب ہوتا۔

اسی دن دہلی مسلم ایسوسی ایشن کی طرف سے آپ کو پنچ دیا گیا تھا۔ آپ جب جلسہ میں تشریف لائے تو میونسپل کمشنر خان بہادر ایس۔ ایم۔ عبداللہ نے آپ کا استقبال کیا۔

اسلامی تہذیب کی جدید تعمیر

بمبئی کے ٹاؤن ہال میں اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن کا معائنہ مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے کیا تھا۔ اس ادارہ کے صدر سیٹھ علی محمد مکلائی جے۔ پی اور آنریری سکریٹری مسٹر اے۔ اے فیضی (بیرسٹر ایٹ لا) اور مشہور روسی سیاح مسٹر ایوے نوو نے آپ کا استقبال کیا تھا بعد ازاں ایسوسی ایشن کے مجلس میں آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی تہذیب۔ علم تاریخ اور فلسفہ کی ترقی تمام عالم میں ہو یہ دیکھنے کے لئے میں ہمیشہ مشتاق رہا ہوں۔ تمام اقوام کی تہذیب کو ظلمت کے زمانہ سے گذرنا ہوتا ہے۔ یونان مصر اور دیگر اقوام کی زندگی میں مصیبت کا زمانہ آیا تھا اور کم نصیبی سے ہم لوگ بھی ایسے بُرے زمانہ سے گذر رہے ہیں جو اسلام کے زمانۂ ظلمت

کے وسط دریا کے مشابہ ہے آج ہماری قومی زندگی کی تعمیر جدید ممالک مغرب کے تعلق سے ہو رہی ہے کم نصیبی سے اس کے ابتدائی طبقہ میں مغرب کے ممالک اور دوسرے اسلام کے مغربی محقق اس کی عظیم الشان تہذیب کے حقیقی جوہر سے واقف نہ تھے۔

ہندوستان سے آپ ۲ مارچ ۱۹۳۵ء کو اسٹیمر راج پورہ کے معرفت یورپ تشریف لیگئے تھے۔

بہرام کی کامیابی

۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۵ رجون ۱۹۳۵ء ڈربی کی شرط میں بہرام کی کامیابی ہوئی تھی یہ نہایت شاندار اور تاریخی فتح تھی اس فتح کے اعزاز میں ہز ہائینس سر آغا سلطان محمد شاہؑ کو جارج پنجم نے شاہی محل بکنگھم پیلیس میں ایک ضیافت دی تھی۔ جس میں جوکی کلب کے ۵۸ ممبر حاضر تھے۔ طعام کے میزوں کو سرخ و سبز رنگوں سے مزین کیا گیا تھا اور مٹھائی سے بھری ہوئی رکابیوں پر بھی اس طرح کے رنگ تھے جو مولانا حاضر امامؑ کے نشان کے رنگ میں تناول طعام سے بیشتر شہنشاہ نے مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب کی سلامتی کا جام نوش کیا تھا۔

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خانؑ کا مشہور گھوڑا بہرام جیوبیلی ریسنگ سیزن میں کامیابی حاصل کرنے والے گھوڑوں کی فہرست میں سب سے پہلے نمبر میں آیا ہے۔ اور اس نے "سٹر پیل کراؤن ونر" کے طور پر ۱۹۲۰۱۴ پاؤنڈ کی رقم جیتی تھی۔

لیگ آف نیشنس میں ہندوستان کی نمائندگی

جنیوا میں لیگ آف نیشنس کے اجلاس میں مولانا حاضر امام سر آغا سلطان محمد شاہؑ نے فرمایا کہ "لیگ آف نیشنس کے لئے ہندوستان کی نکتہ چینیاں بڑھتی جا رہی ہیں ایک جانب لیگ آف نیشنس کے اعتبار میں نقص دیکھی واقع ہونا اور دوسری جانب ہندوستان کی کم نمائندگی ہمیشہ دل آزار رہی ہے لیگ میں یورپ کے مفاد کو اہمیت دی جاتی ہے اور ہندوستان کے لاکھوں باشندوں کی غربت کے باوجود بھی ہندوستان



ہنزا کے اسمٰعیلی حکمران: ہز ہائینس سر میر محمد نظیم خان کے۔سی۔آئی۔ای

اور ان کے ولیعہد میجر محمد غزن خان

فیز کی بہت بڑی رقم ادا کرتا ہے تاہم نقائص بالا کے باعث ہندوستان کو صدمہ پہنچا ہے لیگ آف نیشنس کی ناکامیابیوں سے اور تحدید اسلحہ کے سوال کی ناکامیابی سے ہندوستان کے جذبات نہایت مجروح ہوتے ہیں کیونکہ لیگ کے اراکین نہایت تیزی سے مسلح ہوتے جارہے ہیں لیگ کے اراکین میں ظاہراً یا پسِ پردہ جو ناچاقیاں ہوتی ہیں اس سے ہندوستان کو زیادہ صدمہ پہنچا ہے اور نی الحال جو مشکلات درپیش ہیں وہ اگلی تمام مشکلات سے اہم ہیں۔ خدا نا خواستہ اگر انجام بُرا ہو تو دُنیا میں کیسے بُرے نتائج واقع ہوں گے یہ کون کہہ سکتا ہے۔

ہندوستان کا دعویٰ نہایت قوی طور سے پیش کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ "ہندوستان لیگ آف نیشنس پر نکتہ چینی کرتا ہے وہ نکتہ چینیاں اس کے مقاصد پر نہیں بلکہ اس کے کارروائی کی نقص کے نسبت ہیں لیگ کے مقاصد اور ہندوستان کے مقاصد کے ذرائع دونوں ایک ہی ہیں۔ آپس کے جھگڑوں سے مجمع کی سلامتی کا مقصد ہندوستان کو بہت زیادہ پسند ہوتا جارہا ہے دنیا کی جدا جدا اقوام الگ الگ راہ پر گامزن ہوتی ہیں۔ مگر اس راہ کا انتخاب نہایت عقلمندی سے ہونا چاہیئے۔

اورینٹیل اسکول آف سٹڈیز

لندن کے اورینٹیل اسکول آف اسٹڈیز آپ کی طرف سے فارسی زبان کے لئے ایک آغاخان ٹراویلنگ اسکالرشپ دیجاتی ہے۔ حال میں چند عرصہ ہوا یہ اسکالرشپ مس لیمنگٹن بی۔اے کو دی گئی تھی۔ سر ڈینیس راس اس اسکول کے بڑے عہدیدار ہیں۔ اس اسکول کی زمانہ دراز سے خدمت کرنے کے بعد سر ڈینیس راس ماہ اگست ۱۹۳۷ء میں فارغ ہوئے ہیں۔ لندن کی اورینٹیل سوسائٹی نے اس کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کیا تھا سات ہزار طلبا نے اس سکول میں تعلیم پائی ہے آپ ۴۵ زبانیں جانتے ہیں۔ اس جلسہ میں ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب کی طرف سے ایک پیغام بھیجا گیا تھا جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ سر ڈینیس کی کارروائی ممالک مشرق و مغرب کے مابین دوستانہ تعلقات بڑھانے کے لئے نہایت عمدہ ثابت ہوئی ہے۔ سر ڈینیس راس کے عہدہ کا اختیار پروفیسر آر۔ ایل۔ ٹرنر نے لیا ہے

نیشنل لیگ کا جلسہ

لندن میں نیشنل لیگ آف کونسل آف پیرس اور لندن کے مسلم لیڈروں نے لنچ کا ایک جلسہ کیا تھا جس میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے انگلو سیکشن اور اسلامی دنیا کے درمیان اقتصادی اور تعلیمی امور کا تعاون ڈھونڈھ نکالنے کے لئے کہا تھا۔

اس موقع پر صدر سر رابرٹ ہارن نے کہا تھا۔ کہ ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کئی سال سے برٹش سلطنت کے امور میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں لیگ کی اسمبلی میں ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے یا اپنی خانگی تحریک میں آپ جیسے کوئی قاصد صلح نظر آتے نہیں۔

برٹش اور اسلامی اخوت میں اضافہ کرتے ہوئے اور نیشنل لیگ کے کام کی تعریف کرتے ہوئے مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے فرمایا کہ گذشتہ صدی کے اواخر سے میں اسلامی ترقی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ اس زمانہ سے یعنی آخری پینتیس ۳۵ سال سے اسلامی دنیا کی خدمات میں اور صلح و امن و امان قائم کرنے میں نہایت جانفشانی میں نے کی ہے۔

لارڈ ہیڈلی کی خدمات کی قدر شناسی

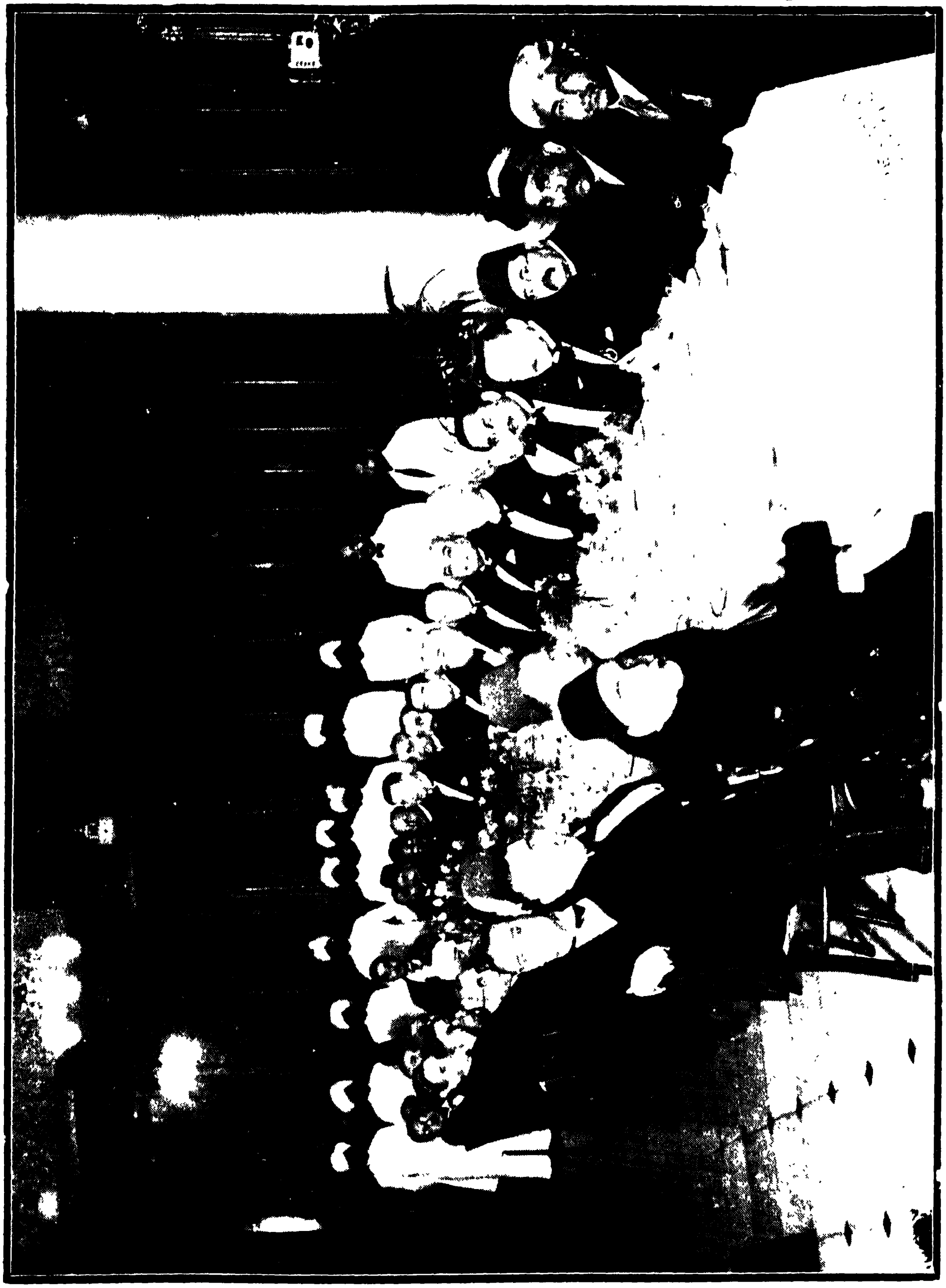
لارڈ ہیڈلی مرحوم کی اسلامی خدمات کی قدر شناسی کرنے کے لئے لندن میں منعقد شدہ ایک جلسہ میں صدر کی حیثیت سے آپ نے فرمایا کہ "مرحوم کی ایک یادگار قائم کرنا چاہیئے اور اس کی تائید ہوتے ہی ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا۔

مریدوں کی تعلیم و تربیت پر لاکھوں روپے کا خرچ

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ کی طرف سے اپنے مریدوں کے منفعت کے لئے بمبئی، کاٹھیاوار، سندھ، گجرات، پنجاب، سنٹرل ایشیا، شام اور جہاں جہاں



ہندوستان میں گولڈن جوبلی: مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی بمقام حسن آباد (مجگاؤں ممبئی) مختلف قوموں کے ....ہم نفوس کی ایک دلکش حاضری میں رسم میزان ادا کی گئی تھی جس میں ۹۷۲۹ تولے سونے کا استعمال ہوا تھا۔



اسمٰعیلی رہتے ہیں وہاں ان کی تعلیم و تربیت کے لئے سیکڑوں مدارس آپ نے جاری کر دیے ہیں جس کا سالانہ خرچ تقریباً ۶ لاکھ روپے ہوتا ہے۔ یہ تمام رقوم آپ اپنے جیب خاص سے دے کر اپنے مریدوں پر بہت بڑا احسان کرتے ہیں یہ ایک نعمت عظمیٰ ہے آج اسی مفت تعلیم و تربیت سے اسمٰعیلی ترقی یافتہ ہیں۔

اسمٰعیلی دب مشن اور کونسل

اسمٰعیلی مریدوں کے لئے مولانا حاضر امامؑ کی فیاضی سے جو معاونت حاصل ہو رہی ہے اور مشن جاری ہے۔ اس کے اخراجات کی کفالت کے لئے آپ سالانہ ڈیڑھ لاکھ روپے کی شاہی رقم کی بخشش از راہ کرم کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ اسمٰعیلی اپنے مذہب کو سمجھیں در زمانہ ماضی کے اسمٰعیلی جاہ و جلالت کے ساتھ امام کی نسلاً بعد نسلاً کی معرفت بھی ساتھ ہی ساتھ انہیں حاصل ہو جائے۔

اسمٰعیلی مریدوں کے دنیا دی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اور قوم کے آرام و چین کی تجاویز کرکے مفید کارروائیاں لائق طور سے ہوں اس لئے دنیا کے تمام حصوں میں جہاں اسمٰعیلی آباد ہیں وہاں ہر مقام میں سپریم کونسل۔ ڈسٹرکٹ کونسل اور لوکل کونسل اور اسی طرح کمیٹیاں بھی قائم کی گئی ہیں۔ جن میں کارکن اور چپراسی کورٹ کے دالان اور دفاتر وغیرہ کے اخراجات کی کفالت کے لئے سالانہ تین لاکھ روپے کی شاہی رقم مرحمت فرماکر مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نہایت رحم دلی سے اسمٰعیلی زن و مرد کے خانہ دارانہ زندگی کے جھگڑوں کی فہمائش کراکے راحت پہنچانا اور کورٹ کے اخراجات کے فضول خرچی سے بچانے کی غرض سے گھر ہی گھر آپس میں فیصلہ کے ذرائع قوم کی بہبودی کے لئے مہیا کئے ہیں۔ جس سے قوم نہایت اچھی طرح فائدہ حاصل کر رہی ہے۔

جماعتی نظام اور کھیل و تفریح کی ترقی

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ نے جماعت کو بندگی کے لئے جماعت خانے قائم کر دیئے ہیں جہاں شادی غمی و ضیافت کے کھانے کے کاموں کی بھی سہولت رکھی گئی ہے۔ اس کام کا فیصلہ کرنے کے لئے سالانہ چار لاکھ روپیہ کا خرچ ہوتا ہے یہ شاہی رقم بھی مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب از راہ کرم اپنی جیب خاص سے ہی عنایت کرکے قوم کو رہین منت فرماتے ہیں اپنے مریدوں سے آپ فیاضانہ اور نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ جس کی مثال روئے زمین کی کسی قوم میں ہرگز نظر نہ آئے گی۔ مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ خود ایک سچے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے اسپورٹسمین ہیں اور اپنے مریدوں کے فائدہ کے لئے بھی کلب اور اسپورٹس کے بارہ میں میدان وغیرہ کے خرچ کے لئے سالانہ پچاس ہزار روپیہ سے زائد بخشش کے طور پر مرحمت فرما کر اسکی کفالت بھی کرتے ہیں۔ اور ان سے اسمٰعیلی قوم کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

طبی راحت کے ادارہ

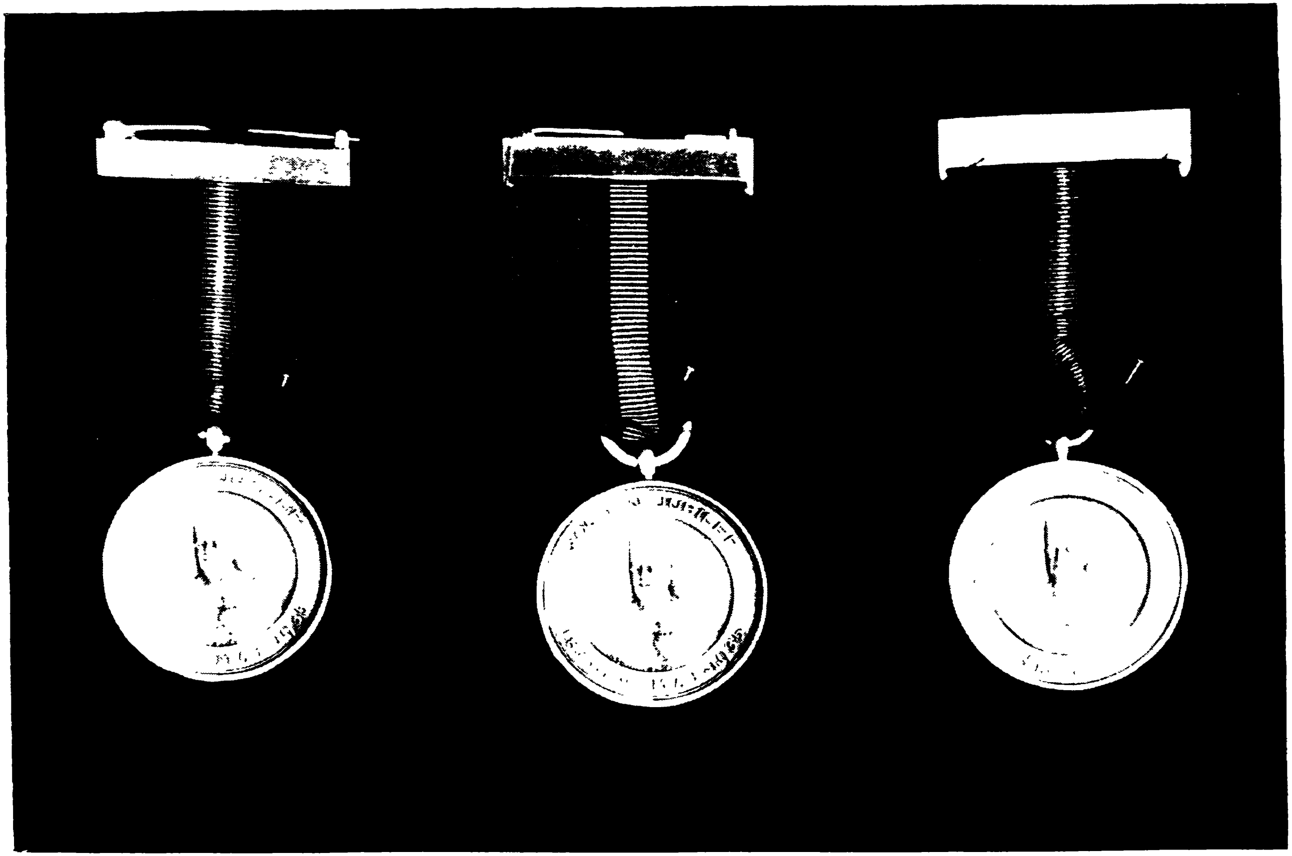
اسمٰعیلی مریدوں کے راحت کے لئے افریقہ اور ہندوستان کے بڑے شہروں میں اسپتال، زچہ خانے اور مسافر خانوں کی کفالت ہو رہی ہے۔ جو جماعت کے لئے باعث برکات عظیم ہیں اور ہزارہا عورتیں اور بچے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ ان تمام اداروں کو بھی مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی نادر رقم اپنے ہی جیب سے نوازش کرتے ہیں۔

عمارتوں کی نگرانی اور لاکھوں روپیوں کا سالانہ خرچ

ہندوستان افریقہ اور ایشیا جہاں مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کے مریدوں کی جماعت بود و باش کرتی ہے وہاں دمنہ، درگاہ، مسجدیں اور قبرستان جو آپ کی سرپرستی میں ہیں



بمبئی کے ریس کورس لان پر گولڈن جوبلی کے تقریب کے سلسلہ میں مولانا حاضر امام آغا خان صاحب کو ایک سپاسنامہ دیا گیا تھا جس میں بمبئی کی ہر قوم کے با اثر افراد کثیر تعداد میں حاضر ہوئے تھے۔



ہندوستان میں مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی پچاس سالہ امامت کی گولڈن جوبلی منائی گئی اس موقع پر اسمٰعیلی طلبہ وطالبات کو یہ تمغے عنایت کئے گئے تھے۔

ان کے اوپر بھی سالانہ اخراجات کے طور پر ایک لاکھ روپیہ بخشش کرتے ہیں اور اسکا کام برابر چلتا رہتا ہے۔ حاجتمندوں کو اسکالرشپس۔ بیلوں اور خدمت گار اور ان کے اولاد کے رہنے کے لئے جگہ اور خرچ کے لئے پنشن وغیرہ آپ نے مقرر کر دی ہیں۔ یہ رقم بھی نہایت عظیم الشان ہے اور اس کا سالانہ تقریباً اندازہ ساڑھے چار لاکھ روپئے کا ہوتا ہے اس کے علاوہ آپکی باطنی اور بالکل اظہار ہو نہ سکے ایسی بخششوں کا اندازہ کرنا محال ہے۔

دنیا کے ہر ایک گوشہ میں ہز ہائینس سر آغاخاں صاحب کی سخاوتوں کا چشمۂ فیض نہایت زوروں پر بہتا رہتا ہے ایک بڑی حکمت کے طریقہ پر اپنے مریدوں کی حالت کو بہتر بنانا اور امام کے اسلاف بنی فاطمہ کے پاکیزہ خون کی جلالت و شان ظاہر کرنا یہ آپ کی ذات پاک کے اوصاف حمیدہ ہیں اماموں کے نزدیک دولت پانی کے مثال ہے اور اس کو بہتی ہوئی رکھنا یہ اماموں کا ہی کام ہے۔ دنیا کی ہر چہار طرف، فقرا، پادری، پنڈت، گرو وغیرہ نظر آتے ہیں ور اپنے مریدوں کے پاس سے وہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں اس میں سے اپنے مریدوں کی بہتری کے لئے ایک ذرہ برابر بھی خرچ نہیں کرتے۔ مگر آپ ایسے امام ہیں کہ آپ کے مرید آپ کو حق دیتے ہیں اس پر خود مختارانہ مالک ہوتے ہوئے بھی اپنی دولت کھلے ہاتھ سے اور فیاضی سے دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والے اپنے مریدوں کے فائدہ کے لئے خرچ کرتے ہیں فیاض دل صرف امام کی ذات کا ہی ہو سکتا ہے۔

مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کے دنیا کی وسیع زمین پر منتشر شدہ کروڑوں مریدیں اپنے امام زمان کو روحانی والد کی حیثیت سے پختہ عقیدہ سے مانتے ہیں اگر وہ مرید چاہے خواجہ ہو، مومن ہو، کہ ہندو گپتی ہو یا پٹھان، بدخشانی، عرب، شامی یا یورپین ہو مگر ہر مرید کا عقیدہ امام کی فرمانبرداری اور تابعداری ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ اسمٰعیلی مذہب کے پیروؤں کے مابین کبھی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ غریب یا امیر ہو سبھی کے لئے ایک ہی امام کا حکم ان کی رہبری کرتا ہے۔

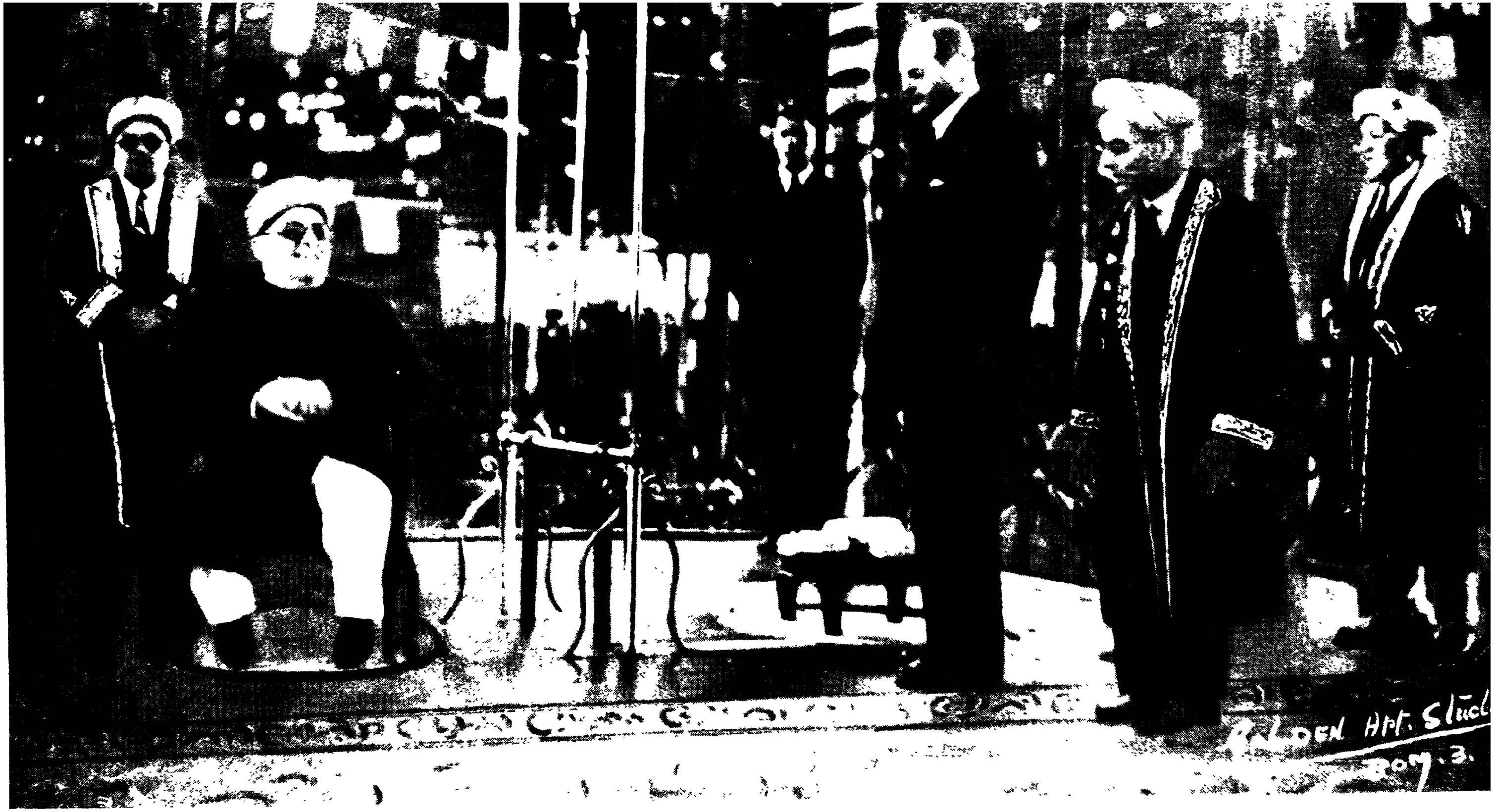
آپ کے مرید اسمٰعیلی حکام

وسط ایشیا کے ہنزا کے ملک کے حکمران میر کا آگے ذکر کیا گیا ہے ان کے ماسوا گلگت میں بھی محمد مظفر علی خاں نام کے اسمٰعیلی حاکم کی حکومت ہے یپال کے سردار احمد انور خان یاسین میں سردار عبدالرحمٰن خان اور سریکول میں سردار محمد کریم بیگ بھی یہی شان رکھتے ہیں۔ سرحد چین کے اسمٰعیلی شاہزادہ لیث کی رعایا ہونے کا فخر کرتے ہیں۔ اور بدخشانی حکیم شاہ عبدالمعالی کی سرپرستی کا دم بھرتے ہیں۔ زمانہ حاضرہ کے یہ سب اسمٰعیلی مشاہیر ہیں اس کے علاوہ دوسری بھی اسمٰعیلی حکومتیں ہیں جو امام آغا سلطان محمد شاہؑ کے مرید ہیں۔ یہ رعایا کی اکثر تعداد نے امام کا دیدار بھی کبھی کیا نہیں تاہم ان کا اعتقاد کامل پہاڑ کے مانند مضبوط اور قوی ہے۔

گولڈن جوبلی کا ایک عظیم الشان واقعہ

لوئز مبین اپنے آخری طبقہ سے گذر رہی تھی۔ اور یہاں اسی عرصہ میں مولانا حاضر امام آغا سلطان محمد شاہؑ کی گولڈ جوبلی کی دھوم دھام سے تیاریاں ہو رہی تھیں تمام شہروں کے اسمٰعیلیوں میں خوشنودیاں اور مسرت کی دھوم پھیلی ہوئی تھی۔ بمبئی۔ ہندوستان اور ایشیا میں ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء کو آپ کو مسند امامت پر جلوہ گر ہوتے ہوئے پچاس سال کے عرصہ پر گولڈن جوبلی کی خوشیاں اور ضیافت منانے کی اجازت از راہ کرم عنایت ہوئی تھی۔

افریقہ کے شہروں کے سفر کیلئے آپ نے ماہ جنوری ۱۹۳۷ء میں آپ کی موجودگی میں گولڈن جوبلی کی تقریب منانے کا اہل افریقہ کو حکم دیا تھا اور بڑی دھوم دھام سے اس کی تیاریاں ہوئی تھیں۔



گولڈن جوبلی افریقہ :- مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی بار دیگر بمقام نیروبی مختلف قوموں کے اٹھارہ ہزار نفوس کی حاضری میں کینیا کے گورنر مسٹر ایس۔ ڈی۔ وڈے کے دست مبارک سے رسم میزان ادا کی گئی تھی جس میں ۷،۳۰۰ اونس سونے کا استعمال ہوا تھا۔

ضمیمہ

شہنشاہ جارج ششم کی تاج پوشی

نور المبین کا اصل مضمون ختم ہو جانے کے بعد چند امور کا درج کرنا ہمیں ضروری معلوم ہوا کیونکہ یہ کتاب چھپنے کے وقت تک کے سارے حالات کی ایک یادگار محفوظ رہ سکے۔

شہنشاہ جارج پنجم آنجہانی کے انتقال کے بعد شاہی تاجدار مقرر کرنے کا اہم مسئلہ اہل برطانیہ کو پیش آیا اس کے دوران میں کچھ غیر متوقع واقعات بھی پیش آئے۔ بعد میں شہنشاہ جارج ششم کی رسم تاجپوشی ۱۲ رمئی ۱۹۳۷ء کو بمقام "ویسٹ منسٹر ایبے" بڑے تزک و احتشام سے کی گئی۔ اسی سلسلہ میں ایک عالی شان دربار منعقد ہوا تھا جس میں انگلستان نوآبادیات ہندوستان اور دیگر سلطنت کے نمائندے نیز ممالک غیر کے مدبرین شامل ہوئے تھے شہنشاہ جارج ششم اور ملکہ ایلزبیجھ تخت نشین ہوئے اور ان کی رسم تاجپوشی آرک بشپ آف کنٹربری نے ادا کی تھی۔ مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب اور بیگم آغا خاں صاحبہ کو مہمان خاص کی حیثیت سے دعوت دی گئی تھی جس میں آپ نے شرکت کی تھی رسم تاجپوشی کی مسرت کا اظہار کرنے کیلئے شہنشاہ جارج ششم کی طرف سے بکنگھام کے شاہی محل میں ایک عظیم الشان ضیافت دی گئی تھی۔ جس میں بھی مولانا حاضر امام ہز ہائی نیس سر

آغا خاں صاحب نے اور بیگم آغا خاں صاحبہ نے معزز مہمانوں کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ برطانیہ عظمیٰ اور ہندوستان میں بھی بہترین طریقہ سے اس کی خوشی منائی گئی تھی۔

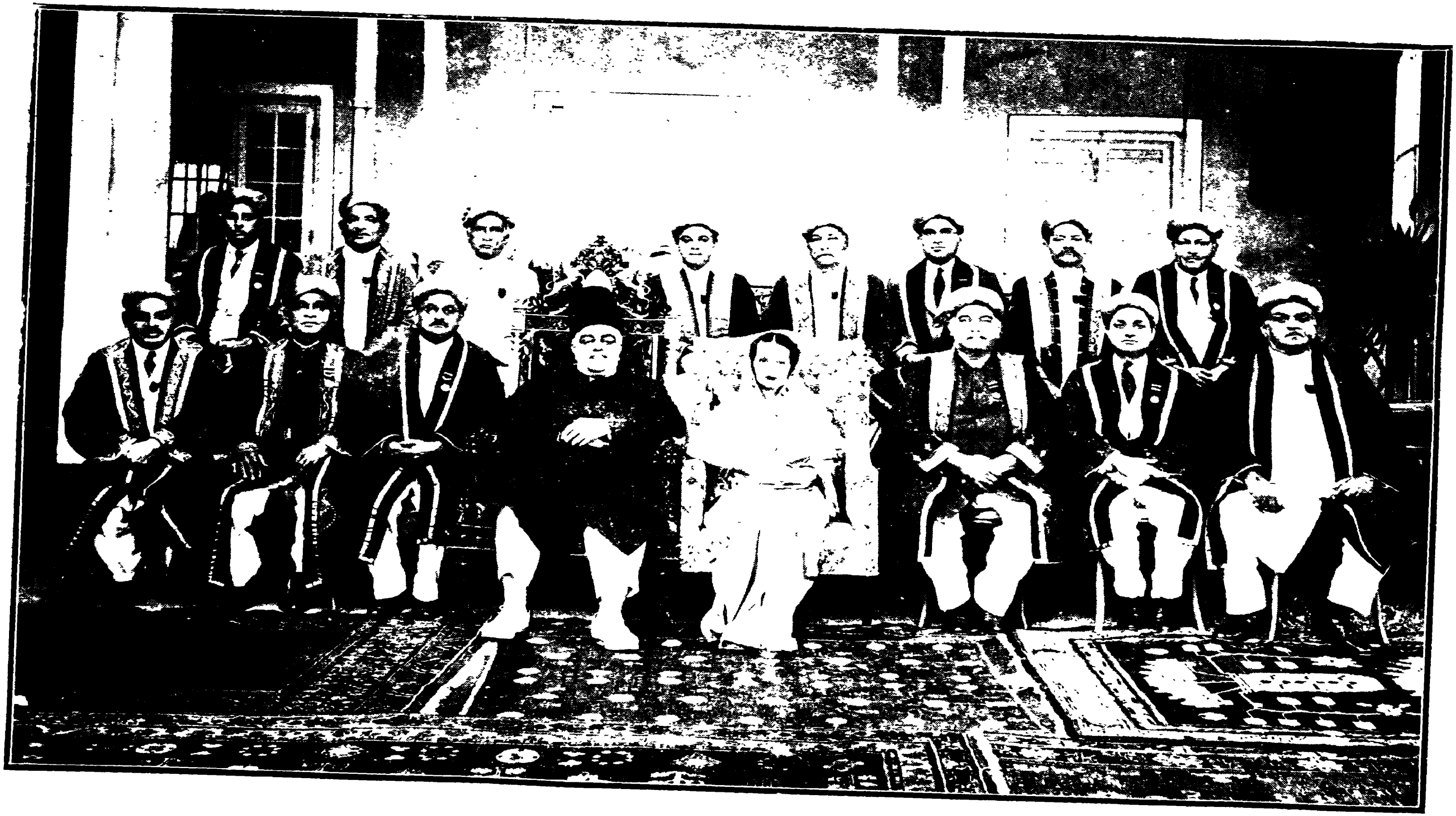
شہنشاہ جارج ششم کی تاجپوشی کے متعلق اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب نے لندن کے روزنامہ ڈیلی ٹیلیگراف میں ایک مقالہ لکھا تھا۔ اس میں آپ نے یہ بتلایا تھا کہ زمانہ کی انگلائی کے اثر سے شاہ اور تاج کی آئینی قوت اب ایک حکومت کے نظام کے ہاتھ میں چلی گئی ہے تاہم شہنشاہ اور شاہی خاندان کی ہر دلعزیزی قابل رشک ہے۔ ساری ملت کے لئے شاہی اقتدار ایک محافظ اور بے بہا جواہرات کے مانند ہے اور ان کا دور حکومت ملت کی بہتری کا سبب ہو سکے گا۔ بلکہ مستقبل میں نو آبادیات برطانیہ عظمیٰ اور ہندوستان برٹش حکومت کی کڑی میں مساویانہ منسلک کرنے کا شہنشاہ کا جو خیال ہے وہ ایک دن حکمران کی ماتحتی کے ایک مجلس اگرنہ بن سکے تاہم دنیا کے نصف ممالک کی مجلس تو ہو سکے گی۔ وہ نہایت مضبوط و مستحکم مرکز ہوگا اور شہنشاہ اور شہنشاہ بانوا سے وراثت میں دیے جانے کے لئے کامیاب ہوں گے۔

پوتہ کی ولادت باسعادت

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب کے ولیعہد پرنس علی سلمان خان کے حرم محترم میں پرنسیس علی شاہ (تاج الدولہ) کے بطن سے ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء کو دوسرے فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی جن کا نام امین محمد رکھا گیا ہے۔ ہندوستان میں اس خبر کے آتے ہی ہر علاقہ و ہر شہر کے اسماعیلیوں میں خوشیاں منائی گئیں۔ اور مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب اور ولیعہد پرنس علی سلمان خان نے جماعتوں کو دعائے برکت فرمائی۔



گولڈن جوبلی: مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب اور ہر ہائینس بیگم آغا خان صاحبہ ہندوستان کے مرکزی گولڈن جوبلی کمیٹی کے ساتھ۔



گولڈن جوبلی:- مولاحاضر امام سر آغاخان صاحب اور ہر ہائنس بیگم آغاخان صاحبہ گولڈن جوبلی کے موقع پر بمبئی کی امامی اسمٰعیلیہ کاؤنسل کے ساتھ۔

مجلس اقوام کی صدارت

جنگ عظیم ختم ہوجانے کے بعد مجلس اقوام کی تشکیل کی گئی۔ امریکا کے پریسیڈنٹ ولسن برطانیہ اور ممالک یورپ کے مدبرین نے اس میں حصہ لیا۔ مجلس اقوام کا اصول بنی نوع انسان میں قتل و غارتگری کے جذبات کو رفع کرکے بین الاقوامی دنیا میں صلح و آشتی قائم کرنے کا تھا۔ دنیا کے الگ الگ ملکوں کے مابین جو سیاسی جھگڑے پیدا ہوں تو بحث و مباحثہ اور مفاہمت سے اس کا فیصلہ کردیا جائے۔ تاکہ جنگ کی نوبت نہ پہنچے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی اصلاحات کی ذمہ داری بھی مجلس اقوام نے اٹھائی ہے۔ مجلس اقوام قائم ہونے کے بعد اپنے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرتی رہی ایک حد تک کامیاب بھی ہوئی مگر دول یورپ کے مدبرین کی سیاسی چالوں سے وہ اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوئی تاہم آج ساری دنیا کے لئے یہ ایک ایسی مجلس ہے کہ ہر حکومت اپنی مشکل کے وقت میں اس کے دروازہ پر دستک دیتی ہے اور آج بھی دنیا کے صلح و امن کے لئے صدہا حکومتیں اس سے توقع رکھتی ہیں۔

مجلس اقوام کا سالانہ جلسہ ہرسال سوئیٹزرلینڈ کی آزاد حکومت کے شہر جنیوا میں ہوا کرتا ہے اس کا بین الاقوامی دستورالعمل بھی ہے مجلس اقوام کی کارروائی اسکی بین الاقوامی کونسل کرتی ہے اور اسکی اسمبلی کا عام اجلاس بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات اہم مسئلے در پیش آتے ہیں تو علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں بھی قائم کرلی جاتی ہیں۔ مجلس اقوام میں ہر ممالک کے نمائندے اپنی حکومت کی طرف سے اس میں حصہ لیتے ہیں اور ان کا انتخاب بھی کیا جاتا ہے۔ ہرسال دنیا کی کسی حکومت کے نمائندہ کو مجلس اقوام کی اسمبلی کا صدر منتخب کیا جاتا ہے جو اجلاس کی کارروائی کو انجام دیتا ہے۔

امسال حضرت مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغاخان صاحب کو مجلس اقوام نے اپنا

صدر منتخب کیا ہے یہ انتخاب بذریعہ بیلٹ کے عمل میں آیا۔ فی الحال دنیا بھر کی ۵۴ حکومتیں مجلس اقوام میں شریک ہیں جن میں سے کل ۵۰ حکومتوں کے نمائندوں نے ووٹ دیئے تھے۔ ایک ضائع شدہ ووٹنگ پیپر کے ماسوا باقی سب کے سب ووٹ آپ کی موافقت میں دیئے گئے تھے۔

صدر منتخب ہونے کے بعد آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجلس اقوام کے اراکین نے میرے وطن ہندوستان کو ایک بہت بڑی عزت بخشی ہے مجلس اقوام کی بنیاد جس اصول پر ڈالی گئی ہے وہی اصول ہندوستان کے فلسفہ زندگی سے وابستہ ہے اور ہندوستان نے ہمیشہ صلح و آشتی کا سبق دیا ہے۔ ترکی، عراق، افغانستان اور مصر مجلس اقوام میں شامل ہوئے ہیں اس کے لئے آپ نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مجلس اقوام میں ان کی شمولیت ایک شگون نیک ہے کیونکہ روشنی ہمیشہ مشرق سے ہی آتی ہے مجلس اقوام کا نصب العین زندہ ہے اور کامیاب ہو کر رہے گا۔

اخباروں کی رائیں

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے مجلس اقوام کے صدر کی حیثیت سے جو مذکورہ بالا تقریر کی تھی اسکی نسبت بمبئی کے مشہور ڈیلی اخبار "ٹائمز آف انڈیا" نے تعریف و توصیف کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس میں "امکلتو" کی صدا آرہی ہے۔ اور فی الحال دنیا جس بدحالی میں مبتلا ہے اس کا مقابلہ کرکے انسان اس کو دفع کر سکتا ہے۔ ایسی امید آپ نے اس خطبہ میں دلائی ہے۔

دھلی کے مشہور و معروف صوفی خواجہ حسن نظامی صاحب نے آپ کی صدارت کے بارہ میں اپنے ہفتہ وار "منادی" اخبار میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہز ھائینس سر آغا خان صاحب اصل نسل فاطمی ہیں اور چونکہ بی بی فاطمہ کے حصہ میں خدا نے اپنی بیشمار نعمتیں لکھ دی تھیں اس واسطے ان کے حاسد اور حریف بھی بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ جب یہ خبر آئی کہ تمام دنیا کی حکومتوں کی لیگ کی صدارت ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کو ملی ہے تو ہندوستان کے سب حریف دم بخود رہ گئے۔ ایک شخص نے بھی خوشی کا اظہار نہ کیا۔ شاید ان کو خوشی ظاہر کرنے میں یہ عذر ہوگا



شاہی اظہارنامہ :- مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب بمبئی کے ٹاؤن ہال میں اہالیان بمبئی کے جلسہ عام میں شاہی اظہارنامہ پر تقریر کر رہے ہیں۔



کہ آغا خاں صاحب انگریزوں کے حامی ہیں لیکن گاندھی جی کیا انگریزوں کے دشمن ہیں؟ وہ تو آغا خاں صاحب سے زیادہ آج کل انگریزوں کی خوشامد کرتے ہیں۔

مجلس اقوام کے محل کی تعمیر مجلس اقوام نے اپنی مجلس منعقد کرنے کے لئے ایک شاہانہ محل تعمیر کرانے کی تجویز منظور کی تھی اور اس تجویز کے مطابق تخمیناً ۱۵۰۰۰۰۰ پاؤنڈ کے خرچ سے ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا گیا جسکی رسم افتتاح مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خانصاحب نے بحیثیت صدر لیگ اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی۔ اس تقریب کی یاد قائم کرنے کے لئے افتتاح کے ایک دن پیشتر آپنے مجلس اقوام میں حاضر شدہ دنیا بھر کی حکومتوں نیز اخباروں کے نمائندوں اور مجلس کے اسٹاف کو ایک عالی شان شاہانہ ضیافت دی تھی جس میں تقریباً ۱۵۰۰۰ روپیہ صرف ہوئے تھے اور تین ہزار معزز مہمانوں نے اس میں شرکت کی تھی۔ باشندگان جنیوا کئی دنوں سے اس دن کے آمد کا بڑے جوش وخروش سے چرچا کرتے اور راہ دیکھتے تھے۔

جنگ چین و جاپان ۱۲ ستمبر سے ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء تک مجلس اقوام کے کل ۱۴ مکمل اجلاس منعقد ہوئے ہیں۔ جن میں جنگ چین جاپان اور دیگر سیاسی اقتصادی اور معاشرتی مسائل کی نسبت بحث و مباحثہ کے بعد مختلف تجویزیں منظور کی گئیں۔ ہسپانیہ کی اندرونی جنگ کے اہم کو حل کرنے کے لئے ۹ نو حکومتوں (نائن پاور) کی کمیٹی تجویز کی گئی تھی اور چین کے معاملے میں جاپان کو اقوام جنگ کا بانی ظاہر کر کے اسکی تجارت کا مقاطع کرنے کا ریزولیوشن پاس کیا گیا تاہم مخلصانہ طور پر اس جنگ کا فیصلہ کرنے کے لئے بروسلس کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے جاپان کو دعوت دی گئی ہے۔

فلسطین کا وفد دوران صدارت میں فلسطین کے معزز عربوں کے ایک وفد نے واصف غالی پاشا کی سرکردگی میں ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کی ملاقات کی اور فلسطین کے عربوں کے مطالبات کو پیش کئے ہز ہائینس سر آغا خانصاحب نے ان مطالبات کو بادل پر سوز سنکر انہیں تسلی تسکین دلائی۔

لیگ کی نشست کا التوا مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے مجلس اقوام

کے اجلاس کو برخاست کرتے ہوئے مذکورہ لیگ کی نشست کے درمیان صحت۔ منشی اشیا کی تجارت۔ باہمی میل جرمانہ، قوانین کی اصلاح اور دیگر سیاسی معاملات کا تذکرہ کیا اور لیگ کی جدوجہد کے متعلق روشنی ڈالی اور دنیا کو موجودہ بدحالی سے نکال کر ترقی کی راہ پر لانے کے لئے جو نا اُمیدی پھیل رہی ہے ایسا جو دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی آپ نے اپنی تقریر میں مخالفت کی بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ سیاسی اور اقتصادی ذمہ داریوں کو علیحدہ کرنا ایک اہم مسئلہ ہے تاہم اسمبلی نے موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جدوجہد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہسپانیہ اور چین جیسے نازک اور اہم مسائل کو مجلس اقوام نے ہاتھ میں لیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجلس اقوام کی ہستی ضروری ہے۔ یہ اعتقاد عوام میں گہرا اثر رکھتا ہے ہندوستانیوں کا تو قطعی یقین ہے کہ امن و امان کے ماسوا دنیا کی آبادی بالکل ناممکن ہے مجھے قوی اُمید ہے کہ مجلس اقوام کے متعلق عوام کے دل میں ایسی اُمید قائم رہے گی۔

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے مجلس اقوام کی اسمبلی کی صدارت جس قابلیت اور حسن اخلاق و انتظام سے ادا کی ہے اس کی مبارک بادری جا رہی ہے اور مباحثہ کی گفت و شنید میں آپ نے دانائی۔ استقلال اور خوش انتظامی کے جو آپ نے جوہر دکھلائے ہیں اس کی تحسین و تعریف کی جاتی ہے۔

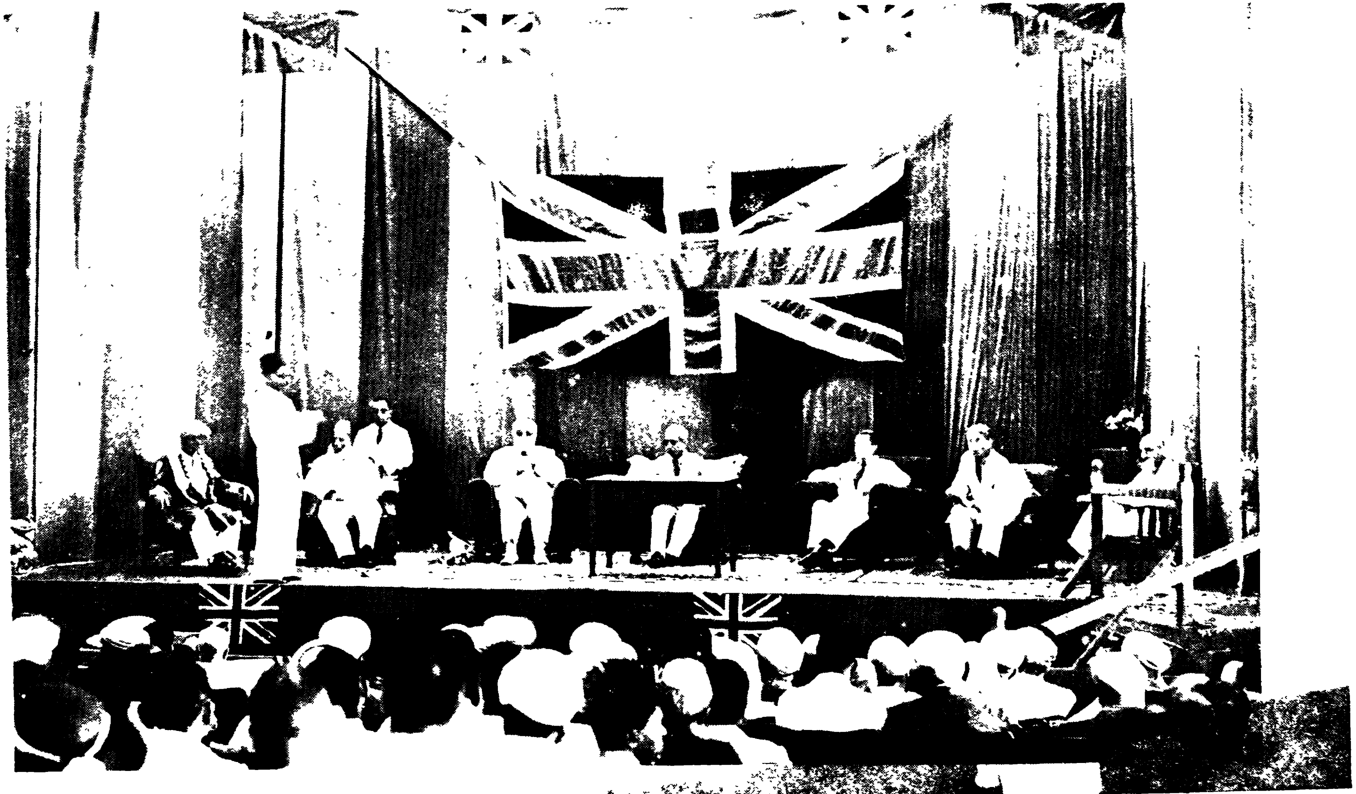
ہیر ہٹلر سے ملاقات

آج کل سیاسی دنیا میں چند شخصیتوں کا دور دورہ ہے اس میں سے ایک ہیر ہٹلر بھی ہے جو جرمنی کا ڈکٹیٹر ہے۔ یورپ کی سیاسیات میں پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں اور ان پیچیدگیوں کو سلجھانے میں ہیر ہٹلر کام نے سکتا ہے برطانیہ، جرمنی سے دوستانہ تعلقات رکھنے کے لئے کوشاں ہے۔ جس کے متعلق کچھ وقت پیشتر لوئڈ جارج نے ہیر ہٹلر سے ملاقات بھی کی تھی۔

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب نے ایک مدت دراز سے جرمنی سے دوستی



افریقہ کے شہر ممباسا میں مولانا حاضر امام سر آغا خاں صاحب جامع مسجد کا سنگِ بنیاد رکھتے نظر آتے ہیں۔



مولانا حاضر امام سر آغا خان صاحب کی گولڈن جوبلی کے دوران میں بمقام ممباسا ایمپائر تھیٹر میں ایسٹ افریقن انڈین نیشنل کانگرس مسلم ایسوسی ایشن اور اسماعیلیہ قوم کی طرف سے مختلف سپاسنامے دیئے گئے تھے اس کا ایک منظر۔

واشتی کا سلوک کرنیکے لئے برطانیہ کو متوجہ کیا ہے۔ آپ نے (اگر میں دنیا کا ڈکٹیٹر بنجاؤں) اس سُرخی سے جو مضمون شائع کیا تھا اسمیں جرمنی سے اتحادیوں کا جو عہدنامہ ہوا تھا وہ جرمنی کے حق میں نقصان دہ ہے اور یورپ کی صلح کے لئے اس میں ترمیم تبدل کرنے کے لئے بہت زور دیا تھا یورپ میں صلح کی فضا قائم کرنے کے لئے آپ جرمنی گئے تھے اور برچیس گیڈن میں آئے ہوئے ہیر ہٹلر کے شاہی محل میں ان سے آپ نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ملاقات کی تھی۔ جب آپ جرمنی پہنچے اس وقت جرمن انگریز سوسائٹی نے آپ کا بہت عمدہ اور شاندار استقبال کیا تھا اور حکومت برطانیہ کی طرف سے برٹش ایلچی کی حیثیت سے مسٹر آئیگلوی فاربس حاضر تھے نازی پارٹی کے چند معزز نمایندوں نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔ ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب کی ملاقات کے پیشتر اٹلی کے ڈکٹیٹر سائنور مسولینی نے تاریخ ۲۵ ستمبر کو برلن پہنچ کر ہیر ہٹلر سے یورپ کے سیاسی مسائل پر گفتگو کی تھی۔ اس سلسلہ کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے لارڈ ہیلی فاکس جرمنی گئے تھے اور امید کی جاتی ہے کہ ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب نے مدت دراز سے اہل برطانیہ کو جرمنی کے رابطہ اتحاد کے لئے متوجہ کیا تھا اسکے خوشگوار نتایج برآمد ہوں گے۔

ڈیوک آف ونڈسر کی دعوت طعام مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب مع اپنی بیگم صاحبہ کے جب جرمنی کے ڈکٹیٹر ہیر ہٹلر کی ملاقات کے لئے برلن میں تشریف فرما تھے اسوقت برطانیہ کے سابق شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم فی الحال ڈیوک آف ونڈسر اور ڈچیز آف ونڈسر جو اب مزدور کے حالات اور دنیا کے اقتصادی و معاشرتی سوالات کے مطالعہ کی غرض سے یورپ کی سیاحت کر رہے ہیں حاضر تھے انھوں نے آپ کو اپنی پرانی دوستی تازہ کرنے کی غرض سے اپنے شاہی مقام پر دعوت طعام دی اور بہت ہی محبت و احترام سے آپ کی مہمان نوازی کی۔

بکنگھم کے شاہی محل میں مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کے جنیوا سے انگلستان واپس تشریف لانے کے بعد شہنشاہ جارج ششم نے بکنگھم کے شاہی محل میں آپ کو مجلس اقوام کے صدر ہونے کی حیثیت سے اپنی ملاقات کا اعزاز بخشا۔

لندن میں جشن دیوالی لندن میں ہندوستانیوں کی چند انجمنیں ہیں جنکا مقصد ہندوستانیوں کے تجارتی

معاشرتی۔ سیاسی اور دیگر حقوق کی نگرانی کرنے کا ہے۔ ان انجمنوں کی طرف سے ہندوستانیوں کے چھوٹے بڑے تہوار جیسے کہ عید، دیوالی وغیرہ بڑی خوشی سے منائی جاتی ہیں اب کی سال جشن دیوالی منانے کے لئے ۱۲ ہندی انجمنوں نے ایک عظیم الشان ڈنر پارٹی کی تھی جس کی دعوت صدارت مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کو دی گئی تھی۔

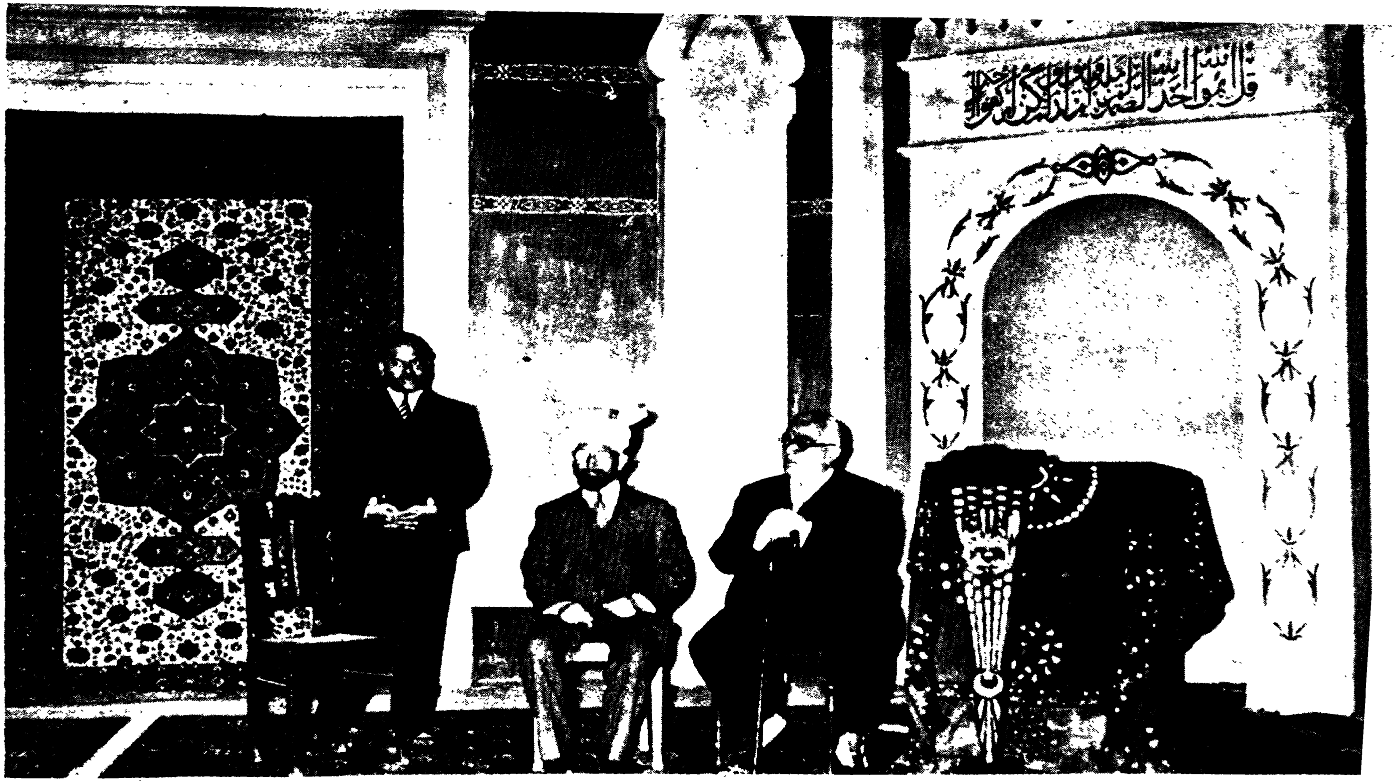
جرمنی کی تمنائے اتحاد

مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب نے لندن کے ایک مشہور اخبار کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کے صلح و امن کے لئے جرمنی ایک مضبوط ستون ہے۔ مجھے اس بات کا پورا اعتماد ہے۔ علاوہ بریں آپ نے فرمایا کہ جرمنی نے اپنے مزدوروں کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے لئے جو جد و جہد کی ہے اس کا مطالعہ کرنے کے لئے انگلستان کے چند مزدور رہنما اگر جرمنی کی سیاحت کریں تو بہت ہی بہتر ہوگا۔ اور برطانیہ اور جرمنی کے مابین خلوص دوستی کا رابطہ قائم کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔ رابطۂ اتحاد و محبت دوبارہ زندہ کرنے کی جرمنی کی تمنا دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا ہوں ــــــ"

رائیٹ آنریبل ہز ہائینس سر آغا خان صاحب کی ہندوستان میں تشریف آوری

اپنی والدہ محترمہ نوابہ عالیہ شمس الملک ہز ہائینس لیڈی علی شاہ کراؤن آف انڈیا کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے فی الحال مولانا حاضر امام ہز ہائینس سر آغا خان صاحب یورپ سے خاص ہوائی جہاز میں بتاریخ ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو بوقت شام بمبئی میں تشریف لائے ہیں اور امید ہے کہ کچھ عرصہ تک ہندوستان میں سکونت کریں گے۔

تمت بالخیر



مولانا حاضر امامِ ہز ہائینس سر آغا خان صاحب برلن (جرمنی کا پایۂ تخت) کے بانیٔ مسجد مسٹر صدر الدین کے ساتھ

نور مبین

فہرست مضامین

باب ششتم

ایران اور امامت

باب ہفتم

ہندوستان اور امامت

شجرات

दिनांक Date	उधारकर्त्ता की संख्या Borrower's No.	दिनांक Date	उधारकर्त्ता की संख्या Borrower's No.